www.KitaboSunnat.com

نَضَّرَ اللهُ اِمْرَءًا سَمِعَ مِنَّا حَدِيْثًا فَبَلَّغَهُ كَمَا سَمِعَهُ

اللہ تعالیٰ اس فرد کو شاداں وفرحاں رکھے جس نے ہماری بات سنی پھر اسے آگے اسی طرح پہنچا دیا جیسی سنی تھی۔

فقه الاحكام

شرح

بلوغ المرام

تألیف

فضیلة الشیخ

حافظ ثناء اللہ ضیاء حفظہ اللہ

جلد اول

مطبع شرح الصدور:

الحفاظ منزل کہکشاں کالونی نمبر 2 گلی نمبر 8، فیصل آباد

بسم اللہ الرحمن الرحیم

قُلْ أَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ

مجلس التحقیق الاسلامی زیر اہتمام

محدث لائبریری

کتاب وسنت کی روشنی میں لکھی جانے والی اردو اسلامی کتب کا سب سے بڑا مفت مرکز

معزز قارئین توجہ فرمائیں

- کتاب وسنت ڈاٹ کام پر دستیاب تمام الیکٹرانک کتب... عام قاری کے مطالعے کیلئے ہیں۔
- مجلس التحقیق الاسلامی کے علمائے کرام کی باقاعدہ تصدیق واجازت کے بعد (Upload) کی جاتی ہیں۔
- دعوتی مقاصد کیلئے ان کتب کو ڈاؤن لوڈ (Download) کرنے کی اجازت ہے۔

تنبیہ

ان کتب کو تجارتی یا دیگر مادی مقاصد کیلئے استعمال کرنے کی ممانعت ہے کیونکہ یہ شرعی، اخلاقی اور قانونی جرم ہے۔

اسلامی تعلیمات پر مشتمل کتب متعلقہ ناشرین سے خرید کر تبلیغ دین کی کاوشوں میں بھرپور شرکت اختیار کریں

PDF کتب کی ڈاؤن لوڈنگ، آن لائن مطالعہ اور دیگر شکایات کے لیے درج ذیل ای میل ایڈریس پر رابطہ فرمائیں۔

KitaboSunnat@gmail.com

library@mohaddis.com

www.KitaboSunnat.com

فقه الاحکام

شرح

بلوغ المرام

فضیلة الشیخ حافظ ثناءاللہ ضیاء حفظہ اللہ

حصہ اول

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

فہرست جلد اول

نمبرشمار	موضوع	صفحہ نمبر
	کتاب الطھارۃ — طہارت کے مسائل	
۱	پانی کی اقسام کا بیان	٦
۲	برتنوں کا بیان	۲۱
۳	غلاظت کی اقسام اور اسے دور کرنے کا طریقہ	۲۸
۴	حرمت اور نجاست کا بیان	۳۰
۵	لڑکے اور لڑکی کے پیشاب میں فرق کا مسئلہ	۳۴
٦	وضوء کا بیان	۳٦
۷	مسح کا طریقہ	۴۲
۸	موزوں پر مسح کا بیان	٦۱
۹	نواقض وضوء کا بیان	٦۸
۱۰	بول و براز کے آداب کا بیان	۸۳
۱۱	غسل جنابت کا بیان	۹٦
۱۲	تیمّم کا بیان	۱۰۹
۱۳	حیض کا بیان	۱۱۷
	کتاب الصلاۃ — نماز کے احکام و مسائل	
۱۴	نماز کے اوقات کا بیان	۱۲۷
۱۵	آذان کا بیان	۱۴۲
۱٦	نماز کی شرائط کا بیان	۱۵۸
۱۷	نماز کیلیئے سترہ کا بیان	۱۷۱
۱۸	نماز میں خشوع کا بیان	۱۷۷
۱۹	مساجد کا بیان	۱۸۴
۲۰	نماز کے طریقہ کا بیان	۱۹۳
۲۱	سجدہ سہو اور سجدہ تلاوت کا بیان	۲۸۳
۲۲	نفلی نماز کا بیان	۲۵۱
۲۳	نماز باجماعت اور امامت کا بیان	۲۷۳

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

۲۴ مسافر اور مریض کی نماز کا بیان ۳۰۳
۲۵ جمعہ کی نماز کا بیان ۳۱۱
۲۶ نماز خوف کا بیان ۳۲۶
۲۷ عیدین کی نماز کا بیان ۳۳۳
۲۸ گرہن کی نماز کا بیان ۳۴۲
۲۹ طلب بارش کی دعا کا بیان ۳۴۷
۳۰ لباس کا بیان ۳۵۳

کتاب الجنائز — **جنازوں کے احکام ومسائل**

۳۱ جنازہ کے احکام ومسائل ۳۶۱

کتاب الزکاۃ — **زکوۃ کے مسائل کا بیان**

۳۲ زکوۃ کے مسائل کا بیان ۴۰۳
۳۳ صدقہ فطر کا بیان ۴۲۲
۳۴ خیرات کا بیان ۴۲۵

کتاب الصیام — **روزوں کا بیان**

۳۵ روزہ کے احکام ومسائل ۴۳۷
۳۶ نفلی روزہ کے احکام ومسائل ۴۵۸
۳۷ تراویح اور اعتکاف کا بیان ۴۶۸

کتاب الحج — **حج کے مسائل کا بیان**

۳۸ حج کے احکام ومسائل ۴۷۵
۳۹ احرام باندھنے کے مقامات ۴۸۳
۴۰ احرام کی اقسام وصفات ۴۸۵
۴۱ احرام کے متعلقات کا بیان ۴۸۷
۴۲ حج کیلئے آپ ﷺ کا مکہ مکرمہ میں داخلہ ۴۹۷
۴۳ حج سے روکے جانے کا بیان ۵۲۰

” محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ “

www.KitaboSunnat.com

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

عرض مؤلف

دو ہزار چھ کے وسط کی بات ہے، احباب کی مجلس میں شریک تھا، دعوت دین کی اشاعت و ترویج پر بات چل رہی تھی، دوران گفتگو ایک ساتھی نے بلوغ المرام کی شرح لکھنے کی رغبت دلائی اور ساتھ ہی اسے زیور طبع سے آراستہ کرنے کی یقین دہانی بھی کروائی۔

یہ پیشکش بظاہر دل لبھا اور مسرور و مسحور کن تھی مگر مجھ جیسے علمی میدان کے کوتاہ قد کیلئے علم و عرفان کے وسیع میدانوں میں شاہسواروں کے نقش پر دوڑنا، فہم و فراست کے بحر عمیق میں غوطہ خوری کر کے سیپ کے پیٹ سے موتی نکالنا ایک دیوانے کے خواب سے کسی طرح بھی کم نہ تھا۔ ایک طرف احساس کم علمی اور دوسری طرف ذوق تحریر، جب قلم پکڑتا تو دونوں کو گتھم گتھا دیکھتا، آخر کار یہ خیال دل و دماغ پر قبضہ کر لیتا کہ بلوغ المرام کی مطول، مختصر اور ملخص شروحات ہر زبان اور انداز میں طبع کے زیور سے آراستہ موجود ہیں۔ اس خیال کے ساتھ ہی قلم پر گرفت کمزور پڑ جاتی، ذوق تحریر ماند پڑ جاتا اور کروٹیں بدلتا بدلتا سو جاتا، اسی کشمکش میں زندگی کی کئی راتیں بیت گئیں۔

ایک رات اسی اضطراب و تردد میں محو تھا کہ یہ خیال دل میں گھر کر گیا کہ روز محشر یقیناً خدام حدیث مصطفیٰ کی فہرست آویزاں ہوگی اور اس میں ہر طبع آزمائی کرنے والے کو حصہ بقدر جثہ میسر آئے گا۔ (ان شاء اللہ)

اسی خیال نے لکھنے کا حوصلہ بخشا، اللہ کی توفیق سے اس مشکل مگر باسعادت کام کا آغاز کر دیا آخر اللہ تعالیٰ نے چھ سال کے عرصہ میں مکمل کروا دیا۔ ہر حدیث کی تشریح کرتے وقت اس امر کو پیش نظر رکھا گیا کہ زیر مطالعہ حدیث کی وضاحت سب سے پہلے اس روایت کے دستیاب طرق کے حوالوں سے کی جائے۔ اگر کسی حدیث کی مؤید یا معارض روایات موجود ہوں تو ان کا تذکرہ بھی ساتھ ہی کر دیا جائے اور ان کی اسنادی حیثیت بھی بیان کر دی جائے۔ جہاں کہیں جمع و تطبیق یا ناسخ و منسوخ کا مسئلہ پیدا ہو تو اسے ماہرین فن کے قواعد و ضوابط اور اقوال کی روشنی میں حل کر دیا جائے۔ جن روایات کا تذکرہ تشریح میں کیا گیا ان کی تخریج بھی زیر تشریح حدیث کی تخریج کے ساتھ ہی کر دی گئی ہے۔ بندہ اس بارے میں کہاں تک کامیاب رہا؟ یہ فیصلہ قارئین کے سپرد ہے۔

اس کام کو مکمل کر کے دو ہزار بارہ کے آخر میں ممدوح کے سپرد کر دیا گیا، موصوف نے نہایت گرمجوشی اور خلوص محبت سے کمپوزنگ کروا کر پروف ریڈنگ کیلئے واپس کر دیا، راقم نے دو پروف بغیر عربی متن کے اور ایک پروف مع عربی متن کے اغلاط و تسامحات کی اصلاح کر کے ان کے سپرد کر دیا۔ اس کے بعد لائن کٹ گئی اور کتاب زیور طبع سے آراستہ نہ ہو سکی۔ کتاب اگرچہ طبع نہ ہو سکی مگر ہم دونوں عند اللہ اجر حسنہ کے ضرور مستحق قرار ٹھہرے ہیں۔

اللہ تعالیٰ محمد عمر شیخ اور فاروق بھائی کو فلاح دارین نصیب فرمائے، ان دونوں ساتھیوں نے حصول رضائے الٰہی کی خاطر اسے دوبارہ کمپوز کر کے اس کا نصف اول نیٹ پر اپ لوڈ کر دیا ہے اور نصف آخر بھی ان شاء اللہ کر دیا جائے گا۔

آخر میں قارئین سے التماس ہے کہ وہ اپنی خاص دعاؤں میں راقم، اس کے والدین، اساتذہ اور معاونین کو یاد رکھیں۔ نیز اگر دوران مطالعہ کسی غلطی کا مشاہدہ کریں تو 03006683801 پر ضرور اطلاع دیں، تاکہ غیر ارادی غلطی کی اصلاح اور اجتہادی غلطی سے رجوع کیا جا سکے۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

انتساب

اپنے والدین اور جمیع اساتذہ کے نام، خصوصاً جامع العلم والعمل

الشیخ شیخ الحدیث گلزار احمد و جامع المعقولات والمنقولات

الشیخ شیخ الحدیث محمد عبداللہ امجد چھتوی

(رحمہم اللہ)

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

كِتَابُ الطَّهَارَةِ

طہارت کے مسائل

۱. بَابُ الْمِيَاه — پانی کی اقسام کا بیان

۱: عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضی اللہ عنہ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم فِي الْبَحْرِ "هُوَ الطُّهُورُ مَاؤُهُ وَالْحِلُّ مَيْتَتُهُ" أَخْرَجَهُ الْأَرْبَعَةُ, وَابْنُ أَبِي شَيْبَةَ وَاللَّفْظُ لَهُ, وَصَحَّحَهُ ابْنُ خُزَيْمَةَ وَالتِّرْمِذِيُّ و رواه مالك و الشافعي و احمد

ابوداؤد، كتاب الطهارة، باب الوضوء بماء البحر: ۸۳، النسائي : كتاب الطهارة، باب في ماء البحر: ۱/۵۰، الترمذي: ابواب الطهارة ، باب ماجاء في ماء البحرانه طهور: ۶۹،ابن ماجة،ابواب الطهارة ، باب الوضوء بماء البحر : ۳۸۶، ابن ابي شيبة، كتاب الطهارة ، باب من رخص في الوضوء بماء البحر ، صحيح ابن خزيمة ، كتاب الوضوء ، باب الرخصة في الغسل والوضوء من ماء البحر : ۱۱۱ ، مؤطا امام مالک ، كتاب الطهارة ، باب الطهور للوضوء ، مسند شافعي ، باب ما خرج من كتاب الوضوء ،مسند احمد : ۲/۳۶۱ ، معرفة السنن والآثار : ۱/۱۳۶ ، زرقاني: ۱/۵۲

تنبیہ: یہ روایت درج بالا تمام کتب میں واؤ عاطفہ کے بغیر مذکور ہے،صرف ابن ابی شیبہ میں مـائه اور الحل کے مابین واؤ عاطفہ مذکور ہے،اس لئے حافظ ابن حجر نے زیر مطالعہ روایت کے الفاظ کو ابن ابی شیبہ کی طرف منسوب کیا ہے۔

۱: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے سمندر اور دریا کے متعلق ارشاد فرمایا: اس کا پانی پاک اور اس کا مردار حلال ہے۔اس حدیث کو کتب احادیث کے چھ مشہور مولفین میں سے چار اور ابن ابی شیبہ نے بیان کیا ہے، مذکورہ الفاظ ابن ابی شیبہ کے ہیں۔امام ابن خزیمہ اور امام ترمذی نے اس حدیث کو صحیح قرار دیا ہے،اس کے علاوہ اس حدیث کو امام مالک، امام شافعی اور امام احمد نے بھی روایت کیا ہے۔

لغوی تحقیق: کتاب: ایک جنس سے متعلق جتنی بھی انواع ہوں انہیں جس عنوان کے تحت ذکر کیا جائے،اہل علم اسے کتاب سے تعبیر کرتے ہیں۔الطهارة : یہ طَھُرَ کا مصدر ثانی ہے۔میل کچیل اور نجاست سے پاک صاف رکھنے کے عمل کو طہارت سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ باب: لغت میں باب اس مقام کو کہا جاتا ہے جہاں سے کسی چیز میں داخل یا خارج ہونا ممکن ہو۔اصطلاح میں ایک ہی نوع سے متعلق مسائل کو جس عنوان کے تحت بیان کیا جائے اسے باب سے تعبیر کیا جاتا ہے۔اصولیین نے اس لفظ کو مجازی معنی میں استعمال کیا ہے۔ **المياه** : یہ ماء کی جمع ہے، ماء کی اصل موہ ہے،اس سے علم صرف کا یہ قاعدہ بھی ثابت ہوا کہ الفاظ کی جمع ان کی اصلیت کو ظاہر کر دیتی ہے،لفظ ماء یا موہ پانی کی قلیل و کثیر مقدار کیلئے استعمال ہوتا ہے،اس لئے یہاں جمع سے مراد پانی کی کثرت نہیں بلکہ پانی کے حصول کے ذرائع (کنویں، دریا، چشمے، تالاب، سمندر وغیرہ) ہیں نیز جمع کا صیغہ طہر و نجاست کے اعتبار سے پانی کی اقسام کو ظاہر کرنے کیلئے استعمال کیا گیا ہے۔ **البحر** :

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

دریا،سمندر، پانی کی کثیر مقدار،نمکین پانی۔ **الطھور:** یہ مصدر ہے،اس کی طاء مفتوح (جس پر زبر پڑھی جائے) ہے،ہر وہ چیز جس کے ذریعے پاکیزگی حاصل کی جائے اسے طہور یا مطہر کہتے ہیں۔ **الحل:** یہ اسم مصدر ہے اس کی حاء مکسور (زیر کے ساتھ) پڑھی جاتی ہے یعنی حلال ہے۔

تشریح: صحیح ابن خزیمہ، بیہقی اور موطا میں یہ حدیث تفصیلاً مذکور ہے۔حضرت ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش ہو کر ایک شخص نے عرض کیا: یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہم بحری سفر کرتے ہیں، ہمارے پاس پانی کی مقدار بہت کم ہوتی ہے،اگر ہم اس پانی کو وضو کیلئے استعمال کریں تو ہمیں سخت پیاس کا سامنا کرنا ہوگا،اور پیاس ہمیں موت کی وادیوں میں بھی دھکیل سکتی ہے،کیا ان حالات میں بھی ہم اپنے پاس ذخیرہ شدہ پانی سے وضو بنائیں، یا پھر نمکین پانی سے وضو بنالیں؟ رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:"سمندر و دریا کا پانی پاک ہے اور اس کا مردار حلال ہے۔" **المعرفة للبیهقی** اور **مسند احمد** میں یہ بھی صراحت ہے کہ اس صحابی کا نام عبداللہ تھا، صحیح ابن خزیمہ میں یہ حدیث جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے بھی منقول ہے۔وہ کہتے ہیں کہ رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے سمندر کے بارے میں دریافت کیا گیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "اس کا پانی پاک اور مردار حلال ہے۔ "امام دارقطنی ۱/۳۴،اور امام ابن خزیمہ ۱/۵۹ نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے جو روایت نقل کی ہے اس میں **هو الطهور مائه والحل ميتته** کے الفاظ مذکور ہیں،اس حدیث مبارکہ سے یہ واضح ہوا کہ سمندر کا پانی پاک ہے نیز اس میں نجاست دور کرنے کی صلاحیت بھی ہے اور اس کا مردار حلال ہے۔رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے سائل کو اس کے سوال کا جواب دینے کے بعد ایک بات مزید بتادی جو اس کے بحری سفر ہی سے متعلق تھی،یعنی اسے یہ بھی بتا دیا کہ اس کا مردار بھی حلال ہے۔امام زرقانی ۱/۵۳،فرماتے ہیں اس حدیث مبارکہ کو اسلام میں بنیادی حیثیت حاصل ہے کیونکہ اس حدیث کو تمام امت نے قبول کیا ہے اور ہر زمانے میں تمام علاقوں کے فقہا نے اس حدیث کے مطابق فتویٰ دیا ہے اور حدیث کے اکثر بڑے بڑے ائمہ نے اس حدیث کو اپنی کتابوں میں درج کیا ہے۔امام ترمذی فرماتے ہیں، میں نے اس حدیث کے بارے میں امام بخاری سے دریافت کیا تو انہوں نے فرمایا کہ یہ حدیث صحیح ہے۔**العلل الکبیر** :۱/۱۳۶

فقہی احکام: (۱) دریا اور سمندر کا پانی پاک ہے،خواہ وہ میٹھا ہو یا نمکین خواہ اس کی رنگت کوئی سی ہو۔(۲) سمندر کے تمام جانور بلا شرط شکل وصورت حلال ہیں،خواہ وہ شکار کرنے سے پہلے مرے ہوئے ہو یا شکار ہونے کے بعد مر جائیں بشرطیکہ وہ تعفن سے پاک ہوں۔(۳) سائل کے سوال کا جواب دینے کے بعد اسے وہ چیز بھی بتادی جائے جو سائل کے سوال سے بظاہر تو متعلق نہ ہو،مگر حقیقتاً اس کے متعلق ہو،جیسا کہ سائل نے تو سمندر کے پانی سے فقط وضو کرنے کی اجازت طلب کی تھی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سمندر کے مردار کی حلت بھی بتادی۔(۴) سائل اگر مطلوب چیز کے بارے میں زیادہ متردد ہو تو جواب میں تاکیدی لفظ استعمال کرکے اس کے تردد کو ختم کیا جائے۔

۲: وَعَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ رضی اللہ عنہ قَالَ، قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صلی اللہ علیہ وسلم " إِنَّ الْمَاءَ طَهُورٌ لَا يُنَجِّسُهُ شَيْءٌ "أَخْرَجَهُ الثَّلَاثَةُ وَصَحَّحَهُ أَحْمَدُ.

ابوداود ، کتاب الطهارة ، باب ما جاء فی بئر بضاعة ۶۶ ، النسائی ۱/۱۷۴ ، الترمذی ۶۶ ، مسند احمد ۳/۸۶،الدارقطنی ۱/۳۰، البیهقی ۱/۸، ابوداود الطیالسی ۲۱۹۹

تنبیہ: امام ابن قطان نے بیان الوهم والا یهام۳/۳۰۹، میں اس روایت کو حسن،علامہ البانی نے الارواء۱/۴۵، میں صحیح قرار دیا ہے۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

۲: حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رحمت عالم ﷺ نے فرمایا: "پانی پاک ہے، اسے کوئی چیز ناپاک نہیں کرتی۔" اس حدیث کو ائمہ ثلاثہ نے روایت کیا ہے، اور امام احمد نے اسے صحیح قرار دیا ہے۔

لغوی تحقیق: الخدری: خاء مضموم اور دال مجزوم، یاء نسبت کی ہے، اصل لفظ خدر ہے۔ لا ینجسه: اس کا مادہ ثلاثی مجرد ہونے کی صورت میں لازم اور ثلاثی مزید فیہ کی صورت میں متعدی کا معنی دیتا ہے، یہاں چونکہ یہ لفظ ثلاثی مزید فیہ استعمال ہوا ہے اس لئے اس کا معنی ہوگا اسے کوئی چیز ناپاک نہیں کرتی۔

تشریح: یہ حدیث امہات الکتب میں تفصیلاً مذکور ہے۔ حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رحمت عالم ﷺ سے بئر بضاعہ سے وضو کرنے کے بارے میں دریافت کیا گیا، بئر بضاعہ ایک ایسے کنویں کا نام تھا جس میں خون حیض سے رنگے ہوئے کپڑے اور مردار کتوں کے بکھرے ہوئے ٹکڑے اور دیگر بدبودار چیزیں ڈالی جاتی تھیں، آپ ﷺ نے فرمایا: "اس قسم کی کوئی چیز اسے ناپاک نہیں کرتی۔" امام طحاوی نے شرح معانی الآثار ۱/۱۱، میں حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ان الفاظ سے نقل کی ہے کہ رحمت عالم ﷺ کی خدمت میں عرض کیا گیا کہ اگر آپ کیلئے بئر بضاعة سے پانی لایا جائے تو آپ ﷺ اسے استعمال فرمالیں گے، درآنحالیکہ اس میں لوگوں کی گندگی، خون حیض سے رنگے ہوئے کپڑے اور کتے کے بکھرے ہوئے ٹکڑے ڈالے جاتے ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: "پانی پاک ہے اسے کوئی چیز ناپاک نہیں کرتی۔" یعنی بئر بضاعة میں موجود پانی کی مقدار کو ایسی نجاستیں ناپاک نہیں کرتیں۔ واضح رہے کہ بئر بضاعة کی اس وقت چوڑائی چھ ہاتھ تھی اور اس میں پانی ناف کے قریب قریب رہتا تھا

فقہی احکام: (۱) اگر پانی بئر بضاعة میں موجود پانی کی مقدار کے برابر ہو تو پھر ایسی غلیظ نجاست بھی اسے ناپاک نہیں کرتی جو اس کی رنگت میں ہلکی سی تبدیلی پیدا کردے (۲) ایسی اشیاء جو کراہت اور ماحولیاتی آلودگی کا سبب بنتی ہیں انہیں آبادی سے دور پھینکا جائے۔

۳: وَعَنْ أَبِي أُمَامَةَ الْبَاهِلِيِّ رضی اللہ عنہ قَالَ، قَالَ رَسُولُ ﷺ "إِنَّ الْمَاءَ لَا يُنَجِّسُهُ شَيْءٌ, إِلَّا مَا غَلَبَ عَلَى رِيحِهِ وَطَعْمِهِ, وَلَوْنِهِ" أَخْرَجَهُ اِبْنُ مَاجَة وَضَعَّفَهُ أَبُو حَاتِمٍ وَلِلْبَيْهَقِيِّ "اَلْمَاءُ طَاهِرٌ إِلَّا إِنْ تَغَيَّرَ رِيحُهُ, أَوْ طَعْمُهُ, أَوْ لَوْنُهُ; بِنَجَاسَةٍ تَحْدُثُ فِيهِ"

ابن ماجة ، ابواب الطهارة ، باب الحياض : ۵۲۱ ، السنن الكبرى للبيهقي ۱۲۷۶ ، الدارقطني : ۲۸/۱ .

۳: حضرت ابوامامہ باہلی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "بلاشبہ پانی کو کوئی چیز اس وقت تک ناپاک نہیں کرتی جب تک وہ اس کی بو، ذائقہ اور رنگت پر غالب نہ آجائے" اس روایت کو امام ابن ماجہ نے بیان کیا ہے اور امام ابوحاتم نے اسے ضعیف قرار دیا ہے۔ یہی روایت بیہقی میں ان الفاظ سے ہے؛ پانی پاک ہے الا یہ کہ پانی میں گرنے والی غلاظت کی وجہ سے پانی کی بو، ذائقہ اور رنگ تبدیل ہوجائے۔

لغوی تحقیق: تحدث: یہ حدث سے ماخوذ ہے، اور یہ مادہ متعدد معانی میں استعمال ہوتا ہے، مثلاً قدیم کی ضد واقع ہونا یا گرنا، پیدا کرنا، بیان کرنا چھوٹی عمر وغیرہ، لیکن یہاں اس سے مراد واقع ہونا یا گرنا ہے۔

تشریح: پانی کی طہارت اور نجاست کا حکم، دیگر احادیث میں پانی کی قلت و کثرت کے پیش نظر لگایا گیا ہے، جبکہ زیر مطالعہ روایت میں طہارت و نجاست کا حکم پانی کی بُو، ذائقہ اور رنگت کی بنیاد پر لگایا گیا ہے، لیکن یہ روایت سنداً ضعیف ہے، جیسا کہ حافظ ابن الحجر نے

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

امام ابوحاتم کا یہ قول نقل کیا ہے کہ موصوف اس حدیث کوضعیف قرار دیتے ہیں، عبدالرحمٰن بن ابی حاتم کہتے ہیں کہ میں نے اس حدیث کے متعلق اپنے والد سے دریافت کیا تو انہوں نے فرمایا "اس حدیث کو رحمت عالم ﷺ سے مرفوع فقط رشدین بن سعد نے نقل کیا ہے اور وہ قوی نہیں ہیں۔ (علل الحدیث ۱/۴۴)

امام نسائی نے اسے متروک الحدیث قرار دیتے ہوئے اس سے کتابت حدیث کرنے سے منع فرمایا ہے۔ امام دارقطنی (سنن: ۱/۲۹) میں اس روایت کو نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں۔ معاویہ بن صالح کے تلامذہ میں سے فقط رشدین نے اس روایت کو مرفوع نقل کیا ہے اور وہ قوی نہیں، امام ابوحاتم نے رشدین بن سعد کے شیخ معاویہ بن صالح پر بھی کلام کیا ہے، لیکن ان کی یہ جرح دیگر ماہرین فن کی تحقیق کے برعکس ہونے کی وجہ سے درست نہیں۔ حافظ ابن حجر نے امام بیہقی کی طریق سے جو روایت نقل کی ہے، امام موصوف نے اس روایت کو ثور بن یزید کے طریق سے نقل کیا ہے اور اس میں الماء طاہر ہے، جبکہ حافظ ابن حجر نے بیہقی کے حوالے سے الماء طھور کے الفاظ نقل کئے ہیں ممکن ہے کہ تسامح حافظ ابن حجر سے ہوا ہے یا پھر بلوغ المرام کے کسی کاتب سے ہوا ہے۔ یہ روایت بھی سنداً صحیح نہیں، کیونکہ اس میں عطیہ بن بقیہ متکلم فیہ ہے (الجرح و التعدیل: ۳۸۱/۶) امام بیہقی نے (۴۴۲/۱) حفص بن عمر کو عطیہ بن بقیہ کے متابع کے طور پر نقل کیا ہے مگر یہ متابعت بھی کچھ مفید نہیں، کیونکہ امام ابوحاتم نے اسے کذاب قرار دیا ہے۔ (الجرح و التعدیل: ۱۸۳/۳)

مختصر یہ کہ اس روایت کے جمیع طرق ضعیف ہیں، لیکن اس روایت پر تمام امت کا عمل ہے، جیسا کہ امام بیہقی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہ حدیث اگرچہ صحیح نہیں لیکن ایسے پانی کے ناپاک ہونے پر کسی کو کوئی کلام نہیں، جو نجاست کی وجہ سے اپنا ذائقہ اور رنگ و بو تبدیل کر لے۔ (السنن الکبریٰ: ۴۴۲/۱) ابن جوزی نے (التحقیق: ۴۱) میں امام شافعی کا قول بھی تقریباً انہیں الفاظ سے نقل کیا ہے۔

فقہی احکام: (۱) پانی اگر قلتین سے زیادہ ہو لیکن نجاست گرنے کی وجہ سے اس کے اوصاف میں کوئی تبدیلی نہ آئے تو وہ پاک ہے۔ (۲) نجاست گرنے کی وجہ سے اگر پانی کے اوصاف میں بڑی تبدیلی آجائے تو وہ ناپاک ہو جاتا ہے خواہ وہ مقدار میں کتنا ہی زیادہ کیوں نہ ہو۔ (۳) اگر وارثان انبیاء کسی ضعیف حدیث پر عمل کرنے کیلئے متفق ہو جائیں تو امت پر لازم ہے کہ وہ ایسی حدیث پر عمل کریں۔

۴: وَعَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ رضی اللہ عنہما قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ "إِذَا كَانَ الْمَاءُ قُلَّتَيْنِ لَمْ يَحْمِلِ الْخَبَثَ "وَفِي لَفْظٍ 'لَمْ يَنْجُسْ" أَخْرَجَهُ الْأَرْبَعَةُ, وَصَحَّحَهُ ابْنُ خُزَيْمَةَ والحاكم وَابْنُ حِبَّانَ.

ابو داود، کتاب الطهارة، باب ما ينجس الماء: ۶۳ ـ ۶۵، النسائي: ۱/ ۱۲۴، ۴۶/۱، ۱۷۵، الترمذي: ۶۷، ابن ماجة: ۵۱۷، صحيح ابن خزيمة: ۹۲، ابن حبان: ۱۲۴۹، مسند احمد: ۲۷/۲، البيهقي: ۲۶۱/۱؛ الطحاوي: ۱۵/۱؛ الدارمي: ۱۸۶/۱، الحاكم: ۱۳۳/۱.

۴: حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رحمت عالم ﷺ نے فرمایا: "جب پانی کی مقدار دو مٹکوں کے برابر ہو تو وہ نجاست کے اثر کو قبول نہیں کرتا۔" اس حدیث کو اربعہ نے روایت کیا ہے، امام ابن خزیمہ، امام ابن حبان اور امام حاکم نے صحیح قرار دیا ہے۔

لغوی تحقیق: قلتين: قلة کا تثنیہ ہے، قاف مضموم اور لام مشدد مفتوح، تاء مفتوح اور نون مکسور ہے، عربی زبان میں قلة بڑے مٹکے کو کہتے ہیں۔ رحمت عالم ﷺ کی حیات طیبہ میں هجر کے مٹکے مشہور تھے۔ الخبث: خاء اور باء دونوں مفتوح ہیں، یعنی نجاست۔ لم ينجس: صاحب قاموس کے بقول جیم کو مفتوح اور مضموم ہر دو طرح سے پڑھنا درست ہے۔

تشریح: یہ حدیث ابوداود، ابن ماجه، الترمذی، مسند احمد، البیهقی، الدارمی، الدارقطنی اور شرح

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

معانی الآثار میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے تفصیلاً منقول ہے، حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رحمت عالم ﷺ سے جنگل میں کسی ایسی جگہ پر موجود پانی کے بارے میں دریافت کیا گیا ہے، جہاں سے درندوں کا گزر ہوتا تھا، رحمت عالم ﷺ نے فرمایا: "پانی کی مقدار جب دو مٹکوں کے برابر ہو تو اسے کوئی نجاست ناپاک نہیں کرتی یا وہ کسی نجاست سے متاثر نہیں ہوتا۔ **طحاوی** میں ہے کہ "ایسا پانی ناپاک نہیں ہوتا۔ حماد بن سلمہ سے مروی روایت میں ہے کہ "جب پانی دو یا تین مٹکے ہو تب اسے کوئی چیز ناپاک نہیں کرتی۔" اس حدیث پر بعض اہل علم نے درج ذیل اعتراضات کیے ہیں،

(۱) کسی روایت میں دو مٹکوں کا ذکر ہے اور کسی میں دو یا تین کا ذکر ہے اس لئے یہ روایت مضطرب ہے۔ (۲) محمد بن جعفر بن الزبیر اس روایت کو کبھی عبیداللہ بن عبداللہ سے اور کبھی عبداللہ بن عبداللہ سے نقل کرتے ہیں، لہٰذا اس کی سند میں بھی اضطراب ہے۔ (۳) حماد بن سلمہ نے اس روایت کو موقوفاً بھی نقل کیا ہے۔ (۴) حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ اور حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما سے مروی روایات میں تین مٹکوں کا ذکر ہے۔ (۵) قلتین (دو مٹکوں) میں موجود پانی کی مقدار معلوم نہیں ہے۔

جواب: (۱) اس حدیث کے جمیع طرق پر نظر ڈالنے سے یہ واضح ہوتا ہے کہ اس حدیث کے متن میں او ثلاثاً: یعنی تین مٹکوں کا ذکر صرف حماد بن سلمہ سے مروی روایت میں ہے، حماد بن سلمہ اگرچہ صدوق اور ثقہ راوی ہیں لیکن آخری عمر میں وہ اختلاط کا شکار ہو گئے تھے، بنابریں امام بخاری نے اپنی صحیح میں ان کی مرویات کو بطور حجت یا متابعتاً نہیں لیا، امام مسلم نے اپنی صحیح میں ان کی صرف ان مرویات کو بطور حجت لیا ہے جو وہ اپنے شیخ ثابت البنانی سے نقل کرتے ہیں، لہٰذا اس روایت میں تین مٹکوں کا ذکر شاذ ہے۔

(۲) عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے دونوں بیٹے ثقہ ہیں یقیناً دونوں نے یہ حدیث اپنے باپ سے سنی ہوگی اور محمد بن جعفر نے بھی یقیناً یہ روایت دونوں بھائیوں سے سنی ہوگی۔

(۳) حماد بن سلمہ کے علاوہ اس روایت کو حماد بن اسامہ نے بھی ولید بن کثیر سے نقل کیا ہے اور وہ اس روایت کو ہر مرتبہ مرفوعاً ہی نقل کرتے ہیں لہٰذا راجح یہی ہے کہ روایت مرفوع ہے۔

(۴) یہ کہنا بھی درست نہیں کہ قلتین میں موجود پانی کی مقدار معلوم نہیں کیونکہ ابن جریج کی روایت میں بقلال ھجر منقول ہیں جبکہ صحیحین میں حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے انہیں معراج کی رات کی تفصیل بیان کرتے ہوئے فرمایا: "**سدرة المنتهیٰ** تک لے جایا گیا، اس کے پتے ہاتھی کے کانوں کے مثل تھے اور اس کا پھل قلال ہجر کے برابر تھا۔"

اس حدیث سے واضح ہوا کہ **قلال حجر** کی مقدار سے قریش آگاہ تھے کیونکہ فصاحت کلام کے یہ قطعاً منافی ہے کہ سامعین کیلئے ایسی مثال بیان کی جائے جس سے وہ نابلد ہوں۔

علامہ عبدالغنی نابلسی حنفی نے **خلاصة التحقيق فی حكم التقليد و التلفيق** میں یہ نقل کی ہے کہ قاضی ابو یوسف نے حمام سے غسل کرنے کے بعد جمعہ کی خطابت و امامت کے فرائض سرانجام دیئے، بعد میں لوگوں نے انہیں خبر دی کہ جس حمام سے آپ نے جمعہ کیلئے غسل کیا تھا اس میں مردہ چوہا پایا گیا ہے، انہوں نے فرمایا کہ اب ہم اہل مدینہ کے اس قول پر عمل کر لیتے ہیں کہ پانی جب دو مٹکوں کے برابر ہو تو وہ نجاست کے اثر کو قبول نہیں کرتا۔

فقہی احکام: (۱) پانی کی مقدار جب دو قلوں کے برابر یعنی دو سو ستائیس (۲۲۷) لیٹر سے کم ہوگی تو وہ نجاست کے گرنے سے ناپاک ہو جائے گا۔ (۲) جب (۲۲۷) دو سو ستائیس لیٹر یا اس سے زیادہ ہوگی تو وہ اس وقت تک ناپاک نہیں ہوگا جب تک اس کی رنگت و بو اور ذائقہ

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

تبدیل نہیں ہوگا۔

۵۔۶: وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضی اللہ عنہ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ "لَا يَغْتَسِلُ أَحَدُكُمْ فِي الْمَاءِ الدَّائِمِ وَهُوَ جُنُبٌ" أَخْرَجَهُ مُسْلِمٌ وَلِلْبُخَارِيِّ "لَا يَبُولَنَّ أَحَدُكُمْ فِي الْمَاءِ الدَّائِمِ الَّذِي لَا يَجْرِي, ثُمَّ يَغْتَسِلُ فِيهِ" وَلِمُسْلِمٍ "مِنْهُ" وَلِأَبِي دَاوُدَ "وَلَا يَغْتَسِلُ فِيهِ مِنَ الْجَنَابَةِ"

صحیح مسلم، کتاب الطهارة، باب النهی عن الاغتسال فی الماء الراکد: ۲۸۳؛ باب النهی عن البول فی الماء الراکد: ۲۸۱، ۲۸۲، البخاری، کتاب الوضوء، باب البول فی الماء الدائم: ۲۳۹، ابوداود: ۶۹۔ ۷۰، النسائی: ۱/ ۴۹، ۱۲۴، ابن خزیمة: ۱/ ۵۰، ابن حبان: ۱۲۵۰۔ ۱۲۵۲، ابن ماجة: ۶۰۵.

تنبیہ: کھڑے پانی میں پیشاب اور غسل جنابت کرنے کی ممانعت صحیح مسلم کی دوروایات کو ملا کر ہوتی تھی اس لئے صحیح مسلم کی دوروایات مختصر نقل کر دیں، ابو داود کی ایک ہی روایت میں دونوں چیزوں کی ممانعت ثابت ہوتی تھیں لہٰذا ایک نقل کر دی، صحیح بخاری اور صحیح مسلم دونوں کے الفاظ نقل کرنے سے مسئلہ (کھڑے ہوئے پانی میں پیشاب کر کے پھر اس میں غوطہ لگانا یا اس سے کچھ پانی لے کر غسل کرنا عقل مند آدمی سے بعید ہے) کی مکمل طور پر وضاحت ہوتی ہے لہٰذا دونوں کے الفاظ نقل کر دیئے۔

۵۔۶: حضرت ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "تم میں سے کوئی شخص کھڑے پانی میں غسل جنابت نہ کرے۔" ان الفاظ کو امام مسلم نے روایت کیا ہے، صحیح بخاری میں ہے "تم میں سے کوئی شخص کھڑے پانی میں پیشاب نہ کرے اور پھر اس میں غسل کرے" صحیح مسلم میں ہے "پھر اس سے غسل نہ کرے" ابوداود میں ہے "اس پانی میں غسل جنابت نہ کرے"

لغوی تحقیق: **الدائم**: کھڑا پانی۔ **جنب**: جیم اور نون کے ضمہ یعنی پیش کے ساتھ، جنبی شخص۔ **یغتسل**: لام پر رفع، نصب اور جزم تینوں اعراب درست ہیں، مقدم الذکر کی صورت میں، **مبتداء محذوف ھو**، کی خبر ہوگا، نصب کی صورت میں اس سے قبل؛ ان پوشیدہ ہوگا، اور جزم کی شکل میں **لا یبولن** کا معطوف ہوگا۔

تشریح: حافظ ابن حجر نے صحیح مسلم کی دوروایات نقل کی ہیں، پہلی روایت کا مفہوم یہ ہے کہ کوئی بھی جنبی شخص کھڑے پانی میں داخل ہو کر غسل جنابت نہ کرے، البتہ کھڑے پانی سے کچھ پانی لیکر غسل جنابت کرسکتا ہے، جیسا کہ حضرت ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہ نے حضرت ابو سائب رضی اللہ عنہ کے دریافت کرنے پر انہیں فرمایا کہ ایسا شخص کھڑے پانی سے کچھ پانی لیکر غسل کرے۔ دوسری روایت کا مفہوم یہ ہے کہ رحمت عالم ﷺ نے کھڑے پانی میں پیشاب کرنے کی ممانعت فرمائی ہے کیونکہ اسے کبھی اسی پانی سے غسل وغیرہ کرنے کی ضرورت پیش آسکتی ہے اور عقل مند آدمی سے یہ قطعاً توقع نہیں کی جاسکتی کہ وہ پہلے کھڑے پانی میں پیشاب کرے اور بعد میں اسے غسل کے لئے استعمال کرے۔ صحیح بخاری میں مروی روایت کا مفہوم بھی تقریباً یہی ہے، فقط الفاظ کا فرق ہے۔ بعض نے ان دونوں میں یہ فرق کیا ہے کہ فیہ سے مراد یہ ہے کہ ایسے پانی میں غوطہ لگا کر نہانا منع ہے اور منہ سے مراد اس سے پانی لیکر بھی نہانا منع ہے، یہ تسامح اصل کتب کی طرف مراجعت نہ کرنے کی وجہ سے ہوا ہے، ظاہر ہے کہ جب کھڑے ہوئے پانی میں پیشاب کیا جائے تو پھر عقل مند آدمی کیلئے یہ لائق نہیں کہ وہ ایسے پانی میں غوطہ لگا کر نہائے اور نہ یہ لائق ہے کہ اس کے کنارے پر بیٹھ کر نہائے، کھڑے پانی میں عام غسل دونوں صورتوں میں درست ہے اور غسل جنابت غوطہ لگا کر کرنا منع ہے اور وہاں سے پانی لیکر الگ جگہ بیٹھ کر غسل کرنا درست ہے۔ ابو داود میں مروی روایت کا مفہوم ہے کہ کھڑے پانی میں پیشاب کرنا یا اس میں غوطہ لگا کر غسل جنابت کرنا منع ہے۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

فقہی احکام: (۱) کھڑا پانی اگر بہت زیادہ مقدار میں ہو تو پھر اس میں پیشاب کرنا یا اس میں غوطہ لگا کر غسل جنابت کرنا ناپسندیدہ عمل ہے۔(۲) اگر قلتین کے قریب قریب ہے تو پھر اس میں پیشاب کرنا اور غوطہ لگا کر غسل جنابت کرنا حرام ہے۔(۳) اگر قلتین یا اس سے زیادہ ہو تو پھر اس سے پانی لے کر غسل جنابت کیا جا سکتا ہے۔(۴) اگر قلتین یا اس سے زیادہ ہو تو پھر عام غسل اس میں داخل ہو کر بھی کیا جا سکتا ہے۔

۷: وَعَنْ رَجُلٍ صَحِبَ النَّبِيَّ ﷺ قَالَ " نَهَى رَسُولُ اللَّهِ ﷺ أَنْ تَغْتَسِلَ الْمَرْأَةُ بِفَضْلِ الرَّجُلِ ,أَوِ الرَّجُلُ بِفَضْلِ الْمَرْأَةِ ,وَلْيَغْتَرِفَا جَمِيعًا" أَخْرَجَهُ أَبُو دَاوُدَ .وَالنَّسَائِيُّ ,وَإِسْنَادُهُ صَحِيحٌ

ابو داود، كتاب الطهارة،باب النهي عن ذالك : ۸۱، النسائي: ۱/ ۱۳۰ ،مسند احمد : ۴/ ۱۱۰ ،ابن حبان: ۱۲۴۸ ،البيهقي: ۱/۱۹۰ عبداللہ بن سرجس سے یہ روایت ابن ماجة: ۳۷۴، الطحاوی: ۱/ ۲۴، الدار قطنی: ۱/ ۱۱۶ نے نقل کی ہے۔

۷: رحمت عالم ﷺ کی صحبت سے فیض یاب ہونے والے ایک شخص سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے عورت کو مرد کے غسل سے بچے ہوئے پانی سے غسل کرنے سے منع فرمایا ہے، نیز مرد کو عورت کے غسل سے بچے ہوئے پانی سے غسل کرنے سے منع فرمایا ہے، ہاں دونوں ایک ساتھ ایک برتن سے پانی لیکر غسل کر سکتے ہیں۔(اس روایت کو ابوداود اور نسائی نے روایت کیا ہے اور اس کی سند صحیح ہے)

لغوی تحقیق: رجل: اسم نکرہ ہے، اس سے کوئی بھی آدمی مراد ہو سکتا تھا، لیکن حمید بن عبدالرحمٰن نے **صحب النبی** کہہ کر یہ تخصیص کر دی کہ اس آدمی سے مراد صحابی ہے، واضح رہے کہ جملہ صحابہ اہل سنت کے ہاں ثقہ ہیں۔ **بفضل الرجل**: آدمی کے غسل کرنے کے بعد جو پانی باقی بچے۔ **و لیغترفا**: دونوں ایک برتن سے ایک ساتھ پانی کے چلو بھر لیں۔

تشریح: یہ حدیث تفصیلاً اس طرح ہے کہ حمید بن عبدالرحمٰنؒ کہتے ہیں کہ میں ایک ایسے آدمی سے ملا جسے رسول اللہ ﷺ کی صحبت میں رہنے کا ایسے شرف حاصل ہوا جیسے حضرت ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہ کو رحمت عالم ﷺ کی صحبت میں چار سال تک رہنے کا شرف حاصل ہوا، انہوں نے فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ نے ہمیں ہر روز کنگی کرنے، غسل خانے میں پیشاب کرنے، مرد اور عورت کو ایک دوسرے کے غسل سے بچے ہوئے پانی سے غسل کرنے سے منع فرمایا، البتہ دونوں کو ایک ساتھ ایک برتن سے پانی لے کر غسل کرنے کی اجازت عنایت فرمائی تھی۔نسائی: ۱/ ۱۳۰، البیهقی: ۱/ ۱۹۰ اور مسند احمد میں یہ روایت مفصل منقول ہے لیکن ابو داود ؛ ۸۱، الطحاوی: ۱/ ۲۴ میں کنگھی کرنے اور غسل خانے میں پیشاب کرنے کی ممانعت کے الفاظ مذکور نہیں۔

یہ روایت چونکہ صحیح حدیث کے بظاہر خلاف ہے اس لئے اہل علم نے اس پر نقد کیا ہے، لیکن درست بات یہی ہے کہ یہ روایت سنداً صحیح ہے، جیسا کہ مؤلف رحمہ اللہ نے اس روایت کو نقل کرنے کے بعد لکھا ہے۔ البتہ دونوں قسم کی احادیث کے مابین مطابقت پیدا کرنے کیلئے آپ یہ کہہ سکتے ہیں کہ یہ حدیث ایسے آدمیوں کیلئے نہی تحریمی کی حیثیت رکھتی ہے، جنہیں شک کا عارضہ لاحق ہو یعنی جو اس وہم میں مبتلا ہوں کہ پانی پاک ہو گا یا نہیں، یا پھر ایسے جوڑوں کیلئے نہی تحریمی کی حیثیت رکھتی ہے جو پانی استعمال کرتے وقت برتن میں چھینٹوں کا اچھی طرح خیال نہیں رکھتے۔ایک برتن سے ایک ساتھ پانی کے استعمال کی اجازت اس امر کی عکاس ہے کہ اس صورت میں دونوں کی نگاہ پانی کے برتن پر ہوتی ہے اس طرح شک کا احتمال باقی نہیں رہتا ہے۔

فقہی احکام: (۱) شک مزاج جوڑے کیلئے ایک دوسرے کے بچے ہوئے پانی سے غسل کرنا منع ہے۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

(۲) عام جوڑوں کیلئے بھی بہتر یہی ہے کہ وہ ایک دوسرے کے بچے ہوئے پانی سے غسل کرنے سے اجتناب کریں۔

۸۔۹: وَعَنْ اِبْنِ عَبَّاسٍ رضی اللہ عنہما "أَنَّ النَّبِيَّ صلی اللہ علیہ وسلم كَانَ يَغْتَسِلُ بِفَضْلِ مَيْمُونَةَ رضی اللہ عنہا" أَخْرَجَهُ مُسْلِمٌ وَ لِأَصْحَابِ السُّنَنِ "اِغْتَسَلَ بَعْضُ أَزْوَاجِ النَّبِيِّ صلی اللہ علیہ وسلم فِي جَفْنَةٍ, فَجَاءَ لِيَغْتَسِلَ مِنْهَا, فَقَالَتْ لَهُ: إِنِّي كُنْتُ جُنُبًا, فَقَالَ "إِنَّ الْمَاءَ لَا يُجْنِبُ" وَصَحَّحَهُ التِّرْمِذِيُّ, وَابْنُ خُزَيْمَةَ

صحیح مسلم، کتاب الحیض، باب قدر المستحب من الماء فی غسل الجنابة: ۳۱۹ ـ ۳۲۳، مسند احمد: ۱/ ۳۳۷، الدارقطنی: ۱/ ۵۳، ابوداود: ۶۸، الترمذی: ۶۵، ابن ماجة: ۳۷۰، صحیح ابن خزیمة، کتاب الطهارة، باب اباحة الوضوء بفضل غسل المرأة من الجنابة: ۱۰۹، ابن حبان: ۱۲۴۲، عبد الرزاق: ۳۹۶، البیهقی: ۱/ ۱۸۸

۸۔۹: حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم محترمہ میمونہ رضی اللہ عنہا کے چھوڑے ہوئے پانی سے غسل فرمالیا کرتے تھے۔ (مسلم) اور اصحاب سنن کی روایت میں ہے کہ رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات میں سے کسی ایک نے ایک کھلے برتن میں غسل فرمایا، پھر رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم غسل فرمانے کیلئے تشریف لائے تو اس نے بتلایا کہ میں نے اس برتن سے غسل جنابت کیا ہے، رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "اس سے پانی ناپاک نہیں ہوتا" اس حدیث کو امام ترمذی اور امام ابن خزیمہ نے صحیح قرار دیا ہے۔

لغوی تحقیق: لا صحاب السنن: امام ابوداود، امام نسائی، امام ترمذی اور امام ابن ماجہ رحمہ اللہ علیہم۔ جفنة: جیم پر زبر اور فاء ساکن، یعنی ٹپ کی مثل کھلے منہ والا برتن۔

تشریح: یہ حدیث مختلف طرق سے مختلف الفاظ کے ساتھ مروی ہے لیکن مفہوم سب کا ایک ہی ہے، صحیح مسلم اور مسند احمد میں یہ روایت حضرت ام المؤمنین میمونہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے، وہ فرماتی ہیں کہ میں اور رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم ایک ہی برتن سے غسل فرمالیا کرتے تھے، جبکہ ترمذی میں ہے کہ ہم غسل جنابت ایک برتن سے فرمالیا کرتے تھے، صحیح بخاری میں عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے منقول ہے کہ رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا ایک برتن سے غسل فرمالیا کرتے تھے، ان روایات میں منقول الفاظ میں یہ احتمال تھا کہ دونوں ایک ساتھ ایک برتن سے غسل فرمالیتے ہوں، اس کی اجازت تو سابقہ حدیث میں بھی موجود تھی چنانچہ مؤلف رحمہ اللہ علیہ نے اس احتمال کو دور کرنے کیلئے صحیح مسلم اور اصحاب السنن کے روایت کردہ صریح الفاظ نقل فرمائے، یعنی رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم غسل فرمانے کیلئے اس وقت تشریف لائے، جب محترمہ میمونہ رضی اللہ عنہا غسل فرما چکی تھی، اور ٹپ میں پانی ہنوز باقی تھا، اس پانی کے بارے میں جب رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو بتلایا گیا کہ اس برتن سے غسل جنابت کیا جا چکا ہے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "غسل جنابت کرنے سے پانی ناپاک نہیں ہوتا" صحیح ابن خزیمہ اور نسائی میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی کوئی ایک زوجہ محترمہ نے غسل جنابت فرمایا تھا، ان کے بچے ہوئے پانی سے رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے وضو فرمالیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ حدیث بظاہر سابقہ حدیث کے خلاف ہے لیکن درحقیقت ان میں کوئی تعارض نہیں، یعنی سابقہ حدیث میں منقول نہی سے مراد نہی تنزیہی ہے یا پھر اس جوڑے کیلئے نہی تحریمی ہے جو شک مزاج ہو، جبکہ زیر مطالعہ حدیث جواز پر دلالت کرتی ہے، ان دونوں روایات میں تطبیق کی ایک صورت یہ بھی ہے کہ اگر پانی وافر مقدار میں ہو تو پھر تو بچے ہوئے پانی سے غسل نہ کیا جائے، اور اگر پانی کی قلت ہے تو پھر کیا جا سکتا ہے (واللہ اعلم)

فقہی احکام: پانی کی اگر قلت ہو تو پھر جنبی شخص کے غسل سے بچے ہوئے پانی سے غسل کیا جا سکتا ہے۔

۱۰: وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضی اللہ عنہ قَالَ، قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم "طُهُورُ إِنَاءِ أَحَدِكُمْ إِذَ وَلَغَ فِيهِ الْكَلْبُ أَنْ يَغْسِلَهُ سَبْعَ مَرَّاتٍ,

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

أُولاهُنَّ بِالتُّرَابِ" أَخْرَجَهُ مُسْلِمٌ وَفِي لَفْظٍ لَهُ "فَلْيُرِقْهُ " وَلِلتِّرْمِذِيِّ " أُخْرَاهُنَّ ,أَوْ أُولاهُنَّ بِالتُّرَابِ "

صحيح مسلم ، كتاب الطهارة ، باب حكم ولوغ الكلب : ۹۱/ ۲۷۹ ، ۸۹/ ۲۷۹، الترمذی، کتاب الطهارة: ۹۱، ابوداود: ۷۱، احمد: ۲/ ۲۶۵، ابن خزیمة: ۱/ ۵۰، البیهقی : ۱/ ۲۴۰ (۱۰۶۰۰)

۱۰: حضرت ابو ہریرة رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رحمت عالم ﷺ نے فرمایا "جب کتا تم میں سے کسی ایک کے برتن میں منہ ڈال دے تو اسے پاک کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ اسے سات مرتبہ دھویا جائے، پہلی دفعہ دھونے کے ساتھ مٹی استعمال کی جائے، اس حدیث کو امام مسلم نے روایت کیا ہے۔ امام مسلم ہی نے فلیرقه: یعنی "اسے گرادو" کے الفاظ بھی نقل کئے ہیں، امام ترمذی نے یہ الفاظ نقل کئے ہیں کہ "مٹی کا استعمال شروع یا آخر میں کیا جائے۔"

لغوی تحقیق: اناء: ہمزہ مکسور، یعنی برتن۔ ولغ: زبان کے ساتھ پینے کے عمل کو ولوغ اور کھانے کے عمل کو لعوق کہتے ہیں۔ (فتح الباری ۱/۲۷۴) کتا اور دیگر بعض درندے جو زبان کے ساتھ پیتے ہیں ان کیلئے بھی عموماً یہی لفظ استعمال ہوتا ہے۔ فلیرقه: یہ اراقة سے مشتق ہے یعنی بہانا یا گرادینا یعنی خوردونوش کی جس چیز میں کتا منہ ڈال دے اسے گرادو۔

تشریح: امام مسلم نے حضرت ابو ہریرة رضی اللہ عنہ سے یہ حدیث مختلف طرق سے مختلف الفاظ کے ساتھ نقل کی ہے، مؤلف رحمہ اللہ نے ان میں سے ایک طریق کے الفاظ کو مکمل طور پر اور ایک طریق کے فقط ایک لفظ کو نقل کر کے حضرت ابو ہریرة رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث کو مکمل طور پر نقل کر دیا ہے، یعنی رحمت عالم ﷺ نے فرمایا: "جب کتا تمہارے برتن میں منہ ڈال دے تو اس برتن میں جو چیز ہو اسے گرادو پھر اس برتن کو پاک کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ اسے سات بار دھویا جائے اور پہلے مرتبہ پانی کے ساتھ مٹی بھی استعمال کی جائے۔"

آخر میں حافظ ابن حجر نے ترمذی کے حوالے سے جو الفاظ نقل کئے ہیں، ان کی ترتیب بدل گئی ہے، یعنی اخراهن کو مقدم اور اولاهن کو مؤخر کر دیا ہے، یہ تسامح یا تو حافظ ابن حجر سے ہوا ہے یا پھر بلوغ المرام کے کسی کاتب کی غفلت کا نتیجہ ہے، ترمذی کی مکمل روایت اس طرح ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: "اس برتن کو سات مرتبہ دھویا جائے جس میں کتا منہ ڈال دے پہلی یا آخری مرتبہ مٹی بھی پانی کے ساتھ استعمال کی جائے اور جب بلی منہ ڈال دے تو فقط ایک بار دھو لینا کافی ہے۔" صحيح بخاری (۱۷۲) میں فقط سات بار دھونے کا ذکر ہے یعنی مٹی کا ذکر نہیں ہے، المعجم الاوسط : ۱/ ۵۱۴ میں امام طبرانی نے حضرت ابو ہریرة رضی اللہ عنہ سے مروی ایک روایت میں سات بار کا ذکر کرنے کے بعد پہلی بار پانی کے ساتھ مٹی کا ذکر کیا ہے۔ حافظ ابن حجر نے فتح الباری : (۱/ ۲۷۵) میں مسند شافعی کے حوالے سے اولاهن او احداهن کے الفاظ نقل کئے ہیں لیکن مسند شافعی کے مطبوعہ نسخہ (۸) میں اولاهن او اخراهن کے الفاظ ہیں۔ ترمذی اور مسند شافعی وغیرہما میں مروی الفاظ دو طرح کا احتمال رکھتے ہیں ایک احتمال تو یہ ہے کہ یہ الفاظ رحمت عالم ﷺ کے ہیں، اگر یہ الفاظ رحمت عالم ﷺ کے ہیں تو پھر امت مرحومہ کو یہ اختیار دیا گیا ہے کہ وہ مٹی کا استعمال پہلی یا آخری بار کے ساتھ کر لیں، دوسرا احتمال یہ ہے کہ راوی کو شک ہے کہ آپ ﷺ نے اولاهن کے الفاظ استعمال کئے یا اخراهن کے؟ اس صورت میں اولاهن کو ترجیح ہو گئی کیونکہ ابن سیرین کے اکثر تلامذہ نے ان سے اولاهن کا لفظ نقل کیا ہے اور یہی احتمال راجح ہے جیسا کہ فضیلۃ الشیخ صفی الرحمٰن مبارکپوری بلوغ المرام کی شرح (عربی: ۱۳) میں اس احتمال کو راجح قرار دیتے ہوئے لکھتے ہیں ورواية اولاهن ارجع لكثرة رواتها ولاخراج الشيخين لها ۔ اولاهن کا لفظ راجح ہے کیونکہ رواۃ نے یہی لفظ نقل کیا ہے، نیز امام بخاری اور امام مسلم نے فقط یہی لفظ نقل کیا ہے۔ ترجیح کے دوسرے سبب کے نقل کرنے میں موصوف سے تسامح ہوا ہے کیونکہ امام مسلم نے تو اپنی صحیح میں یہ لفظ نقل کیا ہے لیکن امام

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

بخاری نے اپنی صحیح میں یہ لفظ نقل نہیں کیا۔اسی طرح حافظ ابن حجر نے اولاھن کو راجح قرار دیا ہے،ممدوح فرماتے ہیں وروایة اولاھن ارجح من حیث الاکثریة والاحفظیة ومن حیث المعنی ایضاً (فتح الباری ۲۷۶) یعنی اکثریت واحفظیت اور مفہوم کے اعتبار سے اولاھن ہی راجح ہے۔علامہ ابن دقیق العید نے بھی اولاھن کو ہی راجح قرار دیا ہے۔(احکام الاحکام ۱/۲۹)اس طرح اس حدیث سے یہ واضح ہوا کہ ایسے برتن کو ساتھ بار دھویا جائے اور پہلی مرتبہ مٹی بھی استعمال کی جائے،بعض کا خیال ہے کہ فقط تین دفعہ دھولینا کافی ہے مٹی کا استعمال ضروری نہیں،اور کچھ لوگوں کا خیال ہے کہ مٹی کا استعمال لازم نہیں،جبکہ صابن وغیرہ کا استعمال بھی مٹی کی جگہ درست ہے۔یہ دونوں اقوال اگرچہ اہل علم کی طرف منسوب ہیں مگر درست نہیں کیونکہ انہیں کسی بھی صحیح حدیث یا اثر کی تائید حاصل نہیں۔نیز عمومی نجاست کیلئے فقط ایک بار کافی ہے لیکن زیر بحث نجاست ایسی ہے جس کے ازالہ کیلئے سات بار کا تعین کیا گیا ہے اور پہلی بار کے ساتھ مٹی کا بھی تعین ہے،اس تعین میں یقیناً کوئی نہ کوئی حکمت ضرور ہے جیسا کہ فضیلۃ الشیخ محمد منیر تعلیق احکام الاحکام شرح عمدة الاحکام ۱/۲۷ میں اس حکم کی حکمت بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں عصر حاضر کے اطباء کی ایک جماعت نے ایسے برتن کو جس میں کتا منہ ڈال دے سات بار دھونے کی حکمت کا انکشاف کیا ہے کہ اکثر کتوں کی آنتوں میں نہایت چھوٹے چھوٹے کیڑے ہوتے ہیں ان کی طوالت تقریباً چار ملی میٹر تک ہوتی ہے،ایسے کتے جب اپنا فضلہ خارج کرتے ہیں تو ان کیڑوں کے انڈوں کی ایک بڑی تعداد ان کے فضلہ کے ساتھ باہر آجاتی ہے اور ان میں سے اکثر انڈے اس کی دبر کے اردگرد بالوں کے ساتھ چمٹ جاتے ہیں اور جب وہ کتا اپنی زبان سے اپنا جسم صاف کرتا ہے تو وہ انڈے اس کی زبان کے ذریعے اس کے تمام جسم اور منہ تک پھیل جاتے ہیں پھر جب وہی کتا کسی برتن میں منہ ڈالتا ہے تو اس کی زبان اور لعاب کے ذریعے وہ انڈے اس برتن میں منتقل ہوجاتے ہیں پھر ان برتنوں کے استعمال،یورپین اور کتوں کا بوسہ لینے والے اور ان کی طرز زندگی کو پسند کرنے والے لوگ کرتے ہیں۔اس طرح وہ انڈے ان کے معدوں تک پہنچ جاتے ہیں اور وہاں پہنچ کر یہ انڈے بچوں کی شکل اختیار کرلیتے ہیں پھر یہ کیڑے معدے کی دیواروں میں نقب لگا کر خون کی شریانوں میں داخل ہوکر دل ودماغ اور نظام تنفس کی بیماریوں کا سبب بنتے ہیں ان تمام چیزوں کا انگریز ڈاکٹروں نے اپنے شہریوں میں مشاہدہ کیا ہے۔ایسے کتوں کی شناخت کرنا کہ جن میں یہ کیڑے نہ ہوں بڑا مشکل کام ہے،نیز ان کی شناخت کیلئے جدید آلات کے ذریعے جن کا استعمال بہت کم لوگ جانتے ہیں،بڑی گہری تحقیق اور طویل عرصہ درکار ہے۔شریعت نے اسی حکمت کے پیش نظر اسے نجس قرار دے کر ایسے برتن کو ساتھ بار دھونے کا حکم دیا ہے(واللہ اعلم بالصواب)

فقہی احکام: (۱) ۲۲۷ لیٹر سے کم مقدار اشیاء اور وہ برتن،جن میں اشیاء ہوں کتے کے منہ ڈالنے کی وجہ سے ناپاک ہوجاتے ہیں۔(۲) کتے کا لعاب اس کے جسم کا حصہ ہے جب جز ناپاک ہے تو کل بھی ناپاک ہے لہٰذا کتا نجس العین ہے۔(۳) کتے کے تمام فضلہ جات (پسینہ،خون،بول براز) ناپاک ہیں۔(۴) ایسے برتنوں کو سات بار دھونا لازمی ہے،اگر اس سے کم بار دھویا گیا تو وہ ناپاک ہی رہیں گے۔(۵) ایک بار مٹی کے ساتھ دھونا ضروری ہے اگر مٹی کی جگہ صابن وغیرہ استعمال کیا گیا تو بھی برتن پاک نہیں ہونگے۔(۶) محض خشک مٹی برتن پر نہ ملی جائے بلکہ اسے پانی کے ساتھ ملا کر استعمال کی جائے۔(۷) اس حکم میں پالتو اور غیر پالتو تمام اقسام کے کتے شامل ہیں۔

۱۱: وَعَنْ أَبِي قَتَادَةَ ﷛ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ قَالَ فِي الْهِرَّةِ "إِنَّهَا لَيْسَتْ بِنَجَسٍ ,إِنَّمَا هِيَ مِنَ الطَّوَّافِينَ عَلَيْكُمْ" أَخْرَجَهُ الْأَرْبَعَةُ ,وَصَحَّحَهُ التِّرْمِذِيُّ .وَابْنُ خُزَيْمَةَ.

ابوداود، کتاب الطهارة، باب سؤر الهرة:۷۵، النسائی: ۱/ ۵۵ ، ۱/ ۱۷۵ ، الترمذی : ۹۲ ، ابن ماجة:۳۶۷، صحیح ابن خزیمة،

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

كتاب الطهارة، باب الرخصة في الوضوء بسؤر الهرة : ١٠٤، احمد: ٥/ ٣٠٣، مصنف عبد الرزاق: ١/ ١٠١، ابن حبان: ١٢٩٩

١١: حضرت ابوقتادہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بلی کے بارے میں فرمایا: "کہ وہ ناپاک نہیں ہے کیونکہ یہ گھروں میں چکر لگانے والے جانوروں میں سے ہے۔" (اسے اربعہ نے روایت کیا ہے ترمذی اور ابن خزیمہ نے صحیح قرار دیا ہے)

لغوی تحقیق: الهرة: بلی، نر کیلئے الهر استعمال ہوتا ہے جبکہ قط بطور جنس نر اور مادہ دونوں کیلئے استعمال ہوتا ہے۔ طوافین: یہ طائف یا طواف کی جمع ہے، عربی زبان میں خادم اور غلام کو طواف یا طائف کہتے ہیں، ان کو طواف کہنے کی وجہ یہ ہے کہ وہ خدمت گذاری کیلئے ہمہ وقت گھر میں آتے جاتے رہتے ہیں، بلی بھی چونکہ خدام کی طرح بلا روک ٹوک گھروں میں گھومتی رہتی ہے، اس لئے اسے بھی طواف سے تعبیر کیا گیا ہے، یہی علت اس کی عدم نجاست کا باعث ہے۔

تشریح: یہ روایت تفصیلاً اس طرح ہے کہ حضرت ابوقتادہ رضی اللہ عنہ کی بہو کبشہ بنت کعب بیان کرتی ہیں کہ حضرت ابوقتادہ رضی اللہ عنہ ان کے ہاں تشریف لائے تو انہوں نے حضرت ابوقتادہ رضی اللہ عنہ کو وضو بنانے کیلئے برتن میں پانی ڈال کر دیا، بلی پانی پینے کے لئے برتن کی طرف لپکی تو حضرت ابوقتادہ رضی اللہ عنہ نے مجھے دیکھا کہ میں ان کی طرف حیرت سے دیکھ رہی ہوں، یہ دیکھ کر وہ فرمانے لگے کیا آپ کو یہ منظر عجیب لگا ہے؟ میں نے کہا جی ہاں! حضرت ابوقتادہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے کہ "بلی ناپاک نہیں کیونکہ تمہارے گھروں میں اس کی آمد و رفت اکثر رہتی ہے۔"

اس روایت میں نر اور مادہ دونوں کیلئے الگ الگ صیغے استعمال ہوئے ہیں، اس میں دو احتمال ہیں (۱) دونوں الفاظ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہوں، اگر دونوں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہیں تو پھر یہ نوع ظاہر کرنے کیلئے ہیں یعنی طوافین مذکر کیلئے اور طوافات مؤنث کیلئے ہے۔

(۲) یہ بھی ممکن ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تو ایک لفظ بولا ہو، مگر راوی کو شک ہو کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا منطوق لفظ کونسا ہے، اس لئے اس نے دونوں الفاظ بیان کر دیئے۔ مختلف طرق پر نظر ڈالنے سے یہ واضح ہوتا ہے کہ مذکر دونوں الفاظ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہی ہیں، جیسا کہ سنن النسائی: ۳۲۹، اور ابوداود میں یہ الفاظ بالجزم یعنی واؤ عاطفہ کے ساتھ مذکور ہیں۔

صاحب التبیان جناب خالد بن ضیف اللہ الشلاحی نے حرف شک "او" کو ابوداود کی طرف بھی منسوب کیا ہے، یہ ان کا تسامح ہے، کیونکہ ابوداود میں "او" نہیں بلکہ "و" مذکور ہے صحیح ابن خزیمہ ۱۰۲ کے الفاظ اس طرح ہیں کہ "بلی ناپاک نہیں کیونکہ یہ تو گھر کے بعض افراد کی مانند ہے۔" اس کی مؤید روایت حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے بھی مروی ہے جیسا کہ داود بن صالح بن دینار کی والدہ بیان کرتی ہیں کہ انہیں آزاد کرنے والی خاتون نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی خدمت میں گوشت والا دلیہ (ہریسہ) پیش کیا، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اس وقت نماز پڑھ رہی تھیں، محترمہ نے انہیں اشارے سے کہا کہ یہاں رکھ دیجئے، اتنے میں ایک بلی آئی اور وہ ہریسہ کھانے لگی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے نماز سے فارغ ہو کر بلی کا جوٹھا ہریسہ کھا لیا اور فرمایا: آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ "یہ ناپاک نہیں ہے کیونکہ تمہارے گھروں میں اس کی آمد و رفت اکثر رہتی ہے" میں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کے جوٹھے پانی سے وضو کرتے دیکھا ہے (ابوداود) اس روایت کو علامہ ناصر البانی نے صحیح کہا ہے، لیکن صحیح بات یہی ہے کہ یہ روایت ضعیف ہے کیونکہ داود بن صالح کی والدہ مجہولہ ہے۔

فقہی احکام: (۱) بلی ناپاک نہیں اور نہ اسکا جوٹھا ناپاک ہے بشرطیکہ اس کے منہ پر کوئی نجاست لگی ہوئی نہ ہو۔ (۲) کسی کو ماسوا شرعی سزا کے تکلیف دینا درست نہیں، جس کی وہ طاقت نہ رکھتا ہو۔ (۳) بغیر کسی سوال کے بھی مسئلہ بتایا جا سکتا ہے۔ (۴) کسی اجنبی چیز کو دیکھ کر

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

حیرت کا اظہار کرنا درست ہے۔(۵) حیوانات کے ساتھ اچھا برتاؤ کرنا چاہیے۔

۱۲: وَعَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ رضی اللہ عنہ قَالَ جَاءَ أَعْرَابِيٌّ فَبَالَ فِي طَائِفَةِ الْمَسْجِدِ ,فَزَجَرَهُ النَّاسُ ,فَنَهَاهُمُ النَّبِيُّ صلی اللہ علیہ وسلم فَلَمَّا قَضَى بَوْلَهُ أَمَرَ النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم بِذَنُوبٍ مِنْ مَاءٍ فَأُهْرِيقَ عَلَيْهِ مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ

البخاری، کتاب الوضوء،باب ترک النبی والناس الاعرابی......: ۲۱۹، باب صب الماء علی البول فی المسجد: ۲۲۰، ۲۲۱، مسلم: ۲۸۴، ۲۸۵، ابن خزیمة: ۱/ ۱۴۸، مسند احمد، ۳/ ۱۹۱، الترمذی: ۱۴۸، ابن ماجة: ۵۲۸، ابوداود: ۳۸۰

۱۲: حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک دیہاتی آیا اور وہ مسجد کے ایک کونے میں پیشاب کیلئے بیٹھ گیا صحابہ نے اسے ڈانٹا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کو منع فرمایا، جب وہ پیشاب کر چکا تو رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے پانی کا ڈول طلب فرمایا اور وہ اس جگہ پر بہا دیا گیا۔اس حدیث کو بخاری اور مسلم نے روایت کیا ہے۔

لغوی تحقیق: **اعرابی**: یہ عرب سے ماخوذ ہے، **الاعراب** ان عربوں کو کہا جاتا ہے جو جہاں پانی اور سبزہ دیکھتے وہیں منزل کر لیتے تھے، عرف عام میں انہیں دیہاتی یا بادہ نشین کہا جاتا ہے۔ **طائفة**: کونا، جانب، طرف۔ **زجر**: ڈانٹا۔ **الناس**: لوگ یعنی صحابہ۔ **بذنوب**: ذال کی زبر کے ساتھ، یعنی ڈول اور ذال کی پیش کے ساتھ گناہ۔ **اهريق**: یہ اصل میں اريق ہے بعض کا خیال ہے کہ اس میں "ھا" زائدہ ہے، جبکہ بعض کا کہنا ہے کہ ہمزہ کو غیر قیاسی طور پر "ھا" سے تبدیل کر دیا گیا ہے اور بعد میں پھر ایک ہمزہ کا اضافہ کر دیا گیا ہے۔

تشریح: اس روایت کو مؤلف رحمہ اللہ نے صحیحین کی طرف منسوب کیا ہے، مؤلف رحمہ اللہ نے جو الفاظ نقل کئے ہیں وہ امام بخاری نے یحیٰی بن سعید کے طریق سے صحیح بخاری میں نقل کیے ہیں۔

امام مسلم نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے اس روایت سے تین طرق (**ثابت عن انس، یحییٰ بن سعید انه سمع انس، اسحاق بن ابی طلحه حدثنی انس**) سے نقل کیے ہیں، سب سے مفصل متن اسحاق بن ابی طلحہ نے بیان کیا ہے، وہ کہتے ہیں کہ مجھے حضرت انس رضی اللہ عنہ نے بتایا کہ ہم رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مسجد میں بیٹھے ہوئے تھے کہ اسی دوران ایک دیہاتی آیا، اس نے مسجد ہی میں پیشاب کرنا شروع کر دیا، رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ نے اسے سختی سے منع کیا، مگر رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کو ایسا کرنے سے منع کیا اور فرمایا "اسے اس کے حال پر چھوڑ دو اور اس کا پیشاب مت قطع کرو" صحابہ نے اسے اس کے حال پر چھوڑ دیا، جب اس نے تسلی سے پیشاب کر لیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے اپنے دست شفقت کے نیچے طلب فرمایا اور ارشاد فرمایا: "یہ مسجدیں بول و براز کیلئے نہیں، یہ تو اللہ کے ذکر، نماز اور تلاوت قرآن کے لئے ہیں۔" پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک صحابی کو طلب فرمایا وہ پانی کا ایک ڈول لے کر حاضر ہوا اور اس نے وہ ڈول اس جگہ پر بہا دیا۔حافظ ابن حجر نے **التلخیص الحبیر**: ۱/ ۳۹ میں دار قطنی کے حوالے سے یہ الفاظ بھی نقل کئے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "پہلے متاثرہ جگہ سے مٹی اٹھاؤ پھر اس پر ڈول سے پانی بہاؤ۔" مٹی اٹھانے کا ذکر ابن عیینہ سے صرف عبدالجبار بن العلاء نے کیا ہے حالانکہ ابن عیینہ سے یہ روایت ان کے تلامذہ کی ایک جماعت نے اس لفظ کے بغیر بیان کی ہے۔اس سے یہ واضح ہوا کہ مذکورہ الفاظ عبدالجبار کے وہم کا ثمرہ ہیں۔انہی الفاظ سے ملتے جلتے الفاظ کے ساتھ امام طحاوی: ۱/ ۱۴ اور امام دار قطنی ۱/ ۱۳۲، نے یہ روایت حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہما سے نقل کی ہے، لیکن وہ روایت سمعان بن مالک کی وجہ سے ضعیف ہے، جیسا کہ امام دار قطنی نے اس روایت کو نقل کرنے کے بعد سمعان بن مالک کو مجہول قرار دیا ہے۔امام ابن ابی حاتم نے علل الحدیث ۱/ ۲۴ میں لکھا ہے کہ امام ابوزرعة نے اسے لیس بالقوی قرار دیا ہے، اس مفہوم کی بعض مرسل روایات بھی ہیں اور وہ مرسل ہونے کی وجہ سے ضعیف ہیں۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

اس روایت کو امام بخاری ۲۲۰، امام احمد ۲/ ۲۸۲، امام بیہقی ۲۹۷، امام ابن خزیمہ نے حضرت ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہ سے بیان کیا ہے اور وہ کہتے ہیں کہ وہ دیہاتی آپ ﷺ کی مجلس سے اٹھا اور اس نے مسجد میں ہی پیشاب کر دیا، صحابہ اس کی طرف لپکے، لیکن آپ ﷺ نے صحابہ سے فرمایا"اسے اس کی حالت پر چھوڑ دو اور متاثرہ جگہ پر ڈول سے پانی بہا دو، تمہیں آسانیاں پیدا کرنے کیلئے تخلیق کیا گیا ہے سختیاں کرنے کیلئے نہیں۔"ابوداود ۳۸۰ میں یہ تفصیل بھی ہے کہ جب وہ دیہاتی مسجد میں داخل ہوا تو آپ ﷺ اس وقت مسجد میں تشریف فرما تھے، اس نے دو رکعات پڑھی پھر وہ کہنے لگا، اے اللہ! مجھ پر اور محمد ﷺ پر رحم فرما اور ہمارے علاوہ کسی اور پر رحم مت فرما آپ ﷺ نے فرمایا:"تو نے اللہ کی وسیع رحمت کو تنگ کر دیا ہے۔"

فقہی احکام: (۱) انسان کا پیشاب ناپاک ہے۔(۲) مساجد مقدس مقامات ہیں انہیں بول و براز اور گندگی سے پاک رکھنا ضروری ہے۔(۳) ان کی تطہیر میں غیر ضروری تاخیر نا مناسب ہے۔(۴) ناپاک جگہ فقط پانی گرانے سے پاک ہو جاتی ہے وہاں مٹی ہٹانے کی ضرورت نہیں اور نہ اس کے خشک ہونے کا انتظار ضروری ہے۔(۵) رعایہ اگر کوئی خلاف شرع کام دیکھے تو وہ رئیس کی موجودگی میں اس سے اجازت لئے بغیر خلاف شرع کام کرنے والے کو اس سے روک سکتی ہے۔(۶) نادان و جاہل کے ساتھ اس وقت نرمی سے پیش آنا چاہیے جب وہ خلاف شرع کام کسی ضد یا عناد کی وجہ سے نہ کر رہا ہو۔(۷) دُعا کرنے والا فقط اپنے لئے ہی دُعا نہ کرے۔

۱۳: وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ رضی اللہ عنہما قَالَ، قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ "أُحِلَّتْ لَنَا مَيْتَتَانِ وَدَمَانِ ,فَأَمَّا الْمَيْتَتَانِ: فَالْجَرَادُ وَالْحُوتُ, وَأَمَّا الدَّمَانِ فَالطِّحَالُ وَالْكَبِدُ " أَخْرَجَهُ أَحْمَدُ ,وَابْنُ مَاجَة ,وَفِيهِ ضَعْفٌ

مسند احمد ۲/ ۹۷، ابن ماجة، ابواب الصيد، باب صيد الحيتان و الجراد:۳۲۱۸ ، ۳۳۱۴، الدارقطنی: ۴/ ۲۷۱ ، ۲۷۲، معرفة السنن و الآثار للبيهقی: ۷/ ۱۹۱

۱۳: حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:"ہمارے لئے دو قسم کے مردار اور دو قسم کے خون حلال قرار دیئے گئے ہیں، دو قسم کے مردار سے مراد ٹڈی اور مچھلی ہیں اور دو قسم کے خون سے مراد جگر اور تلی ہیں۔"اس روایت کو امام احمد اور ابن ماجہ نے بیان کیا ہے اور اس روایت میں کمزوری ہے۔

لغوی تحقیق: **الحوت**: مچھلی، اس کیلئے عربی میں اور بھی الفاظ مستعمل ہیں مثلاً **السمک**، **نون**۔ **الطھال**: طاء کی زیر کے ساتھ (تلی) **الکبد**: کاف کی زبر اور باء کی زیر کے ساتھ یعنی جگر۔ **ضعف** : ضاد کی زبر کے ساتھ یعنی کمزوری۔

تشریح: اس روایت میں مردہ مچھلی کو حلال قرار دیا گیا ہے، ظاہر ہے کہ جب مردہ مچھلی حلال ہے تو پھر اس کے پانی میں مرنے سے پانی ناپاک نہیں ہوگا، خواہ پانی قلتین کی مقدار سے کم ہو یا زیادہ، پانی اپنی اصلی ہیئت میں ہو یا اس کے رنگ و بو اور ذائقہ میں کوئی تبدیلی رونما ہو چکی ہو، مچھلی خواہ اپنی طبعی موت مری ہو یا کسی جانور کے زخمی کرنے پر مری ہو یا شکاری کے جال میں پھنس کر مری ہو، حافظ ابن حجر یہی ثابت کرنے کیلئے اس حدیث کو باب المیاہ میں لائے ہیں۔

اس حدیث پر اگر کوئی یہ اعتراض کرے کہ یہ حدیث قرآن کے خلاف ہے کیونکہ قرآن حکیم میں مسلمانوں پر ہر قسم کا مردار اور خون حرام قرار دیا گیا ہے، نیز حافظ ابن حجر نے اس حدیث کو ضعیف بھی قرار دیا ہے، اس کا جواب یہ ہے کہ رحمت عالم ﷺ جو بھی فرماتے یا کرتے تھے وہ منشا الٰہی کے عین مطابق ہوتا تھا، اس لئے قرآن و حدیث میں اگر کہیں تعارض ہے تو وہ محض ظاہری ہے، حقیقی نہیں، باقی رہا

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

حافظ ابن حجر کا اس حدیث کو ضعیف قرار دینا تو اس کا جواب یہ ہے کہ یہ حدیث متعدد طرق سے منقول ہے جن میں سے بعض صریحاً مرفوع اور بعض حکماً مرفوع ہیں۔ اس حدیث کے صریحاً تمام طرق ضعیف ہیں کیونکہ زید بن اسلم کے تینوں بیٹے (عبداللہ، عبدالرحمٰن، اسامہ) اور ابو ہاشم ضعیف ہیں یہی وہ حضرات ہیں جو اس روایت کو زید بن اسلم سے صریحاً مرفوع نقل کرتے ہیں۔ زید بن اسلم کے ایک اور شاگرد سلیمان بن بلال ہیں وہ اس روایت کو حکماً مرفوع نقل کرتے ہیں، ماہرین فن کی قائم کردہ کسوٹی کے مطابق یہ طریق قابل حجت ہے۔ تفصیل کیلئے دیکھئے علل الحدیث ابن ابی حاتم: ۲/۱۷، البیهقی ۱/۲۵۴، التلخیص الحبیر: ۱/۳۸ یہ طریق اگرچہ سنداً موقوف مگر حکماً مرفوع ہے کیونکہ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فرما رہے ہیں کہ ہمارے لئے دو قسم کے مردار اور دو قسم کے خون حلال قرار دیئے گئے ہیں ظاہر ہے کہ صحابہ کیلئے کسی چیز کو حلال یا حرام اللہ اور اس کے رسول ﷺ ہی قرار فرماتے تھے، یہ سب طریق تمام اہل فن کے نزدیک صحیح اور حکماً مرفوع مسلم ہے، حافظ ابن حجر نے ضعیف کا حکم ان طرق پر لگایا ہے جو صریحاً مرفوع ہیں۔

فقہی احکام: (۱) صحابی کا یہ کہنا فلاں چیز ہمارے لئے حلال یا حرام قرار دی گئی ہے حکماً مرفوع ہے۔ (۲) ٹڈی اور مچھلی مردہ یا زندہ جس حال میں جہاں بھی ملے حلال ہے بشرطیکہ اس میں تعفن نہ ہو۔ (۳) جگر اور تلی خون کے باوجود حلال ہیں۔ (۴) پانی میں مچھلی اور ٹڈی مردہ گر جائے تو پانی ناپاک نہیں ہوتا۔ (۵) قرآن حکیم کے کسی عام حکم کو حدیث خاص کر سکتی ہے۔

۱۴: وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضی اللہ عنہ قَالَ، قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ "إِذَا وَقَعَ الذُّبَابُ فِي شَرَابِ أَحَدِكُمْ فَلْيَغْمِسْهُ, ثُمَّ لِيَنْزِعْهُ, فَإِنَّ فِي أَحَدِ جَنَاحَيْهِ دَاءً, وَفِي الْآخَرِ شِفَاءً" أَخْرَجَهُ الْبُخَارِيُّ وَأَبُو دَاوُدَ, وَزَادَ "وَإِنَّهُ يَتَّقِي بِجَنَاحِهِ الَّذِي فِيهِ الدَّاءُ"

البخاری، کتاب الطب، باب اذا وقع الذباب فی الاناء: ۵۷۸۲، ابو داود: ۳۸۴۴، ابن ماجة: ۳۵۰۵، مسند احمد: ۲/۲۴، ابن خزیمة: ۱/۵۶، مشکل الآثار: ۴/۲۸۳، فتح الباری: ۱۰/۲۵۰، الدارقطنی: ۱/۳۷

۱۴: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "جب مکھی تمہارے مشروب میں گر جائے تو اسے پانی میں ڈبکی دینے کے بعد نکالا جائے کیونکہ اس کے دونوں پروں میں سے ایک میں بیماری اور دوسرے میں اس بیماری کا تریاق ہے۔" اس حدیث کو امام بخاری، امام ابوداود نے روایت کیا ہے، امام ابوداود نے یہ الفاظ بھی نقل کئے ہیں کہ "وہ مشروبات میں اپنا وہ پر از خود ڈبو دیتی ہے جس میں بیماری کے جراثیم ہوتے ہیں۔"

لغوی تحقیق: ذباب: ذال کی پیش کے ساتھ، بہت زیادہ حرکت کرنے والی یعنی مکھی۔ فلیغمسه: یہ غمس سے ماخوذ ہے فضیلۃ الشیخ صفی الرحمٰن مبارکپوری بلوغ المرام کی عربی شرح ۱۵، پر فلیغمس کی تشریح کرتے ہوئے لکھتے ہیں بکسر المیم من الغمس وهو الغط فی الماء او المائع۔ یعنی غمس کے معنی پانی یا مائع میں غوطہ لگانا ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں پانی یا مائع میں غوطہ لگانے کو غمس بھی کہتے ہیں لیکن اسے پانی یا مائع میں لگانے کے ساتھ خاص کرنا درست نہیں، کیونکہ صحیح حدیث میں جھوٹی قسم کو الیمین الغموس کہا گیا ہے، یعنی جہنم میں غوطہ دینے والی قسم ہے، ظاہر ہے کہ جہنم پانی یا مائع کا سمندر تو نہیں۔ لینزعه: یہ نزع سے ماخوذ ہے یعنی پھر اسے نکال دے۔ جناح: یہ متعدد معانی میں استعمال ہوتا ہے۔ ان میں سے ایک اڑنے والے جانور کا پر بھی ہے۔ داء: بیماری۔

تشریح: زیر مطالعہ حدیث میں یہ مذکور ہے کہ مکھی کے دوسرے پر میں شفاء ہے، اس کا مطلب یہ ہرگز نہیں کہ یہ پر تمام بیماریوں کے لئے شفاء ہے بلکہ اس سے مراد یہ ہے کہ اس کے ایک پر میں جو بیماری ہے فقط اسی بیماری کا تریاق اس کے دوسرے پر میں ہے، تبھی تو آپ

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ﷺ نے یہ حکم فرمایا کہ "جب مکھی تمہارے مشروب میں گر جائے تو اسے اس میں تھوڑی دیر کیلئے ڈبوئے رکھو کیونکہ اس کے ایک پر میں بیماری اور دوسرے میں اس کا تریاق ہے، مکھی اپنے اُس پر کو مشروب میں ڈالتی ہے جس میں بیماری ہوتی ہے۔" ایک روایت میں ہے کہ "اس کے ایک پر میں زہر ہے اور دوسرے میں اس تریاق ہے یہ ہمیشہ زہر والے پر کو برتن میں ڈالتی ہے۔"

ایک روایت میں ہے کہ " مکھی کی عمر چالیس دن ہے۔شہد کی مکھی کے علاوہ دیگر تمام اقسام کی مکھیاں جہنم میں پائی جائیں گی۔" ایک روایت میں ہے کہ آپ ﷺ نے حضرت سلمان رضی اللہ عنہ سے فرمایا: "خوردونوش کی وہ تمام اشیاء جن میں وہ حشرات الارض گر کر مر جائیں جن میں خون نہیں ہے، ان تمام اشیاء کو کھانا پینا اور ان سے وضو بنانا درست ہے۔

فقہی احکام: (۱) مکھی اور اس قسم کے دیگر حشرات الارض خوردونوش کی اشیاء میں گر کر مر جائیں تو پانی ناپاک نہیں ہوتا۔ (۲) غیر ماکول اللحم کے زہر کا تریاق انہیں کے کسی ایک حصہ میں ہو تو اس سے علاج جائز ہے۔ (۳) دفع ضرر کیلئے مکھی اور اس قسم کے دیگر حشرات الارض کو مارنا جائز ہے۔

۱۵: وَعَنْ أَبِي وَاقِدٍ اللَّيْثِيِّ رضی اللہ عنہ قَالَ، قَالَ النَّبِيُّ ﷺ " مَا قُطِعَ مِنَ الْبَهِيمَةِ وَهِيَ حَيَّةٌ فَهُوَ مَيِّتٌ " أَخْرَجَهُ أَبُو دَاوُدَ, وَالتِّرْمِذِيُّ وَحَسَّنَهُ ,وَاللَّفْظُ لَهُ

ابو داود، کتاب الصید، باب فی صید قطع منه قطعة: ۲۸۵۸، الترمذی: ۱۴۸۰، مسند احمد: ۵/ ۲۱۸، المعجم الاوسط: ۳۱۲۳، ۷۹۲۸، الدارمی: ۲/ ۲۰

۱۵: ابوواقد لیثی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "زندہ جانور کا جو حصہ کاٹ کر الگ کر دیا جائے وہ مردار کے حکم میں ہے۔" اس حدیث کو امام ابوداود اور امام ترمذی نے روایت کیا ہے۔ امام ترمذی نے اسے حسن قرار دیا ہے، مذکورہ الفاظ ترمذی کے ہیں۔

لغوی تحقیق: **قطع:** قاف کی پیش اور طاء کی زیر کے ساتھ، فعل مجہول ہے، یعنی کاٹ دیا جائے۔ **البهيمة:** چار ٹانگوں والا جانور خواہ وہ خشکی کا ہو یا تری کا بشرطیکہ وہ درندہ نہ ہو، **المعجم الوسيط** ۱/ ۷۴، اس لفظ کا اطلاق عموماً گائے، بھینس، بھیڑ، بکری اور اونٹ کی نسل پر ہوتا ہے۔ **حية:** حاء پر زبر اور یاء مفتوح مشدد۔

تشریح: رحمت عالم ﷺ جب مکہ سے ہجرت کر کے مدینہ منورہ تشریف لائے تو اس وقت یثرب (مدینہ) کے لوگ زندہ اونٹوں کی کوہانیں اور زندہ دنبوں کی چکلیاں کاٹ کر کھا جاتے تھے، رحمت عالم ﷺ نے جانوروں کو ایذا رسانی سے محفوظ رکھنے کیلئے اہل یثرب کے اس سفاکانہ عمل کو روکنے کیلئے ارشاد فرمایا کہ "ماکول اللحم جانوروں کو ذبح کرنے سے پہلے ان کے جسم کا جو بھی حصہ کاٹا جائے گا وہ مردار کے حکم میں ہوگا۔" یعنی ایسا کرنا مردار کھانے کے مترادف ہے اس قسم کی ایک روایت امام طبرانی نے **المعجم الاوسط** ۸/ ۴۵۰ میں ایک ضعیف سند سے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے، جس کے آخر میں یہ الفاظ ہیں "زندہ جانور کا جو بھی حصہ کاٹا جائے آپ میں سے کوئی ایک اسے مت کھائے " علامہ ہیثمی نے **مجمع البحرين** میں یہ روایت عاصم بن عمر عن عبداللہ بن دینار کے طریق سے **المعجم الاوسط** کے حوالے سے نقل کی ہے۔

رجال کی کتابوں میں عاصم بن عمر ہی مذکور ہے، **المعجم الاوسط** کا وہ نسخہ جو حرم میں موجود ہے اس میں بھی عاصم بن عمر ہی مذکور ہے لیکن ڈاکٹر محمود الطحان کی تحقیق سے **المعجم الاوسط** کا نسخہ جو مکتبہ المعارف الریاض نے شائع کیا ہے اس میں فاضل محقق نے عاصم بن عمر کی جگہ عاصم بن عمرو لکھا ہے اور حاشیہ میں یہ لکھا ہے، وفی الاصل وفی نسخة الحرم عمر، و هو خطا من النساخ؛ کہ اصل کتاب

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

اورحرم میں موجودنسخہ میں عاصم بن عمر ہے لیکن یہ غلط ہے اور یہ غلطی کسی کاتب سے ہوئی ہے۔ راقم کے نزدیک فاضل محقق سے تسامح ہوا ہے، اس تسامح کی وجہ یہ ہے کہ اس روایت سے پہلے والی تینوں روایات میں کاتب کی غلطی سے عمر کے بعد واؤ کا اضافہ ہوگیا ہے جو غلط ہے۔ زیر بحث روایت میں یہ لفظ اس غلطی سے پاک تھا فاضل محقق نے اوپر والی تینوں مسلسل اسناد میں مذکور خطا کو درست سمجھ کر اس درست کو خطا قرار دیدیا (واللہ اعلم بالصواب)

اسی مضمون کی ایک اور روایت امام طبرانی نے **المعجم الاوسط** : ۱۸۹/۴ میں ضعیف سند کے ساتھ حضرت تمیم داری رضی اللہ عنہ سے نقل کی ہے، جس کا مفہوم یہ ہے کہ صحابہ نے رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کچھ لوگ زندہ اونٹوں کی کوہانیں اور زندہ دنبوں کی چکلیاں بڑے شوق سے کھاتے ہیں، رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، زندہ جانور کا جو بھی حصہ کاٹا جائے وہ مردار ہے۔

حافظ ابن حجر نے اس روایت کو نقل کرنے کے بعد اس روایت کو ابوداود اور ترمذی کی طرف منسوب کیا ہے اور مذکورہ الفاظ ترمذی کے قرار دیئے ہیں، مگر ہمارے پاس اس وقت ترمذی اور ابوداود کے جو مطبوعہ نسخے ہیں ان میں سے کسی میں بھی مذکورہ الفاظ نہیں ہیں۔

ترمذی کے الفاظ ہیں **ما يقطع من البهيمة وهى حية فهو ميتة**. ابوداود کے الفاظ ہیں **ما قطع من البهيمة وهى حية فهو ميتة**. البتہ امام حاکم نے **المستدرک** : ۱۲۴/۴ میں حضرت ابوواقد لیثی اور عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے طریق سے جو روایت درج کی ہیں ان کے یہ الفاظ ضرور ہیں۔ حافظ ابن حجر نے **التلخیص الحبیر** ۲۹/۱ میں دارمی، احمد، ترمذی، ابوداود اور حاکم کے حوالے سے مفصل روایت نقل کی ہے اس کے آخر میں وہی الفاظ ہیں جو ابوداود کے ہیں، وہاں حافظ ابن حجر نے یہ لکھا ہے کہ احمد اور ابوداود کے الفاظ وہی ہیں، مگر اس میں وہ قصہ مذکور نہیں۔

امام طبرانی نے یہ حدیث حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ اور حضرت تمیم داری رضی اللہ عنہ سے نقل کی ہے۔ حافظ ابن حجر کے اس بیان سے یہ واضح ہوتا ہے کہ اس روایت کی نقل میں حافظ ابن حجر سے تسامح نہیں ہوا بلکہ بلوغ المرام کے کسی نساخ سے تسامح ہوا ہے۔ (واللہ اعلم بالصواب)

فقہی احکام: (۱) زندہ جانوروں کا کوئی حصہ اگر کاٹ کر الگ کیا گیا یا خود کٹ کر الگ ہوگیا تو کٹا ہوا حصہ مردار ہے۔

(۲) اس کا کھانا حرام ہے۔ (۳) اگر وہ قلتین سے کم مقدار پانی میں گر جائے گا تو پانی ناپاک ہوجائے گا۔

۲۔ باب الآنية — برتنوں کا بیان

لغوی تحقیق: آنية : اناء کی جمع ہے اور یہ لفظ اہل عرب کے ہاں معروف ہے۔

باب قائم کرنے کا سبب یہ ہے کہ رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے بعض برتنوں کے بعض تصرفات سے منع فرمایا ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان اس حقیقت کا عکاس ہے کہ استعمال کے اعتبار سے برتنوں کے احکامات متعدد ہیں۔ مصنف رحمۃ اللہ علیہ نے اس عنوان سے باب قائم کرکے اسی حقیقت کو واضح فرمایا ہے۔

۱۶: **عَنْ حُذَيْفَةَ بْنِ الْيَمَانِ** رضی اللہ عنہ، **قَالَ: قَالَ النَّبِيُّ** صلی اللہ علیہ وسلم **"لَا تَشْرَبُوا فِي آنِيَةِ الذَّهَبِ وَالْفِضَّةِ، وَلَا تَأْكُلُوا فِي صِحَافِهَا، فَإِنَّهَا لَهُمْ فِي الدُّنْيَا، وَلَكُمْ فِي الْآخِرَةِ" مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ**

البخاری، كتاب الاشربة، باب آنية الفضة: ۵۶۳۳، كتاب الاطعمة، باب الاكل فى اناء مُفَضَّضٍ: ۵۴۲۶ (مذکورہ الفاظ صحیح بخاری کے ہیں)، مسلم، كتاب اللباس و الزينة، باب تحريم استعمال اناء الذهب و الفضة..... ۲۰۶۷ (صحیح مسلم کی دو روایات کو ملا کر مذکورہ متن مکمل

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ہوتا ہے)، مسنداحمد: ۵/ ۳۹۷، السنن الکبری للبیهقی : ۱/ ۲۸، الدارمی ، کتاب الاشربة ، باب الشرب فی المُفَضَّض : ۲۱۳۶، ابن ماجة، کتاب الاشربة، باب الشرب فی آنیة الفضة: ۳۴۱۴، الترمذی، کتاب الاشربة ، باب ماجاء کراهیة الشرب فی آنیة الفضة و الذهب : ۱۸۷۸ ، النسائی ، کتاب الزینة ، باب النهی عن لبس الدیباج : ۸/ ۱۹۸ ، ابوداود، کتاب الاشربة، باب الشرب فی آنیة الذهب و الفضة: ۳۷۲۳، مسند حمیدی : ۴۴۰، ابن ابی شیبة : ۸/ ۲۱۰، عبد الرزاق: ۱۹۹۲۸ ، صحیح ابن حبان ، کتاب الاشربة ، باب آداب الشرب: ۵۳۳۹

۱۶: حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "سونے اور چاندی کے برتنوں میں مت پیا کرو اور نہ ان سے بنے ہوئے پیالوں میں کھایا کرو، بلاشبہ یہ آسائش کفار کے لئے دنیا میں ہے اور تمہارے لئے آخرت میں ہوگی" یہ حدیث امام بخاری اور امام مسلم نے روایت کی ہے۔

لغوی تحقیق: حذیفة : اس کی حاء پر ضمہ (پیش) ذال پر فتحہ (زبر) اور یاء ساکن ہے۔ صحاف: یہ صحفة کی جمع ہے، اس کے معنی پیالہ کے ہیں۔ امام نسائی کے بقول سب سے بڑے پیالے کو جفنة، اس سے چھوٹے پیالے کو قصعة کہتے ہیں یہ پیالہ دس آدمیوں کے لئے کافی ہوتا ہے، اس سے چھوٹے پیالے کو صحفة کہتے ہیں، یہ پانچ آدمیوں کیلئے کافی ہوتا ہے اس سے چھوٹے پیالے کو مئکلہ کہتے ہیں، یہ دو یا تین آدمیوں کے لئے کافی ہوتا ہے اس سے چھوٹے پیالے کو صحیفه کہتے ہیں یہ ایک آدمی کے لئے کافی ہوتا ہے۔ فانها : کی ضمیر کا مرجع آنیة اور صحاف ہیں یعنی دونوں دھاتوں کے برتن۔ هم : اسم ضمیر کا مرجع اگر چہ اس سے قبل مذکور نہیں ہوا تاہم اس سے مراد مشرکین ہی ہیں۔

تشریح: اس حدیث یہ واضح ہوا کہ سونے اور چاندی کے برتنوں کو خورد ونوش کے لئے استعمال کرنا حرام ہے، قطع نظر اس کے کہ وہ برتن خالص سونے کے بنے ہوئے ہوں یا ان میں چاندی کی ملاوٹ ہو، کیونکہ زیر مطالعہ حدیث مبارکہ میں ممانعت سونے اور چاندی دونوں سے متعلق ہے، امام نووی فرماتے ہیں کہ سونے اور چاندی کے برتنوں کو خورد ونوش کے لئے استعمال کرنے کی حرمت پر امت مسلمہ کا اجماع ہے، البتہ وہ برتن جن پر سونے اور چاندی کے پانی کا ملمع کیا گیا ہو، کیا وہ بھی اس حدیث میں مذکور حرمت میں داخل ہیں یا نہیں؟ اس بارے میں اہل علم کے مابین اختلاف پایا جاتا ہے، علماء کے ایک طبقہ کا کہنا ہے کہ اگر سونے اور چاندی کے پانی کی تہہ کو برتن سے الگ کرنا ممکن ہو تو پھر اس کی حرمت پر سب کا اتفاق ہے اور اگر ممکن نہیں تو پھر ان برتنوں کا استعمال حرام نہیں، لیکن صحیح اور درست بات یہی ہے کہ اگر ایسے برتن سونے اور چاندی کے برتنوں کے نام سے موسوم کیے جاتے ہیں تو پھر وہ اس حدیث مبارکہ میں مذکور حرمت میں داخل ہونگے اور اگر سونے اور چاندی کے نام سے موسوم نہیں تو پھر وہ اس حرمت سے خارج ہونگے۔ موسوم اور عدم موسوم کا پتہ لگانے کے لئے عہد نبوی کی طرف رجوع کرنا ہوگا۔ اور اگر وہاں سے اس بارے میں کسی قسم کی کوئی خبر میسر نہ آئے تو پھر ایسے برتنوں کا استعمال درست ہوگا، رہے وہ برتن جن پر سونے یا چاندی کی پالش کی گئی ہو، انہیں خورد ونوش کے لئے استعمال کرنا بالاتفاق درست ہے۔ سونے اور چاندی کے برتنوں کو خورد ونوش کے لئے استعمال کرنا تو بالاتفاق حرام ہے لیکن ان برتنوں کو دیگر کاموں میں استعمال کرنا کیسا ہے؟ بعض علما کا خیال کہ حرام نہیں ہے، ان کا کہنا ہے کہ دیگر امور کو خورد ونوش پر قیاس کرنا درست نہیں کیونکہ اس میں قیاس کی شرائط صادق نہیں آتیں، لہٰذا حق بات یہی ہے کہ دیگر امور میں سونے اور چاندی کے برتنوں کا استعمال جائز ہے اور یہ کہنا کہ دیگر امور میں بھی حرام ہونے پر امت مسلمہ کا اجماع ہے، یہ دعوی درست نہیں بلکہ یہ تو ایک ایسی حرکت ہے جو کلام نبوت کو تبدیل کرنے کے مترادف ہے۔ کیونکہ حدیث مبارکہ میں تو سونے اور چاندی کے برتنوں

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

کوفقط خوردونوش کے لئے استعمال کرنے سے منع کیا گیا ہے جبکہ ان لوگوں نے کلام نبوت کو چھوڑ کر اپنی طرف سے اس حرمت کا اطلاق تمام امور پر کر دیا ہے۔

مصنف رحمہ اللہ نے اس حدیث کو **کتاب الطهارة** کے تحت درج کر کے یہ عندیا دیا ہے کہ سونے اور چاندی کے برتنوں کا استعمال وضووغیرہ کے لئے بھی حرام وممنوع ہے کیونکہ ان کی تحقیق کے مطابق ان برتنوں کا استعمال وضووغیرہ کے لئے بھی حرام ہے ورنہ اس حدیث کا اصل محل تو **کتاب الاطعمه والاشربة** تھا۔

اس حدیث مبارکہ سے ضمناً یہ مسئلہ بھی سامنے آیا کہ یواقیت وجواہرات کے برتنوں میں کھانا پینا درست ہے یا نہیں؟ اس بارے میں علماء باہم مختلف آراء رکھتے ہیں لیکن صحیح بات یہی ہے کہ یواقیت وجواہرات کے برتنوں کا استعمال حرام نہیں کیونکہ اس کی حرمت کی کوئی دلیل نہیں۔ واضح رہے کہ جس چیز کی حرمت کی کوئی دلیل نہ ہو وہ حلال ہے کیونکہ ہر چیز کی اصل اباحت ہے۔

فقہی احکام: (۱) سونے اور چاندی کے برتنوں کو خوردونوش اور وضو کے لئے استعمال کرنا ممنوع ہے۔

(۲) ایسے برتنوں میں اگر کوئی وضو کرے گا تو اس کا وضو نہیں ہوگا۔ (۳) دیگر امور میں ان برتنوں کا استعمال جائز ہے۔

۱۷: **وَعَنْ أُمِّ سَلَمَةَ رضی اللہ عنہا، قَالَتْ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ "الَّذِي يَشْرَبُ فِي إِنَاءِ الْفِضَّةِ إِنَّمَا يُجَرْجِرُ فِي بَطْنِهِ نَارَ جَهَنَّمَ" مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ**

البخاری، کتاب الاشربة، باب آنية الفضة: ۵۶۳۴ (مذکورہ الفاظ صحیح بخاری کے ہیں)، مسلم، کتاب اللباس والزينة، باب تحريم استعمال اوانی الذهب ...: ۲۰۶۵، مسند احمد: ۳۰۱/۴، ۳۰۲، ۳۰۴، ابن ماجة: ۳۴۱۳، مؤطاامام مالک: ۹۲۴/۲، الدارمی، کتاب الأشربة، باب الشرب فی المفضض: ۲۱۳۵، السنن الکبری للبیهقی: ۲۷/۱، معرفة السنن: ۱۴۷/۱، المعجم الكبير للطبرانی: ۹۲۶/۲۳، ۹۲۸

۱۷: حضرت اُم سلمہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رحمت عالم ﷺ نے فرمایا" جو شخص چاندی کے برتنوں میں (کھاتا) اور پیتا ہے وہ اپنے پیٹ میں جہنم کی آگ انڈیلتا ہے "(بخاری ومسلم)

لغوی تحقیق: **يجرجر**: اس کی علامت مضارع پر ضمہ (پیش) ہے یہ لفظ جرجر سے ماخوذ ہے، پیٹ میں داخل ہوتے وقت پانی کی جو آواز آتی ہے اسے **جرجرة** کہا جاتا ہے اور اونٹ کے پانی پینے کی آواز کو اسی لفظ سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ **نار**: امام بخاری اور امام مسلم سے مروی روایت میں لفظ نار مفعول بہ استعمال ہوا ہے جبکہ علامہ زمخشری کا کہنا ہے کہ لفظ نار کو مجازی فاعل ہونے کی وجہ سے مرفوع پڑھنا چاہیے جبکہ اکثر اہل علم اسے مفعول بہ پڑھتے ہیں اور اس کا فاعل پینے والے کو قرار دیتے ہیں۔ امام نووی فرماتے ہیں کہ شارحین اور ادیبوں کے نزدیک اس کا مفعول ہونا ہی صحیح اور معروف ہے علامہ ازہری نے اس کے مفعول ہونے کو ضروری قرار دیا ہے۔ **جهنم**: یہ عجمی لفظ ہے، اس میں منع صرف کے دو سبب یعنی اس میں تانیث اور علمیت پائے جاتے ہیں کیونکہ آگ کے مختلف طبقات میں سے ایک طبقہ کا نام جہنم ہے، اللہ تعالیٰ ہم سب کو اس سے محفوظ فرمائے۔ آمین

تشریح: صحیح بخاری میں مذکور روایت میں صرف چاندی کے برتنوں کا ذکر ہے جبکہ صحیح مسلم کی ایک روایت میں بھی چاندی کے برتنوں کا ذکر ہے اور دوسری روایت میں چاندی اور سونے کے برتنوں کا ذکر ہے۔

فقہی احکام: اس حدیث سے بھی وہی فقہی احکام مستنبط ہوتے ہیں جو حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے مروی سابقہ حدیث سے مستنبط ہوتے ہیں

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

۱۸: وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رضی اللہ عنہما قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللّٰہِ صلی اللہ علیہ وسلم " إِذَا دُبِغَ الْإِهَابُ فَقَدْ طَهُرَ " أَخْرَجَهُ مُسْلِمٌ وَعِنْدَ الْأَرْبَعَةِ " أَيُّمَا إِهَابٍ دُبِغَ "

مسلم ، کتاب الحیض ، باب طهارة جلود المیتة بالدباغ: ۳۶۳۔ ۳۶۶، ابوداود ، کتاب اللباس ، باب فی اهب المیتة: ۴۱۲۳،

النسائی ، کتاب الفرع و العتیرة ، باب جلود المیتة: ۴۹۵۵، الترمذی، ابواب اللباس، باب جلود المیتة اذا دبغت: ۱۷۲۸ ،

ابن ماجة : ۳۶۰۹، مسند احمد : ۲۱۹/۱، المؤطا: ۴۹۸/۲، الدارقطنی : ۴۶/۱، ابن حبان : ۱۲۸۷

تنبیہ: مؤلف رحمۃ اللہ علیہ نے "ایماء اهاب" کو ابوداود کی طرف بھی منسوب کیا ہے جبکہ ابوداود کے کوئی نسخہ میں وہی الفاظ ہیں جو صحیح مسلم کے ہیں۔

۱۸: حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "جس کھال کو رنگ دیا جائے تو وہ پاک ہو جاتی ہے۔" اس حدیث کو مسلم نے روایت کیا ہے، ابوداود، ترمذی، نسائی اور ابن ماجہ میں ہے "جونسا چمڑہ رنگا جائے گا وہ پاک ہو جائے گا۔"

لغوی تحقیق: اھاب: یہ کتاب کے وزن پر ہے، اسے کھال یا کچے چمڑے سے بھی تعبیر کر سکتے ہیں۔ جیسا کہ قاموس میں ہے اور اسی طرح نہایہ میں بھی ہے۔ دبغ: دال پر پیش با مکسور ہے، چمڑے کی رطوبت وغیرہ کو ختم کرنا۔ طھر: اس کی طا اور ھا پر زبر پڑھی جاتی ہے جبکہ ھا پر ضمہ پڑھنا بھی درست ہے، جیسا کہ صاحب قاموس نے وضاحت کی ہے۔

تشریح: اس حدیث کو حدیث کے پانچ مشہور آئمہ نے روایت کیا ہے، یہ روایت چونکہ مختلف الفاظ سے مروی ہے اس لئے مصنف رحمۃ اللہ علیہ نے دونوں طرح کے الفاظ بیان کر دیئے ہیں، مکمل حدیث اس طرح ہے۔ رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا گزر ام المؤمنین حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا کی مردہ بکری کے قریب سے ہوا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے دیکھ کر فرمایا "تم نے اس کی کھال سے کیوں فائدہ نہیں لیا؟ چمڑے کو رنگ دینے سے وہ پاک ہو جاتا ہے۔" امام بخاریؒ نے ام المؤمنین حضرت سودہ رضی اللہ عنہا سے مروی حدیث اس طرح بیان کی ہے کہ حضرت سودہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ ہماری بکری مر گئی ہم نے اس کا چمڑہ رنگ لیا پھر اسے پڑا رہنے دیا یہاں تک کہ وہ خشک ہو گیا۔

اس حدیث سے یہ واضح ہوا کہ تمام مردہ جانوروں کا چمڑہ رنگنے سے پاک ہو جاتا ہے اور اس کا ظاہر و باطن بھی پاک ہو جاتا ہے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ اور عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہما کا بھی یہی قول ہے، اس مسئلہ کے بارے میں اہل علم کے سات اقوال ہیں ان میں ایک مذکورہ بالا بھی ہے۔ حضرت عبداللہ بن عکیمؒ رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے جو حدیث بیان کرتے ہیں اس کی تفصیل اس طرح ہے کہ رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا" تم مردار کے رنگے ہوئے چمڑے اور اس کے گوشت سے فائدہ مت حاصل کرو" اس حدیث کو امام ترمذی نے روایت کرنے کے بعد حسن اور امام البانیؒ نے صحیح قرار دیا ہے۔ لیکن صحیح بات یہی ہے کہ اس حدیث کی سند اور متن میں اضطراب ہے، پھر اس میں ارسال اور انقطاع کی علتیں بھی موجود ہیں۔ امام احمدؒ نے اس حدیث کو اگرچہ پہلے اختیار کیا تھا مگر بعد میں اسے ترک کر دیا جیسا کہ امام ترمذی نے نقل کیا ہے۔ اس حدیث کو پہلی حدیث کے معارض بھی نہیں سمجھا جا سکتا کیونکہ تعارض اس وقت واقع ہوتا ہے جب دونوں روایات سند کے اعتبار سے مساوی ہوں اور یہاں ایسا نہیں ہے " وایما اهاب " ان الفاظ کی عمومیت فقط ان مردار جانور کے چمڑوں تک محدود ہے جنہیں ذبح کر کے ان کا گوشت کھایا جا سکتا ہے۔

فقہی احکام: (۱) مردار جانور کے تمام اجزاء ناپاک ہیں۔ (۲) ان کا چمڑا رنگنے سے پاک ہو جاتا ہے۔

۱۹: وَعَنْ سَلَمَةَ بْنِ الْمُحَبِّقِ رضی اللہ عنہ قَالَ، قَالَ رَسُولُ اللّٰہِ صلی اللہ علیہ وسلم " دِبَاغُ جُلُودِ الْمَيْتَةِ طُهُورُهَا " صَحَّحَهُ ابْنُ حِبَّانَ

صحیح ابن حبان، کتاب الطهارة ، باب جلود المیتة : ۱۲۹۰ ، و کتاب السیر، باب الخلافة و الامارة : ۴۵۲۲، احمد: ۶/۵،

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

النسائی :۷/۱۷۴، ابو داود : ۴۱۲۵، البیهقی : ۱/۱۷

۱۹:　حضرت سلمہ بن محبق رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رحمت عالم ﷺ نے فرمایا "مردار کے چمڑوں کو رنگنا ہی ان کی پاکیزگی ہے۔" امام ابن حبان نے اس حدیث کو صحیح قرار دیا ہے۔

لغوی تحقیق: **المحبق** :اس کی میم پر ضمہ، حاء پر فتحہ، باء مشدد مکسور ہے اور آخر میں قاف ہے۔

تشریح:　امام ابن حبان نے یہی الفاظ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے بھی نقل کئے ہیں۔اس حدیث کو الفاظ کی تبدیلی کے ساتھ امام احمد، امام ابوداود، امام نسائی اور امام بیہقی نے بھی نقل کیا ہے اور ابن حبان نے دوسری روایت ان الفاظ سے بیان کی ہے " **دباغ الادیم ذکاته**: چمڑے کا رنگنا ہی اس کی طہارت ہے " ایک روایت میں "**دباغها ذکاتها**" کے الفاظ ہیں ایک روایت میں "**دباغها طهورها**" کے الفاظ ہیں۔ایک روایت میں "**ذکاة الادیم دباغه**" ہے۔اس مسئلہ میں ہم نے اور بھی احادیث تلاش کی ہیں ان تمام کا مفہوم وہی ہے جو حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی حدیث کا ہے۔دباغت (چمڑا رنگنے) کو طہارت سے تشبیہ دینے سے اس حقیقت کا اظہار مقصود ہے۔صرف ان مردار جانوروں کا چمڑا رنگنے سے پاک ہوتا ہے جن کا گوشت کھایا جا سکتا ہے اور جو جانور حرام ہیں ان کا چمڑا رنگنے سے بھی پاک نہیں ہوتا۔

۲۰:　**وَعَنْ مَيْمُونَةَ رضی اللہ عنہا، قَالَتْ مَرَّ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ بِشَاةٍ يَجُرُّونَهَا، فَقَالَ "لَوْ أَخَذْتُمْ إِهَابَهَا؟" فَقَالُوا إِنَّهَا مَيْتَةٌ، فَقَالَ "يُطَهِّرُهَا الْمَاءُ وَالْقَرَظُ" أَخْرَجَهُ أَبُو دَاوُدَ، وَالنَّسَائِيُّ**

ابوداود، کتاب اللباس، باب فی اهب المیتة: ۴۱۲۶، النسائی ، کتاب الفرع و العتیرة ، باب جلود المیتة : ۴۲۴۸،ابن حبان : ۱۲۹۱ ، الدارقطنی: ۱/۴۵

۲۰:　حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رحمت عالم ﷺ کا گزر ایک ایسی مردہ بکری کے قریب سے ہوا جسے لوگ گھسیٹتے ہوئے لے جا رہے تھے، آپ ﷺ نے فرمایا: "اگر تم نے اس کی کھال اتار لی ہوتی؟" انہوں نے کہا یہ تو مردہ ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا "اسے پانی اور ببول کی چھال پاک کر دیتی ہے۔" اس حدیث کو ابوداود اور نسائی نے روایت کیا ہے۔

لغوی تحقیق:　**القرظ**: قاف اور را کی زبر کے ساتھ ببول کی چھال اور پتے۔

تشریح:　محترمہ سے مروی اس حدیث کو امام ابوداود اور امام نسائی نے روایت کیا ہے امام دارقطنیؒ نے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے یہ روایت ان الفاظ سے بیان کی ہے، "**الیس فی الماء والقرظ ما یطهرها**؟ کیا پانی اور ببول کے چھلکے میں اسے صاف کرنے کی صلاحیت نہیں ہے؟" یہ روایت ان الفاظ سے بھی بیان کی گئی ہے۔ "**الیس فی الشث والقرظ ما یطهرها**؟ کیا اخروٹ اور ببول کے چھلکے میں اسے پاک کرنے کی صلاحیت نہیں؟" امام نوویؒ نے ان الفاظ کے ساتھ اس روایت کو باطل قرار دیا ہے۔

امام نوویؒ شرح مسلم میں فرماتے ہیں کہ ہر اس چیز سے کھال کو رنگ دینا جائز ہے جو کھال کے فاضل مادے خشک کر کے اسے پاک کرنے کی صلاحیت رکھتی ہو۔اور اسے خراب ہونے سے محفوظ رکھتی ہو مثلاً اخروٹ، ببول اور انار کے چھلکے نیز اس کے علاوہ پاک کیمیکل وغیرہ۔

فقہی احکام: مردار کی کھال کو ان تمام جڑی بوٹیوں سے رنگ دینا درست ہے جو کھال کے فاضل مادے خشک کرنے کی صلاحیت رکھتی ہیں

۲۱:　**وَعَنْ أَبِي ثَعْلَبَةَ الْخُشَنِيِّ رضی اللہ عنہ قَالَ قُلْتُ يَا رَسُولَ اللَّهِ، إِنَّا بِأَرْضِ قَوْمٍ أَهْلِ كِتَابٍ، أَفَنَأْكُلُ فِي آنِيَتِهِمْ؟ قَالَ "لَا تَأْكُلُوا فِيهَا، إِلَّا أَنْ لَا تَجِدُوا غَيْرَهَا، فَاغْسِلُوهَا، وَكُلُوا فِيهَا" مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ**

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

البخاری، کتاب الذبائح و الصید، باب صید القوس: ۵۴۷۸، مسلم، کتاب الصید و الذبائح، باب الصید بالکلاب المعلمة: ۱۹۳۰، ابن ماجة: ۳۲۰۷، الحاکم: ۱۴۴/۱

۲۱: حضرت ثعلبہ خشنی رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ میں نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول ﷺ ہم اہل کتاب کے علاقہ میں رہتے ہیں، کیا ہم ان کے برتن کھانے کے لئے استعمال کر سکتے ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا "حتی الامکان ان کے برتن کھانے کے لئے استعمال نہ کرو اور اگر تمہیں ان کے برتنوں کے علاوہ کوئی اور برتن میسر نہ آئے تو پھر انہیں دھو کر کھانے کے لئے استعمال کر سکتے ہو۔" اس حدیث کو بخاری و مسلم نے روایت کیا ہے۔

لغوی تحقیق: **ثعلبہ**: اس کی ثاء پر زبر، عین پر جزم اور لام مفتوح ہے۔ **الخشنی**: خاء پر پیش اور شین پر زبر ہے۔

تشریح: اس حدیث سے یہ معلوم ہوا کہ اہل کتاب کے برتن ناپاک ہیں۔ ان کے برتنوں کی نجاست کے اسباب وعلل کے بارے میں علماء مختلف آراء رکھتے ہیں۔ جمہور علماء کا کہنا ہے کہ ان کی ذاتی نجاست کی وجہ سے ان کے برتن ناپاک ہیں۔ بعض کا خیال ہے کہ وہ لوگ اپنے برتنوں کو خنزیر کے گوشت اور شراب وغیرہ کے لئے استعمال کرتے تھے اس لئے ان کے برتنوں کو ناپاک قرار دیا گیا ہے جبکہ بعض علماء کا خیال ہے کہ ان کے برتن بھی پاک ہیں اور ان کی رطوبت بھی پاک ہے۔ دلائل کی روشنی میں یہی قول صحیح ہے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔ ﴿ **الیوم احل .....لکم** ﴾ **المائدة: ۵**، آج کے دن تمہارے لئے تمام پاکیزہ چیزیں حلال قرار دے دی گئی ہیں اور اہل کتاب کا کھانا بھی تمہارے لئے حلال ہے۔ رحمت عالم ﷺ نے ایک مشرکہ عورت کی مشک سے وضو فرمایا تھا۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہم رحمت عالم ﷺ کی قیادت میں جہاد کیا کرتے تھے، اسی دوران ہم ان کے برتنوں اور مشکیزوں کو استعمال کر لیا کرتے تھے، آپ ﷺ ہمارے اس عمل کو قابل اعتراض نہیں سمجھتے تھے۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک یہودی عورت نے رحمت عالم ﷺ کی دعوت جو کی روٹی اور بکری کے باسی گوشت سے کی۔ ان دلائل سے واضح ہوا کہ زیر مطالعہ حدیث میں نہی حرمت کے لئے نہیں بلکہ اہل کتاب کے گندے ہونے کی وجہ سے ہے۔ ابوداود اور احمد کی ایک روایت کے الفاظ اس طرح ہیں۔ **انا نجاور اهل الكتاب وهم يطبخون فی قدورهم الخنزير ويشربون فی آنيتهم الخمر فقال** ﷺ **"ان وجدتم غيرها** " ہم اہل کتاب کے علاقے میں رہتے ہیں وہ اپنی ہنڈیوں میں خنزیر کا گوشت پکاتے ہیں اور اپنے برتنوں میں شراب پیتے ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: "اگر تمہیں اور برتن میسر ہوں تو پھر انہیں مت استعمال کرو۔" پہلی حدیث عام ہے اور یہ مقید ہے کیونکہ اس میں ان برتنوں میں خنزیر کا گوشت پکانے اور شراب پینے کا ذکر ہے۔ لہٰذا مطلق کو مقید پر محمول کیا جائے گا۔ یعنی اہل کتاب کے ان برتنوں سے احتراز کیا جائے گا جو خنزیر کا گوشت پکانے اور شراب کیلئے استعمال ہوتے ہیں۔

فقہی احکام: (۱) اہل کتاب کے برتن پاک ہیں۔ (۲) ان میں کھانا پینا اور وضو کرنا جائز ہے۔

(۳) ان کے ان برتنوں کا استعمال درست نہیں جن میں وہ حرام اور نشہ آور چیزیں تیار کرتے ہیں۔

۲۲: **وَعَنْ عِمْرَانَ بْنِ حُصَيْنٍ** رضی اللہ عنہ **أَنَّ النَّبِيَّ** ﷺ **وَأَصْحَابَهُ تَوَضَّئُوا مِنْ مَزَادَةِ امْرَأَةٍ مُشْرِكَةٍ . مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ، فِي حَدِيثٍ طَوِيلٍ**

البخاری، کتاب المناقب، باب علامات النبوة فی الاسلام: ۳۵۷۱، مسلم، کتاب المساجد و مواضع الصلاة، باب قضاء الصلاة الفائتة: ۶۸۲، الدارقطنی: ۲۰۰/۱، البیهقی: ۳۲/۱

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

۲۲: حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رحمت عالم ﷺ اور آپ کے جانثار ساتھیوں نے ایک مشرکہ عورت کے مشکیزہ سے وضو فرمایا۔ یہ ایک طویل حدیث کا ٹکڑا ہے، اس حدیث کو مفصل امام بخاری اور امام مسلم نے بیان کیا ہے۔

لغوی تحقیق: مزدة: اس کی میم پر فتحہ ہے اور میم کے بعد زاء ہے۔ صاحب قاموس کی تشریح کے مطابق اس سے مراد وہ مشکیزہ ہے جو چمڑے سے بنا ہوا ہوتا ہے۔

تشریح: زیر مطالعہ حدیث سے یہ واضح ہوا کہ مشرکین کے زیر استعمال برتن بھی پاک ہیں بشرطیکہ وہ ظاہری نجاست سے پاک ہوں۔ نیز اس حدیث سے یہ بھی واضح ہوا کہ مردار کا چمڑا دباغت (رنگنے) سے پاک ہو جاتا ہے، یقیناً وہ دونوں مشکیزے مشرکین کے ذبح کردہ جانوروں کے چمڑے سے تیار کیے گئے ہوں گے اس لئے اس حدیث سے یہ بھی واضح ہو گیا کہ مشرکین کا مرطوب جسم ناپاک نہیں ہوتا، کیونکہ وہ عورت مشرکہ تھی، اس نے پانی کو ہاتھ بھی لگایا ہوگا اور وہ پانی قلتین سے یقیناً کم بھی تھا کیونکہ اس حدیث میں صراحت ہے کہ وہ اونٹ قلتین کے برابر وزن اٹھانے سے قاصر تھا۔ جو علماء یہ کہتے ہیں کہ مشرکہ کا مرطوب جسم ناپاک ہے وہ اس حدیث کا جواب یہ دیتے ہیں کہ پانی اس وقت تک ناپاک نہیں ہوتا جب تک اس کے اوصاف میں تبدیلی نہ آئے۔ یہ حدیث بھی اس پر دلالت کرتی ہے۔ اس حدیث میں اور سابقہ حدیث میں بظاہر تعارض معلوم ہوتا ہے مگر حقیقتاً ایسا نہیں، کیونکہ ان دونوں میں جمع کی صورت ممکن ہے، وہ یہ ہے۔ اگر ان کے بارے میں یقین ہو کہ وہ اپنے برتنوں میں حرام اشیاء استعمال کرتے ہیں تو ان کے برتنوں کا استعمال ممنوع ہے اور اگر یقین ہو کہ وہ ایسا نہیں کرتے تو پھر ان کا استعمال درست ہے۔

فقہی احکام: (۱) مشرکین کے برتن اگر ظاہری نجاست سے محفوظ ہوں تو وہ پاک ہیں۔

(۲) مشرکین کا مرطوب جسم بھی ناپاک نہیں۔

۲۳: وَعَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ رضی اللہ عنہ أَنَّ قَدَحَ النَّبِيِّ ﷺ اِنْكَسَرَ، فَاتَّخَذَ مَكَانَ الشَّعْبِ سِلْسِلَةً مِنْ فِضَّةٍ. أَخْرَجَهُ الْبُخَارِيُّ

البخاری، کتاب فرض الخمس، باب ماذکر من درع النبی ﷺ: ۳۱۰۹، مسند احمد: ۱۳۹/۳، البیهقی: ۲۹/۱، فتح الباری: ۱۰۰/۱۰

۲۳: حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ کا پیالہ ٹوٹ گیا، آپ ﷺ نے چاندی کی تار سے اسے جوڑ دیا۔ اس روایت کو امام بخاری نے بیان کیا ہے۔

لغوی تحقیق: قدح: قاف اور دال دونوں مفتوح ہیں یعنی چھوٹا پیالہ۔ الشعب: شین پر فتحہ اور عین پر جزم ہے، یہ لفظ متعدد معانی میں استعمال ہوتا ہے یہاں اس کا معنی ٹوٹنا ہے۔ سلسلة: صاحب قاموس کی تصریح کے مطابق اگر پہلے سین پر زبر اور لام پر جزم پڑھیں تو پھر اس کا معنی ہوگا دو چیزوں کو باہم ملانا اور اگر سین کے نیچے زیر پڑھیں تو پھر اس کا معنی ہوگا لوہے وغیرہ کا کڑھا۔ شیخ صفی الرحمٰن مبارک پوری کا کہنا ہے کہ اسے سین کے کسرہ کے ساتھ پڑھا جائے، اس صورت میں اس سے مراد چاندی کی تار ہوگی۔

تشریح: یہ حدیث شکستہ برتن کو چاندی کی تار کے ساتھ جوڑ لگانے کے جواز پر نہایت واضح دلیل ہے، یہی وجہ ہے کہ اس جواز پر کسی کو کوئی اختلاف نہیں، امام بیہقی رحمہ اللہ کی روایت کے مطابق جوڑ لگانے کا فریضہ حضرت انس رضی اللہ عنہ نے ادا کیا تھا۔ علامہ ابن صلاح نے اس خیال کا اظہار بالجزم فرمایا ہے، لیکن حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ امام بیہقی کی بیان کردہ حکایت درست نہیں، امام ابن سیرین کا قول ہے کہ اس برتن

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

میں لوہے کا ایک کڑھا تھا، جس کی جگہ پر حضرت انس رضی اللہ عنہ نے سونے یا چاندی کا کڑھا لگانا چاہا، حضرت ابوطلحہ انصاری رضی اللہ عنہ نے انہیں منع کرتے ہوئے فرمایا اس چیز کو مت تبدیل کرو جو رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے دست مبارک سے لگائی ہے، حضرت انس رضی اللہ عنہ نے حکم کی تعمیل کرتے ہوئے اپنا ارادہ ترک کر دیا۔

یہ الفاظ اس روایت کے ہیں جو امام بخاریؒ نے نقل فرمائی ہے۔ نواب صاحب فرماتے ہیں یہ تار اس کڑھے کے علاوہ تھی جسے حضرت انس رضی اللہ عنہ تبدیل کرنا چاہتے تھے۔ عاصم الاحول کہتے ہیں کہ رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا پیالہ میں نے حضرت انس رضی اللہ عنہ کے ہاتھ میں دیکھا وہ شکستہ تھا، رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے تار سے جوڑا تھا، اس روایت میں لفظ **فسلسلهٔ** استعمال ہوا اس کی مستتر ضمیر رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف راجع ہے، اس حدیث سے بھی یہ ثابت ہوا کہ وہ جوڑ رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے دست مبارک سے لگایا تھا۔ اس حدیث میں اور حدیث نمبر ۱۶ میں بظاہر تعارض ہے لیکن حقیقت میں ایسا نہیں ہے۔ سونے اور چاندی کے برتنوں کا استعمال نخوت پر دلالت کرتا ہے جبکہ جوڑ شدہ برتن کا استعمال سادگی ظاہر کرتا ہے۔

فقہی احکام: (۱) ٹوٹے ہوئے برتن کو جوڑ لگانا جائز ہے۔ (۲) جوڑ کے لئے سونا اور چاندی کے تار استعمال کئے جاسکتے ہیں۔
(۳) ایسے برتنوں کو خورد و نوش اور وضو کیلئے استعمال کیا جاسکتا ہے۔

۳۔ بَا بُ اِزَالَةِ النَّجَاسَةِ وَبَيَانِهَا غلاظت کی تفصیل اور اسے دور کرنے کا بیان

یعنی غلاظتوں کی تفصیل اور انہیں دور کرنے کے طریقے

۲۴: عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ رضی اللہ عنہ قَالَ سُئِلَ رَسُولُ اللَّهِ صلی اللہ علیہ وسلم عَنِ الْخَمْرِ تُتَّخَذُ خَلًّا؟ قَالَ "لَا". أَخْرَجَهُ مُسْلِمٌ و الترمذی وقال حدیث حسن صحیح

مسلم ،کتاب الاشربة، باب تحریم تخلیل الخمر: ۱۹۸۳ ، ابوداود: ۳۶۷۵، الترمذی: ۱۲۹۴ ، مسند احمد: ۱۱۹/۳

۲۴: حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے شراب کو سرکہ میں تبدیل کرنے کے بارے میں دریافت کیا گیا تو رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا۔ اس حدیث کو مسلم اور ترمذی نے روایت کیا ہے اور امام ترمذی نے اسے حسن صحیح قرار دیا ہے۔

لغوی تحقیق: **خمر:** ہر وہ چیز جو عقل کو ڈھانپ لے اسے خمر کہتے ہیں، اس کا اطلاق عموماً کھجور، انگور وغیرہ کے اس شیرہ پر ہوتا ہے جو خاص ترکیب سے تیار کیا جاتا ہے۔ **خل:** خاء مفتوح، لام مشدد یعنی سرکہ۔

تشریح: شراب کی حرمت کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا گیا کہ کیا اسے سرکہ میں تبدیل کیا جاسکتا ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "نہیں۔" اس حدیث کو امام مسلم اور امام ترمذی نے روایت کیا ہے، امام ترمذی نے اس حدیث کو نقل کرنے کے بعد اسے حسن صحیح قرار دیا ہے۔ اسی طرح کی ایک حدیث حضرت ابوطلحہ انصاری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ جب شراب حرام قرار دی گئی تو اس وقت ان کے پاس یتیم بچوں کی شراب بطور سامان تجارت موجود تھی، انہوں نے رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے اس شراب کو سرکہ میں تبدیل کرنے کی اجازت طلب کی، آپ

www.KitaboSunnat.com

ﷺ نے انہیں نہ صرف منع فرمایا بلکہ شراب کو انڈیل دینے کا حکم دیا۔اس حدیث کو امام ابوداود اور امام ترمذی نے روایت کیا ہے۔

امام شافعی نے اس حدیث پر عمل کرتے ہوئے شراب سے سرکہ بنانے کو ناجائز قرار دیا ہے۔اگر کوئی شخص شراب کو سائے سے اٹھا کر دھوپ میں یا دھوپ سے اٹھا کر سایہ میں رکھ کر یا کسی اور طریقے سے شراب کو سرکہ میں تبدیل کرتا ہے تو وہ شراب سرکہ میں تبدیل ہو جانے کے بعد بھی حرام ہے۔

شراب کی حرمت کے بعد شراب کو گرانے کی بجائے اسے اپنے پاس رکھنے والا اللہ تعالیٰ کا نافرمان اور ساقط الاعتبار ہے کیونکہ حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث کا یہ تقاضا ہے کہ شراب کو فوراً گرا دیا جائے جن لوگوں نے ازخود شراب سے تبدیل ہونے والے سرکہ کو حلال قرار دیا ہے ان کی دلیل یہ ہے کہ یہ لغوی اور شرعی ہر دو اعتبار سے سرکہ ہی ہے۔

سرکہ میں تبدیل شدہ شراب کے بارے میں علما کے اقوال:

اس بارے میں علماء کے تین اقوال ہیں۔(۱) اگر شراب ازخود سرکہ میں تبدیل ہو جائے تو اس کا استعمال جائز ہے اور اگر کسی شخص کے تبدیل کرنے سے تبدیل ہو تو وہ سرکہ کی شکل میں بھی حرام ہے۔(۲) شراب سے بنا ہوا ہر سرکہ حرام ہے خواہ وہ ازخود بنا ہو یا اسے بنایا گیا ہو۔(۳) شراب سے بنا ہوا سرکہ حلال ہے خواہ وہ ازخود بنا ہو یا اسے بنایا گیا ہو البتہ شراب کو سرکہ میں تبدیل کرنے والا شخص مجرم ہے۔

سرکہ بنانے کا طریقہ:

انگور کا رس نچوڑ کر ایک برتن میں ڈال دیں پھر اس میں رس سے دوگنا خالص سرکہ ڈال دیں اس طرح نشہ سے پاک سرکہ تیار ہو جائے گا۔

فقہی احکام: (۱) شراب حرام ہے۔(۲) جو برتن اس کے لیے استعمال ہوتے ہیں وہ برتن بھی ناقابل استعمال ہیں۔

(۳) شراب سے سرکہ بنانا درست نہیں۔(۴) ضرر سے بچنے کے لیے بھی حرام اشیاء کا استعمال درست نہیں۔

۲۵: وَعَنْهُ رضی اللہ عنہ قَالَ لَمَّا كَانَ يَوْمُ خَيْبَرَ ,أَمَرَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ أَبَا طَلْحَةَ ,فَنَادَى "إِنَّ اللَّهَ وَرَسُولَهُ يَنْهَيَانِكُمْ عَنْ لُحُومِ الْحُمُرِ الْأَهْلِيَّةِ ,فَإِنَّهَا رِجْسٌ" . مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ

البخاری، کتاب الجهاد، باب التکبير عند الحرب : ۲۹۹۱، مسلم ، کتاب الصيد و الذبائح،باب تحريم اكل لحم الحمر الانسية:۱۹۴۰، النسائی:۷/۲۰۴، البيهقی: ۹ /۳۳۱، مسند احمد:۳/۱۱۱، ابن حبان:۵۲۷۴، ابن ماجة:۳۱۹۶، ابن ابی شيبة:۸/۲۶۲

۲۵: حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں، غزوہ خیبر کے روز رسول اللہ ﷺ نے "حضرت ابوطلحہ انصاری رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ وہ اعلان کر دیں کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول تمہیں گھریلو گدھوں کا گوشت کھانے سے منع کرتے ہیں، کیونکہ وہ ناپاک ہے۔"

لغوی تحقیق: **لحوم:** لام کی پیش کے ساتھ یہ لحم کی جمع ہے۔ **حمر:** حاء اور میم دونوں مضموم ہیں، یہ حمار کی جمع ہے۔ **الاھلية:** گھریلو یا پالتوں۔ **رجس:** راء مکسور ہے، ہر وہ چیز جسے انسان گندگی خیال کرے خواہ وہ پاک ہو یا ناپاک۔

تشریح: مصنف رحمۃ اللہ علیہ نے اس حدیث کا آغاز کسی صحابی کے نام کی بجائے عنہ سے کیا ہے کیونکہ اس حدیث سے پہلے جو حدیث گزری اس کے راوی حضرت انس رضی اللہ عنہ ہیں، اس لئے یہاں ضمیر استعمال کر کے اس حدیث کے راوی حضرت انس رضی اللہ عنہ مراد لئے گئے ہیں، ینھیان یہ تثنیہ ہے، اس سے مراد اللہ اور اللہ کے رسول ہیں، جب کہ ایک صحیح حدیث میں ہے کہ ایک خطیب خطبہ دے رہا تھا اس نے دوران

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

خطبہ یہ کہا ومن یعصھما جس نے ان دونوں (اللہ اور اللہ کے رسول) کی نافرمانی کی، آپ ﷺ نے یہ الفاظ سن کر فرمایا "تو برا خطیب ہے تم آئندہ اس طرح کہنا ومن یعص اللہ ورسولہ جو اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی کرے۔" اسی طرح ایک اور حدیث میں خود رحمت عالم ﷺ نے " ان یکون اللہ ورسولہ الیہ مما سواھما: اللہ اور اللہ کے رسول ﷺ ایک مؤمن کو سب سے زیادہ محبوب ہونے چاہیے "کے الفاظ استعمال کیے ہیں۔ یعنی سواھما کے لفظ میں بھی تثنیہ کی ضمیر استعمال ہوئی ہے۔ ظاہر ہے کہ مذکورہ روایات باہم معارض ہیں، اہل علم نے اس تعارض کو دور کرتے ہوئے یہ جواب دیا ہے۔ آپ ﷺ نے اسے اس لئے برا خطیب قرار نہیں دیا کہ اس نے اللہ اور اللہ کے رسول ﷺ کے لئے ایک ساتھ تثنیہ کی ضمیر استعمال کی تھی بلکہ اس لیے کہا کہ وہ لوگوں سے خطاب کر رہا تھا، خطبہ میں چونکہ لوگوں کو سمجھانا مقصود ہوتا ہے، اس لیے اس میں صراحت ووضاحت کی ضرورت ہوتی ہے، صراحت ووضاحت کا یہ تقاضا ہے کہ ضمیر استعمال کرنے کی بجائے اسم ظاہر استعمال کیے جائیں۔ جبکہ بعض علماء کا کہنا ہے کہ آپ ﷺ نے اسے برا خطیب اس لیے قرار دیا کہ اس نے اللہ تعالیٰ کی عظمت وجلال کو جانتے ہوئے اللہ اور اللہ کے رسول ﷺ کا ذکر الگ الگ کرنے کی بجائے تثنیہ کی ضمیر استعمال کر کے ایک ساتھ کر دیا تھا۔

صحیح بخاری میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی یہی حدیث قدرے تفصیل سے موجود ہے جس میں یہ مذکور ہے کہ جن دیگوں میں گدھوں کا گوشت پک رہا تھا وہ دیگیں یہ اعلان سنتے ہی الٹا دی گئیں۔ گدھوں کے گوشت کی حرمت کے بارے میں یہ حدیث صحابہ کی ایک جماعت سے مروی ہے اور یہ احادیث کی چھوٹی بڑی تمام کتابوں میں مذکور ہے۔ صحابہ، تابعین اور تبع تابعین کی اکثریت کا فتوی بھی یہی ہے کہ گدھوں کا گوشت حرام ہے، اور وہ آیت جس میں گدھے کی حرمت مذکور نہیں اس آیت کو صحیح احادیث خاص کرتی ہیں، غالب بن ابجر کے واقعہ سے متعلق جو حدیث ابوداود میں مروی ہے وہ اگر چہ گدھے کی حلت پر دلالت کرتی ہے لیکن وہ روایت مضطرب ہے، اور اسکے رواۃ کے بیان کردہ الفاظ میں بہت زیادہ اختلاف پایا جاتا ہے۔ اگر اس روایت کو صحیح تسلیم کر لیں تو پھر یہی کہا جائے گا کہ گدھے کا گوشت بوقت ضرورت حلال ہے، جیسا کہ اس حدیث میں مذکور ہے کہ ہمیں قحط سالی کا سامنا تھا، امام بیہقیؒ اس روایت کو نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں کہ اس کی سند میں شدید اختلاف پایا جاتا ہے، لہٰذا اس قسم کی روایت میں یہ قطعاً صلاحیت نہیں کہ وہ صحیح روایت کا مقابلہ کر سکے۔

حرمت اور نجاست میں نسبت

جو چیز ناپاک ہے وہ یقیناً حرام بھی ہے جبکہ یہ ضروری نہیں کہ جو چیز حرام ہو وہ ناپاک بھی ہو کیونکہ ناپاک اشیاء کا استعمال ہر حال میں ممنوع ہے، چنانچہ جو اشیا نجاست عین کا حکم رکھتی ہیں ان کا استعمال حرام ہے اور جن اشیا کا استعمال حرام ہے ان کی حرمت کا سبب صرف نجاست ہی نہیں جیسا کہ سونا اور چاندی پاک ہے مگر برتنوں کی صورت میں ان کا استعمال حرام ہے، اس تفصیل سے یہ واضح ہوا کہ شراب اور گدھے کے گوشت کی حرمت پر اگر چہ واضح نصوص موجود ہے، لیکن ان نصوص سے ان کا ناپاک ہونا ثابت نہیں، چنانچہ ان کی نجاست ثابت کرنے کے لئے مزید دلائل کی ضرورت ہے جو کہ معدوم ہیں، لہٰذا ثابت ہوا کہ شراب اور گدھا ناپاک نہیں اور جو اس حقیقت کا انکار کرتا ہے اس پر لازم ہے کہ وہ نصوص ظاہرہ سے ان کی نجاست ثابت کرے۔ مردار کی نجاست کے بارے میں اگر رحمت عالم ﷺ کا یہ فرمان مذکور نہ ہوتا کہ چمڑا رنگنے سے پاک ہو جاتا ہے تو ہم یہ کہتے کہ مردار بھی پاک ہے کیونکہ قرآن حکیم میں تو مردار کی صرف حرمت مذکور ہے جبکہ ہم نے مردار پر ناپاک ہونے کا حکم مذکورہ حدیث کی روشنی میں لگایا ہے۔

فقہی احکام: (۱) گدھے کا گوشت حرام ہے۔ (۲) بوقت ضرورت اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے لئے تثنیہ کی ضمیر استعمال کی جا سکتی

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ہے۔(۳) گدھے کا گوشت حرام ہونے سے اس پر سواری کرنے کا ممنوع ہونا لازم نہیں آتا۔

۲۶: وَعَنْ عَمْرِو بْنِ خَارِجَةَ رضی اللہ عنہ قَالَ خَطَبَنَا رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ بِمِنًى ,وَهُوَ عَلَى رَاحِلَتِهِ ,وَلُعَابُهَا يَسِيلُ عَلَى كَتِفَيَّ. أَخْرَجَهُ أَحْمَدُ ,وَالتِّرْمِذِيُّ وَصَحَّحَهُ

مسند احمد: ۱۸۶/۴، ۱۸۷، الترمذی، ابواب الوصایا، باب ماجاء لاوصیة لوارث: ۲۲۱۹، ابن ماجة: ۲۷۱۲، البیهقی: ۲۶۴/۶

۲۶: حضرت عمرو بن خارجہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رحمت عالم ﷺ نے منیٰ میں سواری پر بیٹھ کر خطاب فرمایا جبکہ آپ ﷺ کی سواری کا لعاب میرے کندھوں پر گر رہا تھا اس حدیث کو احمد اور ترمذی نے بیان کیا ہے اور امام ترمذی نے اسے صحیح قرار دیا ہے۔

لغوی تحقیق: **منیٰ** کے نون پر دو زبریں ہیں، یہ مکہ مکرمہ سے ملحق وہ مقام ہے جہاں حجاج کرام اپنے قربانی کے جانور ذبح کرتے ہیں۔ **راحلة**: حاء کے زیر کے ساتھ پڑھا جاتا ہے، اس سے مراد آپ ﷺ کی معروف اونٹنی ہے۔ **لعاب**: لام کے ضمہ کے ساتھ پڑھا جاتا ہے، اس سے مراد وہ رال ہے جو پانی کی صورت میں جانور کے منہ سے ٹپکتی ہے۔

فقہی احکام: وہ جانور جن کا گوشت کھایا جاتا ہے ان کا لعاب دہن پاک ہے۔ نیز گدھے کا لعاب دہن بھی پاک ہے۔

۲۷۔۲۸: وَعَنْ عَائِشَةَ رضی اللہ عنہا ,قَالَتْ كَانَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ يَغْسِلُ الْمَنِيَّ ,ثُمَّ يَخْرُجُ إِلَى الصَّلَاةِ فِي ذٰلِكَ الثَّوْبِ ,وَأَنَا أَنْظُرُ إِلَى أَثَرِ الْغَسْلِ فِيهِ . مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ وَلِمُسْلِمٍ لَقَدْ كُنْتُ أَفْرُكُهُ مِنْ ثَوْبِ رَسُولِ اللّٰهِ ﷺ فَرْكًا ,فَيُصَلِّي فِيهِ وَفِي لَفْظٍ لَهُ لَقَدْ كُنْتُ أَحُكُّهُ يَابِسًا بِظُفُرِي مِنْ ثَوْبِهِ .

البخاری، کتاب الوضوء، باب غسل المنی و فرکه و غسل ما یصیب من المرأة: ۲۳۰، ۲۳۲، مسلم، کتاب الطهارة، باب حکم المنی: ۲۸۸ ـ ۲۹۰، معرفة السنن و الآثار: ۲۴۳/۲، الدارقطنی: ۱۲۵/۱، ابن خزیمة: ۱۴۷/۱، ابن حبان: ۱۳۸۰

۲۷۔۲۸: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رحمت عالم ﷺ منی کو دھو لیتے پھر آپ ﷺ اسی کپڑے میں نماز ادا فرما لیتے اور میں اس کپڑے پر اس کے نشانات صاف دیکھتی۔ (بخاری و مسلم) اور صحیح مسلم کی روایت کے الفاظ اس طرح ہیں کہ میں رحمت عالم ﷺ کے کپڑے سے منی کھرچ کر اسے صاف کر دیتی اور آپ ﷺ اسی کپڑے میں نماز ادا فرما لیتے اور مسلم ہی کی ایک دوسری روایت کے الفاظ ہیں کہ جب منی خشک ہو جاتی میں اسے اپنے ناخنوں سے کھرچ کر صاف کر دیتی۔

لغوی تحقیق: **افرک**: یہ مضموم العین اور مکسور العین دونوں طرح مستعمل ہے، یعنی اسے آپ **نصر ینصر** اور **ضرب یضرب** کے وزن پر پڑھ سکتے ہیں۔ **افرکه**: کی ضمیر منصوب متصل منی کی طرف راجع ہے اور **فرکاً** مفعول مطلق ہے جو کہ تاکید کا فائدہ دیتا ہے۔ **احکه**: کی ضمیر منصوب متصل بھی منی کی طرح راجع ہے۔ **یابسا**: حال ہے یعنی منی خشک ہونے کی صورت میں کپڑے کو مل کر یا منی کو کھرچ کر کپڑے سے اتار دیتی تھیں۔

تشریح: محترمہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے یہ حدیث متعدد الفاظ سے منقول ہے، ایک روایت میں ہے کہ میں پانی کے ذریعے کپڑے سے منی کے اثرات صاف کر دیتی تھی۔ ایک روایت میں ہے کہ دھونے کی وجہ سے نمی کے اثار آپ ﷺ کے اس کپڑے پر نمایاں نظر آتے۔ ایک روایت میں ہے کہ آپ ﷺ اسی حال میں نماز ادا کرنے کے لئے تشریف لے جاتے۔ جبکہ ایک روایت میں ہے کہ میں اس کپڑے پر نمی کے نشانات دیکھتی۔ امام بخاریؒ نے محترمہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی یہ روایت متعدد طرق سے نقل کی ہے ان تمام طرق میں کپڑا کا دھونا ہی

” محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ “

www.KitaboSunnat.com

مذکور ہے۔امام مسلمؒ نے یہ روایت بھی محترمہ عائشہ رضی اللہ عنہا ہی سے نقل کی ہے اس میں ملنا اور کھرچنا بھی منقول ہے امام بیہقی نے معـرفة السنن (۲/ ۲۴۳) میں، امام دارقطنی، امام ابن خزیمہ اور امام ابن جوزیؒ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی اس روایت میں، الحت اور الفرک کے الفاظ نقل کیے ہیں۔ بیہقی میں مذکور حدیث کے الفاظ اس طرح ہیں کہ محترمہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں عام طور پر رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے کپڑے کو کھرچ کر صاف کر دیتی تھی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم اسی کپڑے میں نماز پڑھ لیا کرتے تھے، اسی سے ملتے جلتے الفاظ امام دارقطنی، امام ابن خزیمہ اور امام ابن حبانؒ نے (۲۱۹/۴) بھی ذکر کیے ہیں۔ امام ابن حبان نے یہ روایت جس سند سے نقل کی ہے اس سند کے تمام رواۃ صحیح بخاری کے ہیں۔

اسی مفہوم کی ایک روایت امام دارقطنی اور امام بیہقی نے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کی ہے وہ فرماتے ہیں کہ رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے منی لگے ہوئے کپڑے کی بابت پوچھا گیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا " یہ تھوک اور بلغم کے حکم میں ہے اگر آپ کپڑے کو چکنے پتھر کے ٹکڑے یا اذخر نامی گھاس کے تنکوں سے کھرچ کر کپڑے سے الگ کر دیں تو یہ آپ کے لئے کافی ہوگا۔"

نوٹ: حافظ ابن حجرؒ کے انداز سے یہ عیاں ہوتا ہے کہ ان کے نقل کردہ پہلے الفاظ صحیح بخاری و صحیح مسلم کے ہیں اور دوسری دونوں روایات فقط صحیح مسلم کی ہیں لیکن ایسا نہیں ہے کیونکہ پہلی روایت کے الفاظ بھی صحیح مسلم کے ہیں معلوم ہوتا ہے کہ مفہوم کو سامنے رکھتے ہوئے مؤلف رحمۃ اللہ علیہ نے پہلی روایت کو صحیحین کی طرف منسوب کر دیا ہے کیونکہ دونوں میں کپڑے کو دھونے کا ذکر ہے جبکہ ملنے اور کھرچنے کا ذکر صرف صحیح مسلم میں ہے اس لئے دیگر دونوں روایات کو مسلم کی طرف منسوب کیا ہے۔ لیکن ان دونوں روایات کے یہی الفاظ مسلم میں کسی ایک طریق میں مذکور مجھے نہیں ملے۔ (واللہ اعلم)

مذکورہ بالا طرق سے واضح ہوا کہ اگر کپڑے پر لگی ہوئی منی تر ہے تو کپڑے کو دھونا چاہیے اور اگر خشک ہے تو پھر کپڑے کو دھونا ضروری نہیں اگر کوئی شخص اسے ہاتھ یا تنکہ وغیرہ سے کھرچ ڈالے یا کپڑے کو اچھی طرح مل دے تو کافی ہے۔ منی کے پاک یا ناپاک ہونے کے بارے میں اختلاف رائے پایا جاتا ہے۔ احناف، ھادویہ اور مالکیوں کے نزدیک منی ناپاک ہے، ان کے نزدیک منی ناپاک ہونے کی دلیل یہ ہے کہ تر منی کو دھونا ضروری ہے اور دھویا اس چیز کو جاتا ہے جو ناپاک ہو۔ نیز یہ پیشاب کے راستے خارج ہوتی ہے، اس لیے یہ بول و براز کی طرح ناپاک ہے۔ ان میں سے بعض کا یہ کہنا ہے کہ منی تر ہو یا خشک ہر حال میں اسے دھونا ضروری ہے۔ یہ حضرات کھرچنے یا ملنے سے متعلق حدیث کا یہ جواب دیتے ہیں کہ اس سے مراد یہ ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کپڑے کو دھونے سے پہلے منی کو کھرچ کر صاف کر دیتی تھیں اور بعد میں اسے دھو ڈالتی تھیں۔ ان کی یہ تاویل تار عنکبوت سے بھی کمزور تر ہے۔

امام شافعی، امام داود ظاہری، امام احمد اور صحابہ رضی اللہ عنہم میں سے حضرت علی اور حضرت سعد بن ابی وقاص، حضرت عبداللہ بن عمر اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہم کے نزدیک منی پاک ہے، ان کی دلیل وہ احادیث ہیں جن میں کپڑے کو مل کر یا کھرچ کر صاف کرنا منقول ہے نیز ان کا یہ کہنا کہ جن احادیث میں دھونا یا غسل کرنے کا حکم مذکور ہے اس سے یہ قطعاً مراد نہیں کہ یہ حکم نجاست کی وجہ سے ہے بلکہ یہ تو نظافت کی وجہ سے ہے۔ ان کی تیسری دلیل یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے منی کو تھوک اور بلغم کی مثل قرار دیا ہے۔ تھوک اور بلغم بالاتفاق ناپاک نہیں، لہٰذا منی بھی ناپاک نہیں ہے۔

اس بارے میں ایک تیسرا مسلک بھی ہے۔ ان کے نزدیک آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی منی اور دیگر فضلات پاک ہیں جبکہ باقی لوگوں کے ناپاک ہیں۔ وہ ان احادیث کا جواب یہ دیتے ہیں کہ وہ منی خالص آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نہیں ہوتی تھیں بلکہ اس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجہ مطہرہ کی منی کا امتزاج ہوتا تھا کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی منی کے خروج کا سبب احتلام نہیں ہوسکتا، الغرض اس سلسلہ میں جتنی بھی احادیث منقول ہیں ان سے

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

تو یہی ثابت ہوتا ہے کہ منی ناپاک نہیں ہے۔ البتہ اس مسئلہ میں وقت ضائع کرنے کی چنداں ضرورت نہیں کیونکہ منی پاک ہو یا ناپاک ہر دو حالتوں میں کپڑے اور جسم سے منی کو دور کرنا ضروری ہے اور غسل کرنا بھی فرض ہے۔

فقہی احکام: (۱) منی سے متاثرہ کپڑا اگر تر ہو تو اسے دھونا لازم ہے۔ (۲) اگر خشک ہو تو صرف کھرچنے اور ملنے پر بھی اکتفا کیا جا سکتا ہے۔ (۳) منی کے نشانات کی موجودگی میں بھی نماز درست ہے۔ (۴) نماز کی ادائیگی کے لئے متاثر تر کپڑے کو دھونے کے بعد اس کے خشک ہونے کا انتظار کرنا ضروری نہیں۔

۲۹: وَعَنْ أَبِي السَّمْحِ رضی اللہ عنہ قَالَ: قَالَ النَّبِيُّ صلی اللہ علیہ وسلم يُغْسَلُ مِنْ بَوْلِ الْجَارِيَةِ, وَيُرَشُّ مِنْ بَوْلِ الْغُلَامِ . أَخْرَجَهُ أَبُو دَاوُدَ, وَالنَّسَائِيُّ ,وَصَحَّحَهُ الْحَاكِمُ

ابوداود ، كتاب الطهارة، باب بول الصبي يصيب الثوب : ۳۷۶، النسائي ، كتاب الطهارة ، باب بول الجارية : ۲۹۳،

الحاكم : ۱۶۶/۱ ، ابن خزيمة : ۱۴۳/۱ ، الدارقطني : ۱۳۰/۱ ، البيهقي : ۴۱۵/۲

۲۹: حضرت ابوسمح رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "لڑکی کے پیشاب کی وجہ سے کپڑے کو دھویا جائے اور لڑکے کے پیشاب کی وجہ سے کپڑے پر چھینٹے مار لیے جائیں۔"

لغوی تحقیق: سمح : سین پر زبر اور میم پر جزم ہے۔ جارية : بالغ اور نابالغ ہر طرح کی بچی پر اس کا اطلاق ہوتا ہے۔ یرش : یہ رش سے ماخوذ ہے یعنی چھڑکنا۔

تشریح: حاکم (۱/۱۷۱) ابن ماجہ (۵۲۶) اور ابن خزیمہ (۱/۱۴۳) حضرت ابوسمح رضی اللہ عنہ سے درج ذیل الفاظ نقل کرتے ہیں، کہ میں رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت پر مامور تھا اسی دوران رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو حسن یا حسین رضی اللہ عنہما پیش کیے گئے، اس نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی چھاتی پر پیشاب کر دیا، میں رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے کپڑے دھونے کیلئے آگے بڑھا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "لڑکی کے پیشاب کرنے کی وجہ سے کپڑا دھویا جائے۔" امام احمد، امام ابن ماجہ (۵۲) امام ابن خزیمہ (۱/۱۴۳) اور امام حاکم (۱/۱۷۱) نے حضرت لبابہ بنت حارث رضی اللہ عنہا سے جو روایت نقل کی ہے اس میں حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے پیشاب کرنے کا ذکر ہے نیز اس میں لڑکی اور لڑکے کی جگہ مذکر اور مؤنث کے الفاظ استعمال ہوئے ہیں۔ امام ابن حبان (۴/۲۱۲) نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مرفوع روایت نقل کی ہے اس میں غلام اور جاریہ کے الفاظ ذکر ہوئے ہیں۔ اس حدیث سے یہ واضح ہوا کہ کپڑے یا جسم پر لڑکی یا لڑکا کا پیشاب کر دے تو اسے پاک کرنے کے طریقے مختلف ہیں، اگر لڑکی پیشاب کر دے تو متاثرہ مقام کو دھو کر پاک کیا جائے اگر لڑکا پیشاب کر دے تو متاثرہ جگہ کو چھینٹے مار کر پاک کیا جائے۔ حضرت قتادہ رحمہ اللہ جو اس حدیث کے رواۃ میں سے ہیں وہ فرماتے ہیں یہ فرق اس وقت تک ہے جب تک لڑکے کی خوراک فقط دودھ ہو اور جب اس کی خوراک میں دیگر غذائیں شامل ہو جائیں تو پھر مذکورہ تفریق ختم ہو جائے گی یعنی دونوں کے پیشاب کو دھو کر پاک کیا جائے گا۔ حضرت قتادہ کا یہ قول مرفوع اور موقوف احادیث سے ماخوذ ہے مگر اس روایت کے تمام طرق ضعیف ہیں، تاہم امام بیہقی رحمہ اللہ کے بقول یہ تمام طرق مل کر ایک مضبوط دلیل بن جاتے ہیں۔ لڑکے اور لڑکی کے شیر خوارگی کے ایام میں الگ الگ احکام ہیں یا نہیں؟ اس بارے میں علماء کی تین آراء ہیں۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ، حضرت عطاء، امام شافعی، امام حسن بصری، امام احمد اور امام اسحاق رحمہ اللہ کا فتوی اس حدیث کی روشنی میں ہے یعنی ان کے نزدیک دونوں کا حکم الگ الگ ہے۔ احناف، ھادویہ اور مالکیوں کے نزدیک دیگر نجاست کی طرح دونوں کے پیشاب کو دھویا جائے گا۔ امام اوزاعی کے نزدیک دونوں کے لیے چھینٹے کافی ہیں۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

تفریق کا سبب:

اس میں کوئی شک نہیں کہ دونوں کے پیشاب کی نجاست ایک جیسی ہے اور دونوں کا حکم الگ الگ ہے، ایک جیسی نجاست پر الگ الگ حکم کا سبب شرح المصابیح میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ انسان کی زیادہ چاہت فطری طور پر لڑکوں کی طرف ہوتی ہے، اس لیے وہ انہیں اکثر اٹھائے رکھتے ہیں، اس مناسبت سے کپڑوں یا جسم پر زیادہ پیشاب لڑکے ہی کرتے ہیں، بنابریں شریعت نے بار بار دھونے کی تکلیف سے بچانے کے لیے لڑکے کے پیشاب سے متاثرہ مقامات پر چھینٹے مارنے کا حکم دیا ہے۔ اس کا ایک سبب یہ بھی ہوسکتا ہے کہ عام طور پر لڑکے کا پیشاب جسم یا کپڑوں کو چھینٹوں کی صورت میں متاثر کرتا ہے، اس لیے اس پر چھنٹے مارنے کا حکم دیا گیا ہے۔ واللہ اعلم بالصواب

فقہی احکام: (۱) لڑکی اور لڑکے ہر دو کا پیشاب ناپاک ہے۔ (۲) اہل بیت کا بول و براز بھی ناپاک ہے۔ (۳) لڑکی کے پیشاب سے متاثرہ کپڑے کو دھویا جائے۔ (۴) لڑکے کے پیشاب سے متاثرہ کپڑے پر چھینٹے مارلینا بھی کافی ہے۔

۳۰: وَعَنْ أَسْمَاءَ بِنْتِ أَبِي بَكْرٍ رضی اللہ عنہا أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ قَالَ فِي دَمِ الْحَيْضِ يُصِيبُ الثَّوْبَ "تَحُتُّهُ, ثُمَّ تَقْرُصُهُ بِالْمَاءِ, ثُمَّ تَنْضَحُهُ, ثُمَّ تُصَلِّي فِيهِ" مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ

البخاری، کتاب الحیض، باب غسل دم الحیض: ۳۰۷، مسلم، کتاب الطهارة، باب نجاسة الدم و كيفية غسله: ۲۹۱/۱۱۰، النسائی: ۱۹۵/۱، ابوداود: ۳۶۰، ۳۶۲، الترمذی: ۱۳۸، ابن ماجة: ۶۲۹، ابن خزيمة: ۲۷۵

۳۰: حضرت اسماء رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رحمت عالم ﷺ نے حیض کے اس خون کے بارے میں جو کپڑوں کو لگ جائے ارشاد فرمایا: "پہلے اسے کھرچ ڈالو پھر پانی سے خوب مل کر دھولیا کرو پھر اس پر خوب پانی بہا کر اچھی طرح صاف کرلیا کرو۔" (بخاری و مسلم)

لغوی تحقیق: **اسماء:** ہمزہ کو زبر کے ساتھ پڑھا جاتا ہے۔ **تحته:** علامت مضارع تاء مفتوح، فاء کلمہ حاء مضموم اور تاء مشدد ہے۔ **تقرصه:** علامت مضارع مفتوح، قاف ساکن اور راء مضموم ہے۔ **تنضحه:** علامت مضارع مفتوح، نون ساکن اور ضاد مفتوح ہے جبکہ ضاد کو مکسور پڑھنا بھی درست ہے۔ **تحته:** میں (ہ) ضمیر منصوب متصل ہے اور یہ دم کی راجع ہے یعنی خون کو کھرچ لیا کرو۔ **تقرصه** اور **تنضحه** میں (ہ) ضمیر منصوب متصل ہے اور یہ الثوب کی راجع ہے یعنی کپڑے کو خوب مل لیا کرو اور اس پر اچھی طرح پانی بہا کر صاف کرلیا کرو۔ تحتہ بمعنی **تحکه** ہے یعنی کھرچ لیا کرو۔ تقرصہ بمعنی **تدلکه** ہے یعنی اس کپڑے کو خوب اچھی طرح مل لیا کرو۔ نضح بمعنی رش ہے **تنضحه** بمعنی **تغسله بالماء** یعنی اسے پانی سے اچھی طرح دھویا کرو، ہم نے نضح کو دھونے کے معنی میں اس لیے لیا ہے کہ بہت سی احادیث میں اس کی جگہ لفظ غسل ہی استعمال ہوا ہے۔

تشریح: مذکورہ الفاظ صحیح مسلم کے ہیں۔ صحیحین کے علاوہ یہ روایت امام ابن ماجہ (۶۲۹) نے اپنے طریق سے ان الفاظ میں ذکر کی ہے کہ "تم اس خون کو پہلے کھرچ لیا کرو پھر انہیں اچھی طرح دھو کر انہیں کپڑوں میں نماز پڑھ لیا کرو۔" امام ابن ابی شیبہ (۱۷۷/۱) نے اپنے طریق سے یہ الفاظ نقل کیے ہیں "تم حیض کا خون پانی سے صاف کرلیا کرو پھر اسے اچھی طرح صاف کر کے اس میں نماز پڑھ لیا کرو۔

امام احمد (۳۵۵/۶)، امام نسائی (۱۵۴/۱)، امام ابن ماجہ (۶۲۸)، امام ابن خزیمہ (۱۴۱/۱) اور امام ابن حبان (۲۳۵) نے یہ روایت حضرت ام قیس رضی اللہ عنہا سے نقل کی ہے وہ فرماتی ہیں کہ انہوں نے رحمت عالم ﷺ سے دریافت کیا کہ یارسول اللہ ﷺ جس کپڑے کو خون حیض لگ جائے اسے کیسے صاف کیا جائے؟ رحمت عالم ﷺ نے فرمایا "اسے پہلے چکنے پتھر سے کھرچ لو پھر پانی اور بیری کے پتوں کے ساتھ اسے دھولو۔" امام ابن قطان کہتے ہیں کہ اس حدیث کی سند اعلیٰ درجہ کی ہے۔ حیض کا خون ناپاک ہے اس لیے اسے پانی سے پاک

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

کرنا ضروری ہے، حیض کا خون چونکہ کپڑے میں اچھی طرح سرایت کر جاتا ہے اس لیے رحمت عالم ﷺ نے اسے اوّلاً رگڑنے اور کھرچنے کا حکم دیا ہے، رگڑنے اور کھرچنے کے بعد انہیں اس پانی سے دھویا جائے جو بیری کے پتے ڈال کر گرم کیا گیا ہوتا کہ بڑی حد تک اس کا نشان زائل ہو سکے، اگر اس کے باوجود بھی اس کے نشانات ظاہر ہوں تو پھر اس کپڑے میں نماز وغیرہ پڑھنے میں کوئی مضائقہ نہیں جیسا کہ عنقریب ذکر ہونے والی حدیث میں صراحتاً مذکور ہے۔

فقہی احکام: (۱) حیض کا خون ناپاک ہے۔(۲) اسے دھونے سے پہلے رگڑنا چاہیے۔(۳) نشانات دور کرنے کیلئے گرم پانی استعمال کیا جائے۔(۴) پوری کوشش کے باوجود اگر نشانات رہ جائیں تو ادائیگی نماز میں کوئی مضائقہ نہیں۔

۳۱: **وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ ﷺ قَالَ قَالَتْ خَوْلَةُ يَا رَسُولَ اللّٰهِ, فَإِنْ لَمْ يَذْهَبِ الدَّمُ؟ قَالَ "يَكْفِيكِ الْمَاءُ, وَلَا يَضُرُّكِ أَثَرُهُ" أَخْرَجَهُ التِّرْمِذِيُّ, وَسَنَدُهُ ضَعِيفٌ**

ابوداود، کتاب الطهارة ،باب المرأة تغسل ثوبها الذی تلبسه فی حیضها :۳۶۵، ۳۶۴، احمد ۳۶۰/۲ (۸۹۴۸)،

البیهقی: ۴۰۸/۲، الطبرانی ۲۴۱/۲۴

تنبیہ: حافظ ابن حجرؒ نے اس روایت کو ترمذی کی طرف منسوب کیا ہے۔ واضح رہے کہ یہ روایت کتب ستہ میں سے صرف ابوداؤد میں ہے لہٰذا یا تو حافظ صاحب سے تسامح ہوا ہے یا پھر کسی نساخ سے غلطی ہوئی ہے۔

۳۱: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت خولہ رضی اللہ عنہا نے رحمت عالم ﷺ سے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ! خون حیض کا اثر اگر زائل نہ ہو؟ رحمت عالم ﷺ نے فرمایا "پانی کے ساتھ اچھی طرح دھو لینا آپ کے لیے کافی ہے، دھونے کے باوجود اس کے نشانات کا باقی رہنا تیرے لیے مضر نہیں۔" اسے امام ترمذی نے نقل کیا ہے اور اس کی سند ضعیف ہے۔

لغوی تحقیق: خولہ کی خاء پر زبر اور واؤ پر جزم ہے ان کے والد کا نام یسار ہے۔

تشریح: ابراہیم حربی کہتے ہیں کہ خولہ بنت یسار کا تذکرہ فقط اسی حدیث میں مذکور ہے، امام طبرانیؒ نے اسی مضمون کی حدیث خولہ بنت حکیم سے نقل کی ہے وہ کہتی ہیں کہ میں نے رحمت عالم ﷺ سے استفسار کیا کہ میرے پاس صرف ایک ہی کپڑا ہے جب وہ خون حیض سے آلودہ ہو جائے تو پھر میں کیا کروں؟ رحمت عالم ﷺ نے فرمایا " اسے دھو کر اسی میں نماز پڑھ لیا کرو۔ "وہ کہتی ہیں میں نے کہا یا رسول اللہ ﷺ دھونے کے باوجود خون کے نشانات باقی رہ جاتے ہیں۔ رحمت عالم ﷺ نے فرمایا:"خون حیض کے نشانات کا باقی رہنا تیرے لیے مضر نہیں۔" امام دارمیؒ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے موقوف روایت بیان کی ہے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے سائلہ سے فرمایا خون حیض صاف کرنے کے باوجود اگر اس کے نشانات زائل نہ ہو تو پھر ان نشانات پر زعفران یا زرد رنگ کی خوشبو مل لیا کرو۔

امام ابوداؤد (۳۶۴) نے بھی یہ روایت موقوفاً نقل کی ہے۔ اس حدیث کو فاضل مؤلف رحمہ اللہ نے ابـــن لهيعة کی وجہ سے ضعیف کہا ہے مگر بعض ماہرین فن کا یہ کہنا ہے کہ جب اس سے عبداللہ بن وھب یا عبداللہ بن مبارک یا عبداللہ بن یزید المقری روایت کریں تو اس وقت اس کی روایت صحیح ہوگی۔ مذکورہ روایت اس سے ابن وھب نقل کرتے ہیں لہٰذا یہ روایت صحیح ہے۔

فقہی احکام: (۱) نجاست عین کو زائل کرنے سے متاثرہ چیز پاک ہو جاتی ہے اگر چہ اس نجاست کی رنگت متاثرہ چیز میں برقرار رہے۔

(۲) خون حیض کی رنگت اور بو کو حتی الوسع زائل کرنے کی کوشش کرنی چاہیے۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

۴۔ بَابُ الْوُضُوْءِ وضو کے بیان میں

لغوی تحقیق: وضو: واؤ پر ضمہ پڑھا جائے تو پھر اس سے مراد وضو بنانا ہے اور اگر واؤ پر فتحہ پڑھا جائے تو پھر وضو کا پانی ہے، اس کا مصدر بھی اسی وزن پر آتا ہے۔

وضو کی اہمیت و فرضیت

وضو کا شمار نماز کی سب سے اہم شرائط میں ہوتا ہے جیسا کہ صحیحین میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "اللہ تعالیٰ بے وضو آدمی کی نماز قبول نہیں کرتا۔" ایک روایت میں ہے کہ رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے وضو کو ایمان کا اہم جز قرار دیا ہے۔ "وضو کی فرضیت قرآن حکیم سے بھی ثابت ہے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔ (جب تم نماز کا ارادہ کرو تو اپنے چہرے اور ہاتھوں کو کہنیوں سمیت دھولیا کرو، اپنے سر کا مسح اور اپنے دونوں پاؤں کو ٹخنوں سمیت دھولیا کرو۔ مائدہ:۶) یہ آیت مدنی ہے وضو کی فرضیت کے بارے میں اس آیت کے علاوہ کوئی اور نص موجود نہیں اسی لیے محققین کا یہ کہنا ہے کہ وضو مدینہ میں فرض ہوا ہے۔

وضو کے فضائل

وضو کے بہت سے فضائل و فوائد ہیں، جن میں سے چند ایک درج ذیل ہیں، امام مالک رحمہ اللہ (موطا:۶۰) حضرت ابوہریرۃ رضی اللہ عنہ سے نقل کرتے ہیں کہ رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "جب کوئی مسلمان وضو کرتے وقت اپنا چہرہ دھوتا ہے تو چہرے کے دھونے کی وجہ سے اس کے وہ تمام گناہ معاف ہو جاتے ہیں جو اس کی آنکھوں کے ذریعے سرزد ہوئے تھے اور جب وہ اپنے دونوں ہاتھ دھوتا ہے تو ہاتھوں کے دھونے کے ساتھ ہی اس کے وہ تمام گناہ معاف ہو جاتے ہیں جو ہاتھوں کے ذریعے سرزد ہوئے تھے اور جب وہ اپنے دونوں پاؤں دھوتا ہے تو اس کی وجہ سے وہ تمام گناہ معاف ہو جاتے ہیں جن کے صدور کا سبب اس کے پاؤں تھے۔" اس طرح وضو کرنے سے وہ تمام گناہوں سے پاک ہو جاتا ہے۔ اسی مضمون کی ایک اور مفصل روایت امام مالک (موطا:۵۹) نے حضرت عبداللہ صنابحی رضی اللہ عنہ سے بھی نقل کی ہے وہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "جب مؤمن آدمی وضو کرتے وقت کلی کرتا ہے تو اس کے منہ کے سارے گناہ ختم ہو جاتے ہیں اور جب وہ ناک میں پانی ڈالتا ہے تو اس کی ناک کے سارے گناہ معاف ہو جاتے ہیں اور جب وہ اپنا چہرہ دھوتا ہے تو اس کے چہرے کے تمام گناہ معاف ہو جاتے ہیں یہاں تک کہ اسکی آنکھوں کے پردے بھی ان گناہوں سے صاف ہو جاتے ہیں جن کا موجب ان کی آنکھیں بنی تھی اور جب وہ ہاتھ دھوتا ہے تو اس کے ہاتھوں کے گناہ معاف ہو جاتے ہیں حتی کہ اس کے ناخنوں کے نیچے کی جگہ بھی گناہوں سے پاک ہو جاتی ہے اور جب وہ سر کا مسح کرتا ہے تو اس کے سر کے گناہ اس طرح معاف ہو جاتے ہیں کہ اس کے کان بھی گناہوں سے پاک ہو جاتے ہیں اور جب وہ اپنے پاؤں دھوتا ہے تو اس کے پاؤں کے تمام گناہ معاف ہو جاتے ہیں حتی کہ اس کے پاؤں کے ناخنوں سے نیچے کے مقامات بھی گناہوں سے پاک ہو جاتے ہیں، اس کے بعد وہ مسجد کی طرف چلتا ہے تو اس کی نماز اس کے لئے خالصتاً بچت ہوتی ہے۔" یہی مفہوم متعدد احادیث میں بیان ہوا ہے۔ اہل تحقیق کا خیال ہے کہ وضو اس امت کے خصائص میں سے نہیں تاہم وضو کے مقامات کا قیامت کے روز روشنی دینا اس امت کے خصائص میں سے ہے۔

۳۲: وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضي الله عنه عَنْ رَسُولِ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم قَالَ "لَوْلَا أَنْ أَشُقَّ عَلَى أُمَّتِي لَأَمَرْتُهُمْ بِالسِّوَاكِ مَعَ كُلِّ وُضُوْءٍ" أَخْرَجَهُ مَالِكٌ, وَأَحْمَدُ, وَالنَّسَائِيُّ, وَصَحَّحَهُ ابْنُ خُزَيْمَةَ، وَذَكَرَهُ الْبُخَارِيُّ تَعْلِيقًا.

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

مؤطاامام مالک ،باب ماجاء فی السواک ۱ /۱۴۳، النسائی (السنن الکبری): ۲/ ۱۹۸، مسند احمد : ۷۳۴۶، ۷۵۱۶، صحیح ابن خزیمة ، کتاب الوضو، باب ذکر الدلیل ان الامر بالسواک امر فضیلة : ۱۳۹، البخاری ، کتاب الجمعة ، باب السواک یوم الجمعة :۸۸۷

۳۲: حضرت ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا" اگر میں مسواک کو امت کے لیے باعث مشقت نہ سمجھتا تو انہیں ہر وضو کے ساتھ مسواک کرنے کا حکم دیتا" اسے امام مالک ،احمد اور نسائی نے روایت کیا ہے، ابن خزیمہ نے صحیح کہا ہے، بخاری نے یہ روایت معلق بیان کی ہے۔

لغوی تحقیق: السواک: سین کی زیر کے ساتھ مستعمل ہے۔ مسواک کرنے کے عمل کو بھی مسواک کہتے ہیں اور اس لکڑی یا اس آلہ کو بھی مسواک کہتے ہیں جو دانتوں کی صفائی کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ اشق : یہاں یہ لفظ ان اثقل علیھم کے معنی میں استعمال ہوا ہے نیز یہ لفظ قرآن حکیم میں بھی اسی معنی میں استعمال ہوا ہے۔ لولا ان اشق : اگر میں باعث مشقت خیال نہ کرتا یا مجھے اس بات کا خدشہ نہ ہوتا کہ میں مسواک کا حکم دے کر اپنی امت کو مشکلات سے دوچار کردوں گا تو لا مرتھم بالسواک : میں انہیں مسواک کرنے کا حکم دیتا یعنی ہر وضو کے ساتھ مسواک کو لازم قرار دے دیتا۔

تشریح: حضرت ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہ سے یہ حدیث مرفوع، موقوف ہر دو طرح سے منقول ہے امام مالکؒ کے بعض تلامذہ نے یہ حدیث امام مالک (۶۶/۱) سے موقوفاً نقل کی ہے یعنی حضرت ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم اگر مسواک کو اپنی امت کے لیے باعث مشقت خیال نہ کرتے تو انہیں ضرور ہر وضو کے ساتھ مسواک کرنے کا حکم دیتے ۔ یہ حدیث اگرچہ سنداً موقوف ہے مگر حکماً مرفوع ہے کیونکہ حضرت ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہ نے یہی الفاظ رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے مرفوعاً بھی نقل کیے ہیں جیسا کہ روح بن عبادہ اور عبداللہ بن یوسف نے امام مالک سے نقل کیا ہے۔ اس حدیث کو امام ابن خزیمہ (۷۳/۱) نے اپنی صحیح میں درج کیا ہے۔ امام مالک سے عبداللہ بن یوسف اور احمد بن ابی بکر نے مع کل وضوء کی جگہ عند کل صلاۃ کے الفاظ نقل کیے ہیں۔ یعنی اگر میں مسواک کو اپنی امت کے لیے باعث مشقت خیال نہ کرتا تو میں اپنی امت کو حکم دیتا کہ وہ ہر نماز سے پہلے مسواک کریں۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے جو مرفوع حدیث منقول ہے اس میں "لا مرتھم مع الوضوء بالسواک عند کل صلاۃ" (ابن حبان: ۳۵۲/۳) کے الفاظ مذکور ہیں یعنی رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:" اگر میں مسواک کو باعث مشقت خیال نہ کرتا تو اپنی امت کو حکم دیتا کہ وہ ہر نماز کے ہر وضو کے ساتھ مسواک کیا کریں۔" یہ حدیث رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے حضرت زید بن خالد جہنی ،حضرت زینب بنت جحش ،حضرت عباس بن عبدالمطلب ،حضرت ام حبیبہ ،حضرت عبداللہ بن عمر ،حضرت سہل بن سعد ،حضرت جابر ،حضرت انس ،حضرت ابوایوب ،حضرت عبداللہ بن عباس رضوان اللہ علیہم اجمعین بھی نقل کرتے ہیں ،حافظ ابن حجرؒ اس حدیث کو فتح الباری میں درج کرنے کے بعد فرماتے ہیں ،اس حدیث کی صحت پر امام بخاری اور امام مسلم کا اتفاق ہے۔ امام ابن مندہ فرماتے ہیں کہ اس حدیث کی سند پر تمام محدثین کا اتفاق ہے۔ امام نوویؒ فرماتے ہیں کہ جن کبار علماء نے یہ لکھا ہے کہ امام بخاری نے اس حدیث کو اپنی صحیح میں درج نہیں کیا وہ غلط فہمی کا شکار ہوئے ہیں۔ حافظ ابن حجرؒ نے اس حدیث کو بلوغ المرام میں نقل کرنے کے بعد اس کے مصادر و مراجع میں موطا ،مسند احمد ،نسائی اور ابن خزیمہ کا ذکر کیا ہے جبکہ امام بخاری کے بارے میں لکھا ہے کہ انہوں نے اس حدیث کو تعلیقاً نقل کیا ہے حالانکہ صحیح بخاری میں یہ حدیث موصولاً بھی ہے۔ حافظ ابن حجرؒ کے اس انداز سے بظاہر یہی عیاں ہوتا ہے کہ شیخین نے اس حدیث کو اپنی صحیح میں درج نہیں کیا کیونکہ انہوں نے اس حدیث کو نقل کرنے کے بعد اسے صحیحین کی طرف منسوب نہیں کیا، فقط مالک ،نسائی اور

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ابن خزیمہ کی طرف منسوب کیا ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ یہاں حافظ کو وہم ہوا ہے کیونکہ محدثین کے ہاں یہ قاعدہ معروف ہے کہ جس حدیث کو شیخین نے اپنی صحیح میں درج کیا ہو اس حدیث کو کسی دوسرے مؤلف رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب کی طرف منسوب کرنے کی بجائے فقط صحیحین کی طرف منسوب کرنے پر ہی اکتفا کیا جائے۔ ہاں البتہ جن مؤلفین نے اپنی تالیفات میں فقط متفق علیہ احادیث درج کی ہیں انہوں نے ہر حدیث کو درج کرنے کے بعد اس کے مصادر کا ذکر نہیں کیا جیسا کہ علامہ عبدالغنی بن عبدالواحد مقدسیؒ نے **عمدة الاحكام** میں فقط صحیحین میں منقول احادیث نقل کرنے پر اکتفا کیا ہے۔

فقہی احکام: (۱) ہر وضو یا ہر نماز کے ساتھ مسواک کرنا فرض تو نہیں البتہ بڑی اہمیت کا حامل ہے۔ جمہور اہل علم نے اسے مسنون ہی قرار دیا ہے۔ (۲) مسواک رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت ہی نہیں بلکہ جملہ انبیاء و رسل کی بھی سنت ہے۔ (۳) مسواک سے نہ صرف دانت صاف کیے جائیں بلکہ زبان بھی صاف کی جائے۔ (۴) اگر وضو پہلے سے موجود ہے تو بھی تکبیر تحریمہ سے پہلے مسواک کرنی چاہیے۔ (۵) نماز اور وضو کے علاوہ بعض دیگر مواقع پر بھی مسواک کرنا مسنون ہے مثلاً بیدار ہونے کے بعد (۶) منہ کا ذائقہ تبدیل ہونے پر بھی مسواک کرنا مسنون ہے۔ (۷) مسواک کسی بھی درخت سے بنائی جاسکتی ہے اسی طرح تازہ ہو یا خشک ہر دو طرح کی استعمال کی جاسکتی ہے البتہ سب سے بہتر مسواک پیلو کی ہے۔

۳۳: وَعَنْ حُمْرَانَ مولی عثمان أَنَّ عُثْمَانَ رضی اللہ عنہ دَعَا بِوَضُوءٍ, فَغَسَلَ كَفَّيْهِ ثَلَاثَ مَرَّاتٍ, ثُمَّ مَضْمَضَ, وَاسْتَنْشَقَ, وَاسْتَنْثَرَ, ثُمَّ غَسَلَ وَجْهَهُ ثَلَاثَ مَرَّاتٍ, ثُمَّ غَسَلَ يَدَهُ الْيُمْنَى إِلَى الْمِرْفَقِ ثَلَاثَ مَرَّاتٍ, ثُمَّ الْيُسْرَى مِثْلَ ذَلِكَ, ثُمَّ مَسَحَ بِرَأْسِهِ, ثُمَّ غَسَلَ رِجْلَهُ الْيُمْنَى إِلَى الْكَعْبَيْنِ ثَلَاثَ مَرَّاتٍ, ثُمَّ الْيُسْرَى مِثْلَ ذَلِكَ, ثُمَّ قَالَ: رَأَيْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَوَضَّأَ نَحْوَ وُضُوئِي هَذَا. مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ

البخاری ، كتاب الوضوء ، باب الوضوء ثلاثا ثلاثا : ۱۵۹ ، مسلم ،كتاب الطهارة ،باب صفة الوضوء و كماله : ۲۲۶ ،مسند احمد : ۵۸/۱ ، ابو داود : ۱۰۶ ، النسائی : ۱۲/۱ ، الطحاوی : ۳۴/۱ ، ابن ماجة : ۲۸۵

۳۳: حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے آزاد کردہ غلام حمرانؒ بیان کرتے ہیں کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے وضو کے لیے پانی طلب فرمایا اور اس سے اپنی دونوں ہتھیلیوں کو تین بار دھویا، پھر کلی کی اور ناک میں پانی چڑھایا، اور جھاڑ کر صاف کیا، پھر تین بار اپنا چہرہ دھویا، پھر دائیں ہاتھ کو کہنی سمیت تین بار دھویا، پھر اسی طرح بائیں ہاتھ کو دھویا، پھر اپنے سر کا مسح کیا، پھر دائیں پاوں کو ٹخنے سمیت دھویا، پھر اسی طرح بائیں پاوں کو دھویا، پھر انہوں نے فرمایا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اسی طرح وضو کرتے دیکھا ہے۔

لغوی تحقیق: حمران: حاء کی پیش اور راء کی جزم کے ساتھ پڑھا جاتا ہے۔ وضو: واؤ کی فتحہ کے ساتھ وضو کا پانی اور واؤ کے ضمہ کے ساتھ وضو بنانا۔ المرفق: میم مکسور، راء ساکن اور فاء مفتوح، میم اور فاء دونوں کو مفتوح پڑھنا بھی درست ہے یعنی کہنی۔ تمضمض: یہ المضمضة سے مشتق ہے یعنی منہ میں پانی لے کر اسے خوب اچھی طرح ہلانا پھر باہر پھینک دینا۔ استنشق: یہ استنشاق سے ماخوذ ہے یعنی پانی کو ناک میں لے کر بذریعہ سانس کھینچنا۔ استنثر: یہ استنثار سے ماخوذ ہے یعنی ناک کو خوب اچھی طرح جھاڑنا تاکہ ناک میں موجود پانی خارج ہو جائے۔ دعا بوضوء: وضو بنانے کے لیے پانی طلب فرمایا۔ فغسل كفيه ثلاث مرات: ہاتھوں کو گھٹنوں تک تین بار دھویا۔ ثم تمضمض: پانی کو منہ میں لیا پھر کلی کی اور کلی کا بہترین طریقہ یہ ہے کہ پانی کو منہ میں لے کر خوب اچھی طرح

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ہلانے کے بعد خارج کیا جائے۔ واستنشق واستنثر: ناک میں پانی لیا پھر ناک کو اچھی طرح جھاڑ کر پانی خارج کی دیا۔ غسل وجهه ثلاث مرات: پھر اپنے چہرے کو تین بار دھویا۔ ثم غسل يده اليمنى الى المرفق ثلاث مرات ثم اليسرى مثل ذلك: پھر اپنے دائیں ہاتھ کو کہنی سمیت تین بار دھویا پھر بائیں کو بھی اسی طرح دھویا۔ ثم اليسرى مثل ذلك: پھر بائیں ہاتھ کو بھی کہنی تک تین بار دھویا۔ ثم مسح برأسه: پھر اپنے سر کا مسح کیا۔ رأسه: کے آغاز میں با حرف جار کا استعمال آیت وضو کی موافقت کی وجہ سے ہے۔ مسح: خود بھی فعل متعدی ہے اور اسے باء تعدیہ (حرف جار) کے ساتھ بھی متعدی بنایا جاتا ہے۔ امام قرطبی فرماتے ہیں کہ یہاں باء تعدیہ ہے اسے حذف کرنا اور برقرار رکھنا ہر دونوں طرح درست ہے۔

تشریح: وضو کے بارے میں قرآن حکیم نے جو اجمالاً حکم دیا ہے، اس حدیث میں اس کی تفصیل عملی طور پر بیان کی گئی ہے آیت وضو میں حرف جار الی استعمال ہوا ہے یہ حرف ابتداء غایت اور انتہاء غایت ہر دو معنوں میں مستعمل ہے۔ یہاں یہ انتہاء غایت کے لیے استعمال ہوا ہے نیز یہ مع کے معنی میں بھی استعمال ہوتا ہے یہاں یہ مع کے معنی میں استعمال ہوا ہے۔ چند دیگر احادیث بھی اسی معنی کی مؤید ہیں جیسا کہ امام دارقطنی نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کی ہے وہ فرماتے ہیں کہ رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم اپنی کہنیوں پر اچھی طرح پانی بہاتے تھے۔ امام دارقطنی نے حمران مولی عثمان سے نقل کیا ہے وہ کہتے ہیں کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اپنے ہاتھوں کو اس طرح دھویا کہ پانی بازو کے اطراف تک پہنچ چکا تھا۔ امام طبرانی اور امام البزار نے حضرت وائل بن حجر رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث نقل کی ہے جس میں وہ رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے وضو کے بارے میں بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دایاں ہاتھ تین مرتبہ اس طرح دھویا کہ پانی کہنی کے پیچھے تک پہنچ چکا تھا۔ امام طحاوی اور امام طبرانی نے حضرت عباد رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث بھی نقل کی ہے اس میں انہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقہ وضو کو مفصل بیان کیا ہے، اس میں یہ بھی مذکور ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "پھر وہ اپنے بازوؤں کو اس طرح دھوئے کہ پانی کو کہنیوں پر بہائے" ان احادیث میں بعض ضعیف اور بعض حسن ہیں لیکن یہ سب طرق مل کر ایک دوسرے طریق کو تقویت دیتے ہیں۔ امام اسحاق بن راھویہ فرماتے ہیں کہ آیت وضو میں مذکور حرف جار الی: یا تو غایت کے لیے ہے یا پھر وہ بمعنی مع ہے۔

رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی قولی اور فعلی احادیث سے یہی ثابت ہوتا ہے کہ الی بمعنی مع ہے۔ امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ کہنیوں کا دھونا وضو میں شامل ہے اور میرے علم کے مطابق اس مسئلہ میں کسی نے اختلاف نہیں کیا، علما کے اسی اتفاق سے میں سمجھا کہ کہنیوں کا دھونا وضو میں داخل ہے۔ امام زمخشری فرماتے ہیں کہ (الی) حقیقی طور پر تو غایت کے لیے ہے لیکن یہاں کہنیاں دھونے کے حکم میں شامل ہے یا کہ نہیں؟ یہ دلیل کا محتاج ہے۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے وضو کے بارے میں یہ حدیث متعدد طرق سے مروی ہے بعض طرق مفصل ہیں اور بعض مختصر ہیں، اگر مختصر طرق کو جمع کر دیا جائے تو مفصل روایت بن جاتی ہے۔ ان تمام طرق کو ایک حدیث تصور کر لیا جائے تو پھر یہ صراحت بھی مل جاتی ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے سر کا مسح بھی تین بار فرمایا جس طریق میں تین بار کا ذکر ہے اس طریق کی سند میں عبدالرحمٰن بن وردان نامی راوی موجود ہے جو کہ متکلم فیہ ہے اس کے علاوہ بعض اور روایات میں بھی تین بار کا ذکر ہے لیکن وہ تمام طرق ضعیف ہیں، شاید اسی لیے مصنف رحمہ اللہ نے اس طریق کو نظر انداز کر کے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث کا ایک ٹکڑا نقل کیا ہے جس میں سر کا مسح صرف ایک بار مذکور ہے۔ پورے سر کا مسح کرنا ضروری ہے یا بعض سر کا اس بارے میں اہل علم مختلف آراء رکھتے ہیں۔ اس اختلاف کا سبب یہ ہے کہ قرآن حکیم میں جو حکم دیا گیا ہے وہ دونوں احتمال رکھتا ہے۔ جن علماء نے بعض سر کا مسح فرض قرار دیا ہے، ان کا کہنا ہے کہ احادیث میں یہ مذکور ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

بعض مواقع پر فقط بعض سر کا مسح فرمایا تھا۔ جیسا کہ حضرت عطاؒ سے منقول ہے کہ رحمت عالم ﷺ نے وضو فرماتے وقت اپنے عمامہ کو اٹھا کر سر کے مقدم حصہ کا مسح فرمایا۔ یہ روایت مرسل ہونے کی وجہ سے ضعیف ہے، تاہم حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی مرفوع حدیث اس کی مؤید ہے۔ لیکن یہ روایت بھی مجہول راوی کی وجہ سے ضعیف ہے۔ تاہم بعض موقوف روایات سے اسے تقویت حاصل ہے۔ جیسا کہ امام سعید بن منصور اپنی سنن میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے مروی موقوف روایت لائے ہیں۔ اسی طرح حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے بارے میں صحیح سند سے منقول ہے کہ وہ بعض سر کے مسح کو کافی خیال کرتے تھے۔ امام ابن مندہ لکھتے ہیں کہ کسی صحابی سے اس کا خلاف ثابت نہیں۔

فقہی احکام: (۱) وضو کا آغاز کرتے وقت ہاتھوں کو دھویا جائے۔ (۲) کم از کم ایک بار یا زیادہ سے زیادہ تین بار کلی کی جائے اور یہی طریقہ ناک میں پانی ڈالنے اور وضو کے اعضا دھونے میں اختیار کیا جائے۔ (۳) اعضا کو ایک بار دھونا فرض اور دو یا تین بار دھونا مسنون ہے۔ (۴) پورے سر کا مسح کرنا بہتر ہے تاہم بعض سر کا مسح بھی کافی ہے۔ (۵) سر کا مسح ایک بار ہی کافی ہے۔

۳۴: وَعَنْ عَلِيٍّ رضی اللہ عنہ فِي صِفَةِ وُضُوءِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ "وَمَسَحَ بِرَأْسِهِ وَاحِدَةً". أَخْرَجَهُ أَبُو دَاوُد وَ اخرجه الترمذی و النسائی باسناد صحیح [بل قال الترمذی انه اصح شيء في الباب].

ابوداود، کتاب الطهارة، صفة وضوء النبی ﷺ: ۱۱۱، ۱۱۵، الترمذی، ابواب الطهارة، باب وضوء النبی ﷺ کیف کان: ۴۸، النسائی: ۱/۶۷، ابن ماجة: ۳۶۶، ابن خزیمة: ۱۵۵، ۱۵۸

۳۴: حضرت علی رضی اللہ عنہ رحمت عالم ﷺ کا طریقہ وضو بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ رحمت عالم ﷺ نے سر کا مسح ایک ہی بار فرمایا۔ اس روایت کو امام ابوداود نے روایت کیا ہے، امام نسائی اور ترمذی نے صحیح سند سے نقل کیا ہے بلکہ امام ترمذی نے تو یہاں تک کہہ دیا ہے کہ اس مسئلہ میں سب سے زیادہ صحیح حدیث یہی ہے۔

تشریح: امام ابوداودؒ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی یہ حدیث چھ طرق سے نقل کی ہے، ان میں سے بعض مفصل ہیں اور بعض مختصر، اس حدیث کے مفصل طریق میں حدیث عثمان کی طرح وضو کا مکمل بیان ہے۔ مصنف رحمہ اللہ کی نقل کردہ حدیث عثمان میں چونکہ یہ صراحت موجود نہیں کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے سر کا مسح ایک بار کیا یا زیادہ بار؟ اس لیے مصنف رحمہ اللہ نے مفصل حدیث علی کا وہ حصہ نقل کر دیا جس میں یہ صراحت تھی کہ انہوں نے سر کا مسح ایک بار کیا۔ نیز انہوں نے اس حدیث کی سند کو صحیح قرار دیا ہے۔

سر کا مسح ایک بار کیا جائے یا ایک سے زیادہ بار کیا جائے؟ اس بارے میں علما کا اختلاف ہے۔ بعض علما کا کہنا ہے کہ دیگر اعضا کی طرح تین بار کیا جائے۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے مروی دو طرق میں تین بار کا ذکر ہے، ان میں سے ایک طریق کو امام ابن خزیمہ نے صحیح کہا ہے کچھ علما کا کہنا ہے کہ تین بار مسح کرنا درست نہیں کیونکہ اس سلسلہ میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے جو صحیح احادیث مروی ہیں ان سب میں ایک بار ہی مذکور ہے، یہی نظریہ امام ابوداود کا ہے، موصوف ان تمام روایات کو نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں کی حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے جو روایات صحیح اسناد کے ساتھ مروی ہیں ان سب میں دیگر اعضا کا تذکرہ تو تین بار ہے مگر سر کے مسح کے سلسلہ میں تعداد کا ذکر نہیں، نیز کہتے ہیں کہ دھونے کے مقابلے میں مسح میں آسانی پائی جاتی ہے آسانی کا یہ تقاضا ہے کہ اس میں تکرار نہ ہو۔ جن روایات میں تعداد کا ذکر ہے اول تو وہ روایات ضعیف ہیں اگر وہ صحیح ثابت ہو جائیں تو پھر یہ کہا جائے گا کہ ایسا اس وقت ہے جب غسل کیا جائے۔

امام ابوداود کا یہ کہنا کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے صحیح سند سے سر کا مسح ایک بار ہی ثابت ہے یہ درست نہیں کیونکہ خود انہوں نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے ایک حدیث ایسی نقل کی ہے جس میں تین بار کا ذکر ہے اور اس حدیث کو امام ابن خزیمہ نے بھی نقل کیا ہے نیز ان کا یہ کہنا کہ

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

سر کے مسح میں اصل تخفیف ہے درست نہیں کیونکہ یہ فقط ان کا قیاس ہے ظاہر ہے کہ نص کے مقابلے میں قیاس کی کوئی حیثیت نہیں۔ان کا یہ کہنا بھی درست نہیں کہ ایسا اس وقت ہے جب غسل کیا جائے کیونکہ شارع علیہ السلام سے ثابت ہے اور اس میں کوئی شک نہیں کہ رحمت عالم ﷺ سے مروی اکثر احادیث میں یہی مذکور ہے کہ رحمت عالم ﷺ نے سر کا مسح ایک بار فرمایا لیکن اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ جن روایات میں تین بار کا ذکر ہے انہیں ان کا معارض قرار دے کر ترک کر دیا جائے۔ہاں یہ اس صورت میں تھا جب یہ دعوی ہوتا کہ سر کا مسح تین بار واجب ہے جبکہ دعوی یہ ہے کہ تین بار بھی سنت ہے اور سنت اس عمل کو کہتے ہیں جسے کبھی کیا کبھی چھوڑا جائے۔البتہ سر کا مسح زیادہ طرق میں ایک ہی بار مذکور ہے،اس لیے جمہور علما نے اسی کو اختیار کیا ہے۔

فقہی احکام: (۱) سر کا مسح ایک بار کرنا فرض ہے۔(۲) تین بار کرنا مستحب ہے۔

۳۵: وَعَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ زَيْدِ بْنِ عَاصِمٍ رضی اللہ عنہ فِي صِفَةِ الْوُضُوءِ قَالَ "وَمَسَحَ بِرَأْسِهِ, فَأَقْبَلَ بِيَدَيْهِ وَأَدْبَرَ" مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ وَفِي لَفْظٍ لهما "بَدَأَ بِمُقَدَّمِ رَأْسِهِ, حَتّٰى ذَهَبَ بِهِمَا إِلٰى قَفَاهُ, ثُمَّ رَدَّهُمَا إِلَى الْمَكَانِ الَّذِي بَدَأَ مِنْهُ"

البخاری ، كتاب الوضوء ،باب مسح الرأس كله :۱۸۵ ، ۱۹۱ ، مسلم : ۲۳۵، ابوداود: ۱۱۸، الترمذی :۳۴، النسائی: ۱/ ۷۲، ابن ماجة: ۴۳۴، احمد: ۳۸/۴

۳۵: حضرت عبداللہ بن زید عاصم رضی اللہ عنہ سے وضو کے طریقہ کے بارے میں مروی ہے وہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنے سر کا مسح اس طرح کیا کہ دونوں ہاتھوں کو سر کے آگے سے پیچھے کی طرف لے گئے، پھر پیچھے سے آگے کی طرف لائے (بخاری ومسلم) بخاری اور مسلم ہی کی ایک روایت کے الفاظ اس طرح ہیں کہ آپ ﷺ نے مسح کا آغاز اپنے سر کے آگے والے حصہ سے کیا اور اپنے دونوں ہاتھوں کو گدی تک لے گئے پھر اپنے دونوں ہاتھوں کو اسی مقام پر واپس لے آئے جہاں سے مسح کا آغاز کیا تھا۔

لغوی تحقیق: صفة: صاد کی زیر اور فاء کی زبر کے ساتھ۔ قفاه: قاف اور فاء کی زبر کے ساتھ۔ مقدم: میم پر پیش قاف پر زبر اور دال پر زبر اور تشدید ہے۔

تشریح: آپ ﷺ نے سر کا مسح کرتے وقت مسح کا آغاز اس طرح کیا کہ اپنے دونوں ہاتھوں کو سر کے سامنے والے حصہ پر رکھا پھر سر کو چھوتے ہوئے انہیں گدی تک لے گئے پھر گدی سے واپس پیشانی کی طرف لے آئے۔ بدأ بمقدم رأسه یہ جملہ پہلے جملے یعنی فأقبل بيده کی تفسیر ہے۔ ثم ردهما الى المكان الذى بدأمنه یہ جملہ دوسرے جملے یعنی و ادبر کی تفسیر ہے فأقبل بيده کی بظاہر تفسیر تو یہ ہے کہ سر کے مسح کا آغاز گدی سے پیشانی کی طرف ہو کیونکہ اقبال اسی صورت میں ہوگا جب ہاتھوں کو گدی سے پیشانی کی طرف لایا جائے گا، ہاں البتہ صحیح بخاری میں الفاظ اس طرح ہیں، ادبر بيده و اقبل یعنی آپ ﷺ اپنے ہاتھوں کو پیچھے کی طرف لے گئے پھر پیچھے سے آگے کی طرف لائے۔یہی مفہوم درست ہے کیونکہ اس کی وضاحت دوسرے طریق میں موجود ہے۔حافظ ابن حجرؒ نے یہی مفہوم متعین کرنے کے لیے اس حدیث کا دوسرا طریق نقل کیا ہے

رحمت عالم ﷺ کے طریقہ وضو سے متعلق یہ حدیث حضرت عبداللہ بن زید رضی اللہ عنہما کے علاوہ حضرت مقدام بن معدیکرب رضی اللہ عنہ نے بھی تفصیل سے بیان کی ہے اس کے آخر میں ثم ردهما الى المكان الذى بدأ منه نقل کیا ہے یہی الفاظ امام بخاری کے شیخ عبداللہ بن یوسف نے حضرت عبداللہ بن زید رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث میں امام مالکؒ سے نقل کئے ہیں، جبکہ امام مالکؒ سے مروی یہی روایت امام مسلم، امام ابوداود، امام ابن حبان نے امام مالک کے دیگر تلامذہ سے اس طرح نقل کی ہے۔ثم ردهما حتى رجع الى المكان الذى

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

بدأمنه یعنی حتی رجع کے الفاظ مزید نقل کیے گئے ہیں، علامہ ابن دقیق العید نے الالمام میں بھی یہی الفاظ نقل کئے ہیں، جبکہ بلوغ المرام کے قدیم مطبوعہ نسخوں اور اس کی شروحات میں صحیح بخاری کے الفاظ منقول ہیں۔ لیکن شیخ صفی الرحمٰن کی تحقیق سے شائع ہونے والے مطبوعہ نسخہ میں صحیح مسلم والے الفاظ منقول ہیں۔ بلوغ المرام کے کسی مخطوطہ میں اگر حتی رجع کے الفاظ موجود ہیں پھر تو شیخ کا یہ کام قابل صد تحسین ہے اور اگر ایسا نہیں ہے تو پھر شیخ کو یہ الفاظ نقل نہیں کرنے چاہیے تھے کیونکہ امام بخاری نے اپنے شیخ عبداللہ بن یوسف سے یہ الفاظ نقل نہیں کیے۔

مسح کا طریقہ

اقبل و ادبر میں واؤ ترتیب کے لیے ہے لہٰذا مسح کا آغاز سر کے سامنے کے حصہ سے کیا جائے اور اختتام بھی اسی پر کیا جائے۔ اس کو حضرت عبداللہ بن زید رضی اللہ عنہ سے مروی دوسرے طریق میں منقول الفاظ کی تائید بھی حاصل ہے نیز حضرت مقدام بن معدیکرب رضی اللہ عنہ سے مروی مرفوع حدیث بھی اس کی مؤید ہے۔ حدیث میں اقبل وادبر منقول ہے سامنے کی طرف آنے کو اقبال اور مخالف سمت جانے کو ادبار کہا جاتا ہے لہٰذا حدیث کے ظاہری الفاظ کا تقاضا ہے کہ مسح کا آغاز گدی سے پیشانی کی طرف کیا جائے اور اختتام گدی پر کیا جائے حضرت ربیع بن معوذ رضی اللہ عنہ سے مروی مرفوع حدیث اسی مفہوم کی مؤید ہے۔ اس روایت کو امام بیہقی، امام ابوداود اور امام ترمذی نے روایت کیا ہے اور امام ترمذی نے اس حدیث کو حسن قرار دیا ہے۔ علامہ امیر صنعانی نے اس حدیث کو صحیح قرار دیا ہے اور علامہ محمود شارح ابوداود نے علامہ ابن دقیق العید کی تحقیق سے اتفاق کیا ہے، لیکن حافظ ابن حجر نے تلخیص میں اس حدیث پر یہ تبصرہ کیا ہے کہ حضرت ربیع سے مروی یہ حدیث متعدد طرق سے منقول ہے مگر ان تمام طرق کا مدار عبداللہ بن عقیل پر ہے اور اس میں کلام ہے، حافظ صاحب نے تبصرہ کر کے اس حدیث کے ضعیف ہونے کا اشارہ دیا ہے۔ اگر یہ حدیث صحیح ثابت ہو جائے تو ان کے درمیان تطبیق کی صورت یہ ہوگی کہ رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان دونوں طریقوں پر عمل کیا ہے۔ تیسرا قول یہ ہے کہ ہاتھ پیشانی سے شروع کر کے چہرے تک لائے جائیں پھر گدی تک لائے جائیں پھر گدی سے پیشانی تک لائے جائیں۔ اس قول کے قائلین نے ان دونوں حدیثوں پر ایک ساتھ عمل کرنے کی کوشش کی ہے یعنی پیشانی سے چہرے کی طرف ہاتھوں کو لانے سے اقبل پر عمل ہو گیا پھر وہاں سے گدی تک لے جانے سے بدأمقدم رأسه پر عمل ہو گیا ان اقوال میں زیادہ صحیح قول پہلا ہی ہے کیونکہ اس قول کو حضرت مقدام بن معدیکرب سے مروی حدیث سے بھی تقویت ملتی ہے اس حدیث کو امام ابوداود نے ان الفاظ سے بیان کیا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم جب وضو فرماتے ہوئے سر کے مسح تک پہنچتے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی دونوں ہتھیلیوں کو اپنے سر کے سامنے والے حصہ پر رکھتے پھر انہیں گدی کی طرف لے جاتے یہاں تک وہ گدی تک پہنچ جاتے پھر انہیں اس مقام پر واپس لے آتے جہاں سے مسح کا آغاز کیا تھا۔

فقہی احکام: (۱) نظری تعلیم کے ساتھ عملی تعلیم بھی دی جائے۔ (۲) مسح دونوں ہاتھوں سے کیا جائے۔
(۳) مسح کا آغاز سر کے اگلے حصے سے کیا جائے۔

۳۶: وَعَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو رضی اللہ عنہما فِي صِفَةِ الْوُضُوءِ قَالَ "ثُمَّ مَسَحَ بِرَأْسِهِ, وَأَدْخَلَ إِصْبَعَيْهِ السَّبَّاحَتَيْنِ فِي أُذُنَيْهِ, وَمَسَحَ بِإِبْهَامَيْهِ ظَاهِرَ أُذُنَيْهِ" أَخْرَجَهُ أَبُو دَاوُدَ, وَالنَّسَائِيُّ, وَصَحَّحَهُ ابْنُ خُزَيْمَةَ

ابوداود، كتاب الطهارة، باب الوضوء ثلاثا ثلاثا: ۱۳۵، النسائى، كتاب الطهارة، باب مسح الاذنين: ۶۸/۱، صحيح ابن خزيمة، كتاب الطهارة، باب التغليظ فى غسل اعضاء الوضوء اكثر من ثلاث: ۱۷۴، ابن ماجة: ۴۲۲، احمد ۱۸۰/۲، البيهقى: ۷۹/۲

۳۶: حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا طریقہ وضو بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ پھر رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے سر کا

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

مسح کیا اور اپنے ہاتھوں کی دونوں تسبیح والی انگلیوں کو اپنے دونوں کانوں میں داخل کیا اور اپنے دونوں انگوٹھوں سے کانوں کے بیرونی حصوں کا مسح کیا۔ اس روایت کو امام ابوداود اور امام نسائی نے نقل کیا ہے اور امام ابن خزیمہ نے صحیح قرار دیا ہے۔

لغوی تحقیق: عمرو: کی عین پر زبر اور واؤ پڑھنے میں نہیں آتی۔ اصبعیہ: اس کے تلفظ سے متعلق دو لغات ہیں یعنی ھمزہ کی زیر اور باء کی زبر کے ساتھ یا ھمزہ اور باء کی پیش کے ساتھ یہ اصبع کا تثنیہ ہے نون تثنیہ اضافت کی وجہ سے گرا دیا گیا۔ السباحتین: یہ سباحة کا تثنیہ اور اصبعیہ کی صفت ہے۔ براسہ، اصبعیہ، اذنیہ، ابھامیہ: ان الفاظ میں (ہ) کی ضمیر استعمال ہوئی ہے اس کا مرجع رسول اللہ ﷺ ہیں حدیث کے منقولہ ٹکڑے میں اگرچہ رسول اللہ ﷺ کا نام منقول نہیں تاہم مفصل حدیث میں موجود ہے۔

السباحة کی وجہ تسمیہ

عندالتسبیح چونکہ اس انگلی کے ساتھ اشارہ کیا جاتا ہے اسی مناسبت سے اسے سباحۃ کہا جاتا ہے یعنی تسبیح بیان کرنے والی انگلی، تسبیح کے لیے اگرچہ صرف دائیں ہاتھ کی انگلی استعمال ہوتی ہے لیکن بائیں ہاتھ کی انگلی بھی چونکہ اسی جگہ پر واقع ہے اس لیے دونوں کو ایک ہی نام سے تعبیر کر دیا گیا ہے حالانکہ بائیں ہاتھ کی انگلی کے ساتھ اشارہ کرنے کی ممانعت حدیث میں موجود ہے۔ ومسح باھامیہ ظاھر اذنیہ یعنی آپ ﷺ نے اپنے دونوں انگوٹھوں سے دونوں کانوں کے بیرونی حصوں کا مسح فرمایا۔

تشریح: اس حدیث میں سابقہ حدیث کے مقابلہ میں وضو کا مفصل ذکر موجود ہے کیونکہ اس میں کانوں کے مسح کا طریقہ بھی موجود ہے، مصنف رحمۃ اللہ علیہ نے اسی لیے اس حدیث کے اس ٹکڑے کو نقل کر دیا ہے جو پہلی حدیث میں موجود نہیں تھا۔ کانوں کے مسح کا ذکر متعدد طرق میں موجود ہے مثلاً مقدام بن معدیکرب سے مروی حدیث جیسے امام ابوداود (۱۲۱) اور امام طحاوی (۲۲/۱) نے نقل کیا ہے اسی طرح حضرت ربیع سے مروی حدیث میں بھی ہے اس حدیث کو بھی امام ابوداود نے بیان کیا ہے، حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث کو امام دارقطنی اور امام حاکم نے نقل کیا ہے حضرت عبداللہ بن زید رضی اللہ عنہ سے مروی ایک طریق میں کانوں کے مسح کا اس طرح ذکر ہے کہ آپ ﷺ نے اپنے کانوں کا مسح کرنے کے لیے اپنے ہاتھوں میں دوبارہ پانی لیا۔ امام بیہقی رحمہ اللہ نے اس حدیث کو صحیح قرار دیا ہے۔ علامہ ابن دقیق العید نے امام بیہقی پر تنقید کرتے ہوئے لکھا ہے کہ اس حدیث میں کانوں کے مسح کا تذکرہ درست نہیں کیونکہ اس روایت کے محفوظ الفاظ اس طرح ہیں کہ آپ ﷺ نے اپنے سر کا مسح کرنے کے لیے اپنے ہاتھوں میں الگ سے پانی لیا۔ لیکن حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے امام بیہقی کے قول کی موافقت کرتے ہوئے لکھا ہے کہ اس حدیث کو امام ابن حبان اور امام ترمذی نے اسی طرح نقل کیا ہے۔ کانوں کے مسح سے متعلق حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی حدیث کو امام ترمذی نے نقل کیا ہے اور اسے صحیح قرار دیا ہے۔ کان سر میں داخل ہیں اس لیے انہوں نے لکھا ہے کہ اہل علم اس کے قائل و فاعل ہیں

فقہی احکام: (۱) کانوں کے اندرونی اور بیرونی دونوں حصوں کا مسح کیا جائے۔ (۲) کانوں کا مسح کرنے سے پہلے یہ دیکھا جائے کہ ہاتھ اچھی طرح تر ہیں یا نہیں؟ اگر اچھی طرح تر ہوں تو پھر ہاتھوں میں دوبارہ پانی لینے کی ضرورت نہیں اور اگر اچھی طرح تر نہیں ہیں تو ہاتھوں کو دوبارہ تر کر کے مسح کیا جائے۔ (۳) اعضاء کو تین بار سے زیادہ نہ دھویا جائے۔

۳۷: وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضی اللہ عنہ قَالَ، قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ " إِذَا اسْتَيْقَظَ أَحَدُكُمْ مِنْ مَنَامِهِ فَلْيَسْتَنْثِرْ ثَلَاثًا ,فَإِنَّ الشَّيْطَانَ يَبِيتُ عَلَى خَيْشُومِهِ" مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ

البخاری، کتاب بدء الخلق، باب صفة ابلیس و جنوده: ۳۲۹۵، مسلم، کتاب الطهارة، باب الایتار فی الاستنثار: ۲۳۸، النسائی:

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

۱/۶۸، ابن خزیمة : ۱/۷۷

۳۷: حضرت ابوہریرۃ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: " تم میں سے جب بھی کوئی نیند سے بیدار ہو تو تین بار اپنی ناک جھاڑ کر صاف کرے کیونکہ شیطان ہر شخص کی ناک کے نتھنوں کی ہڈی میں رات بسر کرتا ہے۔"

لغوی تحقیق: فلیستنثر ثلاثا : وہ اپنی ناک تین بار جھاڑ کر صاف کرے، صاحب قاموس نے استنثار کو استنشاق کے ہم معنی قرار دیتے ہوئے لکھا ہے کہ پہلے سانس کے ذریعہ پانی اوپر کی طرف کھینچا جائے پھر سانس کے ذریعہ باہر پھینکا جائے۔ بعض رواۃ نے استنثار اور استنشاق دونوں الفاظ ایک ہی حدیث میں نقل کیے ہیں اس صورت میں استنشاق کے معنی پانی اوپر کھینچے کے جبکہ استنثار کے معنی پانی باہر نکالنے کے ہونگے۔ خیشوم : ناک کے آخری حصہ کو کہتے ہیں بعض نے کہا کہ ساری ناک کو خیشوم کہتے ہیں بعض کا کہنا ہے کہ اس سے مراد نتھنوں کی ہڈی ہے۔

تشریح: اس حدیث میں مذکور حکم، عمومی نوعیت کا ہے، یعنی نیند سے بیدار ہو کر خواہ آپ وضو کریں یا نہ کریں البتہ تین بار ناک ضرور جھاڑ کر صاف کریں لیکن صحیح بخاری میں وضو کی قید مذکور ہے، یعنی جب آپ نیند سے بیدار ہو کر وضو کا ارادہ کریں تو اپنی ناک کو تین بار جھاڑ کر صاف کریں، اسی طرح بعض طرق میں رات کی قید بصراحت مذکور ہے، یعنی جب رات کی نیند سے بیدار ہوں تو تب ایسا کریں۔ اس حدیث میں مذکور لفظ یبیت بھی اسی پر دلالت کرتا ہے۔ واضح رہے کہ ناک اور کان دل تک پہنچنے کے وہ دروازے جن پر کواڑ نہیں اس لیے شیطان انہیں استعمال کرنے کی طاقت رکھتا ہے جب کہ حدیث میں ہے کہ بند دروازوں کو کھولنے کی شیطان طاقت نہیں رکھتا۔

نتھنوں کی رطوبت اگرچہ ناپاک نہیں ہے تاہم وہ گندگی میں شمار ہوتی ہے، گندگی شیطان کی مرغوب چیز ہے اسی لیے وہ نتھنوں کو اپنی رہائش کے لئے استعمال کرتا ہے اور وہاں اپنے اثرات چھوڑتا ہے اس بناء پر آپ ﷺ نے یہ حکم دیا ہے۔ اس حدیث کے الفاظ سے تو یہ حکم بظاہر وجوب کے لیے معلوم ہوتا ہے لیکن دیگر احادیث پر غور کرنے سے واضح ہوتا ہے کہ یہ حکم استحباب کے لیے ہے۔ جمہور علماء نے اسی مؤقف کو اختیار کیا ہے۔

فقہی احکام: (۱) نیند سے بیدار ہوتے ہی اپنی ناک تین بار جھاڑنی چاہیے۔ (۲) شیطان گندہ ہے اور گندگی کو پسند کرتا ہے۔

۳۸: وَعَنْهُ رضی اللہ عنہ " إِذَا اسْتَيْقَظَ أَحَدُكُمْ مِنْ نَوْمِهِ فَلَا يَغْمِسُ يَدَهُ فِي الْإِنَاءِ حَتَّى يَغْسِلَهَا ثَلَاثًا فَإِنَّهُ لَا يَدْرِي أَيْنَ بَاتَتْ يَدُهُ" مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ .وَهٰذَا لَفْظُ مُسْلِمٍ

البخاری، کتاب الوضوء، باب الاستجمار وترا: ۱۶۲، مسلم، کتاب الطهارة، باب کراهية غمس المتوضی : ۲۷۸، ابن خزیمة: ۱/۷۴، ۷۵ ابوداود: ۱۰۳، الترمذی: ۲۴، ابن ماجة: ۳۹۳، احمد : ۲/۴۱۵، النسائی : ۱/۶، ابن حبان : ۱۰۶۱

۳۸: حضرت ابوہریرۃ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رحمت عالم ﷺ نے فرمایا " تم میں سے کوئی ایک جب بھی نیند سے بیدار ہو تو وہ ہاتھوں کو تین مرتبہ دھوئے بغیر پانی کے برتن میں مت ڈالے کیونکہ وہ نہیں جانتا کہ اس کا ہاتھ رات بھر کہاں رہا ہے (بخاری و مسلم) یہ الفاظ صحیح مسلم میں مذکور ہیں۔

لغوی تحقیق: فلا یغمس: علامت مضارع مفتوح اور میم مکسور ہے۔ الاناء : پہلا ھمزہ مفتوح اور دوسرا مکسور ہے۔ فلا یغمس بمعنی لا یدخل ہے اور ایک حدیث میں لفظ لا یدخل ہی استعمال ہوا ہے۔ ان دونوں الفاظ سے مقصود ہاتھوں کے ذریعے پانی لینا نہیں بلکہ پانی

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

لینے کے لیے ہاتھ کو برتن میں ڈبونا ہے۔

تشریح: یہ حدیث حضرت ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہ سے متعدد طرق سے مروی ہے ایک طریق میں فلا یغمس کی جگہ فلا یدخل اور لا یدری این باتت یدہ کی جگہ لا یدری این کانت تطوف یدہ ہے یعنی وہ نہیں جانتا کہ اس کا ہاتھ کہاں کہاں گھومتا رہا ہے۔ ایک طریق میں فی الاناء کی جگہ فی وضوئہ ہے۔ یعنی اس برتن میں ہاتھ مت ڈالے جس میں وضو کا پانی ہو۔ ایک طریق میں اذا استیقظ احدکم من منامہ کی جگہ اذا قام احدکم من اللیل ہے یعنی جب تم سے کوئی ایک رات کو بیدار ہو۔ مسند البزار میں الاناء کی جگہ طھورہ اور ابن خزیمہ میں فی انائہ او وضوئہ ہے۔ اکثر طرق میں ثلاثا اور بعض طرق میں ثلاثا کی قید مذکور نہیں۔

اس حدیث سے یہ واضح ہوا کہ جو شخص بھی نیند سے بیدار ہو وہ اپنے ہاتھوں کو دھوئے بغیر برتن میں مت ڈالے کیونکہ جب شک کی بناء پر ہاتھ دھونے ضروری ہیں تو پھر یقین کی بناء پر دھونے تو بالاولیٰ ضروری ہیں۔

اقوال علماء

امام نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اگر برتن اتنا بڑا ہو کہ جسے انڈیلنا مشکل ہو اور اس برتن سے پانی نکالنے کے لئے کوئی اور چھوٹا برتن بھی موجود نہ ہو تو ایسی صورت میں اس برتن میں ہاتھ ڈال کر پانی لیا جاسکتا ہے۔ حافظ ابن حجر فتح الباری میں لکھتے ہیں کہ اگر کوئی شخص کپڑے کے دستانے پہن کر سو جائے اور صبح اٹھ کر دیکھے کہ ان پر کسی قسم کی غلاظت نہیں ہے تو وہ اپنے ہاتھوں کو دھوئے بغیر برتن میں ڈال سکتا ہے کیونکہ اس طرح اسے یقین ہو گیا کہ اس کا ہاتھ کسی غلط جگہ پر نہیں گیا۔ حافظ ابن قیم فرماتے ہین کہ یہ حکم تعبدی ہے لہٰذا ہر صورت میں ہاتھ دھونے ضروری ہیں۔ امام احمد فرماتے ہیں کہ یہ حکم رات کی نیند کے لئے ہے

۳۹: وَعَنْ لَقِيطِ بْنُ صَبِرَةَ رضی اللہ عنہ قَالَ، قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صلی اللہ علیہ وسلم " أَسْبِغِ الْوُضُوءَ ,وَخَلِّلْ بَيْنَ الْأَصَابِعِ ,وَبَالِغْ فِي الِاسْتِنْشَاقِ ,إِلَّا أَنْ تَكُونَ صَائِمًا " أَخْرَجَهُ الْأَرْبَعَةُ ,وَصَحَّحَهُ ابْنُ خُزَيْمَةَ وَلِأَبِي دَاوُدَ فِي رِوَايَةٍ " إِذَا تَوَضَّأْتَ فَمَضْمِضْ "

ابو داود، کتاب الطھارۃ، باب الاستنثار: ۱۴۳، ۱۴۲، الترمذی، ابواب الطھارۃ، باب تخلیل الاصابع: ۳۸، النسائی، کتاب الطھارۃ، باب المبالغۃ فی الاستنشاق: ۱/ ۶۶، ابن ماجۃ، ابواب الطھارۃ و سننھا، باب المبالغۃ فی الاستنشاق: ۴۰۷، ابن خزیمۃ، کتاب الطھارۃ، باب الامر بالمبالغۃ فی الاستنشاق: ۱/۷۸، مسند احمد: ۴/ ۳۲، ابن حبان: ۱۰۵۴، ۱۰۸۷، الحاکم: ۱/۱۴۷، عبد الرزاق: ۸۵

۳۹: حضرت لقیط بن صبرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: " وضو اچھی طرح کیا کرو اور انگلیوں کا خلال کیا کرو اور اگر روزے سے نہ ہو تو پھر ناک میں پانی اوپر تک لے جایا کرو۔" اس حدیث کو امام ابوداود، امام ترمذی، امام نسائی اور امام ابن ماجہ نے روایت کیا ہے اور ابن خزیمہ نے اسے صحیح قرار دیا ہے اور ابوداود کی بیان کردہ روایت کے الفاظ اس طرح ہیں کہ "جب تم وضو کرو تو کلی کر لیا کرو"

لغوی تحقیق: لقیط: لام مفتوح اور کاف مکسور۔ صبرہ: صاد مفتوح اور باء مکسور۔ اسبغ: باب افعال سے فعل امر ہے اس لیے ہمزہ مفتوح ہے۔ اسباغ بمعنی اتمام مستعمل ہے یعنی اعضاء کو مکمل طور پر دھونا، صاحب قاموس لکھتے ہیں اسبغ الوضوء سے مراد یہ ہے کہ اس نے وضو کے اعضاء کو مکمل طور پر اچھی طرح دھویا۔ خلل: خلال سے مراد یہ ہے کہ انگلیوں کے درمیان تر انگلی اچھی طرح پھیر کر انگلیوں کے درمیانی حصوں کو تر کرنا۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

تشریح: تین جملوں پر مشتمل یہ الفاظ حضرت لقیط بن صبرہ رضی اللہ عنہ سے مروی طویل حدیث سے ماخوذ ہیں۔انہیں سے مروی ایک طریق میں وضو کے سلسلہ میں ایک چوتھا جملہ بھی منقول ہے جس کے الفاظ اس طرح ہیں اذاتوضات فمضمض جب آپ وضو کریں تو کلی بھی کریں۔امام نوویؒ نے حضرت لقیط بن صبرہ رضی اللہ عنہ سے مروی اس حدیث کے جمیع طرق کو شرح المہذب میں صحیح قرار دیا ہے۔ویسے بھی ان چار جملوں میں سے ہر جملہ رحمت عالم ﷺ سے متعدد طرق سے منقول ہے، البتہ وہ طرق جن میں پاؤں کی انگلیوں کے خلال کا صراحتاً ذکر ہے، وہ تمام طرق متکلم فیھا ہیں۔لیکن یہ چونکہ متعدد طرق سے منقول ہے اس لیے اسے کسی حد تک تقویت حاصل ہے۔

فقہی احکام: (۱) اس حدیث سے ہاتھ اور پاؤں کی انگلیوں کا خلال ثابت ہوتا ہے۔(۲) وضو کو مکمل طور پر کرنا۔(۳) غیر روزہ دار کے لیے ناک کے اوپر تک پانی چڑھانا۔(۴) روزہ دار کے لیے احتیاط سے کام لینا کیونکہ اوپر تک پانی پہنچانے کی صورت میں حلق میں پانی اترنے کا خدشہ ہے جو روزے کو فاسد کرنے کا سبب بن سکتا ہے۔

خلال کا طریقہ:

پاؤں کی انگلیوں کے درمیان خلال چھنگلی کے ساتھ کیا جائے جیسا کہ حضرت مستورد بن شداد رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث میں صراحت مذکور ہے، وہ کہتے ہیں کہ میں نے رحمت عالم ﷺ کو وضو بناتے دیکھا آپ ﷺ نے اپنے پاؤں کی انگلیوں کے درمیان خلال چھوٹی انگلی سے کیا۔

۴۰: وَعَنْ عُثْمَانَ رضی اللہ عنہ "أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ كَانَ يُخَلِّلُ لِحْيَتَهُ فِي الْوُضُوءِ" أَخْرَجَهُ التِّرْمِذِيُّ, وَصَحَّحَهُ ابْنُ خُزَيْمَةَ

الترمذی، ابواب الطھارۃ ،باب ماجاء فی تخلیل اللحیۃ : ۳۱، صحیح ابن خزیمۃ ، کتاب الطھارۃ ،باب تخلیل اللحیۃ فی الوضوء عند غسل الوجہ: ۱۵۱ ، ابن ماجۃ : ۴۳۰، الدارقطنی : ۸۶/۱، مستدرک حاکم: ۱۴۹/۱ ، ابن حبان : ۱۰۸۱ ، عبد الرزاق :۱۲۵

۴۰: حضرت عثمان رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رحمت عالم ﷺ وضو کرتے وقت اپنی ڈاڑھی کا خلال فرمایا کرتے تھے۔اس روایت کو امام ترمذی نے بیان کیا ہے اور امام ابن خزیمہ نے صحیح قرار دیا ہے۔

لغوی تحقیق: اللحیۃ: لام کی زیر کے ساتھ، صاحب قاموس فرماتے ہیں کہ رخساروں اور ٹھوڑی کے بالوں کو اللحیۃ یعنی ڈاڑھی کہتے ہیں

تشریح: یہ ٹکڑا ایک طویل حدیث سے ماخوذ ہے جس میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے پہلے وضو کر کے دکھایا پھر انہوں نے فرمایا کہ میں نے رحمت عالم ﷺ کو ایسے ہی وضو کرتے دیکھا ہے۔یہ روایت حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے علاوہ حضرت انس، حضرت علی، حضرت عمار بن یاسر، حضرت ابوایوب انصاری، حضرت ابوامامہ، حضرت عبداللہ بن عمر، حضرت عبداللہ بن عباس، حضرت جابر، حضرت ابودرداء، حضرت عائشہ اور حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہم سے مرفوعاً منقول ہے۔حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث میں یہ بھی صراحت ہے کہ رحمت عالم ﷺ کی ڈاڑھی خوب گھنی تھی اور آپ ﷺ جب وضو کرتے تو پانی کا چلو بھر کر اپنی ٹھوڑی کے نیچے ڈاڑھی میں داخل کر کے خلال کرتے اور فرماتے مجھے میرے رب نے ایسے ہی حکم دیا ہے۔

اس حدیث کو امام ابن خزیمہ، امام ابن حبان اور امام حاکم نے صحیح قرار دیا ہے، امام ذہبی نے ان آئمہ کی تحقیق سے اتفاق کیا ہے۔ امام ترمذیؒ نے اس حدیث کو حسن صحیح کہا ہے، نیز انہوں نے العلل الکبیر : ۱۱۵/۱ ، میں حضرت امام بخاری کے حوالے سے لکھا ہے کہ وہ فرماتے ہیں کہ ڈاڑھی کے خلال کے بارے میں جتنی بھی مرفوع احادیث منقول ہیں ان سب میں زیادہ صحیح میرے نزدیک حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث ہے، حضرت امام ترمذی کہتے ہیں کہ میں نے اپنے استاذ مکرم حضرت امام بخاری سے عرض کیا کہ بعض علما اس

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

روایت پر کلام کرتے ہیں، اس پر امام بخاری نے فرمایا کہ یہ حدیث حسن ہے۔ البتہ امام یحییٰ بن سعید نے اس حدیث کو ضعیف قرار دیا ہے، اسی طرح امام احمد بن حنبل فرماتے ہین کہ ڈاڑھی کے خلال کے بارے میں جتنی بھی مرفوع احادیث منقول ہیں ان میں کوئی بھی حدیث صحیح نہیں۔ ابن ابی حاتم نے اپنے والد گرامی حضرت امام ابوحاتم سے یہی نقل کیا ہے لیکن احادیث کے تمام طرق اس امر کے عکاس ہیں کہ یہ حدیث صحیح لغیرہ ہے۔

فقہی احکام: (۱) امام احمدؒ فرماتے ہیں کہ اگر کسی نے بھول کر خلال نہ کیا تو اس کا وضو درست ہے اور اگر عمداً خلال ترک کر دیا تو اسے دوبارہ وضو کرنا ہوگا۔ امام اسحاق کی بھی یہی رائے ہے۔ (۲) اس حدیث کے جملہ طرق اور درج بالا آئمہ کی آراء سے یہ واضح ہوا کہ خلال کرنا رحمت عالم ﷺ کی سنت ہے۔

۴۱: **وَعَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ زَيْدٍ** رضی اللہ عنہ **" أَنَّ النَّبِيَّ** ﷺ **أُتِيَ بِثُلُثَيْ مُدٍّ ,فَجَعَلَ يَدْلُكُ ذِرَاعَيْهِ " أَخْرَجَهُ أَحْمَدُ ,وَصَحَّحَهُ ابْنُ خُزَيْمَةَ**

مسند احمد: ۳۹/۴، صحیح ابن خزیمة، کتاب الطهارة، باب رخصة فى الوضوء باقل من قدر المد من الماء: ۱۱۸، ابن حبان: ۱۰۸۳، البیهقی: ۱/ ۱۹۶، الحاکم: ۱/ ۱۶۲، ابوداود: ۹۴، ابوعوانة: ۱/ ۲۳۳، النسائی: ۱/ ۱۸۰، مسلم: ۱/ ۶۵۸

۴۱: حضرت عبداللہ بن زید رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ کی خدمت میں دوتہائی مد پانی پیش کیا گیا آپ ﷺ نے اس پانی سے اپنے ہاتھوں کو ملنا شروع کیا۔ اس روایت کو امام احمد نے روایت کیا ہے اور امام ابن خزیمہ نے صحیح قرار دیا ہے۔

لغوی تحقیق: اتی : فعل لازم مجہول ہے، اسے باء تعدیہ کے ساتھ متعدی بنایا گیا ہے۔ **مد:** میم مضموم اور دال کی تشدید کے ساتھ ہے۔ یہ قدیم پیمانوں میں شمار ہوتا ہے اس کی مقدار کے بارے میں فقہا میں باہمی اختلاف پایا جاتا ہے، شوافع اور مالکیوں کے نزدیک مد نصف قدح کے برابر ہے۔ اہل حجاز کے نزدیک مد 1.1/3 رطل کے برابر ہے، جبکہ اہل عراق کے نزدیک دو رطل کے برابر ہے عصر حاضر کی اصطلاح کے مطابق اہل حجاز کا مد یعنی 1.1/3 رطل چھ سو گرام کے برابر بنتا ہے۔

مد کی وجہ تسمیہ

یہ مد یمد مدا سے ماخوذ ہے اس کا معنی پھیلانا ہے۔ ایک درمیانے قد کے انسان کے دونوں پھیلے ہوئے ہاتھوں میں جس قدر پانی آتا ہے اس کو مد کے نام سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ **یدلک** : مل کر دھوتے۔ **ذراع:** انگلیوں سے کہنیوں تک ذراع یعنی ہاتھ کہتے ہیں۔

تشریح: رحمت عالم ﷺ کی خدمت میں دوتہائی مد پانی پیش کیا گیا، ایک روایت میں ہے کہ آپ ﷺ کی خدمت میں ایک برتن پیش کیا گیا جس میں دوتہائی مد کے برابر پانی تھا۔ حضرت ام عمارہ رضی اللہ عنہا سے مروی حدیث میں بھی یہی الفاظ مذکور ہیں۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث میں ہے کہ آپ ﷺ نے دو رطل پانی سے وضو فرمایا۔ امام ابوعوانہ نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے جو روایت نقل کی ہے اس میں ایک مد کا ذکر ہے۔ حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث میں بھی ایک مد کا ذکر ہے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی حدیث میں بھی ایک مد ہی مذکور ہے۔ حضرت جابر اور حضرت علی رضی اللہ عنہما سے مروی حدیث میں بھی مد ہی مذکور ہے۔ لیکن یہ دونوں روایتیں ضعیف ہیں، جبکہ حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ سے مروی روایت میں نصف مد مذکور ہے، یہ روایت بھی قابل اعتبار نہیں کیونکہ اس روایت کی سند میں صلت بن دینار متروک ہے۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

آپ ﷺ نے مختلف مواقع پر مختلف مقدار میں پانی استعمال کیا، یعنی آپ ﷺ نے وضو کے لیے کم از کم تقریباً تین سو گرام اور زیادہ سے زیادہ تقریباً ساڑھے سات سو گرام پانی استعمال کیا، ممکن ہے کہ ان طرق کے ظاہری اختلاف کا سبب تعدد غسل ہو یعنی آپ ﷺ نے وضو کے اعضا کو ایک بار دھونے پر اکتفا کیا تو کم پانی استعمال ہوا اور جب تین بار دھویا تو زیادہ پانی استعمال ہوا۔ اس حدیث کے جملہ طرق سے یہ واضح ہوتا ہے کہ پانی کو بے جا صرف نہ کیا جائے حالانکہ اعضائے وضو کو مکمل طور پر دھونا لازم ہے اور آپ ﷺ نے اس فریضہ کی ادئیگی میں بھی پانی کا استعمال کم کر کے امت کو یہ درس دیا کہ پانی اللہ کی ایک عظیم نعمت ہے، اسے بے جا صرف کرنے سے گریز کیا جائے، اعضا کو مل کر دھویا جائے کیونکہ اعضا کو مل کر دھونے سے پانی کا استعمال بھی کم ہوتا ہے اور کوئی حصہ بھی خشک نہیں رہتا۔

فقہی احکام: (۱) وضو کرتے وقت ضرورت سے زیادہ پانی کا استعمال درست نہیں۔ (۲) مناسب پانی کے ساتھ وضو مکمل کیا جائے۔

۴۲: وَعَنْهُ رضی اللہ عنہ " أَنَّهُ رَأَى النَّبِيَّ ﷺ يَأْخُذُ لِأُذُنَيْهِ مَاءً خِلَافَ الْمَاءِ الَّذِي أَخَذَ لِرَأْسِهِ " أَخْرَجَهُ الْبَيْهَقِيُّ وَهُوَ عِنْدَ "مُسْلِمٍ" مِنْ هٰذَا الْوَجْهِ بِلَفْظٍ " وَمَسَحَ بِرَأْسِهِ بِمَاءٍ غَيْرَ فَضْلِ يَدَيْهِ ,وَهُوَ الْمَحْفُوظُ"

البيهقى، كتاب الطهارة،باب مسح الاذنين بماء جديد: ۳۵۹، مسلم، كتاب الطهارة،باب فى وضوء النبى: ۲۳۶، الحاكم: ۱/ ۱۵۱، ۱۵۲، ابوداود: ۱۲۰، الترمذى: ۳۲، المجموع: ۱/ ۴۱۲، الامام: ۱/ ۵۸۰، ابن حبان: ۳/ ۳۶۶، ۳۶۷، مسنداحمد: ۴/ ۴۱، ابن خزيمة: ۱/ ۸۰، ابوعوانة: ۱/ ۲۴۹، الاحكام الوسطى: ۱/ ۱۷۱

تنبیہ: بلوغ المرام کے وہ مطبوعہ نسخے جو پاک ہند میں شائع ہوئے ہیں ان میں اس روایت کو نقل کرنے کے بعد فقط امام بیہقی کی طرف منسوب کرنے پر اکتفا کیا گیا ہے یعنی امام بیہقی اور امام ترمذی نے اس روایت پر جو صحت کا حکم لگایا وہ بلوغ المرام کے ان نسخوں میں موجود نہیں ہے۔ اسی طرح فتح العلام شرح بلوغ المرام مطبوعه دار ابن حزم بيروت ، سبل السلام مطبوعه دار الفكر بيروت میں بھی موجود نہیں ہے۔ لیکن جمعية احياء التراث الاسلامى كويت نے فضیلۃ الشیخ صفی الرحمٰن مبارکپوریؒ کی تعلیق سے جو بلوغ المرام شائع کی ہے اس میں امام بیہقی کا تبصرہ بھی منقول ہے۔ کہا جاتا ہے کہ: محمد بن احمد بن شفیع اور احمد بن عبدالرحمٰن المجاهد کے مخطوطوں میں یہ اضافہ موجود ہے۔

۴۲: حضرت عبداللہ بن زید رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ انہوں نے نبی اکرم ﷺ کو وضو کرتے ہوئے دیکھا آپ ﷺ نے سر کا مسح کرنے کے بعد کانوں کا مسح کرنے کے لیے اپنے ہاتھوں کو دوبارہ تر کیا۔ اس روایت کو امام بیہقی نے نقل کیا ہے امام مسلم نے یہ حدیث اسی سند سے ان الفاظ سے بیان کی ہے کہ آپ ﷺ نے ہاتھوں کو دھونے کے بعد پھر ہاتھوں کو تر کر کے سر کا مسح کیا اور یہی روایت محفوظ ہے۔

لغوی تحقیق: يأخذ: مضموم العین یعنی خاء کے ضمہ کے ساتھ۔ اذنيه : اذن کا تثنیہ ہے نون اضافت کی وجہ سے ساقط ہے اور (ہ) کا مرجع رحمت عالم ﷺ ہیں۔ الماء: ہائیڈروجن اور آکسیجن کے مرکب کو الماء کہا جاتا ہے خالص پانی بے رنگ بے ذائقہ اور بے بو ہوتا ہے۔

تشریح: حافظ ابن حجرؒ نے جن الفاظ کو بیہقی کی طرف منسوب کیا ہے بعینہ ان الفاظ کے ساتھ یہ حدیث السنن الكبرى میں موجود نہیں ہے البتہ ان سے ملتے جلتے الفاظ کے ساتھ مذکور ہے اور یہی حدیث صحیح مسلم میں بھی اسی سند سے مذکور ہے لیکن صحیح مسلم میں مذکور حدیث کے الفاظ بیہقی میں مذکور الفاظ سے مختلف ہیں صحیح مسلم میں یہ روایت ان الفاظ سے منقول ہے۔ ومسح براسه بماءٍ غير فضل يديه یعنی جو الفاظ امام مسلم نے نقل کیے ہیں یہی محفوظ ہیں حافظ ابن حجرؒ نے وهو المحفوظ کہہ کر امام بیہقی سے مروی الفاظ کے معلول ہونے کا عندیا دیا ہے کیونکہ امام بیہقی نے ان الفاظ سے مروی روایت کو صحیح قرار دیا ہے، امام حاکم نے بھی ان الفاظ کے ساتھ مروی روایت پر صحت کا حکم لگایا ہے جبکہ امام نووی نے المجموع میں اسے حسن قرار دیا ہے۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

معلول ہونے کا سبب

عبدالعزیز اور ھیثم نے اس روایت کے بیان کرنے میں اپنے رفقا کی مخالفت کی ہے، حرملہ کے ماسوا ان کے تمام رفقا نے وہی الفاظ نقل کیے ہیں جو صحیح مسلم کے ہیں جبکہ حرملہ نے یہ روایت دونوں طرح کے الفاظ سے نقل کی ہے، ان کی موافقت میں حرملہ کی جو روایت ہے وہ مستدرک حاکم میں مذکور ہے، جبکہ دیگر رفقاء کی موافقت میں جو روایت ہے وہ علامہ ابن دقیق العید نے **الالـمـام** میں نقل کی ہے اسی طرح ابن حبان اور ترمذی میں حرملہ عن ابن وھب سے مروی جو حدیث ہے اس میں بھی کانوں کے مسح کے لیے نیا پانی لینے کا ذکر نہیں ہے، عبداللہ بن وھب کے دیگر تلامذہ یعنی ہارون بن معروف، ھارون بن سعید، ابوطاہر، عمرو بن السرح، سریج بن نعمان، احمد بن عبدالرحمٰن اور حجاج ابن ابراہیم جب یہ روایت بیان کرتے ہیں تو وہ کانوں کے مسح کے لیے نیا پانی لینے کا ذکر نہیں کرتے البتہ ایک دوسرے طریق میں کانوں کے مسح کے لیے نیا پانی لینے کا ذکر ہے جیسا کہ محدث عبدالحق نے حضرت جاریہ رضی اللہ عنہا سے مروی روایت میں یہ الفاظ نقل کیے ہیں لیکن اس روایت کی سند ضعیف ہے۔

اس حدیث سے یہ واضح ہوا کہ کانوں کا مسح کرنے کے لیے ہاتھوں کو دوبارہ تر کرنا چاہیے لیکن اس روایت کی صحت اور عدم صحت کے بارے میں محدثین کے دو گروہ ہیں جن محدثین نے اس حدیث کو صحیح کہا ہے ان کے نزدیک کانوں کے مسح کے لیے نیا پانی لینا ضروری ہے، امام شافعی اور امام احمد نے اسی کو اختیار کیا ہے اور جن محدثین نے اس روایت کو معلول قرار دیا ہے ان کے نزدیک کان سر میں داخل ہیں لہٰذا کانوں کے مسح کے لیے نیا پانی لینے کی ضرورت نہیں۔ اس روایت کے تمام طرق پر نظر عمیق ڈالنے سے ان طرق کے اختلاف کو ختم کیا جا سکتا ہے، یعنی یہ کہا جائے کہ سر کا مسح کرنے کے بعد اگر ہاتھوں پر تری موجود ہو تو پھر نیا پانی لینے کی ضرورت نہیں اور اگر تری مفقود ہو تو پھر نیا پانی لے لینا چاہیے۔

فقہی احکام: (۱) سر کا مسح کرنے کے بعد اگر ہاتھ تر ہیں تو پھر کانوں کے لیے نیا پانی لینے کی ضرورت نہیں۔

(۲) اگر ہاتھ تر نہیں تو پھر نیا پانی لینا ضروری ہے۔

۴۳: وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضی اللہ عنہ قَالَ سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صلی اللہ علیہ وسلم يَقُولُ "إِنَّ أُمَّتِي يَأْتُونَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ غُرًّا مُحَجَّلِينَ, مِنْ أَثَرِ الْوُضُوءِ, فَمَنِ اسْتَطَاعَ مِنْكُمْ أَنْ يُطِيلَ غُرَّتَهُ فَلْيَفْعَلْ" مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ, وَاللَّفْظُ لِمُسْلِمٍ

مسلم، كتاب الطهارة، باب استحباب اطالة الغرة و التحجيل في الوضوء: ۲۴۶، البخاری، كتاب الوضوء، باب فضل الوضوء و الغر المحجلون من آثار الوضوء: ۱۳۶، النسائی: ۱/ ۹۴، ابن ابی شیبة: ۱/ ۱۶، ابن حبان: ۱۰۴۹، الترغیب: ۱/ ۹۲، السلسلة الضعیفة: ۳/ ۱۰۴، مسنداحمد: ۲/ ۳۶۲، فتح الباری: ۱/ ۲۳۶، علل الحدیث: ۱/ ۶۸

۴۳: حضرت ابوہریرۃ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے سنا کہ " بلا شبہ روز محشر میری امت اس حال میں نمودار ہوگی کہ وضو کے اثرات کی وجہ سے ان کے ہاتھ پاؤں اور چہرے چمک رہے ہونگے اور تم اس چمک دمک میں جس قدر بھی اضافہ کر سکتے ہو ضرور کرو۔" بخاری و مسلم اور مذکورہ الفاظ مسلم کے ہیں۔

لغوی تحقیق: غر: غین مضموم اور راء مشدد منصوب یہ اغر کی جمع ہے۔ **المحجلین:** یہ تحجیل سے ماخوذ ہے علامہ ابن اثیر فرماتے ہیں کہ وہ سفید چمک دمک ہے جو وضو کے آثار کی وجہ سے ہاتھ اور پاؤں پر ظاہر ہوگی، یہ الفاظ دراصل پاؤں اور پیشانی پر چمکنے والی سفیدی کے لیے ہیں، قیامت کے دن چونکہ آثار وضو کی وجہ سے امت مرحومہ کے ہاتھ پاؤں اور چہرے سفید چمک سے مزین ہونگے اس لیے یہی

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

الفاظ بطور استعارہ ان کے لیے استعمال کردیئے گئے ہیں۔ الـوضـوء :اکثر علما کے نزدیک واؤ مفتوح ہے یعنی وہ پانی جو وضو کے لیے استعمال ہوتا ہے اور بعض نے واؤ کو مضموم بھی پڑھا ہے اس صورت میں عمل وضو ہوگا۔

تشریح: حافظ ابن حجر نے وہ الفاظ نقل کیے ہیں جو نعیم بن عبداللہ سے سعید بن ابی ہلال نقل کرتے ہیں اس طریق میں ان یـطـیـل غرته پر اکتفا کیا گیا ہے اس کا سبب یہ کہ غرة اور تحجیل دونوں لازم وملزوم ہیں اس وجہ سے ایک کی موجودگی دوسرے کی موجودگی پر دلالت کرتی ہے۔غرة اور تحجیل دونوں میں مقدم الذکر مؤنث ہے اور مؤخر الذکر مذکر ہے مذکورہ حدیث میں مؤنث کے ذکر کو مذکر کے ذکر پر ترجیح دی گئی جس کا سبب یہ ہے کہ غرة لفظ اگرچہ مؤنث ہے مگر اس کی دلالت چونکہ چہرے پر ہے جبکہ چہرے کو پاؤں پر شرف حاصل ہے اس لیے وہ لفظ ذکر کردیا گیا ہے جو چہرے پر دلالت کرتا ہے۔صحیح مسلم ہی میں یہ روایت نعیم بن عبداللہ سے جب عمارہ بن غزیہ نقل کرتے ہیں تو وہ غرة کے ساتھ تحجیل کے الفاظ بھی نقل کرتے ہیں،صحیح مسلم ہی میں یہ روایت عن ابی حازم عن ابی ہریرہ کے طریق سے بھی مروی ہے لیکن اس طریق میں فـمـن اسـتـطـاع .... فليفعل کے الفاظ مذکور نہیں۔اسی طرح صحیح بخاری میں جو روایت ابوزرعہ کے طریق سے منقول ہے اس میں بھی مذکورہ الفاظ نہیں۔

یہی روایت مصنف ابن ابی شیبہ میں بھی دو طرق سے منقول ہے اور دونوں میں مذکورہ الفاظ نہیں۔حافظ ابن حجرؒ فرماتے ہیں کہ یہ حدیث دس صحابہ سے منقول ہے مگر کسی صحابی نے بھی یہ الفاظ آپ ﷺ سے نقل نہیں،نیز حضرت ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہ سے یہ روایت ان کے جب دیگر تلامذہ نقل کرتے ہیں تو وہ مذکورہ الفاظ نقل نہیں کرتے،صرف ان سے یہ الفاظ نعیم بن عبداللہ ہی نقل کرتے ہیں،حافظ ابن حجرؒ کا اشارہ اگر ثقہ رواۃ کی طرف ہے،تو پھر ان کا مذکورہ دعوی درست ہے،بصورت دیگر درست نہیں کیونکہ حضرت ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہ سے یہ روایت دو اور ایسے طرق سے منقول ہے،جن میں نعیم بن عبداللہ نہیں ہے،مگر ان میں بھی یہ الفاظ مذکور ہیں جیسا کہ مسند احمد میں ہے۔

ان دونوں طرق کا مدار لیث بن ابی سلیم پر ہے اور وہ ضعیف ہے،امام ابو حاتم رازی نے بھی اس طریق کے ضعیف ہونے کا اشارہ دیا ہے۔نیز نعیم بن عبداللہ سے مسند احمد میں جو روایت منقول ہے اس میں وہ کہتے ہیں کہ میں بالجزم یہ نہیں کہہ سکتا کہ یہ الفاظ آپ ﷺ کے ہیں یا حضرت ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہ کے ہیں۔ان تمام بیانات سے یہ واضح ہوا کہ یہ الفاظ مدرج ہیں علامہ ناصر الدین البانی نے بھی السلسلہ الضعیفه میں یہی موقف اختیار کیا ہے۔

فقہی احکام: وضو کے اعضاء کو حد فرض سے زائد دھونا باعث فضیلت ہے مثلاً ہاتھوں کو کندھوں تک اور پاؤں کو گھٹنوں تک جیسا کہ اس حدیث کے راوی حضرت ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہ کیا کرتے تھے اور حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے بھی ایسا کرنا منقول ہے۔

۴۴: وَعَنْ عَائِشَةَ رضی اللہ عنہا قَالَتْ " كَانَ النَّبِيُّ ﷺ يُعْجِبُهُ التَّيَمُّنُ فِي تَنَعُّلِهِ, وَتَرَجُّلِهِ, وَطُهُورِهِ, وَفِي شَأْنِهِ كُلِّهِ" مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ

البخاری، کتاب الوضوء،باب التیمن فی الوضوء والغسل:۱۶۸، مسلم، کتاب الطهارة،باب التیمن فی الطهور وغیره:۲۶۸، ابوداود:۴۱۴۰، النسائی:۱/۷۸، الترمذی:۶۰۸، ابن ماجة:۴۰۱، ابن حبان:۳/۳۷۱، ابن خزیمة:۱/۹۱

۴۴: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رحمت عالم ﷺ جوتا پہننے،بالوں کو کنگھی کرنے،وضو کرنے اور دیگر تمام اہم کام کرتے وقت دائیں جانب سے آغاز کرنے کو پسند فرماتے تھے۔بخاری و مسلم۔

لغوی تحقیق: التیمن :یہ لفظ الف کے بغیر التیمن اور الف کے ساتھ التیامن ہر دو صورتوں میں استعمال ہوتا ہے۔ التیمن و التیامن: دائیں جانب سے آغاز کرنا۔ تنعله: جوتا پہننا۔ ترجله :بالوں کو کنگھی کرنا۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

تشریح: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے اس روایت میں رحمت عالم ﷺ کے پہلے تین (بالوں کو کنگھی کرنا، جوتا پہننا، وضو کرنا) خاص امور کا ذکر کے بعد فی شان کلہ کہہ کر اشارہ فرمایا کہ آپ ﷺ تمام اہم امور کو سرانجام دیتے وقت دائیں جانب سے آغاز فرماتے تھے نیز فی شانہ کہہ کر جناب کے ان امور کو خارج کر دیا جن کا آغاز آپ ﷺ بائیں جانب سے فرماتے تھے مثلاً بیت الخلاء کو جاتے وقت اور مسجد سے باہر نکلتے وقت وغیرہ۔

امام نووی ؒ فرماتے ہیں کہ شریعت مطہرہ کا یہ دائمی اصول ہے کہ وہ تمام امور جو باعث کرامت اور باعث تزئین ہیں ان کا آغاز دائیں طرف سے کیا جائے اور جو ان کے متضاد ہیں ان کا آغاز بائیں طرف سے کیا جائے۔ حافظ ابن حجر ؒ نے جو الفاظ نقل کیے ہیں یہ صحیح بخاری کے ہیں، صحیح مسلم کے الفاظ اس طرح ہیں۔" کان رسول اللہ ﷺ یحب التیمن فی شانہ کلہ فی تنعلہ و ترجلہ و طھورہ۔ صحیح مسلم ہی میں یہ روایت ان الفاظ سے بھی ہے " کان رسول اللہ ﷺ لیحب التیمن فی طھورہ اذا تطھر وفی ترجلہ اذا ترجل وفی انتعالہ اذا انتعل " حافظ ابن حبان نے ان الفاظ سے نقل کی ہے۔ کان یحب التیامن ما استطاع فی طھورہ وتنعلہ و ترجلہ امام شعبہ ؒ فرماتے ہیں کہ یہ روایت میں نے الاشعث سے جب واسط میں سنی تو اس وقت انہوں نے ما استطاع کے الفاظ نقل نہیں کیے لیکن جب انہوں نے یہ روایت کوفہ میں بیان کی تو اس وقت انہوں نے یہ الفاظ بیان کیے، امام ابوداود نے مسلم بن ابراہیم کے توسط سے جو روایت نقل کی ہے اس میں (سواکہ) بھی مذکور ہے یعنی آپ ﷺ مسواک کرتے وقت بھی دائیں طرف سے آغاز فرماتے تھے۔

فقہی احکام: (۱) وہ تمام کام جو تکریم وتزیین سے تعلق رکھتے ہیں ان کا آغاز دائیں جانب سے کرنا مستحب ہے مثلاً بالوں کو کنگھی کرنا، غسل کرنا، بال منڈوانا یا کتروانا، اعضا وضو کو دھونا اور کھانا پینا وغیرہ (۲) خیر کے کاموں کا آغاز بھی دائیں طرف سے کرنا مسنون ہے مثلاً مصافحہ کرنا مسجد میں داخل ہونا وغیرہ۔ (۳) مقام نفرت سے نکلتے وقت بھی دائیں طرف سے آغاز کرنا مسنون ہے مثلاً بیت الخلاء سے باہر آنا وغیرہ۔

۴۵: وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضی اللہ عنہ قَالَ، قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ "إِذَا تَوَضَّأْتُمْ فابدأوا بِمَيَامِنِكُمْ "أَخْرَجَهُ الْأَرْبَعَةُ, وَصَحَّحَهُ ابْنُ خُزَيْمَةَ

ابوداود، کتاب اللباس، باب فی الانتعال: ۴۱۴۱، الترمذی، ابواب اللباس، باب ما جاء فی القمیص: ۱۷۶۶، ابن ماجة، ابواب الطھارة، باب التیمن فی الوضوء: ۴۰۲، النسائی (السنن الکبری) : ۹۶۶۹، ابن خزیمة، کتاب الوضوء، باب الامر بالتیمن فی الوضوء :۱۷۸، الدارقطنی: ۱/۸۷۔ ۸۹، احمد: ۲/ ۳۵۴، ابن ابی شیبة: ۴۱۵/۸، تلخیص: ۱/ ۱۰۰، میزان الاعتدال :۱۴۲/۳، ۱۵۷/۴، ابن حبان: ۱۰۹۰

تنبیہ: حافظ ابن حجر ؒ نے تلخیص میں یہ روایت دارقطنی کے حوالے سے ان الفاظ سے نقل کی ہے ما ابالی بیمینی بدأت ام بشمالی اذا اکملت الوضوء لیکن دارقطنی نے یہ روایت ان الفاظ سے نقل نہیں کی بلکہ ان الفاظ سے نقل کی ہے جو ہم نے نقل کیے ہیں۔

۴۵: حضرت ابوہریرۃ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا " جب تم وضو کرو تو اپنے دائیں طرف سے آغاز کیا کرو۔" اسے ابوداود، ترمذی، نسائی اور ابن ماجہ نے روایت کیا ہے اور ابن خزیمہ نے اس حدیث کو صحیح قرار دیا ہے۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

تشریح: امام ابوداود، امام ابن خزیمہ، امام بیہقی اور ابن حبان اس حدیث کے آغاز میں اذا لبستم بھی نقل کرتے ہیں یعنی آپ ﷺ نے فرمایا۔ "جب تم لباس زیب تن کرو یا تم وضو کرو تو دائیں طرف سے آغاز کرو۔"

اسی مفہوم کی حدیث حضرت عائشہ، حضرت ابو ہریرۃ، حضرت انس، حضرت ام عطیہ اور حضرت حفصہ رضی اللہ عنہم سے بھی مروی ہے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی حدیث ابوداود میں، حضرت ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث صحیحین میں، حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث مسلم میں، حضرت ام عطیہ رضی اللہ عنہا سے مروی حدیث صحیحین میں اور حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا سے مروی حدیث ابوداود میں مذکور ہے۔

آپ ﷺ کا دائمی معمول یہ تھا کہ آپ ﷺ اعضائے وضو کے دائیں اطراف کو پہلے دھویا کرتے تھے، صحابہ رضی اللہ عنہم کو بھی آپ ﷺ نے یہی تعلیم فرمائی تھی، آپ ﷺ کے قول عمل سے یہی عیاں ہوتا ہے کہ ایسا کرنا واجب ہے، احناف کے نزدیک نہ تو وضو میں ترتیب واجب ہے اور نہ دائیں اطراف کو پہلے دھونا واجب ہے ان کا کہنا ہے کہ آیت وضو میں واؤ ترتیب کے لیے نہیں بلکہ جمع کے لیے ہے نیز وہ اس سلسلہ میں حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی اثر بھی نقل کرتے ہیں، جس کے الفاظ اس طرح ہیں **ما ابالی اذا اتممت وضوئی بای اعضائی بدأت** یعنی میں دائیں بائیں کا لحاظ رکھے بغیر وضو مکمل کر لیتا ہوں یہ روایت امام دارقطنی نے متعدد طرق سے نقل کی ہے۔ امام دارقطنی نے اگرچہ سنن میں اس اثر کی سند پر کوئی کلام نہیں کیا لیکن یہ حقیقت ہے کہ اس اثر کے تمام طرق ضعیف ہیں، اس اثر کے ایک طریق میں زیاد مولی بنی مخزوم ہے اس پر امام یحییٰ بن معین نے کلام کیا ہے جبکہ دوسرے طریق میں عبداللہ بن عمرو بن ھند ہے اسے امام دارقطنی نے **لیس بالقوی** قرار دیا ہے اگر یہ اثر صحیح بھی ثابت ہو جائے تب بھی آپ ﷺ کے قول و عمل کے مقابلے میں حجت نہیں ہوگا۔

فقہی احکام: (۱) جفت اعضا دھونے کا آغاز دائیں عضو سے کیا جائے۔ (۲) وضو ترتیب سے کیا جائے۔

۴۶: **وَعَنِ الْمُغِيرَةِ بْنِ شُعْبَةَ رضی اللہ عنہ "أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ تَوَضَّأَ, فَمَسَحَ بِنَاصِيَتِهِ, وَعَلَى الْعِمَامَةِ وَالْخُفَّيْنِ" أَخْرَجَهُ مُسْلِمٌ**

مسلم، کتاب الطهارة، باب المسح على الناصية والعمامة: ۲۷۴، ابو داود: ۱۵۰، الترمذی: ۱۰۰، ۱۰۱، ابن ماجة: ۵۴۵، ابن خزيمة: ۱/۹۲، احمد: ۵/۲۷۷، بخاری: ۲۰۵، النسائی: ۱/۷۶، التنقيح: ۱/۳۹۱، الحاكم: ۱/۱۶۹، سبل السلام: ۱/۵۰، الدارقطنی: ۱/۱۹۲

تنبیہ: صاحب فتح العلام کو شاید تسامح ہوا ہے کیونکہ ہمارے پاس جو سبل السلام کا نسخہ ہے اس میں امیر صنعانی نے امام دارقطنی کا یہ قول حافظ ابن حجر کے حوالے سے نقل نہیں کیا بلکہ براہ راست امام دارقطنی کے حوالے سے نقل کیا ہے۔ حافظ ابن حجر نے مسلم کے حوالے سے وعلى العمامة والخفين کے الفاظ نقل کیے ہیں جبکہ راقم کے پاس صحیح مسلم کا جو نسخہ ہے اس میں وعلى العمامة وعلى الخفين ہے۔ (واللہ اعلم بالصواب)

۴۶: حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رحمت عالم ﷺ نے وضو فرمایا تو اپنی پیشانی کے بالوں، پگڑی اور موزوں پر مسح فرمایا۔ اسے امام مسلم نے روایت کیا ہے

لغوی تحقیق: **مغيرة:** میم کی پیش اور غین کی زیر کے ساتھ۔ **شعبة:** شین کی پیش کے ساتھ۔ **الناصية:** صاحب قاموس فرماتے ہیں کہ ناصیۃ اور ناصاۃ پیشانی کے اس حصہ کو کہتے ہیں جہاں سے بال کاٹے جاتے ہیں **المعجم الوسيط** میں ہے کہ ناصیۃ سر کے اگلے حصہ کو کہتے ہیں۔ **العمامة:** اس کپڑے کو کہتے ہیں جو سر پر مخصوص انداز میں باندھا جاتا ہے۔ **خفين:** یہ خف کا تثنیہ ہے۔ چمڑے سے تیار شدہ وہ جوتا جو پاؤں سمیت ٹخنوں کو ڈھانپ لے۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

تشریح : امام مسلم نے یہ حدیث ایک دوسرے طریق سے نقل کی ہے جس کی سند اس سند سے عالی ہے کیونکہ اس میں بکر بن عبداللہ براہ راست عروۃ بن مغیرہ سے نقل کرتے ہیں، اس میں **ناصیة** کی جگہ مقدم **راسه** کے الفاظ مذکور ہیں۔ حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ کے علاوہ یہ روایت حضرت بلال، حضرت عمرو بن امیہ، حضرت انس، حضرت ثوبان اور حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہم سے بھی مروی ہے حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ ﷺ سے قولی اور فعلی دونوں طرح کی روایات نقل کی ہیں، فعلی حدیث کو امام مسلم، امام ترمذی، امام ابن خزیمہ، امام ابن ماجہ اور امام احمد نے درج ذیل الفاظ سے نقل کیا ہے **ان رسول الله ﷺ مسح على الخفين والخمار** آپ ﷺ نے موزوں اور عمامہ پر مسح فرمایا، قولی حدیث کو امام احمد نے حضرت بلال رضی اللہ عنہ سے ان الفاظ سے نقل کی ہے **امسحوا على الخفين و الخمار** یہ روایت سنداً ضعیف ہے کیونکہ مکحول کا نعیم سے سماع ثابت نہیں۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث کو امام ابوداود اور امام ابن ماجہ نے ان الفاظ سے روایت کیا ہے۔ **فادخل يده من تحت العمامة** یعنی آپ نے پگڑی کے نیچے ہاتھ ڈال کر سر کا مسح فرمایا یہ روایت بھی ابومعقل کے مجہول ہونے کی وجہ سے ضعیف ہے۔ حضرت عمرو بن امیہ رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث کو امام بخاری، امام ابن خزیمہ اور امام ابن ماجہ نے روایت کیا ہے۔ حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث کو امام احمد اور امام ابن ماجہ نے ضعیف سند سے روایت کیا ہے۔ حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث کو امام احمد، امام ابوداود اور امام حاکم نے نقل کیا ہے۔

اس حدیث سے یہ ثابت ہوا کہ فقط پیشانی پر مسح کرنا درست نہیں علامہ ابن قیم فرماتے ہیں کہ رحمت عالم ﷺ سے ایک حدیث بھی ثابت نہیں جس میں یہ مذکور ہو کہ رحمت عالم ﷺ نے فقط پیشانی پر مسح فرمایا۔ ہاں رحمت عالم ﷺ کے سر مبارک پر عمامہ ہوتا تو آپ پیشانی پر مسح کرنے کے ساتھ ساتھ عمامہ پر بھی مسح فرما لیتے اور جب آپ ننگے سر ہوتے تو پورے سر کا مسح فرماتے اور جب عمامہ پہنے ہوتے تو کبھی فقط عمامہ پر مسح فرما لیتے اور کبھی پیشانی اور عمامہ دونوں پو مسح فرما لیتے۔ جمہور کے نزدیک بھی فقط پیشانی پر مسح کرنا درست نہیں البتہ امام ابوحنیفہ اور امام زید بن علیؒ کے نزدیک فقط پیشانی کا مسح کافی ہے، ان کا یہ قول صحیح حدیث کے خلاف ہے۔ اس حدیث سے موزوں پر مسح کرنے کا ثبوت بھی ملتا ہے۔

امیر صنعانیؒ نے **سبل السلام شرح بلوغ المرام** میں لکھا کہ امام دارقطنی فرماتے ہیں کہ انہوں نے موزوں پر مسح کی حدیث ساٹھ افراد سے نقل کی ہے۔ صاحب فتح العلام نواب صدیق الحسن بھوپالیؒ فرماتے ہیں کہ امیر صنعانی نے امام دارقطنی کا یہ قول حافظ ابن حجر کے حوالے سے نقل کیا ہے لیکن راقم کو یہ قول نہ تو **تلخیص** سے ملا ہے اور نہ **دار قطنی** سے۔

فقہی احکام: (۱) فقط پیشانی کا مسح کرنا کافی نہیں۔

(۲) عمامہ اور موزوں (جرابوں) پر مسح کیا جا سکتا ہے، بشرطیکہ وہ حالت وضو میں پہنے ہوں۔

۴۷: وَعَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ رضی اللہ عنہما فِي صِفَةِ حَجِّ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ "اِبْدَؤُوا بِمَا بَدَأَ اللّٰهُ بِهِ" أَخْرَجَهُ النَّسَائِيُّ, هٰكَذَا بِلَفْظِ الْأَمْرِ وَهُوَ عِنْدَ مُسْلِمٍ بِلَفْظِ الْخَبَرِ

مسلم، كتاب الحج، باب حجة النبى ﷺ: ۱۲۱۸، النسائى، كتاب مناسك الحج، باب ذكر الصفا والمروة: ۲۹۷۲، ابوداود: ۱۹۰۵، الترمذى: ۸۶۴، ابن ماجة: ۳۰۷۴، المؤطا: ۳۷۲/۱، المستخرج: ۳۱۶/۳

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

۴۷: حضرت جابر رضی اللہ عنہ رحمت عالم ﷺ کے حج مبارکہ کی تفصیل بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ رحمت عالم ﷺ نے فرمایا: "وہاں سے آغاز کرو جس کا تذکرہ اللہ تعالیٰ نے پہلے فرمایا ہے۔" اس حدیث کو امام نسائی نے لفظ امر یعنی جملہ انشائیہ سے نقل کیا ہے جبکہ امام مسلم نے جملہ خبریہ سے نقل کیا ہے۔

تشریح: فی صفة حج النبی ﷺ یہ اس طویل حدیث مبارکہ کی طرف اشارہ ہے جو تفصیلا کتاب الحج میں مذکور ہوگی۔

ابداء وابما بدألله به: جس کا ذکر اللہ تعالیٰ نے اولا فرمایا تم اسی سے آغاز کرو۔ امام نسائیؒ نے اس حدیث کو (السنن الكبرى ۲۹۴۷) صیغہ امر سے نقل کیا ہے جبکہ امام مسلمؒ نے فعل امر کی جگہ پر فعل مضارع یعنی ابدأ نقل کیا ہے۔ امام ابونعیم نے بھی ابدأ ہی ذکر کیا ہے امام نسائی (السنن المجتبیٰ) امام ابوداود اور امام ابن ماجہ نے لفظ نبدأ ذکر کیا ہے۔

اس حدیث کا بظاہر تعلق تو صفا ومروی کی سعی ہے صفا مروی کی سعی سے متعلق جو آیت ہے، اس میں صفا کا پہلے ذکر ہے رحمت عالم ﷺ نے فرمایا" چونکہ اللہ تعالیٰ نے صفا کا ذکر پہلے کیا ہے لہٰذا تم بھی سعی کا آغاز صفا سے کرو۔" مصنف علیہ الرحمۃ نے رحمت عالم ﷺ کے اس فرمان کو کتاب الطهارت میں نقل کر کے یہ واضح فرمایا کہ جس طرح آیت سعی میں صفا کا ذکر پہلے ہے، اسی طرح آیت وضو میں چہروں کا ذکر مقدم ہے جس طرح آپ ﷺ نے آیت سعی کا لحاظ رکھتے ہوئے ترتیب کو ملحوظ رکھنے کا حکم دیا اسی طرح آیت وضو کا خیال رکھتے ہوئے وضو میں بھی ترتیب کو نظر انداز نہیں کرنا چاہیے کیونکہ آپ ﷺ کا فرمان عالی شان ہے ابدأوا بما بدأالله به عام ہے کسی سبب کے ساتھ مخصوص نہیں۔

احناف کے نزدیک اعضائے وضو میں ترتیب واجب نہیں، ان کے نزدیک آیت کا اسلوب بظاہر جمع کو ظاہر کرتا ہے، ترتیب کو نہیں اس کا جواب یہ ہے کہ آیت کا اسلوب اگر چہ بظاہر جمع کو ظاہر کرتا ہے لیکن رحمت عالم ﷺ کا فرمان ابدأوا بما بدأالله به ترتیب کو لازم قرار دیتا ہے، احناف اپنے مؤقف کی تائید میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کا اثر نقل کرتے ہیں، حضرت علی رضی اللہ عنہ کے اثر کے ضعیف ہونے کے دلائل ذکر کیے گئے ہیں نیز وہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی مرفوع حدیث بھی ذکر کرتے ہیں۔ یہ روایت بھی صحیح طریق سے مروی نہیں اس لیے اس روایت سے استدلال بھی درست نہیں جبکہ حضرت ابوہریرۃ اور حضرت جابر رضی اللہ عنہما سے صراحتاً ثابت ہو رہا ہے کہ وضو میں ترتیب کو ملحوظ خاطر رکھا جائے۔

فقہی احکام: (۱) جو عمل رسول اللہ ﷺ نے جہاں سے شروع کیا وہ عمل وہیں سے شروع کیا جائے۔

(۲) حدیث میں جو طریقہ وضو منقول ہے، وضو اسی طریقہ سے کرنا لازم ہے۔

۴۸: وَعَنْهُ رضی اللہ عنہ قَالَ " كَانَ النَّبِيُّ ﷺ إِذَا تَوَضَّأَ أَدَارَ الْمَاءَ عَلَى مِرْفَقَيْهِ" أَخْرَجَهُ الدَّارَقُطْنِيُّ بِإِسْنَادٍ ضَعِيفٍ

الدارقطني، كتاب الطهارة، باب وضوء رسول الله ﷺ: ۸۳/۱، البيهقي: ۶/۱،۷

تنبیہ: نواب نورالحسنؒ فرماتے ہیں کہ حافظ ابن حجرؒ اس مقام پر حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ضعیف حدیث نقل کرنے کی بجائے حضرت ابوہریرۃ رضی اللہ عنہ سے مروی صحیح حدیث نقل کرتے تو زیادہ اچھا ہوتا

۴۸: حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رحمت عالم ﷺ جب وضو فرماتے تو اپنی کہنیوں پر اچھی طرح پانی ڈالتے اس روایت کو امام دار قطنی نے ضعیف سند سے نقل کیا ہے۔

لغوی تحقیق: مرفقیه: میم کی زیر کے ساتھ ہے یہ مرفق کا تثنیہ ہے۔ نون تثنیہ اضافت کی وجہ سے ساقط ہے۔ ادار: یعنی بہایا

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

تشریح: اس روایت کو اگرچہ امام بیہقی نے بھی روایت کیا ہے مگر انہوں نے بھی اسی طریق سے نقل کیا ہے۔ اس روایت کا مرکزی راوی قاسم بن محمد بن عبداللہ بن محمد بن عقیل ہے یہ تمام نامور محدثین کے نزدیک ضعیف ہے۔ وضو کرتے وقت کہنیوں کو اچھی طرح تر کرنا لازم ہے کیونکہ کہنیاں بھی اعضائے وضو میں شامل ہیں یہ روایت اگرچہ سنداً ضعیف ہے لیکن مفہوماً صحیح ہے کیونکہ حضرت ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہ سے مروی صحیح حدیث میں مذکور ہے **ثم غسل يده اليمنى حتى اشرع فى العضد ثم يده اليسرى حتى اشرع فى العضد** یعنی انہوں نے دائیاں اور بائیاں ہاتھ دھوتے وقت بازوں کا ایک حصہ بھی دھویا۔

فقہی احکام: کہنیوں کا اچھی طرح تر کیا جائے۔

۴۹: **وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضی اللہ عنہ قَالَ، قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم "لَا وُضُوءَ لِمَنْ لَمْ يَذْكُرِ اسْمَ اللّٰهِ عَلَيْهِ" أَخْرَجَهُ أَحْمَدُ, وَأَبُو دَاوُدَ, وَابْنُ مَاجَهْ, بِإِسْنَادٍ ضَعِيفٍ**

ابوداود، كتاب الطهارة، باب التسمية على الوضوء: ۱۰۱، ابن ماجة، ابواب الطهارة، باب ماجاء فى تسمية الوضوء، احمد: ۴۱۸/۲ (۹۴۱۸)، الدارقطنی: ۷۹/۱، الحاكم: ۱۴۶/۱، التلخيص الحبير: ۷۴/۱، البيهقی: ۴۳/۱، الطبرانی فی الصغير: ۷۳/۱، التاريخ الكبير: ۷۶/۲، العلل الكبير: ۱۲۲/۱، نتائج الافكار: ۲۲۶/۱، سبل السلام: ۵۲/۱

۴۹: حضرت ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا" جس نے وضو کے آغاز میں بسم اللہ نہیں پڑھی اس کا وضو نہیں۔" اس روایت کو امام احمد، امام ابوداود اور امام ابن ماجہ نے ضعیف سند سے روایت کیا ہے۔

تشریح: مذکورہ مؤلفین نے اس روایت کو مکمل طور پر بیان کیا ہے جبکہ مصنف رحمہ اللہ علیہ نے ان کی بیان کردہ حدیث کا آخری ٹکڑا **لا وضوء لمن لم يذكر الله** نقل کیا ہے، اس میں لا نفی کمال نہیں بلکہ نفی جنس کے لیے ہے، اس کی تقدیر اس طرح ہوگی **لا وضوء صحيح لمن لم يقل بسم الله** یعنی اس کا وضو صحیح نہیں جو وضو کے آغاز میں بسم اللہ نہیں پڑھتا۔ اس حدیث کو امام احمد، امام ابوداود، امام ابن ماجہ، امام دارقطنی اور امام بیہقی نے یعقوب بن سلمہ عن ابیہ عن ابی ہریرۃ کے طریق سے نقل کیا ہے۔ امام بخاریؒ فرماتے ہیں کہ یعقوب کا اپنے والد سے سماع معروف نہیں اور نہ سلمہ کا حضرت ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہ سے سماع ثابت ہے، بنا بریں فاضل مصنف رحمہ اللہ علیہ نے اس روایت کو ضعیف قرار دیا ہے۔ امام حاکم نے یعقوب بن سلمہ کی بجائے یعقوب بن ابی سلمہ نقل کیا ہے لیکن یہ امام حاکم کا وہم ہے واضح رہے کہ یعقوب بن ابی سلمہ الماجشون مسلم کا راوی ہے۔

یہ روایت حضرت ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہ سے متعدد طرق سے منقول ہے ان میں سے ایک طریق وہ ہے جسے امام دارقطنی اور امام بیہقی نے مرداس بن محمد کے توسط سے نقل کیا ہے، مرداس کو اگرچہ ابن حبان نے **كتاب الثقات** میں ذکر کیا ہے لیکن محدثین کی ایک جماعت نے اسے ضعیف قرار دیا ہے۔

امام ذہبی فرماتے ہیں **وخبره منكر فى التسمية فى الوضوء** امام دارقطنی اور امام بیہقی نے اسی مفہوم کی روایت محمود بن محمد ابو یزید الظفری کے طریق سے نقل کی ہے، یہ سند بھی ضعیف ہے کیونکہ مذکورہ راوی کو امام دارقطنی نے **ليس بالقوى** کہا ہے نیز محمود بن محمد کے شیخ ایوب بن نجار کا کہنا کہ میں نے اپنے شیخ یحییٰ بن ابی کثیر سے فقط ایک ہی روایت سنی ہے جس میں حضرت آدم علیہ السلام اور حضرت موسی علیہ السلام کا مکالمہ مذکور ہے، گویا ایوب بن نجار نے بھی اس روایت کا انکار کیا ہے، امام طبرانی نے اپنی سند سے حضرت ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہ سے یہ

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

روایت ان الفاظ سے نقل کی ہے یا ابا هريرة اذا توضأت فقل بسم الله و الحمد لله فان حفظتك لا تبرح تكتب لك الحسنات حتى تحدث من ذلك الوضوء : اے ابوہریرۃ رضی اللہ عنہ آپ وضو کرتے وقت بسم اللہ اور الحمد للہ پڑھا کریں، اس طرح تو ہمیشہ محفوظ رہے گا اور تیرے لیے اس وقت تک نیکیاں لکھی جاتی رہیں گی جب تک تو بے وضو نہیں ہوگا۔ امیر صنعانی رحمہ اللہ نے اس روایت کی سند کو واہی قرار دیا ہے۔ علامہ ہیثمی نے حسن قرار دیا ہے۔ صحیح بات یہ ہے کہ اس روایت کی سند نہ تو واہی ہے اور نہ حسن ہے بلکہ ضعیف ہے، کیونکہ اکثر آئمہ فن نے ابراہیم بن محمد پر مفسر جرح کی ہے جبکہ بعض نے اس کی توثیق بھی کی ہے۔ یہ روایت حضرت ابوہریرۃ رضی اللہ عنہ کے علاوہ بعض دیگر صحابہ سے بھی مروی ہے۔

۵۱۔۵۰: وَلِلتِّرْمِذِيِّ: عَنْ سَعِيدِ بْنِ زَيْدٍ وَأَبِي سَعِيدٍ نَحْوُهُ وَقَالَ أَحْمَدُ لَا يَثْبُتُ فِيهِ شَيْءٌ .

الترمذی، ابواب الطهارة، باب فی تسمية الوضوء: ۲۵، ابن ماجة: ۳۹۷، العلل الكبير: ۳۳، البيهقی: ۱/ ۴۳، الحاكم: ۱/ ۱۴۷، احمد: ۶/ ۳۸۲، بيان الوهم والايهام: ۳/ ۳۱۴، ابن خزيمة: ۱/ ۷۴، ابن حبان: ۶۵۴۴

۵۱۔۵۰: اسی طرح کی ایک روایت امام ترمذی نے حضرت سعید بن زید رضی اللہ عنہ اور حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے نقل کی ہے۔ امام احمد فرماتے ہیں کہ اس سلسلہ کی کوئی بھی حدیث سنداً صحیح نہیں ہے۔

تشریح: حضرت سعید بن زید سے مروی روایت اگرچہ بہت سے طرق سے مروی ہے، مگر اس کا مرکزی راوی ابوثقال تمامہ بن وائل مجہول ہے۔ امام بخاری فرماتے ہیں کہ اس کی حدیث میں نظر ہے، امام ابن قطان فرماتے ہیں اس روایت کی سند میں تین راوی مجہول ہیں، یعنی رباح کی دادی اور سعید بن زید کی بیٹی رباح اور ابوثقال۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث کے الفاظ اس طرح ہیں۔ طلب بعض اصحاب النبي ﷺ وضوأ فلم يجدوا فقال هل مع احدمنكم ماءٌ فوضع يده في الماء فقال توضؤوا بسم الله واصله في الصحيحين بدون هذه اللفظة ۔ رحمت عالم ﷺ کے جانثاروں نے وضو کے لیے پانی تلاش کرنا شروع کیا لیکن وہ تلاش نہ کر پائے تو آپ ﷺ نے فرمایا" تم میں سے کسی ایک کے پاس پانی ہے ؟" آپ ﷺ نے اس پانی میں اپنا دست مبارک رکھا اور فرمایا" بسم اللہ پڑھ کر وضو کرو" یہ روایت ہر قسم کے غبار سے پاک ہے۔ لیکن اس سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ آپ ﷺ نے صحابہ کو وضو کے آغاز میں بسم اللہ پڑھنے کا حکم دیا تھا۔ نیز مؤلف رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس کی اصل بخاری و مسلم میں ہے مگر اس میں تسمیہ پڑھنے کا ذکر نہیں ہے۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے اس سلسلہ میں ایک اور روایت دوسرے طریق سے بھی مروی ہے جس میں تسمیہ کو وضو کے لیے شرط قرار دیا گیا ہے، لیکن وہ روایت بھی سنداً ضعیف ہے۔ حافظ ابن حجر اس روایت کو نقل کرنے کے بعد اس روایت کے راوی عبدالملک کے بارے میں فرماتے ہیں کہ وہ سخت ضعیف ہے۔

فقہی احکام: وضو کے آغاز میں بسم اللہ پڑھنا مسنون ہے۔

۵۲: وَعَنْ طَلْحَةَ بْنِ مُصَرِّفٍ, عَنْ أَبِيهِ, عَنْ جَدِّهِ رضی اللہ عنہ قَالَ "رَأَيْتُ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ يَفْصِلُ بَيْنَ الْمَضْمَضَةِ وَالِاسْتِنْشَاقِ" أَخْرَجَهُ أَبُو دَاوُدَ بِإِسْنَادٍ ضَعِيفٍ

ابوداود، كتاب الطهارة، باب فی الفرق بين المضمضة و الاستنشاق: ۱۳۹، البيهقی، كتاب الطهارة، باب الفصل بين المضمضة

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

و الاستنشاق: ۸۹/۱، البدر المنیر: ۲۷۸/۱، بیان الوهم و الایهام: ۳۱۸/۳، ۳۱۹

تنبیہ: حافظ ابن حجر نے جن الفاظ سے یہ روایت نقل کی ہے ان الفاظ سے یہ روایت مجھے ابوداود سے نہیں ملی۔

۵۲: حضرت طلحہ بن مصرف ؒ اپنے باپ کے توسط سے اپنے دادا سے نقل کرتے ہیں، وہ کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو (وضو کرتے) دیکھا، آپ ﷺ منہ اور ناک میں ایک ساتھ پانی نہیں ڈالتے تھے، امام ابوداود نے اس حدیث کو ضعیف سند سے روایت کیا ہے

لغوی تحقیق: **مصرف**: میم مضموم، صاد مفتوح اور راء مشدد مکسور۔ **یفصل**: فاصلہ ڈالتے تھے یعنی کلی کرنے کیلئے الگ پانی لیتے اور ناک میں ڈالنے کیلئے الگ پانی لیتے۔

تشریح: حافظ ابن حجرؒ نے اس روایت کو مختصر بیان کیا ہے، لیکن ابوداود میں یہ روایت تفصیلاً مذکور ہے، طلحہ کے دادا کعب بن عمرو ابن الیمانی رضی اللہ عنہ (**الجرح و التعدیل ۸/۴۲۰**) بیان کرتے ہیں کہ وہ رحمت عالم ﷺ کی خدمت اقدس میں اس وقت حاضر ہوئے جب آپ ﷺ وضو بنا رہے تھے، پانی رخِ انور سے ڈاڑھی مبارک سے گزر کر سینہ مبارک پر گر رہا تھا، آپ ﷺ نے کلی الگ پانی سے کی اور ناک میں ڈالنے کیلئے الگ پانی استعمال کیا۔ حافظ ابن حجر نے اس روایت کو نقل کرنے کے بعد اسے سنداً ضعیف قرار دیا ہے، اس روایت کے ضعیف ہونے کے تین اسباب منقول ہیں،

(۱) طلحہ کے دادا کا صحابی ہونا مختلف فیہ ہے، لیکن راجح یہی ہے کہ انہیں صحابی ہونے کا شرف حاصل ہے۔ (۲) طلحہ کا والد مصرف بن عمرو یا مصرف بن کعب مجہول ہے۔ (۳) لیث بن ابی سلیم جمہور کے نزدیک ضعیف ہے۔

یہ روایت ضعیف ہونے کے ساتھ ساتھ صحیحین کی احادیث کے خلاف بھی ہے مگر عصر حاضر میں امت مسلمہ کی ایک بڑی تعداد اسی حدیث کے مطابق عمل کرتی ہے۔

فقہی احکام: یہ روایت چونکہ سخت ضعیف اور صحیح احادیث کی معارض ہے اس لئے اس سے کوئی بھی فقہی مسئلہ اخذ کرنا درست نہیں۔

۵۳: وَعَنْ عَلِيٍّ رضی اللہ عنہ فِي صِفَةِ الْوُضُوءِ " ثُمَّ تَمَضْمَضَ وَاسْتَنْثَرَ ثَلَاثًا, يُمَضْمِضُ وَيَنْثُرُ مِنَ الْكَفِّ الَّذِي يَأْخُذُ مِنْهُ الْمَاءَ " أَخْرَجَهُ أَبُو دَاوُدَ وَالنَّسَائِيُّ.

ابوداود، کتاب الطهارة، باب صفة وضوء النبی: ۱۱۱، النسائی، کتاب الطهارة، باب غسل الیدین: ۹۴، النسائی، کتاب الطهارة، باب بأی الیدین یستنثر: ۹۱

۵۳: حضرت علی رضی اللہ عنہ طریقہ وضو بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں، پھر رسول اللہ ﷺ نے تین بار کلی کی اور ناک میں پانی ڈالا، رحمت عالم ﷺ منہ اور ناک میں پانی اسی ہاتھ سے ڈالتے تھے جس ہاتھ سے پانی لیتے تھے۔ اس حدیث کو امام ابوداود اور امام نسائی نے روایت کیا ہے۔

لغوی تحقیق: **الکف**: اس مادے کا لفظی معنی رکنے اور کافی ہونے کے ہیں جبکہ یہاں الکف سے مراد ہتھیلی بمع انگلیاں ہیں یعنی چلّو۔

تشریح: یہ حدیث سابقہ ضعیف روایت کی معارض ہے اس حدیث سے یہ واضح ہوا کہ ایک ہی چلو سے کچھ پانی منہ میں ڈال لیا جائے اور کچھ ناک میں اور یہ عمل دائیں ہاتھ سے کیا جائے جبکہ ناک کو جھاڑنے کا عمل بائیں ہاتھ سے کیا جائے جیسا کہ نسائی میں صراحۃً مذکور ہے

فقہی احکام: (۱) پانی کا استعمال انتہائی مناسب کیا جائے۔ (۲) ناک اور منہ میں ایک ہی چلو سے پانی ڈالا جائے۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

(۳)ناک بائیں ہاتھ سے صاف کی جائے (۴) یہ عمل کم از کم ایک بار اور زیادہ سے زیادہ تین بار کیا جائے۔

۵۴: وَعَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ زَيْدٍ رضی اللہ عنہ فِي صِفَةِ الْوُضُوءِ "ثُمَّ أَدْخَلَ يَدَهُ, فَمَضْمَضَ وَاسْتَنْشَقَ مِنْ كَفٍّ وَاحِدَةٍ, يَفْعَلُ ذٰلِكَ ثَلَاثًا" مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ.

البخاری، کتاب الوضوء، باب مسح الرأس کله:۱۸۵، مسلم :۲۳۵، صحیح ابن حبان:۱۰۷۷، البیهقی : ۱/ ۸۸، ابن ابی شیبة: ۱/ ۱۸، مسنداحمد: ۴/ ۴۰

۵۴: حضرت عبداللہ بن زید رضی اللہ عنہما وضو کا طریقہ بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں، پھر آپ ﷺ نے اپنا ہاتھ پانی میں داخل فرمایا اور چلو میں پانی لیا، پھر ایک ہی چلو سے کلی اور ناک میں پانی ڈالا، ایسا آپ ﷺ نے تین بار فرمایا۔اس حدیث کو امام بخاری اور امام مسلم نے روایت کیا ہے۔

تشریح: حافظ ابن حجرؒ نے مفصل حدیث کے ایک ٹکڑے کو یہاں نقل کر کے یہ ثابت کیا ہے کہ رحمت عالم ﷺ پانی کے ایک ہی چلو سے ناک اور منہ میں پانی ڈالتے، جیسا کہ صحیح ابن حبان اور بیہقی میں ہے، اس حدیث میں منہ اور ناک سے پانی خارج کرنے کا ذکر شاید اس لیے نہیں کیا کہ یہ عمل مکمل ہی اس وقت ہوتا ہے جب پانی ڈال کر خارج کیا جاتا ہے۔حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی حدیث بھی اس روایت کی مؤید ہے۔مؤخرالذکر دونوں احادیث سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ مضمضه اور استنشاق کیلئے ایک ہی چلو کافی ہے۔

امام صنعانی نے فصل اور جمع سے متعلق دونوں قسم کی احادیث میں مطابقت پیدا کرنے کیلئے بیان کیا ہے کہ اقرب بات یہی ہے کہ وضو کرنے والے کو یہ اختیار حاصل ہے کہ جس طرح چاہے کرلے۔یعنی منہ اور ناک کیلئے الگ الگ چلو بھی استعمال کرسکتا ہے اور ایک چلو سے دونوں عمل ایک ساتھ بھی کرسکتا ہے۔ممدوح کا یہ فرمان حقیقت کی عکاسی نہیں کرتا کیونکہ جمع کی روایت تعداد میں زیادہ ہونے کے ساتھ ساتھ صحیح بھی ہیں جبکہ فصل کی روایت ضعیف ہے،لہٰذا انصاف کا تقاضا یہی ہے جمع کی روایات راجح ہیں۔

۵۵: وَعَنْ أَنَسٍ رضی اللہ عنہ قَالَ رَأَى النَّبِيُّ ﷺ رَجُلًا, وَفِي قَدَمِهِ مِثْلُ الظُّفُرِ لَمْ يُصِبْهُ الْمَاءُ فَقَالَ "اِرْجِعْ فَأَحْسِنْ وُضُوءَكَ" أَخْرَجَهُ أَبُودَاوُدَ, وَالنَّسَائِيُّ

ابوداود، کتاب الطهارة ، باب تفریق الوضوء :۱۷۳، ابن ماجة، ابواب الطهارة،باب غسل العراقیب، مسند احمد : ۱/ ۱۴۶، البیهقی، کتاب الطهارة، باب تفریق الوضوء : ۱/ ۱۴۵ ، الدارقطنی : ۱/ ۱۰۸، ابن خزیمة : ۱/ ۸۵، مسلم : ۲۵۱، البخاری: ۱۶۳، مسند شافعی: ۱/ ۱۳، النسائی : ۱/ ۷۷

تنبیہ: حافظ ابن حجر نے بلوغ المرام میں اس روایت کو نسائی کی طرف بھی منسوب کیا ہے جبکہ التلخیص الحبیر میں اس روایت کو ابوداود، ابن ماجہ، ابن خزیمہ اور دارقطنی کی طرف منسوب کیا ہے یعنی نسائی کی طرف منسوب نہیں کیا، راقم کو یہ روایت نسائی میں نہیں ملی معلوم ہوتا ہے کہ اس سلسلے میں مؤلف رحمۃ اللہ علیہ یا کسی نساخ سے تسامح ہوا ہے۔ واللہ اعلم

۵۵: حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ کی نظر شفقت ایک ایسے شخص پر پڑی جس کا پاؤں ناخن کے برابر خشک رہ گیا تھا، رحمت عالم ﷺ نے فرمایا: " واپس جاؤ اور اچھی طرح وضو بناؤ۔" اس حدیث کو امام ابوداود اور نسائی نے روایت کیا ہے۔

لغوی تحقیق: ظفر: ظاء کی پیش اور فاء کی جزم کے ساتھ، یعنی ناخن۔حافظ ابن حجر نے یہ حدیث بالمعنیٰ نقل کی ہے کیونکہ ان الفاظ سے یہ حدیث سنن ابی داود میں موجود نہیں۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

تشریح: اس حدیث سے یہ واضح ہوا کہ اعضاءِ وضو کو اچھی طرح دھونا لازم ہے دوران وضو اگر کوئی چیز خشک رہ جائے تو وضو کا اعادہ لازم ہے، جیسا کہ حضرت خالد بن معدان رحمت عالم ﷺ کے بعض جانثاروں سے نقل کرتے ہیں کہ رحمت عالم ﷺ کی نظر شفقت ایک ایسے شخص پر پڑی جس کا پاؤں درھم کے برابر خشک رہنے کی وجہ سے چمک رہا تھا، رحمت عالم ﷺ نے اسے نماز اور وضو لوٹانے کا حکم دیا اسی طرح کی ایک روایت ابومتوکل سے منقول ہے، وہ کہتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے وضو فرمایا اور ان کے پاؤں کے اوپر کی سطح کے کچھ حصہ پر پانی نہیں پہنچ سکا، رحمت عالم ﷺ نے انہیں دوبارہ وضو کرنے کا حکم دیا، امام ابوحاتم فرماتے ہیں کہ ابومتوکل کا حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے سماع ثابت نہیں، یعنی یہ روایت منقطع ہونے کی وجہ سے ضعیف ہے۔

حضرت ابوہریرۃ رضی اللہ عنہ نے ایک قوم کو وضو بناتے دیکھ کر فرمایا: وضو اچھی طرح بناؤ کیونکہ میں نے رحمت عالم ﷺ سے اس سلسلہ میں وعید سنی ہے، آپ ﷺ فرماتے تھے " ایسی ایڑھیاں جو دوران وضو خشک رہ گئیں، وہ آگ میں جلائی جائیں گی۔" اسی طرح کی حدیث حضرت عبداللہ بن عمر، حضرت ابوہریرۃ، حضرت عائشہ، حضرت خالد بن ولید، حضرت یزید بن ابی سفیان، حضرت شرحبیل بن حسنہ اور حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہم سے بھی مروی ہے۔

فقہی احکام: (۱) اعضائے وضو کو اچھی طرح دھونا لازم ہے۔ (۲) دیگر اعضاء کی طرح پاؤں کو دھونا بھی لازم ہے۔ (۳) اعضائے وضو میں سے کوئی عضو یا کسی عضو کا کچھ حصہ خشک رہ جائے تو وضو کا اعادہ لازم ہے۔ (۴) ناقص وضو سے نماز نہیں ہوتی۔

۵۶: وَعَنْهُ رضی اللہ عنہ قَالَ " كَانَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ يَتَوَضَّأُ بِالْمُدِّ, وَيَغْتَسِلُ بِالصَّاعِ إِلَى خَمْسَةِ أَمْدَادٍ " مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ

البخاری، کتاب الوضوء، باب الوضوء بالمد: ۲۰۱، مسلم: ۳۱۹، ۳۲۱، ۳۲۵، مسند احمد: ۱۱۲/۳، ۱۱۶، ابن خزیمۃ: ۶۲/۱، الموارد: ۱۵۵، الحاکم: ۱۶۲/۱، البیہقی: ۱۹۶/۱، الطبرانی: ۲۷۸/۸، مجمع الزوائد: ۲۲۴/۱، ابن حبان: ۱۲۰۴

۵۶: حضرت انس رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ رسول اللہ ﷺ ایک مد پانی سے وضو اور ایک صاع پانی سے پانچ مد پانی تک سے غسل فرمالیا کرتے تھے۔ اس حدیث کو بخاری و مسلم نے بیان کیا ہے۔

لغوی تحقیق: **مد:** یہ اشیاناپنے کا ایک پیمانہ ہے، اس میں تقریباً چھ سو پچیس ملی لیٹر پانی وغیرہ آتا ہے۔ **صاع:** بھی اشیاناپنے کا ایک پیمانہ ہے، یہ چار مد کے برابر ہوتا ہے، اس میں تقریباً ڈھائی لیٹر پانی وغیرہ آتا ہے۔

تشریح: اس حدیث سے یہ واضح ہوا کہ رحمت عالم ﷺ پانی کا استعمال نہایت احتیاط سے فرماتے تھے، رحمت عالم ﷺ سے یہ عملی روایت متعدد طرق سے منقول ہے۔ ابن حبان نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے اس سلسلے میں جو حدیث نقل کی ہے، اس میں مد کی جگہ مکوک مذکور ہے۔ امام ابن حبان نے اس حدیث کو بیان کرنے کے بعد لکھا ہے، کہ امام ابوخیثمہ فرماتے ہیں کہ مکوک بھی مد ہی کو کہتے ہیں۔ امام ابن خزیمہ اس حدیث کو نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں کہ یہاں مکوک سے مراد مد ہی ہے۔ امام نووی نے بھی مکوک کو مد ہی قرار دیا ہے۔

مقدار وضو کے بارے میں ان کے علاوہ دو طرح کی روایات اور ہیں۔ امام بیہقی اور امام طبرانی نے حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے کہ رحمت عالم ﷺ نصف مد سے وضو فرمالیا کرتے تھے۔ اس روایت کا مرکزی راوی صلت بن دینار ہے۔ علامہ ہیثمی فرماتے ہیں کہ صلت بن دینار کے ضعیف ہونے پر تمام نامور ماہرین فن کا اتفاق ہے۔ امام احمد، امام ابن خزیمہ، امام ابن حبان، امام بیہقی اور امام حاکم وغیرہم نے حضرت عبداللہ بن دینار رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے کہ رحمت عالم ﷺ دو تہائی 2/3 مد سے وضو فرمالیا کرتے تھے، مقدم الذکر اور مؤخر الذکر دونوں

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

احادیث صحیح ہیں اور غسل کے سلسلہ میں چار طرح کی روایات منقول ہیں یعنی بعض روایات میں ایک صاع یعنی چار مد کا ذکر ہے اور بعض میں پانچ مد کا ذکر ہے اور ایک روایت میں ایک فرق پانی کا ذکر ہے، فرق میں تقریباً دس لیٹر پانی آتا ہے لیکن اس حدیث میں یہ صراحت نہیں کہ فرق پانی سے بھرا ہوا تھا یا نہیں؟ ایک روایت میں تین مد کا ذکر ہے۔

فقہی احکام: (۱) وضو اور غسل کیلئے نہایت مناسب مقدار میں پانی استعمال کیا جائے۔ (۲) ضرورت سے زیادہ پانی کا استعمال اسراف میں شمار ہوگا۔ (۳) وضو اور غسل کرتے وقت تھوڑا تھوڑا پانی ڈال کر اچھی طرح ملا جائے تاکہ وضو اور غسل تھوڑے پانی سے مکمل ہو جائے۔

۵۷: وَعَنْ عُمَرَ رضی اللہ عنہ قَالَ، قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم "مَا مِنْكُمْ مِنْ أَحَدٍ يَتَوَضَّأُ ,فَيُسْبِغُ الْوُضُوءَ ,ثُمَّ يَقُولُ: أَشْهَدُ أَنْ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيكَ لَهُ ,وَأَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهُ وَرَسُولُهُ ,إِلَّا فُتِحَتْ لَهُ أَبْوَابُ الْجَنَّةِ" أَخْرَجَهُ مُسْلِمٌ وَالتِّرْمِذِيُّ ,وَزَادَ" اَللّٰهُمَّ اجْعَلْنِي مِنَ التَّوَّابِينَ ,وَاجْعَلْنِي مِنَ الْمُتَطَهِّرِينَ"

مسلم، کتاب الطهارة، باب ذکر المستحب عقب الوضوء: ۲۳۴، الترمذی: ۵۵، المعجم الاوسط للطبرانی: ۵/ ۴۶۵، ۴۸۹۲، ۲/ ۲۷۱، ۱۴۷۸، عمل الیوم و اللیلة للنسائی: ۸۱، عمل الیوم و اللیلة لابن السنی: ۳۰، ۳۲، التلخیص الحبیر: ۱/ ۱۱۲، ابوداود: ۱۷۰، الامام: ۲/ ۶۷

۵۷: حضرت عمر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا" تم میں سے جو بھی شخص اچھی طرح وضو کرنے کے بعد یہ کہے کہ میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کے علاوہ کوئی معبود نہیں، وہ تنہا ہے، اس کا کوئی شریک نہیں، میں گواہی دیتا ہوں کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اس کے بندے اور رسول ہیں، اس کیلئے جنت کے دروازے کھول دیئے جاتے ہیں۔" اس حدیث کو امام مسلم اور امام ترمذی نے روایت کیا ہے اور امام ترمذی نے مزید یہ الفاظ بھی نقل کئے ہیں" اے اللہ! مجھے توبہ کرنے اور پاکیزگی حاصل کرنے والوں میں کردے"

لغوی تحقیق: یسبغ: علامت مضارع مضموم، یہ اسباغ سے ماخوذ ہے، یہاں اس سے مراد خوب اچھی طرح وضو کرنا ہے۔ فتحت: فعل مجہول ہونے کی وجہ سے خاء مضموم اور تائے اول مکسور ہے، اس کا نائب فاعل چونکہ جمع مکسر ہے اس لئے فعل واحد مؤنث استعمال کیا گیا ہے۔ یعنی اس کیلئے دروازے کھول دیئے جائیں گے۔ التوابین: واؤ کی تشدید کے ساتھ، یہ تواب کی جمع ہے اور تواب مبالغے کا صیغہ ہے یعنی کثرت سے توبہ کرنے والے۔

تشریح: یہ حدیث متعدد طرق سے مروی ہے، امام مسلم نے اس روایت کو سب سے عمدہ طریق سے نقل فرمایا ہے، امام مسلم نے یہ روایت تفصیلاً حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ سے نقل کی ہے، وہ فرماتے ہیں، ہم اپنے اونٹ چرایا کرتے تھے، میں اپنی باری پر شام کے وقت انہیں چرا کر باڑے میں لیکر آیا وہاں پہنچ کر میں کیا دیکھتا ہوں کہ رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم کھڑے ہو کر لوگوں کو پند و نصائح فرما رہے ہیں۔ میں نے آپ سے یہ سنا کہ " جس مسلمان نے بھی اچھی طرح وضو بنایا پھر دو رکعت نماز انتہائی خشوع و خضوع سے ادا کی، اس کیلئے جنت لازم ہے" یہ سن کر میں نے عرض کیا: یہ کتنی عمدہ بات ہے؟ یہ سن کر میرے آگے کھڑے ہوئے آدمی نے کہا، رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے جو بات اس سے پہلے فرمائی تھی، وہ اس سے بھی زیادہ عمدہ تھی، میں نے اس شخص کی طرف دیکھا تو وہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ تھے، انہوں نے کہا میں نے تمہیں ابھی آتے دیکھا ہے تمہاری آمد سے قبل رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرمایا تھا کہ " تم میں سے جو بھی اچھی طرح وضو بنائے پھر یہ کلمات کہے کہ میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور بیشک محمد صلی اللہ علیہ وسلم اس کے بندے اور رسول ہیں، اس کیلئے جنت کے آٹھوں

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

دروازے کھول دیئے جائیں گے، وہ جس دروازے سے چاہے جنت میں داخل ہو جائے" امام ترمذی نے اس روایت کے آخر میں یہ الفاظ بھی نقل کئے ہیں " اے اللہ! میرا شمار توبہ کرنے والوں اور پاکیزگی حاصل کرنے والوں میں کردے " اس روایت کو نقل کرنے کے بعد امام ترمذی نے اسے مضطرب قرار دیا ہے اور علامہ البانی نے اسے صحیح کہا ہے۔

زیر بحث حدیث کا وہ ٹکڑا جو امام مسلم نے نقل کیا ہے وہ بلاشبہ ہر قسم کی غبار سے پاک ہے اس لئے باعث نزاع صرف وہی ٹکڑا ہے جو امام ترمذی نے زائد نقل کیا ہے، امام طبرانی نے حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ سے جو روایت نقل کی ہے، اس میں بھی زیر بحث الفاظ مذکور ہیں یہ روایت چونکہ امام اعمش کے عنعنہ کی وجہ سے ضعیف ہے، اس لئے یہ متابعت چنداں مفید نہیں، امام ابن سنی نے بھی حضرت ثوبان سے یہ الفاظ نقل کئے ہیں، یہ روایت بھی ابوسعید البقال کی وجہ سے ضعیف ہے، اس مسئلہ میں حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے بھی ایک روایت مروی ہے وہ فرماتے ہیں کہ رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا " جس شخص نے وضو کرنے کے بعد یہ کہا اے اللہ !تو اپنی حمد و ستائش کے ساتھ پاک ہے، تیرے سوائے کوئی معبود نہیں، میں تجھ سے بخشش کا طلب گار ہوں اور تیرے حضور معافی کی درخواست کرتا ہوں۔"

یہ حدیث حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً اور موقوفاً ہر دو طرق سے مروی ہے، امام شعبہ اور قیس نے ابو ہاشم سے مرفوعاً نقل کی ہے جبکہ امام سفیان ثوری نے ابو ہاشم سے ہر دو طرح سے نقل کی ہے، امام نسائی نے مرفوع طریق کو خطا اور موقوف طریق کو صائب قرار دیا ہے، امام دارقطنی نے بھی **العلل** میں موقوف کو راجح قرار دیا ہے۔ امام ابوداود نے اس سلسلہ میں حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ سے جو روایت نقل کی ہے۔ اس میں آسمان کی طرف نگاہ اٹھا کر پڑھنے کا ذکر ہے، اس روایت کو امام رجال و علل علی بن مدینی نے حسن قرار دیا ہے مگر یہ روایت ابوعقیل کے چچازاد کے مجہول ہونے کی وجہ سے ضعیف ہے۔

فقہی احکام: (۱) اپنا کام خود کرنے سے صفت انکساری پیدا ہوتی ہے۔ (۲) معاشی معاملات میں ایک دوسرے کے ساتھ تعاون کرنا چاہیے۔ (۳) وضو کو مکمل طور پر کرنا چاہیے۔ (۴) وضو کے بعد شہادتین پڑھنا مسنون ہے۔ (۵) وضو کے بعد دو رکعات پڑھنا مسنون ہے۔ (۶) بھلائی کی بات بروقت آگے منتقل کر دینی چاہیے۔ (۷) اچھی بات پر خوشی کا اظہار کرنا چاہیے۔ (۸) پند و نصائح کو خوب غور سے سننا چاہیے۔ (۹) علما کی تقاریر سننے کیلئے ایک جگہ سے دوسری جگہ جانا درست ہے۔ (۱۰) تقریر کھڑے ہو کر کرنا سنت ہے۔

۵۔ بَابُ الْمَسْحِ عَلَى الْخُفَّيْنِ موزوں پر مسح کا بیان

۵۸: عَنِ الْمُغِيرَةِ بْنِ شُعْبَةَ رضی اللہ عنہ قَالَ كُنْتُ مَعَ النَّبِيِّ صلی اللہ علیہ وسلم فَتَوَضَّأَ ,فَأَهْوَيْتُ لِأَنْزِعَ خُفَّيْهِ ,فَقَالَ " دَعْهُمَا ,فَإِنِّي أَدْخَلْتُهُمَا طَاهِرَتَيْنِ" فَمَسَحَ عَلَيْهِمَا . مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ

البخاری، کتاب الوضوء، باب اذا دخل رجلیه و هما طاهرتان: ۲۰۶، مسلم: ۲۷۲، ۲۷۴، ابوداود: ۱۵۹ ۔ ۱۶۵، مؤطا امام مالک: ۱/ ۳۵، ابن خزیمة، جماع ابواب المسح علی الخفین، باب ذکر المسح علی الخفین: ۱۸۲، العلل الکبیر للترمذی: ۱/ ۱۷۵، التلخیص الحبیر: ۱/ ۱۵۸ مسند احمد: ۲/ ۳۵۸، ابن ابی شیبة، کتاب الطهارة، باب المسح علی الخفین: ۱/ ۲۰۳، السلسلة الصحیحة: ۳/ ۱۹۹، العلل الدارقطنی: ۱۵۶۳، ابن ماجة: ۵۴۵

۵۸: حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے وضو فرمایا، میں رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے موزے اتارنے کیلئے جھکا تو رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، رہنے دو کیونکہ میں نے موزے وضو کی حالت میں پہنے تھے پھر آپ

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ﷺ نے ان پر مسح فرمایا، اس حدیث کو بخاری اور مسلم نے روایت کیا ہے۔

لغوی تحقیق: **اھویت:** میں حالت قیام سے حالت قعود کی طرف جھکا یا ہاتھوں کو لمبا کیا۔ **لا نزع:** نکالنا یعنی میں جھکا تا کہ میں جناب کے پاؤں موزوں سے نکالوں۔ **دعھما:** انہیں چھوڑ دو۔ **طاھرتین:** یہ **طاھرۃ** کا تثنیہ ہے اور جفت ہونے کی وجہ سے مؤنث ہے یعنی جو اعضاء جفت ہیں وہ عربی زبان میں مؤنث استعمال ہوتے ہیں۔

تشریح : امام بخاریؒ نے یہ حدیث ان الفاظ سے نقل کی ہے۔ حضرت مغیرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں رحمت عالم ﷺ کے ساتھ سفر میں تھا۔ امام ابن خزیمہ اور امام ابوداود کی روایت کے مطابق یہ واقعہ غزوہ تبوک کا ہے۔ امام مسلم نے اس روایت کو قدر تفصیل سے بیان کیا ہے، حضرت مغیر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رحمت عالم ﷺ قافلے سے پیچھے رہ گئے، میں بھی آپ ﷺ ہی کے ساتھ تھا، آپ ﷺ نے قضائے حاجت سے فارغ ہو کر فرمایا: " اے مغیرہ کیا تمہارے پاس پانی ہے ؟ میں نے رحمت عالم ﷺ کو پانی پیش کیا، رحمت عالم ﷺ نے اپنے ہاتھ اور رخ انور کو دھویا، جناب کے جبہ کی آستینیں تنگ تھیں، اس لئے آپ ﷺ نے اپنے بازو جُبے سے نکال کر دھوئے، پھر آپ ﷺ نے پیشانی، عمامہ اور موزوں پر مسح فرمایا پھر ہم سوار ہو کر قافلے کے پیچھے چل پڑے، ہمارے پہنچنے سے پہلے جماعت کھڑی ہو چکی تھی، حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کو جب رحمت عالم ﷺ کی آمد کا احساس ہوا تو انہوں نے پیچھے ہٹنا چاہا، رحمت عالم ﷺ نے انہیں امامت جاری رکھنے کا اشارہ فرمایا، اس طرح انہوں نے نماز کے فرائض سرانجام دینے کے بعد جب سلام پھیرا تو رحمت عالم ﷺ کھڑے ہو گئے اور میں بھی آپ ﷺ کے ساتھ کھڑا ہو گیا، اس طرح ہم نے اپنی سابقہ رکعت پوری کی۔ امام البزار کے بقول یہ روایت حضرت مغیرہ رضی اللہ عنہ سے تقریباً ساٹھ طرق سے مروی ہے، امام ابن مندہ نے ان میں سے پینتالیس طرق جمع کیے ہیں، بقول حضرت حسن بصری کے موزوں پر مسح کرنے کی روایت ستر صحابہ سے منقول ہے، امام احمد بن حنبل اور ابن ابی حاتم کے بقول یہ روایت چالیس اکتالیس صحابہ سے مروی ہے، حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے مروی روایت میں یہ صراحت ہے کہ مقیم کو موزوں پر مسح کرنے کی اجازت چوبیس گھنٹے تک ہے، جبکہ مسافر کو بہتر گھنٹوں تک اجازت ہے۔

اس روایت کے ایک راوی مہاجر بن مخلد پر اگرچہ امام ابوحاتم نے کلام کیا ہے، لیکن امام بخاری نے اس حدیث کو حسن قرار دیا ہے، حضرت ابوہریرۃ رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث کے الفاظ، حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے مروی روایت کے ساتھ ملتے جلتے ہیں۔ حضرت ابوہریرۃ رضی اللہ عنہ سے یہ روایت متعدد طرق سے مروی ہے، امام دارقطنی نے ان تمام طرق کو معلول قرار دیا ہے، جبکہ علامہ البانیؒ نے ابن ابی شیبہ سے مروی طریق کو صحیح کہا ہے۔

اس سلسلے میں درست موقف امام دارقطنی کا ہے کیونکہ ابن ابی شیبہ سے مروی طریق جریر کے عنعنہ کی وجہ سے ضعیف ہے۔ حضرت عوف بن مالک الاشجعی، حضرت ابوبکر صدیق، حضرت خزیمہ بن ثابت حضرت علی، حضرت عبداللہ بن عباس اور حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہم سے مروی روایات میں مسافر اور مقیم کیلئے الگ الگ مدت کا ذکر ہے، حضرت ابوایوب انصاری، حضرت حذیفہ، حضرت جریر بن عبداللہ، حضرت بلال، حضرت سلمان حضرت عمرو بن امیہ، حضرت جابر، حضرت عبداللہ بن عمرو، حضرت قیس بن سعد، حضرت عمار بن یاسر، حضرت انس، حضرت ابومسعود انصاری اور حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہم سے جو روایات مروی ہیں، ان میں مدت کا ذکر ہیں۔

فقہی احکام: (۱) موزے یا جرابیں اگر وضو کی حالت میں پہنی گئیں ہوں تو پھر ان پر مسح درست ہے۔ (۲) یہ رخصت مقیم کیلئے چوبیس

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

گھنٹے اور مسافر کیلئے بہتر گھنٹے ہے۔ (۳) اساتذہ کی خدمت کرنا مسنون ہے۔ (۴) مفضول کی اقتدا میں افضل نماز پڑھ سکتا ہے۔ (۵) نماز پڑھنے والا حالت نماز میں بوقت ضرورت عمل کثیر (یعنی آگے پیچھے ہوسکتا ہے) کرسکتا ہے۔ (۶) حالت نماز میں بوقت ضرورت التفات اور اشارہ کرنا درست ہے۔ (۷) قرآن حکیم کے کسی حکم کو سنت منسوخ کرسکتی ہے۔ (۸) امام کو جس حالت میں پائیں وہی حالت اختیار کرلیں۔ (۹) بطور خدمت کسی کے پاؤں کو چھوا جاسکتا ہے۔ (۱۰) وضو کرنے والا کسی سے مدد لے سکتا ہے۔

۵۹: وَلِلْأَرْبَعَةِ عَنْهُ إِلَّا النَّسَائِيَّ ،أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ مَسَحَ أَعْلَى الْخُفِّ وَأَسْفَلَهُ وَفِي إِسْنَادِهِ ضَعْفٌ

ابوداود، كتاب الطهارة، باب كيف المسح: ١٦٥، الترمذى:٩٧، ابن ماجة: ٥٥٠، الدارقطنى: ١٩٥/١، البيهقى : ٢٩٠/١

۵۹: امام نسائیؒ کے علاوہ دیگر سنن ثلاثہ میں یہ روایت اس طرح مذکورہ ہے کہ نبی کریم ﷺ نے موزوں کے اوپر اور نیچے مسح فرمایا اس روایت کی سند ضعیف ہے۔

لغوی تحقیق: ضعف: ضاد کی زبر کے ساتھ یعنی ضعیف ہے۔

تشریح: یہ الفاظ فاضل مؤلف رحمہ اللہ نے امام ترمذیؒ سے مروی روایت سے نقل کئے ہیں، امام ابوداود نے یہ روایت قدر تفصیل سے نقل کی ہے۔ حضرت مغیرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے نبی کریم ﷺ کو غزوہ تبوک میں وضو کروایا، آپ ﷺ نے موزوں کے اوپر اور نیچے مسح فرمایا۔

فاضل مؤلف رحمہ اللہ نے اس روایت کو نقل کرنے کے بعد اسے ضعیف قرار دیا ہے، اس روایت کے ضعیف ہونے کی پانچ علتیں ہیں۔ (۱) ثور بن یزید کا رجاء بن حیوہ سے سماع ثابت نہیں، دارقطنی کی روایت میں اگر چہ تحدیث صراحتاً مذکور ہے لیکن ماہرین فن نے اسے تسلیم نہیں کیا۔ (۲) ولید بن مسلم نے یہ روایت اگر چہ موصولاً نقل کی ہے لیکن عبداللہ بن مبارک رحمہ اللہ نے مرسل نقل کی ہے۔ (۳) ولید بن مسلم مدلس ہے اور اس نے یہ روایت عن سے نقل کی ہے۔ (۴) حضرت مغیرہ رضی اللہ عنہ کا کاتب مجہول ہے۔ (۵) یہ روایت صحیح احادیث کے خلاف ہے۔

فقہی احکام: یہ روایت سخت ضعیف ہے اس لئے اس سے کوئی بھی فقہی مسئلہ مستنبط کرنا درست نہیں۔

۶۰: وَعَنْ عَلِيٍّ رضی اللہ عنہ قَالَ لَوْ كَانَ الدِّينُ بِالرَّأْيِ لَكَانَ أَسْفَلُ الْخُفِّ أَوْلَى بِالْمَسْحِ مِنْ أَعْلَاهُ ,وَقَدْ رَأَيْتُ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ يَمْسَحُ عَلَى ظَاهِرِ خُفَّيْهِ . أَخْرَجَهُ أَبُو دَاوُدَ بِإِسْنَادٍ حَسَنٍ

ابوداود، كتاب الطهارة، باب كيف المسح: ١٦١ ـ ١٦٤، الدارقطنى: ١٩٩/١، البيهقى: ١٤٢٦ ـ ١٤٣٣، ابن ابى شيبة: ٢٠٥/١، ٢٠٨، ٢١٤، كتاب العلل للدارقطنى: ٤/٤٤، الحميدى: ٤٧، ابن ماجة: ٥٥١، التنقيح : ٥٣٠/١، عبد الرزاق: ٢١٨/١

۶۰: حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اگر دین رائے کے تابع ہوتا ہے تو پھر موزوں کے اوپر مسح کرنے کے بجائے موزوں کے نیچے مسح کرنا زیادہ اولیٰ ہوتا، میں نے رسول اللہ ﷺ کو موزوں کے اوپر مسح کرتے دیکھا ہے۔ اس روایت کو امام ابوداود نے حسن سند سے نقل کیا ہے۔

لغوی تحقیق: الرأی: رائے یا عقل

تشریح: یہ روایت حضرت علی رضی اللہ عنہ سے عبد خیر اور حارث نقل کرتے ہیں لیکن امام دارقطنی نے العلل میں عن ابی اسحاق عن حارث عن علی کے طریق میں حارث کی موجودگی کو اسماعیل بن عمرو البجلی کا وہم قرار دیا ہے۔ عبد خیر سے یہ روایت ابو اسحاق سبیعی اور عبد خیر کا بیٹا نقل

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

کرتے ہیں۔ ابواسحٰق سبیعی کے طریق کو امام ابوداود، امام دارمی، امام دارقطنی، امام بیہقی اور ابن ابی شیبہ نے اعمش کے طریق سے نقل کیا ہے، حافظ ابن حجر نے بلوغ المرام میں اس سند کو حسن اور التلخیص الحبیر میں صحیح قرار دیا ہے، علامہ ناصرالدین البانی نے الارواء میں حافظ ابن حجر کے تلخیص والے قول کو صائب قرار دیتے ہوئے اسے صحیح قرار دیا ہے۔ علامہ ابن عبدالھادی نے التنقیح میں حافظ عبدالغنی المقدسی کے حوالے سے اس روایت کی سند کو صحیح قرار دیا ہے۔

اس میں تو کوئی شک نہیں کہ اس روایت کے جملہ رواۃ ثقہ ہیں مگر اس سند کا مرکزی راوی ابواسحٰق سبیعی ہے اوہ معروف مدلس ہے اس نے عبدخیر سے یہ روایت عن سے نقل کی ہے مدلس کی عنعنہ ضعیف ہوتی ہے، اس لئے اس روایت کے تمام راوی ثقہ ہونے کے باوجود یہ روایت ضعیف ہے، یہ روایت ابوالسوداء عن ابن عبدخیر عن ابیہ کے طریق سے بھی مروی ہے امام لؤلوی نے یہ روایت امام ابوداود سے تعلیقاً نقل کی ہے، جبکہ امام ابوداود کے دوسرے شاگرد امام ابن داسہ نے موصولاً نقل کی ہے، لیکن اس میں غسل ظاہر قدمیہ کے الفاظ ہیں، اس میں کوئی شک نہیں کہ یہاں غسل مسح کے معنی میں ہے، کیونکہ امام حمیدی نے بھی یہ روایت اسی سند سے نقل کی ہے اور اس میں مسح ظہور قدمیہ کے الفاظ منقول ہیں، یعنی حضرت علی رضی اللہ عنہ کو اپنے پاؤں کے اوپر کے حصہ کا مسح کرتے دیکھا، اس روایت کی سند تو ہر قسم کے عیوب سے پاک ہے لیکن اس میں موزوں کی صراحت نہیں ہے جیسا کہ امام حمیدیؒ اس روایت کو نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں ان کان علی الخفین فھو سنۃ وان کان علی غیر الخفین فھو منسوخ اگر اس سے مراد موزوں پر مسح کرنا ہے تو پھر یہ سنت ہے اور اگر ننگے پاؤں یا جوتوں پر مسح کرنا ہے تو پھر یہ روایت منسوخ ہے لہٰذا اس روایت کو سابقہ روایت کا متابع قرار دینا درست نہیں۔ موزوں کے اوپر والے حصہ پر مسح کرنے کے بارے میں ایک روایت حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً دو طرق سے منقول ہے ایک طریق منقطع ہے جبکہ دوسرا طریق حسن ہے۔ اس کی مؤید ایک روایت حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے بھی منقول ہے، مگر یہ روایت بھی جریر بن یزید کے مجہول اور بقیہ بن ولید کے مدلس ہونے کی وجہ سے ضعیف ہے۔

اس کی مؤید ایک روایت حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے بھی مرفوعاً منقول ہے، مگر یہ روایت بھی خالد بن ابی بکر کی وجہ سے ضعیف ہے، اس طرح کی ایک روایت حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے موقوفاً منقول ہے مگر وہ بھی محمد بن ابی لیلیٰ کی وجہ سے ضعیف ہے۔ امام عبدالرزاق نے اپنی سند سے حضرت حسن رضی اللہ عنہ کا عمل نقل کیا ہے کہ وہ موزوں کے اوپر مسح کیا کرتے تھے، یہ اثر ہر قسم کی غبار سے پاک ہے اسی طرح ایک اثر قیس بن سعد رضی اللہ عنہ کا بھی منقول ہے، مگر یہ اثر ابواسحاق سبیعی کے عنعنہ کی وجہ سے ضعیف ہے۔

فقہی احکام: دونوں ہاتھوں کو تر کرکے موزوں یا جرابوں میں ملبوس دونوں پاؤں کی انگلیوں سے پنڈلیوں تک ہاتھوں کو پھیرا جائے۔

۶۱: وَعَنْ صَفْوَانَ بْنِ عَسَّالٍ رضی اللہ عنہ قَالَ كَانَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ يَأْمُرُنَا إِذَا كُنَّا سَفْرًا أَنْ لَا نَنْزِعَ خِفَافَنَا ثَلَاثَةَ أَيَّامٍ وَلَيَالِيَهُنَّ, إِلَّا مِنْ جَنَابَةٍ وَلَكِنْ مِنْ غَائِطٍ, وَبَوْلٍ, وَنَوْمٍ أَخْرَجَهُ النَّسَائِيُّ, وَالتِّرْمِذِيُّ وَاللَّفْظُ لَهُ, وَابْنُ خُزَيْمَةَ وَصَحَّحَاهُ

النسائی، کتاب الطھارۃ، باب المسح علی الخفین فی السفر: ۱۲۶، ۱۲۷، الترمذی: ۹۶، ابن خزیمۃ: ۱۹۶، ابن ماجۃ: ۴۸۷، احمد: ۴/۲۳۹، ابن حبان، ۴/۱۴۷ - ۱۵۰

۶۱: حضرت صفوان بن عسال رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ ہمیں حکم دیا کرتے تھے کہ ہم حالت سفر میں بہتر گھنٹے تک موزے نہ اتاریں، خواہ اس دوران ہم بول و براز اور نیند وغیرہ کرلیں، ہاں جنابت لاحق ہونے کی صورت میں موزے ضرور اتار لیں۔ اس حدیث

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

کوامام نسائی اور ترمذی نے بیان کیا ہے، یہ الفاظ ترمذی کے ہیں، ترمذی اور ابن خزیمہ نے اس حدیث کو صحیح قرار دیا ہے۔

لغوی تحقیق: **سفراً:** سین مفتوح، فاء مجزوم، یہ مسافر کی جمع مکسر ہے۔ **خفاف:** فاء مکسور، یہ خف کی جمع ہے۔ **غائط:** چھپ جانا یعنی قضائے حاجت کیلئے بیت الخلا یا کسی دوسری جگہ میں چھپنا۔

تشریح: اس حدیث کو امام دارقطنی اور امام ابن خزیمہ نے تفصیلاً نقل کیا ہے، حضرت زر بن حبیش کہتے ہیں کہ میں حضرت صفوان بن عسال رضی اللہ عنہ سے موزوں پر مسح کرنے کے بارے میں پوچھنے کیلئے ان کی خدمت میں حاضر ہوا تو انہوں نے مجھے دیکھ کر فرمایا: آج صبح کیسے آنا ہوا؟ میں نے عرض کیا: حصول علم کیلئے حاضر ہوا ہوں، انہوں نے فرمایا: میں نے رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے سنا کہ جو شخص حصول علم کے لئے نکلتا ہے، فرشتے اس کیلئے اپنے پر بچھا دیتے ہیں، میں نے عرض کیا میں موزوں پر مسح کرنے کے بارے میں پوچھنے کیلئے حاضر ہوا ہوں، کیا آپ نے اس بارے میں کچھ سنا ہے؟ انہوں نے فرمایا: جی ہاں! رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم ہمیں حکم دیا کرتے تھے کہ جب ہم سفر میں ہوں تو بول و براز اور نیند کرنے کے باوجود بہتر گھنٹے تک موزے نہ اتاریں، البتہ جنابت کی وجہ سے ضرور اتاریں۔ یہ روایت اگرچہ متعدد طرق سے مروی ہے اور اسے بعض نامور ماہرین فن نے صحیح قرار دیا ہے، لیکن صحیح بات یہی ہے کہ یہ روایت حسن ہے، کیونکہ اس روایت کا مرکزی راوی عاصم بن ابی النجود ہے، یہ اگرچہ ثقہ ہے مگر سوء حفظ کا شکار ہیں، اس لئے ان کی روایت حسن درجہ سے آگے نہیں بڑھتی۔

فقہی احکام: (۱) حصول علم کیلئے سفر کرنا نہ صرف جائز ہے بلکہ باعث فضیلت بھی ہے۔ (۲) مدت مسح مسافر اور مقیم کیلئے الگ الگ ہے یعنی مسافر کیلئے وضو ٹوٹنے کے وقت سے بہتر گھنٹے بعد تک اور مقیم کیلئے چوبیس گھنٹے تک۔ (۳) یہ رخصت صرف بول و براز اور نیند سے وضو ٹوٹنے کی صورت میں ہے۔ (۴) جنابت لاحق ہونے کی صورت میں موزے اتارنے لازم ہوں گے۔

۶۲: وَعَنْ عَلِيِّ بْنِ أَبِي طَالِبٍ رضی اللہ عنہ قَالَ جَعَلَ النَّبِيُّ صلی اللہ علیہ وسلم ثَلَاثَةَ أَيَّامٍ وَلَيَالِيَهُنَّ لِلْمُسَافِرِ, وَيَوْمًا وَلَيْلَةً لِلْمُقِيمِ. يَعْنِي فِي الْمَسْحِ عَلَى الْخُفَّيْنِ. أَخْرَجَهُ مُسْلِمٌ

مسلم، کتاب الطهارة، باب التوقيت فی المسح علی الخفين: ۲۷۶، النسائی: ۱/ ۱۹، ابن ماجة: ۱/ ۴۲، ابن حبان: ۴/ ۱۵۱، ابن خزيمة: ۱/ ۹۸، ابوعوانة: ۱/ ۲۶۱

۶۲: حضرت علی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے مسافر کیلئے بہتر گھنٹے اور مقیم کیلئے چوبیس گھنٹے موزوں پر مسح کرنے کی مدت مقرر فرمائی ہے۔ اس حدیث کو امام مسلم نے روایت کیا ہے۔

تشریح: شریح بن ھانی کہتے ہیں کہ میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے موزوں پر مسح کرنے کے بارے میں دریافت کرنے کیلئے ان کی خدمت میں حاضر ہوا، انہوں نے فرمایا: حضرت علی رضی اللہ عنہ کے پاس جاؤ کیونکہ وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ سفر فرمایا کرتے تھے، چنانچہ ہم نے ان کی خدمت میں حاضر ہو کر ان سے دریافت کیا تو انہوں نے فرمایا: کہ رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے مسافر کو بہتر گھنٹوں اور مقیم کو چوبیس گھنٹوں تک موزوں پر مسح کرنے کی رخصت عنایت فرمائی ہے۔

۶۳: وَعَنْ ثَوْبَانَ رضی اللہ عنہ قَالَ بَعَثَ رَسُولُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم سَرِيَّةً, فَأَمَرَهُمْ أَنْ يَمْسَحُوا عَلَى الْعَصَائِبِ يَعْنِي الْعَمَائِمَ وَالتَّسَاخِينِ يَعْنِي الْخِفَافَ . رَوَاهُ أَحْمَدُ, وَأَبُو دَاوُدَ, وَصَحَّحَهُ الْحَاكِمُ

مسنداحمد: ۵/ ۲۷۷، ابوداود، کتاب الطهارة، باب المسح علی العمامة: ۱۴۶، الحاکم: ۱/ ۱۶۹، المحرر: ۱/ ۱۱۳،

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

نصب الراية: ١/١٦٥

۶۳: حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رحمت عالم ﷺ نے ایک لشکر روانہ فرمایا اور انہیں پگڑیوں اور موزوں پر مسح کرنے کا حکم فرمایا۔ اسے احمد اور ابوداود نے روایت کیا ہے اور امام حاکم نے اسے صحیح قرار دیا ہے۔

لغوی تحقیق: سرية: سین مفتوح راء مکسور اور یا مشدد مفتوح، ایسا جہادی قافلہ جس میں رحمت عالم ﷺ شریک نہیں ہوتے تھے، اہل مغازی اسے سرية سے تعبیر کرتے ہین جبکہ اہل لغت تین سو سے پانچ سو تک مجاہدین کے قافلے کی سریہ کہتے ہیں۔ عصائب: یہ عصابة کی جمع مکسر ہے۔ کسی راوی نے عصائب کو عمائم سے تعبیر کیا ہے جبکہ اس کے لفظی معنی پٹی باندھنے کے ہیں۔ التساخين: بعض رواۃ نے اسے خفاف سے تعبیر کیا ہے، یہ سخن سے مشتق ہے سخن کے لفظی معنی گرم کرنے کے ہیں، ابن اثیر کے بقول اہل زبان ہر اس چیز کو تساخن سے تعبیر کرتے ہیں جو پاؤں کو سردی سے محفوظ رکھے خواہ وہ موزے ہوں یا جرابیں۔

تشریح: اس حدیث سے یہ واضح ہوا کہ جس طرح موزوں پر مسح درست ہے، اسی طرح پگڑی اور زخموں پر باندھی جانے والی پٹیوں پر بھی مسح درست ہے، موزوں پر مسح کرنے کے بارے میں احادیث میں تفصیل موجود ہے کہ موزے حالت وضو میں پہنے گئے ہوں اور یہ رخصت مقیم کیلئے چوبیس گھنٹے اور مسافر کیلئے بہتر گھنٹے ہے لیکن پگڑی اور پٹیوں پر مسح کرنے کے متعلق احادیث میں اس قسم کی تفصیل موجود نہیں ہے، صاحب سبل السلام کا کہنا ہے کہ اس بارے میں اہل علم کا فتویٰ میری نظر سے نہیں گزرا، البتہ قاضی عبدالرحمٰن کا کہنا ہے کہ ایسی پگڑی پر مسح جائز ہے، جو حالت وضو میں پہنی گئی ہے۔ راقم کے نزدیک زخموں پر باندھی جانے والی پٹیوں کو کامل طہارہ سے مستثنیٰ سمجھنا چاہیے کیونکہ ان کا صدور اکثر ہنگامی طور پر ہوتا ہے، اسی طرح ان کی توقیت میں زخموں کے مندمل ہونے تک وسعت ہونی چاہیے۔

حافظ ابن حجر نے یہ حدیث ابوداود، احمد اور حاکم کے حوالے سے نقل کی ہے لیکن ان تینوں کتابوں میں موجود حدیث کا سیاق اس سیاق سے بالکل مختلف ہے، جو فاضل مؤلف رحمہ اللہ نے نقل کیا ہے، فاضل مؤلف رحمہ اللہ کے بیان کردہ سیاق سے یہ ظاہر ہو رہا ہے کہ یہ حکم رحمت عالم ﷺ نے اسلامی لشکر کو جہاد کیلئے روانہ کرتے وقت فرمایا؛ جبکہ مذکورہ کتب میں یہ صریحاً مذکور ہے کہ اس لشکر کو دروان سفر سردی کا سامنا کرنا پڑا اور جب یہ لشکر واپس آیا تب رحمت عالم نے انہیں پگڑیوں، موزوں اور جرابوں پر مسح کرنے کا حکم دیا۔

معلوم ہوتا ہے اس حدیث کے نقل کرنے میں یا تو فاضل مؤلف رحمہ اللہ سے تسامح ہوا ہے یا پھر آغاز ہی میں کسی نساخ سے تسامح ہوا ہے (واللہ اعلم) البتہ لشکر روانہ کرتے وقت موزوں پر مسح کرنے کا حکم حضرت صفوان بن عسال رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث میں موجود ہے۔ امام حاکم نے اس روایت کو نقل کرنے کے بعد اسے مسلم کی شرط کے مطابق قرار دیا ہے اور امام ذہبی نے امام حاکم کی موافقت فرمائی ہے، جبکہ درحقیقت ایسا نہیں، کیونکہ اس روایت کی سند میں راشد بن سعد نامی ایک راوی ہے، یہ راوی اگرچہ ثقہ ہے، تاہم شیخین میں سے کسی ایک نے بھی اپنی صحیح میں اس کی روایت کو بطور حجت نہیں لیا، امام احمد اور امام ابوحاتم نے راشد اور ثوبان کے مابین ملاقات کا انکار ہے لیکن یہ درست نہیں، کیونکہ صحیح روایت کے مطابق حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ کا انتقال ۵۴ھ ہجری میں ہوا ہے اور راشد جنگ صفین میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے لشکر میں شامل تھے، لہٰذا روایت صحیح ہے۔

فقہی احکام: (۱) دشمن کی سرکوبی کیلئے حالات کی مناسبت سے لشکر روانہ کیا جائے۔ (۲) امن اور جنگ کیلئے الگ الگ ضوابط مقرر کئے جائیں۔ (۳) زخموں پر باندھی جانے والی پٹیوں پر اس وقت تک مسح درست ہے جب تک پانی زخموں کیلئے مضر (نقصان دہ) ہو۔ (۴)

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

صرف ان پگڑیوں پر مسح کیا جائے جو کامل طہارت کی موجودگی میں سر پر باندھی گئی ہوں۔

۶۴: وَعَنْ عُمَر رضی اللہ عنہ مَوْقُوفًا وعَنْ أَنَسٍ رضی اللہ عنہ مَرْفُوعًا "إِذَا تَوَضَّأَ أَحَدُكُمْ وَلَبِسَ خُفَّيْهِ فَلْيَمْسَحْ عَلَيْهِمَا, وَلْيُصَلِّ فِيهِمَا, وَلَا يَخْلَعْهُمَا إِنْ شَاءَ إِلَّا مِنْ جَنَابَةٍ" أَخْرَجَهُ الدَّارَقُطْنِيُّ, وَالْحَاكِمُ وَصَحَّحَهُ

الدارقطنی، كتاب الطهارة، باب ماجاء فی المسح علی الخفین من غیر توقیت: ۱/ ۲۰۳، الحاكم: ۱/ ۱۸۱، البیهقی، كتاب الطهارة، باب ماورد فی ترك التوقیت: ۱۳۶۱، المحلی: ۹۰/۲، التنقیح: ۵۲۴/۱

۶۴: حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے موقوفاً اور حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً مروی ہے کہ تم میں سے جس نے موزے پہن رکھے ہوں اور وہ وضو بنانا چاہے تو اسے چاہیے کہ وہ ان پر مسح کرے اور انہیں میں نماز ادا کرے بشرطیکہ وہ ایسا کرنا پسند کرے، ہاں جنبی ہونے کی صورت میں ضرور اتار دے۔ اسے دارقطنی اور حاکم نے روایت کیا ہے، امام حاکم نے اسے صحیح کہا ہے۔

موقوف: ایسی روایت جس کی سند صحابی تک پہنچ جائے اسے موقوف کہتے ہیں۔

مرفوع: ایسی روایت جس کی سند رحمت عالم تک پہنچ جائے اسے مرفوع کہتے ہیں۔

تشریح: اسد بن موسیٰ نے حماد بن سلمہ سے یہ روایت موقوفاً نقل کی ہے، جبکہ عبدالغفار بن داود الحرانی نے مرفوعاً نقل کی ہے، اس روایت میں مقیم و مسافر ہر دو کو غیر معینہ مدت کیلئے موزوں پر مسح کرنے کی اجازت دی گئی ہے، شاید اسی وجہ سے امام ابن حزم نے اسد بن موسیٰ کو منکر الحدیث قرار دیا ہے، کیونکہ ان کی تحقیق کے مطابق حماد بن سلمہ سے یہ روایت ان کا کوئی دوسرا شاگرد بیان نہیں کرتا، امام ابن دقیق العید نے ابن حزم کے اس کلام پر سخت نقد کیا ہے، ان کا کہنا ہے کہ اسد بن موسیٰ کی عبدالغفار بن داود نے متابعت کی ہے، امام حاکم اور عبدالهادی نے اس حدیث کو صحیح قرار دیا ہے، لیکن امام ذہبی نے اس حدیث کو شاذ قرار دیا ہے، راقم کے نزدیک یہ روایت حماد بن سلمہ کی وجہ سے ضعیف ہے کیونکہ آخری عمر میں ان کا حافظہ متغیر ہو گیا تھا اور یہ تمیز نہیں ہو سکی کہ اسد بن موسیٰ اور عبدالغفار کا ان سے سماع قدیم ہے یا نہیں؟ نیز موصوف مدلس بھی ہیں اور یہ روایت وہ اپنے تینوں شیوخ سے معنعن نقل کرتے ہیں۔

فقہی احکام: یہ روایت چونکہ ضعیف ہے اس لئے اس سے کوئی مسئلہ مستنبط نہیں ہوتا نیز یہ صحیح احادیث کے خلاف ہے۔

۶۵: وَعَنْ أَبِي بَكْرَةَ رضی اللہ عنہ عَنِ النَّبِيِّ صلی اللہ علیہ وسلم أَنَّهُ رَخَّصَ لِلْمُسَافِرِ ثَلَاثَةَ أَيَّامٍ وَلَيَالِيَهُنَّ, وَلِلْمُقِيمِ يَوْمًا وَلَيْلَةً, إِذَا تَطَهَّرَ فَلَبِسَ خُفَّيْهِ أَنْ يَمْسَحَ عَلَيْهِمَا. أَخْرَجَهُ الدَّارَقُطْنِيُّ, وَصَحَّحَهُ اِبْنُ خُزَيْمَةَ

الدارقطنی، كتاب الطهارة، باب الرخصة فی المسح علی الخفین: ۱/ ۱۹۴، ابن خزیمة، كتاب الوضوء، باب ذكر الخبر المفسر للالفاظ المجملة التی ذكرتها: ۱/ ۹۶، ابن حبان: ۱۵۳/۴، ابن ماجة: ۵۵۶، مسند شافعی: ۱/ ۱۷

۶۵: حضرت ابو بکرہ رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے مسافر کو بہتر گھنٹوں اور مقیم کو چوبیس گھنٹوں تک موزوں پر مسح کرنے کی رخصت عنایت فرمائی ہے بشرطیکہ اس نے موزے حالت وضو میں پہنے ہوں۔ اس حدیث کو امام دارقطنی نے بیان کیا ہے اور امام ابن خزیمہ نے صحیح قرار دیا ہے۔

لغوی تحقیق: تطهر: تاء اور طاء مفتوح، ہاء مشدد مفتوح یعنی حالت وضو میں۔

تشریح: زیر مطالعہ حدیث میں توقیت کا ذکر ہے اس سے قبل بھی اسی مفہوم کی دو احادیث حضرت صفوان بن عسال رضی اللہ عنہ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ گزر چکی ہیں۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

٦٦: وَعَنْ أُبَيِّ بْنِ عِمَارَةَ رضی اللہ عنہ أَنَّهُ قَالَ يَا رَسُولَ اللَّهِ أَمْسَحُ عَلَى الْخُفَّيْنِ؟ قَالَ "نَعَمْ" قَالَ يَوْمًا؟ قَالَ "نَعَمْ" قَالَ: وَ يَوْمَيْنِ؟ قَالَ "نَعَمْ" قَالَ وَثَلَاثَةً؟ قَالَ "نَعَمْ, وَمَا شِئْتَ" أَخْرَجَهُ أَبُو دَاوُدَ, وَقَالَ لَيْسَ بِالْقَوِيِّ

ابوداود، كتاب الطهارة، باب التوقيت فى المسح: ١٥٨، ابن ماجة: ٥٥٧، الدارقطنى: ١/١٩٨، الحاكم: ١/١٧٠، التلخيص الحبير: ١/١٧١، بيان الوهم والايهام: ٣/٣٢٣

٦٦: حضرت ابی بن عمارۃ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ انہوں نے رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے موزوں پر مسح کرنے کے بارے میں دریافت کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اثبات میں جواب دیا، انہوں نے عرض کیا: ایک دن؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا " ہاں ایک دن" انہوں نے پھر عرض کیا، دو دن؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "ہاں دو دن" انہوں نے پھر عرض کیا، تین دن؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "ہاں تین دن بلکہ جب تک تیرا دل چاہے" اس روایت کو امام ابوداود نے روایت کیا ہے اور اسے کمزور قرار دیا ہے۔

لغوی تحقیق: ابی: ہمزہ مضموم، باء مفتوح اور یاء مشدد۔

تشریح: اس روایت کو امام ابوداود کے علاوہ اور بھی نامور ائمہ نے اپنی کتب میں نقل کیا ہے، امام حاکم نے اس روایت کو نقل کرنے کے بعد لکھا ہے کہ اس روایت پر کسی نے نقد نہیں کیا، امام حاکم کا یہ فرمان قطعاً درست نہیں کیونکہ امام ابوداود نے اس روایت کو نقل کرنے کے بعد اسے لیس بالقوی، امام بخاری رحمہ اللہ نے لایصح اور امام احمد نے اس روایت کے بعض رواۃ کو مجہول قرار دیا ہے، امام نووی فرماتے ہیں اس روایت کے ضعیف اور مضطرب ہونے پر تمام ائمہ حدیث کا اتفاق ہے۔

فقہی احکام: یہ روایت چونکہ ضعیف ہے اس لئے اس سے کوئی بھی مسئلہ مستنبط کرنا درست نہیں۔

٦۔ بَابُ نَوَاقِضِ الْوُضُوْءِ — وضو توڑنے والی چیزوں کا بیان

٦٧: عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ رضی اللہ عنہ قَالَ كَانَ أَصْحَابُ رَسُولِ اللَّهِ صلی اللہ علیہ وسلم عَلَى عَهْدِهِ يَنْتَظِرُونَ الْعِشَاءَ حَتَّى تَخْفِقَ رُؤُوسُهُمْ ثُمَّ يُصَلُّونَ وَلَا يَتَوَضَّئُونَ. أَخْرَجَهُ أَبُو دَاوُدَ وَصَحَّحَهُ الدَّارَقُطْنِيُّ وَأَصْلُهُ فِي مُسْلِمٍ

ابوداود، كتاب الطهارة، باب الوضوء من النوم: ٢٠٠، الدارقطنى: ١/١٣٠، مسلم، كتاب المساجد و مواضع الصلاة، باب وقت العشاء و تاخير ها: ٦٣٨ ـ ٦٤٠، البيهقى: ١/٢٠٦، البخارى: ٥٧٢، ابن ماجة: ٦٩٢

٦٧: حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک میں صحابہ کرام بسا اوقات نماز عشاء کا انتظار اس قدر فرماتے کہ غلبہ نیند کی وجہ سے ان کے سر جھک جاتے اور وہ دوبارہ وضو کئے بغیر نماز ادا کر لیتے۔ اس روایت کو ابوداود نے بیان کیا ہے اور امام دارقطنی نے صحیح قرار دیا ہے۔ اس حدیث کی اصل صحیح مسلم میں ہے۔

لغوی تحقیق: نواقض: یہ ناقض کی جمع مکسر ہے، تخفق: تاء مفتوح، فاء مکسور: نیند کی وجہ سے جھکنا۔

تشریح: یہ روایت حضرت انس رضی اللہ عنہ سے متعدد طرق سے مروی ہے، حافظ ابن حجر نے مختلف طرق سے منقول الفاظ کے پیش نظر اس روایت کو بالمعنی نقل کیا ہے، تفصیل اس طرح ہے، حضرت ثابت بنانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی انگوٹھی کی بابت سوال کیا، انہوں نے فرمایا: عشاء کی نماز کیلئے اقامت کہہ دی گئی اس دوران ایک شخص نے کھڑے ہو کر عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! مجھے آپ سے کچھ کام ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس سے آہستہ آہستہ گفتگو فرماتے رہے یہاں تک کہ نصف رات بیت گئی، اکثر صحابہ اونگھنے لگے،

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

پھر آپ ﷺ تشریف لائے اور فرمایا "وہ وقت جو تم نماز کے انتظار میں بسر کرتے ہو، وہ بھی نماز ہی میں شمار ہوتا ہے" پھر حضرت انس رضی اللہ عنہ سائل کو اس کے اصل سوال کا جواب دیتے ہوئے فرمایا: وہ منظر اب بھی میری آنکھوں کے سامنے ہے، مجھے ایسے محسوس ہو رہا ہے جیسے میں رحمت عالم ﷺ کی چاندی کی انگوٹھی کے نگینہ کو دیکھ رہا ہوں اور آپ ﷺ اپنے بائیں ہاتھ کی چھنگلی کو بلند کئے ہوئے ہیں۔ اس قسم کی احادیث حضرت عائشہ، حضرت عبداللہ بن عباس اور حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہم سے بھی منقول ہیں، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی روایت میں کہ یہ واقعہ اس وقت کا ہے، جب اسلام کا دائرہ زیادہ وسیع نہیں تھا، صحیح مسلم میں مروی روایت میں نماز عشا کو مؤخر کرنے کا ذکر ہے، لیکن صحابہ کے اونگھنے اور دوبارہ وضو کرنے کا ذکر نہیں ہے۔ اس بنا پر حافظ ابن حجر نے فرمایا ہے کہ اس روایت کی اصل مسلم میں ہے۔

فقہی احکام: (۱) اقامت اور تکبیر تحریمہ کے مابین بوقت ضرورت طویل وقفہ کیا جا سکتا ہے اور ایسی صورت میں دوبارہ اقامت کہنے کی ضرورت نہیں۔ (۲) اقامت ہو جائے اور امام اپنی جگہ پر نہ پہنچے تو مقتدی دوبارہ بیٹھ سکتے ہیں۔ (۳) بغیر سہارے کے بیٹھے بیٹھے اگر نیند آ جائے تو وضو نہیں ٹوٹتا۔ (۴) اقامت اور تکبیر تحریمہ کے مابین امام سے نجی گفتگو کی جا سکتی ہے۔ (۵) سائل کو اس کے سوال سے زیادہ بھی بتایا جا سکتا ہے۔ (۶) گزرے ہوئے واقعہ کو حال کے آئینے میں بیان کیا جا سکتا ہے۔ (۷) عشاء کی نماز کو نصف شب تک مؤخر کیا جا سکتا ہے۔ (۸) نماز کا انتظار بھی نماز ہی ہے۔

۶۸: وَعَنْ عَائِشَةَ رضی اللہ عنہا قَالَتْ جَاءَتْ فَاطِمَةُ بِنْتُ أَبِي حُبَيْشٍ إِلَى النَّبِيِّ ﷺ فَقَالَتْ يَا رَسُولَ اللَّهِ! إِنِّي امْرَأَةٌ أُسْتَحَاضُ فَلَا أَطْهُرُ, أَفَأَدَعُ الصَّلَاةَ؟ قَالَ "لَا إِنَّمَا ذٰلِكَ عِرْقٌ, وَلَيْسَ بِحَيْضٍ, فَإِذَا أَقْبَلَتْ حَيْضَتُكِ فَدَعِي الصَّلَاةَ, وَإِذَا أَدْبَرَتْ فَاغْسِلِي عَنْكِ الدَّمَ, ثُمَّ صَلِّي" مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ وَلِلْبُخَارِيِّ "ثُمَّ تَوَضَّئِي لِكُلِّ صَلَاةٍ" وَأَشَارَ مُسْلِمٌ إِلَى أَنَّهُ حَذَفَهَا عَمْدًا

البخاری، کتاب الوضوء، باب غسل الدم: ۲۲۸، مسلم: ۳۳۳، السنن الکبری للبیهقی: ۲/۵۵، شرح البخاری لابن رجب: ۲/۷۲، صحیح ابن حبان: ۱۳۵۴، النسائی: ۱/۱۸۵، الدارمی: ۱/۱۹۹، الطحاوی: ۱/۱۰۲، فتح الباری: ۱/۳۳۲

۶۸: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ فاطمہ بنت ابی حبیش نے رحمت عالم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا: یا رسول اللہ ﷺ! میں مرض استحاضہ میں مبتلا ہوں، اس وجہ سے کبھی بھی پاک نہیں ہوتی، کیا اس حالت میں نماز چھوڑ سکتی ہوں؟ آپ ﷺ نے فرمایا "نہیں، یہ خون حیض نہیں یہ تو رگ ہے (جو پھٹنے کی صورت میں بہتی رہتی ہے)، جب حیض کا خون جاری ہو تب آپ نماز چھوڑ دیں اور جب وہ ایام ختم ہو جائیں، تو غسل کر کے نماز پڑھنا شروع کر دیں" (بخاری و مسلم) صحیح بخاری میں ہے کہ " پھر تم ہر نماز کیلئے وضو کرو " امام مسلم نے کچھ الفاظ کو عمداً چھوڑنے کا عندیا دیا ہے۔

لغوی تحقیق: **حبیش:** حاء مضموم باء مفتوح یاء ساکن یہ حبش کی تصغیر ہے۔ **استحاض:** فعل مجہول ہونے کی وجہ سے علامت مضارع مضموم ہے، یہ **استحاضہ:** سے ماخوذ ہے، استحاضہ اس خون کو کہتے ہیں جو مخصوص ایام کے علاوہ جاری رہتا ہے۔ **عرق:** عین مکسور اور راء ساکن یعنی جسم سے خون کا جاری ہونا، جس رگ سے یہ خون جاری ہوتا ہے اس رگ کو عاذل اور عاذر کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ **حیض:** وہ خون جو ہر ماہ مخصوص ایام میں خواتین کے رحم سے جاری ہوتا ہے۔ **اقبلت:** یعنی جب حیض کے خون کا آغاز ہو۔ **ادبرت:** یعنی جب حیض کا خون ختم ہو جائے۔

تشریح: زیر مطالعہ احادیث میں دو طرح کے خون کا تذکرہ ہے، ایک قسم کے خون کو حیض اور دوسرے قسم کے خون کو استحاضہ سے تعبیر کیا

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

جاتا ہے، حیض سے مراد وہ خون ہے جو خواتین کو آغاز بلوغت سے لیکر اختتام شباب تک ہر ماہ مخصوص ایام میں برابر آتا رہتا ہے، اس خون کا بند ہونا حمل کی علامت یا پھر کسی خطرناک بیماری کا پیش خیمہ ہوتا ہے، یہ خون سیاہ ہوتا ہے۔ استحاضہ سے مراد وہ خون ہے جو عاذل یا عاذر نامی رگ کے پھٹنے کی وجہ سے جاری ہوتا ہے، یہ ایک بیماری ہے اسکا کوئی وقت مقرر نہیں، اس کا رنگ سرخ اور چمکدار ہوتا ہے، ایام حیض کی مدت کے بارے میں اہل علم کے مختلف اقوال ہیں بعض کا کہنا ہے کہ جمع مکسر کا اطلاق تین سے دس تک ہوتا ہے اس لیے حیض کا کم از کم دورانیہ تین دن اور زیادہ دس دن تک ہوسکتا ہے۔ صحیح بات یہی ہے کہ عورت کا جو بھی معمول ہے وہ اسی کے مطابق حیض اور استحاضہ میں فرق کرے۔

امام بخاری ؒ نے ھشام بن عروہ کا یہ بیان نقل کیا ہے کہ میرے والد بزرگوار نے اس روایت کو نقل کرنے کے بعد فرمایا کہ پھر تم ہر نماز کے لئے وضو بناؤ، اس ٹکڑے پر دو اعتراض کئے گئے ہیں۔

(۱) امام زیلعی نے اس ٹکڑے کو تعلیقاً قرار دیا ہے، حافظ حجر اس اعتراض پر نقد کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ یہ اعتراض درست نہیں، کیونکہ یہ ٹکڑا مذکورہ سند ہی سے موصولاً ہے۔

(۲) امام ابن رجب حنبلی اور امام بیہقی وغیرہما کا کہنا ہے کہ یہ مرفوع حدیث کا حصہ نہیں بلکہ عروۃ بن زبیر کا قول ہے، حافظ ابن حجر نے اس اعتراض کا رد کرتے ہوئے لکھا ہے کہ اگر ایسا ہوتا تو عرۃ بن زبیر **ثم توضئی لکل صلاۃ** (پھر تم ہر نماز کیلئے وضو بناؤ) کے بجائے یہ کہتے **ثم تتوضا لکل صلاۃ** پھر وہ ہر نماز کیلئے وضو بناتی۔

حافظ ابن حجر کی تحقیق صائب ہے جیسا کہ امام ابن حبان نے یہی روایت ابوحمزہ عن ہشام بن عروۃ کے طریق سے نقل کی ہے، اس میں یہ مذکور ہے، **فاذا اقبل الحیض فدعی الصلاۃ عدد ایامک التی کنت تحیضین فیہ فاذا ادبرت فاغتسلی وتو ضئی لکل صلاۃ** : یعنی آپ ﷺ نے فرمایا: "جب حیض کا آغاز ہو جائے تو تم اتنے دن نماز ترک کردو، جتنے دن تمہیں پہلے حیض آیا کرتا تھا اور جب اتنے دن پورے ہو جائیں پھر تم غسل کرلینا اور ہر نماز کیلئے وضو کرنا" ابوحمزہ کی متابعت امام حماد بن زید، امام حماد بن سلمہ اور امام ابوعوانہ نے کی ہے، امام مسلم نے حماد بن سلمہ کے طریق سے مروی زیر بحث الفاظ کے ضعیف ہونے کا عندیہ دیا ہے۔

فقہی احکام: (۱) حیض اور استحاضہ کا خون ناپاک اور ناقض وضو ہے۔ (۲) خواتین علما سے بالمشافہ مخصوص مسائل کے بارے میں دریافت کرسکتی ہیں۔ (۳) غیر محرم خواتین کی آواز کو بوقت ضرورت غور سے سنا جاسکتا ہے۔ (۴) خون حیض کا اعتبار ہر عورت اپنی عادت کے مطابق کرے گی۔ (۵) عورت کیلئے ایام حیض میں نماز معاف ہے۔ (۶) حیض کے بعد غسل کرنا فرض ہے۔ (۷) استحاضہ کی صورت میں ایک وضو سے فقط ایک ہی نماز کے فرض اور نفل ادا کئے جاسکتے ہیں۔ (۸) خون استحاضہ بھی اگرچہ ناپاک ہے مگر اس کیلئے غسل کرنا ضروری نہیں۔

۶۹: وَعَنْ عَلِيِّ بْنِ أَبِي طَالِبٍ رضی اللہ عنہ قَالَ كُنْتُ رَجُلاً مَذَّاءً, فَأَمَرْتُ الْمِقْدَادَ بْنَ الْأَسْوَدِ أَنْ يَسْأَلَ النَّبِيَّ ﷺ فَسَأَلَهُ فَقَالَ "فِيهِ الْوُضُوءُ" مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ, وَاللَّفْظُ لِلْبُخَارِيِّ

البخاری، کتاب العلم، باب من استحیا فامرہ غیرہ بالسؤال: ۱۳۲، مسلم: ۳۰۳، ابن خزیمۃ: ۲۲، البیہقی: ۱/ ۲۰۳، ابن حبان: ۳۸۸/۳، النسائی: ۱/۱۱۱(۱۵۲)، ابوداود: ۲۰۶، الترمذی: ۱۱۵

۶۹: حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں میں کثرتِ مذی میں مبتلا تھا، میں نے مقداد رضی اللہ عنہ سے کہا کہ وہ اس بارے میں نبی کریم ﷺ سے دریافت کریں، انہوں نے رحمت عالم ﷺ دریافت کیا تو آپ ﷺ نے فرمایا" فقط وضو کافی ہے " اس روایت کو امام بخاری اور امام

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

مسلم نے بیان کیا ہے، مذکورہ الفاظ بخاری کے ہیں۔

لغوی تحقیق: مــــذاء : ذال پر تشدید، یہ مبالغہ کا صیغہ ہے، یعنی کثرت مذی میں مبتلا تھا، مذی اس سفید پتلے مادے کو کہا جاتا ہے، جو بیوی سے پیار کرتے وقت جماع سے پہلے مرد کی شرم گاہ سے خارج ہوتا ہے۔

تشریح: یہ روایت حضرت علی رضی اللہ عنہ سے متعدد طرق سے مروی ہے، حصین بن قبیصہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ میں کثرت مذی میں مبتلا تھا، میں مذی کی وجہ سے موسم سرما میں غسل کرتا تھا، جس کی وجہ سے میرے جسم کی جلد پھٹ گئی، میں نے رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے تذکرہ کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا " غسل کرنے کی ضرورت نہیں، جب تم مذی دیکھو تو اپنی شرم گاہ دھولو اور وضو بنالو، جس طرح نماز کے لیے وضو بناتے ہو، لیکن جب منی دیکھو تو غسل کرو" ابو عبدالرحمٰن سلمی نے بھی حضرت علی رضی اللہ عنہ اسی قسم کے الفاظ نقل کئے ہیں۔ حضرت رافع بن خدیج رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں، کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے حضرت عمار رضی اللہ عنہ سے کہا کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مذی کے بارے میں دریافت کریں، رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "ایسے شخص کو چاہیے کہ وہ اپنی شرم گاہ دھولے اور وضو بنالے " حضرت مقداد رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ان سے کہا کہ وہ رحمت عالم سے دریافت کریں کہ ایک شخص اپنی بیوی کے جب قریب جاتا ہے، تو اس سے مذی کا خروج ہو جاتا ہے، ایسی صورت میں وہ کیا کرے؟ چونکہ رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی لخت جگر میرے نکاح میں ہے، اس لئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے براہ راست سوال کرنے میں مجھے شرم آتی ہے۔ حضرت مقداد رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا " آپ میں سے جس شخص کے ساتھ یہ معاملہ پیش آجائے تو اسے چاہیے کہ وہ اپنی شرم گاہ دھولے اور اس طرح وضو بنالے جس طرح وہ نماز کیلئے وضو بناتا ہے۔" درج بالا روایات میں بظاہر تضاد نظر آتا ہے، اس لئے بعض حضرات نے ان روایات پر اضطراب کا حکم لگایا ہے ،لیکن صحیح یہی ہے کہ یہ روایت اضطراب سے پاک ہے کیونکہ وہ طریق جس میں حضرت عمار رضی اللہ عنہ کے سوال کرنے کا تذکرہ ہے، وہ ایاس بن خلیفہ کی وجہ سے ضعیف ہے، جبکہ دیگر دونوں طرق سے یہ عیاں ہو رہا ہے کہ حضرت مقداد اور حضرت علی رضی اللہ عنہما نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے الگ الگ سوال کیا تھا، ممکن ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ، حضرت مقداد رضی اللہ عنہ کو سوال کرنے کا حکم دینے کے بعد خود رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش ہو گئے ہوں یا حضرات مقداد رضی اللہ عنہ کے خبر لانے کے بعد مزید تشفی کیلئے خود دریافت کر لیا ہو، اسی قسم کی روایات حضرت ابی، حضرت سہل بن حنیف اور حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہم سے بھی منقول ہیں۔ حضرت سھل رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث میں کپڑے پر چھینٹے مارنے کا ذکر ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ ودی اور مذی دونوں کا ایک ہی حکم ہے۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ پیشاب کرنے کے بعد جو قطرہ خارج ہوتا ہے اسے ودی کہتے ہیں۔

فقہی احکام: (۱) اگر مسئلہ دریافت کرنے میں خود کو شرم آتی ہو تو دوسرے سے کہا جا سکتا ہے۔ (۲) تعریض سے کام لیا جا سکتا ہے۔ (۳) مذی کے خروج سے غسل واجب نہیں ہوتا البتہ شرم گاہ کو دھونا اور وضو کرنا لازم ہے اگر چہ نماز کا وقت نہ ہو۔ (۴) مذی اگر کپڑے کو لگ جائے تو اس پر چھینٹے مار لینا ہی کافی ہے۔

۷۰: وَعَنْ عَائِشَةَ رضی اللہ عنہا ,أَنَّ النَّبِيَّ صلی اللہ علیہ وسلم قَبَّلَ بَعْضَ نِسَائِهِ ,ثُمَّ خَرَجَ إِلَى الصَّلَاةِ وَلَمْ يَتَوَضَّأْ .أَخْرَجَهُ أَحْمَدُ ,وَضَعَّفَهُ الْبُخَارِيُّ

مسند احمد: ۶/ ۲۱۰، البیھقی: ۱/ ۲۱۹، السنن للدارقطنی: ۱/ ۱۳۵ ـ ۱۴۱، العلل لابن ابی حاتم: ۱/ ۴۸، ابوداود: ۱/ ۹۴، الترمذی: ۸۶

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

۷۰: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی کسی بیوی کا بوسہ لیا اور نماز کیلئے تشریف لے گئے اور وضو نہیں بنایا، اس حدیث کو امام احمد نے روایت کیا ہے اور امام بخاری نے اسے ضعیف قرار دیا ہے۔

لغوی تحقیق: قبل: قاف مفتوح اور باء مشدد مفتوح یعنی بوسہ لیا۔

تشریح: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے یہ روایت متعدد طرق سے منقول ہے اور ہر طریق کسی نہ کسی علت کی وجہ سے ضعیف ہے، عروۃ بن زبیر سے مروی طریق حبیب بن ابی ثابت اور امام زہری کے بھتیجے کی وجہ سے ضعیف ہے۔ امام بخاری فرماتے ہیں کہ حبیب بن ابی ثابت کا عروۃ سے سماع ثابت نہیں، امام یحییٰ بن سعید فرماتے ہیں کہ اس سلسلے میں سفیان ثوری تمام اہل علم سے زیادہ معلومات رکھتے ہیں، ان کا یہ خیال ہے کہ حبیب نے عروۃ بن زبیر سے کچھ نہیں سنا، اس طریق سے مروی اس حدیث کو ابو حاتم نے بھی ضعیف قرار دیا ہے، امام ابوزرعہ فرماتے ہیں اگر چہ میں بھی یہی کہتا ہوں کہ بوسہ لینے سے وضو نہیں ٹوٹتا، تاہم یہ حدیث ضعیف ہے، حافظ ابن حجر نے جو متن نقل کیا ہے وہ متن امام احمد نے عروۃ بن زبیر کے طریق سے نقل کیا ہے لیکن شیخ صفی الرحمٰن مبارکپوری نے اس متن کو ابراہیم تیمی کے طریق کی طرف منسوب کیا ہے، معلوم ہوتا ہے کہ موصوف کو اس سلسلے میں غلطی لگی ہے کیونکہ امام احمد نے ابراہیم تیمی کے طریق سے جو روایت نقل کی اس کے الفاظ اس طرح ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بوسہ لیا اور نماز پڑھی لیکن وضو نہیں فرمایا، یہ طریق بھی ضعیف ہے کیونکہ ابراہیم تیمی کا حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے سماع ثابت نہیں، ابوسلمہ عن عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ایک طریق میں بھی یہی مضمون مذکورہ ہے مگر وہ طریق بھی سعید بن بشیر کی وجہ سے ضعیف ہے کیونکہ امام ابن معین نے اسے ضعیف اور امام دارقطنی نے لیس بالقوی کہا ہے، اس قسم کی ایک روایت حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے عطاء بھی نقل کرتے ہیں، مگر وہ طریق غالب بن عبیداللہ کی وجہ سے ضعیف ہے ان بیانات سے یہ واضح ہوا، حدیث اگر چہ ضعیف ہے، تاہم تعدد طرق کی وجہ سے قدر قابل عمل ہے۔

فقہی احکام: بوسہ کا ناقض وضو ہونا کسی صحیح یا حسن حدیث سے ثابت نہیں، لہٰذا بوسہ لینے سے وضو نہیں ٹوٹتا۔

۷۱: وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضی اللہ عنہ قَالَ، قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم "إِذَا وَجَدَ أَحَدُكُمْ فِي بَطْنِهِ شَيْئًا, فَأَشْكَلَ عَلَيْهِ أَخَرَجَ مِنْهُ شَيْءٌ, أَمْ لَا؟ فَلَا يَخْرُجَنَّ مِنَ الْمَسْجِدِ حَتَّى يَسْمَعَ صَوْتًا, أَوْ يَجِدَ رِيحًا" أَخْرَجَهُ مُسْلِمٌ

مسلم، کتاب الحیض، باب الدلیل علی ان من تیقن الطھارۃ ثم شک فی الحدث فلہ ان یصلی بطھارتہ......: ۳۶۲، الترمذی: ۷۵، صحیح ابن خزیمۃ: ۱۸/۱، ۱۹، البیھقی: ۲۰۶/۱، ابن ماجۃ: ۵۱۶، میزان الاعتدال: ۳۶۸/۴

۷۱: حضرت ابوہریرۃ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا " جب تم میں سے کوئی ایک اپنے پیٹ میں کوئی چیز محسوس کرے اور اس کیلئے یہ فیصلہ کرنا دشوار ہو کہ اس کے پیٹ سے کوئی چیز خارج ہوئی ہے یا نہیں؟ تو وہ اس وقت تک مسجد سے باہر نہ نکلے جب تک وہ ہوا خارج ہونے کی آواز یا بد بو محسوس نہ کرے۔

لغوی تحقیق: اشکل: مشکل ہو جائے۔ ریحا: ہوا۔

تشریح: یہ حدیث مبارکہ اہل ایمان کو یہ درس دیتی ہے کہ وہ تردد وشک کے تاریک پردوں سے باہر نکل کر یقین واعتماد کی روشنی میں اپنی زندگی کے تمام امور سرانجام دیں، وضو، نماز کیلئے اگر چہ بنیادی شرط ہے لیکن محض ظن وتخمین کی وجہ سے نماز کو منقطع کر کے دوبارہ وضو کرنا درست نہیں، نمازی دوران نماز اگر ایسی کیفیت میں مبتلا ہو جائے کہ اس کا وضو قائم ہے یا ٹوٹ گیا ہے تو اس صورت میں اس کیلئے لازم ہے کہ وہ اس وقت تک نماز منقطع نہ کرے جب تک وہ ہوا کے خارج ہونے کی آواز یا اس کی بد بو نہ پالے۔ عہد نبوی میں چونکہ مساجد میں وضو

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

کا انتظام نہیں تھا، اس لئے اس حدیث میں نماز منقطع نہ کرنے کو مسجد سے باہر نہ نکلنے سے تعبیر کیا گیا ہے، امام شعبہ سے مروی طریق میں اسی مضمون کو مختصراس طرح بیان کیا گیا ہے کہ دوبارہ وضوہوا کے خارج ہونے کی آواز سننے یا بدبو محسوس کرنے کے بعد ہی کیا جائے ، بدبو کا سراغ لگانے کیلئے کپڑے وغیرہ سونگھنے کی ضرورت نہیں کیونکہ جس روایت میں کپڑے وغیرہ سونگھنے کا ذکر ہے وہ روایت سخت ضعیف ہے۔

فقہی احکام: (۱) محض شک کی بنا پر نماز منقطع نہ کی جائے۔ (۲) شرم وحیا کو ملحوظ خاطر لاتے ہوئے تعریض سے کام لیا جائے۔

(۳) دوران نماز وضو ٹوٹ جائے تو نماز منقطع کر کے دوبارہ وضو کیا جائے۔

۷۲: **وَعَنْ طَلْقِ بْنِ عَلِيٍّ ﷛ قَالَ، قَالَ رَجُلٌ مَسَسْتُ ذَكَرِى أَوْ قَالَ الرَّجُلُ يَمَسُّ ذَكَرَهُ فِي الصَّلَاةِ ,أَعَلَيْهِ وُضُوءٍ؟ فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ "لَا ,إِنَّمَا هُوَ بَضْعَةٌ مِنْكَ" أَخْرَجَهُ الْخَمْسَةُ ,وَصَحَّحَهُ ابْنُ حِبَّانَ وَقَالَ ابْنُ الْمَدِينِيِّ هُوَ أَحْسَنُ مِنْ حَدِيثِ بُسْرَةَ**

ابوداود، کتاب الطهارة،باب الرخصة فی ذالک: ۱۸۲، الترمذی، ابواب الطهارة، باب ترک الوضوء من مس الذکر: ۸۵، النسائی : ۱۰۱/۱، ابن ماجة: ۴۸۳، مسنداحمد: ۲۳/۴، الدارقطنی : ۱۴۹/۱، الطحاوی: ۷۵/۱، البیهقی: ۱۳۰/۱ ـ ۱۳۲، ابن حبان: ۴۰۳/۳ ـ ۴۰۵، ابن خزیمة: ۲۳/۱، الضعفاء و المتروکین: ۸۳۳/۳، عبدالرزاق: ۱۱۶/۱، ۱۱۷، الطبرانی فی الکبیر: ۱۷۸/۱۷، علل الحدیث لابن ابی حاتم: ۴۸/۱

۷۲: حضرت طلق بن علی ﷛ سے منقول ہے کہ ایک شخص نے کہا میں نے اپنا آلہ تناسل چھولیا ہے، یا یوں کہا کہ ایک آدمی نے حالت نماز میں اپنے آلہ تناسل کو ہاتھ لگالیا، کیا اسے دوبارہ وضو کرنا چاہیے؟ رحمت عالم ﷺ نے فرمایا " نہیں کیونکہ وہ تو آپ کے جسم کا ہی حصہ ہے " اس حدیث کو امام ابوداود، امام ترمذی، امام نسائی، امام ابن ماجہ اور امام احمد نے روایت کیا ہے اور امام ابن حبان نے اسے صحیح قرار دیا ہے، امام علی بن مدینی فرماتے ہیں یہ حدیث حضرت بسرہ ﷞ سے مروی حدیث سے کہیں زیادہ بہتر ہے۔

لغوی تحقیق: ذکر: ذال اور کاف کی زبر کے ساتھ یعنی آلہ تناسل۔ بضعة: باء پر زبر اور زیر پڑھا جاسکتا ہے، ضاد ساکن، گوشت کا ٹکڑا المدینی: میم کی زبر اور دال کی زیر کے ساتھ، یہ اپنے دادا کی طرف منسوب ہیں۔ بسرة: باء کی پیش اور سین کے سکون کے ساتھ۔

تشریح: اس روایت کی صحت اور عدم صحت کے بارے میں اہل علم میں شدید اختلاف پایا جاتا ہے، اس اختلاف کا سبب قیس بن طلق اوران کے تلامذہ ہیں، قیس بن طلق اس روایت کے مرکزی راوی ہیں، ان سے یہ روایت ان کے پانچ تلامذہ نقل کرتے ہیں ملازم بن عمرو عن عبداللہ بن بدر سے مروی طریق کو امام طحاوی نے صحیح و مستقیم قرار دیتے ہوئے اس کی سند اور متن کو اضطراب و علل سے پاک قرار دیا ہے، علامہ ہیثمی نے بھی اس روایت کے جملہ رواۃ کو ثقہ قرار دیا ہے، البتہ امام بیہقی ؒ فرماتے ہیں کہ امام ابوبکر احمد بن اسحاق الضبعی نے ملازم پر کلام کیا ہے۔ قیس بن طلق سے یہ روایت محمد بن جابر یمانی، ایوب بن محمد اور ایوب بن عتبہ بھی نقل کرتے ہیں، ان تینوں رواۃ کو نامور ماہرین فن نے ضعیف قرار دیا ہے اور بعض نے محمد بن جابر کو ثقہ کہا ہے اس روایت کو عکرمہ بن عمار نے بھی قیس بن طلق سے نقل کیا ہے، عکرمہ بن عمار کی تعدیل و جرح کے بارے میں اہل علم کی مختلف آراء ہیں، امام یحیٰی بن سعید، امام احمد بن حنبل اور امام بخاری نے اسے ضعیف قرار دیا ہے، جبکہ دیگر ماہرین فن نے انہیں ثقہ قرار دیا ہے۔ امام ترمذی نے قیس بن طلق سے مروی جملہ طرق پر تبصرہ کرتے ہوئے ملازم بن عمرو سے مروی طریق کو سب سے احسن قرار دیا ہے۔ اس روایت کا مرکزی راوی قیس بن طلق ہے امام شافعی، امام یحیٰی معین، امام ابوزرعہ اور امام ابوحاتم نے اسکی مرویات کو بطور حجت اختیار کرنے سے گریز کیا ہے، جبکہ امام ابن حبان، امام ابن خزیمہ اور امام العجلی نے اسے ثقہ

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

قرار دیا ہے۔ اس روایت کی تائید حضرت ابوامامہ اور حضرت عصمہ بن مالک سے مروی روایات سے بھی ہوتی ہے، لیکن ان سے ایک روایت جعفر بن زبیر اور دوسری روایت احمد بن رشدین اور فضل بن مختار کی وجہ سخت ضعیف ہیں۔ جس طرح اس روایت کی صحت اور عدم صحت کے بارے میں اہل علم کا اختلاف ہے اسی طرح اس روایت کے نسخ اور عدم نسخ کے بارے میں بھی اختلاف ہے۔ امام بیہقی نے اسے منسوخ قرار دیا ہے، امام ابن حبان اس روایت پر تبصرہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ حضرت طلق بن علی رضی اللہ عنہ سے مروی روایت منسوخ ہے، کیونکہ طلق بن علی رضی اللہ عنہ نے یہ مسئلہ رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے اس وقت دریافت کیا جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم مسجد نبوی تعمیر فرما رہے تھے، مسجد نبوی کی تعمیر ہجرت نبوی کے پہلے سال ہوئی ہے جبکہ حضرت ابوہریرۃ رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث میں وضو کرنا مذکور ہے، واضح رہے کہ حضرت ابوہریرۃ رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث سات سال بعد کی ہے لہٰذا حضرت ابوہریرۃ رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث ناسخ ہوئی اور حضرت طلق بن علی رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث منسوخ ہوئی۔ امام ابن حبان کا یہ موقف دو اعتبار سے درست نہیں (۱) حضرت ابوہریرۃ رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث حضرت طلق بن علی رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث کے معارض نہیں بلکہ اس کی تفسیر ہے کیونکہ حضرت طلق رضی اللہ عنہ سے مروی روایت تفصیلا اس طرح ہے کہ ہم رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی مبارک محفل میں تھے، اس دوران ایک شخص حاضر ہوا اور اس نے عرض کیا، یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! اگر ہم میں سے کوئی ایک نماز پڑھ رہا ہو اور دوران نماز اسے خارش چھڑ جائے، خارش کرتے کرتے اس کا ہاتھ اس کی شرم گاہ سے لگ جائے (تو اس صورت میں اس کیلئے کیا حکم ہے؟) آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا " وہ بھی تیرے جسم کا ایک ٹکڑا ہی ہے " جبکہ حضرت ابوہریرۃ رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث میں ہے کہ رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا " جب تم میں سے کسی ایک کا ہاتھ خارش کرتے کرتے اس کی شرم گاہ تک پہنچ جائے یا وہ اسے براہ راست چھولے تو اس صورت میں وضو کرلے یعنی اگر کپڑے کے اوپر سے لگ جائے تو کوئی حرج نہیں " (۲) حضرت ابوہریرۃ رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث کو محض اس لئے مؤخر قرار دینا درست نہیں کہ حضرت ابوہریرۃ رضی اللہ عنہ ۷ ہجری میں مسلمان ہوئے ہیں کیونکہ اس روایت میں حضرت ابوہریرۃ رضی اللہ عنہ نے یہ صراحت نہیں فرمائی کہ یہ روایت انہوں نے براہ راست رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنی ہے، ممکن ہے کہ یہ روایت حضرت ابوہریرۃ رضی اللہ عنہ نے کسی اور صحابی سے سن کر اسے مرسل بیان کر دیا ہو۔ (۳) امام ابن خزیمہ حدیث بسرۃ اور حدیث طلق کے درمیان تطبیق دیتے ہوئے فرماتے ہیں کہ اس صورت میں وضو کرنا واجب نہیں بلکہ مستحب ہے۔ (۴) حضرت حزیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ بھی اس حدیث کو منسوخ خیال نہیں کرتے کیونکہ ان کا فتوی بھی حدیث طلق کے موافق ہے یہ اثر سنداً صحیح ہے۔

فقہی احکام: (۱) اگر ہاتھ کپڑے کے اوپر سے شرم گاہ کو لگ جائے تو اس صورت میں وضو نہیں ٹوٹتا۔ (۲) معرفت دین کی خاطر مخصوص مسائل بھی دریافت کئے جاسکتے ہیں۔ (۳) جس مسئلہ کا علم نہ ہو وہ مسئلہ فقط اہل علم ہی سے دریافت کرنا چاہیے۔

۷۳: وَعَنْ بُسْرَةَ بِنْتِ صَفْوَانَ رضی اللہ عنہا أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صلی اللہ علیہ وسلم قَالَ "مَنْ مَسَّ ذَكَرَهُ فَلْيَتَوَضَّأْ" أَخْرَجَهُ الْخَمْسَةُ, وَصَحَّحَهُ التِّرْمِذِيُّ, وَابْنُ حِبَّانَ وَقَالَ الْبُخَارِيُّ هُوَ أَصَحُّ شَيْءٍ فِي هَذَا الْبَابِ

ابوداود، کتاب الطھارة، باب الوضوء من مس الذکر: ۱۸۱، الترمذی: ۸۳، النسائی: ۱/۱۰۰، ابن ماجة: ۴۷۹، مسند احمد: ۶/۴۰۷، صحیح ابن حبان: ۳/۴۰۰، ۴۰۱، صحیح ابن خزیمة: ۱/۲۲، الطحاوی: ۱/۵۵ ـــ ۵۷، التحقیق لابن جوزی: ۱۹۳، التلخیص الحبیر: ۱/۱۲۲، المعجم الاوسط للطبرانی: ۴۸۴، ۱۴۸۰، ۳۱۰۸، ۴۰۰۴، البیھقی: ۱/۲۲۷

۷۳: حضرت بسرۃ بنت صفوان رضی اللہ عنہا سے منقول ہے کہ رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا " جو اپنی شرم گاہ کو ہاتھ لگائے وہ وضو بنائے " اسے ابوداود، ترمذی، نسائی، ابن ماجہ اور احمد نے بیان کیا ہے، اسے امام ترمذی اور امام ابن حبان نے صحیح قرار دیا ہے اور امام بخاری فرماتے

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ہیں: اس مسئلے میں سب سے زیادہ صحیح حدیث یہی ہے۔

لغوی تحقیق: بسرة : باء کی پیش کے ساتھ۔

تشریح: یہ حدیث بظاہر سابقہ حدیث کے معارض ہے کیونکہ اس حدیث مبارک میں یہ صراحتاً مذکور ہے کہ شرم گاہ کو ہاتھ لگ جانے کی صورت میں وضوٹوٹ جاتا ہے، لیکن یہ حدیث بھی سابقہ حدیث کی طرح اہل علم کے درمیان متنازع ہے، امام بخاری نے اس حدیث کو اپنی صحیح میں تو جگہ نہیں دی، تاہم انہوں نے اس حدیث کو سابقہ حدیث سے صحیح قرار دیا ہے۔ اس حدیث کے مرکزی راوی عروۃ بن زبیر ہیں، ان سے یہ روایت ان کے لخت جگر ہشام، عبداللہ بن ابی بکر اور زہری نقل کرتے ہیں، امام نسائی کا کہنا ہے کہ ہشام نے یہ روایت اپنے والد سے نہیں سنی، امام نسائی کی یہ تحقیق حقیقت کے خلاف ہے کیونکہ امام ترمذی اور امام احمد نے اپنی سند سے جو روایت نقل کی ہے اس میں یہ صراحتاً مذکور ہے کہ ہشام نے یہ روایت اپنے والد سے براہ راست سنی ہے۔ اس روایت پر دوسرا اعتراض یہ کیا جاتا ہے کہ امام ابن حبان اور ابن خزیمہ نے اس روایت کو صحیح قرار دیا ہے، اور ساتھ ہی مروان بن حکم پر کلام بھی کیا ہے جبکہ انہوں نے اپنی کتابوں میں بھی یہ حدیث بایں طور نقل نہیں کی کہ جس سے یہ واضح ہو کہ حضرت عروۃ نے یہ حدیث براہ راست بسرۃ بنت صفوان سے سنی ہے۔ یہ اعتراض یہاں تک تو درست ہے کہ صحیح ابن حبان اور صحیح ابن خزیمہ میں منقول سند سے عروۃ کا براہ راست بسرۃ سے سماع ثابت نہیں ہوتا ہے لیکن امام احمد نے یحیٰی بن سعید کے طریق سے جو روایت نقل کی ہے، اس میں صراحتاً مذکور ہے کہ حضرت عروۃ رضی اللہ عنہ نے یہ حدیث حضرت بسرۃ بنت صفوان رضی اللہ عنہا سے براہ راست بھی سنی ہے لہٰذا یہ اعتراض بھی باطل ہے۔ یہ روایت صحیح اور متصل ہونے کے ساتھ ساتھ مؤید بھی ہے جیسا کہ حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما سے مروی حدیث میں بھی صراحتاً مذکور ہے کہ جو بھی مرد یا عورت اپنی شرم گاہ کو ہاتھ لگائے اسے وضو کرنا چاہیے یہ حدیث بھی صحیح ہے۔ اسی طرح اسی مضمون کی حدیث حضرت زید بن خالد رضی اللہ عنہ سے بھی منقول ہے، اس حدیث کو اگرچہ امام طحاوی نے منقطع اور امام علی بن مدینی نے منکر قرار دیا ہے لیکن انصاف کی بات یہی ہے کہ یہ روایت بھی ہر قسم کے غبار سے پاک ہے، حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا سے بھی منقول ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا " جس نے اپنی شرم گاہ کو ہاتھ لگایا اسے وضو کرنا چاہیے " اس حدیث کو امام بوصیری نے امام بخاری، امام یحیٰی بن معین، امام ابوزرعہ، امام ابوحاتم اور امام نسائی کے اقوال کی روشنی میں منقطع قرار دیا ہے، حافظ ابن حجر نے ان کی تحقیق پر نقد کرتے ہوئے لکھا ہے کہ شامی محدثین کے احوال سے امام دحیم سب سے زیادہ آگے تھے، انہوں نے یہ ثابت کیا ہے کہ حضرت مکحول رضی اللہ عنہ نے حضرت عنبسہ رضی اللہ عنہ سے سنا ہے۔ ان دونوں احادیث کو باہم معارض قرار دینے کی بجائے حضرت ابوہریرۃ رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث کی روشنی میں تطبیق دیدی جائے کہ اگر ہاتھ براہ راست لگ جائے تو وضوٹوٹ جاتا ہے اور اگر کپڑے وغیرہ کے اوپر سے لگے تو پھر نہیں ٹوٹتا۔

فقہی احکام: شرم گاہ کو اگر ہاتھ براہ راست لگے تو وضوٹوٹ جاتا ہے۔

۷۴: وَعَنْ عَائِشَةَ رضی اللہ عنہا أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ "مَنْ أَصَابَهُ قَيْءٌ أَوْ رُعَافٌ ,أَوْ قَلْسٌ ,أَوْ مَذْيٌ فَلْيَنْصَرِفْ فَلْيَتَوَضَّأْ ,ثُمَّ لِيَبْنِ عَلَى صَلَاتِهِ ,وَهُوَ فِي ذٰلِكَ لَا يَتَكَلَّمُ" أَخْرَجَهُ اِبْنُ مَاجَه وَضَعَّفَهُ أَحْمَدُ وَغَيْرُهُ

ابن ماجة، ابواب اقامة الصلوات و السنة فيها، باب ماجاء في البناء على الصلاة: ۱۲۲۲، الدارقطنی : ۱/۱۵۴، البیهقی: ۱/۲۴۱، المعجم الكبير للطبراني: ۶/۲۳۹، المؤطا: ۱/۳۸

۷۴: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے منقول ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا " جسے قے یا نکسیر یا مذی آجائے، اسے چاہیے کہ وہ نماز توڑ دے اور وضو بنائے اور وضو بنانے کے بعد سابقہ نماز پر بنا رکھے، بشرطیکہ اس دوران اس نے کوئی دنیاوی گفتگو نہ کی ہو " اس روایت کو امام

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ابن ماجہ نے روایت کیا ہے اور امام احمد نے اسے ضعیف قرار دیا ہے۔

لغوی تحقیق: قئی: وہ چیز جو منہ کے راستے معدے سے خارج ہو۔ رعاف: راء پر پیش، وہ خون جو ناک کے راستے خارج ہوتا ہے۔ قلس: قاف مفتوح اور لام ساکن، منہ کے راستے حلق سے خارج ہونے والا مواد۔ لیبن: بنا رکھے، یعنی وضو ٹوٹنے کی وجہ سے جس حال میں نماز منقطع کی تھی، دوبارہ اسی حالت سے نماز کا آغاز کرے۔

تشریح: زیر مطالعہ روایت میں قے، الٹی، نکسیر اور مذی کے خروج کو نواقض وضو میں شمار کیا گیا ہے، جہاں تک مذی کا تعلق ہے، بالاتفاق ناقض وضو ہے، دیگر تینوں اشیاء کے نواقض وضو ہونے یا نہ ہونے کے بارے میں اختلاف پایا جاتا ہے۔ زیر مطالعہ روایت رحمت عالم ﷺ سے موصولاً اور مرسل ہر دو طرح سے منقول ہے، موصولاً روایت کو تمام ماہرین فن نے بالاتفاق ضعیف قرار دیا ہے۔ محدثین نے اس روایت کے ضعف کی علت یہ بیان کی ہے کہ اسمٰعیل بن عیاش کی فقط وہی روایات صحیح ہیں جو وہ اہل شام سے نقل کرتے ہیں، زیر مطالعہ روایت چونکہ وہ اہل حجاز سے نقل کرتے ہیں، اس لئے یہ روایت ضعیف ہے۔ اس روایت کو موصول بیان کرنے میں اگرچہ سلیمان بن ارقم نے اسمٰعیل کی متابعت کی ہے لیکن یہ متابعت مفید نہیں کیونکہ ماہرین فن کے نزدیک سلیمان متروک الحدیث ہے۔ البتہ اس روایت کے مرسل طریق کو امام بیہقی اور ابوحاتم نے صحیح قرار دیا ہے۔ احناف کے نزدیک چونکہ مرسل روایت بھی حجت ہے اس لئے احناف کے نزدیک اس روایت پر عمل کرنا ضروری ہے، اہل حدیث اور شوافع کے نزدیک چونکہ مرسل روایت حجت نہیں، اس لئے ان کے نزدیک قے اور نکسیر نواقض وضو نہیں ہیں۔ اس مفہوم کی ایک روایت حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، لیکن یہ روایت ابوبکر کی وجہ سے سابقہ روایت سے بھی زیادہ ضعیف ہے۔ اسی قسم کی ایک روایت حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ سے بھی مرفوعاً منقول ہے، مگر یہ روایت عمرو بن خالد الوسطی کذاب کی وجہ سے مردود ہے۔ حضرت نافع رحمہ اللہ سے منقول ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی دوران نماز نکسیر پھوٹ گئی تو انہوں نے نماز منقطع کر کے دوبارہ وضو کیا اور چپ چاپ واپس آ کر پہلی نماز پر بنا رکھی۔ یہ اثر سنداً صحیح ہے۔ جبکہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے لخت جگر حضرت سالم بن عبداللہ رحمہ اللہ سے بسند صحیح وضو نہ کرنا منقول ہے، امام بیہقی اس تضاد کو حل کرتے ہوئے فرماتے ہیں، کہ یہاں وضو کرنے سے مراد وضو حقیقی نہیں، بلکہ وضو مجازی ہے، یعنی انہوں نے نماز منقطع کر کے صرف خون صاف کیا اور دوبارہ واپس آ کر پہلی نماز پر بنا رکھی۔ امام زرقانی فرماتے ہیں کہ نکسیر چونکہ ناقض وضو نہیں تھی، اس لئے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے بنا کو قائم رکھا۔

فقہی احکام: (۱) نکسیر، قے، الٹی وغیرہ نواقض وضو نہیں، تاہم ان کی موجودگی میں نماز جاری رکھنا درست نہیں۔ (۲) سابقہ نماز پر بنا رکھنا حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کا اپنا اجتہاد ہے، یہ اجتہاد صحیح احادیث کے ساتھ معارض ہونے کی وجہ سے قابل عمل نہیں۔

۷۵: وَعَنْ جَابِرِ بْنِ سَمُرَةَ رضی اللہ عنہما أَنَّ رَجُلاً سَأَلَ النَّبِيَّ ﷺ أَتَوَضَّأُ مِنْ لُحُومِ الْغَنَمِ؟ قَالَ "إِنْ شِئْتَ" قَالَ أَتَوَضَّأُ مِنْ لُحُومِ الْإِبِلِ؟ قَالَ "نَعَمْ" أَخْرَجَهُ مُسْلِمٌ

مسلم، كتاب الحيض، باب الوضوء من لحوم الابل: ۳۶۰، ابن ماجة: ۴۹۵، البيهقى: ۱/ ۲۶۵، مسند احمد: ۵/ ۱۸۶، ۲۰۰، ابن خزيمة: ۱/ ۲۱، ابوعوانة: ۱/ ۲۷۰

۷۵: حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ ایک شخص نے رحمت عالم ﷺ سے دریافت کیا، کیا میں بکرے کا گوشت کھانے کے بعد وضو بناؤں؟ آپ ﷺ نے فرمایا "اگر بنانا چاہو تو بنا لو" پھر اس نے کہا: اونٹ کا گوشت کھانے کے بعد؟ آپ ﷺ نے فرمایا "ہاں اس کے بعد وضو بنانا چاہیے۔" اس روایت کو امام مسلم نے بیان کیا ہے۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

لغوی تحقیق: **لحوم:** لام اور حاء دونوں مضموم، یہ لحم کی جمع ہے۔ **الغنم:** غین اور میم دونوں مفتوح، اسم جنس ہے، یعنی بکرا اور بکری ہر دو کیلئے استعمال ہوتا ہے۔ **الابل:** ہمزہ اور باء دونوں مکسور یعنی اونٹ۔

تشریح: حضرت جعفر بن ابی ثور رضی اللہ عنہ سے یہ حدیث تین نامور رواۃ، عثمان بن عبداللہ، سماک بن حرب اور اشعث بن ابی شعثاء نقل کرتے ہیں۔ امام ابن خزیمہ فرماتے ہیں کہ یہ حدیث نقل کے اعتبار سے بالکل صحیح ہے۔ واضح رہے کہ یہ حدیث اس امر کی واضح دلیل ہے کہ اونٹ کے گوشت کا استعمال ناقض وضو ہے، اس لئے جو شخص بھی اونٹ کا گوشت کھائے، اسے وضو کرنا ہوگا۔ یہ ایک تعبدی حکم ہے، اس لئے اس بارے میں شکوک وشبہات یا کوئی حکمت تلاش کرنے کی ضرورت نہیں، نیز یہ کہنا بھی درست نہیں کہ یہاں وضو سے مراد نماز والا وضو نہیں بلکہ محض ہاتھ منہ دھونا ہے، کیونکہ زیر مطالعہ حدیث میں اونٹ اور بکرے کے گوشت کے استعمال کے بعد وضو کے بارے میں الگ الگ حکم منقول ہے، اگر یہاں محض ہاتھ منہ دھونا مراد لیں تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ بکرے کے گوشت کے استعمال کے بعد ہاتھ منہ دھونے کی ضرورت نہیں، حالانکہ ایسا نہیں ہے، نیز وضو ایک شرعی لفظ ہے اسے بغیر کسی قرینے کے لغوی معنی پر محمول کرنا درست نہیں، شرعی الفاظ کو اگر ہم نے لغوی معانی پہنانے کا دروازہ کھول دیا تو تمام شرعی عبادات سے ہاتھ دھونے پڑ جائیں گے۔

فقہی احکام: (۱) بکرے کا گوشت کھانے سے وضو نہیں ٹوٹتا۔ (۲) اونٹ کا گوشت کھانے سے وضو ٹوٹ جاتا ہے۔

۷۶: وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضی اللہ عنہ قَالَ، قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ "مَنْ غَسَّلَ مَيْتًا فَلْيَغْتَسِلْ ,وَمَنْ حَمَلَهُ فَلْيَتَوَضَّأْ" أَخْرَجَهُ أَحْمَدُ ,وَالنَّسَائِيُّ ,وَالتِّرْمِذِيُّ وَحَسَّنَهُ وَقَالَ أَحْمَدُ لَا يَصِحُّ فِي هَذَا الْبَابِ شَيْءٌ

حديث مسند احمد: ۲ /۴۳۳، الترمذی، ابواب الجنائز، باب ماجاء فی الغسل من غسل الميت: ۹۹۳، البيهقی: ۱/۵۰۵، ابوداود: ۳۱۶۱، ابن ماجة: ۱۴۶۳، ابن حبان: ۱۱۶۱، عبدالرزاق: ۶۱۱۰، حديث مغيره مسند احمد: ۱۸۱۷۰، مسند ابی هريرة: ۹۶۰۷، حديث علی مسند احمد: ۲/۲۸۰، ۴۳۳، ۴۵۴

۷۶: حضرت ابوہریرۃ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رحمت عالم ﷺ نے فرمایا " جس نے میت کو غسل دیا، وہ خود بھی غسل کرے اور جس نے میت کو کندھا دیا وہ وضو بنائے " اس حدیث کو امام احمد، امام نسائی اور امام ترمذی نے روایت کیا ہے، امام ترمذی نے اسے حسن قرار دیا ہے اور امام احمد فرماتے ہیں کہ اس مسئلہ سے متعلق کوئی بھی صحیح حدیث موجود نہیں۔

تشریح: یہ حدیث متعدد صحابہ سے متعدد طرق سے مروی ہے اور خود حضرت ابوہریرۃ رضی اللہ عنہ سے بھی یہ حدیث کئی طرق سے مروی ہے، ان میں سے بعض طرق موقوف اور بعض مرفوع ہیں اور بعض کے الفاظ بھی مختلف ہیں، مثلاً حضرت سعید بن مسیّب، حضرت ابوہریرۃ رضی اللہ عنہ سے جب یہ روایت نقل کرتے ہیں تو وہ فرماتے ہیں کہ حضرت ابوہریرۃ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ جو شخص میت کو غسل دے وہ غسل کرے اور جو اسے لحد میں رکھے وہ وضو بنائے، ان کے علاوہ کسی اور پر وضو نہیں۔ حضرت مغیرہ بن شعبہ، حضرت عائشہ، حضرت حذیفہ، حضرت علی رضی اللہ عنہم سے مروی طرق میں صرف اتنا مذکور ہے، کہ میت کو غسل دینے والا غسل کرے۔ مگر یہ جمیع طرق کسی نہ کسی علت کی وجہ سے ضعیف ہیں، اسی بنا پر یہ مسئلہ اہل علم کے درمیان مختلف فیہ چلا آرہا ہے۔ بعض کا کہنا ہے کہ چونکہ اس مسئلہ میں کوئی حدیث صحیح وارد نہیں، لہٰذا میت کو غسل دینے والے پر غسل اور اس کو کندھا دینے والے یا قبر میں اتارنے والے پر وضو لازم نہیں۔ امام احمد بن حنبل کا یہ بھی کہنا ہے کہ یہ روایت منسوخ ہونے کی وجہ سے ناقابل عمل ہے، ان کے نزدیک اس روایت کی ناسخ حدیث وہ روایت ہے جسے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے ان الفاظ سے نقل کیا ہے، کہ رحمت عالم ﷺ نے فرمایا " مسلمانوں کی میت چونکہ پاک ہے، اس لئے اسے غسل دینے والے پر غسل لازم نہیں آتا "

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

جن حضرات کے نزدیک زیر تشریح روایت حسن یا صحیح ہے ان کا کہنا ہے کہ میت کو غسل دینے پر غسل لازم آتا ہے، مگر ان کے نزدیک بھی میت کو کندھا دینے اور میت کو قبر میں اتارنے والے کیلئے وضو کرنا ضروری نہیں۔ امام احمد بن حنبل نے اس روایت کو منسوخ قرار دینے کے ساتھ ساتھ اس روایت کے جمیع طرق کو غیر محفوظ قرار دیا ہے، اس قول سے ان کا اشارہ حضرت مغیرہ، حضرت عائشہ، حضرت حذیفہ اور حضرت علی رضی اللہ عنہم سے مروی طرق کی طرف ہے۔ یہ مؤقف صرف امام احمد کا ہی نہیں بلکہ امام علی بن مدینی اور امام محمد بن یحیٰی کا بھی ہے۔ اہل علم کے اس اختلاف کی خلیج کو آپ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی روایت کی روشنی میں پاٹ سکتے ہیں، وہ فرماتے ہیں کہ ہم میت کو غسل دیتے تھے، غسل دینے کے بعد ہم میں سے کچھ لوگ غسل کر لیتے تھے اور کچھ غسل نہیں کرتے تھے، یہ روایت صحیح ہے۔

فقہی احکام: (۱) میت کو غسل دینے والے پر غسل کرنا لازم نہیں فقط مستحب ہے۔ (۲) میت کو غسل دیتے وقت اگر میت کے پیٹ سے غلاظت خارج ہو تو اس صورت میں غسل دینے والوں پر ناپاک پانی کے چھینٹے پڑنے کا غالب امکان ہے، اس لئے اس صورت میں غسل دینے والوں پر غسل کرنا لازم ہوگا، میت کو کندھا دینے اور قبر میں اتارنے پر وضو کرنے کا اگرچہ کوئی فریق قائل نہیں تاہم اس حدیث کی روشنی میں یہ کہا جاسکتا ہے کہ ایسا کرنا مستحب ہے۔

۷۷: وَعَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ أَبِي بَكْرٍ رَحِمَهُ اللّٰهُ أَنَّ فِي الْكِتَابِ الَّذِي كَتَبَهُ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ لِعَمْرِو بْنِ حَزْمٍ "أَنْ لَا يَمَسَّ الْقُرْآنَ إِلَّا طَاهِرٌ" رَوَاهُ مَالِكٌ مُرْسَلاً ,وَوَصَلَهُ النَّسَائِيُّ ,وَابْنُ حِبَّانَ ,وَهُوَ مَعْلُولٌ

المؤطا امام مالک: ۱/ ۱۹۹، ابن حبان، کتاب التاریخ، باب کتب النبی ﷺ ......: ۶۵۵۹، النسائی: ۸/۵۷، الدارمی: ۱/۳۸۱، البیہقی: ۱/ ۱۵۱، الامام: ۲ /۴۱۷، تاریخ الدارمی: ۱۲۳، التمہید: ۱۷ /۳۳۷، الدارقطنی : ۱ /۱۲۲، الطبرانی: ۱۳۵، ۳۳۶، ۸۳۳، عبدالرزاق: ۱/۳۳۸، الارواء: ۱/۱۵۹، الثقات: ۸/۲۷۲

۷۷: حضرت عبداللہ بن ابی بکر رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں کہ رحمت عالم ﷺ نے عمرو بن ابی حزم کی طرف مکتوب گرامی ارسال فرمایا " کہ قرآن حکیم کو فقط پاک شخص ہی ہاتھ لگائے " اس روایت کو امام مالک نے مرسل، امام نسائی اور امام ابن حبان نے موصولاً نقل کیا ہے، حافظ ابن حجر فرماتے ہیں کہ درست بات یہی ہے کہ یہ روایت کمزور ہے۔

لغوی تحقیق: لا یمس: مت ہاتھ لگائے۔ طاھرا: باوضو۔ مرسل: جس قول و عمل کو تابعی یا اس سے نیچے والا، رحمت عالم ﷺ کی طرف منسوب کرے اسے مرسل کہا جاتا ہے۔ موصول: جو سند اول تا آخر بغیر کسی انقطاع کے رحمت عالم ﷺ تک پہنچ جائے۔ معلول: جس روایت میں ضعیف ہونے کی کوئی نہ کوئی علت موجود ہو۔ کتاب: بمعنی مکتوب یعنی گرامی نامہ۔

تشریح: رحمت عالم ﷺ نے حضرت عمرو بن حزم رضی اللہ عنہ کو نجران کا حاکم مقرر فرمایا تھا، ان کے ذمہ اہل نجران کو قرآن حکیم کی تعلیم دینا اور ان سے زکوۃ وصول کرنا تھا، رحمت عالم ﷺ نے ان کی طرف جو مکتوب گرامی لکھا، اس میں آپ نے سنن و فرائض کی تفصیل کے ساتھ ساتھ صدقات و دیات کے قوائد و ضوابط سے بھی انہیں آگاہ فرمایا اور اس میں ایک بات یہ بھی تھی قرآن حکیم کو صرف وہی شخص ہاتھ لگائے جو پاک (باوضو) ہو۔ امام مالک اور امام ابوداود نے یہ روایت حضرت عبداللہ بن ابی بکر بن محمد بن عمرو بن حزم رضی اللہ عنہ سے نقل کی ہے، موصوف بالاتفاق تابعی ہیں، تابعی کی رسول اللہ ﷺ سے براہ راست روایت مرسل کہلاتی ہے، امام نسائی، امام ابن حبان، امام دارقطنی امام بیہقی اور امام حاکم رحمہ اللہ نے اس روایت کو موصولاً نقل کیا ہے، یعنی ابوبکر یہ روایت اپنے والد محمد اور محمد، ابوبکر کے جد امجد اور اپنے والد گرامی حضرت عمرو بن حزم رضی اللہ عنہ سے نقل کرتے ہیں۔ اس روایت کے مرکزی راوی امام زہری ہیں ان کا کہنا ہے کہ اس گرامی نامہ کی میں نے نہ

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

صرف زیارت کی ہے بلکہ مجھے اسے پڑھنے کا شرف بھی حاصل ہے، امام زہری سے یہ روایت سلیمان نقل کرتے ہیں یہ سلیمان کون ہے؟ اس میں اختلاف ہے بعض طرق میں سلیمان بن ارقم مذکور ہے، امام ابوداود، امام نسائی اور امام ابوزرعہؒ فرماتے ہیں کہ اقرب الی الصواب یہی ہے کہ یہاں سلیمان سے مراد سلیمان بن ارقم ہے۔ حافظ ابن مندہ فرماتے ہیں کہ میں نے سلیمان کے شاگرد یحییٰ کی کتاب دیکھی ہے اس میں بھی سلیمان بن ارقم مرقوم ہے۔ اگر واقعی یہ بات درست ہے تو پھر یہ روایت معلول ہے کیونکہ سلیمان بن ارقم کو امام ابوداود اور نسائی نے متروک قرار دیا ہے، امام علی بن مدینی نے اسے منکر الحدیث اور یحییٰ بن معین نے مجہول قرار دیا ہے۔ بعض طرق میں سلیمان بن داود مرقوم ہے، امام ابن ابی حاتم فرماتے ہیں کہ میں نے اپنے والد گرامی سے اس بارے میں وضاحت طلب کی تو انہوں نے فرمایا: کہ ارقم اور داود سے مراد ایک ہی شخص ہے کیونکہ داود ان کا اصلی نام ہے جبکہ ارقم ان کا لقب ہے۔ اس وضاحت سے بھی مطلع صاف نہیں ہوا کیونکہ سلیمان بن داود نام کے امام زہری کے دو شاگرد ہیں ایک کا نام سلیمان بن داود یمامی اور دوسرے کا نام سلیمان بن داود خولانی ہے۔ امام ابوحاتم فرماتے ہیں کہ یہاں سلیمان بن داود سے مراد خولانی ہیں اور وہ ثقہ و مامون ہیں۔ صاحب سبل السلام نے اسی تحقیق کو صائب قرار دیا ہے۔ امام یحییٰ بن معین نے اسے سلیمان بن داود یمامی قرار دیتے ہوئے غیر معروف قرار دیا ہے۔ امام ابن عبدالبر فرماتے ہیں اس مکتوب گرامی کو جس قدر شہرت حاصل ہے وہ شہرت ہی اس کے صحیح ہونے کی دلیل ہے لہٰذا یہ روایت صحت سند کی محتاج نہیں، اس روایت کی تائید درج ذیل روایات سے بھی ہوتی ہے۔ (۱) حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ رحمت عالم ﷺ نے فرمایا " قرآن حکیم کو فقط طاہر شخص ہی ہاتھ لگائے۔ اس اثر کے جملہ رواۃ کو علامہ ہیثمی نے ثقہ قرار دیا ہے، جبکہ علامہ البانی نے سعید بن محمد کے مجہول ہونے کا عندیہ دیا ہے، لیکن امام ابن حبان نے انہیں کتاب الثقات میں ذکر کیا ہے اس سے جہالت کی علت تو زائل ہوگئی، مگر اس میں ایک علت اور بھی ہے یعنی یہ روایت ابن جریج (مدلس) عن سے بیان کرتے ہیں اور وہ مدلس ہیں۔ (۲) حکیم بن حزام رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رحمت عالم ﷺ نے انہیں جب یمن کی طرف بھیجا تو نصیحت فرمائی کہ " قرآن حکیم کو فقط طاہر شخص ہی ہاتھ لگائے۔ یہ روایت اسماعیل بن رافع کی وجہ سے ضعیف ہے۔ (۳) حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رحمت عالم ﷺ نے انہیں وصیت فرمائی کہ " تم قرآن حکیم کو فقط طاہر حالت میں ہاتھ لگانا" یہ روایت اسماعیل بن رافع کی وجہ سے ضعیف ہے۔ (۴) نافع کہتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں، کہ قرآن کو فقط طاہر شخص ہی ہاتھ لگائے۔ اس روایت میں موقوف ہونے کے علاوہ اور کوئی علت نہیں ہے البتہ حافظ ابن حجر نے معلل کہہ کر درج بالا علل کی طرف اشارہ فرمایا ہے، ان آثار احادیث میں اگر طہارت سے مراد حدث اکبر کو دور کرنا ہے تو پھر اس روایت کو صحیح احادیث کی تائید بھی حاصل ہے۔

فقہی احکام: (۱) قرآن حکیم کو طہارت کے بغیر ہاتھ لگانا منع ہے۔

(۲) حدث اصغر (وضو کئے بغیر) کو دور کئے بغیر ہاتھ لگانا منع تو نہیں لیکن بہتر یہی ہے کہ باوضو ہو کر ہاتھ لگایا جائے۔

نوٹ:- اس روایت کے راوی عبداللہ بن ابی بکر حضرت عمرو بن حزم رضی اللہ عنہ کی اولاد میں سے ہیں موصوف معروف تابعی مدنی ہیں، صاحب سبل السلام نے انہیں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا لخت جگر سمجھ کر صحابی قرار دیا ہے، یہ ان سے تسامح ہوا ہے، یہی تسامح صاحب فتح العلام سے بھی ہوا ہے۔

۷۸: وَعَنْ عَائِشَةَ رضی اللہ عنہا قَالَتْ كَانَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ يَذْكُرُ اللّٰهَ عَلَى كُلِّ أَحْيَانِهِ. رَوَاهُ مُسْلِمٌ , وَعَلَّقَهُ الْبُخَارِيُّ

البخاری، کتاب الاذان، باب هل یتتبع المؤذن فاه هٰهنا و هٰهنا ...... : ، مسلم: ۳۷۳، ابوداود: ۱۸، الترمذی: ۳۳۸۴، ابن ماجة: ۳۰۲، مسند احمد: ۲۷۸/۶، ابن خزیمة: ۲۰۷

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

۷۸: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رحمت عالم ﷺ ہر حال میں اللہ تعالیٰ کا ذکر فرمایا کرتے تھے۔اس حدیث کو امام مسلم نے موصولاً اور امام بخاری نے تعلیقاً روایت کیا ہے۔

لغوی تحقیق: احیان: یہ حین کی جمع ہے یعنی وقت۔

تشریح: حافظ ابن حجر نے یہ حدیث نقل کر کے واضح کیا ہے کہ ذکر الٰہی کیلئے باوضو ہونا ضروری نہیں یعنی مسلمان باوضو اور بے وضو دونوں صورتوں میں اللہ تعالیٰ کو یاد کرسکتا ہے اس حدیث سے اگرچہ ہر وقت ذکر الٰہی کرنے کا جواز نکلتا ہے، تاہم جماع اور بول و براز کے وقت ذکر الٰہی سے اجتناب کرنا دوسری حدیث سے ثابت ہے۔

فقہی احکام: بے وضو ہونے کی صورت میں بھی ذکر الٰہی کیا جا سکتا ہے، جماع اور بول و براز کرتے وقت ذکر الٰہی سے اجتناب کرنا ضروری ہے۔

۷۹: وَعَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ رضی اللہ عنہ أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ اِحْتَجَمَ وَصَلَّى ,وَلَمْ يَتَوَضَّأْ .أَخْرَجَهُ الدَّارَقُطْنِيُّ ,وَلَيَّنَهُ

السنن الدارقطني، كتاب الطهارة، باب في الوضوء من الخارج من البدن: ۱/ ۱۵۷، البيهقي: ۱/ ۱۴۱، التلخيص الحبير: ۱/ ۱۲۴

۷۹: حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رحمت عالم ﷺ نے پچھنے لگوائے اور دوبارہ وضو بنائے بغیر نماز ادا فرمائی۔اس روایت کو امام دار قطنی نے بیان کیا ہے اور اسے کمزور بتایا ہے۔

لغوی تحقیق: احتجم: فاسد مواد یا خون کو جھونک یا اپریشن کے ذریعے جسم کے کسی حصہ سے خارج کروانا۔ لینہ: اسے کمزور کہا ہے۔

تشریح: اس پر تمام اہل علم کا اتفاق ہے کہ اخراج کے دو فطری راستوں سے اگر کوئی بھی چیز خارج ہو جائے تو اس سے وضو ٹوٹ جائے گا، ان فطری راستوں کے ماسوا اگر کسی اور مقام سے بہنے والا خون اگر ان مقامات تک پہنچ جائے جن کا دھونا وضو میں ضروری ہے تو آیا اس صورت میں وضو ٹوٹ جائے گا یا نہیں؟ اس بارے میں اہل علم باہم مختلف آراء رکھتے ہیں، جن اہل علم کا یہ کہنا ہے کہ اس سے وضو نہیں ٹوٹے گا، ان کی ایک دلیل تو حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی یہی حدیث ہے لیکن یہ روایت کمزور ہے، جیسا کہ امام دار قطنی نے فرمایا ہے اس روایت کے کمزور ہونے کا سبب صالح بن مقاتل ہے جو اس روایت کا راوی ہے امام دار قطنی نے اسے غیر قوی اور حافظ ابن حجر نے ضعیف قرار دیا ہے، امام زیلعی نے اس کے باپ (جو اس کے شیخ بھی ہیں) اور سلیمان بن داود کو مجہول قرار دیا ہے۔ظاہر ہے کہ اس قدر شدید ضعف والی روایت قابل استدلال نہیں ہوسکتی۔یہ دلیل تو اگرچہ کمزور ہے تاہم ان کی ایک مضبوط دلیل یہ بھی ہے کہ آپ ﷺ نے وہ تمام چیزیں بیان فرما دی ہیں جو نواقض وضو ہیں۔

خون کے اخراج کو آپ ﷺ نے نواقض وضو میں شمار نہیں کیا، لہٰذا اس سے وضو نہیں ٹوٹتا۔سنن ابی داود میں منقول ہے کہ غزوہ ذات الرقاع سے واپسی پر لشکر اسلام کی حفاظت کرنے والے صحابی کو عین حالت نماز میں دشمن نے اپنے تیروں کا نشانہ بنایا، اس جانثار نے بہتے خون میں اپنی نماز جاری رکھی، آپ ﷺ کو جب اس واقعہ کا علم ہوا تو آپ ﷺ نے اس پر کوئی نکیر نہیں فرمائی۔جن اہل علم کا خیال ہے کہ خون سے وضو ٹوٹ جاتا ہے وہ حضرت ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہ سے مروی مرفوع حدیث سے استدلال کرتے ہیں لیکن وہ روایت محمد بن فضل بن عطیہ کے متروک ہونے کی وجہ سے انتہائی کمزور ہے۔

فقہی احکام: (۱) خون کے اخراج سے وضو نہیں ٹوٹتا (۲) مسلمان کا خون ناپاک نہیں۔

نوٹ:- امام دار قطنی نے اپنی سنن میں اس حدیث پر کوئی حکم نہیں لگایا۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

۸۰۔۸۲:وَعَنْ مُعَاوِيَةَ رضی اللہ عنہ قَالَ، قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم " اَلْعَيْنُ وِكَاءُ السَّهِ ,فَإِذَا نَامَتِ الْعَيْنَانِ اِسْتَطْلَقَ الْوِكَاءُ " رَوَاهُ أَحْمَدُ ,وَالطَّبَرَانِيُّ وَزَادَ " وَمَنْ نَامَ فَلْيَتَوَضَّأْ "وَهٰذِهِ الزِّيَادَةُ فِي هٰذَا الْحَدِيثِ عِنْدَ أَبِي دَاوُدَ مِنْ حَدِيثِ عَلِيٍّ دُونَ قَوْلِهِ " اِسْتَطْلَقَ الْوِكَاءُ " وَفِي كِلَا الْإِسْنَادَيْنِ ضَعْفٌ. وَلِأَبِي دَاوُدَ أَيْضًا عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رضی اللہ عنہما مَرْفُوعًا " إِنَّمَا الْوُضُوءُ عَلَى مَنْ نَامَ مُضْطَجِعًا " وَفِي إِسْنَادِهِ ضَعْفٌ أَيْضًا

احمد: ۹۷/۴، الطبرانی: ۳۷۲/۱۹، ۳۷۳، التلخیص: ۱۱۹/۱، الدارقطنی: ۱۶۰/۱، ابوداود: ۲۰۳، ۲۰۲، ابن ماجۃ: ۸۸، الارواء: ۱۴۹/۱، التنقیح: ۱۴۴/۱، الترمذی: ۷۷، مؤطا امام مالک: ۲۱/۱

۸۰۔۸۲: حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا " آنکھ کا بیدار رہنا وضو کا بندھن ہے اور جب آنکھیں سو جاتی ہیں تو بندھن ڈھیلا پڑ جاتا ہے " اس روایت کو امام احمد طبرانی نے نقل کیا ہے اور طبرانی نے یہ الفاظ مزید نقل کئے ہیں کہ " جو سو جائے وہ وضو بنائے " یہ اضافہ ابوداود، میں مروی اس روایت میں بھی ہے جو انہوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے نقل کی ہے، لیکن اس میں استطلق الو کاء (یعنی بندھن ڈھیلا پڑ جاتا ہے) کے الفاظ نہیں ہیں ان دونوں روایات کی اسناد کمزور ہیں۔ امام ابوداود نے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی یہ مرفوع روایت بھی نقل کی ہے " وضو تو صرف اس سونے والے شخص پر ہے جو لیٹ کر نیند کرے" اس روایت کی سند بھی کمزور ہے۔

لغوی تحقیق: وکاء: تسمہ یا دھاگہ جس کے ذریعے مشکیزے کا منہ باندھا جاتا ہے۔ **السہ**: سین پر زبر اور زیر دونوں پڑھی جا سکتی ہیں، ہوا کے اخراج کا آلہ یعنی دبر۔ **استطلق**: آزاد ہو جانا یا ڈھیلا پڑ جانا۔ **مضطجعا**: پہلو کے بل لیٹ کر۔

تشریح: نیند فی نفسہ ناقص وضو ہے یا نہیں؟ اس مسئلہ میں اختلاف ہے مؤلف رحمہ اللہ نے یہ ثابت کرنے کیلئے کہ نیند فی نفسہ ناقص وضو نہیں، حضرت معاویہ، حضرت علی، اور حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہم سے مروی ایک ایک روایت نقل کی ہے پھر ہر ایک پر ضعیف ہونے کا حکم لگایا ہے۔ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے مروی روایت کے ضعیف ہونے کا سبب یہ ہے کہ اس روایت کا مرکزی راوی ابوبکر بن عبداللہ بن ابی مریم ہے، یہ تقریباً تمام ماہرین فن کے نزدیک ضعیف ہے، اس روایت کے ضعیف ہونے کی دوسری علت بقیہ بن ولید مدلس اور سند کا معنعن ہونا ہے، حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث اس حدیث کی شاہد ہے، اس روایت پر مؤلف رحمہ اللہ نے ضعیف ہونے کا حکم شاید بقیہ کی تدلیس اور وضین بن عطاء کے ضعیف ہونے کی وجہ سے لگایا ہے۔ بقیہ کی تدلس کا خدشہ تو مسند احمد میں مروی روایت سے زائل ہو گیا کیونکہ اس میں بقیہ نے سند کے آخری راوی تک تحدیث کی صراحت کر دی ہے، جہاں تک وضین بن عطاء کا تعلق ہے تو اسے اگرچہ بعض ناقدین نے ضعیف بھی کہا ہے لیکن بعض نے ان کی توثیق بھی کی ہے، اس بناء پر اس روایت کو امام نووی، امام منذری، امام ابن الصلاح اور علامہ ناصر الدین البانی نے حسن قرار دیا ہے، اس روایت کے ضعیف ہونے کی تیسری علت یہ ہے کہ عبدالرحمٰن بن عائذ کی حضرت علی رضی اللہ عنہ سے ملاقات ثابت نہیں جیسا کہ ابن عبدالھادی نے تنقیح میں نقل کیا ہے۔ اس سلسلے کی تیسری روایت حافظ ابن حجر نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے طریق سے نقل کی ہے، جو تفصیلاً اس طرح ہے کہ رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم سجدہ کی حالت میں خراٹے لے رہے تھے، پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم اسی حالت میں کھڑے ہوئے اور بغیر وضو بنائے نماز پڑھنے لگے۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں، میں نے عرض کیا: آپ صلی اللہ علیہ وسلم سو رہے تھے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے وضو بنائے بغیر نماز پڑھ لی؟ اس پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا " وضو اس پر ہے جو پہلو کے بل لیٹ کر سوئے، یہ روایت پہلی دونوں روایات سے زیادہ کمزور ہے، کیونکہ ایک تو یہ منقطع ہے، اور اس میں دوسری علت یہ ہے کہ یہ روایت حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

سے مروی اس حدیث کے خلاف ہے، جس میں مذکور ہے کہ میری آنکھیں سو جاتی ہیں لیکن میرا دل نہیں سوتا، یعنی آپ ﷺ کا دل نہیں سوتا تھا، اس لئے آپ ﷺ گہری نیند کی حالت میں بھی وضو کے قائم رہنے سے باخبر رہتے تھے، جبکہ امت مسلمہ کے جمیع افراد جب گہری نیند سو جاتے ہیں تو ان کا دل بھی سو جاتا ہے اس طرح اپنے وضو کے قائم رہنے یا ٹوٹنے سے بے خبر رہتے ہیں، بنابریں ان پر لازم ہے کہ وہ ایسی نیند کے بعد وضو کریں۔ یعنی اس مسئلہ سے متعلق اگر درج بالا ضعیف روایات نہ بھی ہوتیں تب بھی حدیث عائشہ رضی اللہ عنہا سے یہ مسئلہ ثابت ہو جاتا نیز اس موقوف روایت کو حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے مروی صحیح موقوف روایت کی تائید بھی حاصل ہے، وہ فرماتے ہیں، جو لیٹ کر سائے اسے اٹھنے کے بعد وضو بنانا چاہیے۔

فقہی احکام: (۱) نیند فی نفسہٖ ناقص وضو نہیں۔

(۲) لیٹ کر سونے کی صورت میں وضو باقی رہنے کا یقین نہیں رہتا اس لئے دوبارہ وضو بنانا چاہیے۔

۸۳-۸۵: وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رضی اللہ عنہما أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ قَالَ "يَأْتِي أَحَدَكُمُ الشَّيْطَانُ فِي صَلَاتِهِ, فَيَنْفُخُ فِي مَقْعَدَتِهِ فَيُخَيَّلُ إِلَيْهِ أَنَّهُ أَحْدَثَ, وَلَمْ يُحْدِثْ, فَإِذَا وَجَدَ ذَلِكَ فَلَا يَنْصَرِفُ حَتَّى يَسْمَعَ صَوْتًا أَوْ يَجِدَ رِيحًا" أَخْرَجَهُ الْبَزَّارُ وَأَصْلُهُ فِي الصَّحِيحَيْنِ مِنْ حَدِيثِ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ زَيْدٍ. وَلِمُسْلِمٍ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ نَحْوُهُ

البزار: ۲۸۱، الطبرانی: ۱۱/۱۷۷، البخاری: ۱۳۷، صحیح مسلم: ۳۶۱، ۳۶۲، ابن خزیمة: ۱/۱۹، الترمذی: ۷۵

۸۳-۸۵: حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا "جب تم نماز میں ہوتے ہو تو شیطان تمہارے پاس آ کر تمہارے آلہ اخراج (دبر) میں پھونکتا ہے اور وہم میں مبتلا کرنا شروع کرتا ہے کہ وہ بے وضو ہو گیا ہے حالانکہ وہ بے وضو نہیں ہوا، جب تم میں سے کسی فرد کو ایسی صورت پیش آئے تو وہ اس وقت تک نماز منقطع نہ کرے جب تک وہ ہوا کے اخراج کی آواز نہ سن لے یا ریح کی بدبو محسوس نہ کر لے۔ اس روایت کو امام البزار نے نقل کیا ہے، اس حدیث کی اصل صحیحین میں حضرت عبداللہ بن زید رضی اللہ عنہ اور صحیح مسلم میں حضرت ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث میں موجود ہے۔

تشریح: اس حدیث میں واضح کیا گیا ہے کہ شیطان کی پوری کوشش ہے کہ وہ کسی طرح بھی یکسوئی کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے بندوں کو اللہ کی عبادت نہ کرنے دے اور وہ اپنے مذموم ارادہ کو پایا تکمیل تک پہنچانے کیلئے انسان کا پیچھا اس وقت بھی کرتا ہے، جب وہ حالت نماز میں ہوتا ہے، خصوصاً جب وہ اللہ تعالیٰ کا تقرب حاصل کرنے کیلئے اپنا سر اس کے سامنے رکھ کر اس سے مناجات شروع کر دیتا ہے، شیطان لعین، عابد و معبود کے اس تعلق کو ختم کرنے کیلئے ایک طرف اس کی دبر میں پھونکتا ہے اور دوسری طرف اس کے دل و دماغ میں یہ خیال پختہ کرنا شروع کر دیتا ہے کہ تیرا وضو ٹوٹ گیا ہے۔ رحمت عالم ﷺ نے اس کی مذموم سازشوں کو ناکام کرنے کیلئے فرمایا "تم اس وقت تک نماز جاری رکھو جب تک تمہیں ہوا کے خارج ہونے کی آواز یا اس کی بدبو محسوس نہ ہو" حافظ ابن حجر نے آخر میں صحیحین کی جن دو روایات کی طرف اشارہ کیا ہے، ان میں سے حضرت عبداللہ بن زید رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث کی تفصیل اس طرح ہے کہ آپ ﷺ سے پوچھا گیا کہ ایک شخص حالت نماز میں کوئی چیز محسوس کرتا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا "وہ اس وقت تک نماز منقطع نہ کرے جب تک وہ آواز نہ سن لے یا بدبو محسوس نہ کر لے" حضرت ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث کی تفصیل اس طرح ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا "جب تم میں سے کوئی ایک اپنے پیٹ میں کوئی چیز محسوس کرے اور اسے اس بارے میں فیصلہ کرنا مشکل ہو جائے کہ اس کے پیٹ سے کوئی چیز خارج ہوئی ہے یا نہیں؟ تو ایسا شخص اس وقت تک مسجد سے باہر نہ جائے (نماز منقطع نہ کرے) جب تک وہ آواز نہ سن لے یا بدبو محسوس نہ کر لے۔ ان

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

دونوں احادیث میں شیطان کی مذموم حرکت کا بظاہر ذکر نہیں ہے لیکن ان کا حکم بھی اسی حدیث جیسا ہے، اس لئے حافظ ابن حجر نے ان دونوں احادیث کو اس حدیث کی اصل قرار دیا ہے۔

فقہی احکام: (۱) شیاطین انسان کو اللہ کی یاد سے غافل کرنے کیلئے ناشائستہ حرکات بھی کرتے ہیں۔

(۲) شک کی بنا پر نماز کو منقطع کرنا درست نہیں۔

۸۶: وَلِلْحَاكِمِ عَنْ أَبِي سَعِيدٍ مَرْفُوعًا " إِذَا جَاءَ أَحَدَكُمُ الشَّيْطَانُ فَقَالَ إِنَّكَ أَحْدَثْتَ فَلْيَقُلْ كَذَبْتَ " وَأَخْرَجَهُ ابْنُ حِبَّانَ بِلَفْظِ " فَلْيَقُلْ فِي نَفْسِهِ "

ابن حبان، کتاب الصلاۃ، باب سجود السھو: ۲۶۶۵، ۲۶۶۶، احمد: ۳/۱۱، عبدالرزاق: ۱/۱۴۰، الحاکم: ۱/۱۳۴

۸۶: امام حاکم نے حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی مرفوع حدیث اس طرح بیان کی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "جب شیطان تم میں سے کسی ایک کے پاس آ کر کہے کہ تم بے وضو ہو گئے ہو، تو اسے چاہیے کہ وہ شیطان سے کہے کہ تو جھوٹ بولتا ہے" ابن حبان میں ہے کہ "یہ جواب اسے اپنے دل میں کہنا چاہیے"

نوٹ:- مؤلف رحمۃ اللہ علیہ ان دونوں روایات کو اگر حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی حدیث کے متصل بعد نقل فرماتے تو ترتیب بھی عمدہ رہتی اور قارئین آسانی سے اس کا مفہوم بھی ضبط کر لیتے۔

فقہی احکام: (۱) شیطان کی خباثتوں کا دل سے جواب دینا درست ہے (۲) جھوٹے آدمی کو جھوٹا کہا جا سکتا ہے۔

۷۔ بَابُ قَضَاءِ الْحَاجَةِ — بول و براز کرنے کے آداب

محدثین نے یہ باب مختلف عنوانات سے قائم کیا ہے، ہر ایک نے اپنے قائم کردہ عنوان کو فرمان نبوی سے اخذ کیا ہے۔

۸۷: عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ رضی اللہ عنہ قَالَ كَانَ رَسُولُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم إِذَا دَخَلَ الْخَلَاءَ وَضَعَ خَاتَمَهُ. أَخْرَجَهُ الْأَرْبَعَةُ, وَهُوَ مَعْلُول

ابوداود، کتاب الطھارۃ، باب الخاتم یکون فیه ذکر اللہ: ۱۹، الترمذی: ۱۷۳۶، النسائی: ۸/۱۷۸، ابن ماجۃ: ۳۰۳، الحاکم: ۱/۱۸۷، النسائی (الکبری): ۱/۳۶، کتاب الثقات لابن حبان: ۷/۲۱۲، الاباطیل: ۱/۳۵۸

۸۷: حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم جب بول براز کیلئے تنہائی اختیار فرماتے تو اپنی انگوٹھی اتار کر الگ رکھ دیتے۔ اسے ابوداود، ترمذی، نسائی اور ابن ماجہ نے بیان کیا ہے، اور یہ روایت معلول ہے۔

لغوی تحقیق: الحاجة: ضرورت یعنی بول و براز۔ الخلاء: خاء پر زبر اور لام کے بعد الف اور ہمزہ ہے، خالی جگہ یعنی قضاء حاجت کی جگہ۔ خاتم: تاء کی زبر کے ساتھ یعنی انگوٹھی

تشریح: رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے مکتوبات پر مہر لگانے کیلئے چاندی کی انگوٹھی بنوائی تھی، اس پر محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نقش تھا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم جب قضائے حاجت کیلئے تنہائی اختیار فرماتے تو اس انگشتری کو دست مبارک سے اتار کر الگ رکھ دیتے اس روایت کو امام ابوداود نے منکر قرار دیا ہے اور اس کے منکر ہونے کی وجہ یہ لکھی ہے کہ یہ روایت ابن جریج دراصل زیاد بن سعد کے واسطہ سے امام زہری سے نقل کرتے ہیں، اس کا مفہوم بھی اس روایت سے یکسر مختلف ہے کیونکہ اس میں بیان کیا گیا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے چاندی کی انگشتری بنوائی تھی لیکن بعد میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے پہننا ترک کر دیا تھا۔ امام ابوداودؒ فرماتے ہیں کہ اس روایت کے بیان کرنے میں ہمام وہم کا شکار ہوئے ہیں

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

کیونکہ انہوں نے زیاد بن سعد کا واسطہ حذف کر کے اس روایت کو ابن جریج عن الزہری نقل کر دیا ہے۔ امام نسائی نے اس روایت کو السنن الکبری میں نقل کر کے اسے غیر محفوظ قرار دیا ہے، ہمام پر اگرچہ بعض ناقدین نے کلام کیا ہے لیکن امام بخاری اور امام مسلم نے ان کی مرویات کو بطور حجت اختیار کیا ہے اور امام یحییٰ بن معین نے اسے صالح اور یزید بن ہارون نے قوی قرار دیا ہے۔ نیز اس روایت کے بیان کرنے میں وہ منفرد نہیں کیونکہ یحییٰ بن المتوکل بصری نے اس کی متابعت کی ہے، تاہم یحییٰ بن متوکل کو امام یحییٰ بن معین نے مجہول اور ابن حبان نے ثقہ قرار دیا ہے، اس روایت کی تائید حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی روایت سے بھی ہوتی ہے وہ فرماتے ہیں کہ رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم جب بیت الخلاء میں داخل ہوتے تو انگوٹھی اتار دیتے۔ یہ روایت اگرچہ اس روایت کی مؤید ہے مگر اس کا مؤید ہونا چنداں مفید نہیں کیونکہ یہ روایت محمد بن ابراہیم رازی کی وجہ سے سخت ضعیف ہے، نیز ابن جریج مدلس ہے اور روایت عنعنہ ہے۔

فقہی احکام: (۱) قضاء حاجت کیلئے علیحدگی اختیار کرنی چاہیے۔ (۲) جن اشیاء پر اسماء حسنیٰ یا آیات قرآنی مکتوب و منقوش ہوں انہیں ناپاک مقامات پر لیجانے سے اجتناب کرنا چاہیے، خواہ وہ جیب وغیرہ ہی میں کیوں نہ ہوں۔

۸۸: وَعَنْهُ رضی اللہ عنہ قَالَ كَانَ رَسُولُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم إِذَا دَخَلَ الْخَلَاءَ قَالَ "اَللّٰهُمَّ إِنِّي أَعُوذُ بِكَ مِنَ الْخُبُثِ وَالْخَبَائِثِ" أَخْرَجَهُ السَّبْعَةُ

البخاری، کتاب الوضوء، باب ما یقول عندالخلا: ۱۴۲، مسلم: ۳۷۵، الترمذی: ۴-۶، النسائی: ۱/۲۰، ابن ماجۃ: ۲۹۶-۲۹۹، مسنداحمد: ۳/۹۹، ابن ابی شیبۃ: ۱-۵، فتح الباری: ۱/۲۴۴، المطالب العالیۃ: ۳۶

۸۸: حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم جب بیت الخلاء میں داخل ہوتے تو فرماتے "اے اللہ! میں ناپاک نر و مادہ جنات کی شر سے تیری پناہ کا طلب گار ہوں۔"

لغوی تحقیق: **الخبث**: خاء اور باء دونوں پر ضمہ پڑھنا بھی درست ہے اور خاء پر ضمہ اور باء کو ساکن پڑھنا بھی درست ہے، یہ خبیث کی جمع ہے، اس سے مراد نر شیاطین ہیں۔ **الخبائث**: یہ **خبیثۃ** کی جمع ہے یعنی مادہ شیاطین۔

تشریح: یہ روایت حضرت انس رضی اللہ عنہ سے متعدد طرق سے مروی ہے۔ اس طریق میں تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ذاتی عمل بتایا گیا ہے، لیکن حافظ ابن حجر نے عبدالعزیز بن صہیب کے طریق سے جو روایت فتح الباری میں نقل کی ہے، اس سے یہ عیاں ہو رہا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے امت کو بھی اسی بات کی تعلیم دی ہے۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "جب تم بیت الخلاء میں داخل ہونے کا ارادہ کرو تو یہ دعا پڑھوں **بسم الله اعوذ بالله من الخبث و الخبائث**: اللہ کے نام کے ساتھ نر و مادہ ناپاک جنات کے شر سے اللہ کی پناہ کا طلب گار ہوں۔" اس روایت کو نقل کرنے کے بعد حافظ ابن حجر فرماتے ہیں، کہ یہ روایت امام مسلم کی شرط کے مطابق ہے لیکن اس میں تسمیہ کے الفاظ کا جو اضافہ ہے وہ میں نے کسی دوسری روایت میں نہیں دیکھا، حافظ ابن حجر کے اس قول سے اگر یہ مراد ہے کہ تسمیہ کا اضافہ اس حدیث کے علاوہ کسی اور صحیح حدیث میں مذکور نہیں، تو پھر تو ان کا قول بلاشک درست ہے اور اگر ان کی مراد علی الاطلاق ہے تو پھر درست نہیں، کیونکہ امام ابوبکر بن ابی شیبہ نے ابومعشر کے طریق سے جو روایت نقل کی ہے اس میں تسمیہ کا اضافہ موجود ہے لیکن وہ روایت ابو معشر کے ضعیف اور ہشیم بن بشیر کے مدلس ہونے کی وجہ سے ضعیف ہے اور امام ابن ماجہ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے جو مرفوع حدیث نقل کی ہے اس میں بھی تسمیہ کا ذکر موجود ہے مگر وہ روایت بھی حکم بن عبداللہ اور ابو اسحاق سبیعی کی وجہ سے ضعیف ہے۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث کی مؤید اور بھی احادیث ہیں۔ (۱) حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "شیاطین انسان کا

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

پیچھا کرتے ہیں لہٰذا جب تم بیت الخلاء میں داخل ہونا چاہو تو یہ دعا پڑھو " (۲) حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا " بیت الخلاء میں داخل ہوتے وقت تمہیں یہ کلمات ترک نہیں کرنے چاہیے " یہ روایت علی بن یزید کی وجہ سے ضعیف ہے۔ (۳) حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں، کہ نبی رحمت ﷺ نے فرمایا " قضائے حاجت سے پہلے بسم اللہ پڑھ لینے سے نوع انسانی کی شرم گاہوں اور شیاطین کی آنکھوں کے درمیان ایک پردہ حائل ہوجاتا ہے " یہ روایت محمد بن فضل اور زید العمی کی وجہ سے ضعیف ہے۔ (۴) حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہما سے مروی روایت میں یہ صراحت ہے کہ یہ دعا بیت الخلاء میں داخل ہونے کے بعد ستر اٹھانے سے پہلے پڑھنی چاہیے، یہ روایت ایک روای کے مجہول ہونے کی وجہ سے ضعیف ہے۔

فقہی احکام: (۱) قضائے حاجت حتی المقدار بیت الخلاء میں کرنی چاہیے۔ (۲) بیت الخلاء میں داخل ہوتے وقت مذکورہ دعا پڑھنی چاہیے (۳) کھلی فضاء میں قضائے حاجت کرنے کی صورت میں مذکورہ دعا ستر اٹھانے سے پہلے پڑھنی چاہیے۔ (۴) انسانوں کو اپنی شرم گاہیں شیاطین سے چھپانی چاہیں (۵) مذکورہ دعا پڑھنے سے انسانی شرم گاہوں اور شیاطین کی نگاہوں کے درمیان پردہ حائل ہوجاتا ہے۔

۸۹: وَعَنْهُ رضی اللہ عنہ قَالَ كَانَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ يَدْخُلُ الْخَلَاءَ, فَأَحْمِلُ أَنَا وَغُلَامٌ نَحْوِي إِدَاوَةً مِنْ مَاءٍ وَعَنَزَةً, فَيَسْتَنْجِي بِالْمَاءِ. مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ

البخاری، کتاب الوضوء، باب الاستنجاء بالماء: ۱۵۰، مسلم: ۲۷۱، النسائی: ۱/۴۲، ابوداود: ۴۳، ابن خزیمة: ۱/۴۶، الدارمی: ۱/۱۳۶، ابوعوانة: ۱/۱۹۵

۸۹: حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب قضائے حاجت کیلئے تنہائی اختیار کرنے جاتے تو میں اور مجھ جیسا ایک لڑکا پانی کا برتن اور نیزہ اٹھائے آپ ﷺ کے ساتھ چلتے، آپ ﷺ پانی سے طہارت فرماتے۔ اس روایت کو امام بخاری اور مسلم نے بیان کیا ہے۔

لغوی تحقیق: **الغلام:** غلام کا اطلاق حدیث میں تقریباً سات سال کے بچوں سے لیکر سولہ سترہ سال کے لڑکوں تک ہوا ہے، غلام کے متعدد معانی ہیں اور بمعنی خادم بھی مستعمل ہے۔ **عنزة:** عین اور نون کی زبر کے ساتھ، اس کا اطلاق ایسی طویل لاٹھی پر ہوتا ہے جس کے نیچے لوہے کا پھل لگا ہو، نیز اس کا اطلاق چھوٹے نیزے پر بھی ہوتا ہے۔ **اداوة:** ہمزہ کی زیر کے ساتھ یعنی چمڑے سے بنا ہوا چھوٹا برتن جو پانی کیلئے استعمال ہوتا ہے۔ **فیستنجی:** طہارت کرتے تھے۔

تشریح: حضرت انس رضی اللہ عنہ اور ان کے ساتھی کا آپ ﷺ کے ساتھ نیزہ لیکر چلنے سے یہ واضح ہوتا ہے کہ اس حدیث میں مذکورہ خلاء سے مراد بیت الخلاء نہیں بلکہ قضائے حاجت کیلئے دور دراز کھلی فضا میں جانا ہے۔ نیزہ ساتھ رکھنے کے کئی فوائد ہو سکتے ہیں، مثلاً (۱) موذی اشیاء کے شر سے محفوظ رہنا (۲) پردے کا معقول انتظام نہ ہونے کی صورت میں اسے زمین میں گاڑ کر اس پر کپڑا ڈال کر عارضی طور پر پردے کا انتظام کر لینا وغیرہ۔ پانی کا برتن رکھنے کا مقصد طہارت کے ساتھ ساتھ وضو بنانا بھی تھا، جیسا کہ صحیح ابن خزیمہ کی روایت سے صراحت ہوتی ہے۔ اس روایت میں اگرچہ حضرت انس رضی اللہ عنہ کے رفیق کار کی صراحت نہیں ہے لیکن ایک جگہ یہ صراحت ہے کہ وہ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہما ہیں، اس صورت میں غلام سے مراد خدمت گار کے ہوئے یعنی حضرت انس رضی اللہ عنہ کے ساتھ انہیں کے طرح کے ایک اور خدمت گار تھے۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

فقہی احکام: (۱) کم عمر یا کم مرتبہ افراد سے خدمت لی جا سکتی ہے۔ (۲) طہارت اگرچہ مٹی سے بھی حاصل ہو جاتی ہے مگر پانی کا استعمال افضل ہے (۳) ہمہ وقت باوضو رہنا افضل ترین عمل ہے۔

۹۰: وَعَنِ الْمُغِيرَةِ بْنِ شُعْبَةَ رضی اللہ عنہ قَالَ، قَالَ لِي النَّبِيُّ ﷺ "خُذِ الْإِدَاوَةَ" فَانْطَلَقَ حَتَّى تَوَارَى عَنِّي, فَقَضَى حَاجَتَهُ. مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ

البخاری، کتاب الصلاۃ، باب الصلاۃ فی الجبة الشامیة: ۳۶۳، مسلم: ۲۷۴، مسنداحمد: ۱۸۱۹۴، النسائی: ۶۳/۱

۹۰: حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا " برتن لیں " (اور چلیں) پھر آپ ﷺ قضائے حاجت کیلئے اتنا دور نکل گئے کہ نظروں سے اوجھل ہو گئے، پھر آپ ﷺ نے قضائے حاجت فرمائی۔اس روایت کو امام بخاری اور امام مسلم نے بیان کیا ہے۔

تشریح: یہ روایت تفصیلاً اس طرح ہے کہ حضرت مغیرہ رضی اللہ عنہ ایک سفر میں آپ ﷺ کے ساتھ تھے، آپ ﷺ نے انہیں پانی کا برتن پکڑنے کا حکم دیا چنانچہ وہ پانی کا برتن لیکر آپ ﷺ کے ساتھ ساتھ چلنے لگے، ایک مقام پر پہنچ کر آپ ﷺ تنہا آگے چلنے لگے اور چلتے چلتے اتنے دور نکل گئے کہ آنکھوں سے اوجھل ہو گئے، وہاں کسی مقام پر آپ ﷺ نے قضائے حاجت فرمائی اور جب آپ ﷺ قضائے حاجت سے فارغ ہو کر واپس آئے تو انہوں نے آپ ﷺ کو وضو کروایا۔اس روایت سے یہ واضح ہوتا ہے کہ حاجت کے آداب میں سے ایک اہم ادب یہ ہے کہ اگر بیت الخلاء یا کوئی اور پردے کا معقول بندوبست نہ ہو تو پھر آبادی یا آمدورفت کے راستے سے اتنا دور نکل جانا چاہیے کہ جہاں سے کوئی دیکھنے نہ پائے، ایک روایت میں اس طرح ہے کہ اگر پردے کا کوئی معقول انتظام نہ ہو تو اس صورت میں قضائے حاجت کرنے والے کو چاہیے کہ وہ مٹی یا ریت جمع کر کے اس کی اوٹ میں قضائے حاجت کرے، کیونکہ پردہ نہ ہونے کی صورت میں شیطان قضائے حاجت کرنے والے کی دبر سے کھیلتا ہے۔

فقہی احکام: قضائے حاجت کے وقت پردے کا اہتمام نہایت ضروری ہے، معقول اہتمام نہ ہونے کی صورت میں انسانی آبادی اور گزرگاہوں سے دور چلے جانا چاہیے

۹۱: وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضی اللہ عنہ قَالَ، قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ "اِتَّقُوا اللَّاعِنَيْنِ الَّذِي يَتَخَلَّى فِي طَرِيقِ النَّاسِ, أَوْ فِي ظِلِّهِمْ " رَوَاهُ مُسْلِمٌ

مسلم، کتاب الطھارۃ، باب النھی عن التخلی فی الطریق و الظلال: ۲۶۹، ابوداود: ۲۵، احمد: ۳۷۲/۲، ابن خزیمۃ: ۶۷، ابن حبان: ۱۴۱۵، الحاکم: ۱۸۵/۱، ۱۸۶، البیھقی: ۹۷/۱، ابن الجارود: ۳۳

۹۱: حضرت ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا " لعنت کا سبب بننے والے دو مقامات سے اجتناب کرو، ایک لوگوں کی گزرگاہوں پر قضائے حاجت کرنے سے، دوسرا سایہ دار مقامات سے "

لغوی تحقیق: اتقوا: کلمہ برائے تنبیہ یعنی ڈرو۔ لاعنین: یہ لاعن کا تثنیہ ہے یعنی لعنت کا سبب بننے والے دو مقامات یا دو قسم کے لعنت کرنے والے کام۔

۹۲: زَادَ أَبُو دَاوُدَ ,عَنْ مُعَاذٍ رضی اللہ عنہ " وَالْمَوَارِدَ " وَ لَفْظُهُ "اتَّقُوا الْمَلَاعِنَ الثَّلَاثَةَ" اَلْبَرَازَ فِي "الْمَوَارِدِ، وَ قَارِعَةِ الطَّرِيقِ، وَ الظِّلِّ"

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ابو داود، كتاب الطهارة، باب المواضع التى نهى النبى ﷺ عن البول فيها: ٢٦، ابن ماجة: ٣٢٨، الحاكم: ١/ ١٦٧، البيهقى: ١/ ٩٧

٩٢: ابوداود نے حضرت معاذ رضی اللہ عنہ سے مروی روایت میں لفظ موارد کا اضافہ نقل کیا ہے، اس روایت کے الفاظ اس طرح ہیں کہ "لعنت کے تین اسباب، پانی کے چشموں، عام گزرگاہوں اور سایہ دار مقامات پر رفع حاجت کرنے سے بچو"

لغوی تحقیق: الموارد: یہ مورد کی جمع ہے یعنی چشمے۔ البراز: انسانی فضلہ۔ قارعة الطريق: عام گزرگاہیں۔

٩٣: وَلِأَحْمَدَ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رضی اللہ عنہ "أَوْ نَقْعِ مَاءٍ" وَفِيهِمَا ضَعْفٌ

احمد: ١/ ٢٩٩

٩٣: مسند احمد میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ تالاب کے قریب بھی قضائے حاجت سے اجتناب کرو۔ آخری دونوں روایات ضعیف ہیں۔

لغوی تحقیق: نقع: تالاب

٩٤: وَأَخْرَجَ الطَّبَرَانِيُّ اَلنَّهْىَ عَنْ قَضَاءِ الْحَاجَةِ تَحْتَ الْأَشْجَارِ الْمُثْمِرَةِ ,وَضَفَّةِ النَّهْرِ الْجَارِى مِنْ حَدِيثِ ابْنِ عُمَرَ بِسَنَدٍ ضَعِيفٍ

المعجم الاوسط للطبرانى: ٢٤١٣

٩٤: امام طبرانی نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے توسط سے ضعیف سند سے جو حدیث نقل کی ہے، اس میں پھل دار درختوں کے نیچے اور بہتی ہوئی نہر کے کنارے پر رفع حاجت کرنے سے منع کیا گیا ہے۔

لغوی تحقیق: الاشجار المثمرة: میم مضموم، ثاء ساکن اور میم مکسور، پھل دار درخت۔ ضفة: ضاد کی زیر اور زبر دونوں کے ساتھ پڑھنا درست ہے یعنی کنارہ۔

تشریح: درج بالا روایات کو جمع کرنے سے واضح ہوتا ہے کہ مسلمانوں کو چھ مقامات پر قضائے حاجت کرنے سے منع کیا گیا ہے۔ (۱) عام گزرگاہوں۔ (۲) سایہ دار درختوں کے نیچے۔ (۳) پانی کے چشموں پر۔ (۴) پھل دار درختوں کے نیچے۔ (۵) نہر کے کنارے پر۔ (۶) تالابوں کے کناروں پر۔

ان مقامات پر غلاظت کرنے کو لعنت کرنے والے کاموں سے اس لئے تعبیر کیا گیا کہ مذکورہ بالا مقامات سے لوگوں کا اکثر گزر ہوتا ہے اگر وہاں غلاظت ہوگی تو یقیناً وہاں سے گزرنے والوں کو اس سے تکلیف ہوگی جبکہ عام لوگوں کی یہ عادت ہے کہ جو انہیں تکلیف دے وہ انہیں لعن طعن کرتے ہیں، گویا یہ کام لوگوں کی لعن وطعن کا سبب بنا، اس لئے مجازی طور پر اسی کام کو لعنت کرنے والے کام قرار دیا گیا۔

ان احادیث میں سے پہلی حدیث صحیح ہے جبکہ بقیہ تینوں احادیث ضعیف ہیں حضرت معاذ رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث کے ضعیف ہونے کے دو اسباب ہیں۔ (۱) اس روایت کا ایک راوی ابوسعید الحمیری مجہول ہے۔ (۲) نیز اس کا حضرت معاذ رضی اللہ عنہ سے سماع بھی ثابت نہیں اس لئے یہ روایت منقطع بھی ہے، بنا بریں امام ابن سکن اور امام حاکم کا اس حدیث کو صحیح قرار دینا اور علامہ ناصر الدین البانی کا اسے احسن قرار دینا درست نہیں۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی روایت کے ضعیف ہونے کا سبب فرات بن سائب نامی راوی ہے، امام بخاری نے اسے سخت مجروح قرار دیا ہے۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

فقہی احکام: (۱) ایسے مقامات پر غلاظت کرنے سے مکمل اجتناب کرنا چاہیے جہاں پر آمدورفت کا سلسلہ اکثر جاری رہتا ہے۔
(۲) ایسے کام نہیں کرنا چاہیے جس کی وجہ سے کوئی دوسرا شخص بدزبانی کرنے پر مجبور ہو جائے۔

۹۵: وَعَنْ جَابِرٍ رضی الله عنه قَالَ، قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ "إِذَا تَغَوَّطَ الرَّجُلَانِ فَلْيَتَوَارَ كُلُّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا عَنْ صَاحِبِهِ ,وَلَا يَتَحَدَّثَا فَإِنَّ اللَّهَ يَمْقُتُ عَلَى ذَلِكَ" رَوَاهُ احمد وَصَحَّحَهُ اِبْنُ السَّكَنِ ,وَابْنُ الْقَطَّانِ ,وَهُوَ مَعْلُولٌ

مسنداحمد: ۳۶/۳، ابن خزیمة: ۳۹/۱، ابوداود: ۱۵، الموارد: ۱۳۷، علل الحدیث لابن ابی حاتم: ۴۱/۱، الاحکام الوسطی: ۳۲/۱، مختصر السنن للمنذری: ۲۴/۱، تقریب التهذیب: ۵۲۸۱، بیان الوهم والایهام: ۱۴۳/۳، حاکم: ۱۵۷/۱، بیهقی: ۱۷۵/۱

تنبیہ: حضرت جابر کے طریق سے تو یہ روایت مجھے نہیں ملی، البتہ حضرت ابوسعید کے طریق سے درج بالا کتب میں موجود ہے۔

۹۵: حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا " جب دو آدمی قضائے حاجت کا ارادہ کریں تو انہیں چاہیے کہ وہ ایک دوسرے سے چھپ کر کریں اور قضائے حاجت کرتے وقت گفتگو مت کریں، کیونکہ ایسا کرنے پر اللہ تعالیٰ ناراض ہوتا ہے " اس روایت کو احمد نے بیان کیا ہے، اسے امام ابن سکن اور امام ابن قطان نے صحیح کہا ہے حالانکہ یہ روایت معلول ہے۔

لغوی تحقیق: تغوط: یہ غائط سے ماخوذ ہے یعنی جب وہ قضائے حاجت کیلئے نکلے۔(۱) قضائے حاجت پردے میں کی جائے۔
(۱) اس دوران گفتگو نہ کی جائے۔

تشریح: اس وقت بلوغ المرام کے مختلف نسخے رائج ہیں زھیری کے نسخہ میں یہ روایت کسی مصدر یا ماخذ کی طرف منسوب کئے بغیر منقول ہے، جبکہ محمد حامد کے نسخہ میں اسے احمد کی طرف منسوب کیا گیا ہے، واضح رہے کہ یہ روایت نہ صرف مسند احمد میں بلکہ دیگر مصادر میں بھی حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ان الفاظ کے ساتھ موجود نہیں البتہ مسند احمد اور بعض دیگر مصادر میں حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث میں ان آداب کا تذکرہ موجود ہے۔ یعنی حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے رحمت عالم ﷺ سے یہ سنا ہے کہ " دو شخص ایک دوسرے کے روبرو بیٹھ کر قضائے حاجت نہ کریں اور قضائے حاجت کرتے وقت گفتگو بھی نہ کریں، کیونکہ ایسا کرنے سے اللہ رب العزت ناراض ہوتا ہے۔"

اس روایت کو ابن سکن، ابن قطان ابن خزیمہ، ابن حبان، امام ذہبی، امام حاکم نے صحیح قرار دیا ہے جبکہ امام ابوحاتم نے اوزاعی کے طریق کو صحیح قرار دے۔ اس روایت کے معلول ہونے کی علت کیا ہے؟ امام ابوداود نے لم یسندہ الا عکرمۃ بن عمار کہہ کر یہ عندیہ دیا ہے کہ یہ روایت اس لئے معلول ہے کہ اس روایت کو یحییٰ بن ابی کثیر سے فقط عکرمہ بن عمار ہی نقل کرتے ہیں، عبدالحق نے اس گرہ کو ان الفاظ سے کھولا ہے، لم یسند هذا الحدیث غیر عکرمۃ بن عمار وقد اضطرب فیہ یعنی یحییٰ بن کثیر سے عکرمہ کی روایت مضطرب ہے، امام منذری نے حفاظ کا نام لئے بغیر یہ کہا ہے کہ بعض حفاظ نے عمار بن عکرمہ کی ان مرویات کو ضعیف قرار دیا ہے جو وہ یحییٰ بن ابی کثیر سے نقل کرتے ہیں، حالانکہ امام مسلم نے اپنی صحیح میں اسی طریق کو بطور حجت اختیار کیا ہے اور امام بخاری نے اس طریق کو اپنی صحیح میں بطور استشہاد لیا ہے۔

اس روایت کے معلول ہونے کا سبب یحییٰ بن ابی کثیر کا شیخ بھی ہوسکتا ہے، یحییٰ بن ابی کثیر کے شیخ کا نام ہلال بن عیاض یا عیاض بن ہلال اور عیاض بن ابی زھیر منقول ہے۔ حافظ ابن حجر نے اسے مجہول قرار دیا ہے، جبکہ امام ابن خزیمہ نے ان کا صحیح نام عیاض بن ہلال قرار دیکر ان کے معروف ہونے کا عندیہ دیا ہے، امام ابن قطان کا کہنا ہے کہ اگر یحییٰ بن ابی کثیر کا شیخ معروف ہے تو پھر یہ حدیث عکرمۃ بن عمار

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

کی وجہ سے معلول نہیں۔

درج بالا بیانات کی روشنی میں اصل حقیقت تک پہنچنا آسان ہوگیا ہے، یعنی اس روایت کے معلول ہونے کا حقیقی سبب عکرمہ بن عمار عن یحییٰ بن ابی کثیر ہی ہے، باقی رہا یہ اعتراض کہ اس طریق سے مروی حدیث کو امام مسلم نے بطور حجت اختیار کیا ہے، تو اس کا جواب یہ ہے کہ عکرمہ بن عمار یحییٰ بن ابی کثیر سے مروی تمام روایات میں وہم کا شکار نہیں، لہٰذا اس طریق سے مروی جن روایات میں وہ وہم کا شکار نہیں ان روایات کو امام مسلم نے بطور حجت اور امام بخاری نے بطور استشہاد اختیار کیا ہے، ان روایات کے بارے میں یہ کہا جائے گا ان کی تمیز ہو چکی ہے، کہ یہ وہم سے پاک ہیں، یہ روایت چونکہ صحیحین میں نہیں، لہٰذا اسے وہم سے پاک قرار نہیں دیا جا سکتا، اس لئے یہ معلول ہے۔ یہ روایت معلول ہے اس لئے اس روایت کی بنا پر تو اس سے فقہی احکام اخذ نہیں کئے جا سکتے لیکن چونکہ اس روایت میں مذکور دونوں اجزاء یعنی قضائے حاجت چھپ کر کرنے اور دوران قضائے حاجت گفتگو نہ کرنے کی تائید دیگر احادیث سے ہوتی ہے، اس لئے ان سے فقہی احکام مستنبط ہو سکتے ہیں۔

فقہی احکام: (۱) قضائے حاجت چھپ کر کرنی چاہیے۔ (۲) دوران قضائے حاجت گفتگو نہیں کرنی چاہیے۔

۹۲: وَعَنْ أَبِي قَتَادَةَ رضی اللہ عنہ قَالَ، قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صلی اللہ علیہ وسلم "لَا يُمْسِكَنَّ أَحَدُكُمْ ذَكَرَهُ بِيَمِينِهِ, وَهُوَ يَبُولُ, وَلَا يَتَمَسَّحْ مِنَ الْخَلَاءِ بِيَمِينِهِ, وَلَا يَتَنَفَّسْ فِي الْإِنَاءِ" مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ, وَاللَّفْظُ لِمُسْلِمٍ

البخاری، کتاب الوضوء، باب لایمسک ذکرہ بیمینہ اذا بال: ۱۵۴، مسلم: ۲۶۷، ابوداود: ۳۲، الترمذی: ۱۵، النسائی: ۲۵/۱، ابن خزیمۃ: ۷۹، ابن حبان: ۱۴۳۴

۹۲: حضرت ابوقتادہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں، کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "تم پیشاب کرتے وقت اپنے دائیں ہاتھ سے آلہ تناسل مت پکڑو اور سیدھے ہاتھ سے طہارت بھی مت کرو اور برتن میں سانس مت لو۔" اس روایت کو امام بخاری اور امام مسلم نے نقل کیا ہے، مذکورہ الفاظ مسلم کے ہیں۔

لغوی تحقیق: لا یمسن: مت ہاتھ لگاؤ۔ یتمسح: یہ مسح سے ماخوذ ہے اس کا معنی ہے، پانی وغیرہ کے ساتھ ہاتھ پھیرنا یہاں پانی کے ساتھ طہارت کرنا مقصود ہے۔ یتنفس: سانس لینا

تشریح: اس حدیث میں دو آداب بیان کئے گئے ہیں۔ (۱) سیدھے ہاتھ سے عضو تناسل کو پکڑنے کی ممانعت۔ (۲) پانی وغیرہ پیتے وقت پانی کے برتن میں سانس لینا۔

رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد گرامی سے واضح ہوا کہ دائیں ہاتھ کو شرف حاصل ہے اس لئے اسے صرف انہیں کاموں میں استعمال کیا جائے جو مہتم بالشان ہیں اور گندگی وغیرہ کے ازالہ کیلئے بائیں ہاتھ کو استعمال کیا جائے اور پانی پیتے وقت برتن میں سانس لینے سے منع کیا گیا ہے، اس کی ممانعت کے درج ذیل اسباب ہو سکتے ہیں۔ (۱) ایک ہی سانس سے پانی پینا بے صبری کی علامت ہے۔ (۲) خالی پیٹ ایک سانس پانی پینے سے شدید قسم کی گھبراہٹ بھی ہو سکتی ہے۔ (۳) نیز پانی کے برتن میں سانس لینے سے بعض خطرناک جراثیم پانی کے برتن میں شامل ہو کر معدے میں پہنچ جاتے ہیں جو خطرناک قسم کی بیماریوں کا سبب بنتے ہیں۔

فقہی احکام: (۱) گندگی وغیرہ دور کرنے کیلئے بایاں ہاتھ استعمال کرنا چاہیے۔ (۲) آلہ تناسل کو دائیں ہاتھ سے نہیں چھونا چاہیے۔ (۳) مشروبات میں سانس نہیں لینا چاہیے۔ (۴) مشروبات ایک ہی سانس میں نہیں پینے چاہئیں۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

۹۷: وَعَنْ سَلْمَانَ رضی اللہ عنہ قَالَ " لَقَدْ نَهَانَا رَسُولُ اللَّهِ صلی اللہ علیہ وسلم أَنْ نَسْتَقْبِلَ الْقِبْلَةَ بِغَائِطٍ أَوْ بَوْلٍ ,أَوْ أَنْ نَسْتَنْجِيَ بِالْيَمِينِ , أَوْ أَنْ نَسْتَنْجِيَ بِأَقَلَّ مِنْ ثَلَاثَةِ أَحْجَارٍ ,أَوْ أَنْ نَسْتَنْجِيَ بِرَجِيعٍ أَوْ عَظْمٍ" رَوَاهُ مُسْلِمٌ

مسلم، کتاب الطھارۃ، باب الاستطابۃ: ۲۶۲، ابوداود: ۷، الترمذی: ۱۶، ابن ماجۃ: ۳۱۶، مسند احمد: ۴۳۷/۵، البیھقی: ۱۵۸/۱، ۱۵۹، شرح معانی الآثار: ۱۲۳/۱

۹۷: حضرت سلمان رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ " رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں بول و براز کے وقت قبلہ رخ بیٹھنے، دائیں ہاتھ سے طہارت کرنے اور طہارت میں تین پتھروں سے کم پتھر استعمال کرنے، گوبر اور ہڈی کے ساتھ طہارت کرنے سے منع فرمایا۔ " اس روایت کو امام مسلم نے بیان کیا ہے۔

لغوی تحقیق: نستنجی: یہ الاستنجا سے ماخوذ ہے یعنی پانی یا پتھر وغیرہ سے گندگی دور کرنا۔ **احجار:** یہ حجر کی جمع ہے یعنی مٹی کے ڈھیلے۔ **رجیع:** جانوروں کا فضلہ۔ **عظم:** ہڈی

تشریح: بعض ناعاقبت اندیش غیر مسلموں نے اسلام اور پیغمبر اسلام کا مذاق اڑاتے ہوئے کہا تمہارے نبی تو تمہیں معمولی چیزیں بھی سکھاتے ہیں۔ اس پر حضرت سلمان رضی اللہ عنہ نے بڑے فخر سے فرمایا: ہاں، ہاں! ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے تو ہمیں بول و براز کے وقت بیت اللہ کی طرف منہ کرنے، دائیں ہاتھ سے گندگی دور کرنے، طہارت کیلئے تین پتھروں سے کم پتھر استعمال کرنے اور جانوروں کے فضلہ جات اور ہڈیوں کے ساتھ طہارت حاصل کرنے سے منع فرمایا ہے۔ اس حدیث میں اگرچہ بول و براز کے وقت فقط قبلہ رخ بیٹھنے سے منع کیا ہے، لیکن ایک دوسری حدیث میں بول و براز کے وقت بیت اللہ کی طرف پیٹھ کرنے سے بھی منع کیا گیا ہے، پتھروں کا استعمال اس وقت ضروری ہے، جب پانی نہ ہو، پانی موجود ہونے کی صورت میں پانی ہی طہارت کیلئے کافی ہے، گوبر اور ہڈی سے طہارت حاصل نہ کرنے کے دو اسباب ہیں: (۱) یہ گندگی دور کرنے کے ناقص ذرائع ہیں۔ (۲) یہ جنات اور ان کے جانوروں کی خوارک ہیں۔

فقہی احکام: (۱) مربی پر لازم ہے کہ وہ اپنے زیر تربیت افراد کو دین کی چھوٹی چھوٹی باتوں سے بھی آگاہ کرے۔ (۲) کھلے میدان میں بول و براز کرتے وقت بیت اللہ کی طرف منہ کرنا منع ہے۔ (۳) حصول طہارت کیلئے کم از کم تین پتھر استعمال کئے جائیں۔ (۴) بڑے ڈھیلے کو اگر دو اطراف سے استعمال کر لیا جائے تو یہ دو پتھروں کے قائم مقام ہو جائے گا۔ (۵) گوبر اور ہڈی اور اسی طرح کی دیگر اشیاء مثلاً کوئلہ وغیرہ کو حصول طہارت کیلئے استعمال نہ کیا جائے۔

۹۸: وَلِلسَّبْعَةِ مِنْ حَدِيثِ أَبِي أَيُّوبَ الانصاری رضی اللہ عنہ " لَا تَسْتَقْبِلُوا الْقِبْلَةَ بِغَائِطٍ وَلَا بَوْلٍ ,وَلَكِنْ شَرِّقُوا أَوْ غَرِّبُوا "

البخاری، کتاب الصلاۃ، باب قبلۃ اھل المدینۃ و اھل الشام: ۳۹۴، مسلم: ۲۶۴، ابوداود: ۹، الترمذی: ۸، النسائی: ۲۱/۱، ابن ماجۃ: ۳۱۸، مسنداحمد: ۴۱۹/۵ـ ۴۲۱، الخلاصۃ: ۴۲۲/۱، ابن خزیمۃ: ۳۴/۱، الحاکم: ۱۵۴/۱، البیھقی: ۹۲/۱

۹۸: حضرت ابوایوب رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث جسے ساتوں نے نقل کیا ہے، اس میں یہ ہے کہ تم بول و براز کے وقت قبلہ کی طرف منہ مت کرو بلکہ مشرق و مغرب کا رخ کرو۔

لغوی تحقیق: تسقبلوا: یہ قبل سے ماخوذ ہے یعنی منہ مت کرو۔ **شرقوا:** یہ شرق سے ماخوذ ہے، مشرق کے رخ بیٹھو۔ **غربوا:** مغرب کے رخ بیٹھو۔

تشریح: زیر مطالعہ حدیث میں جس تعلیم کا تذکرہ ہے وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کو مدینہ میں دی تھی، قبلہ چونکہ مدینہ کے جنوب کی طرف

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

واقع ہے، اس لئے آپ ﷺ نے مشرق ومغرب کی طرف رخ کرنے کا حکم دیا، چنانچہ جن علاقوں میں قبلہ مشرق یا مغرب کی طرف واقع ہے، وہ قضائے حاجت کے وقت اپنا رخ جنوب وشمال کی طرف کریں گے، اس بارے میں متعدد طرق سے مختلف احادیث منقول ہیں، جن کی وجہ سے اہل علم اس مسئلہ میں مختلف آراء رکھتے ہیں۔

(۱) قبلتین میں سے کسی ایک کی طرف منہ کر کے بیٹھنا جائز نہیں۔ اس قول کی بنیاد حضرت معقل بن ابی معقل رضی اللہ عنہ سے مروی روایت پر ہے، اس روایت کو اگرچہ امام نووی نے حسن قرار دیا ہے۔ تاہم یہ روایت ابوزید کے مجہول ہونے کی وجہ سے ضعیف ہے۔

(۲) بیت اللہ کی طرف منہ یا پیٹھ کر کے بیٹھنا حرام ہے۔ ان کی دلیل حضرت ابوایوب رضی اللہ عنہ اور حضرت ابوہریرۃ رضی اللہ عنہ سے مروی احادیث ہیں، جن احادیث میں آپ ﷺ کا بیت اللہ کی طرف منہ یا پیٹھ کر کے بیٹھنا مذکور ہے، ان کو یہ عذر پر محمول کرتے ہیں۔

(۳) بیت اللہ کی طرف منہ یا پیٹھ کر کے بیٹھنا بلا عذر جائز ہے، یہ حضرات ممانعت کی احادیث کو منسوخ اور حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما سے مروی حدیث کو ناسخ قرار دیتے ہیں، حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے قبلہ رخ بیٹھ کر پیشاب وغیرہ کرنے سے منع فرمایا تھا اور میں نے آپ ﷺ کو آپ کی وفات سے ایک سال قبل بیت اللہ کی طرف منہ کر کے بیٹھے دیکھا ہے۔

(۴) قبلہ کی طرف منہ یا پیٹھ کر کے بیٹھنا حرام نہیں، البتہ ادب کا تقاضہ ہے کہ ایسا نہ کیا جائے، ان کی دلیل بھی حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما سے مروی حدیث ہے۔

(۵) بیت اللہ کی طرف منہ کر کے بیٹھنا درست ہے، اور پیٹھ کر کے بیٹھنا حرام ہے، ان کی دلیل بھی حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی روایت ہے۔

(۶) کھلی فضا میں بیت اللہ کی طرف منہ یا پیٹھ کر کے بیٹھنا منع ہے اور بیت الخلاء وغیرہ میں جائز ہے۔ ان کی دلیل حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی حدیث ہے، مروان الاصفر کہتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے اپنی سواریوں کو قبلہ کی طرف بٹھایا پھر اس کی طرف منہ کر کے پیشاب کر لیا میں نے ان سے کہا محترم! آپ ﷺ نے ایسا کرنے سے منع نہیں فرمایا؟ انہوں نے کہا بے شک منع فرمایا ہے، لیکن یہ ممانعت کھلی فضا سے متعلق ہے جب تیرے اور قبلہ کے درمیان کوئی پردہ حائل ہو تو پھر کوئی مضائقہ نہیں۔

۹۹: وَعَنْ عَائِشَةَ رضی اللہ عنہا أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ قَالَ " مَنْ أَتَى الْغَائِطَ فَلْيَسْتَتِرْ " رَوَاهُ أَبُو دَاوُدَ

ابوداود، کتاب الطھارۃ، باب الاستتار فی الخلاء: ۳۵، ابن ماجۃ: ۳۳۷، مسند احمد: ۳۷۱/۲، البیھقی: ۱۶۵/۱، الدارمی: ۶۶۲

۹۹: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا "جو قضائے حاجت کرنا چاہے اسے چاہیے کہ وہ چھپ کر کرے۔" اسے ابوداود نے روایت کیا ہے۔

لغوی تحقیق: فلیستتر: یہ ستر سے ماخوذ ہے، اس کے شروع میں لام امر ہے، یعنی پردہ اختیار کرے۔

تشریح: یہ روایت مسند عائشہ رضی اللہ عنہا سے نہیں بلکہ مسند ابی ہریرۃ سے ہے، معلوم ہوتا ہے کہ یہ تسامح کسی کاتب یا خود مؤلف رحمہ اللہ سے ہوا ہے، کیونکہ مؤلف رحمہ اللہ نے تلخیص میں اس روایت کو حضرت ابوہریرۃ رضی اللہ عنہ کی طرف منسوب کیا ہے۔ یہ روایت مفصل اس طرح کہ رحمت عالم ﷺ نے فرمایا "جو سرمہ لگاتے وقت طاق بار لگائے اور جو ایسا کرے گا وہ بہتر کرے گا اور ایسا نہ کرنے پر کوئی مضائقہ نہیں، جو ڈھیلوں سے طہارت حاصل کرنا چاہے، وہ طاق ڈھیلے استعمال کرے، جس نے ایسا کیا اس نے بہتر کام کیا اور نہ کرنے پر کوئی مضائقہ نہیں، جس نے کھانا کھانے کے بعد خلال کیا اور اس دوران جو کچھ نکلے وہ اسے پھینک دے اور جو کچھ زبان کے ساتھ چمٹا ہو، اسے پیٹ

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

میں اتار لے، جس نے ایسا کیا اس نے بہتر کیا اور نہ کرنے پر کچھ مضائقہ نہیں، جو قضائے حاجت کرنا چاہے، اسے چاہیے کہ وہ پردے میں کرے، اگر اسے پردہ میسر نہ آئے تو اسے چاہیے کہ وہ ریت جمع کرے، پھر اس کی طرف پشت کر کے قضائے حاجت کرے، کیونکہ شیطان انسان کے پیخانہ کی جگہ سے کھیلتا ہے، جس نے ایسا کیا بہتر کیا اور نہ کرنے پر کوئی مضائقہ نہیں۔ یہ روایت حصین حمیری کی وجہ سے ضعیف ہے، تاہم قضائے حاجت کرتے وقت پردہ اختیار کرنے کی تائید دیگر صحیح احادیث سے ثابت ہے۔

فقہی احکام: قضائے حاجت کرتے وقت حتی المقدور پردے کا خیال رکھا جائے۔

۱۰۰: وَعَنْهَا رضی اللہ عنہا أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ كَانَ إِذَا خَرَجَ مِنَ الْغَائِطِ قَالَ "غُفْرَانَكَ" أَخْرَجَهُ الْخَمْسَةُ .وَصَحَّحَهُ أَبُو حَاتِمٍ , وَالْحَاكِمُ

ابوداود، کتاب الطهارة، باب مایقول الرجل اذا خرج من الخلاء: ۳۰، الترمذی: ۷، ابن ماجة: ۳۰۰،عمل الیوم واللیلة للنسائی: ۷۹، احمد: ۱۵۵/۶، ابن حبان: ۱۴۴۴، ابن خزیمة: ۴۸/۱، الدارمی: ۱۳۹/۱، الحاکم: ۱۵۸/۱

۱۰۰: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ نبی کریم ﷺ جب بیت الخلاء سے باہر تشریف لاتے تو فرماتے "اے اللہ! میں تیری مغفرت طلب کرتا ہوں" اس حدیث کو پانچوں نے بیان کیا ہے، امام ابوحاتم اور امام حاکم نے صحیح قرار دیا ہے۔

لغوی تحقیق: غفرانک: فعل محذوف کا مفعول بہ یا مفعول مطلق ہے۔

تشریح: اگر اسے مفعول بہ قرار دیں گے تو اس کا ترجمہ ہوگا، میں تیری بخشش طلب کرتا ہوں، مفعول مطلق کی صورت میں ترجمہ ہوگا، مجھے خوب اچھی طرح بخش دے، اس حدیث پاک سے آپ اندازہ لگا سکتے ہیں، کہ رحمت عالم ﷺ کو ذکر الٰہی اور بخشش سے کتنی دلچسپی تھی۔ ان کلمات کے علاوہ اور کلمات بھی منقول ہیں وہ کلمات اگرچہ متعدد طرق سے منقول ہیں لیکن کوئی طریق بھی کلام سے محفوظ نہیں، تفصیل درج ذیل ہے (۱) حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ آپ ﷺ بیت الخلاء سے باہر تشریف لاتے وقت یہ دعا پڑھتے تھے، " الحمدللہ الذی اذھب عنی الاذی و عافانی " یہ طریق اسماعیل بن مسلم کی وجہ سے ضعیف ہے، بوصیری کا کہنا ہے کہ موصوف تمام ماہرین فن کے نزدیک ضعیف ہے۔ (۲) حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ آپ ﷺ جب بیت الخلاء سے باہر تشریف لاتے تو فرماتے " الحمد للہ الذی اذھب عنی الحزن والا ذی وعافافی ." (ابن سنی:۲۲)

امام نووی فرماتے ہیں کہ ابوذر سے مروی روایت ضعیف ہے کیونکہ اسے بعض نے مرفوعاً اور بعض نے موقوفاً نقل کیا ہے، چنانچہ اس کی سند مضطرب اور غیر قوی ہے، امام دارقطنی نے اس کے موقوف ہونے کو صحیح قرار دیا ہے، یعنی رحمت عالم ﷺ سے یہ دعا ثابت نہیں۔

فقہی احکام: (۱) بول و براز کے مقامات پر ذکر الٰہی سے اجتناب کیا جائے۔ (۲) برہنہ حالت میں مکمل خاموشی اختیار کی جائے۔ (۳) مقام قضائے حاجت سے الگ ہوتے ہی اللہ تعالیٰ سے مغفرت طلب کی جائے۔

۱۰۱: وَعَنِ ابْنِ مَسْعُودٍ رضی اللہ عنہ قَالَ أَتَى النَّبِيُّ ﷺ الْغَائِطَ ,فَأَمَرَنِي أَنْ آتِيَهُ بِثَلَاثَةِ أَحْجَارٍ ,فَوَجَدْتُ حَجَرَيْنِ ,وَلَمْ أَجِدْ ثَالِثًا فَأَتَيْتُهُ بِرَوْثَةٍ فَأَخَذَهُمَا وَأَلْقَى الرَّوْثَةَ ,وَقَالَ "هَذَا رِكْسٌ " أَخْرَجَهُ الْبُخَارِيُّ زَادَ أَحْمَدُ ,وَالدَّارَقُطْنِيُّ ا "ائْتِنِي بِغَيْرِهَا"

البخاری، کتاب الوضوء، باب لا یستنجی بروث: ۱۵۶، النسائی: ۳۹/۱، الترمذی: ۱۷، ابن ماجة: ۳۱۴، مسنداحمد: ۴۱۸/۱، ۴۵۰/۱، الدارقطنی : ۵۵/۱

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

۱۰۱: حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں، کہ نبی کریم ﷺ قضائے حاجت کیلئے نکلے اورانہوں نے مجھے تین ڈھیلے لانے کا حکم فرمایا: مجھے دو ڈھیلے ملے اور میں تیسرا ڈھیلا تلاش کرنے میں ناکام رہا چنانچہ اس کے متبادل کے طور پر میں نے روث کا ایک ٹکڑا لیا اور آپ ﷺ کی خدمت میں پیش کردیا، آپ ﷺ نے روث کو پھینک دیا اور فرمایا " یہ ناپاک ہے " اس روایت کو امام بخاری نے بیان کیا ہے، احمد اور دار قطنی میں ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا " لید کے بدلے اور ڈھیلا لاؤ"

لغوی تحقیق: روث: گدھے کی لید وغیرہ۔ رکس :راء کے نیچے زیر اور کاف ساکن یعنی نجاست

تشریح: بول و براز دونوں کیلئے تین ڈھیلے کافی ہیں، یا ہر ایک کیلئے تین تین ڈھیلے ہونے چاہیں، اس سلسلے میں متعدد طرق سے جو احادیث مروی ہیں ان سے یہی ثابت ہوتا ہے کہ بول و براز ہر دو کیلئے تین ڈھیلے کافی ہیں، البتہ اگر تین ڈھیلوں سے صفائی نہ ہوسکے تو پھر زیادہ استعمال کئے جاسکتے ہیں، زیادہ ڈھیلے استعمال کرتے وقت اگر جفت ڈھیلے استعمال ہوجائیں تو اس میں کوئی مضائقہ نہیں، البتہ طاق استعمال کرنا بہتر ہے، تین ڈھیلوں سے کم استعمال کرنا درست نہیں اور اگر تین ڈھیلے میسر نہ آئیں تو پھر ایک ڈھیلے کو دو اطراف سے استعمال کرلیا جائے۔

فقہی احکام: (۱) انسانی بول و براز نجس ہیں۔ (۲) نجاست کو فقط مٹی سے بھی دور کیا جاسکتا ہے۔ (۳) اس کیلئے کم از کم تین ڈھیلے استعمال کئے جائیں۔ (۴) اگر تین ڈھیلوں سے نجاست زائل نہ ہو تو پھر زیادہ ڈھیلے بھی استعمال کئے جاسکتے ہیں۔

۱۰۲: وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضی اللہ عنہ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ نَهَى "أَنْ يُسْتَنْجَى بِعَظْمٍ ,أَوْ رَوْثٍ" وَقَالَ "إِنَّهُمَا لَا يُطَهِّرَانِ" رَوَاهُ الدَّارَقُطْنِيُّ وَصَحَّحَهُ.

الدارقطني : ۱/۵۶، ابن خزيمة: ۱/۴۴

۱۰۲: حضرت ابوہریرۃ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے گوبر اور ہڈی سے طہارت کرنے سے منع فرمایا اور اس کی علت آپ ﷺ نے یہ فرمائی کہ " یہ دونوں چیزیں پاک نہیں کرتیں " امام دار قطنی نے اسے بیان کیا ہے اور اس پر صحت کا حکم لگایا ہے۔

تشریح: حضرت ابوہریرۃ رضی اللہ عنہ سے یہ روایت تفصیلاً اس طرح منقول ہے کہ وہ آپ ﷺ کے زیر سایہ چل رہے تھے، آپ ﷺ نے انہیں حکم دیا کہ وہ فقط ڈھیلے لیکر آئیں، ہڈی اور گوبر قطعاً نہ لائیں کیونکہ میں طہارت حاصل کرنا چاہتا ہوں، حضرت ابوہریرۃ رضی اللہ عنہ تعمیل حکم کرتے ہوئے، اپنے دامن میں ڈھیلے ڈال کر لے آئے، آپ ﷺ قضائے حاجت اور طہارت سے فارغ ہوکر چلنے لگے، اسی دوران حضرت ابوہریرۃ رضی اللہ عنہ نے رحمت عالم ﷺ سے ہڈی اور گوبر کے ساتھ طہارت نہ کرنے کا سبب دریافت کیا تو آپ ﷺ نے فرمایا " میرے پاس مقام نصیبین سے جنات کا ایک وفد آیا، انہوں نے مجھ سے اپنی خوراک کی بابت دریافت کیا تو میں نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی اے اللہ! انہیں ہڈیوں اور گوبر سے خوراک فراہم فرما "

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہما سے مروی حدیث میں ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا " ہر وہ ہڈی جس پر اللہ تعالیٰ کا نام لیا گیا ہو، جنات کیلئے اس پر اسی وقت گوشت چڑھا دیا جاتا ہے جس وقت اسے کھا کر پھینکا جاتا ہے، اور گوبر کو اس کی سابقہ حالت میں کردیا جاتا۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہما سے مروی حدیث میں اس بات کی صراحت بھی ہے کہ مقدم الذکر جنات کی خوراک ہے جبکہ موخر الذکر ان کے جانوروں کی خوراک ہے۔ اس حدیث کے تمام طرق کو جمع کرنے سے یہ واضح ہوا کہ ہڈی اور گوبر کو بطور طہارت استعمال کرنے کی ممانعت کے دو اسباب ہیں۔ (۱) یہ جنات اور ان کے جانوروں کی خوراک ہے۔ (۲) ان کے مطہر نہ ہونے کی وجہ سے ان سے حصول

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

طہارت کا فائدہ حاصل نہیں ہوتا۔

فقہی احکام: (۱) جنات بھی پاک اشیاء کھانے پینے کے مکلّف ہیں۔(۲) ہڈی کے ساتھ طہارت کرنے سے طہارت حاصل نہ ہوگی، لیکن ہڈی ناپاک ہوجائے گی۔(۳) جو اشیا کسی کے زیر استعمال ہوں انہیں ناپاک کرنے سے گریز کیا جائے۔(۴) گھاس وغیرہ سے بھی طہارت حاصل کرنے سے گریز کیا جائے۔(۵) جو اشیاء طاہر ہیں لیکن مطہر نہیں مثلاً کپڑا اور ٹشو پیپر وغیرہ ان سے طہارت حاصل نہ ہوگی۔

۱۰۳: وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضی اللہ عنہ قَالَ، قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم "اِسْتَنْزِهُوا مِنَ الْبَوْلِ, فَإِنَّ عَامَّةَ عَذَابِ الْقَبْرِ مِنْهُ" رَوَاهُ الدَّارَقُطْنِيُّ وَلِلْحَاكِمِ "أَكْثَرُ عَذَابِ الْقَبْرِ مِنَ الْبَوْلِ" وَهُوَ صَحِيحُ الْإِسْنَادِ

الدارقطنی : ۱۲۸/۱، الحاکم: ۱۸۳/۱، العلل للدارقطنی: ۱۵۱۸، العلل الکبیر للترمذی: ۱۴۰/۱، ابن ماجة: ۳۴۸، احمد: ۳۲۶/۲

۱۰۳: حضرت ابوہریرۃ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا " پیشاب کے چھینٹوں سے بچو، کیونکہ اکثر لوگوں کو عذاب قبر اسی وجہ سے ہوتا ہے۔" اسے دارقطنی نے نقل کیا ہے، مستدرک حاکم میں ہے کہ زیادہ تر عذاب قبر پیشاب کی وجہ سے ہوتا ہے۔(اس حدیث کی سند صحیح ہے)

لغوی تحقیق: استنزهوا: بچو، محفوظ رہو۔ عامة: اکثر

تشریح: اس حدیث میں مذکور پیشاب سے مراد، انسان کا پیشاب ہے، انسان کا پیشاب بالاتفاق ناپاک ہے، زیر مطالعہ حدیث میں اس نجاست سے خاص کر بچنے کا حکم دیا گیا ہے، عدم احتیاط کی صورت میں عذاب قبر کی وعید سنائی گئی ہے، صحیحین میں مذکور ہے کہ ایک دفعہ رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا گزر دو ایسی قبروں کے پاس سے ہوا جنہیں عذاب قبر ہو رہا تھا، رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے صحابہ کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا " کہ ان میں سے ایک کو عذاب قبر فقط اس لئے ہو رہا ہے کہ وہ پیشاب کے چھینٹوں وغیرہ سے اجتناب نہیں کرتا تھا۔حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا " عذاب قبر کا اکثر سبب پیشاب کی نجاست کی وجہ ہے "لہٰذا اس سے بچو۔امام دارقطنی نے علل میں اس حدیث کے موقوف ہونے کو صحیح قرار دیا ہے، جبکہ سنن میں اسے صحیح کہا ہے، امام ترمذی فرماتے ہیں، کہ امام بخاری نے اس حدیث کو صحیح قرار دیا ہے۔

فقہی احکام: (۱) انسان کا پیشاب ناپاک ہے۔(۲) اس نجاست کا ازالہ فرض عین ہے (۳) عدم احتیاط کی صورت میں عذاب قبر ہوگا۔

۱۰۴: وَعَنْ سُرَاقَةَ بْنِ مَالِكٍ رضی اللہ عنہ قَالَ عَلَّمَنَا رَسُولُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم فِي الْخَلَاءِ "أَنْ نَقْعُدَ عَلَى الْيُسْرَى, وَنَنْصِبَ الْيُمْنَى" رَوَاهُ الْبَيْهَقِيُّ بِسَنَدٍ ضَعِيفٍ

البیھقی، کتاب الطھارة، باب تغطیه الراس عند دخول الخلاء: ۴۶۰، المعجم الکبیر للطبرانی: ۶۶۰۵، التلخیص: ۱۰۷/۱، اتحاف: ۳۲، میزان الاعتدال: ۱۱۸/۳

۱۰۴: حضرت سراقہ بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں قضائے حاجت کا یہ طریقہ بتایا کہ ہم دائیں پاؤں کو کھڑا رکھیں اور بائیں پاؤں پر بیٹھ جائیں اس روایت کو امام بیہقی نے ضعیف سند سے نقل کی ہے۔

تشریح: پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے پیروکاروں کو ان تمام امور کی تعلیم فرمائی جو کسی نہ کسی طرح معمول زندگی کا حصہ ہیں، زیر مطالعہ حدیث میں قضاء حاجت کے لیے بیٹھنے کا طریقہ بتایا گیا ہے، اہل دانش نے اس طرح بیٹھنے کی یہ حکمت بتائی ہے کہ معدہ چونکہ بائیں طرف

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ہوتا ہے اس لیے بائیں پاؤں پر زیادہ دباؤ دینے کی وجہ سے قضاء حاجت میں آسانی پیدا ہو جاتی ہے، اور قبض وغیرہ کی شکایت دور ہو جاتی ہے۔ بعض کا خیال ہے کہ دائیں پاؤں کو چونکہ شرف حاصل ہے اس لیے اس سے یہاں کام نہیں لیا جاتا۔

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے تلخیص میں اس روایت کے ضعیف ہونے کی علت بیان کرتے ہوئے لکھا ہے کہ امام حازمی فرماتے ہیں کہ اس مسئلہ میں فقط یہی ایک روایت منقول ہے، اور اس کی سند میں بعض رواۃ مجہول ہیں۔ موصوف کا یہ کہنا درست نہیں کیونکہ اس مفہوم کی ایک روایت حضرت انس رضی اللہ عنہ سے منقول ہے، تاہم وہ بھی زمعہ بن صالح کی وجہ سے ضعیف ہے۔ اور زیر مطالعہ حدیث میں محمد بن عبد الرحمٰن مدلجی اور اس کا والد دونوں مجہول ہیں۔

۱۰۵: وَعَنْ عِيسَى بْنِ يَزْدَادَ ,عَنْ أَبِيهِ قَالَ، قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ " إِذَا بَالَ أَحَدُكُمْ فَلْيَنْتُرْ ذَكَرَهُ ثَلَاثَ مَرَّاتٍ " رَوَاهُ ابْنُ مَاجَة بِسَنَدٍ ضَعِيفٍ.

ابن ماجة، كتاب الطهارة، باب الاستبراء بعد البول: ۳۲۶، مسند احمد: ۳۴۷/۴ (۱۹۰۷۵)، الجرح والتعديل: ۳۱۰/۹، علل الحديث: ۸۹، التقريب: ۵۳۵۵، بيان الوهم والايهام: ۳۰۷/۳، سنن الكبرى للبيهقي: ۱۹۸/۱

۱۰۵: عیسیٰ بن یزداد کا والد بیان کرتا ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "آپ میں سے کوئی ایک جب بھی پیشاب کرے تو اسے چاہیے کہ عضو تناسل کو تین بار جھاڑے۔" امام ابن ماجہ نے اسے ضعیف سند سے روایت کیا ہے۔

لغوی تحقیق: فلینتر: یہ نتر سے مشتق ہے، کسی چیز کو اندر سے جھاڑ کر نکالنا۔

تشریح: پیشاب کرتے وقت پیشاب کی نالی میں بسا اوقات ایک آدھ قطرہ رہ جاتا ہے اگر عضو تناسل کو اسی وقت جھاڑ کر اس قطرہ کو خارج نہ کیا جائے تو وہ اٹھنے کے بعد یا پھر رکوع و سجود کرتے وقت خارج ہو جاتا ہے، جس کی وجہ سے نماز اور وضو باطل ہو جاتے ہیں، بعض حضرات کو تو اس قسم کا مرض لاحق ہوتا ہے، ایسے حضرات کیلئے تو یہ عمل نہایت ضروری ہے، بلکہ اس عمل کے ساتھ ساتھ عضو تناسل کی جڑ میں خوب پانی بھی بہانا چاہیے۔

زیر مطالعہ حدیث تین علل کی وجہ سے ضعیف ہے۔ (۱) یزداد کے صحابی ہونے کے بارے میں اختلاف ہے، لیکن راجح یہی ہے کہ یہ صحابی نہیں، اس لیے یہ روایت مرسل ہے۔ (۲) عیسیٰ بن یزداد مجہول ہے۔ (۳) زمعہ بن صالح متکلم فیہ ہے۔

زیر مطالعہ حدیث اگرچہ ضعیف ہے، لیکن عذاب قبر سے متعلق حدیث سے اسے معنوی تقویت حاصل ہے، نیز اس میں احتیاط کا پہلو شامل ہے اس لیے اس پر عمل کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں۔

فقہی احکام: (۱) قضاء حاجت نہایت سکون سے کی جائے۔ (۲) عضو تناسل کو تین بار جھاڑ لیا جائے۔

۱۰۶۔۱۰۷: وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رضی اللہ عنہما أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ سَأَلَ أَهْلَ قُبَاءٍ ,فَقَالُوا إِنَّا نُتْبِعُ الْحِجَارَةَ الْمَاءَ. رَوَاهُ الْبَزَّارُ بِسَنَدٍ ضَعِيفٍ ,وَأَصْلُهُ فِي أَبِي دَاوُدَ ,وَالتِّرْمِذِيِّ وَصَحَّحَهُ ابْنُ خُزَيْمَةَ مِنْ حَدِيثِ أَبِي هُرَيْرَةَ رضی اللہ عنہ بِدُونِ ذِكْرِ الْحِجَارَةِ

البزار: ۲۴۷، ابو داود: ۴۴، الترمذی: ۳۱۰۰، ابن ماجة: ۳۵۷، الحاكم: ۱۸۷/۱، ابن خزيمة: ۸۳

تنبیہ: بلوغ المرام کے بعض مطبوعہ نسخوں میں؛ ان الله يثني عليكم ؛ کے الفاظ بھی ہیں۔

۱۰۶۔۱۰۷: حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے اہل قباء سے پوچھا: "اللہ تعالیٰ نے تمہاری بہت تعریف فرمائی ہے؟" انہوں نے عرض کیا: ہم ڈھیلے استعمال کرنے کے بعد پانی استعمال کرتے ہیں۔ امام بزار نے اسے ضعیف سند سے بیان کیا

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ہے،اس روایت کی اصل ابوداؤداور ترمذی میں ہے۔امام ابن خزیمہ نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث کو صحیح قرار دیا ہے،لیکن اس میں ڈھیلوں کے استعمال کا تذکرہ نہیں۔

لغوی تحقیق: قباء: قاف مضموم اور الف کے بعد ہمزہ ہے، یہ مدینے کے جنوب میں تین میل کے فاصلے پر واقع ایک آبادی کا نام ہے۔

يثني: یہ ثنا سے ماخوذ ہے یعنی اللہ تمہاری تعریف کرتا ہے۔ نتبع: ہم پیچھے لگاتے ہیں۔

تشریح: حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے ترمذی، ابوداؤد اور ابن خزیمہ کی جس روایت کی طرف اشارہ فرمایا ہے وہ تفصیلاً اس طرح ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:"اللہ تعالیٰ نے وہ آیت اہل قبا کی تعریف میں نازل فرمائی ہے جس میں مذکور ہے کہ کچھ آدمی ایسے ہیں جن کو طہارت پسند ہے۔" آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:"تم کس قسم کی طہارت کرتے ہو؟" انہوں نے کہا ہمیں تو کچھ علم نہیں البتہ ہمارے پڑوسی یہودی قضاء حاجت کے بعد پانی سے طہارت حاصل کرتے ہیں، ہم بھی ان کی طرح پانی استعمال کرتے ہیں۔آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:"اہل قبا طہارت کے لیے پانی استعمال کرتے ہیں اس لیے یہ آیت ان کی شان میں نازل ہوئی ہے۔"

امام نووی فرماتے ہیں کہ حدیث میں پانی اور ڈھیلے ایک ساتھ استعمال کرنے کا تذکرہ نہیں ہے، امام نووی کی یہاں حدیث سے مراد صحیح حدیث ہے، کیونکہ ضعیف حدیث میں تو دونوں کے استعمال کا ذکر موجود ہے۔

اہل قبا کی فضیلت میں متعدد روایات منقول ہیں۔ واضح رہے کہ اس بارے میں جتنی بھی روایات موجود ہیں وہ سب ضعیف ہیں۔ بزار کی روایت محمد بن عبدالعزیز کی وجہ سے، ترمذی کی روایت یونس بن حارث کی وجہ سے اور ابن خزیمہ کی روایت شرحبیل بن سعد کی وجہ سے ضعیف ہے۔

فقہی احکام: مٹی کے مقابلے میں پانی سے طہارت حاصل کرنا افضل ہے تاہم طہارت کے لیے مٹی بھی کافی ہے۔

۸۔ بَابُ الْغُسْلِ وَحُكْمِ الْجُنُبِ غسل اور جنبی کے احکام

۱۰۸: عَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ رضی اللہ عنہ قَالَ، قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صلی اللہ علیہ وسلم " اَلْمَاءُ مِنَ الْمَاءِ " رَوَاهُ مُسْلِمٌ وَأَصْلُهُ فِي الْبُخَارِيِّ

مسلم، كتاب الحيض، باب انما الماء من الماء: ۳۴۳،البخاري: ۱۸۰،ابن خزيمة: ۱ /۱۱۷،ابن حبان: ۳/۴۴۳، مسند احمد: ۳/۳٦،ابو عوانة: ۱/۲۸٦

۱۰۸: حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:"پانی کے خارج پر پانی کا استعمال ہے۔" (اسے مسلم نے روایت کیا ہے اور اس کی اصل بخاری میں ہے)

تشریح: آپ صلی اللہ علیہ وسلم پیر کے روز اپنے چند جانثاروں کے ساتھ تشریف لے گئے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے باب عتبان پر قیام فرمایا، اس دوران آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے حضرت عتبان رضی اللہ عنہ نے دریافت کیا، یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! اس شخص کے بارے میں کیا حکم ہے جو اپنی بیوی سے مباشرت کرتا ہے اور انزال نہیں ہوتا؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:"الماء من الماء" یہاں من تعلیل کے لیے یعنی غسل اس وقت فرض ہوگا جب انزال ہوگا۔" آغاز اسلام میں یہی حکم تھا کہ غسل منی کے خروج پر فرض ہوگا، لیکن بعد میں حکم منسوخ کر دیا گیا، اور اس کی جگہ یہ حکم نافذ کیا گیا کہ فرضیت غسل کے لیے انزال کا اعتبار نہیں بلکہ جماع کا اعتبار ہے، یعنی جماع کرنے پر غسل فرض ہو جائے گا اگرچہ منی کا اخراج نہ ہو۔ قاضی ابن عربی کا کہنا ہے کہ اہل علم کا اتفاق ہے کہ اگر زوجین کے اعضاء تناسل کا ملاپ ہوگیا تو غسل فرض ہو جائے گا، خواہ انزال کی

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

نوبت نہ آئے۔

فقہی احکام: ایک حدیث کا حکم دوسری حدیث سے منسوخ ہوسکتا ہے۔

۱۰۹: **وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضی اللہ عنہ قَالَ، قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ "إِذَا جَلَسَ بَيْنَ شُعَبِهَا الْأَرْبَعِ ,ثُمَّ جَهَدَهَا ,فَقَدْ وَجَبَ الْغُسْلُ "مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ زَادَ مُسْلِمٌ "وَإِنْ لَمْ يُنْزِلْ "**

البخاری، کتاب الغسل، باب اذاالتقیٰ الختانان: ۲۹۱، مسلم،کتاب الحیض،باب نسخ الماء من الماء و وجوب الغسل بالتقاء الختانین: ۳۴۸، ابوداود: ۲۱۴ ـــ ۲۱۶، النسائی: ۱/۱۱۰ (۱۹۱)، ابن ماجة: ۶۰۸، مسند احمد: ۸۵۸۲، ۲۴۸۷۱، البیهقی: ۱/۱۶۳ (۷۸۵ـ۷۸۹)، الدارقطنی: ۱/۱۱۳، صحیح ابن خزیمة: ۱/۱۱۳، ابن حبان: ۱۱۷۶ ـ ۱۱۷۹، ناسخ الحدیث و منسوخه لابن شاهین: ۴۵۳

۱۰۹: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:"جب تم میں سے کوئی ایک اپنی بیوی کے چار شاخوں کے درمیان بیٹھ کر اس سے زور آزمائی کرے تو ان پر غسل واجب ہوجائے گا۔"(بخاری و مسلم) مسلم میں یہ الفاظ بھی ہیں اگر چہ انزال نہ ہو۔

لغوی تحقیق: ایک نسخہ میں احـــدکـــم بھی مذکور ہے اسی مناسبت سے اس کا ترجمہ کردیا گیا ہے اگر اس لفظ کا خیال نہ رکھا جاے تو پھر "جلس" کا فاعل الرجل المعلوم ہوگا۔ **شعب**: شین مضموم اور عین مفتوح، یہ شعبۃ کی جمع ہے، درخت کی شاخوں یا کسی چیز کے حصص کو شعب کہتے ہیں، یہاں اس سے مراد عورت کی رانیں اور پنڈلیاں یا رانیں اور پاؤں ہیں اور یہ جماع سے کنایہ ہے۔ **ھا**: اس کا مرجع اہل (یعنی اس کی بیوی) ہے، یہ لفظ اگر چہ اس طریق میں مذکور نہیں لیکن حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ایک طریق میں مذکور ہے۔

تشریح: یہ حدیث سابقہ حدیث کی ناسخ ہے اور صحیح مسلم میں دلالۃً مذکور ہے کہ انصار اور مہاجرین کے چند افراد کے درمیان وجوب غسل پر اختلاف ہوا، انصار کا کہنا تھا کہ غسل فقط انزال کی صورت میں فرض ہے، جبکہ مہاجرین کا کہنا تھا کہ دخول سے بھی غسل واجب ہو جاتا ہے۔حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ فرمانے لگے ٹھہرو! میں آپ کی تشفی کردیتا ہوں، چنانچہ حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے حجرے پر پہنچے اور ان کی خدمت میں حاضر ہونے کی اجازت چاہی، انہیں اجازت دے دی گئی، انہوں نے عرض کیا: امی جان! میں آپ سے ایک مسئلہ دریافت کرنا چاہتا ہوں مگر حیا کی وجہ سے پوچھنے کی جسارت نہیں کرتا، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: مسئلہ دریافت کرنے میں مت حیا کیجئے، میں آپ کی ماں ہوں، انہوں نے عرض کیا: غسل کب واجب ہوتا ہے؟ محترمہ نے فرمایا: آپ ایک باخبر کے پاس تشریف لائے ہیں، پھر انہوں نے بیان کیا کہ رحمت عالم ﷺ نے فرمایا:"جب مرد چار شاخوں کے درمیان بیٹھ جائے اور شرمگاہیں آپس میں مل جائیں تو غسل فرض ہوجاتا ہے۔"

حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ رحمت عالم ﷺ نے الماء من الماء کی رخصت فرمائی تھی، لیکن بعد میں غسل کرنے کا حکم فرمادیا تھا۔اس حدیث کو امام ابن حبان اور امام ابن خزیمہ نے صحیح قرار دیا ہے، یہ حدیث زیر مطالع حدیث کی صریح طور پر ناسخ ہے۔

زیر مطالعہ حدیث میں جھـــدھـــا سے اگر چہ بظاہر دخول معلوم ہورہا ہے لیکن اگر اس سے دخول ہی مراد ہے تو پھر یہ حدیث بھی منسوخ ہوگی، اور اس کی ناسخ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی حدیث ہوگی، جس میں ختنوں کے ملاپ پر غسل کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ایک حدیث میں یہ بھی صراحت ہے کہ یہ حکم فتح مکہ کے بعد دیا گیا۔

فقہی احکام: (۱) ایسے امور جو حیا سے متعلق ہیں، ان میں کنایہ استعمال کیا جائے۔(۲) مسئلہ دریافت کرنے اور بتانے میں حیا آڑے

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

نہیں آنا چاہیے۔ (۳) محض ختنوں کے ملاپ سے غسل فرض ہو جائے گا، خواہ انزال یا دخول کی نوبت نہ آئی ہو۔

۱۱۰: وَعَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ رضی اللہ عنہ قَالَ، قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم فِي الْمَرْأَةِ تَرَى فِي مَنَامِهَا مَا يَرَى الرَّجُلُ قَالَ "تَغْتَسِلُ" مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ، وَزَادَ مُسْلِمٌ، فقالت أم سلمة، وَ هَلْ يَكُوْنُ هٰذَا؟ قَالَ "نَعَمْ، فَمِنْ اَيْنَ يَكُوْنُ الشِّبْهُ؟"

مسلم، کتاب الحیض، باب وجوب الغسل علی المرأة بخروج المنیٰ: ۳۱۰-۳۱۴، ابن حبان: ۴۳۹/۳، النسائی: ۱۱۲/۱، ابوداود: ۲۳۷، الترمذی: ۱۱۳، ابن ماجة: ۶۰۲، ابن ابی شیبة: ۸۰/۱ (۸۸۴، ۸۹۲)، مسنداحمد: ۱۲۱/۳

۱۱۰: حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس عورت کے بارے میں فرمایا جو خواب میں وہ کچھ دیکھتی ہے جو مرد دیکھتا ہے، "وہ غسل کرے۔" (بخاری و مسلم) مسلم میں مزید یہ الفاظ بھی ہیں کہ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے دریافت کیا ایسا ممکن ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "اگر یہ ناممکن ہوتا تو پھر مشابہت کہاں سے ہوتی؟۔"

لغوی تحقیق: منام: یہ نوم سے ماخوذ ہے یعنی خواب۔ الشبہ: شین مکسور اور باء ساکن، دونوں کا مفتوح پڑھنا بھی درست ہے، مشابہت یعنی ہم شکل۔

تشریح: حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے اس حدیث کو صحیح بخاری اور مسلم کی طرف منسوب کیا ہے، امام بخاری نے حضرت انس رضی اللہ عنہ کے توسط سے ان الفاظ کے ساتھ یہ حدیث نقل نہیں کی، البتہ امام مسلم نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے یہ روایت دو طرق سے نقل کی ہے ان سے مروی مفصل طریق میں یہ اشکال ہے کہ استحییت من ذالک قالت و ھل یکون ھذا؟ اس مقولے کی قائلہ حضرت اُم سلیم رضی اللہ عنہا کو قرار دیا گیا ہے حالانکہ روایت کا سیاق یہ ظاہر کر رہا ہے کہ یہ مقولہ ان کا نہیں ہے، امام نووی اس اشکال کو حل کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ متعدد طرق سے یہ حقیقت عیاں ہو رہی ہے کہ اس قول کی قائلہ حضرت اُم سلمہ رضی اللہ عنہا ہیں۔

یہ حدیث حضرت انس رضی اللہ عنہ اور حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے علاوہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے بھی منقول ہے، وہ فرماتی ہیں کہ ام سلیم نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ کیا عورت جب جنبی ہو جائے اور منی کے اثرات دیکھ لے، کیا اس وقت اسے غسل کرنا چاہیے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "ہاں۔" حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے کہا تجھ پر افسوس! کیا عورت بھی محتلمہ ہو جاتی ہے؟ رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "عائشہ! اس کے پیچھے کیوں پڑھ گئی ہو، اسی بنا پر تو بچہ ماں کا ہم شکل ہوتا ہے،" پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "جب عورت کا پانی (سپرم) غالب آجائے تو بچہ ماں اور اس کے بھائی بہنوں کے ہم شکل ہوتا ہے اور اگر والد کا پانی غالب آجائے تو پھر باپ اور اس کے بھائی بہنوں کے ہم شکل ہو جاتا ہے۔" حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے مروی طریق میں یہ صراحت بھی ہے کہ مرد کی منی مغلظ اور سفید ہوتی ہے جبکہ عورت کی منی پتلی اور زرد ہوتی ہے۔

ان روایات سے یہ واضح ہوا کہ عورت کو بھی احتلام ہو سکتا ہے، نیز ام سلیم نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے جب یہ مسئلہ دریافت کیا تو اس وقت حضرت ام سلمہ اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہما وہاں موجود تھیں۔ خواتین کے محتلمہ ہونے کے بارے میں خولہ بنت حکیم، بسرۃ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ سے بھی ضعیف روایات منقول ہیں۔

فقہی احکام: ماں اپنی اولاد کو مخصوص مسائل کی تعلیم دے سکتی ہے۔

۱۱۱: وَعَنْ أُمِّ سَلَمَةَ أَنَّ أُمَّ سُلَيْمٍ وَهِيَ اِمْرَأَةُ أَبِي طَلْحَةَ قَالَتْ يَا رَسُولَ اللّٰهِ! إِنَّ اللّٰهَ لَا يَسْتَحِي مِنَ الْحَقِّ، فَهَلْ عَلَى الْمَرْأَةِ الْغُسْلُ إِذَا احْتَلَمَتْ؟ قَالَ "نَعَمْ إِذَا رَأَتِ الْمَاءَ" اَلْحَدِيثُ مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ. زَادَ مُسْلِمٌ فَقَالَتْ أُمُّ سُلَيْمٍ "وَهَلْ

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

يَكُونُ هٰذَا؟ قَالَ "نَعَمْ فَمِنْ أَيْنَ يَكُونُ الشَّبَهُ؟"

البخاری، کتاب العلم، باب الحیاء فی العلم: ۱۳۰، مسلم، کتاب الحیض، باب وجوب الغسل علی المرأۃ بخروج المنی: ۳۱۱، ۳۱۳، الترمذی: ۱۲۲، النسائی: ۱/۱۱۴، ابن خزیمۃ: ۱/۱۱۸، مسنداحمد: ۶/۳۰۶

۱۱۱: حضرت اُم سلمہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ کی زوجہ محترمہ ام سلیم نے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا: یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! اللہ تعالیٰ حق بیان کرنے سے حیا نہیں کرتا، عورت کو جب احتلام ہو جائے تو کیا اس پر غسل فرض ہو جائے گا؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "جب وہ پانی دیکھے"۔ (بخاری و مسلم) مسلم میں مزید یہ ہے کہ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے دریافت کیا ایسا ممکن ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "اگر یہ ناممکن ہوتا تو پھر مشابہت کہاں سے ہوتی؟"۔

لغوی تحقیق: **لا یستحی**: یہ حیا سے ماخوذ ہے اور باب استفعال ہونے کی وجہ سے آخر میں یائے لین ہے، یعنی اللہ تعالیٰ حق بیان کرنے سے حیا نہیں کرتا۔ **اذارات الماء**: جب وہ پانی (منی) دیکھ لے۔

تشریح: حضرت ام سلیم رضی اللہ عنہا، رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک مسئلہ دریافت کرنا چاہتی تھیں جس کے دریافت کرنے میں بظاہر غیرت آڑے آ رہی تھی، مگر حق کا تقاضہ تھا کہ اس میں غیرت کو آڑے نہ آنے دیا جائے، وہ یہ جانتی تھیں کہ عورت غیور ہے لیکن اللہ تعالیٰ اس سے بڑھ کر غیور ہے، اس کے باوجود وہ حق بیان کرنے سے نہیں شرماتا، اس لیے عورت کو بھی غیور ہونے کے باوجود حق دریافت کرنے سے نہیں شرمانا چاہیے، بنابریں محترمہ نے مسئلہ دریافت کرنے سے پہلے بطور تمہید یہ عرض کیا کہ اللہ تعالیٰ حق بیان کرنے سے نہیں شرماتا ان کا انداز بیان یہ ظاہر کر رہا ہے کہ محترمہ زبردست فقیہہ تھیں، محترمہ نے تمہیدی جملہ پیش کرنے کے بعد عرض کیا: حالت خواب میں عورت سے اس کا شوہر جماع کرتا ہے جس کی وجہ سے وہ جنبی ہو جاتی ہے، کیا ایسی صورت میں اس پر غسل فرض ہوگا؟ رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "(وہ بیدار ہونے کے بعد اثرات منی) پانی دیکھے گی تو اس پر غسل فرض ہوگا۔" حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے جب یہ مکالمہ سنا تو انہوں نے ازراہ تعجب دریافت کیا: یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! کیا عورت بھی جنبی ہو جاتی ہے؟ رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "اگر عورت اس سے محفوظ ہوتی تو پھر اولاد اس کے ہم شکل و ہم فکر کیسے ہوسکتی تھی۔"

فقہی احکام: (۱) مسائل دریافت کرنے اور انہیں حل کرنے میں حیا آڑے نہیں آنا چاہیے۔ (۲) خواتین، علما سے مخصوص مسائل دریافت کرسکتی ہیں۔ (۳) غیرت اور دریافت دو متضاد چیزیں نہیں ہیں۔ (۴) زن و شوہر میں سے جس کا مادہ منویہ غالب ہوگا، بچے کی شکل و صورت اسی کے خاندان کے متشابہ ہوگی۔ (۵) خروج منی کی صورت میں عورت پر بھی غسل فرض ہو جائے گا۔ (۶) خواتین کو بھی احتلام ہوسکتا ہے۔

۱۱۲: وَعَنْ عَائِشَةَ رضی اللہ عنہا قَالَتْ كَانَ النَّبِيُّ صلی اللہ علیہ وسلم يَغْتَسِلُ مِنْ أَرْبَعٍ مِنَ الْجَنَابَةِ، وَيَوْمَ الْجُمُعَةِ، وَمِنَ الْحِجَامَةِ، وَمِنْ غُسْلِ الْمَيِّتِ. رَوَاهُ أَبُو دَاوُدَ، وَصَحَّحَهُ ابْنُ خُزَيْمَةَ.

ابوداود، کتاب الطہارۃ، باب فی الغسل یوم الجمعۃ: ۳۴۸، مسنداحمد: ۶/۱۵۲، ابن خزیمۃ: ۱/۱۲۶، الدارقطنی: ۱/۱۱۳، التنقیح: ۱/۵۱۰، علل الحدیث: ۱۱۳، المطالب العالیۃ: ۱۹۶، البیہقی، کتاب الطہارۃ، باب الغسل من غسل المیت: ۱/۲۹۹

۱۱۲: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم چار چیزوں کی وجہ سے غسل فرمایا کرتے تھے، جنابت کی وجہ سے، جمعہ کے روز، سینگی لگوانے اور میت کو غسل دینے کے بعد۔ اس حدیث کو امام ابوداؤد نے روایت کیا ہے اور ابن خزیمہ نے صحیح کہا ہے۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

تشریح: قرآن پاک اور احادیث متواترہ میں صراحتاً مذکور ہے، کہ غسل جنابت فرض ہے بنابریں تمام فقہا اور محدثین کا اس کی فرضیت پر اجماع ہے، جمعہ کے روز غسل کی فرضیت اور عدم فرضیت کے بارے میں اہل علم کی مختلف آراء ہیں، جمہور کے نزدیک جمعہ کا غسل مسنون ہے ان کی دلیل حضرت سمرہ رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث ہے جس میں صراحتاً مذکور ہے کہ جس نے جمعہ کے روز وضو پر اکتفا کیا، اس نے اچھا کیا اور جس نے غسل کیا اس نے افضل کام کیا۔ امام داؤد ظاہری اور امام ابن خزیمہ کے نزدیک غسل جمعہ فرض ہے، ان کی دلیل حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث ہے جس میں مذکور ہے کہ ہر بالغ شخص پر جمعہ کا غسل فرض ہے۔

(ب) وقت کے بارے میں جمہور کا کہنا ہے کہ نماز جمعہ سے پہلے پہلے غسل کرنا چاہیے، جبکہ امام داؤد کے نزدیک غروب آفتاب سے پہلے کسی بھی وقت کیا جاسکتا ہے۔ سینگی لگوانے کے بعد غسل فرض نہیں بلکہ سنت ہے جیسا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے منقول ہے، وہ فرماتے ہیں کہ سنگی لگوانے کے بعد غسل کرنا مسنون ہے۔ میت کو غسل دینے کے بعد غسل کی فرضیت اور عدم فرضیت کے بارے میں مفصل بیان گزر چکا ہے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی حدیث کو امام ابن خزیمہ، امام حاکم، حافظ عبدالھادی اور علامہ ذہبی نے صحیح قرار دیا ہے، لیکن امام ابوداؤد، امام بخاری، امام احمد، امام علی بن مدینی، امام محمد بن یحیٰی اور امام ابوزرعہ نے ضعیف قرار دیا ہے۔ اس روایت کے ضعیف ہونے کا سبب مصعب بن شیبہ ہے اور یہی اس حدیث کا مرکزی راوی ہے، اسے امام نسائی نے منکر الحدیث، امام دارقطنی نے لیس بالقوی، ابن عدی نے تکلموا فی حفظہ کہا ہے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی یہ حدیث ضعیف ہے، لیکن عبداللہ بن عمر سے مروی صحیح روایت اس کی مؤید ہے، وہ فرماتے ہیں کہ پانچ چیزوں کی وجہ سے غسل فرض ہے، سنگی لگوانے، گرم پانی سے غسل کرنے کے بعد، میت کو غسل دینے کے بعد، جنابت اور جمعہ کے روز۔

فقہی احکام: (۱) غسل جنابت فرض ہے۔ (۲) سنگی لگوانے کے بعد غسل مسنون ہے۔ (۳) جمعہ کے روز غسل مسنون ہے۔ (۴) میت کو غسل دینے کے بعد غسل کرنا مستحب ہے۔

۱۱۳: وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضی اللہ عنہ فِي قِصَّةِ ثُمَامَةَ بْنِ أُثَالٍ, عِنْدَمَا أَسْلَمَ وَأَمَرَهُ النَّبِيُّ ﷺ أَنْ يَغْتَسِلَ .رَوَاهُ عَبْدُ الرَّزَّاقِ وَأَصْلُهُ مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ.

مصنف عبدالرزاق، کتاب اهل الکتابین، باب مایوجب علیه اذا اسلم......: ۱۹۲۲٦، ابن خزیمة: ۱/ ۱۲۵، ابن حبان: ۴/ ۴۱، البخاری: ۴۳۷۲، مسلم: ۱۷٦۴، النسائی: ۱/ ۱۰۹، ابوداود: ۲٦۷۹، بیان الوهم والایهام: ۳۳٦، الترمذی: ۲۰۵، الارواء: ۱/ ۱٦۴، احمد: ۲/ ۲۴٦، ۲۴۷

۱۱۳: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ حضرت ثمامہ بن آثال رضی اللہ عنہ کے سلام لانے کا واقعہ بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے انہیں غسل کرنے کا حکم دیا۔ اسے امام عبدالرزاق نے روایت کیا ہے اور اس کی اصل صحیحین میں ہے۔

لغوی تحقیق: ثمامة: ثاء پر ضمہ اور میم پر فتح۔ اثال: ہمزہ پر ضمہ۔

تشریح: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے یہ روایت متعدد طرق سے تفصیلاً منقول ہے، امام عبدالرزاق، امام ابن خزیمہ اور امام ابن حبان کے روایت کردہ طریق میں ہے کہ آپ ﷺ نے انہیں حکم دیا کہ وہ غسل کرکے آئے اور صحابہ کو حکم دیا کہ وہ اسے غسل دلانے کیلئے ابوطلحہ انصاری کے باغ میں لیجائیں۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

صحیحین میں ہے کہ وہ رہائی پانے کے بعد مسجد نبوی کے قریب ہی واقع کسی نخلستان میں داخل ہوئے اور غسل کر کے دوبارہ حاضر خدمت ہوئے، یعنی صحیحین میں فقط اس کے غسل کرنے کا تذکرہ ہے اور اس بات کا ذکر نہیں کہ یہ غسل اس نے از خود کیا یا رحمت عالم ﷺ نے اسے غسل کرنے کا حکم دیا۔ اس بنا پر مؤلف رحمۃ اللہ علیہ نے صحیحین کی روایت کو مصنف عبد الرزاق کی روایت کی اصل قرار دیا ہے۔ اس روایت کے مختلف الفاظ کے پیش نظر ائمہ میں اختلاف رائے پایا جاتا ہے کہ اسلام قبول کرنے والے کیلئے غسل کرنا فرض ہے یا مسنون ہے؟

امام احمد کے نزدیک ایسے شخص کیلئے غسل کرنا واجب ہے، امام موصوف زیر مطالعہ حدیث کے ساتھ ساتھ قیس بن عاصم سے مروی حدیث سے حجت پکڑتے ہیں، قیس بن عاصم کہتے ہیں، کہ اسلام قبول کرنے کے ارادے سے حاضر ہوا تو آپ ﷺ نے مجھے حکم دیا کہ میں بیری کے پتوں کو پانی میں ڈال کر غسل کروں۔

اس حدیث کو امام ترمذی، امام بغوی اور امام نووی نے حسن قرار دیا ہے، اور علامہ البانی نے صحیح کہا ہے، جبکہ امام ابن قطان نے منقطع قرار دیا ہے۔ امام ابوحنیفہ کے نزدیک ایسا شخص حالت جنابت میں اسلام قبول کرتا ہے تو اس پر غسل فرض ہے ورنہ مستحب، امام شافعی کے نزدیک ہر دو حالتوں میں مستحب ہے۔

فقہی احکام: اسلام قبول کرنے کے بعد غسل کرنا مستحب ہے۔

۱۱۴: وَعَنْ أَبِي سَعِيدٍ رضی اللہ عنہ أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ" غُسْلُ الْجُمُعَةِ وَاجِبٌ عَلَى كُلِّ مُحْتَلِمٍ "أَخْرَجَهُ السَّبْعَةُ

البخاری، کتاب الجمعة، باب فضل الغسل یوم الجمعة: ۸۷۹، مسلم: ۸۴۶، ابوداود: ۳۴۱، النسائی: ۹۳/۳، ابن ماجة: ۱۰۸۹، مسنداحمد: ۶۰/۳، ابن خزیمة: ۱۲۳/۳، ابن حبان: ۱۲۲۸، الدارمی: ۱۵۳۷، مؤطا: ۱۰۱/۱، ابن ابی شیبة: ۹۲/۲، الترمذی: ۵۲۸، الطحاوی: ۱۱۶/۱

تنبیہ: مؤلف رحمۃ اللہ علیہ کا اس حدیث کو سبعۃ کی طرف منسوب کرنا تسامح پر مبنی ہے، کیونکہ حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی روایت ترمذی میں موجود نہیں ہے، البتہ انہوں نے اس روایت کی طرف اشارہ کیا ہے۔

۱۱۴: حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "جمعہ کا غسل ہر بالغ پر واجب ہے۔" اسے ساتوں (بخاری، مسلم، ابوداؤد، ترمذی، نسائی، ابن ماجہ اور احمد) نے روایت کیا ہے۔

لغوی تحقیق: محتلم: حد بلوغت کو پہنچنے والا

تشریح: حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے یہ روایت متعدد طرق سے منقول ہے، ایک طریق میں غسل کے ساتھ ساتھ بشرط مقدور مسواک اور خوشبو کا تذکرہ بھی ہے، اس روایت کے ایک اہم راوی عمرو بن سلیم انصاری اس روایت کی وضاحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ میں بالیقین کہتا ہوں کہ اس حدیث کی روشنی میں جمعہ کے روز کا غسل واجب ہے، البتہ مسواک کے بارے میں کچھ نہیں کہا جا سکتا کہ یہ واجب ہے یا کہ نہیں؟ جمعہ کے روز غسل کے وجوب کے بارے میں حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے بھی متعدد طرق سے منقول ہے وہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "ہر مسلم پر اللہ تعالیٰ کا یہ حق ہے کہ وہ سات دن میں ایک بار غسل کرے اور اگر اس کے پاس خوشبو ہو تو وہ بھی استعمال کرے۔" اس روایت میں اگرچہ جمعہ کے روز کا تعین نہیں، تاہم ایک اور طریق میں جمعہ کے روز کی صراحت ہے۔ اسی طرح حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث میں بھی جمعہ کی صراحت ہے۔

غسل جمعہ کے وجوب کی احادیث، حضرت ابوسعید خدری، حضرت ابوہریرہ، حضرت عمر، حضرت براء بن عازب اور حضرت حفصہ

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

رضی اللہ عنہم سے منقول ہیں۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ تو غسل جمعہ کو اس طرح واجب قرار دیتے ہیں جس طرح غسل جنابت واجب ہے اسی طرح امام داود ظاہری بھی وجوب کے قائل ہیں، جبکہ جمہور کا کہنا ہے کہ جمعہ کے روز غسل مسنون ہے، بعض کا خیال ہے کہ مدنی زندگی کے آغاز میں واجب تھا لیکن بعد میں جب مسلمانوں کے پاس روئی کے کپڑے آ گئے تو انہیں اختیار دیدیا گیا۔

فقہی احکام: جمعہ کے روز غسل کرنا، مسواک کرنا اور خوشبو لگانا مستحب ہے۔

۱۱۵: وَعَنْ سَمُرَةَ رضی اللہ عنہ قَالَ، قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صلی اللہ علیہ وسلم "مَنْ تَوَضَّأَ يَوْمَ الْجُمُعَةِ فَبِهَا وَنِعْمَتْ ,وَمَنْ اِغْتَسَلَ فَالْغُسْلُ أَفْضَلُ "رَوَاهُ الْخَمْسَةُ ,وَحَسَّنَهُ التِّرْمِذِيُّ

ابوداود، کتاب الطهارة، باب فی الرخصة فی ترک الغسل یوم الجمعة: ۳۵۴، النسائی: ۹۴/۳، مسنداحمد: ۱۱/۵، الترمذی: ۴۹۷، الامام: ۵۰/۳، البخاری: ۹۰۲، مسلم: ۸۴۶، الطحاوی: ۱۱۶/۱، ۱۱۹، ابن ماجة: ۱۰۹۱، المطالب العالية: ۶۹۳

تنبیہ: اس روایت کو ابن ماجہ کی طرف منسوب کرنا تسامحات میں سے ہے، کیونکہ انہوں نے حضرت سمرۃ رضی اللہ عنہ سے مروی اس روایت کو نقل نہیں کیا، بلکہ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث کو روایت کیا ہے۔

۱۱۵: حضرت سمرۃ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "جس نے جمعہ کے روز وضو کیا، اس نے اچھا کیا اور بہتر کام کیا اور جس نے غسل کیا، اس نے افضل کام کیا کیونکہ غسل افضل ہے۔" اسے احمد، ابوداود، ترمذی، نسائی اور ابن ماجہ نے روایت کیا ہے، اور ترمذی نے صحیح کہا ہے۔

لغوی تحقیق: نعمت :نون مکسور، عین ساکن، میم مفتوح اور تاء ساکن، یعنی یہ طریقہ مسنوں ہے، جمعہ کے روز اسی پر اکتفا کر لینا بھی ایک اچھی عادت ہے۔

تشریح: نہ صرف اس حدیث سے بلکہ حضرت عمر، حضرت عائشہ، حضرت ابو ہریرہ، حضرت ابن عباس، حضرت انس، حضرت جابر بن عبداللہ اور حضرت علی رضی اللہ عنہم سے مروی روایات سے بھی یہ ثابت ہوتا ہے کہ جمعہ کے روز غسل واجب نہیں۔ جمہور نے انہی روایات کی روشنی میں یہ موقف اختیار کیا ہے کہ جمعہ کا غسل واجب نہیں، اور جن روایات سے وجوب ثابت ہوتا ہے، ان روایات میں وجوب سے مراد تاکید ہے، یعنی جمعہ کے روز اگرچہ غسل واجب تو نہیں لیکن اولیٰ اور افضل بات یہی ہے کہ جمعہ کے روز غسل کیا جائے۔

زیر مطالعہ حدیث حضرت سمرہ رضی اللہ عنہ سے حضرت حسن بصری بیان کرتے ہیں، جبکہ حضرت سمرہ رضی اللہ عنہ سے حضرت حسن بصری کے سماع کے بارے میں محدثین تین قسم کی آراء رکھتے ہیں (۱) انہوں نے حضرت سمرہ رضی اللہ عنہ سے کچھ نہیں سنا۔ اس خیال کے حامل محدثین کے نزدیک یہ روایت ضعیف ہے۔ (۲) انہوں نے حضرت سمرہ رضی اللہ عنہ سے فقط حدیث عقیقہ سنی ہے، ان حضرات کے نزدیک بھی یہ حدیث ضعیف ہے۔ (۳) ان کا حضرت سمرہ رضی اللہ عنہ سے سماع ثابت ہے، ان حضرات کے نزدیک یہ حدیث حسن ہے۔

فقہی احکام: جمعہ کے روز غسل کرنا افضل اور احوط ہے۔

۱۱۶: وَعَنْ عَلِيٍّ رضی اللہ عنہ قَالَ كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صلی اللہ علیہ وسلم يُقْرِئُنَا الْقُرْآنَ مَا لَمْ يَكُنْ جُنُبًا. رَوَاهُ الْخَمْسَةُ ,وَهَذَا لَفْظُ التِّرْمِذِيِّ وَحَسَّنَهُ ,وَصَحَّحَهُ ابْنُ حِبَّانَ.

احمد: ۸۴/۱، ابوداود، کتاب الطهارة، باب فی الجنب یقراء القرآن: ۲۲۹، النسائی: ۱۴۴/۱، ابن ماجة: ۵۹۴، الترمذی: ۱۴۶، ابن خزیمة: ۱۰۴/۱، شرح السنة: ۴۱/۲، تاریخ الکبیر: ۹۹/۵، ابو یعلیٰ: ۱۶۹، العلل: ۱۵۵۶، الدارقطنی: ۱۲۰/۱،

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

الامام: ۳/ ۷۳، علل الحدیث: ۱/ ۴۹، ابن حبان: ۷۹۹

تنبیہ: (۱) بلوغ المرام کے بعض نسخوں میں رواہ احمد و الاربعہ ہے اور بعض میں رواہ الخمسہ ہے اور بعض میں رواہ احمد و الخمسہ ہے، صاحب سبل السلام نے رواہ احمد و الاربعہ کو اولیٰ قرار دیا ہے، لیکن راقم کے نزدیک رواہ الخمسہ کے الفاظ زیادہ درست ہیں (واللہ اعلم) (۲) بلوغ المرام کے تمام نسخوں اور ترمذی میں کان رسول اللہ ﷺ جبکہ شیخ صفی الرحمٰن مبارک پوری کی تحقیق سے جمیعت احیاء التراث الاسلامی نے جو بلوغ المرام کا نسخہ شائع کیا ہے اس میں کان النبی ﷺ ہے، یہ تسامح یا تو شیخ صفی الرحمٰن سے ہوا ہے یا پھر طباعت کی غلطی کی وجہ سے ہوا ہے۔

۱۱۶: حضرت علی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اکرم ﷺ ماسوائے حالت جنابت کے ہر حال میں ہمیں قرآن حکیم کی تعلیم فرمایا کرتے تھے۔ اسے خمسہ (ابوداؤد، ترمذی، نسائی، ابن ماجہ اور احمد) نے روایت کیا ہے، مذکورہ الفاظ ترمذی کے ہیں، انہوں نے اسے حسن اور امام ابن حبان نے صحیح کہا ہے

تشریح: ماہرین فن اس روایت کے ضعیف یا صحیح ہونے کے بارے میں مختلف آراء رکھتے ہیں، امام ترمذی، امام ابن حبان، امام ابن سکن، امام بغوی اور امام ابن خزیمہ اس حدیث کو صحیح قرار دیتے ہیں، امام شافعی، امام احمد، امام نسائی اور امام ابوحاتم ضعیف قرار دیتے ہیں، اس اختلاف کا سبب اس روایت کا مرکزی راوی عبداللہ بن سلمہ ہے اس نام کے دو معاصر راوی ہیں، دونوں کا نام، ولدیت اور کنیت ایک جیسی ہیں، یعنی دونوں ابوالعالیہ عبداللہ بن سلمہ ہیں، ان میں اسے ایک ابوالعالیہ عبداللہ بن سلمہ المرادی الکوفی ہے، اور دوسرا ابوالعالیہ عبداللہ بن سلمہ الھمد انی الکوفی ہے، مقدم الذکر کا حافظہ آخری عمر میں خراب ہوگیا تھا، ان کے شاگرد عمرو بن مرہ نے اس سے یہ روایت ان کی عمر کے آخری حصہ میں سنی ہے، اس لیے یہ روایت ضعیف ہے، اس روایت کے بیان کرنے میں اگرچہ ابوالعرین نے عبداللہ بن سلمہ کی متابعت کی ہے لیکن یہ متابعت چنداں مفید نہیں کیونکہ یہ متکلم فیہ ہے، شاید اسی بنا پر امام بخاری فرماتے ہیں کہ اس حدیث کے روایت کرنے میں اس کا کوئی متابع نہیں۔

اس روایت کو اگرچہ امام شعبہ نے اپنے راس المال کی ایک تہائی قرار دیا ہے، لیکن وہ بھی اس حدیث پر صحت کا حکم لگانے سے گریزاں ہیں وہ فرماتے ہیں کہ اس سلسلے میں اس سے زیادہ عمدہ کوئی روایت موجود نہیں۔ ان کے اس قول کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ یہ حدیث اجود (عمدہ) ہے بلکہ یہ ہے کہ اس سلسلے میں جتنی بھی احادیث مروی ہیں ان سب سے بہتر ہے، کیونکہ اس سلسلے میں حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ سے جو حدیث مروی ہے وہ اسماعیل بن عیاش کے ضعف اور عکرمہ اور عبداللہ بن رواحہ کے درمیان عدم لقاء کی وجہ سے ضعیف ہے، اسی طرح حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی حدیث بھی اسماعیل بن عیاش کی وجہ سے ضعیف ہے۔

امام بخاری نے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کیا ہے کہ وہ حالت جنابت میں قرأت کرنے میں کوئی قباحت نہیں سمجھتے تھے، جبکہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی حدیث میں بھی صراحت ہے کہ آپ ﷺ ہر حالت میں اللہ تعالیٰ کا ذکر فرمایا کرتے تھے۔

فقہی احکام: یہ حدیث چونکہ ضعیف ہے اس لیے اس سے کوئی حکم مستنبط کرنا درست نہیں۔

۱۱۷: وَعَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ رضی اللہ عنہ قَالَ، قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ "إِذَا أَتَى أَحَدُكُمْ أَهْلَهُ, ثُمَّ أَرَادَ أَنْ يَعُودَ فَلْيَتَوَضَّأْ بَيْنَهُمَا وُضُوءً "رَوَاهُ مُسْلِمٌ" زَادَ الْحَاكِمُ " فَإِنَّهُ أَنْشَطُ لِلْعَوْدِ "

مسلم، کتاب الحیض، باب جواز نوم الجنب و استحباب الوضوء له: ۳۰۸، النسائی: ۱/ ۱۴۲، ابوداود: ۲۲۰، احمد: ۳/ ۲۸، ابن خزیمۃ: ۱/ ۱۰۹، ابن حبان: ۴/ ۱۱، الحاکم: ۱/ ۱۵۲

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

۱۱۷: حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "جب تم میں سے کوئی ایک اپنی بیوی کے پاس ایک بار جانے کے بعد دوبارہ جانا چاہے تو وہ وضو بنالے۔" اسے مسلم نے روایت کیا ہے، حاکم میں مزید الفاظ بھی ہیں کہ یہ عمل دوبارہ مباشرت کے لیے باعث نشاط ہے۔

لغوی تحقیق: انشط: یہ اسم تفضیل کا صیغہ ہے یعنی بہت زیادہ نشاط کا ذریعہ ہے۔ **العود:** عین مفتوح واؤ ساکن یعنی لوٹنا۔

تشریح: اس حدیث سے یہ واضح ہوتا ہے کہ دوسری دفعہ مباشرت کرنے سے پہلے وضو بنانا لازم تو نہیں البتہ ایسا کرنا مستحب اور قوت باہ میں اضافہ کا سبب بنتا ہے ایک حدیث میں یہ صراحتاً مذکور ہے کہ اپنی بیوی کے پاس دوسری مرتبہ جانے سے پہلے محض شرم گاہ دھو لینا کافی ہے مگر یہ حدیث لیث بن ابی سلیم کی وجہ سے ضعیف ہے۔

صاحب سبل السلام نے نقل کیا ہے کہ آپ ﷺ اپنی بیویوں کے پاس جاتے تو درمیان میں وضو نہیں فرماتے تھے، اور یہ بھی آپ ﷺ سے ثابت ہے کہ آپ ﷺ دوسری بیوی کے پاس جانے سے پہلے غسل فرماتے تھے۔

فقہی احکام: (۱) اپنی بیوی کے پاس دوسری دفعہ جانے سے پہلے وضو یا غسل ضروری نہیں البتہ شرم گاہ دھونا لازم ہے۔

(۲) وضو اور غسل کرنے سے قوت باہ میں اضافہ اور فرحت و تازگی پیدا ہوتی ہے۔

۱۱۸: وَلِلْأَرْبَعَةِ عَنْ عَائِشَةَ رضی اللہ عنہا قَالَتْ كَانَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ يَنَامُ وَهُوَ جُنُبٌ, مِنْ غَيْرِ أَنْ يَمَسَّ مَاءً وَهُوَ مَعْلُولٌ

ابو داود، كتاب الطهارة، باب في الجنب يؤخر الغسل: ۲۲۸، الترمذي: ۱۱۸، ابن ماجة: ۵۸۱ ـ ۵۸۳، احمد: ۳/۱۴۶، السنن الكبرى للنسائي: ۵/۳۳۲، السنن الكبرى للبيهقي: ۱/۲۰۱، الامام: ۳/۹۰

۱۱۸: سنن اربعہ میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے منقول ہے کہ رسول اللہ ﷺ پانی کو ہاتھ لگائے بغیر ہی حالت جنابت میں سو جاتے تھے۔ یہ روایت معلول ہے۔

تشریح: جماع کے فوراً بعد وضو کرنا یا غسل کرنا واجب ہے یا نہیں؟ اس مسئلہ میں اہل علم میں اختلاف پایا جاتا ہے، بعض کا کہنا ہے کہ واجب ہے جبکہ جمہور علما عدم وجوب کے قائل ہیں۔ زیر مطالعہ حدیث جمہور کے موقف کو تقویت دیتی ہے، لیکن حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے اسے معلول قرار دیا ہے، اس روایت کے معلول ہونے کی علت محدثین نے یہ بیان کی ہے کہ ابو اسحاق السبیعی کا اسود سے سماع ثابت نہیں، لیکن امام بیہقی نے ابو اسحاق سے جو روایت نقل کی ہے اس میں سماع کی صراحت موجود ہے اس طرح عدم سماع کی علت تو یقیناً رفع ہو گئی۔ اس روایت کے معلول ہونے کی ایک علت یہ بیان کی جاتی ہے کہ ابو اسحاق کا حافظہ آخری عمر میں متغیر ہو گیا تھا، اس روایت کے معلول ہونے کا یہ سبب بھی ناکافی ہے، کیونکہ سفیان ثوری کا ابو اسحاق سے سماع قبل از اختلاط ہے۔ اس روایت کے معلول ہونے کی تیسری علت یہ بیان کی جاتی ہے، کہ ابو اسحاق نے اس روایت کو بیان کرنے میں غلطی کی ہے، کیونکہ اسود کے دیگر تلامذہ مثلاً ابراہیم نخعی اور عبدالرحمٰن بن اسود، ان کے خلاف روایت کرتے ہیں پھر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے یہ روایت ابو سلمہ اور عروۃ بن زبیر بھی ابو اسحاق کی بیان کردہ روایت کے خلاف نقل کرتے ہیں لہٰذا ابو اسحاق کی روایت مجروح ہونے کی وجہ سے معلول ہے۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی روایت ابو اسحاق سے مروی روایت کی مؤید ہے لیکن وہ مسلمہ بن علی کی وجہ سے ضعیف ہے۔

فقہی احکام: یہ روایت ضعیف ہے اس لیے اس سے کوئی مسئلہ مستنبط کرنا درست نہیں۔

۱۱۹: وَعَنْ عَائِشَةَ رضی اللہ عنہا قَالَتْ كَانَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ إِذَا اغْتَسَلَ مِنَ الْجَنَابَةِ يَبْدَأُ فَيَغْسِلُ يَدَيْهِ ثُمَّ يُفْرِغُ بِيَمِينِهِ عَلَى

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

شِمَالِهِ فَيَغْسِلُ فَرْجَهُ ثُمَّ يَتَوَضَّأُ ثُمَّ يَأْخُذُ الْمَاءَ فَيُدْخِلُ أَصَابِعَهُ فِي أُصُولِ الشَّعْرِ ثُمَّ حَفَنَ عَلَى رَأْسِهِ ثَلَاثَ حَفَنَاتٍ ثُمَّ أَفَاضَ عَلَى سَائِرِ جَسَدِهِ ,ثُمَّ غَسَلَ رِجْلَيْهِ. مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ ,وَاللَّفْظُ لِمُسْلِمٍ

البخاری، کتاب الغسل، باب الوضوء قبل الغسل: ۲۴۸، مسلم، کتاب الحیض، باب صفة غسل الجنابة: ۳۱۶،

ابوداود: ۲۴۲، الترمذی: ۱۰۴، النسائی: ۱/۱۰۵، احمد: ۶/۵۲

۱۱۹: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتیں ہیں کہ آپ ﷺ جب غسل جنابت کا ارادہ فرماتے تو اس کا آغاز ہاتھ دھونے سے کرتے پھر اپنے دائیں ہاتھ سے بائیں ہاتھ پر پانی ڈالتے اور بائیں سے طہارت فرماتے، پھر وضو فرماتے، پھر پانی کو اپنی انگلیوں سے بالوں کی جڑ تک پہنچاتے، پھر اپنے سر پر پانی کے تین چلو ڈالتے، پھر اپنے سارے جسم پر پانی بہاتے، آخر میں اپنے پاؤں دھو لیتے۔ (بخاری ومسلم) مذکورہ الفاظ مسلم کے ہیں۔

لغوی تحقیق: یفرغ: علامت مضارع مضموم، یہ افراغ سے مشتق ہے، یعنی پانی ڈالتے تھے۔ اصول: ہمزہ اور صاد مضموم، یہ اصل کی جمع ہے یعنی جڑ۔ حفن: دونوں ہاتھوں میں پانی لینا۔

تشریح: اس حدیث میں غسل جنابت کا طریقہ قدر تفصیل سے بیان ہوا ہے یعنی آپ ﷺ جب غسل کا ارادہ فرماتے تو برتن میں ہاتھ ڈالنے سے قبل اپنی دونوں ہاتھ اچھی طرح دھوتے، حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا سے مروی روایت میں ہے کہ دو یا تین بار دھوتے، پھر دائیں ہاتھ سے برتن سے پانی لیکر بائیں ہاتھ پر ڈالتے اور بائیں ہاتھ سے ان مقامات کو اچھی طرح صاف کرتے جہاں مادہ تولید کے پہنچنے کے امکانات ہوتے ہیں، پھر اس طرح وضو فرماتے جس طرح نماز کیلئے وضو فرماتے تھے، پانی کو انگلیوں کے ذریعے بالوں کی جڑوں تک پہنچاتے۔ بیہقی میں ہے کہ پہلے سر کے دائیں حصہ کے بالوں کی جڑوں تک پانی پہنچاتے پھر بائیں حصہ کے بالوں کی جڑوں تک پانی پہنچاتے اور یہ عمل تین بار دہراتے، پھر اپنے سارے جسم پر پانی بہاتے اور آخر میں پاؤں دھوتے۔ (بیهقی: ۸۴۸)

فقہی احکام: (۱) ہاتھوں کو دھوئے بغیر انہیں پانی کے برتن میں نہ ڈالا جائے۔ (۲) طہارت کے لیے بایاں ہاتھ استعمال کیا جائے۔ (۳) شرم گاہ اور اس کے اردگرد کے مقامات کو اچھی طرح دھویا جائے۔ (۴) ہاتھ مٹی یا صابن سے صاف کئے جائیں۔ (۵) جب آدمی جنبی ہوتا ہے تو جنابت بالوں کی جڑوں تک سرایت کر جاتی ہے، اس لیے پانی کو جڑوں تک پہنچایا جائے۔ (۶) غسل کرنے کی جگہ سے الگ ہوکر پاؤں دھونے چاہیں۔

۱۲۰: وَلَهُمَا فِي حَدِيثِ مَيْمُونَةَ رضی اللہ عنہا ثُمَّ أَفْرَغَ عَلَى فَرْجِهِ فَغَسَلَهُ بِشِمَالِهِ ثُمَّ ضَرَبَ بِهَا الْأَرْضَ وَفِي رِوَايَةٍ فَمَسَحَهَا بِالتُّرَابِ وَفِي آخِرِهِ ثُمَّ أَتَيْتُهُ بِالْمِنْدِيلِ فَرَدَّهُ وَفِيهِ وَجَعَلَ يَنْفُضُ الْمَاءَ بِيَدِهِ

البخاری، کتاب الغسل، باب المضمضة والاستنشاق فی الجنابة: ۲۵۹، مسلم، کتاب الحیض، باب صفة غسل الجنابة: ۳۱۷،

ابوداود: ۲۴۵، الترمذی: ۱۰۳، ابن خزیمة: ۱/۱۲۰، السلسلة الضعیفة: ۹۰۳

۱۲۰: بخاری ومسلم میں حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا سے منقول ہے کہ آپ ﷺ نے عضو مخصوص پر پانی ڈالا اور اسے بائیں ہاتھ سے دھویا، پھر اپنے ہاتھوں کو زمین پر مارا۔ ایک دوسری روایت میں اس طرح ہے کہ اپنے دونوں ہاتھوں کو مٹی سے ملا۔ اس روایت کے آخر میں ہے، پھر میں آپ ﷺ کے پاس رومال لیکر آئی مگر آپ ﷺ نے اسے استعمال کئے بغیر واپس کر دیا اور پانی کو اپنے ہاتھ سے جھاڑنا شروع کر دیا۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

تشریح: مؤلف رحمۃ اللہ علیہ نے غسل جنابت کے طریقہ کار سے متعلق مختلف طرق سے مروی احادیث کو جمع کر کے غسل جنابت کا مفصل طریق بیان کرنے کی کوشش فرمائی ہے۔ نیز یہ واضح کیا ہے کہ جسم کو کپڑے سے صاف کرنا ضروری نہیں، اسے ہاتھوں سے بھی صاف کیا جا سکتا ہے، اور جس حدیث میں ہاتھوں سے صاف کرنے کی ممانعت مذکور ہے وہ حدیث ضعیف ہونے کی وجہ سے قابل استدلال نہیں۔

۱۲۱: وَعَنْ أُمِّ سَلَمَةَ رضی اللہ عنہا قَالَتْ قُلْتُ يَا رَسُولَ اللَّهِ إِنِّي امْرَأَةٌ أَشُدُّ شَعْرَ رَأْسِي, أَفَأَنْقُضُهُ لِغُسْلِ الْجَنَابَةِ؟ وَفِي رِوَايَةٍ وَالْحَيْضَةِ؟ فَقَالَ "لَا, إِنَّمَا يَكْفِيكِ أَنْ تَحْثِي عَلَى رَأْسِكِ ثَلَاثَ حَثَيَاتٍ" رَوَاهُ مُسْلِمٌ

مسلم، کتاب الحیض، باب حکم ضفائر المغتسلة: ۳۳۰، ابوداود، ۲۵۱، الترمذی: ۱۰۵، النسائی: ۱/ ۱۳۱، ابن ماجة: ۶۰۳، ابن خزیمة: ۱/ ۱۲۲، البیهقی: ۱/ ۱۷۸، مسنداحمد: ۶/ ۳۱۵

تنبیہ: مسلم، ابن خزیمہ، مسند احمد، ترمذی، نسائی اور بیہقی وغیرہ میں "اشد ضفر راسی" ہے جبکہ مؤلف رحمۃ اللہ علیہ نے مسلم کے حوالے سے "اشد شعر راسی" نقل کیا ہے، یہ تسامح یا تو مؤلف رحمۃ اللہ علیہ سے ہوا ہے یا پھر کاتب سے تصحیف ہوئی ہے۔

۱۲۱: حضرت اُم سلمہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ میں نے رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا: یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں اپنے بالوں کو (مینڈھیوں کی صورت میں) خوب مضبوطی سے باندھے رکھتی ہوں، کیا انہیں غسل جنابت کے وقت کھولوں؟ اور ایک روایت میں ہے کہ غسل حیض کے وقت کھولوں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:" کھولنے کی ضرورت نہیں، تیرا اپنے سر پر تین چلو پانی ڈال لینا ہی کافی ہے۔" مسلم

لغوی تحقیق: اشد: یہ واحد متکلم کا صیغہ ہے یعنی میں مضبوطی سے باندھ لیتی ہوں۔ انقض: یہ نقض سے ماخوذ ہے یعنی توڑنا، جب اس کا صلہ الحبل یا الشعر ہوگا تو پھر اس کا معنی کھولنا ہوگا۔ حثیات: یہ حثیة کی جمع ہے، چلو۔

تشریح: اس حدیث سے یہ واضح ہوا کہ جسے غسل حیض یا غسل جنابت لاحق ہو جائے اس کے بال اگر مضبوطی سے بندھے ہوئے ہوں تو انہیں کھولنے کی ضرورت نہیں، البتہ ایسی صورت میں ایک چلو پانی سر میں ڈال کر اسے اچھی طرح ملنا چاہیے تا کہ پانی بالوں کی جڑوں تک پہنچ جائے اور یہ عمل تین بار اسی طرح دہرایا جائے اور اگر کوئی اپنے بال کھول لے تو ایسا کرنا مستحب ہوگا، جیسا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے منقول حدیث سے ثابت ہوتا ہے۔ سر کے بال کم ہوں یا زیادہ موسم خواہ سرما ہو یا گرما، ہر حال میں تین چلو پانی ڈالنا لازم ہے ان میں کمی بیشی کی گنجائش نہیں، جیسا کہ درج ذیل احادیث سے عیاں ہو رہا ہے۔

حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب غسل جنابت فرماتے تھے تو وہ اپنے سر پر تین چلو پانی ڈالتے تھے، یہ حدیث سن کر حسن بن محمد نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے کہا کہ میرے بال تو بہت زیادہ ہیں؟ حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: میرے بھتیجے! رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے بال آپ سے زیادہ گھنے اور زیادہ عمدہ تھے۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں وفد ثقیف حاضر ہوا اور انہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا، یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! ہمارا علاقہ ٹھنڈا ہے، ہمارے لئے غسل جنابت کرنے کیلئے کیا ہدایت ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:"میں اپنے سر پر تین بار پانی بہاتا ہوں۔"

فقہی احکام: (۱) غسل حیض یا جنابت میں خواتین کے لیے سر کے بال کھولنا لازم نہیں، البتہ بالوں کی جڑوں میں پانی پہنچانا لازم ہے
(۲) سر پر تین چلو ہی ڈالے جائیں

۱۲۲: وَعَنْ عَائِشَةَ رضی اللہ عنہا قَالَتْ، قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صلی اللہ علیہ وسلم "إِنِّي لَا أُحِلُّ الْمَسْجِدَ لِحَائِضٍ وَلَا جُنُبٍ" رَوَاهُ أَبُو دَاوُدَ,

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

وَصَحَّحَهُ ابْنُ خُزَيْمَةَ

ابوداود، کتاب الطھارۃ، باب فی الجنب یدخل المسجد: ۲۳۲، ابن خزیمۃ، جماع ابواب فضائل المساجد: ۲/۲۸۴،

شرح السنۃ: ۲/۴۶، مختصر السنن: ۱/۱۵۸، المحلیٰ: ۲/۱۸۶، المعجم الکبیر للطبرانی: ۲۳/۳۷۴، التاریخ الکبیر: ۲/۶۷،

شرح البخاری لابن رجب: ۱/۳۲۱، الترمذی: ۳۷۲۹، الموضوعات لابن جوزی: ۱/۳۶۷

۱۲۲: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "میں حائضہ اور جنبی کو مسجد میں داخلے کی اجازت نہیں دیتا۔" اسے ابوداؤد نے روایت کیا ہے اور ابن خزیمہ نے صحیح کہا ہے۔

لغوی تحقیق: لا احل: میں حلال قرار نہیں دیتا۔

تشریح: حائضہ اور جنبی کا مسجد سے گزرنا درست ہے یا نہیں؟ اس مسئلہ میں اہل علم مختلف آراء رکھتے ہیں۔ جمہور کا کہنا ہے کہ جائز نہیں، یہ حدیث جمہور کے موقف کو تقویت دیتی ہے، مگر یہ روایت ضعیف ہے کیونکہ اس روایت کی ایک راویہ جسرہ بنت دجاجہ مختلف فیہ ہے اور دوسرا راوی افلت بن خلیفہ مجہول ہے۔ امام ابن حزم نے تو اس روایت کو باطل قرار دیا ہے۔

اس روایت کی مؤید ایک روایت حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے بھی مروی ہے مگر وہ روایت اس سے بھی زیادہ مخدوش ہے کیونکہ اس میں بھی جسرہ بنت دجاجہ ہے نیز اس میں ابوالخطاب اور اس کا استاد محدوج دونوں مجہول ہیں، امام ابن رجب فرماتے کہ حدیث عائشہ اور حدیث ام سلمہ دونوں سے ضعیف ہیں۔

اسی طرح کی ایک روایت حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے بھی منقول ہے، وہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "اے علی! اس مسجد میں میرے اور آپ کے علاوہ کسی دوسرے جنبی کا داخلہ ممنوع ہے۔" یہ روایت سابقہ دونوں روایات سے بھی گئی گزری ہے کیونکہ یہ روایت سند کے اعتبار سے من گھڑت روایت کے قریب تر ہے اور متن کے اعتبار سے منکر ہے۔

فقہی احکام: ضعیف ہونے کی وجہ سے اس سے کوئی مسئلہ مستنبط نہیں ہوتا۔

۱۲۳: وَعَنْهَا قَالَتْ كُنْتُ أَغْتَسِلُ أَنَا وَرَسُولُ اللَّهِ ﷺ مِنْ إِنَاءٍ وَاحِدٍ, تَخْتَلِفُ أَيْدِينَا فِيهِ مِنَ الْجَنَابَةِ مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ زَادَ ابْنُ حِبَّانَ وَتَلْتَقِي اَيْدِيْنَا

البخاری، کتاب الغسل، باب ھل یدخل الجنب یدہ فی الاناء: ۲۶۱، مسلم: ۳۲۱، ابوداود: ۲۳۸، النسائی: ۱/۱۲۷، ابن ماجۃ: ۳۷۶، ابن حبان: ۱۱۱۱

تنبیہ: ابن حبان کے مطبوعہ نسخہ میں؛ تلتقی؛ کے بعد؛ ایدینا؛ کا لفظ نہیں ہے۔

۱۲۳: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے منقول ہے کہ میں اور رسول اللہ ﷺ دونوں ایک برتن سے غسل جنابت کر لیا کرتے تھے اور اس برتن میں ہمارے ہاتھ باری باری برتن میں داخل ہوتے تھے۔ (بخاری ومسلم) صحیح ابن حبان میں ہے کہ ہمارے ہاتھ ایک دوسرے کے ہاتھ سے ٹکرا بھی جاتے تھے۔

لغوی تحقیق: تختلف: یہ خلف سے ماخوذ ہے۔ ہمارے ہاتھ ایک دوسرے کے جانشین بنتے تھے یعنی ایک دوسرے کے بعد پانی لیتے تھے۔ تلتقی: یہ لقاء سے مشتق ہے، یعنی ایک کا ہاتھ دوسرے کے ہاتھ کو چھو لیتا، اہل علم کا خیال ہے کہ یہ کلمہ مدرج ہے، یعنی یہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا قول نہیں بلکہ کسی راوی کا قول ہے۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

تشریح: خاوند اور بیوی غسل جنابت ایک برتن سے ایک ساتھ ہی کر سکتے ہیں نیز وہ دوران غسل بات چیت بھی کر سکتے ہیں بشرطیکہ غسل برہنہ حالت میں نہ ہو، جیسا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا ہی سے منقول ہے کہ آپ ﷺ غسل کرتے وقت جلدی جلدی پانی استعمال کرتے تھے، اس بنا پر مجھے آپ ﷺ سے درخواست کرنا پڑتی تھی کہ میرے لیے بھی کچھ پانی رہنے دیں۔

فقہی احکام: (۱) شوہر اور بیوی ایک ہی برتن میں ایک ساتھ غسل جنابت کر سکتے ہیں۔ (۲) ہاتھ دھونے کے بعد انہیں پانی کے برتن میں ڈالا جا سکتا ہے، غسل کرتے وقت بات چیت کی جا سکتی ہے بشرطیکہ غسل کرنے والے برہنہ حالت میں نہ ہوں۔

۱۲۴۔۱۲۵: وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضی اللہ عنہ قَالَ، قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ "إِنَّ تَحْتَ كُلِّ شَعْرَةٍ جَنَابَةً, فَاغْسِلُوا الشَّعْرَ, وَأَنْقُوا الْبَشَرَ" رَوَاهُ أَبُو دَاوُدَ, وَالتِّرْمِذِيُّ وَضَعَّفَاهُ وَلِأَحْمَدَ عَنْ عَائِشَةَ رضی اللہ عنہا نَحْوُهُ وَفِيهِ رَاوٍ مَجْهُولٌ

ابو داود، كتاب الطهارة، باب الغسل من الجنابة: ۲۴۸، الترمذی: ۱۰۶، علل الحديث: ۵۳، الهداية: ۲/ ۱۴، اطراف الغرائب والافراد للدارقطنی: ۵/ ۲۵۱، الحلية: ۲/ ۲۸۷، مسند احمد: ۶/ ۲۵۴، الدارمی: ۱/ ۱۵۷، الاوسط لابن منذر: ۲/ ۱۲۷، تهذيب التهذيب: ۲/ ۱۲۵، ابن ماجة: ۵۹۸

۱۲۴۔۱۲۵: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ وہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "ہر بال کے نیچے جنابت کا اثر ہوتا ہے، اس لئے بالوں کو خوب دھویا کرو اور جسم کو صاف کر لیا کرو۔" اسے امام ابوداؤد اور ترمذی نے روایت کیا ہے اور اسے ضعیف بھی قرار دیا ہے، امام احمد نے اسی کے ہم معنی روایت حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے نقل کی ہے اس میں بھی ایک راوی مجہول ہے۔

لغوی تحقیق: انقوا: یہ انقاء سے مشتق ہے یعنی صاف کرو۔ بشر: باء اور شین دونوں مفتوح ہیں یعنی انسانی جلد۔

تشریح: امام ابوداؤد نے اس حدیث کو نقل کرنے کے بعد اسے ضعیف قرار دیا ہے اور اس کے ضعف کی علت یہ بیان کی ہے کہ حارث بن وجیہ نامی راوی کی مرویات منکر ہیں اور وہ ضعیف ہے، امام ترمذی نے اسے لیس بذالک کہا ہے، امام بخاری فرماتے ہیں کہ اس کی بعض مرویات میں نکارت ہے۔ امام ابوحاتم نے اس حدیث کو منکر اور حارث کو ضعیف قرار دیا ہے۔

غماری نے حارث بن وجیہ کے بھائی کو اس کا متابع قرار دے کر اس روایت کے صحیح ہونے کا عندیا دیا ہے، غماری کا یہ موقف درست نہیں، کیونکہ حارث کا بھائی مبہم ہے، اس لیے اس کی متابعت قطعاً مفید نہیں یہی وجہ ہے کہ امام ترمذی، امام دارقطنی، امام ابونعیم اور امام عقیلی نے اس روایت کو حارث کا تفرد قرار دیا ہے۔ اس روایت کی مؤید دو روایات حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے بھی منقول ہیں، لیکن ان میں سے ایک روایت اس سے بھی زیادہ مخدوش ہے، کیونکہ اس میں ایک راوی مبہم ہے اور دو راوی ضعیف ہیں، جبکہ دوسری روایت حارث بصری کی وجہ سے ضعیف ہے۔ اسی قسم کی ایک روایت حضرت علی رضی اللہ عنہ سے بھی منقول ہے، اس روایت کے صحیح وضعیف ہونے کے بارے میں ماہرین فن مختلف موقف رکھتے ہیں، درست بات یہ ہے کہ وہ روایت بھی ضعیف ہے کیونکہ اس کے دو راوی (حماد بن سلمہ اور عطا بن سائب) مختلط ہیں حماد بن سلمہ کا اپنے شیخ عطاء سے سماع قبل از اختلاط یا بعد از اختلاط ہے اس بارے میں یقین سے کچھ کہنا مشکل ہے، اسی طرح حماد بن سلمہ کے بارے میں بھی یہ صراحت نہیں ملتی کہ ان کے کونسے تلامذہ نے ان سے قبل از اختلاط سنا ہے۔ اسی طرح ایک روایت حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ سے بھی منقول ہے مگر وہ بھی ضعیف ہے۔ یہ روایت اگرچہ ضعیف ہے مگر صحیح حدیث سے بالوں کی جڑوں کا تر کرنا ثابت ہے اس لیے کہا جا سکتا ہے کہ بالوں کی جڑوں کو تر کرنے کی علت جنابت ہی ہے۔

فقہی احکام: (۱) بالوں کی جڑوں کو خوب اچھی طرح تر کرنا چاہیے۔ (۲) پورے جسم کو اچھی طرح دھونا چاہیے۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

۹۔ بَابُ التَّيَمُّمِ تیمّم کا بیان

۱۲۶: عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ رضی اللہ عنہ أَنَّ النَّبِيَّ صلی اللہ علیہ وسلم قَالَ "أُعْطِيتُ خَمْسًا لَمْ يُعْطَهُنَّ أَحَدٌ قَبْلِي نُصِرْتُ بِالرُّعْبِ مَسِيرَةَ شَهْرٍ ,وَ جُعِلَتْ لِيَ الْأَرْضُ مَسْجِدًا وَطَهُورًا ,فَأَيُّمَا رَجُلٍ أَدْرَكَتْهُ الصَّلَاةُ فَلْيُصَلِّ" وَذَكَرَ الْحَدِيثَ

البخاری، کتاب التیمم، باب ......: ۳۳۵، مسلم: ۵۲۱، النسائی: ۱/ ۲۱۰، احمد: ۳/ ۳۰۴، الدارمی: ۱۳۸۹، البیہقی: ۱/ ۲۱۲(۱۰۴۸)

تنبیہ: مؤلف رحمۃ اللہ علیہ نے اس روایت کو ذکر کرنے کے بعد اسے مصادر کی طرف منسوب نہیں کیا، البتہ ان کے ذکر کردہ الفاظ صحیحین کے ہیں۔

۱۲۶: حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: " مجھے پانچ چیزیں ایسی عطا کی گئی ہیں جو مجھ سے پہلے کسی کو عطا نہیں ہوئیں، ایک مہینے کی دوری پر ہی میرے رعب و دبدبے کے ذریعے میری مدد کی گئی ہے، میرے لیے ساری زمین پاک اور سجدہ گاہ بنادی گئی ہے، اس لیے جو شخص جہاں بھی نماز کا وقت پائے وہ اسی مقام پر پڑھ لے۔" پھر راوی نے پوری حدیث ذکر فرمائی۔

لغوی تحقیق: **تیمم**: اس کا لغوی معنی قصد یعنی ارادہ کرنا ہے، جبکہ شرعی اصطلاح میں پانی کی عدم دستیابی کی صورت میں نماز وغیرہ کو مباح بنانے کی غرض سے پاک وصاف مٹی سے چہرے اور ہاتھوں کو مس کرنا تیمّم کہلاتا ہے۔ **خمسا**: یعنی پانچ خصائص۔ **نصرت**: نون اور تاء مضموم، میری مدد کی گئی۔ **الرعب**: راء مضموم، عین ساکن، رعب و دبدبہ۔ **مسیرة شهر**: ایک مہینہ کی دوری۔ **طهوراً**: طاء مفتوح یعنی پاکیزگی حاصل کرنے کا ذریعہ۔

تشریح: زیر مطالعہ حدیث پاک میں پانچ خصائص نبوی کا تذکرہ ہے، مگر مؤلف رحمۃ اللہ علیہ نے فقط دو خصائص ذکر کئے ہیں، ان میں سے ایک اس لئے ذکر کیا ہے کہ وہ حدیث کے آغاز میں تھا، اور دوسرا مؤلف رحمۃ اللہ علیہ کے قائم کردہ باب سے متعلق تھا، گویا مؤلف رحمۃ اللہ علیہ نے اسے ذکر کرکے یہ ثابت کیا ہے کہ مٹی پاک ہے اور یہ حدث اصغر اور اکبر دونوں کو زائل کرنے کی صلاحیت رکھتی ہے۔

فقہی احکام: (۱) مٹی پاک ہے۔ (۲) یہ حدث و نجاست کو زائل کرنے کی صلاحیت رکھتی ہے۔
(۳) تیمّم امۃ مسلمہ پر اللہ کا خصوصی انعام ہے۔

۱۲۷: وَفِي حَدِيثِ حُذَيْفَةَ عِنْدَ مُسْلِمٍ "وَجُعِلَتْ تُرْبَتُهَا لَنَا طَهُورًا ,إِذَا لَمْ نَجِدِ الْمَاءَ"

مسلم، کتاب المساجد و مواضع الصلاۃ: ۵۲۲، مسند احمد: ۵/ ۳۸۳، البیہقی: ۱/ ۲۱۳، ابن خزیمۃ: ۱/ ۱۳۳، ابن حبان: ۱۶۹۷

تنبیہ: صحیح مسلم میں زمین کو سجدہ گاہ اور مٹی کو حصول پاکیزگی کے ذریعے کو الگ الگ امتیازات کے طور پر ذکر کیا گیا ہے، جبکہ ابن خزیمہ میں ان دونوں کو بطور ایک امتیاز کے ذکر کیا گیا ہے، تیسرا امتیاز سورۃ بقرۃ کی آخری آیات کو قرار دیا گیا ہے۔

۱۲۷: صحیح مسلم میں حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: " پانی کی عدم دستیابی کی صورت میں ہمارے لیے زمین کی مٹی حصول پاکیزگی کا ذریعہ بنادی گئی۔"

تشریح: اس حدیث میں پانچ خصائص کی بجائے تین خصائص منقول ہیں، یعنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "ہمیں تین خصائص کی بنا پر اقوام عالم پر برتری حاصل ہے (۱) ہماری صفوں کو ملائکہ کی صفوں کی مثل قرار دیا گیا ہے۔ (۲) ہمارے لیے تمام زمین سجدہ گاہ بنادی گئی ہے۔ (۳) پانی کی عدم دستیابی کی صورت میں زمین کی مٹی کو حصول پاکیزگی کا ذریعہ بنادیا گیا ہے۔ سابقہ حدیث میں تھا کہ "پوری کرہ

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ارض کوحصول پاکیزگی کا ذریعہ بنا دیا گیا ہے۔" لیکن اس حدیث میں فقط مٹی کا ذکر ہے، اہل علم کے ایک گروہ نے اسی حدیث کی بنا پر یہ کہا ہے کہ تیمّم فقط مٹی ہی سے درست ہے، معدنیات وغیرہ سے درست نہیں، جبکہ اہل علم کے ایک بڑے گروہ کا یہ کہنا ہے کہ ان تمام معدنیات سے تیمّم درست ہے جو زمین کا حکم رکھتی ہیں، زیر مطالعہ حدیث کے بارے میں ان کا موقف یہ ہے کہ یہاں مٹی کا تذکرہ تخصیص نہیں کیونکہ عموم میں داخل بعض افراد کی تنصیص انہیں تخصیص کا درجہ نہیں دیتی۔

فقہی احکام: پانی کی شدید قلت یا عدم دستیابی کی صورت میں اجزاءِ مٹی سے تیمّم درست ہے، خواہ وہ پتھر یا کپڑے پر ہی کیوں نہ ہوں۔

۱۲۸: وَعَنْ عَلِيٍّ رضی اللہ عنہ عِنْدَ أَحْمَدَ" وَجُعِلَ التُّرَابُ لِي طَهُورًا "

مسند احمد: ۹۸/۱، ۲۵۰، البیہقی: ۲۱۳/۱، ابو داود، ۴۸۹، الطبرانی: ۵۱/۱۱، ابن حبان: ۶۳۹۹، ۶۴۰۳، ۶۴۶۲

۱۲۸: مسند احمد میں حضرت علی رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "میرے لیے مٹی کو حصول پاکیزگی کا ذریعہ قرار دیا گیا ہے"

تشریح: مؤلف رحمۃ اللہ علیہ نے زیر مطالعہ اور اس سے پہلے والی روایت نقل کر کے اختلاف الفاظ کو واضح کیا ہے، یعنی حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے مروی روایت میں پانی کی عدم دستیابی کی صورت میں حصول پاکیزگی کیلئے فقط اس سیارے کی مٹی معتبر ہے جسے ہم زمین سے تعبیر کرتے ہیں، جبکہ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث میں فقط مٹی کا ذکر ہے، یعنی پانی کی عدم دستیابی کی صورت میں کسی بھی سیارے کی مٹی سے تیمّم درست ہے، خواہ وہ مٹی زرخیز ہو یا سیم تھور والی ہو۔ یہ روایت اگر چہ درایت کے اعتبار سے نہایت مناسب اور معقول ہے لیکن سنداً ضعیف ہے کیونکہ اس روایت کا مرکزی راوی عبداللہ بن محمد بن عقیل ماہرین فن کے نزدیک ضعیف ہے۔

خصائص سے متعلق احادیث حضرت ابو ہریرہ، حضرت عبداللہ بن عباس، حضرت ابو ذر، حضرت انس اور حضرت ابو امامہ رضی اللہ عنہم سے بھی منقول ہیں۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے منقول حدیث میں درج ذیل چھ خصائص کا ذکر ہے (۱) جوامع الکلم (۲) رعب ودبدبہ (۳) مال غنیمت کا روا ہونا (۴) زمین کا پاک اور سجدہ گاہ ہونا (۵) خاتم الانبیاء ہونا (۶) اقوام عالم کی طرف مبعوث ہونا۔ حضرت ابو امامہ رضی اللہ عنہ سے مروی روایت میں چار خصائص کا تذکرہ ہے یعنی اس میں جوامع الکلم اور خاتم الانبیاء ہونے کا ذکر نہیں ہے۔ ان روایات سے یہ واضح ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو متعدد خصائص کبریٰ سے نوازا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان میں سے بعض کا تذکرہ کسی ایک مقام پر اور بعض کا دوسرے مقام پر کر دیا۔

۱۲۹: وَعَنْ عَمَّارِ بْنِ يَاسِرٍ رضی اللہ عنہ قَالَ بَعَثَنِي النَّبِيُّ صلی اللہ علیہ وسلم فِي حَاجَةٍ ,فَأَجْنَبْتُ ,فَلَمْ أَجِدِ الْمَاءَ ,فَتَمَرَّغْتُ فِي الصَّعِيدِ كَمَا تَمَرَّغُ الدَّابَّةُ ,ثُمَّ أَتَيْتُ النَّبِيَّ صلی اللہ علیہ وسلم فَذَكَرْتُ ذَلِكَ لَهُ ,فَقَالَ "إِنَّمَا كَانَ يَكْفِيكَ أَنْ تَقُولَ بِيَدَيْكَ هَكَذَا ثُمَّ ضَرَبَ بِيَدَيْهِ الْأَرْضَ ضَرْبَةً وَاحِدَةً ,ثُمَّ مَسَحَ الشِّمَالَ عَلَى الْيَمِينِ ,وَظَاهِرَ كَفَّيْهِ وَوَجْهَهُ " مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ ,وَاللَّفْظُ لِمُسْلِمٍ ,وَفِي رِوَايَةٍ لِلْبُخَارِيِّ" وَضَرَبَ بِكَفَّيْهِ الْأَرْضَ ,وَنَفَخَ فِيهِمَا ,ثُمَّ مَسَحَ بِهِمَا وَجْهَهُ وَكَفَّيْهِ"

البخاری، کتاب التیمم، باب المتیمم هل ینفخ فیهما: ۳۳۸، مسلم: ۳۶۸، ابو داود: ۳۲۰۔۳۲۲، الترمذی: ۱۴۴، النسائی: ۱۶۵/۱، ابن ماجة: ۵۶۹، احمد: ۲۶۵/۴، الدارقطنی: ۱۸۲/۱، ابن خزیمة: ۲۶۸، البیہقی: ۲۰۹/۱

تنبیہ: بلوغ المرام کے بعض نسخوں میں؛ انمایکفیک؛ ہے اور بعض میں؛ انما کان یکفیک؛ ہے یہی درست ہے کیونکہ مسلم میں ایسا ہی ہے۔

۱۲۹: حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے کسی کام کی غرض سے بھیجا، میں اس دوران جنبی ہو گیا، اور مجھے پانی میسر نہ آیا تو میں نے مٹی میں ایسے لیٹے مارے جیسے جانور مٹی میں لیٹے مارتا ہے، پھر میں رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

اور پورا واقعہ عرض کیا، اس پر رحمت عالم ﷺ نے فرمایا: "تجھے اپنے ہاتھ سے اس طرح کر لینا ہی کافی تھا۔" پھر آپ ﷺ نے اپنے دونوں ہاتھوں کو زمین پر ایک بار مارا، پھر بائیں ہاتھ کو دائیں ہاتھ پر پھیرا، پھر ان دونوں کو ایک دوسرے کی پشت پر اور رُخ انور پر پھیر لیا۔ (بخاری و مسلم) زیر مطالعہ الفاظ مسلم کے ہیں جبکہ صحیح بخاری میں اس طرح ہے کہ آپ ﷺ نے دونوں ہاتھوں کی ہتھیلیوں کو زمین پر مارا، پھر ان پر پھونک ماری، پھر ان دونوں کو رُخ انور اور ایک دوسرے ہاتھ کی ہتھیلی پر پھیر لیا۔

لغوی تحقیق: عمار: عین مفتوح میم مشدد۔ آپ ﷺ کے قدیم الاسلام صحابی ہیں۔ اجنب: میں جنبی ہوگیا۔ تمرغت: تاء اور میم مفتوح راء مشدد، میں نے لیٹے مارے۔

تشریح: اس حدیث مبارکہ میں رحمت عالم ﷺ کے قول و عمل دونوں شامل ہیں یعنی پہلے رحمت عالم ﷺ نے عمار بن یاسر کو تیمم کی نظری تعلیم دی پھر عملاً ویسا کر کے دکھایا، اس قولی اور عملی حدیث سے یہ حقیقت اظہر من الشّمس ہوئی کہ تیمّم کیلئے فقط ایک ہی ضرب کافی ہے، یعنی دونوں ہاتھوں کو ایک ہی بار زمین پر مارنا ہے، اس کے بعد دیکھنا ہے کہ اگر ہتھیلیاں زیادہ غبار آلود ہیں تو پھر ایک بار پھونک مار کر کچھ غبار کو اُڑا دینا ہے، پھر دونوں ہتھیلیوں کو باہم ملنا ہے، پھر ایک ہتھیلی کو دوسرے ہاتھ کی پشت پر پھیرنا ہے، پھر دونوں ہاتھوں کو چہرے پر پھیرنا۔ حدث اصغر اور حدث اکبر دونوں کو تیمّم کی صورت میں زائل کرنے کا ایک ہی طریقہ ہے۔ صحابہ کی ایک بڑی تعداد اسی کی قائل ہے، البتہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ حدث اکبر کو مٹی کے ذریعے زائل کرنے کے قائل نہیں، حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بھی اپنے والد کے ہم خیال ہیں ان کا کہنا ہے کہ اگر ایک ماہ تک بھی پانی میسر نہ آئے تب بھی جنابت کو مٹی کے ذریعہ زائل کرنا درست نہیں بقول ان کے اگر جنبی کو پانی کی عدم دستیابی کی صورت میں تیمّم کرنے کی اجازت دیدی گئی تو پھر شدید سردی کے موسم میں بھی جنبی کو مٹی سے تیمّم کرنے کی اجازت ہوگی۔

فقہی احکام: (۱) حدث اکبر اور حدث اصغر کا تیمّم ایک جیسا ہے۔ (۲) آپ ﷺ کی حیاۃ طیبہ میں بھی اُمتی اجتہاد کر سکتا تھا۔ (۳) نص کی موجودگی میں اجتہاد باطل ہے۔ (۴) نص کے مقابلے میں اجتہاد پر عمل کرنا ممنوع ہے۔ (۵) انسان اپنی آپ بیتی بھی بھول سکتا ہے۔ (۶) انتشار کے خوف سے کسی بھی مسئلہ کی ترویج و اشاعت سے کنارہ کشی اختیار کی جاسکتی ہے البتہ ایک بار اظہار ضروری ہے ورنہ کتمان علم لازم آئے گا۔ (۷) کسی مصلحت کے پیش نظر حاکم وقت زبان بندی کا حکم جاری کرسکتا ہے۔ (۸) تیمّم کے لئے ایک ہی ضرب لگائی جائے۔ (۹) جب تک پانی میسر نہ آئے اس وقت تک تیمّم کیا جاسکتا ہے۔ (۱۰) ہاتھوں پر غبار اگر زیادہ ہو تو پھونک مار کر کم کی جاسکتی ہے۔ (۱۱) حائضہ اور نفاس والی عورت بھی پانی کی عدم دستیابی کی صورت میں تیمّم کرسکتی ہے۔

۱۳۰: وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ رضی اللہ عنہما قَالَ، قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ "اَلتَّيَمُّمُ ضَرْبَتَانِ ضَرْبَةٌ لِلْوَجْهِ, وَضَرْبَةٌ لِلْيَدَيْنِ إِلَى الْمِرْفَقَيْنِ" رَوَاهُ الدَّارَقُطْنِيُّ, وَصَحَّحَ الْأَئِمَّةُ وَقْفَهُ

الدارقطنی: ۱/۱۸۰، ۱۸۱، الحاکم: ۱/۱۸۰، الکامل ابن عدی: ۵/۱۸۸، البیھقی: ۱/۲۰۶، ۲۰۷، کشف الاستار: ۳۱۳، مجمع الزوائد: ۱/۲۶۷

۱۳۰: حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "تیمّم دو ضربوں سے عبارت ہے، ایک ضرب چہرے کیلئے دوسری ضرب کہنیوں سمیت ہاتھوں کے لیے" اسے دارقطنی نے روایت کیا ہے اور آئمہ حدیث نے اس روایت کے موقوف ہونے کو صحیح کہا ہے

تشریح: اس روایت کو امام حاکم، امام ابن عدی نے مرفوع بیان کیا ہے، جبکہ امام دارقطنی نے اسے مرفوع اور موقوف ہر دو طرح سے

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ابن عمر سے بیان کیا ہے، اور موقوف کو درست قرار دیا ہے، ابن عمر سے یہ روایت مرفوعاً اگر چہ متعدد طرق سے مروی ہے لیکن یہ تمام طرق علی بن ظبیان، سلیمان ابن ابی داود اور سلیمان بن ارقم کی وجہ سے ضعیف ہیں۔ جیسا کہ امام دار قطنی، امام بیہقی اور دیگر ماہرین فن کا کہنا ہے۔

اس کی مؤید ایک اور مرفوع روایت منقول ہے مگر وہ بھی ربیع بن بدر کی وجہ سے سخت ضعیف ہے۔ اسی طرح کی ایک روایت حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے بھی مرفوع اور موقوف ہر دو طرح سے منقول ہے، اس روایت کو بھی امام دار قطنی اور حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے موقوف قرار دیا ہے، ایک مرفوع روایت حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے بھی منقول ہے، مگر وہ بھی الحریش بن الخریت کی وجہ سے ضعیف ہے۔

۱۳۱: وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضی اللہ عنہ قَالَ، قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم "اَلصَّعِيدُ وُضُوءُ الْمُسْلِمِ, وَإِنْ لَمْ يَجِدِ الْمَاءَ عَشْرَ سِنِينَ, فَإِذَا وَجَدَ الْمَاءَ فَلْيَتَّقِ اللّٰهَ, وَلْيُمِسَّهُ بَشَرَتَهُ "رَوَاهُ الْبَزَّارُ, وَصَحَّحَهُ اِبْنُ الْقَطَّانِ, و لٰكِنْ صَوَّبَ الدَّارَقُطْنِيُّ إِرْسَالَهُ.

کشف الاستار: ۱/۱۵۷، المعجم الاوسط للطبرانی: ۲/۱۹۸، التلخیص الحبیر: ۱/۱۵۴، الدارقطنی: ۱/۱۸۶، بیان الوھم والایھام: ۵/۲۶۶

تنبیہ: الشیخ صفی الرحمٰن مبارک پوری کی تحقیق سے جو بلوغ المرام کا نسخہ شائع ہوا اس میں وضوء المؤمن مکتوب ہے جبکہ بلوغ المرام کے دیگر مطبوعہ نسخوں، ترمذی، ابوداؤد، کشف الاستار، الاحکام الوسطی اور مجمع الزوائد: ۱/۲۶۶ میں وضوء المسلم مرقوم ہے۔

۱۳۱: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: " مٹی مسلمان کا وضو ہے اگر چہ ایک سال تک پانی میسر نہ آئے لیکن جب پانی دستیاب ہو جائے تو پھر اللہ سے ڈرتے ہوئے پانی کو جسم پر بہانا چاہیے۔" اسے امام البزار نے روایت کیا ہے، اور امام ابن قطان نے صحیح کہا ہے، جبکہ امام دار قطنی نے اس کے مرسل طریق کو صائب قرار دیا ہے۔

لغوی تحقیق: الصعید: اکثر کے نزدیک اس سے مراد مٹی ہے، بعض کے نزدیک سطح زمین مراد ہے خواہ وہ مٹی ہو یا چٹان وغیرہ۔

عشر سنین: دس سال، یہاں اس سے مراد کثرت بھی ہو سکتی ہے۔

تشریح: تیمّم چونکہ وضو کے قائم مقام ہے اس لیے اسے وضو سے تعبیر کیا گیا ہے، اس حدیث سے ثابت ہوا کہ وضو اور تیمّم کے تمام احکام ایک جیسے ہیں، یعنی جس طرح ایک وضو سے ایک سے زائد نمازیں پڑھی جا سکتی ہیں، اسی طرح تیمّم سے بھی ایک سے زائد نمازیں پڑھی جا سکتی ہیں۔ البتہ تیمّم کے نواقض، وضو کے نواقض سے زیادہ ہیں یعنی پانی کی دستیابی بھی ناقض تیمم ہے جبکہ وضو میں ایسا نہیں ہے۔ اس طرح اس حدیث سے یہ بھی ثابت ہوا کہ مٹی کے ساتھ اگر چہ جنابت وقتی طور پر زائل ہو جاتی ہے۔ لیکن پانی دستیاب ہونے کی صورت میں غسل جنابت کرنا ہوگا، امام دار قطنی نے اگر چہ اس روایت کے مرسل ہونے کو صحیح قرار دیا ہے لیکن امام ابن قطان نے اس کے مرفوع طریق کو صحیح قرار دیا ہے۔

فقہی احکام: (۱) تیمّم وضو کے قائم مقام ہے۔ (۲) ایک تیمّم سے متعدد نمازیں پڑھی جا سکتی ہیں۔ (۳) پانی دستیاب ہوتے ہی تیمّم ساقط ہو جائے گا۔ (۴) تیمّم سے حدث اکبر وقتی طور پر زائل ہوتا ہے، اس لیے پانی دستیاب ہونے کی صورت میں غسل کرنا ہوگا۔

۱۳۲: وَلِلتِّرْمِذِيِّ عَنْ أَبِي ذَرٍّ رضی اللہ عنہ نَحْوُهُ, وَصَحَّحَهُ وَ صَحَّحَهُ الْحَاكِم ايضاً.

الترمذی، کتاب الطھارۃ، باب التیمم للجنب اذا لم یجد الماء: ۱۲۴، ابوداود، ۳۳۲، المعجم الاوسط للطبرانی: ۲/۱۹۸، النسائی: ۱/۱۷۱، مسنداحمد: ۵/۱۸۰، ابن حبان: ۴/۱۳۵، الحاکم: ۱/۱۷۶، ۱۷۷

تنبیہ: (۱) ترمذی کے ایک سے زائد نسخے ہیں، امام ترمذی نے اس حدیث کو حسن کہا ہے، ترمذی کا یہی نسخہ حافظ عبدالحق اشبیلی اور حافظ ابن قطان کے پاس تھا اسی بنا پر عبدالحق

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

نے اس حدیث کو حسن قرار دیا ہے(الاحکام الوسطی:۱/۲۲۰)امام ابن قطان نے ان کی تحقیق سے اختلاف کرتے ہوئے لکھا ہے قنع بتحسین الترمذی له (بیان الوهم والایهام :۵/۲۶۶) پاکستان میں متداول نسخہ بھی یہی ہے۔ایک نسخہ میں امام ترمذی نے اس حدیث کو حسن صحیح کہا ہے، حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ کے پاس یہی نسخہ ہوگا اور ڈاکٹر محمود الطحان کے پاس بھی یہی نسخہ ہوگا۔(حاشیہ المعجم الاوسط: ۲/۱۹۸)۔(۲)امام حاکم نے بھی اس روایت کو صحیح کہا ہے مگر بلوغ المرام کے اکثر نسخوں میں امام حاکم کی تصحیح درج نہیں۔البتہ الشیخ صفی الرحمٰن مبارکپوری کی تعلیق سے بلوغ المرام کا جو نسخہ شائع ہوا ہے اس میں امام حاکم کی تصحیح مرقوم ہے۔

۱۳۲: ترمذی میں حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے اسی کی مثل منقول ہے اور امام ترمذی نے اسے صحیح کہا ہے اور امام حاکم نے بھی اسے صحیح کہا ہے۔

تشریح: اس روایت کو امام ترمذی نے مختصر اور امام ابوداؤد نے حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے مفصل نقل کیا ہے، وہ بیان کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس چند بکریاں جمع ہوگئیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:"اے ابوذر! انہیں لے جاؤ۔" میں انہیں لے کر مقام ربذہ چلا گیا اور وہاں جنبی ہوگیا اور اسی حالت میں وہاں پانچ چھ روز تک رہا، پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:"اے ابوذر!" میں خاموش رہا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:" تجھے تیری ماں گم پائے۔" پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سیاہ رنگ کی لونڈی کو آواز دی وہ ایک بڑا برتن پانی کا بھر کر لائی، ایک طرف اس نے پردہ کیا جبکہ دوسری طرف سواری تھی، اس طرح میں نے غسل کرلیا، جب میں نے غسل کرلیا تو مجھے ایسے لگا جیسے میرے سر سے ایک پہاڑ اتار دیا گیا ہے، پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:"مٹی مسلمان کا وضو ہے اگرچہ دس سال تک پانی میسر نہ آئے اور جب تمہیں پانی میسر آجائے تب تم پانی سے اپنا جسم تر کرلو بلاشبہ یہ تمہارے لیے بہتر ہے۔" امام طبرانی نے یہی روایت حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے صحیح سند سے بیان کی ہے۔

۱۳۳: وَعَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ رضی اللہ عنہ قَالَ خَرَجَ رَجُلَانِ فِي سَفَرٍ, فَحَضَرَتِ الصَّلَاةُ وَلَيْسَ مَعَهُمَا مَاءٌ فَتَيَمَّمَا صَعِيدًا طَيِّبًا, فَصَلَّيَا, ثُمَّ وَجَدَا الْمَاءَ فِي الْوَقْتِ. فَأَعَادَ أَحَدُهُمَا الصَّلَاةَ وَالْوُضُوءَ, وَلَمْ يُعِدِ الْآخَرُ, ثُمَّ أَتَيَا رَسُولَ اللَّهِ صلی اللہ علیہ وسلم فَذَكَرَا ذَلِكَ لَهُ, فَقَالَ لِلَّذِي لَمْ يُعِدْ "أَصَبْتَ السُّنَّةَ وَأَجْزَأَتْكَ صَلَاتُكَ" وَقَالَ لِلْآخَرِ: "لَكَ الْأَجْرُ مَرَّتَيْنِ" رَوَاهُ أَبُو دَاوُدَ, وَالنَّسَائِيُّ

ابوداود، كتاب الطهارة، باب المتيمم يجد الماء......:۳۳۸، النسائی: ۱/۲۱۰، ۴۳۳، الدارقطنی: ۱/۱۸۹، الحاكم: ۱/۱۷۸، ۱۷۹، البيهقی: ۱/۲۳۱ (۱۱۲۸)، التلخيص: ۱/۱۵۵

۱۳۳: حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ دو آدمی سفر پر تھے، اسی دوران نماز کا وقت ہوگیا، ان کے پاس پانی نہیں تھا، انہوں نے پاکیزہ مٹی سے تیمّم کیا اور نماز پڑھ لی، اس نماز کا ابھی وقت ہی تھا کہ انہیں پانی میسر آگیا، ان میں سے ایک نے وضو کرکے دوبارہ نماز پڑھ لی، جبکہ دوسرے نے ایسا نہ کیا، پھر دونوں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو سارا واقعہ سنایا، جس شخص نے نماز نہیں لوٹائی تھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے فرمایا:" تو نے سنت کے موافق عمل کیا لہٰذا تیری نماز تیرے لیے کافی ہوگئی" اور دوسرے سے فرمایا:" تیرے لیے دُگنا اجر ہے۔" اسے ابوداؤد اور نسائی نے بیان کیا ہے۔

لغوی تحقیق: السنة: فطری وشرعی طریقہ۔

تشریح: یہ روایت موصولاً اور مرسلاً ہر دو طرح سے منقول ہے، امام طبرانی اس روایت کو نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں کہ اس حدیث کو متصل الاسناد صرف عبداللہ بن نافع نے بیان کیا، امام دارقطنی فرماتے ہیں اس روایت کو لیث بن سعد سے موصولاً نقل کرنے میں عبداللہ بن نافع تنہا ہے، جبکہ ابن مبارک اور دوسرے اہل علم نے اسے مرسل نقل کیا ہے۔امام ابوداؤد نے بھی مرسل طریق کو راجح قرار دیا ہے، لیکن

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

حقیقت یہ ہے کہ اس حدیث کو موصولاً نقل کرنے میں عبداللہ بن نافع کی ابوالولید الطیالسی اور ابن لھیعہ نے متابعت کی ہے، عبداللہ بن نافع کی متابعت اگر فقط ابن لھیعہ کرتے تو یہ متابعت یقیناً کچھ مفید نہ ہوتی مگر چونکہ یہاں عبداللہ بن نافع کا متابع ابوالولید الطیالسی بھی ہے اس لیے ابن لھیعہ کی متابعت بھی مفید ہے۔

اس حدیث سے یہ واضح ہوا کہ تیمّم سے نماز پڑھ لینے کے فوراً بعد بھی اگر پانی میسر آ جائے تو نماز لوٹانے کی ضرورت نہیں، دوسرے شخص کو دوگنا اجر ملنے کا سبب یہ بیان کیا جاتا ہے کہ اسے ایک اجر تو وقت پر نماز پڑھنے کا ملا اور دوسرا اجتہاد کرنے کا۔ اس کا اجتہاد اگرچہ درست نہیں تاہم غلط اجتہاد پر بھی ایک اجر ملتا ہے۔

راقم کے نزدیک یہ توجیہ درست نہیں، کیونکہ جس نے نماز کا اعادہ نہیں کیا، اجتہاد تو اس نے بھی کیا تھا اور اس کا اجتہاد درست بھی تھا لہٰذا اس صورت میں اسے سہ گنا اجر ملنا چاہیے تھا کیونکہ درست اجتہاد پر دگنا اجر ملتا ہے۔ صاحب سبل السلام نے یہ توجیہ بیان کی ہے کہ اسے ایک اجر تیمّم سے نماز پڑھنے کا ملا اور دوسرا اجر پانی سے نماز پڑھنے کا ملا، راقم کے نزدیک یہ توجیہ صائب ہے۔

فقہی احکام: (۱) تیمّم سے نماز پڑھنے کے فوراً بعد بھی اگر پانی میسر آ جائے تو نماز لوٹانے کی ضرورت نہیں۔ (۲) آپ ﷺ کی حیاۃ طیبہ میں بھی اجتہاد کرنا روا تھا۔ (۳) کسی غلط فہمی یا کسی شرعی عذر کی بنا پر نماز کو دوبارہ پڑھ لینے پر دُگنا اجر ملے گا (۴) واقعہ کو بغیر ترتیب کے بھی بیان کیا جا سکتا ہے۔

۱۳۴: وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رضی اللہ عنہما فِي قَوْلِهِ عزوجل ﴿وَإِنْ كُنْتُمْ مَرْضَى أَوْ عَلَى سَفَرٍ﴾ قَالَ "إِذَا كَانَتْ بِالرَّجُلِ الْجِرَاحَةُ فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَالْقُرُوحُ, فَيُجْنِبُ, فَيَخَافُ أَنْ يَمُوتَ إِنِ اغْتَسَلَ، تَيَمَّمَ". رَوَاهُ الدَّارَقُطْنِيُّ مَوْقُوفًا, وَرَفَعَهُ الْبَزَّارُ, وَصَحَّحَهُ ابْنُ خُزَيْمَةَ, وَالْحَاكِمُ.

الدارقطنی: ۱/۱۷۷، البیهقی: ۱/۲۲۴، الحاکم: ۱/۱۶۵، ابن خزیمة: ۱/۱۳۸، التلخیص الحبیر: ۱/۱۵۵، علل الحدیث: ۱/۲۵

تنبیہ: مؤلف رحمۃ اللہ علیہ نے اس روایت کو دارقطنی کی طرف منسوب کیا ہے، دارقطنی میں الجراحة فی سبیل اللہ کے بعد او القروح او الجدری کے الفاظ ہیں

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے ارشاد باری تعالیٰ: ﴿و ان كنتم مرضى او على سفر﴾ کے بارے میں دریافت کیا گیا تو انہوں نے فرمایا: کہ "جب کسی شخص کو اللہ تعالیٰ کی راہ میں زخم یا گھاؤ لگے اور وہ زخمی حالت میں جنبی ہو جائے، اور اسے غسل کرنے کی صورت میں موت کا اندیشہ ہو تو تیمّم کر لے" اسے دارقطنی نے موقوفاً اور البزار نے مرفوع بیان کیا ہے، امام ابن خزیمہ اور امام حاکم نے اسے صحیح قرار دیا ہے

لغوی تحقیق: مرضیٰ: مریض کی جمع۔ سبیل اللہ: یعنی جہاد۔ القروح: یہ قرح کی جمع ہے جدری وغیرہ نیز میدان جنگ میں لگنے والے زخم کو بھی قرح کہا گیا ہے۔

تشریح: اس حدیث سے یہ واضح ہوا کہ جب موت کا خوف حقیقی طور پر ہو تو اس صورت میں تیمّم کیا جا سکتا ہے، یہ خوف خواہ زخموں کے خراب ہونے کے اندیشے کی وجہ سے ہو یا کسی بیماری کے بڑھنے کے اندیشے کی وجہ سے ہو یا انتہائی ٹھنڈک میں کسی لاغر کے مر جانے کی وجہ سے ہو۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کے کلام سے بظاہر یہی معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے تیمّم کو ان زخموں کے ساتھ خاص کیا ہے جو اللہ کی راہ میں لگے ہوں، لیکن حقیقتاً ایسا نہیں ہے، کیونکہ انہوں نے یہ لفظ بطور تخصیص نہیں بلکہ بطور مثال ذکر کیے ہیں، اگر بطور تخصیص نقل کیے ہوں، تب بھی انہیں محض ایسے زخموں کے ساتھ خاص کرنا درست نہیں، کیونکہ انہیں عام رکھنا زیادہ موزوں ہے، یعنی خواہ وہ زخم کسی بھی وجہ سے ہوں

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

اور بیماری کوئی سی بھی ہو۔ البتہ اس سلسلے میں یہ ضروری ہے کہ زخم یا بیماری ایسی ہو جو غسل کی شکل میں بڑھ سکتی ہو یا اس سے موت واقع ہو سکتی ہو، ایسی صورت میں تیمّم کرنا چاہیے۔

اس روایت کو عطاء بن سائب سے جریر اور علی بن عاصم نے مرفوع بیان کیا ہے، جریر کا عطاء بن سائب سے سماع ان کے اختلاط سے بعد کا ہے، اس لیے ان کی بیان کردہ روایت ضعیف ہے۔ امام ابو حاتم نے علی بن عاصم کے مرفوع طریق کو علی بن عاصم کی خطا قرار دیتے ہوئے اس کے موقوف طریق کو صحیح قرار دیا ہے۔ امام ابن خزیمہ نے بھی اس روایت کے موقوف طریق کو صحیح قرار دیا ہے۔

فقہی احکام: غسل کرنے کی وجہ سے اگر بیماری یا زخموں کے بڑھنے یا موت واقع ہونے کا اندیشہ ہو تو غسل جنابت کی جگہ تیمّم کیا جا سکتا ہے

۱۳۵: وَعَنْ عَلِيٍّ رضی اللہ عنہ قَالَ انْكَسَرَتْ إِحْدَى زَنْدَيَّ فَسَأَلْتُ رَسُولَ اللَّهِ صلی اللہ علیہ وسلم فَأَمَرَنِي أَنْ أَمْسَحَ عَلَى الْجَبَائِرِ. رَوَاهُ ابْنُ مَاجَه بِسَنَدٍ وَاهٍ جِدًّا

ابن ماجة، ابواب الطهارة، باب المسح على الجبائر: ۶۵۷، الدارقطنی: ۱/ ۲۲۶، البیهقی: ۱/ ۲۲۸ (۱۱۱۴، ۱۱۱۸)، العلل للمروذی: ۲۷۰، العلل لابن احمد: ۳۹۴۴، العلل لابن ابی حاتم: ۱/ ۴۶، تهذیب التهذیب: ۸/ ۲۴، الضعفاء للعقیلی: ۱۲۷۴، الجرح والتعدیل: ۶/ ۲۳۰، المجروحون: ۲/ ۷۵

تنبیہ: ابن ماجہ میں فسالت النبی صلی اللہ علیہ وسلم ہے۔

۱۳۵: حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میرا گُٹ ٹوٹ گیا، میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس بارے میں دریافت کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے پٹی پر مسح کرنے کا حکم دیا۔ امام ابن ماجہ نے اس روایت کو نہایت کمزور سند سے بیان کیا ہے۔

لغوی تحقیق: زندی: یہ زند کا تثنیہ ہے، یہاں "ی" متکلم کی طرف مضاف ہونے کی وجہ سے نون تثنیہ ساقط ہو گیا ہے اور اجتماع یائین کی وجہ سے یاء مشدد ہے یعنی میرے دو گٹوں میں سے ایک گُٹ ٹوٹ گیا۔ **الجبائر** : جبیرۃ کی جمع ہے، اس اے مراد ہر وہ چیز جو ٹوٹی ہوئی ہڈی پر باندھی جاتی ہے تاکہ جوڑ اپنی جگہ پر قائم رہے، قطع نظر اس کے کہ وہ چیز کپڑے کی صورت میں یا لکڑی اور پلستر کی صورت میں ہو۔ واہٍ: انتہائی ضعیف۔ جداً: جیم مکسور اور دال مشدد اور یہ واہ کی تاکید ہے یعنی حد درجہ کی ضعیف روایت ہے۔

تشریح: اس روایت کا مرکزی راوی عمرو بن خالد الواسطی ہے، اسے امام احمد بن حنبل، امام یحیی بن معین، امام وکیع بن الجراح نے جھوٹا کہا ہے، جبکہ امام بخاری نے منکر الحدیث کہا ہے، امام حاکم فرماتے ہیں کہ عمرو بن خالد، زید بن علی کی طرف خود ساختہ روایات منسوب کر کے بیان کرتا ہے۔ واضح رہے کہ زیر مطالعہ روایت بھی وہ زید بن علی کی طرف ہی منسوب کرتا ہے۔ امام ابو حاتم نے اس روایت کو باطل اور بے اصل قرار دیا ہے۔ مختصر یہ ہے کہ اس کے جھوٹا اور ضعیف ہونے پر محدثین عظام کا اتفاق ہے۔ اس روایت کے بیان کرنے میں عمرو بن خالد واسطی کی اگرچہ عمر بن موسیٰ نے متابعت کی ہے مگر وہ متابعت بھی کچھ مفید نہیں کیونکہ عمر بن موسیٰ بھی خود ساختہ روایات بیان کرنے کی خطرناک بیماری میں مبتلا تھا۔ اسی مضمون کی ایک روایت امام دارقطنی اور امام بیہقی نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے نقل کی ہے یہ روایت بھی ابو الولید خالد بن یزید کی وجہ سے ضعیف ہے، ایک روایت امام عبدالرزاق نے بھی نقل کی ہے اس روایت کو امام یحیٰی بن معین نے باطل قرار دیا ہے۔

۱۳۶: وَعَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ رضی اللہ عنہما فِي الرَّجُلِ الَّذِي شُجَّ، فَاغْتَسَلَ فَمَاتَ "إِنَّمَا كَانَ يَكْفِيهِ أَنْ يَتَيَمَّمَ، وَيَعْصِبَ عَلَى جُرْحِهِ خِرْقَةً، ثُمَّ يَمْسَحَ عَلَيْهَا وَيَغْسِلَ سَائِرَ جَسَدِهِ" رَوَاهُ أَبُو دَاوُدَ بِسَنَدٍ فِيهِ ضَعْفٌ، وَفِيهِ اخْتِلَافٌ عَلَى رُوَاتِهِ

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ابوداود، کتاب الطھارۃ، باب المجروح یتیمم: ۳۳۶، الدارقطنی: ۱/ ۱۸۹ ـ ۱۹۰، البیھقی: ۱/ ۲۲۷، الاحکام الوسطی: ۱/ ۲۲۲، الارواء: ۱/ ۱۴۳، عبدالرزاق: ۱/ ۲۲۳، الامام: ۱/ ۱۱۸، ابن ماجۃ: ۵۷۲

۱۳۶: حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما ایک ایسے شخص کے بارے میں بیان کرتے ہیں جس کا سر زخمی تھا، اس نے اسی حالت میں غسل کر لیا اور فوت ہو گیا، "ایسے شخص کے لیے اتنا ہی کافی تھا کہ وہ زخم پر مضبوطی سے پٹی باندھ کر اس پر مسح کر لیتا، اور باقی جسم پر پانی بہا لیتا۔" اس روایت کو امام ابوداوٗد نے ضعیف سند سے نقل کیا ہے اور اس کے رواۃ بھی باہم مختلف ہیں۔

لغوی تحقیق: شج: شین مضموم اور جیم مشدد مفتوح، ایسا زخم جو سر میں آئے۔ **یعصب:** یہ **تعصیب** سے ماخوذ ہے، یعنی مضبوطی سے باندھ لینا۔

تشریح: حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہمارے ایک ساتھی کے سر پر پتھر لگا جس سے وہ زخمی ہو گیا، اسی دوران وہ جنبی بھی ہو گیا، اس نے اپنے ساتھیوں سے پوچھا، کیا آپ مجھے تیمّم کی اجازت دیتے ہو؟ انہوں نے کہا، ہم تو تیمّم کرنے کی اجازت نہیں دیتے، کیونکہ تم پانی پر قدرت رکھتے ہو، چنانچہ اس نے غسل کیا اور فوت ہو گیا، جب ہم رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس واقعہ کی اطلاع دی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "اللہ کی ان پر مار ہو، انہوں نے اسے قتل کر دیا۔" جب انہیں نہیں معلوم تھا تو انہیں کسی اور سے دریافت کر لینا چاہیے تھا کیونکہ عدم واقفیت کا علاج دریافت کر لینا ہے۔

مؤلف رحمہ اللہ نے اس روایت کے ضعیف ہونے کا یہ عندیہ بھی دیا ہے کیونکہ اس روایت کا مرکزی راوی عطاء کبھی یہ روایت حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے اور کبھی حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے بیان کرتا ہے۔ اسی طرح عطاء کے تلامذہ میں بھی اختلاف پایا جاتا ہے، امام اوزاعی کبھی یہ روایت براہ راست عطاء سے نقل کرتے ہیں اور کبھی ایک مبہم آدمی کے واسطے سے اور کبھی اسماعیل بن مسلم کے واسطے سے نقل کرتے ہیں۔ واضح رہے کہ اسماعیل بن مسلم بھی ضعیف ہے۔

مؤلف رحمہ اللہ نے اس روایت کو ضعیف قرار اس وجہ سے بھی دیا ہے کہ اسے عطاء سے الزبیر بن خریف نے نقل کیا ہے، اسے امام ابوداوٗد، امام دارقطنی اور حافظ عبدالحق اشبیلی نے **لیس بالقوی** یعنی کمزور کہا ہے۔ علامہ ناصر الدین البانی فرماتے ہیں، امام ابن السکن نے اس روایت کو صحیح قرار دیا ہے، یہ ان کے تساہل کی وجہ سے ہے۔

فقہی احکام: پٹیوں پر مسح کرنے کی اگرچہ تمام روایات ضعیف ہیں تاہم یہ روایات ایک دوسری کو تقویت دیتی ہیں اس لیے یہ کہا جا سکتا ہے کہ جب مرض کے بڑھنے یا موت واقع ہونے کا خدشہ ہو تو پٹیوں پر مسح یا تیمّم کیا جا سکتا ہے۔

۱۳۷: **وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رضی اللہ عنہما قَالَ مِنَ السُّنَّةِ أَنْ لَا يُصَلِّيَ الرَّجُلُ بِالتَّيَمُّمِ إِلَّا صَلَاةً وَاحِدَةً, ثُمَّ يَتَيَمَّمُ لِلصَّلَاةِ الْأُخْرَى. رَوَاهُ الدَّارَقُطْنِيُّ بِإِسْنَادٍ ضَعِيفٍ جِدًّا**

الدارقطنی: ۱/ ۱۸۴ ـ ۱۸۵، التلخیص: ۱/ ۱۵۵، عبدالرزاق: ۱/ ۲۱۴ ـ ۲۱۵، السلسلۃ الضعیفۃ: ۱/ ۴۲۳ ـ ۴۲۴

۱۳۷: حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ مسنون طریقہ یہی ہے کہ تیمّم کرنے والا ایک تیمّم سے فقط ایک نماز پڑھے پھر دوسری نماز کے لیے دوبارہ تیمّم کرے۔ اسے امام دارقطنی نے نہایت کمزور سند سے بیان کیا ہے۔

تشریح: مؤلف رحمہ اللہ نے اس روایت کو ضعیف ترین اس لیے قرار دیا ہے کہ اس روایت کا مرکزی راوی الحسن بن عمارہ ہے۔ اسے امام دارقطنی اور امام یحیٰی بن معین نے ضعیف، امام ابوحاتم، امام مسلم اور نسائی نے متروک الحدیث، امام شعبہ نے جھوٹا اور ساجی فرماتے ہیں

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

کہ اس کی مرویات قبول نہ کرنے پر تمام محدثین کا اجماع ہے۔ بنابریں پر علامہ ناصر الدین البانی نے اس روایت کو من گھڑت قرار دیا ہے۔
اسی مفہوم کے آثار حضرت عمرو بن العاص، حضرت علی اور حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہم سے بھی منقول ہے۔ حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ سے مروی اثر منقطع ہونے کی وجہ سے ضعیف ہے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی اثر حجاج بن ارطاۃ اور حارث الاعور کی وجہ سے ضعیف ہے۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی اثر اگرچہ سنداً صحیح ہے مگر وہ مرفوع حدیث کے مخالف ہونے کی وجہ سے غیر مؤثر ہے۔

۱۰۔ بَابُ الْحَيْضِ — حیض کا بیان

۱۳۸: عَنْ عَائِشَةَ رضی اللہ عنہا إِنَّ فَاطِمَةَ بِنْتَ أَبِي حُبَيْشٍ كَانَتْ تُسْتَحَاضُ, فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ "إِنَّ دَمَ الْحَيْضِ دَمٌ أَسْوَدُ يُعْرَفُ, فَإِذَا كَانَ ذَلِكَ فَأَمْسِكِي عَنِ الصَّلَاةِ, فَإِذَا كَانَ الْآخَرُ فَتَوَضَّئِي, وَصَلِّي" رَوَاهُ أَبُو دَاوُدَ, وَالنَّسَائِيُّ, وَصَحَّحَهُ ابْنُ حِبَّانَ, وَالْحَاكِمُ, وَاسْتَنْكَرَهُ أَبُو حَاتِمٍ

ابوداود، کتاب الطهارة، باب من قال اذا اقبلت الحيضة تدع الصلاة: ۲۸۶، النسائی: ۱/ ۱۸۱ – ۱۸۴، الدارقطنی: ۱/ ۲۰۷، ابن حبان: ۴/ ۱۸۰، علل الحدیث: ۱۱۷، بیان الوهم والایهام: ۲/ ۴۵۷

تنبیہ: صاحب سبل السلام نے اس روایت کے منکر ہونے کی علت یہ بیان کی ہے کہ یہ روایت عدی بن ثابت نے عن ابیہ عن جدہ کے طریق سے نقل کی ہے، اس کا دادا مجہول ہے۔ علامہ نورالحسن اور الشیخ صفی الرحمٰن مبارکپوری نے بھی انہیں کی تقلید میں یہ علت نقل کر دی ہے حالانکہ اس روایت کے معلول ہونے کی یہ علت ہرگز نہیں۔

۱۳۸: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ فاطمہ بنت ابی حبیش رضی اللہ عنہا استحاضہ کے مرض میں مبتلا تھیں، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "حیض کا خون سیاہ (ہونے کی وجہ سے) قابل شناخت ہوتا ہے جب ایسا خون آئے تو نماز ترک کر دینا اور جب دوسری قسم کا خون شروع ہو جائے تو وضو کر کے نماز پڑھ لینا۔" اسے ابوداؤد اور نسائی نے بیان کیا ہے، ابن حبان اور حاکم نے صحیح کہا ہے جبکہ ابوحاتم نے اس روایت کو منکر قرار دیا ہے۔

لغوی تحقیق: **الحیض**: یہ حاض یحیض سے مصدر ہے، اور یہ خواتین کا خاصہ ہے، اس وجہ سے خواتین کے بیشتر مسائل اسی سے متعلق ہیں۔ خون حیض کا اجرا خواتین کے بلوغت کی علامت، اس کا رُک جانا حمل یا کسی بیماری کی علامت سمجھا جاتا ہے۔ **تستحاض**: یہ حیض سے مشتق ہے، ایک ہی مقام سے جاری ہونے کی وجہ سے اشتراک مادہ ہے اور بے قاعدہ جاری ہونے کی وجہ سے بیماری ہے۔ **یُعرف**: یا مضموم اور راء کو مفتوح اور مکسور ہر دو طرح سے پڑھنا درست ہے، پہلی صورت میں اس کا مفہوم یہ ہوگا کہ خواتین اسے پہچانتی ہیں اور دوسری صورت میں مفہوم ہوگا کہ یہ معروف ہے۔ **استنکر**: اسے منکر قرار دیا ہے

تشریح: اس حدیث میں حیض اور استحاضہ کے درمیان یہ فرق بیان کیا گیا ہے کہ حیض کے خون کی رنگت سیاہ ہوتی ہے اسی لیے خواتین اسے آسانی سے پہچان لیتی ہیں، نیز یہ ہر ماہ مخصوص ایام میں جاری رہتا ہے، ان ایام میں کمی بیشی نہیں ہوتی، البتہ بعض خواتین کو زیادہ ایام اور بعض کو کم ایام آتا ہے۔ لیکن اکثر خواتین کو چھ ایام تک رہتا ہے، ان ایام میں خواتین کے لیے نماز کی معافی ہے، مگر روزوں کی گنتی ماہ رمضان سے لیکر شعبان تک کسی بھی وقت پورا کرنا ضروری ہے۔ ان ایام میں اپنی بیوی سے وطی کرنا حرام اور قابل سزا جرم ہے استحاضہ کا خون رنگ میں حیض کے خون سے مختلف ہوتا ہے، نیز یہ خلاف عادت جاری ہوتا ہے اس میں ہر ماہ کمی و بیشی ہو سکتی ہے، ان ایام میں خواتین نماز بھی پڑھیں گی اور روزے بھی رکھیں گی اور اس سے اس کا شوہر جماع بھی کر سکے گا۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

اس روایت کوامام ابوحاتم نے محمد بن عمرو بن علقمہ کی وجہ سے منکر کہا ہے۔ کیونکہ ان کا ضبط کمزور تھا، کسی اور نے اس روایت کے بیان کرنے میں اس کی متابعت نہیں کی۔امام ابن قطان کا بھی یہی خیال ہے۔امام ابوداؤد نے اس روایت کے ضعیف ہونے کی وجہ یہ بیان کی ہے کہ محمد بن مثنیٰ کہتے ہیں ابن ابی عدی نے جب انہیں یہ حدیث اپنی کتاب سے بیان کی تو اس وقت حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے واسطے کے بغیر بیان کی لیکن جب بعد میں انہوں نے زبانی بیان کی تو پھر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے واسطے سے بیان کی۔امام ابوداؤد نے یہ تبصرہ کر کے اس روایت کے منقطع ہونے کا عندیہ دیا ہے۔امام ممدوح کا یہ تبصرہ درست نہیں کیونکہ اس روایت کو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے واسطے سے بیان کرنے میں ابن ابی عدی تنہا نہیں بلکہ زہیر بن معاویہ، مالک اور ھشام بن عروہ نے بھی یہ روایت اسی طریق سے بیان کی ہے۔نیز یہ کوئی بعید نہیں کہ یہ روایت حضرت عروہ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے بھی سنی ہو اور براہ راست فاطمہ سے بھی سنی ہو، کیونکہ حضرت عروہ نے ان دونوں کا نہ صرف زمانا پایا ہے بلکہ وہ ان دونوں معزز خواتین کا قریبی عزیز بھی تھا، لہٰذا اس روایت کے صحیح ہونے کے بارے میں امام ابن حبان اور حاکم کی رائے صائب ہے۔

فقہی احکام: اس حدیث سے متعلق فقہی احکام حدیث نمبر ۶۸ کے تحت درج کر دیے گئے ہیں۔

۱۳۹: وَفِي حَدِيثِ أَسْمَاءَ بِنْتِ عُمَيْسٍ عِنْدَ أَبِي دَاوُدَ "لِتَجْلِسْ فِي مِرْكَنٍ, فَإِذَا رَأَتْ صُفْرَةً فَوْقَ الْمَاءِ, فَلْتَغْتَسِلْ لِلظُّهْرِ وَالْعَصْرِ غُسْلاً وَاحِدًا, وَتَغْتَسِلُ لِلْمَغْرِبِ وَالْعِشَاءِ غُسْلاً وَاحِدًا, وَتَغْتَسِلُ لِلْفَجْرِ غُسْلاً, وَتَتَوَضَّأُ فِيمَا بَيْنَ ذَلِكَ "

ابوداود، کتاب الطهارة، باب من قال تجمع بين الصلاتين و تغتسل لهما غسلا: ۲۹۶، الدارقطنی : ۱/ ۲۱۵، البيهقی : ۱/ ۳۵۳، الحاکم: ۱/ ۲۸۱

تنبیہ: بلوغ المرام کے بعض مطبوعہ نسخوں میں ابوداؤد کے حوالے سے " ولتجلس " مرقوم ہے جبکہ ابوداؤد میں " لتجلس " ہے، حاکم میں بھی اسی طرح ہے جبکہ دارقطنی میں " فلتجلس " ہے۔

۱۳۹: ابوداؤد میں مذکور حضرت اسماء بنت عمیس رضی اللہ عنہا کی حدیث میں ہے کہ " وہ ایک ٹپ میں بیٹھ جائے اور جب پانی کی سطح پر زردی دیکھے تب وہ ظہر اور عصر کے لیے ایک غسل کرے، مغرب اور عشا کے لیے ایک غسل اور فجر کے لیے ایک غسل کرے اور ان کے درمیان وضو کرتی رہے۔

لغوی تحقیق: مرکن: میم مکسور اور کاف مفتوح، ایک کھلے منہ والا بڑا برتن۔ صفرۃ: زرد رنگ کا مواد جو خون حیض کے خاتمہ کی علامت ہوتا ہے

تشریح: اس حدیث میں استحاضہ کے مرض میں مبتلا عورت کے لیے ضابطہ بتایا گیا ہے کہ وہ ظہر اور عصر کے لیے ایک غسل کرے۔اس کی دو شکلیں ہو سکتی ہیں یعنی ہر نماز کو اپنے وقت پر پڑھا جائے، ظہر کی نماز غسل کر کے اور عصر کی نماز وضو کر کے پڑھ لی جائے، یا پھر ظہر کو اس کے آخری وقت تک مؤخر کر دیا جائے اور عصر کو اس کے اول وقت پر پڑھ لیا جائے، اس صورت میں بھی ظہر کی نماز سے پہلے غسل اور عصر کی نماز شروع کرنے سے پہلے وضو کرنا ہوگا، اس طرح مغرب اور عشا کا معاملہ ہوگا اور ایک غسل فجر کے لیے کرنا ہوگا، گویا پانچ نمازیں تین غسل اور دو وضو کے ساتھ پڑھنے کی ہدایت دی گئی ہے۔

فقہی احکام: (۱) حیض خواتین کو ان کی عادت کے مطابق آتا ہے، جب مخصوص دن گزرنے کے باوجود خون نہ رُکے تو وہ خون استحاضہ ہو گا۔(۲) زرد رنگ کے مادے کا اجرا خون حیض کے خاتمہ کی علامت ہے۔(۳) ہر نماز کے لیے غسل ضروری نہیں البتہ وضو ضروری ہے۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

(۴) مستحاضہ عورت دو نمازوں کو جمع کر کے بھی پڑھ سکتی ہے۔ (۵) استحاضہ کی حالت میں عورت سے ہم بستری جائز ہے۔

۱۴۰: وَعَنْ حَمْنَةَ بِنْتِ جَحْشٍ رضی اللہ عنہا قَالَتْ كُنْتُ أُسْتَحَاضُ حَيْضَةً كَبِيرَةً شَدِيدَةً, فَأَتَيْتُ النَّبِيَّ صلی اللہ علیہ وسلم أَسْتَفْتِيهِ, فَقَالَ "إِنَّمَا هِيَ رَكْضَةٌ مِنَ الشَّيْطَانِ, فَتَحَيَّضِي سِتَّةَ أَيَّامٍ, أَوْ سَبْعَةً, ثُمَّ اغْتَسِلِي, فَإِذَا اسْتَنْقَأْتِ فَصَلِّي أَرْبَعَةً وَعِشْرِينَ, أَوْ ثَلَاثَةً وَعِشْرِينَ, وَصُومِي وَصَلِّي, فَإِنَّ ذَلِكِ يُجْزِئُكِ, وَكَذَلِكِ فَافْعَلِي كَمَا تَحِيضُ النِّسَاءُ, فَإِنْ قَوِيتِ عَلَى أَنْ تُؤَخِّرِي الظُّهْرَ وَتُعَجِّلِي الْعَصْرَ, ثُمَّ تَغْتَسِلِي حِينَ تَطْهُرِينَ وَتُصَلِّينَ الظُّهْرَ وَالْعَصْرَ جَمِيعًا, ثُمَّ تُؤَخِّرِينَ الْمَغْرِبَ وَتُعَجِّلِينَ الْعِشَاءَ, ثُمَّ تَغْتَسِلِينَ وَتَجْمَعِينَ بَيْنَ الصَّلَاتَيْنِ, فَافْعَلِي. وَتَغْتَسِلِينَ مَعَ الصُّبْحِ وَتُصَلِّينَ قَالَ وَهُوَ أَعْجَبُ الْأَمْرَيْنِ إِلَيَّ" رَوَاهُ الْخَمْسَةُ إِلَّا النَّسَائِيَّ, وَصَحَّحَهُ التِّرْمِذِيُّ, وَحَسَّنَهُ الْبُخَارِيُّ

احمد: ۶/۴۳۹، ابوداود، کتاب الطهارة، باب من قال اذا اقبلت الحيضة تدع الصلاة: ۲۸۷، الترمذی: ۱۲۸، ابن ماجة: ۶۲۷، الدارقطنی: ۱/۲۱۴، الحاکم: ۱/۲۷۹-۲۸۰، المعرفة للبیهقی: ۱/۳۷۳

۱۴۰: حمنہ بنت جحش رضی اللہ عنہا بیان کرتیں ہیں کہ میں استحاضہ کے مرض میں بری طرح مبتلا تھی، میں نے مسئلہ دریافت کرنے کے لیے نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضری دی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "یہ تو شیطان کی چوک ہے، تم چھ یا سات ایام حیض کے گزار کر غسل کر لیا کرو، اور جب تم اچھی طرح پاک صاف ہو جاؤ، تو پھر تئیس یا چوبیس روز نماز پڑھو اور روزے بھی رکھا کرو، یہ تیرے لیے کافی ہے اور تم ہر ماہ اسی طرح کیا کرو، جیسا کہ حائضہ خواتین کرتیں ہیں، اگر تم (زیادہ) غسل کرنے کی طاقت رکھتی ہو تو پھر ظہر کو آخری وقت تک مؤخر کر کے اور عصر کو اول وقت پر پڑھنے کے لیے ایک غسل کر لیا کرو، پھر دونوں کو ایک ساتھ پڑھ لیا کرو، پھر اسی طرح مغرب کو مؤخر اور عشا کو اول وقت پر پڑھنے کی صورت میں ایک غسل کر کے دونوں نمازوں کو ایک ساتھ پڑھ لیا کرو، اور نماز فجر کے لیے الگ غسل کر لیا کرو۔" پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "مذکورہ دونوں طریقہ میں سے مؤخر الذکر طریقہ مجھے زیادہ پسند ہے" اسے احمد، ابوداود، ترمذی اور ابن ماجہ نے بیان کیا ہے

لغوی تحقیق: رکضة: ایڑھی مارنا یعنی شیطان کا تلبیس میں مبتلا کرنا۔ استنقات: یہ نقی سے ماخوذ ہے، جب تم غسل کے ذریعے خوب اچھی طرح پاک صاف ہو جاؤ۔ اعجب الامرین: دو معاملوں سے زیادہ پسندیدہ۔

تشریح: اس حدیث پاک میں استحاضہ کی بیماری میں مبتلا خواتین کے لیے ضابطہ بتایا گیا ہے کہ وہ اپنی عادت کے مطابق چھ یا سات روز کو ایام حیض قرار دے کر غسل کر لیں اور دیگر تئیس یا چوبیس ایام کی نمازیں ایک ہی غسل سے پڑھ لیں اور اگر وہ ہر روز تین مرتبہ غسل کر سکتی ہیں تو پھر وہ ایسا ضرور کریں، کیونکہ یہ عمل پہلے عمل کے مقابلے میں زیادہ پسندیدہ ہے، اگر صحت یا موسم ہر روز تین بار غسل کرنے کی اجازت نہیں دیتا تو پھر دن بھر میں ایک غسل بھی کافی ہے، اگر ایسا بھی ممکن نہیں تو پھر ایک ہفتہ میں ایک غسل کر لے اور اگر ایسا بھی ممکن نہیں تو ایک ماہ میں ایک غسل پر بھی اکتفا کیا جا سکتا ہے۔ اس روایت کا مرکزی راوی عبداللہ بن محمد بن عقیل اگرچہ جمہور کے نزدیک ضعیف ہے لیکن اسی مفہوم کی صحیح روایات بھی موجود ہیں۔ اس لیے یہ روایت حسن درجہ سے کم نہیں۔

فقہی احکام: (۱) ایک ماہ میں ایک غسل کافی ہے۔ (۲) ہر روز تین بار غسل کرنا مستحب ہے۔

(۳) مستحاضہ خواتین جمع بین الصلاتین صوری کی رخصت سے ہمیشہ فائدہ اُٹھا سکتی ہیں۔

۱۴۱: وَعَنْ عَائِشَةَ رضی اللہ عنہا أَنَّ أُمَّ حَبِيبَةَ بِنْتَ جَحْشٍ رضی اللہ عنہا شَكَتْ إِلَى رَسُولِ اللَّهِ صلی اللہ علیہ وسلم الدَّمَ, فَقَالَ "امْكُثِي قَدْرَ مَا كَانَتْ تَحْبِسُكِ حَيْضَتُكِ, ثُمَّ اغْتَسِلِي فَكَانَتْ تَغْتَسِلُ كُلَّ صَلَاةٍ" رَوَاهُ مُسْلِمٌ وَفِي رِوَايَةٍ لِلْبُخَارِيِّ "وَتَوَضَّئِي

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

لِكُلِّ صَلَاةٍ"وَهِيَ لِأَبِي دَاوُدَ وَغَيْرِهِ مِنْ وَجْهٍ آخَرَ

مسلم، كتاب الحيض، باب المستحاضة وغسلها وصلاتها: ٣٣٤، ابوداود: ٢٩٠، الترمذی: ١٢٩، احمد: ٢/ ٨٢ـ ٨٣، النسائی: ١/ ١٨٢، شرح معانی الآثار: ١/ ٧٢ـ ٧٤، الدارمی: ١/ ١٦٤، البخاری: ٢٢٨

١٤١: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتیں ہیں کہ ام حبیبہ بنت جحش رضی اللہ عنہا نے رسول اللہ ﷺ سے خون استحاضہ کا شکوہ کیا، آپ ﷺ نے فرمایا: "اپنی سابقہ عادت کے مطابق اتنے روز ہی نماز اور روزہ ترک کرو، پھر غسل کر لو۔" ام حبیبہؓ ہر نماز کے لیے غسل کرتی تھیں۔ (مسلم) صحیح بخاری میں آپ ﷺ نے فرمایا کہ: "وہ ہر نماز کے لیے وضو کر لیا کرے۔" امام ابوداؤد اور امام احمد وغیرھما نے یہ روایت ایک دوسرے طریق سے بیان کی ہے۔

لغوی تحقیق: امکثی: رُک جایئے۔ تحبسک: تجھے روکتا ہے۔

تشریح: اس حدیث میں خون حیض اور خون استحاضہ کے مابین حد امتیاز خواتین کی سابقہ عادت کو قرار دیا گیا ہے۔ یعنی جو خون عادت کے مطابق آئے وہ خون حیض ہے، ان دنوں میں نماز اور روزے کو ترک کرنا ہے اور جو خون خلاف عادت جاری ہو وہ خون استحاضہ ہے، اس صورت میں عادت کے مطابق دن پورے کرنے کے بعد غسل کرنا فرض ہے، جبکہ خون استحاضہ کے لیے الگ غسل فرض ہے، خواتین اگر چاہیں تو وہ ہر نماز کے لیے بھی غسل کر سکتی ہیں جیسا کہ اُم حبیبہؓ ہر نماز کے لیے غسل کیا کرتی تھیں۔ واضح رہے کہ ان کا ایسا کرنا ان کی اپنی مرضی سے تھا، کیونکہ آپ ﷺ نے انہیں ایسا کرنے کا حکم نہیں دیا تھا جیسا کہ اس روایت کے ایک اہم راوی لیث بن سعد کا قول ہے وہ کہتے ہیں کہ ان کے شیخ امام ابن شہاب زُہری نے یہ ذکر نہیں کیا کہ آپ ﷺ نے انہیں ایسا کرنے کا حکم دیا تھا بلکہ انہوں نے ازخود ہر نماز کے لیے غسل کرنا شروع کر دیا تھا۔ امام شوکانی فرماتے ہیں کسی حدیث سے یہ ثابت نہیں کہ مستحاضہ ہر نماز کے لیے غسل کرے، صحیح بخاری کی ایک روایت میں تو اس بات کی صراحت بھی ہے کہ آپ ﷺ نے فاطمہ بنت ابی حبیش کو ہر نماز کے لیے وضو کرنے کا حکم دیا تھا۔

حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے من وجه آخر کہہ کر اس حدیث کی طرف اشارہ کیا ہے جسے امام احمد، امام ابوداؤد، امام دارمی اور امام طحاوی وغیرھم نے محمد بن اسحاق کے طریق سے نقل کیا ہے، اس روایت میں یہ صراحت ہے کہ آپ ﷺ نے حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کو ہر نماز کے لیے غسل کرنے کا حکم دیا تھا، ان الفاظ کے نقل کرنے میں محمد بن اسحاق کا متابع صرف سلیمان بن کثیر ہے اور وہ ضعیف ہے۔ جبکہ لیث بن سعد کی متابعت ابن ابی ذئب اور اوزاعی وغیرہم نے کی ہے۔ امام طحاوی نے حضرت اُم حبیبہ رضی اللہ عنہا سے مروی حدیث کو منسوخ اور حضرت فاطمہ بنت ابی حبیش رضی اللہ عنہا سے مروی حدیث کو ناسخ قرار دیا ہے واضح رہے کہ اس میں ہر نماز کے لیے فقط وضو کرنے کا حکم ہے۔

فقہی احکام: (١) مستحاضہ اپنی سابقہ عادت کے مطابق حیض کے دن شمار کرے گی۔

(٢) اسے ہر نماز کے لیے وضو کرنا ہوگا اگر وہ ہر نماز کے لیے غسل کرنا چاہے تو اس میں بھی کوئی قباحت نہیں ہے۔

١٤٢: وَعَنْ أُمِّ عَطِيَّةَ رضی اللہ عنہا قَالَتْ كُنَّا لَا نَعُدُّ الْكُدْرَةَ وَالصُّفْرَةَ بَعْدَ الطُّهْرِ شَيْئًا. رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ, وَأَبُو دَاوُدَ وَاللَّفْظُ لَهُ

البخاری، کتاب الحیض، باب الصفرة والکدرة فی غیر ایام الحیض: ٣٢٦، ٢٠٣٧، ابوداود: ٣٥٧، عبدالرزاق: ١/ ٣١٧، مالک: ١/ ٥٩

١٤٢: حضرت عطیہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں، غسل حیض کے بعد ہم گدلے اور زرد رنگ کے مواد کو کوئی اہمیت نہیں دیتی تھیں۔

لغوی تحقیق: الکدرة: کاف مضموم، دال ساکن، گدلے پانی کی طرح کی رطوبت۔ الصفرة: صاد مضموم، فاء ساکن، زرد پیپ نما رطوبت

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

تشریح: اس حدیث سے یہ واضح ہوا کہ ایام حیض گزرنے کے بعد اگر گدلا یا زرد رنگ کا مواد خارج ہو تو اس کے بعد غسل کرنے کی ضرورت نہیں اور نہ اس دوران نماز وغیرہ ترک کی جاسکتی ہے، اس طرح کی ایک روایت حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے وہ فرماتی ہیں: کہ آپ ﷺ کی ازواج مطہرات میں سے ایک ام المؤمنین نے آپ ﷺ کے ساتھ اعتکاف کیا وہ استحاضہ میں مبتلا تھیں بنابریں وہ سرخ اور زرد رنگ کی رطوبت دیکھنے کے باوجود نماز پڑھتی رہتی تھیں۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے اس کے مخالف روایت بھی منقول ہے، جس میں یہ صراحت ہے کہ خواتین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی خدمت میں وہ روئی بھیجا کرتی تھیں جس میں دم حیض کے آخری مراحل کے زرد مواد کے نشانات ہوتے تھے، اور وہ یہ دکھا کر پوچھا کرتی تھیں کہ اب انہیں غسل کر کے نماز شروع کر دینی چاہیے یا نہیں؟ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرمایا کرتی تھیں: جلدی مت کیجئے اور روئی پر زرد رنگ ختم ہونے دیجئے۔ ان دونوں روایات کے درمیان اگرچہ ظاہری تضاد ہے، مگر حقیقت میں کوئی تعارض نہیں، یعنی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی روایت میں اس زرد مواد کا ذکر ہے جو حیض کا آخری حصہ ہے جبکہ حضرت اُم عطیہ رضی اللہ عنہا سے مروی روایت میں اس زرد مواد کا ذکر ہے جو موقوفی حیض کے بعد آتا ہے اس لیے وہ حیض کا حصہ نہیں۔

فقہی احکام: (۱) زرد رنگ کا مواد اگر مخصوص ایام میں آئے تو حیض شمار ہوگا اور اس پر حیض کے احکام کا اطلاق ہوگا۔ (۲) اگر زرد مواد مخصوص ایام کے بعد آئے تو اسے حیض کا حصہ شمار نہیں کیا جائے گا اس کے آنے پر محض طہارت کرنی ہے، غسل کرنا لازم نہیں۔

۱۴۳: وَعَنْ أَنَسٍ رضی اللہ عنہ أَنَّ الْيَهُودَ كَانُوا إِذَا حَاضَتِ الْمَرْأَةُ لَمْ يُؤَاكِلُوهَا, فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ "اِصْنَعُوا كُلَّ شَيْءٍ إِلَّا النِّكَاحَ" رَوَاهُ مُسْلِمٌ

مسلم، کتاب الحیض، باب جواز غسل الحائض راس زوجها و ترجیله: ۳۰۲، ابوداود: ۲۵۸، الترمذی: ۲۹۷۲، ابن ماجة: ۶۴۴، النسائی: ۱/۱۸۷، مسنداحمد: ۳/۱۳۲، ابن حبان: ۱۳۶۲

۱۴۳: حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ یہود کے ہاں جب کوئی عورت حائضہ ہو جاتی تو وہ اس کے ساتھ کھانا پینا ترک کر دیتے تھے جبکہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ: "تم جماع کے سوا باقی سب کچھ اس کے ساتھ کر سکتے ہو۔" (مسلم)

لغوی تحقیق: **لم یؤاکلوا:** اکل سے مشتق ہے، اور باب مفاعلہ ہے یعنی مرد حضرات، حائضہ خواتین کے ساتھ مل بیٹھ کر نہیں کھاتے تھے۔ **اصنعوا:** یہ صنع سے مشتق ہے، اور فعل امر ہے یعنی تم کرو۔ **النکاح:** یہاں نکاح سے مراد جماع ہے۔

تشریح: اسلام سے قبل یہودی، خواتین کے ساتھ انتہائی ناروا سلوک کرتے تھے، ان کے ظالمانہ رویے کی ایک مثال زیر مطالعہ روایت میں بیان کی گئی ہے، رحمت عالم ﷺ نے مسلمانوں کو حائضہ عورت کے ساتھ ہمبستری کے علاوہ باقی تمام امور کی اجازت فرمادی (یعنی حائضہ کے ساتھ مجلس بھی کی جاسکتی ہے اور ایک ساتھ بیٹھ کر کھایا بھی جاسکتا ہے) جب یہودیوں کو رحمت عالم ﷺ کی اس تعلیم کی خبر ہوئی تو وہ نامراد یہ کہنے لگے کہ یہ شخص ہماری مخالفت پر کمربستہ ہے۔ حضرت اسید بن حضیر اور عباد بن بشر رضی اللہ عنہما کو جب یہودیوں کے اس عناد کی خبر ہوئی تو وہ کہنے لگے، یارسول اللہ ﷺ! یہودی ایسی ایسی باتیں کرتے ہیں، کیا ہم اپنی بیویوں سے حالت حیض میں ہمبستری نہ کرلیں؟ رحمت عالم ﷺ کو ان کی یہ بات انتہائی ناگوار گزری۔ اس واقع سے یہ واضح ہوا کہ اسلام دین فطرت ہے اور وہ کسی بھی مذہب و مکتب کی مخالفت برائے مخالفت نہیں کرتا۔

فقہی احکام: (۱) حائضہ کے ساتھ مجلس کی جاسکتی ہے۔ (۲) کھانا کھایا جاسکتا ہے۔ (۳) اس کی گود میں سر رکھا جاسکتا ہے۔ (۴) اس کا

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

بوسہ لیا جا سکتا ہے۔(۵)اس کے ساتھ لیٹا جا سکتا ہے البتہ جماع نہیں کیا جا سکتا۔(۶) حائضہ اپنے شوہر کے سر میں کنگھی کر سکتی ہے۔

۱۴۴: وَعَنْ عَائِشَةَ رضی اللہ عنہا قَالَتْ كَانَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ يَأْمُرُنِي فَأَتَّزِرُ ,فَيُبَاشِرُنِي وَأَنَا حَائِضٌ . مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ

البخاري، كتاب الحيض، باب مباشرة الحائض: ۳۰۲، مسلم، كتاب الحيض، باب مباشرة الحائض فوق الازار: ۲۹۳،ابو داود: ۲۶۸، الترمذي: ۱۳۲، الدارمي: ۱/۱۹۴، النسائي: ۱/۱۸۹

تنبیہ: اس روایت کو حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے صحیحین کی طرف منسوب کیا ہے، صحیح بخاری میں تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی تعین کے ساتھ روایت موجود ہے لیکن صحیح مسلم میں کسی ایک بیوی کا ذکر ہے۔

۱۴۴: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتیں ہیں کہ رسول اللہ ﷺ مجھے مضبوطی کے ساتھ تہہ بند باندھنے کا حکم فرماتے، پھر آپ ﷺ میرے ساتھ لیٹ جاتے درآنحالیکہ میں حائضہ ہوتی تھی۔

لغوی تحقیق: فأتزر: یہ ازار سے ماخوذ ہے یعنی میں تہبند باندھ لیتی۔ یباشر: یہ بشر سے مشتق اور باب مفاعلہ ہے یعنی ایک دوسرے کے ساتھ لپٹ جانا۔

تشریح: قرآن حکیم میں حائضہ عورت سے جس مباشرت سے منع کیا گیا ہے، اس مباشرت سے مراد جماع ہے، جبکہ اس حدیث میں جس مباشرت کا تذکرہ ہے اس سے مراد صرف لپٹنا ہے، مباشرت کے لغوی معنی جسم کے ساتھ جسم لگانا ہے اور جماع میں بھی چونکہ جسم کے ساتھ جسم لگایا جاتا ہے اس لیے قرآن حکیم نے زن و شوہر کے مخصوص تعلقات کو بھی مباشرت سے تعبیر کیا ہے۔ زیر مطالعہ حدیث پاک میں چونکہ جماع کی نفی کے ساتھ مباشرت کو استعمال کیا گیا ہے جس کا صاف مطلب یہ ہے کہ یہاں اس سے مراد فقط لپٹنا ہے چنانچہ اس سے یہ ثابت ہوا کہ قرآن و حدیث کی تعلیمات میں کوئی تعارض نہیں۔ لیکن غیر کی جگالی کرنے والے بعض نام نہاد دانشور اپنی خباثت باطنی کو شیطانی خوراک فراہم کرنے کے لیے حدیث کو قرآن کی معارض قرار دینے کے درپے ہیں، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے علاوہ یہ حدیث حضرت میمونہ، حضرت اُم حبیبہ، حضرت معاذ بن جبل اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہم سے بھی منقول ہے، صحیح روایت صرف حضرت عائشہ اور حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا کی ہیں۔

۱۴۵: وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رضی اللہ عنہما عَنِ النَّبِيِّ ﷺ فِي الَّذِي يَأْتِي امْرَأَتَهُ وَهِيَ حَائِضٌ قَالَ" يَتَصَدَّقُ بِدِينَارٍ ,أَوْ نِصْفِ دِينَارٍ " رَوَاهُ الْخَمْسَةُ ,وَصَحَّحَهُ الْحَاكِمُ وَابْنُ الْقَطَّانِ ,وَرَجَّحَ غَيْرُهُمَا وَقْفَهُ.

ابو داود، كتاب الطهارة، باب ايتان الحائض: ۲۶۴، ۲۱۶۸، الترمذي: ۱۳۶، ابن ماجة: ۶۴۰،احمد: ۱/۲۲۹،الدارمي: ۱۱۱۰، ۱۱۱۴، النسائي: ۱/۱۵۳، بيان الوهم والايهام: ۲۴۶۸

تنبیہ: بلوغ المرام کے بعض نسخوں میں "عن ابن عباس عن رسول الله ﷺ" مرقوم ہے جبکہ محولہ بالا تمام کتب احادیث میں "عن ابن عباس عن النبی ﷺ" مرقوم ہے، البتہ مسند احمد: ۲۱۲۱ میں رسول اللہ ﷺ ہے اور امام ابن دقیق العید نے الالمام: ۶۲ میں عن ابن عباس ان النبی ﷺ ذکر کیا ہے۔ ایسا روایت کو بالمعنی بیان کرنے کی وجہ سے ہوا ہے۔

۱۴۵: حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما روایت کرتے ہیں کہ نبی مکرم ﷺ نے ایسے شخص کے بارے میں فرمایا: "جو اپنی بیوی سے حالت حیض میں وطی کرتا ہے، وہ ایک دینار یا نصف دینار صدقہ کرے۔" اسے پانچوں نے بیان کیا ہے۔ حاکم اور ابن قطان نے صحیح کہا ہے اور ان دونوں کے علاوہ دیگر ائمہ نے اس روایت کے موقوف ہونے کو راجح قرار دیا ہے۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

لغوی تحقیق: یأتی: آتا، یعنی وطی کرتا ہے۔ **دینار:** قرون اولیٰ میں سونے کا ایک سکہ تھا جسے دینار سے تعبیر کیا جاتا تھا، عصر حاضر میں بعض اسلامی ریاستوں کی کرنسی کا نام ہے۔

تشریح: زیر مطالعہ حدیث حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے متعدد طرق سے مروی ہے، ان میں سے بعض طرق مرفوع، بعض موقوف اور کچھ مرسل بھی ہیں، سند کی طرح متن میں بھی اختلاف پایا جاتا ہے، کسی نے بطور کفارہ تسمہ دینے کا ذکر کیا ہے، کسی نے دینار، کسی نے نصف دینار اور کسی نے 1/۵ دینار کہا ہے، حافظ ابن حجر رحمہ اللہ اور امام ابن سکن نے اسی بنا پر یہ کہا ہے کہ اس روایت کی سند اور متن میں بہت اضطراب پایا جاتا ہے، امام ابن قطان نے اس روایت پر بڑی نفیس بحث کر کے سند اور متن کے اضطراب کو حل کرنے کی کوشش کی ہے مگر راقم کے نزدیک وہ اس میں پوری طرح کامیاب نہیں ہو سکے، اس لیے اس روایت کے بارے میں مستحسن اور صائب رائے یہی ہے کہ حائضہ کے ساتھ وطی کرنے پر کفارہ کی ادائیگی فرض یا واجب نہیں بلکہ مندوب و مستحب ہے۔

فقہی احکام: حائضہ کے ساتھ وطی کرنے کی صورت میں صدقہ کرنا مستحب ہے۔

۱۴۶: وَعَنْ أَبِی سَعِیدٍ رضی اللہ عنہ قَالَ، قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم "أَلَيْسَ إِذَا حَاضَتْ لَمْ تُصَلِّ وَلَمْ تَصُمْ؟" مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ فِی حَدِيثٍ طَوِيلٍ

البخاری، کتاب الحیض، باب ترک الحائض صوماً: ۳۰۴، مسلم، کتاب الایمان، باب نقص الایمان……: ۱۳۲/ ۸۰، النسائی: ۱۸۷/۳، ابن ماجة: ۱۲۸۸، ابن حبان: ۵۷۴۴

تنبیہ: علامہ شعیب سے تعلیق صحیح ابن حبان میں مسلم کی حدیث کا نمبر تحریر کرنے میں تسامح ہوا اور یہی تسامح احمد ابراہیم زھوۃ سے تخریج بلوغ المرام (مطبوعہ مکتبہ اسلامیہ) میں ہوا ہے۔

۱۴۶: حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کیا جب عورت حائضہ ہوتی ہے تو وہ نماز اور روزہ ترک نہیں کرتی؟۔ (بخاری و مسلم) یہ طویل حدیث کا ایک حصہ ہے۔

لغوی تحقیق: ألیس: یہاں استفہام انکاری ہے، انکار جب نفی پر داخل ہوتا ہے تو اثبات کا معنی پیدا ہو جاتا ہے۔

تشریح: رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم عید کا خطبہ ارشاد فرما رہے تھے، اس دوران آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "میں نے تم میں سے اکثریت کو آگ میں دیکھا ہے۔" خواتین نے عرض کیا وہ کیوں یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے چار اسباب بیان فرمائے۔ جن میں ایک نقصان دین بھی ہے، نقصان دین کی وضاحت آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس طرح فرمائی: "کیا وہ حالت حیض میں نماز اور روزہ ترک نہیں کرتیں؟۔" اس حدیث سے یہ بھی ثابت ہو کہ جہنم میں مردوں کے مقابلے میں خواتین کی اکثریت ہوگی، شاید اسی لیے جنت میں مردوں کے لیے حوروں کا انتظام و انصرام کیا گیا ہے۔

مؤلف رحمہ اللہ نے طویل حدیث کے اس ٹکڑے کو نقل کر کے یہ مسئلہ اخذ کیا ہے کہ حالت حیض میں خواتین نہ نماز پڑھ سکتی ہیں اور نہ روزہ رکھ سکتی ہیں۔ نماز کی تو انہیں بالکل معافی ہے، البتہ روزوں کی گنتی پوری کرنا ہوگی۔

فقہی احکام: (۱) حالت حیض میں نماز اور روزہ درست نہیں۔ (۲) ایام حیض کی تمام نمازیں معاف ہیں البتہ روزوں کی گنتی دیگر ماہ میں پوری کرنا لازم ہے۔ (۳) جہنم میں مردوں کے مقابلے میں خواتین کی تعداد زیادہ ہوگی۔

۱۴۷: وَعَنْ عَائِشَةَ رضی اللہ عنہا قَالَتْ لَمَّا جِئْنَا سَرِفَ حِضْتُ, فَقَالَ النَّبِیُّ صلی اللہ علیہ وسلم "اِفْعَلِی مَا يَفْعَلُ الْحَاجُّ, غَيْرَ أَنْ لَا تَطُوفِی

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

بِالْبَيْتِ حَتَّى تَطْهُرِى" مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ فِى حَدِيثٍ طَوِيْلٍ

البخاری، کتاب الحیض، باب تقضی الحائض المناسک کلھا الاالطواف بالبیت: ۳۰۵، مسلم: ۱۲۱۱، ابوداود: ۱۷۸۲، الترمذی: ۹۴۵

۱۴۷: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ جب ہم مقام سرف پر پہنچے تو میں حائضہ ہوگئی، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے فرمایا: "تم تمام مناسک ادا کرو جو دیگر حاجی ادا کرتے ہیں، البتہ بیت اللہ کا طواف حیض سے پاک ہونے کے بعد کرنا۔" (بخاری و مسلم) یہ طویل حدیث کا ایک ٹکڑا ہے۔

لغوی تحقیق: سرف: سین مفتوح اور راء مکسور، یہ منع صرف کے دو اسباب تانیث اور علمیت پائے جانے کی وجہ سے غیر منصرف ہے اور یہ مقام مکہ سے مدینہ کی جانب تقریباً دس میل کے فاصلے پر ہے۔

تشریح: ۱۰ھ ہجری میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی معیت میں جو قافلہ حج کرنے کی غرض سے جارہا تھا، اس قافلہ میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بھی شامل تھیں ابھی یہ قافلہ مکہ سے دس میل دور ہی تھا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا حائضہ ہوگئیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں بیت اللہ کے طواف کے علاوہ دیگر تمام مناسک حج حالت حیض میں ادا کرنے کی اجازت دی اور طواف کرنے سے اس وقت تک روک دیا جب تک وہ پاک نہ ہو جائیں، طواف بیت اللہ چونکہ حج اور عمرہ دونوں کا رُکن ہے، اس لیے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا عمرہ کرنے سے محروم رہ گئیں، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے عمرہ کی کمی پر جب افسردگی کا اظہار فرمایا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے بھائی عبدالرحمٰن کو حکم دیا کہ آپ انہیں مقام تنعیم لے جائیں اور وہاں سے عمرہ کا احرام باندھ کر واپس لائیں، تاکہ یہ بھی عمرہ کر سکیں۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے جس مقام پر عمرہ کا احرام باندھا تھا اب وہاں ایک مسجد ہے جس کا نام مسجد عائشہ ہے۔

فقہی احکام: (۱) خون حیض ناپاک ہے۔ (۲) حائضہ ناپاک ہونے کی وجہ سے مسجد میں داخل نہیں ہوسکتی۔ (۳) طواف چونکہ مسجد حرام میں کیا جاتا ہے اس لیے حائضہ کو طواف کی اجازت نہیں۔ (۴) طواف کے لیے طہارت شرط ہے۔

۱۴۸: وَعَنْ مُعَاذٍ رضی اللہ عنہ أَنَّهُ سَأَلَ النَّبِيَّ صلی اللہ علیہ وسلم مَا يَحِلُّ لِلرَّجُلِ مِنِ امْرَأَتِهِ, وَهِيَ حَائِضٌ؟ قَالَ "مَا فَوْقَ الْإِزَارِ" رَوَاهُ أَبُو دَاوُدَ وَضَعَّفَهُ.

ابوداود، کتاب الطھارۃ، باب فی المذی: ۲۱۲، ۲۱۳

۱۴۸: حضرت معاذ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ انہوں نے نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ حائضہ کی اس کے شوہر کے لیے کونسی چیز حلال ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "ازار بند سے اوپر کا حصہ۔" اسے امام ابوداؤد نے روایت کیا ہے اور ساتھ ہی اسے ضعیف بھی کہا ہے۔

تشریح: اس حدیث میں مذکور "مافوق الازار" جماع سے کنایہ ہے یعنی حالت حیض میں اپنی بیوی سے ہمبستری نہیں کی جاسکتی، اس کے علاوہ پیار محبت کا ہر وہ طریقہ اختیار کیا جاسکتا ہے جو طہر کی حالت میں روا تھا، اگر اس حدیث سے یہی مفہوم لیا جائے تو پھر اس حدیث کا ضعف غیر مفید ہے کیونکہ صحیح حدیث میں صراحت موجود ہے کہ حائضہ سے جماع کے علاوہ پیار محبت کے دیگر تمام جائز طریقے حالت حیض میں عمل میں لائے جاسکتے ہیں اور اس جملے سے گھٹنوں سے لے کر ناف تک کے تمام مقامات مراد لینا درست نہیں کیونکہ اس صورت میں یہ روایت سابقہ حدیث کی معارض ہوگی انہیں الفاظ کے ساتھ ایک روایت اُم حرام بنت حکیم سے بھی مروی ہے، اس روایت کو علامہ البانی نے صحیح کہا ہے۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

۱۴۹: وَعَنْ أُمِّ سَلَمَةَ رضی اللہ عنہا قَالَتْ كَانَتِ النُّفَسَاءُ تَقْعُدُ فِي عَهْدِ رَسُولِ اللَّهِ صلی اللہ علیہ وسلم بَعْدَ نِفَاسِهَا أَرْبَعِينَ يَوماً. رَوَاهُ الْخَمْسَةُ إِلَّا النَّسَائِيَّ, وَاللَّفْظُ لِأَبِي دَاوُدَ وَفِي لَفْظٍ لَهُ وَلَمْ يَأْمُرْهَا النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم بِقَضَاءِ صَلَاةِ النِّفَاسِ وَصَحَّحَهُ الْحَاكِمُ

ابوداود، كتاب الطهارة، باب ماجاء في وقت النفساء: ۳۱۱، الترمذي: ۱۳۹، احمد: ۳۰۰/۶، ۳۰۴، الحاكم: ۲۸۲/۱، الخلاصة: ۲۴۰/۱، الارواء: ۲۲۲/۱، المحلىٰ: ۲۰۴/۲، بيان الوهم والايهام: ۳۲۹/۳، معالم السنن: ۱۶۹/۱، التلخيص: ۱۷۱/۱، الكامل: ۲۱۹/۵، ۳۶۵/۵، ۱۴۱/۶، ابن ماجة مع مصباح الزجاجة: ۴۷/۱، التحقيق: ۳۴۴، البيهقي: ۳۴۳/۱، الدارقطني: ۲۲۰/۱، ۲۲۱، تاريخ بغداد: ۳۹۰/۵، خلافيات: ۴۲۴/۳، المنتقىٰ: ۱۱۹

۱۴۹: حضرت اُم سلمہ رضی اللہ عنہا بیان کرتیں ہیں کہ عہد نبوی میں زچہ چالیس روز تک زچگی کے دن گزارتی تھیں۔ اسے نسائی کے علاوہ پانچوں نے روایت کیا ہے مذکورہ الفاظ ابوداؤد کے ہیں، اور ابوداؤد ہی میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے زچہ کو حالت زچگی کی نمازوں کی قضا کا حکم نہیں دیا۔ اس روایت کو حاکم نے صحیح کہا ہے۔

لغوی تحقیق: **نفساء:** نون مضموم اور فاء مفتوح یعنی زچہ۔ **نفاس:** نون مکسور، زچگی کی وہ مدت جس میں رحم وضع حمل سے پہلے والی حالت کا مغایر (کسی دوسری حالت میں) ہوتا ہے۔

تشریح: زیر مطالعہ حدیث میں زچگی کی مدت چالیس دن بتائی گئی ہے، امام ابوداؤد نے مسّہ نامی عورت ہی کے طریق سے ایک اور روایت قدرے تفصیل سے نقل کی ہے جس کا آخری ٹکڑا حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے **واللفظ له** کہہ کر نقل کیا ہے، اس روایت میں ہے کہ نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خواتین زچگی کے چالیس دن پورے کرتی تھیں، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں اس دورانیہ کی نمازوں کی قضائی کا حکم نہیں دیا۔
امام ابن قطان اس روایت پر تبصرہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ اس روایت میں علت قادحہ (ضعف کی علت) یہ ہے کہ اس روایت کی ایک راویہ جس کا نام مسّہ اور اسکی کُنیت اُم بسہ ہے، وہ مجہولۃ ہے اس روایت کے علاوہ اس سے کوئی اور روایت مروی نہیں۔

امام ترمذی **علل الکبیر** میں فرماتے ہیں یہ روایت سند کے اعتبار سے ضعیف اور متن کے اعتبار سے منکر ہے، کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات میں فقط حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا ہی نے عقد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں زچگی کے ایام گزارے ہیں اور وہ مکہ ہی میں فوت ہوگئیں تھیں، اس لیے اس روایت کا متن بے معنی ہے ہاں اگر یہاں نساء النبی سے مراد آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادیاں یا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی قریبی رشتہ دار عورتیں یا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی لونڈی ماریہ مراد لی جائے تو پھر متن کی نکات دور ہوسکتی ہے۔

حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے تلخیص میں اس روایت پر تبصرہ کرتے ہوئے اُم بسہ کو مجہول الحال قرار دیا ہے، جبکہ تقریب میں مقبولۃ کہا ہے۔ امام دارقطنی فرماتے ہیں اس کی روایت کو بطور حجت نہیں لیا جا سکتا ہے۔ امام خطابی اور ابن ملقن کا کہنا ہے کہ امام بخاری نے حدیث مسہ کو سراہا ہے، راقم کے نزدیک اس سلسلہ میں خطابی اور ابن ملقن کو وہم ہوا ہے، کیونکہ امام ترمذی نے امام بخاری کا جو جواب علل کبیر میں نقل کیا ہے اس سے قطعاً یہ واضح نہیں ہو رہا کہ امام بخاری نے اس حدیث کو سراہا ہے۔

امام نووی نے اس روایت پر جارحین کی جرح کو مسترد کیا ہے، تاہم انہوں نے کسی واضح دلیل سے ایسا نہیں کیا۔ علامہ ناصر الدین البانی نے بھی اس روایت کی تحسین کی ہے۔ راقم کے نزدیک اس روایت کے بارے میں امام ابوداؤد اور امام ابن قطان کی رائے صائب ہے یعنی یہ روایت ضعیف ہے کیونکہ مسہ کا کوئی متابع نہیں ہے۔ اس مسئلہ میں حضرت ابوہریرہ، حضرت ابودرداء، حضرت معاذ، حضرت

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

انس، حضرت عثمان بن ابی العاص، حضرت عمر بن خطاب، حضرت عائشہ اور حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہم سے بھی مرفوع روایات مروی ہیں جبکہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے موقوفاً منقول ہے۔

حضرت ابو ہریرہ اور حضرت ابودرداء رضی اللہ عنہما سے مروی روایت میں زچگی کی زیادہ سے زیادہ مدت چالیس ایام اور کم سے کم جب خون زچگی آنا بند ہو جائے، بیان ہوئی ہے، اور چالیس دن کے بعد آنے والے خون کو استحاضہ قرار دیا گیا ہے۔ لیکن یہ روایت علاء بن کثیر کی وجہ سے موضوع کے قریب تر ہے، کیونکہ امام ابن حبان نے اسے خودساختہ روایات بنانے والا قرار دیا ہے۔

حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے مروی روایت میں نفاس کی کم از کم مدت دو ہفتے اور زیادہ سے زیادہ چالیس دن بتائی گئی ہے نیز یہ بتایا گیا ہے کہ خون زچگی اگر چالیس روز سے پہلے بند ہو جائے تو اس کے بند ہوتے ہی اسے نماز و روزہ کا اہتمام کرنا ہوگا البتہ اس سے عمل زوجیت کرنا چالیس دن کے بعد روا ہے۔ یہ روایت بھی محمد بن سعید بن حسان کی وجہ سے اسی کی مثل ہے، کیونکہ اسے امام احمد، امام نسائی اور امام سفیان نے کذاب قرار دیا ہے۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی روایات میں بھی زچگی کی زیادہ سے زیادہ مدت چالیس روز بتائی گئی، اس روایت کی سند کو اگرچہ بوصیری نے صحیح کہا ہے تاہم بوصیری کو اس سلسلے میں وہم ہوا ہے کیونکہ سلام بن سلیم نامی راوی تمام ماہرین فن کے نزدیک ضعیف ہے۔ یہ روایت ایک دوسرے طریق سے بھی مروی ہے، مگر وہ طریق بھی زید العمی کی وجہ سے ضعیف ہے۔ حضرت عثمان بن ابی العاص رضی اللہ عنہ سے مروی روایت میں زچگی کی مدت چالیس روز متعین کی گئی ہے۔ یہ روایت منقطع ہے کیونکہ حضرت حسن بصری کا حضرت عثمان بن ابی العاص رضی اللہ عنہ سے سماع ثابت نہیں۔ حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما سے مروی روایت میں زچگی کی کم از کم مدت خون کی بندش اور زیادہ سے زیادہ مدت چالیس روز بتائی گئی ہے اور اس کے بعد آنے والے خون کو استحاضہ قرار دے کر یہ نصیحت کی گئی کہ ایسی عورت غسل کرنے کے بعد نماز شروع کر دے، اور خون کا غلبہ ہو تو پھر اسے نماز کے لیے وضو کرنا ہوگا۔

یہ روایت عمرو بن الحصین العقیلی کی وجہ سے موضوع کے قریب تر ہے کیونکہ خطیب نے اسے کذاب، ابوزرعہ نے واہ قرار دیا ہے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی روایت میں چالیس ایام بتائے گئے ہیں یہ روایت بھی علی بن عطا کی وجہ سے موضوع کے قریب تر ہے، کیونکہ امام یحییٰ بن معین نے اسے کذاب کہا ہے، یہ روایت ایک دوسرے طریق سے بھی مروی ہے وہ طریق بھی یحییٰ بن العلاء کی وجہ سے سابقہ طریق کی مثل ہے کیونکہ یحییٰ بن العلاء کو امام وکیع نے کذاب کہا ہے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے مروی روایت میں چالیس ایام بتائے گئے ہیں اور یہ روایت بھی جابر بن جعفی کی وجہ سے ضعیف ترین ہے۔ امام نووی فرماتے ہیں کہ زچگی کی مدت کے بارے میں مروی تمام روایات کو ماہرین فن نے ضعیف کہا ہے۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے منقول ایک قول میں نفاس کی مدت چالیس روز بتائی گئی ہے مگر یہ روایت بھی ہشیم کے عنعنہ کی وجہ سے ضعیف ہے۔ لیکن ہشیم بن بشیر کا متابع ابوعوانہ ہے اس لیے یہ اثر ہر غبار سے پاک ہے اور انہیں سے منقول ایک قول میں نفاس کی کم از کم مدت سات دن بتائی گئی ہے۔ یہ قول ابن جریج کے عنعنہ کی وجہ سے ضعیف ہے۔

اس بارے میں تابعین کے بھی مختلف اقوال ہیں ان سب کی روشنی میں یہ کہا جا سکتا ہے نفاس کی مدت کو خواتین کی عادت پر چھوڑ دیا جائے یعنی جسے جتنے دن ہر مرتبہ آتا ہے وہی اس کی مدت ہے۔ اور اگر کبھی خلاف عادت زیادہ دن آئے تو اسے استحاضہ سمجھا جائے۔

فقہی احکام: نفاس کی مدت کو خواتین کی عادت پر چھوڑ دیا جائے۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

بسم الله الرحمن الرحيم

كِتَابُ الصَّلاةِ
نماز کے احکام و مسائل

١ : بَابُ الْمَوَاقِيْتِ   نماز کے اوقات کا بیان

١٥٠ـ١٥٢ :عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو رضی اللہ عنہما ، أَنَّ نَبِيَّ اللّٰهِ ﷺ قَالَ " وَقْتُ الظُّهْرِ إِذَا زَالَتِ الشَّمْسُ ,وَكَانَ ظِلُّ الرَّجُلِ كَطُوْلِهِ مَا لَمْ يَحْضُرِ الْعَصْرُ ,وَوَقْتُ الْعَصْرِ مَا لَمْ تَصْفَرَّ الشَّمْسُ ,وَوَقْتُ صَلَاةِ الْمَغْرِبِ مَا لَمْ يَغِبِ الشَّفَقُ ,وَوَقْتُ صَلَاةِ الْعِشَاءِ إِلَى نِصْفِ اللَّيْلِ الْأَوْسَطِ ,وَوَقْتُ صَلَاةِ الصُّبْحِ مِنْ طُلُوعِ الْفَجْرِ مَا لَمْ تَطْلُعِ الشَّمْسُ " رَوَاهُ مُسْلِمٌ وَلَهُ مِنْ حَدِيثِ بُرَيْدَةَ فِي الْعَصْرِ " وَالشَّمْسُ بَيْضَاءُ نَقِيَّةٌ" وَمِنْ حَدِيثِ أَبِي مُوسَى " وَالشَّمْسُ مُرْتَفِعَةٌ "

مسلم، كتاب المساجد و مواضع الصلاة، باب اوقات الصلوات الخمس: ٦١٢، ابوداود: ٣٩٥، ٣٩٦، ابن حبان: ٣٣٧/٤، ٣٣٨، احمد: ٢١٠/٢، الحاكم: ٣٠٦/١، النسائى: ٢٦٣/١، ابن خزيمة: ١٦٨/١، ابو يعلىٰ: ٦٧/٧، الدارقطنى: ٢٦٢/١

تنبیہ: حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما سے مروی اس روایت کا مرکزی راوی قتادہ ہے، قتادہ سے یہ روایت معاذ بن ہشام ان نبی ﷺ سے شروع کرتے ہیں اور ھمام ان رسول اللہ ﷺ سے شروع کرتے ہیں، مؤلف رحمۃ اللہ علیہ نے آغاز معاذ کے الفاظ سے کیا ہے اور باقی تمام الفاظ وہ نقل کیے ہیں جو ھمام نقل کرتے ہیں۔

١٥٠ـ١٥٢:حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی مکرم ﷺ نے فرمایا:" ظہر کی نماز کا وقت زوال آفتاب سے لے کر آغاز عصر تک (یعنی) ظہر کا وقت اس تک رہتا ہے، جس وقت ہر آدمی کا سایہ اس کے قد کے برابر ہو جاتا ہے، اور عصر کا وقت مثل سایہ سے لیکر سورج کے زرد ہونے سے پہلے تک رہتا ہے، اور مغرب کا وقت غروب آفتاب سے لیکر سرخی غائب ہونے تک رہتا ہے، اور عشاء کی نماز کا وقت درمیانی شب کے نصف تک رہتا ہے، اور فجر کا وقت طلوع فجر سے لیکر طلوع شمس سے قبل تک رہتا ہے۔" مسلم ہی کی ایک دوسری روایت میں جو حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ سے وقت عصر کے بارے میں مروی ہے، اس طرح ہے کہ "جب تک سورج اچھی طرح سفید رہے" اور ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے مروی روایت میں ہے "جب تک سورج بلند ہو"

لغوی تحقیق: صلاۃ :اس کے لغوی معنی دعا کے ہیں جبکہ شریعت اسلامیہ میں صلاۃ سے مراد عبادت کا وہ مخصوص طریقہ ہے جس کی تعلیم رسول اللہ ﷺ نے نظری اور عملی طور پر دی ہے۔ المواقیت: میقات کی جمع ہے یعنی وہ متعین وقت جو کسی کام کے لیے مقرر کیا گیا ہو وہ وعدہ جس کے لیے کسی وقت کا تعین کیا گیا ہو، وہ جگہ جہاں پہنچ کر کچھ کرنا ہو۔ ظل: کسی رکاوٹ کی وجہ سے شعاؤں کی روشنی کا منقطع ہونا یعنی سایہ۔ تصفر : صفر سے ماخوذ ہے یعنی زرد ہونا۔ الشفق: شین اور فاء مفتوح، سرخی جو غروب آفتاب کے بعد آسمان پر نمودار ہوتی ہے۔

تشریح: اس حدیث میں نماز پنجگانہ کے اوقات اول تا آخر بیان کیے گئے ہیں۔ اوقات نماز خمسہ کے بارے میں حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما کے علاوہ حضرت بریدہ، حضرت ابو موسیٰ اشعری، حضرت جابر، حضرت ابو مسعود انصاری، حضرت ابو ہریرۃ، حضرت انس اور حضرت

” محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ “

www.KitaboSunnat.com

عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہم سے بھی احادیث مروی ہیں اور نماز عصر کے وقت کے بارے میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے بھی مروی ہے۔ حضرت عبداللہ بن عباس، حضرت ابومسعود انصاری اور حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہم سے منقول روایت میں نماز کی اس تعلیم کا ذکر ہے جو اللہ تعالیٰ نے حضرت جبریل علیہ السلام کے ذریعہ رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو دی، جبریل علیہ السلام نے یہ تعلیم باقاعدہ امامت کے ذریعے منتقل کی اور اس کا آغاز نماز ظہر سے کیا، پہلے دن ظہر کی نماز سورج ڈھلتے ہی، عصر کی نماز مثل سایہ، مغرب، غروب آفتاب کے ساتھ ہی، عشاء غروب شفق پر اور فجر خوب اندھیرے میں پڑھائی، دوسرے روز ظہر مثل سایہ پر، عصر کی اس وقت پڑھائی جب ہر چیز کا سایہ اس کے قد سے دگنا ہو گیا، مغرب غروب شفق پر، عشاء نصف رات گزارنے پر اور فجر خوب روشنی میں پڑھائی۔ حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے مروی روایت میں ہے کہ ایک شخص نے رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے اوقات نماز کے بارے میں دریافت کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے اوقات نماز سے عملی طور پر آگاہ فرمایا، اس وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے عملی ترتیب کا آغاز نماز فجر سے کیا۔ حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما سے مروی روایت میں طلوع شمس کے وقت نماز پڑھنے سے منع کیا گیا ہے اور اس کی یہ علت بیان کی گئی ہے کہ سورج شیطان کے دونوں سینگوں کے درمیان سے طلوع ہوتا ہے۔

فقہی احکام: (۱) نظری تعلیم کے مقابلے میں عملی تعلیم زیادہ مؤثر ہے۔ (۲) افضل مفضول کی امامت میں نماز پڑھ سکتا ہے۔ (۳) عصر کا آخری وقت سورج کے زرد ہونے سے پہلے تک ہے۔ (۴) عشاء کا آخری وقت نصف شب تک ہے۔ (۵) طلوع سورج کے وقت نماز پڑھنا ممنوع ہے۔ (۶) شیطان چاہتا ہے کہ اس کی عبادت کی جائے۔ (۷) مشرکین کے عمل کی مشابہت بھی ممنوع ہے۔

۱۵۳: وَعَنْ أَبِي بَرْزَةَ الْأَسْلَمِيِّ رضی اللہ عنہ قَالَ كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صلی اللہ علیہ وسلم يُصَلِّي الْعَصْرَ, ثُمَّ يَرْجِعُ أَحَدُنَا إِلَى رَحْلِهِ فِي أَقْصَى الْمَدِينَةِ وَالشَّمْسُ حَيَّةٌ, وَكَانَ يَسْتَحِبُّ أَنْ يُؤَخِّرَ مِنَ الْعِشَاءِ, وَكَانَ يَكْرَهُ النَّوْمَ قَبْلَهَا وَالْحَدِيثَ بَعْدَهَا, وَكَانَ يَنْفَتِلُ مِنْ صَلَاةِ الْغَدَاةِ حِينَ يَعْرِفُ الرَّجُلُ جَلِيسَهُ, وَيَقْرَأُ بِالسِّتِّينَ إِلَى الْمِائَةِ. مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ.

البخاری، کتاب مواقیت الصلاۃ، باب وقت العصر: ۵۴۷، صحیح مسلم، کتاب المساجد و مواضع الصلاۃ، باب استحباب التبکیر بالصبح: ۶۴۷، الترمذی: ۱۶۸، البیہقی: ۴۵۱/۱، ابوداود: ۳۹۸، النسائی: ۲۶۲/۱

۱۵۳: حضرت ابوبرزۃ اسلمی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عصر کی نماز پڑھتے پھر ہم میں سے کوئی ایک مدینہ کے آخری حصہ میں واقع اپنے گھر پہنچ جاتا، درآنحالیکہ سورج ابھی زندہ ہوتا، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم عشاء کی نماز کو تاخیر سے پڑھنا پسند فرماتے، عشاء کی نماز سے قبل سونے کو اور بعد میں باتیں کرنے کو ناپسند فرماتے، اور فجر کی نماز پڑھ کر اس وقت فارغ ہوتے جب آدمی اپنے ساتھی کو شناخت کر لیتا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم (نماز فجر میں) ساٹھ سے سو تک آیات تلاوت فرماتے۔

لغوی تحقیق: برزۃ: باء مفتوح اور راء ساکن۔ رحلہ: راء مفتوح اور حاء ساکن، یعنی رہائش گاہ۔ اقصی المدینہ: مدینہ کی آخری بستی۔ حیۃ: زندہ یعنی مکمل روشن۔

تشریح: زیر مطالعہ حدیث میں نماز عصر، عشاء اور فجر کی ادائیگی کا پسندیدہ اور افضل ترین وقت بتایا گیا ہے، یعنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم عصر کی نماز اول وقت میں پڑھ لیا کرتے تھے اور عشاء کی نماز کو تاخیر سے پڑھتے تھے جبکہ فجر کی نماز صبح صادق کے طلوع ہوتے ہی شروع کر دیتے تھے۔

فقہی احکام: (۱) فجر اور عصر اول وقت میں پڑھنا افضل ہے۔ (۲) نماز عشاء آخری وقت میں پڑھنا افضل ہے۔ (۳) عشاء کی نماز سے پہلے سونے اور بعد میں باتیں کرنا ناپسندیدہ عمل ہے۔ (۴) نماز باجماعت ادا کرنے کے لیے دور دراز سے مساجد کی طرف آنا افضل ترین عمل ہے۔ (۵) فجر کی نماز میں تلاوت زیادہ کی جائے۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

۱۵۴: وَعِنْدَهُمَا مِنْ حَدِيثِ جَابِرٍ رضی اللہ عنہ وَالْعِشَاءَ أَحْيَانًا وَأَحْيَانًا إِذَا رَآهُمُ اجْتَمَعُوا عَجَّلَ ,وَإِذَا رَآهُمْ أَبْطَئُوا أَخَّرَ , وَالصُّبْحَ كَانَ النَّبِيُّ صلی اللہ علیہ وسلم يُصَلِّيهَا بِغَلَسٍ.

البخاری، کتاب مواقیت الصلاۃ، باب وقت المغرب: ۵۶۰۔۵۶۵، مسلم، کتاب المساجد و مواضع الصلاۃ، باب استحباب التبکیر بالصبح: ۶۴۶، ابوداود: ۳۹۷، النسائی: ۲۶۴/۱، احمد: ۳۶۹/۳، البیہقی: ۴۵۱/۱

۱۵۴: بخاری اور مسلم میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم عشاء کی نماز کبھی جلدی پڑھ لیتے تھے اور کبھی دیر سے (تفصیل اس طرح ہے) آپ صلی اللہ علیہ وسلم جب دیکھتے کہ صحابہ جمع ہوگئے ہیں تو جلدی پڑھ لیتے اور جب دیکھتے کہ صحابہ کے جمع ہونے میں دیر ہے تو پھر نماز کو مؤخر کردیتے اور صبح کی نماز اندھیرے میں پڑھ لیا کرتے تھے۔

لغوی تحقیق: غلس: غین اور لام مفتوح، رات کے آخری حصے کی تاریکی۔

تشریح: اس حدیث سے صحابہ کے ساتھ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے مشفقانہ رویے کا اظہار ہوتا ہے، اندازہ لگائیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے صحابہ کی فوز وفلاح کی کتنی فکر تھی؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم جب دیکھتے کہ نمازی جمع ہوگئے ہیں تو عشاء کی نماز جلدی پڑھا دیتے تاکہ صحابہ نماز پڑھ کر آرام کرسکیں اور جب آپ دیکھتے کہ صحابہ اپنے کام کاج میں مشغولیت کی وجہ سے مسجد میں نہیں پہنچ پائے، تو جماعت میں تاخیر کردیتے تاکہ وہ بھی نماز باجماعت کا ثواب حاصل کرلیں۔

فقہی احکام: (۱) راہنما کو مشفقانہ رویہ اختیار کرنا چاہیے۔ (۲) مستقل نمازیوں کا انتظار کرنا مسنون ہے۔
(۳) فجر کی نماز صبح صادق کے طلوع ہوتے ہی شروع کردینی چاہیے۔

۱۵۵: وَلِمُسْلِمٍ مِنْ حَدِيثِ أَبِي مُوسَى رضی اللہ عنہ فَأَقَامَ الْفَجْرَ حِينَ انْشَقَّ الْفَجْرُ ,وَالنَّاسُ لَا يَكَادُ يَعْرِفُ بَعْضُهُمْ بَعْضًا.

مسلم، کتاب المساجد و مواضع الصلاۃ، باب اوقات الصلوات الخمس: ۶۱۴، مسنداحمد: ۴۱۶/۴، ابوداود: ۳۹۵

۱۵۵: صحیح مسلم میں حضرت ابوموسی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم فجر کی نماز فجر طلوع ہوتے ہی شروع فرمادیتے، یہاں تک صحابہ ایک دوسرے کو پہچان نہیں سکتے تھے۔

لغوی تحقیق: انشق: اس کا مادہ شق ہے، یعنی پھٹنا۔

تشریح: زیر مطالعہ حدیث میں نماز فجر کا اول وقت بتایا گیا ہے، اسی مضمون کی احادیث حضرت ابو برزہ، حضرت زید بن ثابت، حضرت سھل بن سعد، حضرت عبداللہ بن عمر، حضرت ابومسعود انصاری، حضرت عائشہ اور حضرت قیلہ بنت مخرمہ رضی اللہ عنہم سے بھی منقول ہیں۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی حدیث میں ہے کہ مؤمن خواتین بڑی بڑی چادروں میں ملبوس ہوکر نماز فجر میں شریک ہوتیں اور جب وہ نماز فجر پڑھ کر اپنے گھروں کی طرف واپس ہوتیں تو اندھیرے کی وجہ سے پہچانی نہ جاتی تھیں۔ حضرت قیلہ رضی اللہ عنہا سے مروی حدیث میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں فجر کی نماز فجر طلوع ہوتے ہی ستاروں کے جھرمٹ میں شروع کروادی، اندھیرے کی وجہ سے نہ خواتین ایک دوسری کو پہچان سکتی تھیں اور نہ مرد حضرات ایک دوسرے کو شناخت کرسکتے تھے۔ (یہ روایت دحیہ اور صفیۃ کی وجہ سے ضعیف ہے) حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی حدیث میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم، حضرت ابوبکر صدیق اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما فجر کی نماز اندھیرے میں شروع کردیتے تھے، لیکن جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو نماز فجر میں نیزہ مارا گیا تو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے بعد میں صبح کی نماز روشنی میں پڑھانا شروع کردی۔ حضرت سھل بن سعد رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں اپنے گھر والوں کے ساتھ سحری کرکے جلدی جلدی مسجد پہنچتا تاکہ

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

میں آپ ﷺ کی اقتداء میں نماز فجر ادا کر سکوں۔ حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ مروی حدیث میں ہے کہ آپ ﷺ اختتام سحری اور آغاز نماز فجر کے درمیان تقریباً اتنا وقفہ فرماتے جس میں پچاس سے ساٹھ آیات تلاوت کی جا سکتی تھیں۔

فقہی احکام: (۱) فجر کی نماز رمضان اور غیر رمضان میں اندھیرے ہی میں شروع کر دینی چاہیے۔

(۲) اختتام سحری اور آغاز نماز فجر میں نہایت مختصر وقفہ ہونا چاہیے۔

۱۵۶: وَعَنْ رَافِعِ بْنِ خَدِيجٍ رضی اللہ عنہ قَالَ كُنَّا نُصَلِّي الْمَغْرِبَ مَعَ النَّبِيِّ ﷺ فَيَنْصَرِفُ أَحَدُنَا وَإِنَّهُ لَيُبْصِرُ مَوَاقِعَ نَبْلِهِ. مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ.

البخاری، کتاب مواقیت الصلاۃ، باب وقت المغرب: ۵۵۹، مسلم، کتاب المساجد و مواضع الصلاۃ، باب بیان ان اول وقت المغرب: ۶۳۷، الترمذی: ۱۶۴، المعجم الاوسط للطبرانی: ۵۵۲۶، مسند الشافعی: ۱۵۶، البیہقی: ۱/۳۷۰(۱۶۷۹)، ابوداود: ۴۱۶

تنبیہ: شیخ خالد بن ضیف اللہ الشلاحی نے اس روایت کو علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کی طرف بھی منسوب کیا ہے مگر راقم کو یہ روایت مسند علی رضی اللہ عنہ میں نہیں ملی۔

۱۵۶: حضرت رافع بن خدیج رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہم رسول اللہ ﷺ کی اقتدا میں نماز مغرب پڑھتے، پھر ہم واپس ہوتے اور تیر کے گرنے کے مقامات کو دیکھ لیتے۔

لغوی تحقیق: مواقع: میم مفتوح، موقع کی جمع یعنی مقامات۔ نبل: نون مفتوح اور باء ساکن یعنی تیر۔

تشریح: اس مضمون کی احادیث حضرت سلمہ بن اکوع، حضرت جابر، حضرت کعب بن مالک، حضرت انس اور حضرت زید بن خالد رضی اللہ عنہم سے مروی ہیں۔

فقہی احکام: نماز مغرب میں بلا عذر شرعی تاخیر نہیں کرنی چاہیے۔

۱۵۷: وَعَنْ عَائِشَةَ رضی اللہ عنہا قَالَتْ أَعْتَمَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ ذَاتَ لَيْلَةٍ بِالْعَشَاءِ, حَتَّى ذَهَبَ عَامَّةُ اللَّيْلِ, ثُمَّ خَرَجَ, فَصَلَّى, وَقَالَ "إِنَّهُ لَوَقْتُهَا لَوْلَا أَنْ أَشُقَّ عَلَى أُمَّتِي" رَوَاهُ مُسْلِمٌ.

مسلم، کتاب المساجد و مواضع الصلاۃ، باب وقت العشاء: ۶۳۸۔۶۴۰، البخاری: ۵۷۲، النسائی: ۱/۲۶۷

۱۵۷: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ ایک شب نبی مکرم ﷺ نے نماز عشاء میں اس قدر تاخیر فرمائی کہ رات کا بڑا حصہ بیت گیا، پھر آپ ﷺ نماز کے لیے نکلے اور نماز پڑھی، پھر فرمایا: " نماز کا وقت تو یہی ہے، اگر میں اسے اپنی امت پر بوجھ خیال نہ کروں۔" اسے مسلم نے بیان کیا ہے۔

لغوی تحقیق: اعتم: باب افعال ہونے کی وجہ سے ہمزہ مفتوح اور عین ساکن ہے۔ رات کے اول تیسرے حصہ کا اختتام، یا نماز عشاء میں تاخیر فرمائی۔ عامۃ اللیل: رات کا بڑا حصہ۔ اشق: شق سے ماخوذ ہے، بوجھ محسوس کرنا۔

تشریح: اس حدیث سے واضح ہوا کہ نماز عشاء کی ادائیگی کا افضل وقت ایک تہائی رات گزرنے پر ہے زیادہ تر صحابہ چونکہ دن بھر محنت و مشقت کرتے رہتے تھے، اس لیے آپ ﷺ نے ان کی سہولت اور رعایت کی خاطر اس وقت کو نماز عشاء کے لیے لازم قرار نہیں دیا۔ اسی مضمون کی احادیث حضرت عبداللہ بن عمرو اور حضرت انس رضی اللہ عنہما سے بھی مروی ہے۔

فقہی احکام: (۱) نماز عشاء کا افضل وقت ایک تہائی رات گزرنے پر ہے۔ (۲) رحمت عالم ﷺ ایمان والوں پر بہت زیادہ مشفق و

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

مہربان تھے۔(۳)عصر حاضر میں جو لوگ زیادہ تر رات گئے جاگتے ہیں انہیں ایک تہائی رات گزرنے پر ہی نماز پڑھنی چاہیے۔

۱۵۸: وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضی اللہ عنہ قَالَ، قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صلی اللہ علیہ وسلم "إِذَا اشْتَدَّ الْحَرُّ فَأَبْرِدُوا بِالصَّلَاةِ, فَإِنَّ شِدَّةَ الْحَرِّ مِنْ فَيْحِ جَهَنَّمَ " مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ.

البخاری، کتاب مواقیت الصلاۃ، باب الابراد بالظھر فی شدۃ الحر: ۵۳۶، ۵۳۷، مسلم، کتاب المساجد و مواضع الصلاۃ، باب استحباب الابراد بالظھر فی شدۃ الحر: ۶۱۵، ابو داود: ۴۰۱، ۴۰۲، مسند احمد: ۲۳۸/۲، ابن ماجۃ: ۶۷۷، ۶۸۰، ۶۸۱، البیھقی: ۲۰۹۴

تنبیہ: مؤلف رحمہ اللہ نے حدیث کا آغاز "قال قال رسول اللہ" سے کیا ہے جبکہ صحیح مسلم میں "انہ قال ان رسول اللہ قال" دوسرے طریق میں ہے "یقول قال رسول اللہ" اور صحیح بخاری میں "عن النبی قال" ہے۔

۱۵۸: حضرت ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہ کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: " جب سخت گرمی پڑ رہی ہو تو نماز (ظہر) کو ٹھنڈا کر کے پڑھو، کیونکہ گرمی کی شدت جہنم کے سانس کی وجہ سے ہے۔"

لغوی تحقیق: ابردوا: باب افعال ہونے کی وجہ سے ہمزہ مفتوح اور باء ساکن، ٹھنڈا کرو یعنی ٹھنڈے وقت میں نماز ادا کرو۔ الصلاۃ: اس سے مراد نماز ظہر ہے۔ فیح: فاء مفتوح اور یاء ساکن، اس کے لغوی معنی پھیلاؤ کے ہیں یعنی جہنم کا بھڑکاؤ جب تیز ہوتا ہے، تب آتش جہنم کے سائے پھیل جاتے ہیں اور دنیاوی موسم میں گرمی کی شدت پیدا ہو جاتی ہے۔

تشریح: حضرت ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہ سے مروی مفصل طریق میں یہ الفاظ بھی ہیں کہ جہنم نے اپنے رب سے اپنی گرمی کی شدت کا ذکر کرتے ہوئے عرض کیا اے میرے رب! میرے بعض حصے بعض کو کھا رہے ہیں۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے اسے دو سانس لینے کی اجازت دی، ایک سانس موسم سرما میں اور ایک موسم گرما میں، پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا " تم گرمی اور سردی کی شدت جہنم کے سانس لینے کی وجہ سے محسوس کرتے ہو۔ "

امام ابن کثیر نے مسند فاروق میں بھی یہ روایت انہیں الفاظ سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے نقل کی ہے لیکن وہ روایت محمد بن الحسن المخزومی کی وجہ سے موضوع کے قریب تر ہے۔ حضرت ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے علاوہ یہ حدیث حضرت ابو سعید، حضرت عبداللہ بن مسعود، حضرت عبداللہ بن عمر، حضرت ابو ذر اور حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہم سے بھی مروی ہے۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی حدیث میں نماز ظہر کی باقاعدہ صراحت ہے۔ حضرت ابو ذر رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث میں یہ صراحت بھی ہے کہ نماز ظہر میں اس قدر تاخیر فرماتے کہ ٹیلے بھی سایہ دینے لگتے۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہما سے مروی حدیث میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ظہر کی نماز گرمی میں اس وقت شروع فرماتے جب سایہ تین سے پانچ قدم تک ہو جاتا یعنی جب ہر چیز کا سایہ نصف قد کے برابر ہو جاتا۔

فقہی احکام: موسم گرما میں ظہر کی نماز قدرے تاخیر سے پڑھنی چاہیے۔

۱۵۹: وَعَنْ رَافِعِ بْنِ خَدِيجٍ رضی اللہ عنہ قَالَ، قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صلی اللہ علیہ وسلم " أَصْبِحُوا بِالصُّبْحِ فَإِنَّهُ أَعْظَمُ لِأُجُورِكُمْ " رَوَاهُ الْخَمْسَةُ, وَصَحَّحَهُ التِّرْمِذِيُّ, وَابْنُ حِبَّانَ.

ابو داود، کتاب الصلاۃ، باب وقت الصبح: ۴۲۴، الترمذی: ۱۵۴، النسائی: ۲۷۲/۱، احمد: ۴۶۵/۳، ابن ماجۃ: ۶۷۲، ابن حبان: ۱۴۸۹، بیان الوھم والایھام: ۳۳۴/۵، المطالب العالیۃ: ۲۶۸، البزار: ۱۹۷، ۱۹۸، الطبرانی: ۱۷۸/۱۰، ۲۴۹/۴،

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

شرح معانی الآثار: ۱/۱۷۹، المعجم الاوسط: ۹۲۸۵

۱۵۹: حضرت رافع بن خدیج رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: " فجر کی نماز صبح کے اچھی طرح نمودار ہونے پر پڑھو، کیونکہ اس سے تمہارے ثواب میں اضافہ ہوگا"۔ اسے خمسہ (مسند احمد، ابوداؤد، ترمذی، نسائی، ابن ماجہ) نے بیان کیا ہے، امام ترمذی اور امام ابن حبان نے صحیح کہا ہے۔

لغوی تحقیق: اصبحوا: خوب اچھی طرح صبح ہونے دو۔

تشریح: حضرت رافع بن خدیج رضی اللہ عنہ سے یہ حدیث متعدد طرق سے مختلف الفاظ سے مروی ہے، محمد بن اسحاق کے طریق سے مروی روایت میں اصبحوا کی جگہ اسفروا ہے، ان دونوں الفاظ کا مفہوم ایک ہی ہے۔ امام ابوداودالطیالسی نے اپنی سند سے یہ روایت ان الفاظ سے نقل کی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت بلال رضی اللہ عنہ سے کہا کہ صبح کی نماز کے لیے روشنی کے نمودار ہونے کا اس قدر انتظار کرو کہ قوم اپنے تیروں کے گرنے کی جگہ دیکھ سکے۔ اس روایت میں مذکور امام الطیالسی کے شیخ ابوابراہیم کے بارے میں کچھ معلوم نہیں کہ یہ کون ہیں؟ لہٰذا جب تک ابوابراہیم کا ثقہ ہونا ثابت نہ ہو جائے اس وقت اس روایت کو بطور حجت نقل کرنا درست نہیں۔

رافع بن خدیج رضی اللہ عنہ کے علاوہ یہ روایت حضرت عبداللہ بن مسعود، حضرت ابو ہریرۃ، حضرت ابوبکر صدیق، حضرت انس، حضرت بلال اور حواء بنت زید رضی اللہ عنہم سے بھی مروی ہے۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ مروی حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فجر کی نماز روشنی میں پڑھا کرتے تھے یہ روایت عبدالعزیز بن ابان کی وجہ سے موضوع کے قریب تر ہے۔ حضرت ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہ سے مروی روایت میں ہے کہ میری امت اس وقت تک فطرت پر رہے گی جب تک وہ فجر کی نماز کو روشنی میں ادا کرتی رہے گی۔ یہ روایت حفص بن سلیمان کی وجہ سے سخت ترین ضعیف ہے۔

حضرت عبداللہ بن مسعود، حضرت انس، حضرت بلال، حضرت حواء بنت زید رضی اللہ عنہم سے مروی روایات کے الفاظ وہی ہیں جو حضرت رافع رضی اللہ عنہ سے مروی روایت کے ہیں، حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی روایت معلّٰی بن عبدالرحمٰن الواسطی اور حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی روایت یزید بن عبدالملک کی وجہ سے ضعیف ہے جبکہ حواء بنت زید رضی اللہ عنہا سے مروی روایت اسحاق بن ابراہیم کی وجہ سے ضعیف ہے اور حضرت بلال رضی اللہ عنہ سے مروی روایت ایوب بن یسار کی وجہ سے ضعیف ہے اس تفصیل سے واضح ہوا کہ اس مسئلہ میں صحیح روایت فقط حضرت رافع بن خدیج رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔ اسے ترمذی اور ابن حبان کے علاوہ امام ابن قطان نے بھی صحیح کہا ہے۔

امام ترمذی فرماتے ہیں کہ امام شافعی، امام احمد اور امام اسحاق کا کہنا ہے کہ اسفار سے مراد فجر کی نماز کو دیر سے پڑھنا نہیں بلکہ طلوع فجر کا یقینی ہونا ہے۔ امام ابن حبان کا بھی یہی کہنا ہے۔ بعض کا خیال ہے کہ نماز کا آغاز تو اندھیرے میں کیا جائے لیکن تلاوت اس قدر زیادہ کی جائے کہ سلام پھیرنے کے وقت خوب روشنی ہو جائے۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے بارے میں ہے کہ وہ فجر کی نماز میں سورہ یوسف تلاوت فرمایا کرتے تھے۔ ان بیانات سے واضح ہوا کہ فجر کی نماز کا آغاز صبح صادق نمودار ہوتے ہی کر دینا چاہیے۔

فقہی احکام: (۱) فجر کی نماز اس وقت شروع کی جائے جب طلوع فجر کا یقین ہو جائے۔ (۲) فجر میں تلاوت زیادہ کی جائے۔

۱۶۰: وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضی اللہ عنہ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صلی اللہ علیہ وسلم قَالَ " مَنْ أَدْرَكَ مِنَ الصُّبْحِ رَكْعَةً قَبْلَ أَنْ تَطْلُعَ الشَّمْسُ فَقَدْ أَدْرَكَ الصُّبْحَ ,وَمَنْ أَدْرَكَ رَكْعَةً مِنَ الْعَصْرِ قَبْلَ أَنْ تَغْرُبَ الشَّمْسُ فَقَدْ أَدْرَكَ الْعَصْرَ " مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ.

البخاری، کتاب مواقیت الصلاۃ، باب من ادرک من الفجر رکعۃ: ۵۷۹، مسلم، کتاب المساجد و مواضع الصلاۃ، باب من

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ادرک رکعة من الصلاة فقد ادرک تلک الصلاة: ۶۰۸، احمد: ۲/۲۵۴، الترمذی: ۱۸۶

۱۶۰: حضرت ابوھریرۃ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ بلاشبہ نبی مکرم ﷺ نے فرمایا: " جس نے طلوع آفتاب سے قبل فجر کی ایک رکعت پڑھ لی، اس نے صبح کی نماز پالی اور جس نے عصر کی ایک رکعت غروب آفتاب سے قبل پڑھ لی اس نے عصر کی نماز پالی۔" (بخاری ومسلم)

تشریح: طلوع اور غروب آفتاب کے عین وقت نماز شروع کرنی منع ہے، البتہ اگر کسی شخص کو یہ یقین ہو کہ وہ طلوع اور غروب آفتاب سے قبل ایک رکعت نہایت تسلی سے پڑھ سکتا ہے تو اسے چاہیے کہ وہ نماز شروع کر دے۔

فقہی احکام: (۱) نماز اگر طلوع یا غروب آفتاب سے پہلے شروع کی گئی ہو تو پھر بقیہ رکعت یا رکعات عین طلوع وغروب کے وقت بھی پڑھی جاسکتی ہیں۔ (۲) عصر کی نماز کو ہمیشہ زیادہ دیر سے پڑھنا نفاق کی علامت ہے۔ البتہ کبھی کبھار ایسا ہو جائے تو کوئی مضائقہ نہیں۔

۱۶۱: وَلِمُسْلِمٍ عَنْ عَائِشَةَ رضی اللہ عنہا نَحْوَهُ ,وَقَالَ "سَجْدَةً" بَدَلَ "رَكْعَةً" ثُمَّ قَالَ " وَالسَّجْدَةُ إِنَّمَا هِيَ الرَّكْعَةُ "

مسلم، کتاب المساجد و مواضع الصلاة، باب من ادرک رکعة من الصلاة فقد ادرک تلک الصلاة: ۶۰۹، ابن حبان: ۱۵۸۴، ابن ماجة: ۷۰۰، احمد: ۴/۷۸

تنبیہ: صحیح مسلم میں "ثم قال" نہیں ہے فقط " السجدة انما هی الرکعة " کے الفاظ ہیں۔

۱۶۱: مسلم میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی روایت بھی اسی طرح ہے، البتہ اس میں ہے کہ آپ ﷺ نے لفظ رکعة کہ جگہ لفظ سجدة فرمایا ہے، پھر انہوں نے کہا کہ سجدہ سے مراد رکعت ہی ہے۔

تشریح: اس روایت کے آخر میں مذکور "ثم قال" کے قائل یا تو رسول اللہ ﷺ ہیں یا پھر حدیث کا کوئی راوی ہے، اگر آپ ﷺ ہیں تو پھر اس میں کسی قسم کا کوئی اشکال نہیں اور اگر راوی ہے تو پھر بھی معتبر ہے کیونکہ راوی اپنی بیان کردہ روایت کے پس منظر سے واقف ہوتا ہے۔

۱۶۲: وَعَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ رضی اللہ عنہ قَالَ سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ يَقُولُ " لَا صَلَاةَ بَعْدَ الصُّبْحِ حَتَّى تَطْلُعَ الشَّمْسُ وَلَا صَلَاةَ بَعْدَ الْعَصْرِ حَتَّى تَغِيبَ الشَّمْسُ " مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ وَلَفْظُ مُسْلِمٍ " لَا صَلَاةَ بَعْدَ صَلَاةِ الْفَجْرِ "

البخاری، کتاب المواقیت الصلاة، باب لا یتحری الصلاة قبل غروب الشمس: ۵۸۶، صحیح مسلم، کتاب صلاة المسافرین و قصرها، باب الاوقات التی نهی عن الصلاة فیها: ۸۲۷، مسنداحمد: ۳/۹۵، الترمذی: ۴۲۰، الارواء: ۴۷۸، ابوداود: ۱۲۷۶، البیهقی: ۲/۴۹۵، المعجم الاوسط: ۱۸۳، ۱۵۴۴

تنبیہ: یہ روایت بھی حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے صحیحین سے بالمعنی نقل کی ہے۔

۱۶۲: حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے سنا کہ " صبح کی نماز کے بعد اور طلوع آفتاب سے پہلے کوئی نماز نہیں، اور نہ عصر کی نماز کے بعد اور غروب آفتاب سے قبل کوئی نماز ہے۔" (بخاری ومسلم) صحیح مسلم میں " فجر کی نماز کے بعد کوئی نماز نہیں۔" کے الفاظ ہیں۔

تشریح: اس حدیث سے بظاہر یہی ثابت ہو رہا ہے کہ فجر اور عصر کی نماز کے بعد ہر قسم کی نماز ممنوع ہے جبکہ حقیقتاً ایسا نہیں ہے کیونکہ آپ ﷺ سے ظہر کی دو نفلی رکعات نماز عصر کے بعد ثابت ہیں اسی طرح آپ ﷺ نے فجر کی نماز کے بعد فجر کی دو رکعات پڑھنے کی اجازت فرمائی ہے۔ جیسا کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: " فجر کی نماز کے بعد فجر کی دو رکعات کے

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

علاوہ کوئی اور نماز پڑھنے کی اجازت نہیں۔" امام ترمذی فرماتے ہیں کہ فجر کی ان دو رکعات کا فجر کی نماز کے بعد پڑھنے کی رخصت پر اہل علم کا اجماع ہے۔اسی مفہوم کی روایت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے بھی منقول ہے۔

فقہی احکام: (۱) فجر اور عصر کی نماز کے بعد نفلی نماز پڑھنا درست نہیں۔(۲) فجر کی دو رکعات فجر کی نماز کے بعد پڑھی جاسکتی ہیں۔

۱۶۳: وَلَهُ عَنْ عُقْبَةَ بْنِ عَامِرٍ رضی اللہ عنہ ثَلَاثُ سَاعَاتٍ كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صلی اللہ علیہ وسلم يَنْهَانَا أَنْ نُصَلِّيَ فِيهِنَّ, وَأَنْ نَقْبُرَ فِيهِنَّ مَوْتَانَا حِينَ تَطْلُعُ الشَّمْسُ بَازِغَةً حَتَّى تَرْتَفِعَ, وَحِينَ يَقُومُ قَائِمُ الظَّهِيرَةِ حَتَّى تَزُولَ الشَّمْسُ, وَحِينَ تَتَضَيَّفُ الشَّمْسُ لِلْغُرُوبِ.

مسلم، كتاب صلاة المسافرين و قصرها، باب الاوقات التى نهى عن الصلاة فيها: ۸۳۱، البخارى: ۵۸۱، النسائى: ۲۷۶/۱، مسند احمد: ۱۵۲/۴

تنبیہ: صحیح مسلم میں اس روایت کے آخر میں "حتی تغرب" کے الفاظ ہیں لیکن بلوغ المرام کے مطبوعہ نسخوں میں یہ الفاظ نہیں ہیں، معلوم ہوتا ہے کہ تسامح کسی ناسخ سے ہوا ہے

۱۶۳: صحیح مسلم میں حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ تین اوقات ایسے ہیں جن میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں نماز پڑھنے اور مُردوں کو دفنانے سے منع فرمایا۔طلوع آفتاب کے آغاز سے لے کر سورج کے بلند ہونے تک، دوپہر کے وقت جب سورج ڈھل نہ جائے اور جب سورج غروب ہو رہا ہوتا وقتیکہ وہ اچھی طرح غروب نہ ہو جائے

لغوی تحقیق: نقبر: قبر سے ماخوذ ہے اور بروزن نصر ینصر ہے یعنی ہم دفن کریں۔ موتانا : مردے۔ بازغة: چمکتا۔ الظهيرة: نصف النہار کا وقت۔ تتضيف : ضيف سے مشتق ہے یعنی مائل ہونا، ڈھل جانا وغیرہ۔

تشریح: سورج کے طلوع اور غروب کے وقت نماز کی ممانعت تو حضرت عبداللہ بن عمر، حضرت عمر، حضرت عبداللہ بن عباس، حضرت ابو ہریرۃ، حضرت معاویہ، حضرت ابو بصرۃ غفاری اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہم سے مروی احادیث سے بھی ثابت ہے۔ حضرت عمرو بن عبسہ سلمی رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث میں ان تینوں اوقات میں نماز پڑھنے کی ممانعت کے ساتھ اس وقت نماز نہ پڑھنے کی علت بھی مذکور ہے، یعنی طلوع اور غروب آفتاب کے وقت نماز پڑھنے سے اس لیے منع کیا گیا ہے کہ اس وقت سورج کی پرستش کرنے والے سورج کی عبادت کرتے ہیں جبکہ سورج شیطان کے سینگوں کے درمیان سے طلوع و غروب ہوتا ہے۔نصف النہار کے وقت نماز پڑھنے سے اس لیے منع کیا گیا ہے کہ اس وقت جہنم کو گرم کیا جاتا ہے۔

فقہی احکام: (۱) مشرکین طلوع آفتاب اور غروب آفتاب کے وقت سورج کی عبادت کرتے ہیں۔(۲) شیطان مشرکین اور سورج کے درمیان کھڑا ہو جاتا ہے تاکہ اس کی بھی عبادت کی جاسکے۔(۳) کفار کی مشابہت ممنوع ہے۔(۴) نصف النہار کے وقت جہنم گرم کی جاتی ہے اس لیے اس وقت نماز پڑھنا بھی ممنوع ہے۔

۱۶۴: وَالْحُكْمُ الثَّانِي عِنْدَ "اَلشَّافِعِيِّ" مِنْ حَدِيثِ أَبِي هُرَيْرَةَ رضی اللہ عنہ بِسَنَدٍ ضَعِيفٍ وَزَادَ " إِلَّا يَوْمَ الْجُمُعَةِ "

مسند الشافعى: ۶۳/۱، المطالب العالية: ۳۰۰، السنن الكبرى للبيهقى: ۴۶۴/۲

۱۶۴: امام شافعی نے حضرت ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہ سے ضعیف سند سے ایک روایت نقل کی ہے جس میں جمعہ کے دن کی استثنا ہے (یعنی جمعہ کے دن زوال نہیں ہوتا)

تشریح: مؤلف رحمہ اللہ نے امام شافعی سے مروی روایت کو ضعیف اس لیے قرار دیا ہے کہ اس روایت کا مرکزی راوی ابراہیم بن محمد

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ہے۔اسے امام مالک، امام یحییٰ بن سعید القطان اور امام یحییٰ بن معین نے جھوٹا قرار دیا ہے، اسی مضمون کی ایک روایت حضرت ابو ہریرة رضی اللہ عنہ سے بھی مروی ہے جسے مؤلف رحمۃ اللہ علیہ نے مطالب العالیه میں الحارث بغیه کے حوالے سے نقل کیا ہے۔اس روایت کا مرکزی راوی محمد بن عمر الواقدی ہے جس کی وجہ سے یہ روایت سابقہ روایت کی طرح ضعیف ترین ہے۔امام بیہقی نے بھی حضرت ابو ہریرة رضی اللہ عنہ سے یہی روایت نقل کی ہے مگر وہ روایت بھی رواۃ کے مجہول ہونے کی وجہ سے ضعیف ہے۔

۱۶۵: وَكَذَا لِأَبِي دَاوُدَ عَنْ أَبِي قَتَادَةَ رضی اللہ عنہ نَحْوُهُ .

ابوداؤد ، کتاب الصلاۃ، باب الصلاۃ یوم الجمعة قبل الزوال: ۱۰۸۳ ، التحقیق لا بن جوزی: ۶۸۵، الطبرانی: ۶۰/۲۲،

جامع التحصیل: ۱۹۸

تنبیہ: شیخ خالد بن ضیف اللہ الشلاحی نے واثلہ بن الاسقع سے مروی روایت کو ایوب بن مدرک کی وجہ سے واھی قرار دیا ہے حالانکہ اس روایت کی سند میں ایوب بن مدرک موجود ہی نہیں۔واضح رہے کہ یہ روایت بشر بن عون کی وجہ سے موضوع ہے۔

۱۶۵: اسی مضمون کی ایک روایت ابوداؤد میں حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ سے بھی منقول ہے۔

تشریح: حضرت ابو قتادہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم جمعہ کے علاوہ دیگر ایام میں نصف النہار کے وقت نماز پڑھنے کو ناپسند فرماتے تھے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا " کہ جمعہ کے روز کے علاوہ دیگر ایام میں نصف النہار کے وقت جہنم گرم کی جاتی ہے۔اس روایت پر اگرچہ مؤلف رحمۃ اللہ علیہ نے کوئی تبصرہ نہیں کیا تاہم یہ روایت بھی لیث بن ابی سلیم کی وجہ سے ضعیف ہے، جبکہ امام ابوداود نے اس روایت کو منقطع بھی قرار دیا ہے۔کیونکہ ابوالخلیل کا حضرت ابو قتادہ رضی اللہ عنہ سے سماع ثابت نہیں۔

اسی طرح کی ایک روایت، حضرت واثلہ بن الاسقع رضی اللہ عنہ سے بھی منقول ہے، وہ کہتے ہیں کہ کسی پوچھنے والے نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ کیا وجہ ہے کہ جمعہ کے روز نصف النہار کے وقت اذان دے دی جاتی ہے، حالانکہ خود آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے دیگر ایام میں اس سے منع فرمایا ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا " اللہ تعالیٰ ہر روز نصف النہار کے وقت جہنم کو گرم کرتے ہیں، لیکن جمعہ کے روز اس میں کمی کرتے ہیں۔" یہ روایت بشر بن عون کی وجہ سے موضوع کے قریب تر ہے۔امام ابن حبان فرماتے ہیں کہ بشر بن عون القرشی سے چھ سو روایات پر مبنی ایک کتاب مروی ہے وہ تمام روایات واثلہ بن الاسقع ہی سے منقول ہیں اور وہ سب من گھڑت ہیں۔

مختصر یہ ہے کہ اس سلسلے میں مروی تمام قولی احادیث ضعیف ہیں۔عملی احادیث میں صحیح سند سے ثابت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم جمعہ کا آغاز نصف النہار کے وقت ہی کر دیتے تھے۔اس پر تفصیلاً گفتگو باب الجمعه میں ہوگی۔(ان شاءاللہ)

فقہی احکام: جمعہ کے روز نصف النہار کے وقت نماز پڑھی جا سکتی ہے۔

۱۶۶: وَعَنْ جُبَيْرِ بْنِ مُطْعِمٍ رضی اللہ عنہ قَالَ، قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم "يَا بَنِي عَبْدِ مَنَافٍ ,لَا تَمْنَعُوا أَحَدًا طَافَ بِهٰذَا الْبَيْتِ وَصَلّٰى أَيَّةَ سَاعَةٍ شَاءَ مِنْ لَيْلٍ أَوْ نَهَارٍ " رَوَاهُ الْخَمْسَةُ ,وَصَحَّحَهُ التِّرْمِذِيُّ ,وَابْنُ حِبَّانَ.

ابوداود، کتاب المناسک، باب الطواف بعد العصر: ۱۸۹۴ ، الترمذی، ابواب الحج، باب ماجاء فی الصلاۃ بعد العصر و بعد المغرب لمن یطوف: ۸۷۵، النسائی: ۲۸۴/۱، ابن ماجة: ۱۲۵۴ ، البیهقی: ۴۶۲/۲، ۵۰۴/۳، مسنداحمد: ۸۰/۴، الحمیدی: ۵۶۱، الدارقطنی: ۴۲۴/۱، ۴۲۵، نصب الرایة: ۲۵۴/۱ ، ابن خزیمة: ۱۲۸۰ ، ابن حبان: ۱۵۵۲ ، المطالب العالیة: ۲۹۳

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

۱۶۶: حضرت جبیر بن مطعم ؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "اے عبد مناف کی اولاد! بیت اللہ کا طواف کرنے والے اور نماز پڑھنے والے کسی شخص کو مت منع کرو خواہ وہ شب وروز کے کسی حصہ میں پڑھ رہا ہو۔" اسے پانچوں نے بیان کیا ہے، ترمذی اور ابن حبان نے صحیح کہا ہے۔

لغوی تحقیق: عبد مناف : مناف ایک معروف بت کا نام ہے، اس بت کی خدمت وعبادت کی وجہ سے وہ عبد مناف کے نام سے معروف ہوا۔

تشریح: اس حدیث سے واضح ہوا کہ بیت اللہ کا طواف کرنا اور وہاں نماز پڑھنا کسی وقت بھی ممنوع نہیں، لیکن آیا یہ خصوصی اجازت صرف رکعات طواف کے لیے ہے، یا ہر قسم کی نفلی عبادات کے لیے ہے؟ اگر ہر قسم کی نفلی عبادات کے لیے ہے تو پھر کیا صرف اسی نفلی عبادت کے لیے ہے جو مسجد حرام میں پڑھی جاتی ہے یا پورے مکہ مکرمہ کے لیے یہی حکم ہے؟ جن حضرات کا یہ خیال ہے کہ پورے مکہ کے لیے یہی حکم ہے، ان کی دلیل حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث ہے، حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے سنا کہ فجر کی نماز کے بعد کوئی نماز نہیں تاوقتیکہ کہ سورج طلوع ہو جائے اور عصر کی نماز کے بعد بھی کوئی نماز نہیں تاوقتیکہ سورج غروب ہو جائے مگر مکہ مکرمہ اس سے مستثنیٰ ہے۔

علامہ زیلعی اس روایت پر نقد کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ امام ابن دقیق العید نے اس روایت کو چار علتوں کی وجہ سے ضعیف قرار دیا ہے۔ (۱) مجاہد اور حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کے درمیان انقطاع ہے۔ (۲) اس کی سند میں اختلاف ہے۔ (۳) عبداللہ بن مؤمل ضعیف ہے۔ (۴) حمید مولیٰ عفراء بھی ضعیف ہے۔

راقم کے نزدیک یہ روایت تین علل کی وجہ سے ضعیف ہے کیونکہ عبداللہ بن مؤمل کا متابع ابراہیم بن طهمان موجود ہے۔ جن اہل علم کا خیال ہے کہ بیت اللہ میں ہر قسم کے نوافل ممنوعہ اوقات میں درست ہیں ان کی دلیل حضرت جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ سے مروی یہی حدیث ہے اور یہ حدیث ہر قسم کے غبار سے پاک ہے۔ اور جو حضرات صرف طواف کے بعد کی دو رکعات کے قائل ہیں ان کی دلیل حضرت ابوہریرۃ رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث ہے جس میں: من طاف فليصل؛ مذکور ہے یعنی جو طواف کرے اسے نفلی نماز پڑھنے کی اجازت ہے، یہ روایت سعید بن ابی راشد کے مجہول ہونے کی وجہ سے ضعیف ہے۔ لہٰذا اس بارے میں صحیح مؤقف یہی ہے کہ مسجد حرام میں ممنوعہ اوقات میں ہر قسم کی نفلی نمازیں پڑھی جاسکتی ہیں۔ جنازہ بھی پڑھا جاسکتا ہے جیسا کہ حضرت ابوامامہ اور حضرت ابوہریرۃ رضی اللہ عنہما سے ثابت ہے۔

فقہی احکام: (۱) مسجد حرام میں نماز کے لیے کوئی ممنوعہ وقت نہیں اس لیے وہاں ہمہ وقت نمازیں پڑھی جاسکتی ہیں۔
(۲) نماز جنازہ بھی پڑھا جاسکتا ہے۔

۱۶۷: وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ رضی اللہ عنہما عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ " اَلشَّفَقُ الْحُمْرَةُ " رَوَاهُ الدَّارَقُطْنِيُّ وَصَحَّحَ ابْنُ خُزَيْمَةَ وَغَيْرُهُ وَقْفَهُ .

الدارقطنی: ۲۶۹/۱، معرفة السنن والآثار للبیهقی: ۴۰۹/۱ ، ابن خزیمة: ۱۸۳/۱

تنبیہ: (۱) مؤلف رحمہ اللہ نے اس روایت کا آغاز "ان النبی ﷺ" سے کیا ہے جبکہ مطبوعہ دارقطنی کے نسخہ میں "قال قال رسول اللہ ﷺ" ہے۔ (۲) ابن خزیمۃ سے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی حدیث مجھے نہیں ملی۔ البتہ حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما سے مروی حدیث ہے۔ (۳) شیخ صفی الرحمان مبارکپوری کی تحقیق سے شائع ہونے والے نسخہ میں صحیح ابن خزیمة ہے جبکہ دیگر مطبوعہ نسخوں میں صححه ابن خز یمة ہے۔

۱۶۷: حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی مکرم ﷺ نے فرمایا: "شفق سے مراد سرخی ہے۔" اسے دارقطنی نے بیان کیا ہے

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

اور امام ابن خزیمۃ اور دیگر نے اس روایت کے موقوف ہونے کو درست قرار دیا ہے۔

تشریح: حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے یہ روایت مرفوعا اور موقوفا ہر دو طرح سے منقول ہے امام دار قطنی ، امام بیہقی اور علامہ ابن عبدالھادی نے اگر چہ اس روایت کے موقوف ہونے کو درست قرار دیا ہے، تاہم عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما سے مروی مرفوع روایت اس کو تقویت دیتی ہے۔ اس میں حمرۃ الشفق کے الفاظ استعمال ہوئے ہیں۔ امام ابن خزیمہ اس روایت پر تبصرہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ اس روایت میں اگر " حمرۃ الشفق " لفظ کا پایا جانا درست ہے تو پھر یہ بات ثابت ہے کہ شفق سے مراد سرخی ہی ہے۔ البتہ اس لفظ کے بیان کرنے میں محمد بن یزید کا تفرد ہے اور شعبہ کے دیگر تلامذہ حمرۃ الشفق کی جگہ ثور الشفق استعال کرتے ہیں

اگر یہ تسلیم بھی کر لیا جائے کہ شفق کو حمرہ، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نہیں بلکہ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے کہا ہے تب بھی اس معنی سے مفر نہیں کیونکہ اہل لغت نے بھی شفق کا معنی حمرہ ہی کیا ہے اور آج تک کرتے چلے آرہے ہیں عربی کی جدید ترین لغت المعجم الوسیط میں ہے " الشفق حمرۃ تظھر فی الافق حیث تغرب الشمس و تستمر من الغروب الیٰ قبیل العشاء تقریباً " شفق سے مراد وہ سرخی ہے جو غروب آفتاب کے ساتھ ہی افق پر نمودار ہوتی ہے اور یہ عشاء کے قریب تک رہتی ہے۔ امام ابوحنیفہ اور امام ابن خزیمہ نے شفق کو سفیدی قرار دیا ہے۔ واضح رہے کہ سفیدی سرخی زائل ہونے کے بعد تک رہتی ہے، حضرت عبادہ بن صامت اور حضرت شداد بن اوس رضی اللہ عنہما نے سفیدی اور سرخی دونوں کو شفق قرار دیا ہے۔

فقہی احکام: صحابہ اہل لغت تھے ان کی لغوی تعبیر معتبر ہے۔

۱۶۸: وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رضی اللہ عنہما قَالَ، قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم " اَلْفَجْرُ فَجْرَانِ فَجْرٌ يُحَرِّمُ الطَّعَامَ وَتَحِلُّ فِيهِ الصَّلَاةُ , وَفَجْرٌ تَحْرُمُ فِيهِ الصَّلَاةُ أَىْ صَلَاةُ الصُّبْحِ وَيَحِلُّ فِيهِ الطَّعَامُ " رَوَاهُ اِبْنُ خُزَيْمَةَ ,وَالْحَاكِمُ ,وَصَحَّحَاهُ.

صحیح ابن خزیمۃ ،کتاب الصلاۃ، باب ذکر بیان الفجر الذی یجوز صلاۃ الصبح بعد طلوعه: ۱۸۴/۱ ، الحاکم: ۱۹۱/۱ ،

الدارقطنی: ۲۶۸/۱ ، ۲۶۹ ، البیھقی: ۲۵۲/۲

مؤلف رحمۃ اللہ علیہ نے اس روایت کا آغاز دارقطنی میں مروی روایت سے کیا ہے، جبکہ بعد والی روایت کے الفاظ ابن خزیمہ کے مطابق ہیں۔

۱۶۸: حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "فجر دو طرح کی ہے، ایک فجر وہ جس میں کھانا تناول کرنا حرام اور نماز حلال ہے، دوسری فجر وہ ہے جس میں نماز پڑھنا ممنوع اور کھانا تناول کرنا حلال ہے۔" اسے ابن خزیمۃ اور حاکم نے روایت کیا ہے اور دونوں نے اس روایت کو صحیح کہا ہے۔

تشریح: اس حدیث مبارکہ میں جس فجر کے وقت کھانا تناول فرمانا ممنوع قرار دیا گیا ہے وہ صبح صادق ہے صبح صادق کے نمودار ہونے پر فقط روزے دار کے لیے کھانا تناول فرمانا ممنوع ہے اور یہاں اس سے یہی مراد ہے۔ صبح صادق کے طلوع ہونے کے بعد فرض نماز کی ادئیگی درست ہو جاتی ہے، جس فجر میں نماز پڑھنا ممنوع قرار دیا گیا ہے اس فجر سے مراد صبح کاذب ہے اور جس نماز کو ممنوع قرار دیا گیا ہے وہ فجر کی فرض نماز ہے کیونکہ تہجد تو اس وقت پڑھنا صرف مسنون ہی نہیں بلکہ ہر مسلمان کو اس وقت تہجد پڑھنے کی رغبت دلائی گئی ہے۔ امام ابن خزیمہ اس روایت کو نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں کہ کسی بھی فرض نماز کو اس کے وقت سے پہلے پڑھنا درست نہیں امام ابن خزیمہ کے اس استدلال کو اگر عام حالت پر محمول کیا جائے تو درست ہے لیکن مخصوص حالات میں یہ استدلال درست نہیں کیونکہ حالت سفر اور بارش کے وقت جمع بین صلاتین کرتے وقت دوسری نماز کو اس کے وقت سے پہلے ادا کرنا بھی جائز ہے۔ اس روایت کو امام حاکم نے تو بلاشبہ صحیح

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

قرار دیا ہے لیکن امام ابن خزیمہ نے اس کے موقوف ہونے کا عندیہ دیا ہے۔اس روایت کو ابن جریج کے دیگر تلامذہ نے موقوف بیان کیا ہے اور سفیان ثوری سے فریابی نے بھی موقوف ہی بیان کیا ہے۔

اس روایت میں ایک علت یہ بھی ہے کہ ابواحمد محمد بن عبداللہ الزبیری اگرچہ ثقہ ہے مگر اس کی وہ روایات جو وہ ثوری سے نقل کرتا ہے ان میں اکثر غلطیاں کرتا ہے۔بعض کے نزدیک اس میں ایک تیسری علت ثوری کا عنعنہ ہے راقم کے نزدیک صحیح ابن خزیمہ کی سند میں یہ علت مؤثر نہیں کیونکہ ابن خزیمہ مدلسین کی انہیں عنعنہ پر خاموشی اختیار کرتے ہیں۔جن کے سماع سے وہ آگاہ ہوتے ہیں۔اس روایت کی وہ روایت شاہد ہے جو آئندہ مذکور ہوں گی۔

فقہی احکام: (۱) صبح صادق کے نمودار ہوتے ہی سحری کا وقت ختم ہو جاتا ہے لہٰذا اس کے بعد خورد ونوش منع ہے۔(۲) صبح صادق کے نمودار ہونے سے پہلے تہجد پڑھی جاسکتی ہے۔(۳) صبح صادق کے نمودار ہونے سے پہلے بلا عذر شرعی فجر کی نماز پڑھنا درست نہیں۔

۱۶۹: وَلِلْحَاكِمِ مِنْ حَدِيثِ جَابِرٍ ﷛ نَحْوُهُ, وَزَادَ فِي الَّذِي يُحَرِّمُ الطَّعَامَ " إِنَّهُ يَذْهَبُ مُسْتَطِيلاً فِي الْأُفُقِ " وَفِي الْآخَرِ " إِنَّهُ كَذَنَبِ السِّرْحَانِ "

الحاكم: ۱/۱۹۱، الدارقطني: ۱/۲۶۸، ۲/۱۶۵، الترمذي: ۷۰۹

۱۶۹: مستدرک حاکم میں حضرت جابر ﷛ سے مروی روایت بھی اسی کی مثل ہے،لیکن اس میں مزید یہ الفاظ بھی ہیں کہ "جس صبح میں کھانا حرام ہے وہ افق میں پھیل جاتی ہے اور (دوسری صبح کی شناخت یہ ہے) کہ وہ بھیڑیئے کی دم کی طرح ہے۔"

لغوی تحقیق: ذنب: ذال اور نون مفتوح۔ السرحان: سین مکسور اور راء ساکن یعنی بھیڑیا۔

تشریح: زیر مطالعہ حدیث میں رحمت عالم ﷺ نے صبح کاذب اور صبح صادق کے درمیان فرق کو واضح فرمایا ہے،صبح صادق کی نشانی یہ بتائی گئی ہے کہ وہ آسمان کے مشرقی کنارے پر دائیں بائیں پھیل جاتی ہے۔امام بخاری کی بیان کردہ حدیث میں ہے کہ آپ ﷺ نے باقاعدہ اپنے ہاتھوں کو دائیں بائیں پھیلا کر وضاحت فرمائی اور فرمایا جب یہ نشانی ظاہر ہو جائے تو اس وقت سحری کھانا ممنوع اور نماز فجر پڑھنا درست ہو جاتا ہے۔صبح کاذب کی علامت یہ بتائی کہ بھیڑیئے کی دم کی طرح ہوتی ہے یعنی وہ آسمان کے مشرقی کنارے پر نیچے سے اوپر کی طرف ایک ستون کی شکل میں دکھائی دیتی ہے،اس وقت سحری کھانا درست اور نماز فجر پڑھنا ممنوع ہے۔امام دارقطنی اس روایت کو کتاب الصلاۃ میں تقریباً انہیں الفاظ کے ساتھ مرسل لائے ہیں۔امام بیہقی کے نزدیک اس روایت کا مرفوع ہونا درست نہیں۔البتہ اس روایت کی تائید آثار صحابہ سے بھی ہوتی ہے۔

فقہی احکام: (۱) حرام اشیاء یا ان کے کسی ایک حصہ کے ساتھ کسی چیز کو تشبیہ دینا درست ہے۔

(۲) صبح صادق کے نمودار ہونے سے قبل فجر کی نماز پڑھنا درست نہیں۔

۱۷۰: وَعَنِ ابْنِ مَسْعُودٍ ﷛ قَالَ، قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ " أَفْضَلُ الْأَعْمَالِ الصَّلَاةُ فِي أَوَّلِ وَقْتِهَا " رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ, وَالْحَاكِمُ وَصَحَّحَاهُ وَأَصْلُهُ فِي الصَّحِيحَيْنِ.

الحاكم: ۱/۱۸۸، ابن خزيمة: ۱/۱۶۹، ابن حبان: ۴/۳۳۹، البخاري: ۲۷۸۲، النسائي: ۱/۲۹۲، الدارقطني: ۱/۲۴۶، الترمذي: ۱۷۳، التلخيص: ۱/۱۸۱، مسلم: ۸۵

تنبیہ: حافظ ابن حجر ﷫ نے حضرت عبداللہ بن مسعود ﷠ سے ان الفاظ کے ساتھ مروی روایت کو ترمذی کی طرف منسوب کیا ہے۔جبکہ حقیقت یہ ہے کہ حضرت عبداللہ بن

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

مسعود رضی اللہ عنہا سے مروی ان الفاظ کے ساتھ یہ روایت ترمذی میں نہیں ہے، ترمذی میں اُم فروہ کی روایت میں یہ الفاظ ہیں۔ معلوم ہوتا ہے کہ یہ تسامح کسی نساخ سے ہوا ہے کیونکہ مؤلف رحمۃ اللہ علیہ نے تلخیص اور فتح الباری میں اس روایت کو ترمذی کی طرف منسوب نہیں کیا۔

۱۷۰: حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہا سے مروی ہے وہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "اول وقت میں نماز پڑھنا تمام اعمال سے افضل عمل ہے۔" اسے ترمذی اور حاکم نے بیان کیا ہے اور دونوں نے صحیح کہا ہے اور اس حدیث کی اصل بخاری و مسلم میں ہے۔

تشریح: حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہا سے مروی یہ حدیث متعدد طرق سے دو طرح کے الفاظ سے مروی ہے، بعض طرق میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہا کے سوال کرنے پر فرمایا کہ تمام اعمال میں افضل عمل، نماز کو اس کے اول وقت پر پڑھنا ہے، ان الفاظ کو امام شعبہ سے علی بن حفص نے براہ راست اور حسن بن علی المعمری نے محمد بن مثنیٰ سے غندر کے واسطے سے نقل کیا ہے۔ یہی الفاظ امام شعبہ کے معاصر اور ہم جماعت مالک بن مغول نے ولید بن عیزار سے نقل کیے ہیں۔

ان الفاظ سے مروی حدیث کو امام حاکم، امام ابن خزیمہ اور امام ابن حبان نے نقل کیا ہے، جبکہ بعض طرق میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہا کے سوال کرنے پر فرمایا "نماز کو اس کے وقت پر پڑھنا ہے۔" ان الفاظ کے ساتھ اس روایت کو امام بخاری اور امام مسلم نے نقل کیا، اور بعض طرق میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ " نماز کو اس کے اوقات میں پڑھنا ہے۔" ان الفاظ کے ساتھ یہ روایت امام ابن حبان نے بیان کی ہے۔

مقدم الذکر الفاظ (الصلوة لاول وقتها) سے مروی روایت کو حضرت ام فروۃ رضی اللہ عنہا سے مروی روایت کی تائید بھی حاصل ہے، حضرت ام فروۃ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا گیا کہ تمام اعمال میں افضل عمل کونسا ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا" نماز کو اس کے اول وقت پر پڑھنا۔"

حضرت عبداللہ بن مسعود اور ام فروہ رضی اللہ عنہا سے مروی احادیث سے یہ واضح ہوا کہ نماز کو اول وقت پر پڑھنا تمام اعمال سے افضل ہے، جبکہ حضرت ماعز رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث سے یہ واضح ہو رہا ہے کہ ایمان تمام اعمال سے افضل عمل ہے، کسی روایت میں جہاد کو افضل عمل اور کسی میں صدقہ کو افضل عمل قرار دیا گیا ہے۔ ان روایات میں بظاہر تعارض نظر آرہا ہے لیکن درحقیقت ان میں کوئی تعارض نہیں۔

رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم بے مثل مردم شناس تھے، چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی بھی عمل کو افضل اس کی کمیت کی وجہ سے قرار نہیں دیا بلکہ عامل کی کیفیت کے پیش نظر عمل کو افضل قرار دیا ہے، یعنی ایک کافر کے لیے سب سے افضل عمل ایمان ہے اور ایمان لانے کے بعد سب سے افضل عمل نماز کو اول وقت پر پڑھنا ہے، اگر رزم حق و باطل ہے تو پھر جہاد افضل عمل ہے اور اگر معاشی اصلاح کی ضرورت ہے تو پھر صدقہ افضل عمل ہے، جب کہ علامہ ابن دقیق العید فرماتے ہیں کہ اعمال قلبیہ میں سے سب سے افضل عمل ایمان ہے لیکن دیگر احادیث سے ثابت ہوتا ہے کہ عشاء کی نماز کو تاخیر سے پڑھنا افضل ہے۔ ان تمام روایات کی روشنی میں یہ کہا جائے گا کہ عشاء کے علاوہ دیگر نمازوں کو اول وقت پر پڑھنا افضل عمل ہے۔

فقہی احکام: (۱) نماز کو اول وقت پر پڑھنا ایمان لانے کے بعد سب سے افضل عمل ہے۔

۱۷۱: وَعَنْ أَبِي مَحْذُورَةَ رضی اللہ عنہ أَنَّ النَّبِيَّ صلی اللہ علیہ وسلم قَالَ" أَوَّلُ الْوَقْتِ رِضْوَانُ اللَّهِ ,وَأَوْسَطُهُ رَحْمَةُ اللَّهِ; وَآخِرُهُ عَفْوُ اللَّهِ " أَخْرَجَهُ الدَّارَقُطْنِيُّ بِسَنَدٍ ضَعِيفٍ جِدًّا.

الدارقطنی: ۲۴۹/۱، ۲۵۰، البیهقی: ۴۳۵/۱، الجرح والتعدیل: ۱۵۱/۲، الکامل لابن عدی: ۲۵۶/۱، التلخیص: ۱۸۱/۱

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

تنبیہ: مؤلف رحمۃ اللہ علیہ نے دارقطنی کے حوالہ سے اس روایت کا آغاز "ان النبی ﷺ" سے کیا ہے جبکہ دارقطنی کے مطبوعہ نسخہ میں اس روایت کا آغاز "قال قال رسول اللہ ﷺ" سے ہے۔

۱۷۱: حضرت ابومحذورۃ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا: "اول وقت اللہ تعالیٰ کی خوشنودگی کے حصول کا، دوسرا اس کی رحمت اور آخری وقت اس کی معافی کا سبب ہے۔" اسے دارقطنی نے نہایت ضعیف سند سے روایت کیا ہے۔

لغوی تحقیق: رضوان: خوشنودگی، رضامندی۔ عفو: معافی، درگزر۔

تشریح: اس روایت کا مرکزی راوی ابراہیم بن زکریا ہے۔ امام ابوحاتم نے اسے مجہول اور اس کی مرویات کو منکر قرار دیا ہے۔ حافظ ابن عدی فرماتے ہیں کہ ابراہیم بن زکریا ثقہ رواۃ کی طرف باطل روایات منسوب کرتا تھا۔ حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے تلخیص میں اسے متہم بالکذب قرار دیا ہے۔ اس طرح اس کی یہ روایت موضوع کے قریب تر ہے۔

۱۷۲: وَلِلتِّرمِذِيِّ مِنْ حَدِيثِ ابْنِ عُمَرَ رضی اللہ عنہما نَحْوُهُ, دُونَ الْأَوْسَطِ, وَهُوَ ضَعِيفٌ أَيْضًا.

الترمذی، ابواب الصلاۃ، باب ماجاء فی الوقت الاول من الفضل: ۱۷۱، الکامل لابن عدی: ۲/۷۷، الدارقطنی: ۱/۲۴۹، التحقیق لابن جوزی: ۱/۲۸۷، العلل: ۱۳۰۵، الجرح و التعدیل: ۹/۲۱۶، التلخیص: ۱/۱۸۰

تنبیہ: علامہ عبدالحق اشبیلی احکام الوسطی: ۱/۲۶۶ میں اس روایت کو نقل کر کے فرماتے ہیں کہ اس روایت کو عبداللہ بن عمر العمری نے نقل کیا ہے اور وہ متکلم فیہ ہے، بلاشبہ عبداللہ بن عمر العمری متکلم فیہ لیکن اس روایت کی سند میں ایک بہت بڑی آفت یعقوب بن ولید مدنی ہے، اس کی نشاندہی نہ تو شیخ عبدالحق اشبیلی نے کی ہے اور نہ امام ابن قطان نے (بیان الوھم والا یھام: ۴/۱۹۴ میں) کی ہے۔

۱۷۲: ترمذی میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی حدیث بھی اسی طرح ہے، مگر اس میں "درمیانہ حصہ حصول رحمت کا ہے۔" مذکور نہیں اور یہ روایت بھی ضعیف ہے۔

تشریح: اس روایت کا مرکزی راوی یعقوب بن الولید ہے، امام احمد بن حنبل فرماتے ہیں کہ اس کا شمار نامور خودساختہ روایات بنانے والوں میں ہوتا ہے، امام ابن حبان فرماتے ہیں کہ یہ خود روایات تیار کرتا، پھر انہیں ثقہ رواۃ کی طرف منسوب کر دیتا تھا۔ نیز اس روایت کا ایک راوی عبداللہ بن عمر بن حفص العمری بھی ضعیف ہے۔ اسی طرح کی ایک روایت جریر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے مرفوعا مروی ہے وہ روایت بھی حسین بن حمید اور عبید بن قاسم کے کذاب ہونے کی وجہ سے موضوع ہے۔ اس طرح کی ایک روایت حضرت انس رضی اللہ عنہ سے بھی منقول ہے لیکن وہ روایت عبداللہ مولیٰ عثمان اور عبدالعزیز کے مجہول ہونے کی وجہ سے ضعیف ہے۔

۱۷۳: وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ رضی اللہ عنہما أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ قَالَ " لَا صَلَاةَ بَعْدَ الْفَجْرِ إِلَّا سَجْدَتَيْنِ " أَخْرَجَهُ الْخَمْسَةُ, إِلَّا النَّسَائِيُّ وَفِي رِوَايَةِ عَبْدِ الرَّزَّاقِ " لَا صَلَاةَ بَعْدَ طُلُوعِ الْفَجْرِ إِلَّا رَكْعَتَيِ الْفَجْرِ "

الترمذی، ابواب الصلاۃ، باب ماجاء صلوۃ بعد طلوع الفجر الارکعتین: ۴۲۰، ابوداود: ۱۲۷۶، ابن ماجۃ: ۲۳۵، مسنداحمد: ۲/۲۳، الدارقطنی: ۱/۴۱۹، البیہقی: ۲/۴۶۵، مصنف عبد الرزاق: ۴۷۶۰، المعجم الاوسط للطبرانی: ۱۸۳، ۷۱۸۵

۱۷۳: حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "فجر کے بعد دو رکعات کے علاوہ کوئی نماز نہیں۔" اسے نسائی کے علاوہ پانچوں نے نقل کیا ہے اور مصنف عبدالرزاق میں ہے کہ "طلوع فجر کے بعد دوسنتوں کے علاوہ اور کوئی نماز نہیں۔"

لغوی تحقیق: سجدتین: یہ بمعنی رکعتیں ہے جیسا کہ مصنف عبدالرزاق کی روایت میں صراحتاً مذکور ہے۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

تشریح: یہ روایت حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے متعدد طرق سے مروی ہے، ان میں سے بعض طرق متکلم فیہ بھی ہیں۔ امام ترمذی نے اس روایت کو بیان کرنے کے بعد لکھا ہے کہ اس بات پر تمام اہل علم کا اجماع ہے کہ طلوع فجر کے بعد نفلی نماز صرف دو رکعات ہیں اور اس روایت میں مذکور سجدتین سے مراد فجر کی دو سنتیں ہیں، تفصیلی بحث کے لیے محدث العصر علامہ شمس الحق عظیم آبادی کی کتاب " اعلام اہل العصر فی احکام رکعتی الفجر کا مطالعہ کریں۔

فقہی احکام: فجر کی نماز سے پہلے اگر کوئی شخص دو سنتیں نہ پڑھ سکا ہو تو وہ فرض نماز پڑھنے کے فوراً بعد پڑھ سکتا ہے۔

۱۷۴: **وَمِثْلُهُ لِلدَّارَقُطْنِيّ عَنِ ابْنِ عَمْرِو بْنِ الْعَاصِ** رضی اللہ عنہما

الدارقطنی: ۱/ ۴۱۹، البیهقی: ۲/ ۴۶۵، ۴۶۶، المعجم الاوسط: ۱۵۴۴

۱۷۴: دار قطنی میں حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہما سے بھی اس طرح کی ایک روایت مروی ہے۔

تشریح: یہ روایت عبدالرحمٰن بن زیاد افریقی کی وجہ سے ضعیف ہے، اس کی مؤید ایک روایت حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے بھی منقول ہے مگر وہ روایت بھی احمد بن عبدالصمد اور اسماعیل بن قیس کی وجہ سے ضعیف ہے، اس کی مؤید ایک مرسل روایت حضرت سعید بن مسیّب سے بھی منقول ہے، یہ روایت سند کے اعتبار سے صحیح ہے۔

فقہی احکام: فجر کی دو سنتیں فجر کے دو فرضوں کے فوراً بعد پڑھی جا سکتی ہیں۔

۱۷۵: **وَعَنْ أُمِّ سَلَمَةَ** رضی اللہ عنہا **قَالَتْ صَلَّى رَسُولُ اللَّهِ** صلی اللہ علیہ وسلم **الْعَصْرَ, ثُمَّ دَخَلَ بَيْتِي, فَصَلَّى رَكْعَتَيْنِ, فَسَأَلْتُهُ, فَقَالَ "شُغِلْتُ عَنْ رَكْعَتَيْنِ بَعْدَ الظُّهْرِ, فَصَلَّيْتُهُمَا الْآنَ" قُلْتُ أَفَنَقْضِيهِمَا إِذَا فَاتَتْنَا؟ قَالَ "لَا" أَخْرَجَهُ أَحْمَدُ.**

مسند احمد: ۶/ ۳۰۶، ۳۱۱، ۳۱۵، ابن حبان: ۴/ ۴۴۱، الطبرانی: ۲۳/ ۲۷۳، البخاری: ۱۲۳۳، مسلم: ۱/ ۵۷۱، النسائی: ۱/ ۲۸۱، ۲۸۲، الاحکام الوسطی: ۱/ ۲۶۲، مسلم: ۲۹۷۔ ۱/ ۳۰۱/ ۸۳۴۔ ۸۳۵

۱۷۵: اُم سلمہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عصر کی نماز پڑھی پھر میرے حجرے میں تشریف لائے اور دو رکعات نماز پڑھی، میں نے عرض کیا، یہ کونسی نماز ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "میں ظہر کے فرضوں کے بعد کی دو رکعات نہیں پڑھ سکا تھا اور وہ میں نے ابھی پڑھی ہیں۔" انہوں نے عرض کیا: جب یہ دونوں رکعات مجھ سے رہ جائیں تو کیا میں بھی پڑھ لیا کروں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "نہیں۔" اسے احمد نے روایت کیا ہے۔

لغوی تحقیق: شغلت: شین مضموم، غین مکسور یعنی میں مشغول کر دیا گیا۔

تشریح: رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں قبیلہ عبدالقیس حاضر ہوا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم ظہر کے فرائض کے بعد ان سے گفتگو کرنے لگے، گفتگو کا یہ سلسلہ عصر کی جماعت تک چلا، اس طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم ظہر کے فرائض کے بعد کی دو رکعات نہ پڑھ سکے، اور وہ دو رکعات آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز عصر کے بعد، حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے حجرہ میں آ کر ادا فرمائیں، اس حدیث سے یہ معلوم ہوا کہ عصر کی نماز کے بعد اگرچہ عام نفلی نماز کی اجازت نہیں تاہم ایسی نفلی نماز کی قضا دی جا سکتی ہے جو رہ گئی ہو لیکن اس روایت کے آخر کے الفاظ ظاہر کر رہے ہیں کہ امت کے افراد کو ایسا کرنے کی اجازت نہیں، اسی بنا پر امام طحاوی حنفی کا کہنا ہے کہ یہ فقط رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے روا تھا، کیونکہ یہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا خاصہ تھا۔ امام طحاوی کی یہ بات تب درست ہوتی اگر آخری جملہ محفوظ ہوتا، ماہرین فن رجال و علل کے نزدیک یہ جملہ محفوظ نہیں۔ کیونکہ زیر مطالعہ الفاظ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے حضرت ذکوان نقل کرتے ہیں، ان کا حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے سماع ثابت نہیں لہٰذا یہ روایت

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

منقطع ہے امام احمد نے عبداللہ بن عتبہ اور عبداللہ بن حارث کے واسطے سے حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے جو حدیث نقل کی ہے، اس میں آخری الفاظ نہیں ہیں۔ امام ابن حبان اور امام طبرانی نے بھی یہ روایت ان الفاظ کی زیادتی کے بغیر نقل کی ہے، امام بخاری اور امام مسلم نے کریب عن ام سلمہ کے طریق سے یہ روایت نقل کی ہے، اس میں بھی یہ آخری الفاظ نہیں ہیں۔

فقہی احکام: عصر کی نماز کے بعد عام نفلی نماز درست نہیں البتہ نفلوں کی قضا دی جاسکتی ہے۔

۱۷۶: وَلِأَبِي دَاوُدَ عَنْ عَائِشَةَ رضی اللہ عنہا بِمَعْنَاهُ.

ابوداود، کتاب الصلاۃ، باب من رخص فیھما اذا کانت الشمس مرتفعۃ: ۱۲۸۰، البخاری: ۵۹۱، مسلم: ۱/ ۵۷۲ (۸۳۵)

۱۷۶: ابوداؤد میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے اسی کے ہم معنی روایت مذکور ہے۔

تشریح: اس روایت کے اگرچہ تمام رواۃ ثقہ ہیں تاہم یہ روایت محمد بن اسحاق کی عنعنہ کی وجہ سے ضعیف ہے جبکہ صحیحین میں یہ روایت ممانعت کے ذکر کے بغیر مذکور ہے۔

۲: بَابُ الْاَذَانِ　　　　اذان کا بیان

۱۷۷: عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ زَيْدِ بْنِ عَبْدِ رَبِّهِ رضی اللہ عنہ قَالَ طَافَ بِي وَأَنَا نَائِمٌ رَجُلٌ فَقَالَ تَقُولُ "اَللَّهُ أَكْبَرَ اللَّهُ أَكْبَرُ, فَذَكَرَ الْأَذَانَ بِتَرْبِيعِ التَّكْبِيرِ بِغَيْرِ تَرْجِيعٍ, وَالْإِقَامَةَ فُرَادَى, إِلَّا قَدْ قَامَتِ الصَّلَاةُ، قَالَ فَلَمَّا أَصْبَحْتُ أَتَيْتُ رَسُولَ اللَّهِ صلی اللہ علیہ وسلم فَقَالَ "إِنَّهَا لَرُؤْيَا حَقٌّ"... اَلْحَدِيثَ أَخْرَجَهُ أَحْمَدُ, وَأَبُو دَاوُدَ, وَصَحَّحَهُ التِّرْمِذِيُّ, وَابْنُ خُزَيْمَةَ.

ابوداود، کتاب الصلاۃ، باب کیف الآذان: ۴۹۹، مسند احمد: ۴/ ۴۳، الترمذی: ۱۸۹، ابن خزیمۃ: ۱/ ۱۹۷، الدارقطنی: ۱/ ۲۴۱، عبد الرزاق: ۱/ ۴۵۷، البخاری: ۶۰۳

۱۷۷: حضرت عبداللہ بن زید بن عبدربہ رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں، مجھے خواب میں ایک شخص ملا، اس نے مجھے کہا: تم کہو کہ اللہ بہت بڑا ہے، اللہ بہت بڑا ہے، پھر اس نے چار مرتبہ اللہ اکبر کہنے کے ساتھ ساتھ ساری اذان بغیر ترجیع کے کہی، اور اقامت کے کلمات ماسواقد قامت الصلوۃ کے ایک ایک بار کہے، میں جب صبح کے وقت بیدار ہوا تو رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "یقیناً یہ خواب سچا ہے۔" اختصاراً، اس حدیث کو امام احمد اور امام ابوداؤد نے روایت کیا ہے، امام ترمذی اور امام ابن خزیمہ نے صحیح کہا ہے۔

لغوی تحقیق: اذان: اس کے لغوی معنی اعلان کرنے کے ہیں۔ شرعی اصطلاح میں لوگوں کو نماز کیلئے بلانے کیلئے مخصوص کلمات کا مخصوص اوقات میں با آواز بلند کہنا اذان کہلاتا ہے۔ بتربیع التکبیر: اللہ اکبر چار بار کہنا۔ بغیر ترجیع: شہادتین کو دوبارہ کہنے کے بعد دوبارہ نہ لوٹانا۔ فرادی: ایک ایک بار۔ رؤیا: خواب۔

تشریح: اذان کا آغاز ہجرت کے پہلے سال مدینہ منورہ میں ہوا، اس کا شمار شعائر اسلام میں ہوتا ہے، زیر مطالعہ حدیث میں اس اذان کا تذکرہ ہے جو حضرت عبداللہ بن زید رضی اللہ عنہما نے خواب میں ایک شخص کی زبانی سنی تھی، اس اذان میں اللہ کی بڑائی و کبریائی کا اعلان چار بار، اس کی الوہیت کا اقرار دو بار، دو بار رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کا اقرار، دو بار نماز کیلئے حاضر ہونے کی دعوت اور دو بار فوز فلاح کی ضمانت، آخر میں پھر دو بار اللہ کی کبریائی اور ایک بار اس کی الوہیت کا اعلان ہے۔ حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو اسی اذان کے الفاظ سکھائے گئے تھے۔ یہ روایت عبداللہ بن زید سے مختلف طرق سے منقول ہے، ان میں سے سب سے صحیح طریق یہی ہے، امام ابن خزیمہ فرماتے ہیں کہ محمد

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

بن اسحاق نے محمد بن ابراہیم تیمی سے سماع کی صراحت کی ہے لہٰذا یہ روایت تدلیس سے پاک ہے، یہ روایت حضرت عبداللہ بن زید رضی اللہ عنہما کے علاوہ حضرت عبداللہ بن عمر، حضرت انس رضی اللہ عنہما سے بھی منقول ہے۔

فقہی احکام: (۱) غیر نبی کا خواب بھی سچا ہوسکتا ہے۔(۲) غیر نبی کے خواب سے اس وقت تک کوئی شرعی مسئلہ ثابت نہیں ہوتا جب تک نبی اس خواب کی تصدیق نہ فرمادیں۔(۳) اذان بغیر ترجیع کے کہنا بھی درست ہے۔(۴) قد قامت الصلاۃ کے علاوہ دیگر تمام کلمات تکبیر ایک ایک بار کہنے چاہئیں۔

۱۷۸: وَزَادَ أَحْمَدُ فِي آخِرِهِ قِصَّةَ قَوْلِ بِلَالٍ فِي آذَانِ الْفَجْرِ، اَلصَّلَاةُ خَيْرٌ مِنَ النَّوْمِ .

مسند احمد: ۴/۴۲، ۴۳

۱۷۸: امام احمد نے اس حدیث کے آخر میں حضرت بلال رضی اللہ عنہ کا فجر کی اذان میں "الصلاة خير من النوم" کہنے کا واقعہ بھی بیان کیا ہے

تشریح: حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو اذان کیلئے مامور کیا گیا تھا، حضرت بلال رضی اللہ عنہ اذان دینے کے بعد آپ ﷺ کو بلانے کیلئے حاضر ہوتے، ایک دن وہ فجر کی اذان کے بعد آپ ﷺ کو بلانے کیلئے گئے تو انہیں بتایا گیا کہ رسول اللہ ﷺ سورہے ہیں، چنانچہ حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے اس مقام پر بلند آواز سے؛الصلوة خير من النوم؛ کہا۔سعید بن مسیّب کہتے ہیں، اس کے بعد اس کلمہ کو فجر کی اذان میں شامل کردیا گیا۔اس روایت کے ضعیف ہونے کی دو علتیں ہیں۔(۱) محمد بن اسحاق نے یہ روایت عن سے نقل کی ہے اور سماع کی صراحت نہیں کی۔محمد بن اسحاق چونکہ معروف مدلس ہے اس لیے اس کی عنعنہ ضعیف ہے۔(۲) سعید بن مسیّب اور حضرت بلال رضی اللہ عنہ کے درمیان انقطاع ہے۔

۱۷۹:وَلِابْنِ خُزَيْمَةَ عَنْ أَنَسٍ رضی اللہ عنہ قَالَ ، مِنَ السُّنَّةِ إِذَا قَالَ الْمُؤَذِّنُ فِي الْفَجْرِ حَيَّ عَلَى الْفَلَاحِ قَالَ الصَّلَاةُ خَيْرٌ مِنَ النَّوْمِ

صحيح ابن خزيمة ،كتاب الصلاة، باب التثويب فى اذان اصبح: ۳۸۶، الدارقطني: ۱/۲۴۳، ابوداود: ۵۰۰، البيهقي: ۱/۴۲۳، المعجم الاوسط للطبراني: ۴۱۷۰، ۷۵۷۹، الترمذي: ۱۹۸، مجمع الزوائد: ۱/۳۳۰، ابن ماجة: ۷۰۷، عبد الرزاق: ۱/۴۷۲

۱۷۹: صحیح ابن خزیمہ میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے وہ کہتے ہیں کہ جب مؤذن فجر کی اذان میں حي على الصلاة کہہ لے تو اس کے لیے الصلاة خير من النوم کہنا سنت ہے۔"

تشریح: صحابی جب کسی مقام پر لفظ سنت استعمال کرتا ہے تو اس سے مراد رحمت عالم ﷺ کا طریقہ ہی مراد ہوتا ہے، یعنی صبح کی اذان میں حي على الفلاح کے بعد الصلاة خير من النوم کہنے کی تعلیم رسول اللہ ﷺ نے فرمائی ہے، اس حقیقت کا اظہار حضرت ابومحذورہ، حضرت عائشہ، حضرت بلال اور حضرت ابوہریرہ اور حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہم سے مروی احادیث سے بھی ہوتا ہے۔

حضرت ابومحذورہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ مجھے رسول اللہ ﷺ نے اذان سکھائی اور فرمایا: "اگر آپ صبح کی اذان دیں تو اس میں ؛حي على الفلاح ؛ کے بعد دومرتبہ الصلاة خير من النوم بھی کہیں۔" یہ روایت حارث بن عبید کے مضطرب الحدیث ہونے، حضرت ابومحذورہ رضی اللہ عنہ کے بیٹے اور پوتے کے مجہول ہونے کی وجہ سے ضعیف ہے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی حدیث کے آخر میں ہے کہ حضرت بلال رضی اللہ عنہ صبح کی اذان دینے کیلئے آئے تو انہوں نے آپ ﷺ کو سویا ہوا دیکھ کر الصلاة خير من النوم کہا ، اس کے بعد یہ کلمہ صبح کی اذان میں جاری ہوگیا۔یہ روایت صالح بن ابی الاخضر کی وجہ سے ضعیف ہے۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

حضرت بلال رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے حکم دیا کہ میں صبح کی اذان میں الصلاۃ خیر من النوم بھی کہوں۔ یہ روایت ابواسرائیل کی وجہ سے ضعیف ہے نیز یہ منقطع بھی ہے۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث میں ہے کہ حضرت بلال رضی اللہ عنہ صبح کی اذان کیلئے حاضر ہوئے تو انہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو سوئے ہوئے دیکھ کر بلند آواز سے؛ الصلاۃ خیر من النوم ؛ کہا۔آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے نہ صرف اس پر کسی قسم کی ناپسندیدگی کا اظہار فرمایا بلکہ اسے صبح کی اذان میں داخل کر دیا۔علامہ ہیثمی نے اس روایت کو معلول قرار دیا ہے۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی حدیث میں بھی اس طرح کا واقعہ منقول ہے مگر یہ روایت بھی محمد بن خالد واسطی کی وجہ سے ضعیف ہے لیکن ان سے مروی موقوف روایت صحیح سند سے مروی ہے،اسی طرح حضرت سعید بن مسیّب سے مروی مرسل روایت بھی صحیح سند سے مروی ہے۔

فقہی احکام: فجر کی اذان میں؛الصلاۃ خیر من النوم؛ کہنا سنت ہے۔

۱۸۰: عَنْ أَبِي مَحْذُورَةَ رضی اللہ عنہ أَنَّ النَّبِيَّ صلی اللہ علیہ وسلم عَلَّمَهُ الْأَذَانَ ,فَذَكَرَ فِيهِ التَّرْجِيعَ أَخْرَجَهُ مُسْلِمٌ . وَلَكِنْ ذَكَرَ التَّكْبِيرَ فِي أَوَّلِهِ مَرَّتَيْنِ فَقَطْ وَرَوَاهُ الْخَمْسَةُ فَذَكَرُوهُ مُرَبَّعًا.

مسلم،کتاب الصلاۃ، باب صفۃ الآذان: ۳۷۹، ابوداود: ۵۰۲، الترمذی: ۱۹۲ ، ابن ماجۃ: ۷۰۹، النسائی: ۴/۲،

احمد: ۴۰۱/۶ ، فتح العلام: ۱۲۳/۱

۱۸۰: ابومحذورۃ رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث میں ہے کہ نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں اذان سکھائی،اس میں انہوں نے ترجیع کا ذکر بھی کیا ہے۔ اسے مسلم نے بیان کیا ہے،لیکن اس میں انہوں نے اذان کے شروع میں اللہ اکبر صرف دوبار کہنے کا ذکر ہے،اس روایت کو پانچوں نے بھی روایت کیا ہے اورانہوں نے اللہ اکبر چار مرتبہ کہنے کا ذکر کیا ہے۔

لغوی تحقیق: ترجیع: شہادتین کو پہلے دودوبار پست آواز سے کہنا پھر دودوبار بلند آواز سے کہنا۔ التکبیر: اللہ اکبر۔

تشریح: اس حدیث سے یہ ثابت ہوا کہ اذان ترجیع سے کہنا بھی درست ہے،بعض احباب کا کہنا ہے کہ ترجیع بوجہ تعلیم تھا،اس لیے اب یہ درست نہیں،احباب کا یہ قول بلادلیل ہے،کیونکہ مکہ مکرمہ میں یہ عمل نہ صرف حضرت ابومحذورہ رضی اللہ عنہ بار بار دہراتے رہے بلکہ ان کے بعد آنے والے مؤذن بھی مکہ مکرمہ میں اذان ترجیع ہی سے کہتے رہے۔مسلم کے معروف نسخہ میں ابومحذورہ رضی اللہ عنہ کی بیان کردہ اذان کے آغاز میں اللہ اکبر دوبار کہنے کا ذکر ہے لیکن ایک نسخہ میں چار بار کہنا بھی مذکور ہے۔امام ابن تیمیہ نے المنتقی میں مسلم کے جس نسخہ سے اذان نقل کی ہے اس میں اللہ اکبر چار بار کہنا ہی مذکور ہے،اور چار بار کہنا ہی درست ہے، کیونکہ حضرت ابومحذورہ رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث جسے امام احمد،امام ابوداؤد،امام ترمذی،امام نسائی اورامام ابن ماجہ نے نقل کیا ہے،اس میں بھی اللہ اکبر چار بار کہنا ہی مذکور ہے،اسی طرح حضرت عبداللہ بن زید رضی اللہ عنہما سے مروی حدیث میں بھی اللہ اکبر چار بار کہنا مذکور ہے۔

فقہی احکام: (۱) کسی بھی اذان میں شہادتین دودوبار بھی کہے جاسکتے ہیں اور چار چار بار بھی۔(۲) اذان اگر ترجیع کے ساتھ ہو تو اقامت دوہری ہی کہنی ہے (۳) اذان دینے کیلئے ایسے شخص کو مقرر کیا جائے جو خوش الحان اور بلند آواز ہو۔

۱۸۱: وَعَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ رضی اللہ عنہ قَالَ أُمِرَ بِلَالٌ أَنْ يَشْفَعَ الْأَذَانَ وَيُوتِرَ الْإِقَامَةَ ,إِلَّا الْإِقَامَةَ ,يَعْنِي قَوْلَهُ قَدْ قَامَتِ الصَّلَاةُ . مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ ,وَلَمْ يَذْكُرْ مُسْلِمٌ الِاسْتِثْنَاءَ وَلِلنَّسَائِيِّ ،أَمَرَ النَّبِيُّ صلی اللہ علیہ وسلم بِلَالاً.

” محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ “

www.KitaboSunnat.com

البخاری، کتاب الآذان، باب الآذان مثنیٰ مثنیٰ: ٦٠٥ ، مسلم، کتاب الصلاۃ، باب الامر بشفع الآذان و ایتار الاقامۃ: ٣٧٨،

النسائی: ٣/٢، ابوداود: ٥٠٨ ، الدارقطنی: ١/٢٤٠، ابن خزیمۃ: ١/١٩٠

١٨١: حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ کہتے ہیں کہ حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو حکم دیا گیا کہ وہ اذان کے کلمات دو دو بار اور تکبیر **قد قامت الصلاۃ** کے علاوہ ایک ایک بار کہے۔ متفق علیہ، مسلم میں **قد قامت الصلاۃ** کا استثنا بھی نہیں ہے، اور نسائی میں ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو حکم دیا۔

لغوی تحقیق: امر: ہمزہ مضموم اور میم مکسور، حکم دیا گیا۔ یشفع: یاء مفتوح۔

تشریح: حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے حدیث کے مختلف طرق کو واضح کر کے یہ ثابت کیا ہے کہ اذان کے کلمات دو دو بار اور کلمات تکبیر کو ایک ایک بار کہنا سنت ہے، کیونکہ حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہی تعلیم فرمائی تھی۔ البتہ؛ **قد قامت الصلاۃ**؛ کے بارے میں صحیح مسلم میں دو طرح کی روایات ہیں۔ ایک میں ہے کہ؛ **قد قامت الصلاۃ**؛ کے علاوہ باقی اقامت اکہری کہی جائے اور ایک میں؛ **قد قامت الصلاۃ**؛ کی استثناء بھی موجود نہیں، اسی بنا پر بعض کا خیال ہے کہ پوری اقامت اکہری کہی جائے، جبکہ جمہور اہل علم کا مؤقف یہ ہے کہ؛ **قد قامت الصلاۃ**؛ کے علاوہ باقی اقامت اکہری کہی جائے۔ یہی درست ہے، کیونکہ ایسا کرنا نہ صرف حدیث انس سے ثابت ہے، بلکہ حدیث ابن عمر، حدیث عبداللہ بن زید اور حدیث سلمہ بن اکوع سے بھی ثابت ہے۔

فقہی احکام: قدقامت الصلاۃ کے علاوہ تکبیر کے دیگر کلمات ایک ایک بار کہنا سنت ہے۔

١٨٢: وَعَنْ أَبِي جُحَيْفَةَ رضی اللہ عنہ قَالَ رَأَيْتُ بِلَالاً يُؤَذِّنُ وَأَتَتَبَّعُ فَاهُ ,هَاهُنَا وَهَاهُنَا ,وَإِصْبَعَاهُ فِي أُذُنَيْهِ رَوَاهُ أَحْمَدُ , وَالتِّرْمِذِيُّ وَصَحَّحَهُ وَلِابْنِ مَاجَهْ ، وَجَعَلَ إِصْبَعَيْهِ فِي أُذُنَيْهِ وَلِأَبِي دَاوُدَ ، لَوَى عُنُقَهُ ,لَمَّا بَلَغَ "حَيَّ عَلَى اَلصَّلَاةِ" يَمِيناً وَشِمَالاً وَلَمْ يَسْتَدِرْ وَأَصْلُهُ فِي اَلصَّحِيحَيْنِ.

احمد: ٤/٣٠٨، الترمذی، ابواب الصلاۃ، باب ماجاء فی ادخال الاصبع فی الآذان عند الآذان: ١٩٧، ابن ماجۃ: ٧١٠، ٧١١،

البخاری: ٦٣٤، مسلم: ٥٠٣ ، ابوداود: ٥٢٠، البیھقی: ١/٣٩٦

١٨٢: حضرت ابو جحیفہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے بلال رضی اللہ عنہ کو اذان دیتے ہوئے دیکھا وہ منہ ادھر اُدھر پھیرتے تھے اور ان کی دونوں انگلیاں ان کے دونوں کانوں میں تھیں، اسے احمد اور ترمذی نے بیان کیا ہے اور ترمذی نے صحیح کہا ہے جبکہ ابن ماجہ میں ہے کہ انہوں نے اپنی دونوں انگلیاں اپنے دونوں کانوں میں ڈال رکھی تھیں، اور ابوداود میں ہے کہ جب وہ **حی علی الصلاۃ** پر پہنچے تو انہوں نے اپنی گردن کو دائیں، بائیں پھیرا، لیکن خود نہیں گھومتے تھے۔ اس حدیث کی اصل بخاری و مسلم میں ہے۔

لغوی تحقیق: اتتبع: ہمزہ اور تا ئین مفتوح اور باء مشدد مفتوح، میں بغور ملاحظہ کر رہا تھا۔ فاہ : اس کی اصل فوہ ہے، تخفیف کے پیش نظر واؤ اور ہاء کو حذف کر کے اس کی جگہ میم لائی گئی اور یہاں اضافت کی وجہ سے میم ساقط ہو گئی، اور یہ اسمائے ستہ مکبرہ میں سے ہے، یعنی اس کا منہ۔ ھھنا: ادھر یعنی دائیں طرف۔ ھھنا: اُدھر، بائیں طرف۔ عنق: عین اور قاف مضموم، گردن۔

تشریح: مؤلف رحمہ اللہ نے حضرت ابو جحیفہ رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث کے مختلف طرق نقل کر کے آداب اذان واضح کیے ہیں۔ اذان دیتے وقت ایک انگلی ایک کان میں ہونی چاہیے۔ لیکن حدیث میں یہ صراحت نہیں ہے کہ وہ انگلی کونسی تھی۔ امام نووی نے اس انگلی سے مراد انگشت شہادت مراد لی ہے۔ فطرت بھی اسی کی مؤید ہے؛ **حی علی الصلاۃ**؛ اور؛ **حی علی الفلاح**؛ کے وقت چہرا دائیں بائیں پھیرا

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

جائے تا کہ دائیں بائیں طرف رہنے والے افراد تک بھی نماز کی منادی پہنچ سکے۔

حضرت عبداللہ بن زید رضی اللہ عنہما سے مروی ایک طریق میں ہے کہ میں نہ پوری طرح بیدار تھا اور نہ نیند میں تھا، اس دوران میں نے ایک شخص کو مسجد کے صحن میں کھڑے ہو کر اذان دیتے دیکھا درآنحالیکہ اس کی انگلیاں اس کے کانوں میں تھیں۔ یہ روایت یزید بن ابی زیاد کی وجہ سے ضعیف ہے۔ حضرت بلال رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "اے بلال! اذان دیتے وقت اپنی انگلیاں کانوں میں رکھنا، اس طرح تیری آواز مزید بلند ہو جائے گی۔" یہ روایت عبدالرحمٰن بن سعد کی وجہ سے ضعیف ہے۔ بیہقی میں حضرت معاذ رضی اللہ عنہ سے مروی روایت میں ہے کہ حضرت عبداللہ بن زید رضی اللہ عنہما نے بیان کیا کہ انہوں نے ایک شخص کو دیکھا جس نے سبز رنگ کی دو چادریں پہن رکھی تھیں، اس نے قبلہ رخ کھڑے ہو کر پوری اذان کہی۔ یہ روایت منقطع ہے۔ یہ روایات اگرچہ ضعیف ہیں مگر شواہدات اس کے مؤید ہیں، یعنی یہ حقیقت ہے کہ کانوں میں انگلیاں رکھ کر اذان دینے سے آواز بلند ہو جاتی ہے، بہرہ اور دور سے مشاہدہ کرنے والا انسان سمجھ جاتا ہے کہ یہ شخص لوگوں کو نماز کیلئے بلا رہا ہے۔

فقہی احکام: (۱) اذان قبلہ رخ کھڑے ہو کر کانوں میں انگلیاں رکھ کر کہی جائے۔

(۲) ؛حی علی الصلاۃ؛ اور حی علی الفلاح؛ کے وقت چہرہ دائیں اور بائیں پھیرا جائے۔

۱۸۳: وَعَنْ أَبِي مَحْذُورَةَ رضی اللہ عنہ أَنَّ النَّبِيَّ صلی اللہ علیہ وسلم أَعْجَبَهُ صَوْتُهُ ,فَعَلَّمَهُ الْآذَانَ . رَوَاهُ ابْنُ خُزَيْمَةَ.

صحیح ابن خزیمة ،کتاب الصلاة، باب ترجیع فی الآذان مع تثنیة الاقامة: ۳۷۷، الدارمی: ۱/۲۱۷

۱۸۳: ابو محذورہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کی آواز پسند آئی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں خود اذان کی تعلیم فرمائی۔ اسے ابن خزیمہ نے بیان کیا ہے۔

تشریح: اس مفصل حدیث کا خلاصہ اس طرح ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم فتح مکہ کے بعد حنین کی طرف تشریف لے جا رہے تھے، اسی دوران ابو محذورہ رضی اللہ عنہ اور ان کے ساتھیوں نے اذان کی آواز سنی، اور اسی انداز سے بلند آواز سے نقل اتارنے لگے، ان میں سے ایک کی آواز آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو بہت پسند آئی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان بیس افراد کو طلب فرمایا اور ان سے اذان سنی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو حضرت ابو محذورہ رضی اللہ عنہ کا انداز پسند آیا، اس بنا پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں اذان سکھائی اور مسجد حرام کا مؤذن مقرر فرمایا۔ اس روایت کے جملہ رواۃ ماسوا عامر الاحول کے، تمام کے ماہرین فن کے نزدیک ثقہ ہیں، عامر کے بارے میں ماہرین فن مختلف آراء رکھتے ہیں۔

۱۸۴۔۱۸۵: وَعَنْ جَابِرِ بْنِ سَمُرَةَ رضی اللہ عنہ قَالَ صَلَّيْتُ مَعَ النَّبِيِّ صلی اللہ علیہ وسلم الْعِيدَيْنِ ,غَيْرَ مَرَّةٍ وَلَا مَرَّتَيْنِ ,بِغَيْرِ أَذَانٍ وَلَا إِقَامَةٍ . رَوَاهُ مُسْلِمٌ وَنَحْوُهُ فِي الْمُتَّفَقِ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رضی اللہ عنہما ,وَغَيْرُهُ .

صحیح مسلم، کتاب صلاۃ العیدین: ۸۸۶، ۸۸۷، ابو داود: ۱۱۴۶۔۱۱۴۸، الترمذی: ۵۳۲، البخاری: ۹۵۹، ۹۶۰،

البزار: ۶۵۷

۱۸۴۔۱۸۵: حضرت جابر بن سمرۃ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی معیت میں متعدد بار عیدین کی نماز بغیر اذان اور اقامت کے پڑھی۔ (مسلم) بخاری اور مسلم میں اسی کی مثل حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما وغیرہ سے بھی مروی ہے۔

تشریح: اس حدیث سے یہ واضح ہوا کہ عیدین کی نماز باجماعت ادا کی جائے لیکن لوگوں کو جمع کرنے کیلئے اذان اور اقامت کا اہتمام نہ کیا جائے۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

فقہی احکام: (۱) عیدین کی نماز باجماعت ادا کرنی چاہیے۔ (۲) اذان اور اقامت کا اہتمام نہیں کرنا چاہیے۔

۱۸۶: وَعَنْ أَبِی قَتَادَةَ فِی الْحَدِیثِ الطَّوِیلِ فِی نَوْمِهِمْ عَنِ الصَّلَاةِ ثُمَّ أَذَّنَ بِلَالٌ ,فَصَلَّى رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ كَمَا كَانَ يَصْنَعُ كُلَّ يَوْمٍ . رَوَاهُ مُسْلِمٌ .

مسلم، کتاب المساجد و مواضع الصلاۃ، باب قضاء الصلاۃ الفائتۃ: ۶۸۱، ابو داود: ۴۳۷، ابن ماجة: ۶۹۸

۱۸۶: حضرت ابوقتادہ رضی اللہ عنہ سے ایک طویل حدیث مروی ہے جس میں لشکر اسلام کے نیند سے اٹھنے کا ذکر ہے (جب وہ نیند سے بیدار ہوئے تو) حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے اذان دی اور آپ ﷺ نے اسی طرح نماز پڑھی جس طرح آپ ﷺ ہر روز پڑھتے تھے۔ (مسلم)

تشریح: غزوہ خیبر سے واپسی پر آپ ﷺ نے لشکر اسلام سمیت رات کے آخری حصہ میں پڑاؤ فرمایا اور حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو جاگتے رہنے کا حکم دیا، حضرت بلال رضی اللہ عنہ کچھ دیر نفلی عبادت میں مصروف رہے بالآخر نیند ان پر بھی غالب آگئی درآنحالیکہ سورج کی شعائیں رخ انور پر پڑنے لگیں، رسالت مآب ﷺ گھبرا کر اٹھے اور صحابہ کو رخت سفر باندھنے کا حکم دیا، تھوڑا سفر کرنے کے بعد قیام کیا، بلال نے اذان اور اقامت کہی، آپ ﷺ نے معمول کے مطابق نماز ادا فرمائی۔

اس حدیث سے یہ واضح ہوا کہ اگر کسی وجہ سے نماز کا وقت گزر بھی جائے تب بھی نماز کیلئے اذان اور اقامت کا اہتمام کیا جائے اور اگر ایک سے زائد نمازیں رہ جائیں تو پھر اذان کا اہتمام ایک بار کیا جائے، لیکن اقامت ہر نماز کیلئے کہی جائے جیسا کہ آپ ﷺ نے غزوہ خندق کے موقع پر کیا تھا۔

فقہی احکام: (۱) فوت شدہ نماز کیلئے اذان اور اقامت کا اہتمام کیا جائے۔ (۲) ایک سے زائد نمازیں فوت ہونے کی صورت میں اذان صرف ایک بار کہی جائے اور تکبیر ہر نماز کے شروع میں کہی جائے (۳) وہ مقام جہاں شیطان کا غلبہ ہوا سے چھوڑ کر کہیں اور چلے جانا چاہیے۔

۱۸۷: وَلَهُ عَنْ جَابِرٍ رضی اللہ عنہ أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ أَتَى الْمُزْدَلِفَةَ فَصَلَّى بِهَا الْمَغْرِبَ وَالْعِشَاءَ ,بِأَذَانٍ وَاحِدٍ وَإِقَامَتَيْنِ .

مسلم، کتاب الحج، باب حجة النبی: ۱۲۱۸، ابوداود: ۱۹۰۵، احمد: ۳/۳۲۰

۱۸۷: مسلم ہی میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، وہ بیان کرتے ہیں کہ نبی مکرم ﷺ مزدلفہ تشریف لائے، وہاں آپ ﷺ نے مغرب اور عشاء کی نمازیں ایک اذان اور دو اقامتوں سے ادا فرمائیں۔

تشریح: اس حدیث سے یہ واضح ہوا کہ حج کے موقع پر مقام مزدلفہ پر پہنچ کر مغرب اور عشا کی نمازیں ایک ساتھ ادا کی جائیں۔ ان دونوں کیلئے اذان ایک ہی ہو جبکہ تکبیر ہر ایک کیلئے الگ الگ ہونی چاہیے۔ مزید تفصیل کتاب الحج میں ملاحظہ فرمائیں۔

فقہی احکام: (۱) مغرب اور عشا کی نمازیں مزدلفہ پہنچ کر ایک ساتھ ادا کی جائیں۔

(۲) جمع بین الصلاتین کیلئے اذان ایک ہی ہونی چاہیے اور اقامت ہر ایک کیلئے الگ الگ ہونی چاہیے۔

۱۸۸: وَلَهُ عَنِ ابْنِ عُمَرَ رضی اللہ عنہما جَمَعَ بَيْنَ الْمَغْرِبِ وَالْعِشَاءِ بِإِقَامَةٍ وَاحِدَةٍ . زَادَ أَبُو دَاوُدَ لِكُلِّ صَلَاةٍ وَفِي رِوَايَةٍ لَهُ وَلَمْ يُنَادِ فِي وَاحِدَةٍ مِنْهُمَا .

مسلم، کتاب الحج، باب حج النبی ﷺ: ۱۲۱۸، باب الافاضة من عرفات الی المزدلفة: ۱۲۸۸، البخاری، کتاب الحج، باب من اذن و اقام لکل واحد منهما: ۱۶۷۵، کتاب الحج، باب من جمع بینهما و لم یتطوع: ۱۶۷۳، ابوداود: ۱۹۲۸، ۱۹۳۱، تهذیب السنن: ۲/۴۰۱

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

۱۸۸: مسلم ہی میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ نبی مکرم ﷺ نے مغرب اور عشاء کی نمازیں ایک ہی اقامت سے ادا فرمائیں، ابوداؤد نے یہ اضافہ نقل کیا ہے کہ ہر نماز کے لیے (ایک تکبیر) اور ابوداؤد ہی کی ایک روایت میں ہے کہ ان دونوں میں سے کسی ایک کے لیے اذان نہیں کہی گئی۔

تشریح: اس مسئلہ کے بارے میں تین طرح کی احادیث منقول ہیں۔(۱) حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہما سے مروی روایت میں ہر نماز کیلئے الگ الگ اذان اور الگ اقامت کا ذکر ہے، امام مالک نے اسی کو اختیار کیا ہے۔(۲) حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے دونوں نمازیں ایک اذان اور دو اقامتوں کے ساتھ ادا کیں۔(۳) حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے یہ روایت دو طرق سے مروی ہے، ایک طریق میں کہ اقامت ہر ایک کیلئے الگ الگ کہی گئی اور اذان کسی ایک کیلئے بھی نہیں کہی گئی، جبکہ دوسرے طریق میں فقط ایک ہی تکبیر کے ساتھ دونوں نمازیں ادا کی گئیں۔ صاحب سبل السلام کا کہنا ہے کہ مثبت کو منفی پر تقدیم دی جائے تو حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہما سے مروی حدیث راجح ہوگی۔ عصر حاضر میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی روایت پر عمل ہو رہا ہے اور جمہور کا عمل بھی اسی پر ہے۔

علامہ ابن قیم نے اس کے راجح ہونے کے دو سبب نقل کیے ہیں (۱) ابن عمر سے مروی روایات مضطرب ہیں اس لیے صحیح الاسناد ہونے کے باوجود ساقط العمل ہے، جبکہ حدیث ابن مسعود موقوف ہے، حدیث ابن عباس میں اذان کی نفی کے ساتھ ساتھ دو اقامتوں کا ذکر ہے، جبکہ حدیث جابر میں دو اقامتوں کے ساتھ اذان کا بھی ذکر ہے گویا ان کے پاس ایک چیز کا زائد علم ہے لہٰذا اسے قبول کیا جائے گا۔

(۲) حدیث جابر سے یہ واضح ہوا کہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ اس دوران آپ ﷺ کے ساتھ تھے۔

۱۸۹: وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ ,وَعَائِشَةَ رضی اللہ عنہما قَالَا، قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ " إِنَّ بِلَالاً يُؤَذِّنُ بِلَيْلٍ ,فَكُلُوا وَاشْرَبُوا حَتَّى يُنَادِيَ ابْنُ أُمِّ مَكْتُومٍ ,وَكَانَ رَجُلاً أَعْمَى لَا يُنَادِي ,حَتَّى يُقَالَ لَهُ أَصْبَحْتَ ,أَصْبَحْتَ " مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ وَفِي آخِرِهِ إِدْرَاجٌ .

البخاری، کتاب الآذان، باب الآذان قبل الفجر: ۶۲۲، ۶۲۳، مسلم: ۱۰۹۲، الترمذی: ۲۰۳، النسائی: ۲/۱۰، احمد: ۲/۱۲۳، ابن خزیمة: ۴۰۱

۱۸۹: حضرت عبداللہ بن عمر اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "بلال رات میں اذان کہتے ہیں اس لیے تم اس وقت تک خورد ونوش کو جاری رکھ سکتے ہو، جب تک ابن اُم مکتوم رضی اللہ عنہ اذان نہ دیں۔" ابن اُم مکتوم رضی اللہ عنہ نابینا تھے وہ اس وقت تک اذان نہیں دیتے تھے جب تک انہیں یہ نہیں کہا جاتا تھا کہ تم نے تو صبح کردی۔ (بخاری و مسلم) اس کے آخر میں ادراج ہے۔

لغوی تحقیق: اعمی: نابینا۔ ادراج: حدیث رسول کے ساتھ راوی کا اپنے الفاظ بیان کرنا ادراج کہلاتا ہے۔

تشریح: اس حدیث سے یہ واضح ہوا کہ فجر کی نماز سے پہلے دو دفعہ اذان دینا مسنون ہے لیکن دونوں اذانیں ایک شخص نہ دے بلکہ دو مختلف شخص دیں اور لوگوں کو بھی اس بات کی خبر ہو کہ پہلی اذان کون دیتا ہے اور دوسری کون دیتا ہے، تاکہ وہ آواز پہچان کر اپنے معمول کے کام کرتے رہیں۔ پہلی اور دوسری اذان کے درمیان بہت زیادہ وقفہ نہیں ہونا چاہیے

اس حدیث میں مذکور؛ اصبحت ، اصبحت ؛ آپ نے صبح کردی، صبح کردی، اس سے ہرگز یہ مراد نہیں کہ حضرت عبداللہ بن ام مکتوم رضی اللہ عنہ دیر سے اذان دیتے تھے بلکہ اس سے مراد یہ ہے کہ صبح صادق نمودار ہونے پر خبر دینے والا خبر دیتا تھا کہ صبح صادق نمودار ہو چکی ہے اور وہ یہ خبر سنتے ہی اذان شروع کر دیتے تھے اور ان کی اذان سنتے ہی سحری کھانے والے سحری کھانا ترک کر دیتے تھے، اس روایت میں جو یہ کہا گیا ہے کہ عبداللہ بن ام مکتوم رضی اللہ عنہ نابینا شخص تھے، یہ اور اس کے بعد والے الفاظ آپ ﷺ کے نہیں بلکہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

یا امام زہری کے ہیں، اس لیے مؤلف رحمہ اللہ نے ان الفاظ کو مدرج قرار دیا ہے۔

فقہی احکام: (۱) فجر کی نماز سے پہلے ہر روز دو اذانیں دی جا سکتی ہیں۔ (۲) ایک شخص ایک ہی اذان دے۔ (۳) عوام کو اس بات کی اطلاع دی جائے، فجر کی اذان فلاں شخص دیتا ہے۔ (۴) فجر کی اذان سنتے ہی سحری کھانے کا عمل ترک کر دینا چاہیے۔ (۵) نابینا آدمی اذان دے سکتا ہے۔ (۶) ایک مسجد میں ایک سے زائد مؤذن بھی مقرر کیے جا سکتے ہیں۔

۱۹۰: وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ رضی اللہ عنہما أَنَّ بِلَالاً أَذَّنَ قَبْلَ الْفَجْرِ, فَأَمَرَهُ النَّبِيُّ صلی اللہ علیہ وسلم أَنْ يَرْجِعَ, فَيُنَادِيَ أَلَا إِنَّ الْعَبْدَ نَامَ . رَوَاهُ أَبُو دَاوُدَ وَضَعَّفَهُ .

ابوداود، کتاب الصلاة، باب الاذان قبل دخول الوقت: ۵۳۲، الدارقطني: ۲۴۴/۱، البيهقي، كتاب الصلاة، باب رواية من روى النهي عن الآذان قبل الوقت: ۱۸۳۸

تنبیہ: ابوداؤد کے ایک نسخہ میں الا ان العبد نام اور دوسرے میں الا ان العبد قد نام ہے۔

۱۹۰: حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے صبح صادق کے نمودار ہونے سے پہلے اذان کہہ دی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں حکم دیا کہ وہ واپس جا کر یہ اعلان کرے کہ بندہ نیند میں تھا۔

تشریح: یہ روایت حماد بن سلمہ سے متعدد طرق سے مختلف الفاظ سے منقول ہیں اور اس کے تین مفہوم ہو سکتے ہیں۔ (۱) حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے وقت سے قبل اذان کہہ دی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے دوبارہ اذان کہنے کا حکم دیا، حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے دوبارہ اذان کہنے کے ساتھ ساتھ با آواز بلند از خود یہ منادی بھی کر دی کہ بندے سے ایسا اس لیے ہوا کہ وہ نیند میں تھا۔ اس مفہوم کو موسیٰ بن اسماعیل سے مروی الفاظ مستر دکرتے ہیں، کیونکہ موسیٰ بن اسماعیل سے مروی روایت میں: **فرجع فنادیٰ الا ان العبد نام**: ہے، اس سے یہ واضح ہوا کہ: **الاان العبد نام**: کے الفاظ حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے از خود نہیں کہے بلکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں یہ الفاظ کہنے کا حکم دیا تھا۔ (۲) آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت بلال رضی اللہ عنہ سے کہا کہ دوبارہ اذان کہو، اور یہ اعلان بھی کرو کہ خوب غور سے سنو! بندہ نیند میں تھا۔ (۳) آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں دوبارہ اذان کا حکم نہیں دیا بلکہ انہیں یہ حکم فرمایا کہ دوبارہ اسی مقام پر جا کر تین بار یہ اعلان کرو کہ بندہ نیند میں تھا جیسا کہ حمید سے مروی روایت میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت بلال رضی اللہ عنہ سے فرمایا: "**راجع الی مقامک فناد ثلاثا الاان العبد قدنام**: راقم کے نزدیک یہ مفہوم درست ہے، اس لیے راقم نے یہی ترجمہ کیا ہے۔

امام ابوداؤد نے: **لم یرو الاحماد بن سلمة**: کہہ کر اس روایت کے ضعیف ہونے کا عندیا دیا ہے۔ اس جملے سے اگر امام ابوداؤد کی مراد یہ ہے کہ کوئی ثقہ راوی حماد بن سلمہ کا متابع نہیں، تو پھر یہ جملہ بلا شبہ درست ہے، اور اگر اس سے ان کی مراد یہ ہے کہ ایوب سے یہ روایت کوئی اور نقل نہیں کرتا، تو پھر یہ درست نہیں، کیونکہ سعید بن زربی نے بھی ایوب سے یہی الفاظ نقل کیے ہیں۔ سعید بن زربی چونکہ ایوب سے مرویات میں ضعیف ہے اس لیے یہ متابعت مفید نہیں۔

امام علی بن مدینی فرماتے ہیں کہ اس روایت کے بیان کرنے میں حماد بن سلمہ سے غلطی ہوئی ہے۔ امام بیہقی فرماتے ہیں کہ حماد بن سلمہ کا آخری عمر میں حافظہ کمزور ہو گیا تھا، اس لیے امام بخاری نے اس کی روایات کو (بطور حجت لینے سے) اجتناب کیا ہے۔ ماہرین فن کے انہیں بیانات کی وجہ سے مؤلف رحمہ اللہ نے اس روایت کو ضعیف قرار دیا ہے۔ واضح رہے کہ اس روایت کے جمیع طرق ضعیف ہیں۔

۱۹۱: وَعَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ رضی اللہ عنہ قَالَ, قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صلی اللہ علیہ وسلم " إِذَا سَمِعْتُمُ النِّدَاءَ, فَقُولُوا مِثْلَ مَا يَقُولُ الْمُؤَذِّنُ "

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ

البخاری، کتاب الاذان، باب ما یقول اذا سمع المنادی: ۶۱۱، مسلم: ۳۸۳، الترمذی: ۲۰۸، ابوداود: ۵۲۲، النسائی: ۲۳/۲، ابن خزیمۃ: ۲۱۵/۱

۱۹۱: حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "جب تم اذان سنو تو تم بھی وہی کلمات کہو جو کلمات مؤذن کہتا ہے۔ (بخاری ومسلم)

تشریح: اس حدیث میں اذان سننے والے کو ان تمام کلمات کے اعادہ کا حکم دیا گیا ہے، جو مؤذن کہتا ہے جبکہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ؛حی علی الصلاۃ ؛اور حی علی الفلاح ؛کے جواب میں ؛لاحول ولاقوۃ الاباللہ ؛ کہا۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہما سے مروی حدیث میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مؤذن کے ؛اللہ اکبر ؛کے جواب میں فرمایا: "علی الفطرۃ "اور اشھد ان لا الہ الااللہ "کے جواب میں فرمایا "خرج من النار "۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی حدیث میں ہے کہ مؤذن جب شہادتین کا اعلان کرتا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم سن کر فرماتے "انا ،انا"۔

اہل علم نے ان روایات کے مابین مختلف انداز سے تطبیق (موافقت پیدا کرنے) دینے کی کوشش فرمائی ہے۔ ابن منذر کا کہنا ہے کہ ؛حی علی الصلاۃ ؛اور حی علی الفلاح ؛کے جواب میں کبھی یہی کلمات دہرائے جائیں اور کبھی ان کے جواب میں ؛لا حول ولاقوۃ الاباللہ ؛کہا جائے۔ بعض حنابلہ کا کہنا ہے کہ چونکہ یہاں خاص اور عام دونوں کو جمع کرنا ممکن ہے، لہٰذا ان کا جواب پہلے انہیں کلمات سے دیا جائے، پھر ؛لاحول ولاقوۃ الاباللہ ؛ کہا جائے۔ جبکہ جمہور اہل علم کا کہنا ہے، خاص کو عام پر ترجیح ہوگی یعنی دیگر کلمات تو وہی کہے جائیں گے مگر ؛حی علی الصلاۃ ؛اور حی علی الفلاح ؛کے جواب میں ؛لاحول ولاقوۃ الاباللہ ؛ کہا جائے۔ راقم کے نزدیک حنابلہ کی رائے اقرب الی الصواب ہے۔ حضرت عبداللہ بن عمرو اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہما سے بھی صحیح سند سے وہی الفاظ مروی ہیں، جو حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہیں۔ حضرت انس اور حضرت معاذ رضی اللہ عنہما سے بھی ضعیف سند سے اسی کی مثل مروی ہے۔

فقہی احکام: (۱) اذان خاموشی سے سننی چاہیے۔ (۲) اذان کا جواب دینا چاہیے۔

۱۹۲: وَلِلْبُخَارِيِّ عَنْ مُعَاوِيَةَ رضی اللہ عنہ مِثْلُهُ .

البخاری، کتاب الآذان، باب مایقول اذا سمع المنادی: ۶۱۲، ۶۱۳، باب یجیب الامام علی المنبر اذا سمع النداء: ۹۱۴

۱۹۲: حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے مروی روایت بھی اسی کی مثل ہے۔

تشریح: حضرت سہل بن حنیف کہتے ہیں کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ منبر پر تشریف فرما تھے، مؤذن نے اذان کہنا شروع کی تو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے اللہ اکبر کے جواب میں اللہ اکبر کہا اور شہادتین کے جواب میں ؛انا ؛کہا۔ ایک روایت میں ہے کہ پورا جملہ کہا اور ایک روایت میں ؛حی علی الصلاۃ ؛کے جواب میں ؛لاحول ولاقوۃ الاباللہ ؛کہا۔

فقہی احکام: (۱) امام بھی اذان کا جواب دے خواہ وہ منبر پر ہی کیوں نہ بیٹھا ہو۔ (۲) جمعہ کی اذان اس وقت شروع کی جائے جب امام منبر پر بیٹھ جائے۔ (۳) خطبہ شروع کرنے سے پہلے امام بات کرسکتا ہے۔

۱۹۳: وَلِمُسْلِمٍ عَنْ عُمَرَ رضی اللہ عنہ فِي فَضْلِ الْقَوْلِ كَمَا يَقُولُ الْمُؤَذِّنُ كَلِمَةً كَلِمَةً ,سِوَى الْحَيْعَلَتَيْنِ ,فَيَقُولُ ,لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللَّهِ .

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

مسلم، کتاب الصلاة، باب استحباب القول مثل قول المؤذن: ۳۸۵، ابن خزیمة: ۱/ ۲۱۸، ابو داود: ۵۲۳، ابن ماجة: ۷۱۸، مسند احمد: ۶/ ۹، المقصد العلی: ۲۱۵

۱۹۳: مسلم میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے اذان کے ہر ہر کلمہ کا وہی جواب دینے کی فضیلت کے بارے میں حدیث مروی ہے "حی علی الصلاۃ" اور "حی علی الفلاح" ان کے جواب میں سامع "لا حول و لا قوۃ الا باللہ" کہے۔

تشریح: حی علی الصلاۃ ؛اور؛ حی علی الفلاح ؛کے جواب میں؛ لاحول ولاقوۃ الا باللہ؛ کہنا حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے مروی صحیح حدیث سے بھی ثابت ہے، اسی کی مؤید روایت حضرت ابورافع رضی اللہ عنہ سے بھی منقول ہے۔ لیکن یہ روایت عاصم بن عبیداللہ کی وجہ سے ضعیف ہے۔

۱۹۴: وَعَنْ عُثْمَانَ بْنِ أَبِي الْعَاصِ رضی اللہ عنہ أَنَّهُ قَالَ يَا رَسُولَ اللَّهِ ﷺ اِجْعَلْنِي إِمَامَ قَوْمِي قَالَ "أَنْتَ إِمَامُهُمْ, وَاقْتَدِ بِأَضْعَفِهِمْ, وَاتَّخِذْ مُؤَذِّنًا لَا يَأْخُذُ عَلَى أَذَانِهِ أَجْرًا" أَخْرَجَهُ الْخَمْسَةُ, وَحَسَّنَهُ التِّرْمِذِيُّ, وَصَحَّحَهُ الْحَاكِمُ.

ابو داود، کتاب الصلاة، باب اخذ الاجر علی التاذین: ۵۳۱، ابن خزیمة: ۱/ ۲۲۱، النسائی: ۲/ ۲۳، احمد: ۴/ ۲۱۷، البیهقی: ۲۰۵۷، ۲۰۵۸، الحاکم: ۱/ ۱۹۹، الترمذی: ۲۰۹، محلی لابن حزم: ۳/ ۱۴۵، التنقیح: ۱/ ۷۱۸، ابن ماجة: ۷۰۸، ۷۱۴، ۹۸۷، ۹۸۸، عبد الرزاق: ۱/ ۴۸۱-۴۸۳، البخاری، کتاب الطب، باب الشروط فی الرقیة بفاتحة الکتاب: ۵۷۳۷

۱۹۴: حضرت عثمان بن ابی عاص رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ! مجھے میری قوم کا امام مقرر فرما دیں، آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: "آپ ان کے امام ہو، ان کے کمزور لوگوں کا خیال رکھنا اور ایک ایسا مؤذن مقرر کر لینا جو اذان دینے کی اجرت نہ لے۔" اسے پانچوں نے روایت کیا ہے امام ترمذی نے اسے حسن اور امام حاکم نے صحیح کہا ہے۔

لغوی تحقیق: اجعلنی: اجعل فعل امر ہے، آخر میں یائے متکلم ہے، یاء متکلم کا ماقبل مکسور ہونا چاہیے تھا جبکہ فعل کے آخر میں کسرہ بطور اعراب آنا ممنوع ہے، اس لیے فعل اور یائے متکلم کے درمیان نون وقایہ لے آئے۔ اسے نون وقایہ کہنے کی وجہ یہ ہے کہ یہ فعل کو جر سے بچاتا ہے۔ اقتد: فعل امر ہے، اس کے لفظی معنی پیروی کرنے کے ہیں لیکن یہاں اس سے مراد کمزور حضرات کے جذبات کا احترام کرنا ہے۔

تشریح: اس روایت کو امام حاکم نے صحیح قرار دیا ہے اور امام ذہبی نے امام حاکم کے فیصلے پر مہر تصدیق ثبت کی ہے۔ اسے امام ابوداؤد، امام ابن خزیمہ، امام نسائی اور امام احمد نے حماد بن سلمہ عن الجریری کے طریق سے نقل کیا ہے، حماد بن سلمہ اور سعید بن ایاس الجریری دونوں بزرگ آخری عمر میں اختلاط کا شکار ہو گئے تھے۔ اس بات کی صراحت تو اہل فن نے کی ہے کہ حماد بن سلمہ کا سعید بن ایاس الجریری سے سماع قدیم ہے، لیکن اس بات کی صراحت راقم کو بسیار کوشش کے نہیں مل سکی کہ حماد بن سلمہ کے کن کن تلامذہ کا سماع ان سے قدیم ہے، لہٰذا جب تک یہ صراحت نہ ہو جائے اس وقت تک اس روایت پر صحیح یا حسن کا حکم لگانا درست نہیں، کیونکہ اس روایت کے بیان کرنے میں حماد بن سلمہ کا کوئی متابع نہیں۔

امام ابوداؤد نے قبل از فجر اذان کہنے سے متعلق حماد بن سلمہ سے مروی حدیث کو: لم یرو الا حماد بن سلمة ؛ کہہ کر اس کے ضعیف ہونے کا عندیہ دیا ہے۔ امام ابن ماجہ اور امام ترمذی نے یہی حدیث اشعث عن الحسن کے طریق سے نقل کی ہے اور امام ترمذی نے اسے حسن صحیح قرار دیا ہے، اشعث بن سوار اور اشعث بن عبدالملک نام کے دو معاصر گزرے ہیں، دونوں کے مشائخ بھی تقریباً مشترک ہیں، اس لیے یہ تعین کرنا خاصا مشکل ہے کہ یہاں اشعث سے مراد کونسا اشعث ہے، امام ابن حزم نے اسے اشعث بن عبدالملک قرار دیا

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ہے جبکہ حافظ عبد الھادی نے اشعث بن سوار کہا ہے، مقدم الذکر ثقہ ہے اور دوسرا ضعیف ہے، اس لیے اس روایت پر بھی حکم لگانے سے اجتناب کرنا چاہیے۔

امام ابن ماجہ نے عثمان بن ابی العاص سے مروی اس روایت کو مزید اور دو طرق سے نقل کیا ہے، ان طرق کے الفاظ اس سے بالکل مختلف ہیں۔ اشعث کے طریق میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے مجھ سے آخری عہد یہ لیا کہ میں ایسے آدمی کو مؤذن مقرر کروں جو اذان کی اجرت کا طالب نہ ہو، جبکہ شعبہ اور سعید بن ابی ہند کے طریق میں ہے کہ آپ ﷺ نے مجھ سے آخری عہد یہ لیا کہ جب میں امامت کے فرائض ادا کروں تو انہیں مختصر نماز پڑھاؤ۔

اس کی مؤید ایک موقوف روایت حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے امام عبد الرزاق اور امام طحاوی نے یحیٰی بن مسلم البکاء کے طریق سے نقل کی ہے، یہ روایت بھی ضعیف ہے۔ کیونکہ یحیٰی بن مسلم البکاء تمام نامور ماہرین فن کے نزدیک ضعیف ہے۔ جس طرح اذان کی اجرت لینے کے عدم جواز کے بارے میں روایات ہیں اسی طرح اذان کی اجرت لینے کے بارے میں بھی روایات موجود ہیں۔

(۱) امام بیہقی اور امام ابن ماجہ نے عبد العزیز بن عبد الملک کے طریق سے حضرت ابو محذورہ رضی اللہ عنہ سے یہ نقل کیا ہے کہ جب میں اذان سے فارغ ہوا تو آپ ﷺ نے مجھے ایک تھیلی عطا فرمائی، جس میں چاندی کی کوئی چیز تھی۔ یہ روایت عبد العزیز بن عبد الملک کی وجہ سے ضعیف ہے۔

(۲) اس کی مؤید ایک موقوف روایت امام عبد الرزاق نے بیان کی ہے۔ جس میں یہ صراحت ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ مؤذن کو وظیفہ دیا کرتے تھے۔ یہ روایت اسحاق بن عبد اللہ کی وجہ سے ضعیف ہے۔

امام شافعی مؤذن کو وظیفہ دینے کے قائل ہیں۔ امام بیہقی فرماتے ہیں کہ امام شافعی نے اس کے جواز کیلئے اس حدیث سے بھی استدلال کیا ہے جس میں یہ مرقوم ہے کہ آپ ﷺ نے ایک خاتون کا نکاح قرآن حکیم کی ایک سورۃ کی تعلیم دینے کے عوض میں پڑھا تھا۔ امام بیہقی نے صحیح بخاری میں مروی اس روایت سے بھی استدلال کیا ہے جس میں یہ مذکور ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: "سب سے زیادہ اجرت لینے کے لائق تو اللہ کی کتاب ہے۔"

فقہی احکام: (۱) اذان دینے پر وظیفہ لینا ممنوع نہیں۔ البتہ بغیر معاوضہ کے اذان دینا مستحسن ہے۔
(۲) امام کی تقرری کیلئے درخواست دینا جائز ہے۔ (۳) کمزور اور بیمار لوگوں کا خیال رکھنا امام کے فرائض میں شامل ہے۔

۱۹۵: وَعَنْ مَالِكِ بْنِ الْحُوَيْرِثِ رضی اللہ عنہ قَالَ، قَالَ لَنَا النَّبِيُّ ﷺ "إِذَا حَضَرَتِ الصَّلَاةُ فَلْيُؤَذِّنْ لَكُمْ أَحَدُكُمْ " اَلْحَدِيثَ أَخْرَجَهُ اَلسَّبْعَةُ .

البخاری، کتاب الاذان، باب من قال لیؤذن فی السفر مؤذن واحد: ۶۲۸ ، ۶۳۰ ، ۶۳۱، مسلم، کتاب المساجد و مواضع الصلاۃ، باب من احق بالامامۃ: ۶۷۴، ابو داود: ۵۸۹، الترمذی: ۲۰۵، النسائی: ۸/۲ ، ۹، ابن ماجۃ: ۹۷۹، احمد: ۵۳/۵

۱۹۵: حضرت مالک بن حویرث رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے ہمیں ہدایت فرمائی کہ جب نماز کا وقت ہو جائے تو تم میں سے کوئی ایک تمہارے لیے اذان کہہ دے۔ مختصراً۔ اسے ساتوں نے بیان کیا ہے۔

تشریح: مالک بن حویرث چند نوجوانوں کے ساتھ تعلیم دین کیلئے رحمت عالم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور بیس دن تک تعلیم دین میں مصروف رہے۔ نوجوانوں کا یہ قافلہ جب واپس جانے لگا تو رحمت عالم ﷺ نے انہیں نماز سے متعلق چند ہدایات

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

فرمائیں۔(۱)نماز ہمیشہ اسی طرح پڑھنا جس طرح تم نے مجھے پڑھتے دیکھا ہے۔(۲)اپنے علاقہ والوں کو نماز کی تعلیم دینے کے ساتھ ساتھ انہیں اپنے ساتھ نماز پڑھنے کا حکم دینا۔(۳)جب نماز کا وقت ہوجائے تو تم میں سے کوئی ایک اذان کہہ دے لیکن امامت کے فرائض وہ سرانجام دے جو تم میں سے عمر میں زیادہ ہو۔

اس قسم کی روایات حضرت ابوذر، حضرت ابوقتادہ، حضرت ابی جحیفہ، حضرت عبداللہ بن عمر اور حضرت عمرو بن ابی امیہ ضمری رضی اللہ عنہم سے بھی مروی ہے۔حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ہم آپ ﷺ کے ساتھ سفر میں تھے، مؤذن نے ظہر کی اذان دینے کی اجازت طلب کی تو آپ ﷺ نے فرمایا"موسم ٹھنڈا ہونے دو۔"

فقہی احکام: (۱)دوران سفر نماز کا وقت ہوجائے تو اذان کہہ کر باجماعت نماز ادا کرنا مسنون ہے۔

(۲)اذان کوئی بھی کہہ سکتا ہے لیکن امامت کا حق سب سے بڑے کا ہے۔

۱۹۶: وَعَنْ جَابِرٍ رضی اللہ عنہ أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ لِبِلَالٍ " إِذَا أَذَّنْتَ فَتَرَسَّلْ ,وَإِذَا أَقَمْتَ فَاحْدُرْ ,وَاجْعَلْ بَيْنَ أَذَانِكَ وَإِقَامَتِكَ قَدْرَ مَا يَفْرُغُ الْآكِلُ مِنْ أَكْلِهِ " اَلْحَدِيثَ رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَضَعَّفَهُ .

الترمذی ،ابواب الصلاۃ، باب ماجاء فی ترسیل فی الاذان: ۱۹۵ ، البیھقی: ۲۰۴۷ ـ ۲۰۵۱ ، الدارقطنی: ۲۳۸/۱ ،

المعجم الاوسط للطبرانی: ۵۰۲۶ ، میزان الاعتدال: ۳۳۹/۵

۱۹۶: حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت بلال رضی اللہ عنہ سے فرمایا:"جب تم اذان کہو تو ٹھہر ٹھہر کر کہو اور اقامت تیزی سے کہو، اذان اور اقامت کے درمیان اتنا وقفہ کرنا جتنے وقفہ میں کھانا کھانے والا کھانا کھا کر فارغ ہوجاتا ہے۔" *مختصراً*۔اسے ترمذی نے بیان کیا ہے اور اسے ضعیف کہا ہے۔

تشریح: اس روایت کا مرکزی راوی عبدالمنعم بن نعیم ہے۔اسے متعدد ماہرین فن نے ضعیف کہا ہے۔عبدالمنعم یہ روایت یحییٰ بن مسلم سے کبھی براہ راست نقل کرتا ہے اور کبھی عمرو بن فائد کے واسطے سے نقل کرتا ہے، عبدالمنعم کے یہ دونوں شیخ بھی ضعیف ہیں اور یہ خود متروک ہے، اسی بنا پر اس روایت کو امام نووی اور حافظ ابن عبدالھادی نے ضعیف قرار دیا ہے۔اسی مفہوم کی روایت حضرت علی، حضرت ابوہریرہ، حضرت جابر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہم سے بھی مروی ہیں۔حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی روایت کو امام دارقطنی نے سوید بن غفلہ کے طریق سے نقل کیا ہے۔اس سند میں واقع عمرو بن شمر نامی راوی کے بارے میں امام ابن حبان فرماتے ہیں کہ یہ من گھڑت روایات کو ثقہ رواۃ کی طرف منسوب کردیتا تھا۔

امام طبرانی نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے یہی روایت سعید بن علقمہ کے طریق سے نقل کی ہے۔امام طبرانی کی سند میں دو مقامات پر تصحیف ہوئی ہے۔(۱)سوید بن غفلہ کی جگہ سعید بن علقمہ درج ہوگیا ہے۔جبکہ عمرو بن شمر کی جگہ عمر بن بشیر لکھ دیا گیا ہے۔اس کی دلیل یہ ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے سعید بن علقمہ نام کا کوئی راوی روایت بیان نہیں کرتا۔(۲)عمرو بن شمر ہی وہ راوی ہے جو عمران بن مسلم عن سوید بن غفلہ عن علی کے طریق سے روایات نقل کرتا ہے۔(۳)امام طبرانی اس روایت کو نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں، حضرت علی رضی اللہ عنہ سے یہ روایت فقط اسی ایک سند سے منقول ہے۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی روایت کو امام بیہقی نے صبیح بن عمر کے طریق سے نقل کیا ہے، اسے امام ازدی نے لین (ضعیف) قرار دیا ہے اور امام بیہقی نے مجہول ہونے کا عندیہ دیا ہے۔حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث کو امام بیہقی اور امام الدارقطنی نے عبدالعزیز

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

بن مہران کے طریق سے نقل کیا ہے اور یہ شخص مجہول ہے۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی روایت کو امام بیہقی نے عبدالمنعم کے طریق سے نقل کیا ہے۔ عبدالمنعم بھی ضعیف ہے۔

۱۹۷: وَلَهُ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضی اللہ عنہ أَنَّ النَّبِيَّ صلی اللہ علیہ وسلم قَالَ " لَا يُؤَذِّنُ إِلَّا مُتَوَضِّىءٌ " وَضَعَّفَهُ أَيْضًا .

الترمذی ، ابواب الصلاۃ، باب ما جاء فی کراھیۃ الاذان بغیر وضوء: ۲۰۰ ، ۲۰۱، البیھقی: ۳۹۲/۱ ، ۳۹۷،

نصب الرایۃ: ۲۹۲/۱ ، الخلاصۃ للنووی: ۲۸۱/۱، الجرح والتعدیل: ۱۹۴/۵

۱۹۷: ترمذی ہی میں حضرت ابوہریرۃ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "وضو کے بغیر کوئی شخص اذان نہ کہے۔" اس روایت کو بھی امام ترمذی نے ضعیف قرار دیا ہے۔

تشریح: زیر مطالعہ روایت حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مرفوع اور موقوف دونوں طرح سے منقول ہے۔ مرفوع طریق کے الفاظ تو وہی ہیں جو مؤلف رحمۃ اللہ علیہ نے نقل کئے ہیں جبکہ موقوف روایت میں ہے کہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا، اذان فقط باوضو آدمی کہے۔ امام ترمذی نے موقوف طریق کو مرفوع کے مقابلے میں زیادہ صحیح قرار دیا ہے۔

مرفوع روایت کے ضعیف ہونے کے اسباب درج ذیل ہیں۔

(۱) امام زہری کا حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے سماع ثابت نہیں۔ (۲) معاویہ بن یحییٰ کو بعض نامور ماہرین فن نے ضعیف قرار دیا ہے۔

(۳) ولید بن مسلم مدلس راوی ہے، اس نے یہ روایت عن سے نقل کی ہے۔

موقوف روایت میں اگرچہ مرفوع روایت کے مقابلے میں ضعف کے علل کم ہیں تاہم وہ بھی ضعیف ہے۔ اس کی مؤید ایک مرفوع روایت حضرت وائل رضی اللہ عنہ سے بھی مروی ہے مگر وہ روایت بھی ضعیف ہے کیونکہ عبدالجبار بن وائل نے اپنے باپ سے کچھ نہیں سنا۔ اسی مضمون کی ایک مرفوع روایت حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے بھی مروی ہے اور یہ روایت عبداللہ بن ہارون کی وجہ سے ضعیف ہے کیونکہ امام دارقطنی نے اسے متروک اور امام حاکم نے منکر الحدیث کہا ہے۔ امام عبدالرحمٰن بن ابی حاتم کا کہنا ہے کہ وہ متکلم فیہ ہے۔

فقہی احکام: اذان کہنے والے کیلئے باوضو ہونا ضروری نہیں البتہ باوضو ہو کر اذان کہنا مستحب ہے۔

۱۹۸: وَلَهُ عَنْ زِيَادِ بْنِ الْحَارِثِ رضی اللہ عنہ قَالَ، قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صلی اللہ علیہ وسلم " وَمَنْ أَذَّنَ فَهُوَ يُقِيمُ "وَضَعَّفَهُ أَيْضًا.

الترمذی ، ابواب الصلاۃ، باب ما جاء ان من اذان فھو یقیم: ۱۹۹ ، ابوداود: ۵۱۴، ابن ماجۃ: ۷۱۷، احمد: ۱۶۹/۴ ،مصنف عبد الرزاق: ۴۷۵/۴، البیھقی: ۱۵۲/۲ ، الطبرانی: ۳۳۲/۱۲

۱۹۸: ترمذی میں حضرت زیاد بن حارث رضی اللہ عنہ سے مروی ہے وہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "جو اذان کہے، اقامت بھی وہی کہے۔" اس روایت کو بھی امام ترمذی نے ضعیف کہا ہے۔

تشریح: اس روایت کا مرکزی راوی عبدالرحمٰن بن زیاد افریقی ہے، اسے نامور ماہرین فن نے ضعیف قرار دیا ہے۔ تاہم بعض نے اس کی توثیق بھی کی ہے بنابریں امام حازمی نے اس روایت کو حسن کہا ہے، لیکن زیادہ تر اہل علم نے اس روایت کو ضعیف قرار دیا ہے۔

اسی مفہوم کی ایک روایت حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے بھی مروی ہے، اس روایت کا مرکزی راوی سعید بن راشد ہے، اس حدیث کو امام ابوحاتم رازی نے منکر اور سعید کو ضعیف قرار دیا ہے۔

امام بخاری نے اس پر سخت جرح فرمائی ہے۔ اسی طرح کی ایک روایت حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے منقول ہے، اس روایت کا

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

مرکزی راوی محمد بن فضل بن عطیہ ہے، اس پر جھوٹا ہونے کا الزام ہے، اس لئے اس کی مرویات موضوع کے قریب تر ہیں۔

زیر بحث مسئلہ مختلف فیہ ہے، امام ترمذی فرماتے ہیں کہ اکثر اہل علم کا اس پر عمل ہے کہ جو اذان کہے، تکبیر وہی کہے، اور بعض کا خیال ہے کہ دوسرا شخص تکبیر کہہ سکتا ہے، اس سلسلے میں بھی ایک ضعیف روایت منقول ہے۔ روایات چونکہ دونوں طرف ضعیف ہیں اگرچہ ایک موقف کی مؤید روایت زیادہ موجود ہیں تاہم یہی کہا جاسکتا ہے کہ دونوں صورتیں جائز ہیں۔

فقہی احکام: بہتر یہی ہے کہ جو اذان کہے وہی تکبیر کہے لیکن اگر کوئی دوسرا شخص کہہ دے تو کوئی مضائقہ نہیں۔

۱۹۹: وَلِأَبِي دَاوُدَ فِي حَدِيثِ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ زَيْدٍ رضی اللہ عنہما أَنَّهُ قَالَ أَنَا رَأَيْتُهُ يَعْنِي الْأَذَانَ وَأَنَا كُنْتُ أُرِيدُهُ قَالَ فَأَقِمْ أَنْتَ وَفِيهِ ضَعْفٌ أَيْضًا.

ابوداود، کتاب الصلاۃ، باب فی الرجل یؤذن و یقیم آخر: ۵۱۲، مسند احمد: ۴۲/۴، البیھقی: ۱۵۲/۱، التنقیح: ۲۹۰/۱، الاحکام الوسطیٰ: ۸۳/۲، ۸۴، بیان الوہم والایہام: ۳۴۸/۳

۱۹۹: ابوداود میں حضرت عبداللہ بن زید رضی اللہ عنہما سے مروی ہے، وہ کہتے ہیں کہ میں نے اذان کو خواب میں دیکھا اور میری تمنا تھی، کہ اذان میں کہوں، لیکن آپ ﷺ نے مجھ سے فرمایا کہ: "تم اقامت کہہ لینا۔" اس روایت میں بھی کمزوری ہے۔

تشریح: اس روایت کا مرکزی راوی محمد بن عمرو الانصاری ہے، اسے محمد بن عمرو الواقفی بھی کہا جاتا ہے۔ اسے اگرچہ امام ابن حبان نے ثقہ کہا ہے، تاہم متعدد ماہرین فن کے نزدیک ضعیف ہے۔ عبدالحق اشبیلی نے اس روایت کو معلول قرار دیا ہے، اور امام ابن قطان نے اس کے مختلف طرق نقل کر کے اسے ضعیف کہا ہے۔

۲۰۰: وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضی اللہ عنہ قَالَ، قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ "اَلْمُؤَذِّنُ أَمْلَكُ بِالْأَذَانِ, وَالْإِمَامُ أَمْلَكُ بِالْإِقَامَةِ" رَوَاهُ ابْنُ عَدِيٍّ وَضَعَّفَهُ.

الکامل لابن عدی: ۱۲/۴، العلل للدارقطنی: ۱۹۶۸، البیھقی: ۲۰۶۱، مشکل الآثار: ۵۵/۳، التلخیص: ۲۱۱/۱، کنز: ۲۰۹۶۳

۲۰۰: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "مؤذن اذان کہنے کا زیادہ حق دار ہے اور امام اقامت کا زیادہ حق دار ہے۔ اس روایت کو ابن عدی نے بیان کیا ہے اور ضعیف کہا ہے۔

لغوی تحقیق: املک: ملک سے اسم تفضیل کا صیغہ ہے یعنی زیادہ حقدار ہے۔

تشریح: زیر مطالعہ حدیث میں مؤذن کو اذان کہنے پر مکمل اختیار دیا گیا ہے۔ یعنی جیسے ہی اذان کا وقت ہو جائے وہ اذان کہہ دے، اس سلسلہ میں اسے کسی سے اجازت لینے یا کسی کا انتظار کرنے کی ضرورت نہیں، البتہ اس کی اذان پر سحری وافطاری کا انحصار بھی ہے، اس لئے اس سلسلہ میں اسے خوب محتاط ہونا چاہیے۔

اس روایت کا مرکزی راوی شریک بن عبداللہ القاضی ہے، موصوف اگرچہ ثقہ ہیں، تاہم عہدہ قضا پر فائز ہونے کے بعد ان سے اکثر اغلاط کا صدور ہونے لگا تھا، اس لئے بعض ماہرین فن نے اس کی مرویات کو اس وقت تک قبول کرنے سے احتراز کیا ہے جب تک اس کا کوئی متابع انہیں نظر نہیں آتا۔ زیر مطالعہ روایت کے ضعیف ہونے کی علت بھی حافظ ابن عدی نے یہی لکھی ہے۔ امام دارقطنی فرماتے ہیں کہ شریک بن عبداللہ نے اعمش سے الفاظ حدیث نقل کرنے میں اپنے ساتھیوں کی مخالفت کی ہے۔ امام بیہقی نے بھی اس حدیث کو غیر محفوظ قرار دیا ہے۔ یہ روایت اعمش سے ابی صالح کے طریق سے مختلف الفاظ سے منقول ہے۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

اس روایت کے ضعیف ہونے کی علت یہ بھی ہے کہ امام اعمش نے اسے معنعن نقل کیا ہے اور اعمش تدلیس میں معروف ہیں، یہاں بھی اعمش نے تدلیس سے کام لیا ہے کیونکہ انہوں نے یہ روایت براہ راست ابوصالح سے نہیں سنی بلکہ ایک مجہول شخص کے واسطہ سے سنی ہے، جیسا کہ امام بیہقی فرماتے ہیں کہ یہ بات یقینی ہے کہ اعمش نے یہ حدیث براہ راست ابوصالح سے نہیں سنی۔

۲۰۱: وَلِلْبَيْهَقِيِّ نَحْوُهُ عَنْ عَلِيٍّ رضی اللہ عنہ مِنْ قَوْلِهِ .

البيهقي: ۱۹/۲، عبدالرزاق: ۴۷۶/۱، التلخيص: ۲۱۱/۱

۲۰۱: امام بیہقی نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے اسی طرح کی ایک موقوف روایت نقل کی ہے۔

تشریح: امام بیہقی نے اس روایت کو صحیح سند سے نقل کیا ہے

فقہی احکام: (۱) مؤذن کو اذان دینے سے پہلے کسی سے اجازت لینا ضروری نہیں۔ (۲) اذان وقت پر دے گا۔ (۳) کسی کا انتظار نہیں کرے گا۔ (۴) اقامت امام کی اجازت یا اسے دیکھے بغیر کہنا درست نہیں۔ (۵) امام اگر چاہے تو مؤذن کے علاوہ کسی اور کو بھی اقامت کہنے کا حکم دے سکتا ہے۔

۲۰۲: وَعَنْ أَنَسٍ رضی اللہ عنہ قَالَ، قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صلی اللہ علیہ وسلم "لَا يُرَدُّ الدُّعَاءُ بَيْنَ الْأَذَانِ وَالْإِقَامَةِ" رَوَاهُ النَّسَائِيُّ ,وَصَحَّحَهُ اِبْنُ خُزَيْمَةَ .

عمل اليوم و الليلة للنسائي: ۶۸، ابوداود، كتاب الصلاة، باب ماجاء في الدعاء بين الاذان والاقامة: ۵۲۱، الترمذي: ۲۱۲، احمد: ۱۱۹/۳، ۱۵۵، الاحكام الاوسطى: ۳۰۶/۱، بيان الوهم والايهام: ۲۲۷/۵، ابن خزيمة: ۲۲۲/۱، الحاكم: ۱۹۹/۱، المقصد العلي: ۲۱۸، مجمع الزوائد: ۳۳۹/۱، البيهقي: ۱۹۷۵

۲۰۲: حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "اذان اور اقامت کے مابین کی گئی دعا مسترد نہیں ہوتی۔ اسے نسائی نے بیان کیا ہے اور امام ابن خزیمہ نے صحیح کہا ہے۔

تشریح: زیر مطالعہ حدیث حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مختلف طرق سے مروی ہے، مؤلف رحمۃ اللہ علیہ نے جو الفاظ ذکر کئے ہیں ان الفاظ کے ساتھ اس روایت کو امام ابوداؤد، امام ترمذی، امام احمد، امام بیہقی اور امام نسائی نے عمل الیوم واللیلۃ میں زید العمی کے طریق سے نقل کیا ہے۔ امام ترمذی نے ترمذی کے ایک نسخہ میں اس روایت کو فقط حسن لکھا ہے اور ایک میں حسن صحیح لکھا ہے۔ امام عبدالحق اشبیلی نے امام ترمذی کی تحسین سے اتفاق کیا ہے۔ علامہ ناصر الدین البانی نے اس حدیث کو صحیح قرار دیا ہے۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی اس روایت کا ایک طریق بلاشبہ صحیح ہے لیکن جس طریق سے درج بالا ائمہ نے اسے نقل کیا ہے، وہ طریق ضعیف ہے کیونکہ اس طریق کا مرکزی راوی زید العمی ہے۔ اسے بیشتر نامور ماہرین فن نے ضعیف قرار دیا ہے۔

حافظ ابن قطان اس روایت پر تبصرہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ یہ روایت زید العمی کی وجہ سے ضعیف ہے، حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ کا ضعیف کہنے والوں کے قول کے ساتھ اتفاق ہے۔ امام ابن خزیمہ نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی روایت کو برید بن ابی مریم کے طریق سے نقل کیا ہے۔ اس طریق کو امام ابن قطان نے صحیح قرار دیا ہے۔ امام حاکم نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی اس روایت کو حمید الطّویل کے طریق سے نقل کیا ہے۔ اس طریق کا مرکزی راوی فضل بن مختار ہے۔ امام ابوحاتم رازی نے اس کی مرویات کو باطل اور امام ابن عدی اور رازی نے منکر قرار دیا ہے۔ امام ابویعلی نے اسے یزید الرقاشی کے طریق سے نقل کیا ہے۔ یہ طریق یزید الرقاشی کی وجہ سے ضعیف ہے۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

فقہی احکام: (۱) اذان اور اقامت کے دوران دعا قبول ہوتی ہے۔

(۲) بنابریں اس دوران اللہ تعالیٰ سے خصوصاً گناہوں کی بخشش اور دارین کی عافیت کا سوال کرنا چاہیے

۲۰۳: وَعَنْ جَابِرٍ رضی اللہ عنہ أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ "مَنْ قَالَ حِينَ يَسْمَعُ النِّدَاءَ ، اَللّٰهُمَّ رَبَّ هٰذِهِ الدَّعْوَةِ التَّامَّةِ , وَالصَّلَاةِ الْقَائِمَةِ , آتِ مُحَمَّدًا الْوَسِيلَةَ وَالْفَضِيلَةَ , وَابْعَثْهُ مَقَامًا مَحْمُودًا الَّذِي وَعَدْتَهُ , حَلَّتْ لَهُ شَفَاعَتِي يَوْمَ الْقِيَامَةِ " أَخْرَجَهُ الْأَرْبَعَةُ .

البخاری، کتاب الاذان، باب الدعاء عند النداء: ۶۱۴، ابوداود: ۵۲۹، الترمذی: ۲۱۱، النسائی: ۲۷/۱،ابن خزیمۃ: ۲۲۰/۱، ابن ماجۃ: ۷۲۲، مسنداحمد: ۳۴۵/۳، صحیح مسلم: ۳۸۶/۱۳

تنبیہ: (۱) یہ حدیث بلوغ المرام کے بعض نسخوں میں موجود نہیں۔(۲) بعینہ انہی الفاظ کے ساتھ یہ حدیث بخاری، مسلم اور مسند احمد میں بھی ہے، معلوم نہیں کی یہاں تسامح مؤلف رحمۃ اللہ علیہ سے ہوا ہے یا کسی کاتب یا ناسخ سے تصحیف ہوئی ہے کہ اس نے السبعۃ کی جگہ الاربعہ لکھ دیا ہے۔

۲۰۳: حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:" جس شخص نے اذان سن کر یہ کہا، اے اللہ! اس مکمل دعا اور قائم رہنے والی نماز کے رب ! محمد ﷺ کو وسیلہ اور فضیلت عطا فرما، اور جس مقام محمود کا آپ نے وعدہ کیا ہے اس پر محمد ﷺ کا فائز فرما، قیامت کے روز اس کے لیے شفاعت جائز ہو جائے گی۔" اسے چاروں نے روایت کیا ہے۔

لغوی تحقیق: **النداء**: اذان۔ رب: منادی سے بدل ہونے کی وجہ سے باء منصوب ہے۔ **الدعوۃ**: دال مفتوح اور عین ساکن، یہاں اس سے مراد اذان ہے، لیکن دعوت توحید بھی مراد ہو سکتی ہے کیونکہ توحید ہی بغیر کسی تغیر و تبدل کے ازل سے ابد تک رہے گی۔ جبکہ شرک سراپا نقصان ہے۔ **الوسیلۃ**: جس کے ذریعے کسی بڑے کا تقرب حاصل کیا جائے، جنت کے ایک عالی شان محل کا نام بھی ہے، بعض کا خیال ہے کہ اس سے مراد شفاعت کبریٰ ہے، جو آپ ﷺ روز محشر فرمائیں گے۔ **الصلاۃ القائمۃ**: اس سے مراد نماز بھی ہو سکتی ہے اور دائمی دعا بھی ہو سکتی ہے۔ **مقاما محمودا**: وہ مقام جہاں سجدہ زن ہو کر رحمت عالم ﷺ شفاعت کبریٰ فرمائیں گے۔ **الذی وعدتہ**: جس کا تو نے وعدہ کیا ہے، اس وعدہ سے مراد وہ وعدہ بھی ہو سکتا ہے جو سورۃ اسراء کی آیت ۷۹ میں مذکور ہے۔ **حلت**: حلال ہو جائے گی یعنی واجب ہو جائے گی۔

تشریح: زیر مطالعہ حدیث سے واضح ہوا کہ اذان سننے کے بعد یہ دعا پڑھی جائے، یہ دعا اگرچہ نہایت مختصر ہے مگر اس قدر جامع ہے کہ اس میں کسی قسم کے اضافہ کی ضرورت نہیں، مگر اس کے باوجود فہم و فراست سے عاری حضرات نے اس دعا میں؛ **الدرجۃ الرفیعۃ**؛ کا جملہ شامل کر دیا ہے حالانکہ یہی مفہوم لفظ؛ **الفضیلۃ**؛ مکمل طور پر ادا کر رہا ہے۔ یہ دعا جامع ہونے کا ساتھ ساتھ باعث فضیلت ہے، جیسا کہ خود رحمت عالم ﷺ کا فرمان ہے کہ "جو مؤمن یہ دعا، اذان سننے کے بعد پڑھے گا اس کیلئے روز محشر میری شفاعت مؤثر ہو گی۔"

اذان کے بعد دعا سے متعلق متعدد احادیث مذکور ہیں اور بعض کے الفاظ قدر مختلف ہیں اور بعض طرق ضعیف بھی ہیں۔ اس لئے ان طرق میں مذکور الفاظ کو پڑھنے سے گریز کرنا چاہیے۔ البتہ صحیح طرق میں جو الفاظ موجود ہیں وہ ضرور پڑھنے چاہیے مثلاً اذان کے بعد رحمت عالم ﷺ پر درود پڑھنا بھی مسنون ہے اور بعض طرق میں درج ذیل کلمات پڑھنے کی تعلیم بھی دی گئی ہے؛ **اشھد ان لا الہ الا اللہ وحدہ لاشریک لہ و اشھد ان محمداً عبدہ ورسولہ ،رضیت باللہ رباً وبمحمد رسولاً وبالاسلام دیناً** ؛ یہ کلمات

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

کہنے والے کے گناہ معاف کردیئے جاتے ہیں لیکن ان کلمات کو شھادتین کے جواب میں پڑھنا زیادہ اولیٰ ہے، کیونکہ صحیح مسلم کے ایک طریق سے یہی اشارہ ملتا ہے۔

فقہی احکام: (۱) اذان کے بعد کا وقت دعا کی قبولیت کا وقت ہے۔ (۲) اذان کے بعد درود اور دعا پڑھنا مسنون ہے۔ (۳) آپ ﷺ کیلئے اذان کے بعد وسیلۃ کا طلب کرنا مؤمن پر واجب ہے۔ (۴) دعا پڑھنے والے کیلئے آپ ﷺ سفارش فرمائیں گے۔ (۵) آپ ﷺ کی سفارش یقیناً مؤثر ہوگی۔ (۶) ادنیٰ، اعلیٰ کیلئے دعا کرسکتا ہے۔

۳۔ بَابُ شُرُوْطِ الصَّلَاةِ نماز کی شرائط کا بیان

۲۰۴: عَنْ عَلِيِّ بْنِ طَلْقٍ رضی اللہ عنہ قَالَ، قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ "إِذَا فَسَا أَحَدُكُمْ فِي الصَّلَاةِ فَلْيَنْصَرِفْ, وَلْيَتَوَضَّأْ, وَلْيُعِدِ الصَّلَاةَ" رَوَاهُ الْخَمْسَةُ, وَصَحَّحَهُ ابْنُ حِبَّانَ.

ابوداود، کتاب الطھارۃ، باب من یحدث فی الصلاۃ: ۲۰۵، الترمذی: ۱۱۸۱، ۱۱۸۰، الدارقطنی: ۱/۱۵۳، البیھقی: ۲/۲۵۴، ابن حبان: ۲۲۳۷، النسائی فی الکبری: ۵/۳۲۴

تنبیہ: مؤلف رحمہ اللہ نے اس روایت کو ابن ماجہ کی طرف منسوب کیا ہے، لیکن ابن ماجہ میں یہ روایت موجود نہیں۔ (۲) امام احمد نے اس روایت کو مسند علی بن ابی طالب میں شامل کیا ہے حالانکہ یہ روایت علی بن طلق سے مروی ہے۔ علامہ زیلعی نے نصب الرایہ ۲/۲۶ میں ابن قطان کے حوالے سے مسلم بن سلام کو مجہول الحال لکھا ہے۔

۲۰۴: حضرت علی بن طلق رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "جب دوران نماز کسی کی ہوا خارج ہو جائے تو وہ نماز منقطع کر کے دوبارہ وضو بنائے پھر از سر نو نماز پڑھے۔" اسے خمسہ نے بیان کیا ہے۔

لغوی تحقیق: شـــروط: شین اور راء مضموم، شرط کی جمع ہے، اس کے لغوی معنی علامت ہے اور فقہی اصطلاح میں شرط سے مراد وہ چیز ہے جس کے فقدان سے دوسری چیز معدوم ہو جائے۔ شرط اگرچہ مشروط کا رکن یا جز نہیں ہوتی تاہم مشروط کا وجود اسی پر قائم ہوتا ہے۔ فسا: دبر سے بغیر آواز ہوا خارج ہونے والی ہوا کو فسو کہتے ہیں اور آواز سے خارج ہونے والی ہوا کو ضراط کہتے ہیں۔ فلینصرف: نماز منقطع کر کے واپس چلا جائے۔

تشریح: اس حدیث سے یہ واضح ہوا کہ ہوا کا خروج ناقض وضو ہے اور وضو کے ٹوٹنے سے نماز باطل ہو جاتی ہے یعنی وضو ٹوٹنے سے پہلے جو نماز پڑھی تھی وہ فاسد ہو جائے گی لہٰذا دوبارہ وضو کر کے ازسر نو نماز پڑھنا ہوگی، پہلے پڑھی ہوئی نماز پر بنا رکھنا درست نہیں کیونکہ جس حدیث میں ایسا مذکور ہے وہ حدیث ضعیف ہے۔ اس روایت کو اگرچہ امام ترمذی نے حسن اور امام ابن حبان نے صحیح کہا ہے، لیکن یہ حدیث ضعیف ہے کیونکہ اس روایت کا مرکزی راوی مسلم بن سلام ہے۔ اسے مؤلف رحمہ اللہ نے تقریب میں مقبول قرار دیا ہے۔ مؤلف رحمہ اللہ نے تقریب میں اپنی اصطلاح کی وضاحت کرتے ہوئے لکھا ہے کہ اس قسم کے راوی کا اگر متابع موجود ہو تو پھر اس کی حدیث قابل عمل ہوگی۔ ورنہ وہ راوی لین الحدیث ہوگا۔ یعنی اس کی روایت ضعیف ہوگی۔ اس روایت کے بیان کرنے میں چونکہ مسلم بن سلام کا متابع نہیں لہٰذا یہ روایت ضعیف ہے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی حدیث میں نماز توڑ کر صفوں سے باہر نکلنے کی یہ کیفیت بیان کی گئی ہے کہ وہ آدمی اپنی ناک پکڑ کر باہر نکلے تاکہ لوگوں کو معلوم ہو جائے کہ اس کا وضو ٹوٹ گیا ہے۔ اس حدیث سے یقیناً واضح ہوا کہ ہوا خارج ہونے پر نماز منقطع کر کے دوبارہ

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

وضو بنا کر نماز پڑھنی چاہیے۔اب رہا یہ اختلاف کہ سابقہ نماز پر بنا رکھی جائے یا ازسرنو نماز کا آغاز کیا جائے؟ تو یہ درج بالا حدیث سے واضح نہیں ہوتا اور جن احادیث سے واضح ہوتا ہے وہ دونوں قسم کی ضعیف ہیں۔سابقہ نماز پر بنا رکھنے کے بارے میں جو روایت اسماعیل بن عیاش کے طریق سے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے منقول ہے اس کے ضعیف ہونے پر بقول امام نووی تمام محدثین کا اتفاق ہے۔جبکہ مسلم بن سلام کے طریق سے مروی اس روایت کو امام ترمذی نے حسن اور امام ابن حبان نے صحیح کہا ہے۔لہٰذا اس روایت کو ترجیح حاصل ہے اور احتیاط بھی اسی میں ہے،امام ابن حبان نے بھی اسی حدیث کی روشنی میں سابقہ نماز پر بنا رکھنے کو ناجائز کہا ہے۔

فقہی احکام: (۱) ہوا خارج ہونے سے وضو ٹوٹ جاتا ہے۔(۲) وضو ٹوٹنے کے بعد نماز کا جاری رکھنا ممنوع ہے۔(۳) وضو ٹوٹنے کی صورت میں ناک پر ہاتھ رکھ کر باہر نکلنا چاہیے۔(۴) دوبارہ وضو بنا کر از سرنو نماز پڑھنی چاہیے۔

۲۰۵: وَعَنْ عَائِشَةَ رضی اللہ عنہا قَالَتْ، قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم "مَنْ أَصَابَهُ قَيْءٌ ,أَوْ رُعَافٌ ,أَوْ مَذْيٌ ,فَلْيَنْصَرِفْ ,فَلْيَتَوَضَّأْ, ثُمَّ لِيَبْنِ عَلَى صَلَاتِهِ ,وَهُوَ فِي ذَلِكَ لَا يَتَكَلَّمُ" رَوَاهُ ابْنُ مَاجَة ,وَضَعَّفَهُ أَحْمَدُ .

تنبیہ: یہ روایت حامد الفقی کے مطبوعہ نسخہ میں نہیں۔الشیخ خالد بن ضیف اللہ الشلاحی نے اس باب میں یہ روایت الشیخ سمیر الزہیری کے مطبوعہ نسخہ کے حوالہ سے نقل کی ہے،جبکہ الشیخ عصام موسیٰ ھادی نے امام محمد بن احمد الشفیع کے قلمی نسخہ کے حوالہ سے درج کی ہے۔یہ روایت مع تخریج کتاب الطهارة، باب نواقض الوضوء حدیث رقم ۷۴ کے تحت گزر چکی ہے۔

۲۰۵: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:" جسے نماز میں قے آ جائے یا نکسیر پھوٹ پڑی یا مذی خارج ہو جائے وہ نماز توڑ کر وضو بنائے اور سابقہ نماز پر بنا رکھ لے بشرطیکہ اس نے کسی سے بات نہ کی ہو۔اسے ابن ماجہ نے بیان کیا ہے اور امام احمد نے اسے ضعیف کہا ہے۔

ب۲۰۵:وَعَنْهَا ,عَنِ النَّبِيِّ صلی اللہ علیہ وسلم قَالَ "لَا يَقْبَلُ اللّٰهُ صَلَاةَ حَائِضٍ إِلَّا بِخِمَارٍ" رَوَاهُ الْخَمْسَةُ إِلَّا النَّسَائِيُّ ,وَصَحَّحَهُ ابْنُ خُزَيْمَةَ .

ابن خزيمة، كتاب الصلاة، باب نفي قبول صلاة الحرة المدركة بغير خمار: ۷۷۵، ابوداود: ۶۴۱،الترمذی:۳۷۸، ابن ماجة: ۶۵۵، مسند احمد: ۶/ ۱۵۰، نصب الراية: ۱/ ۲۹۶، الاحكام الوسطىٰ: ۱/ ۳۱۶، المحلیٰ: ۲/ ۲۱۹، المعجم الاوسط: ۶/ ۴۳۳، ۸/ ۲۹۴، المجموع: ۳/ ۱۷۲

ب۲۰۵:حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:" اللہ تعالیٰ بالغہ عورت کی نماز بغیر دوپٹہ کے قبول نہیں فرماتا۔"اسے ابوداود،ترمذی،ابن ماجہ اور احمد نے نقل کیا ہے اور ابن خزیمہ نے صحیح کہا ہے۔

لغوی تحقیق: **حائض**:وہ لڑکی جسے حیض آنا شروع ہو جائے،لڑکیوں میں حیض کی آمد،بلوغت کی نشانیوں میں سے ایک اہم علامت ہے۔یہاں اس سے مراد بالغ لڑکی ہے۔ **خمار**:خاء مکسور،اس کپڑے کو کہتے ہیں جس سے خواتین اپنا سر،گردن اور سینہ ڈھانپتی ہیں،اس کے لغوی معنی ڈھانپنے والی چیز کے ہیں،خمر(شراب) بھی اسی سے ماخوذ ہے،شراب بھی چونکہ عقل کو ڈھانپ لیتی ہے،اس لیے اسے خمر سے تعبیر کیا گیا ہے۔

تشریح: اس روایت کو قتادہ کے تلامذہ نے مرفوع،موقوف اور مرسل ہر تین طرق سے نقل کیا ہے۔حماد بن سلمہ نے قتادہ سے اس روایت کو مرفوع بیان کیا ہے جبکہ شعبہ اور سعید نے موقوف،ایوب سختیانی اور ہشام بن حسان نے مرسل بیان کیا ہے۔امام دارقطنی نے

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

مرسل طریق کو صحیح کے قریب تر قرار دیا ہے۔عبدالحق اشبیلی نے **الاحکام الوسطی** میں یہ واضح کیا ہے کہ مرفوع روایت بیان کرنے میں حماد بن سلمہ نے شعبہ اور سعید کی مخالفت کی ہے۔علامہ ابن حزم نے **المحلی** میں عفان بن مسلم کے طریق سے حماد بن زید کو حماد بن سلمہ کا متابع قرار دیا ہے۔مگر یہ کسی راوی کا یا خود ابن حزم کا وہم ہے یا کسی نساخ سے تسامح ہوا ہے کیونکہ امام احمد نے عفان بن مسلم کے طریق سے حماد بن سلمہ سے یہ روایت بیان کی ہے۔

اسی مفہوم کی روایت حضرت علی، حضرت ابوقتادہ، حضرت عمر اور حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہم سے بھی مروی ہے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی روایت کو امام طبرانی نے **المعجم الاوسط** میں قیس بن ربیع کے طریق سے نقل کیا ہے۔قیس بن ربیع کو امام یحیٰی بن معین اور علی بن مدینی نے ضعیف قرار دیا ہے نیز اس پر دیگر ائمہ نے بھی کلام کیا ہے لہٰذا یہ روایت ضعیف ہے۔

ابوقتادہ سے مروی روایت کو بھی امام طبرانی نے **المعجم الاوسط** میں عمرو بن ہاشم البیروتی کے طریق سے نقل کرنے کے بعد لکھا ہے کہ اوزاعی سے یہ روایت فقط عمرو بن ہاشم ہی نقل کرتا ہے۔عمرو بن ہاشم اگرچہ ثقہ ہے تاہم ابن وارۃ (**میزان الاعتدال ۶۴۶۸**) نے اس پر اوزاعی کی مرویات میں نقد کیا ہے۔راقم کو امام طبرانی کے شیخ محمد بن ابی حرملہ کا ترجمہ نہیں مل سکا۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے مروی موقوف روایت کو مؤلف رحمۃ اللہ علیہ نے **المطالب العالیہ** میں ابن ابی شیبہ کے طریق سے نقل کیا ہے، یہ سند ہر قسم کے غبار سے پاک ہے۔

حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے مروی روایت کو امام ابوداؤد نے نقل کیا ہے، یہ روایت حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے مرفوع اور موقوف ہر دو طرح سے منقول ہے، امام نووی اور علامہ عبدالحق نے موقوف طریق کو صحیح قرار دیا ہے۔

حضرت عائشہ اور حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہما سے مروی روایات کا اگرچہ موقوف ہونا زیادہ صحیح معلوم ہوتا ہے تاہم یہ روایات حکماً مرفوع ہیں، کیونکہ حضرت عائشہ، حضرت ام سلمہ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہم اپنی مرضی سے ایسا حکم نہیں لگا سکتے تھے۔

فقہی احکام: (۱) بالغ خواتین کیلئے ضروری ہے کہ وہ نماز دوپٹہ اوڑھ کر پڑھیں۔

(۲) مردوں کیلئے نماز میں سر ڈھانپنا شروط صلاۃ میں سے نہیں ہے۔

تنبیہ: التبیان (مؤلف خالد بن ضیف اللہ) میں عمرو بن ہشام کتابت کی غلطی سے طبع ہو گیا ہے۔صحیح نام عمرو بن ہاشم۔

۲۰۶: وَعَنْ جَابِرٍ رضی اللہ عنہ أَنَّ النَّبِيَّ صلی اللہ علیہ وسلم قَالَ لَهُ " إِنْ كَانَ الثَّوْبُ وَاسِعًا فَالْتَحِفْ بِهِ " يَعْنِي فِي الصَّلَاةِ وَلِمُسْلِمٍ "فَخَالِفْ بَيْنَ طَرَفَيْهِ وَإِنْ كَانَ ضَيِّقًا فَاتَّزِرْ بِهِ " مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ .

البخاری، کتاب الصلاۃ، باب اذا کان الثوب ضیقا: ۳۶۱، صحیح مسلم: ۷۶۶، ابوداود: ۶۳۴

۲۰۶: حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں حکم دیا کہ " اگر بڑا کپڑا ایک ہی ہو تو اسے اپنے جسم پر اچھی طرح لپیٹ لیں" مسلم میں ہے کہ " کپڑے کے دائیں کنارے کو بائیں کندھے پر اور بائیں کنارے کو دائیں کندھے پر ڈال لیں، اور اگر کپڑا چھوٹا ہو تو پھر اسے فقط بطور تہبند استعمال کریں۔" (بخاری و مسلم)

لغوی تحقیق: **واسعا:** کشادہ یعنی بڑا۔ **التحف:** امر کا صیغہ ہے یعنی کپڑے سے جسم کو اچھی طرح لپیٹ لو۔ **ضیقاً:** تنگ یعنی چھوٹا کپڑا۔ **خالف بین طرفیه:** دائیں کنارے کو بائیں کندھے پر اور بائیں کنارے کو دائیں کندھے پر ڈال دیں، اس طرح ڈالنے سے کپڑا گرتا نہیں۔ **فاتزر:** امر کا صیغہ ہے یعنی بطور تہبند استعمال کریں۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

تشریح: اس حدیث مبارکہ میں اس شخص کی راہنمائی کی گئی ہے جو نماز پڑھنا چاہتا ہے مگر اس کے پاس ایک ہی کپڑا ہے، اگر کپڑا بڑا ہو تو اس کے بیشتر حصہ کو بطور تہبند اور کناروں کو مخالف سمت کندھوں پر ڈالنے کا حکم دیا گیا ہے۔ اور اگر چھوٹا ہے تو پھر اسے صرف تہبند کے طور پر استعمال کر لیا جائے اور کندھوں پر کوئی اور چیز ڈال لی جائے، اگر کچھ بھی نہ میسر آئے تو کندھوں پر تِلی ہی ڈال لی جائے جیسا کہ آئندہ حدیث سے واضح ہو رہا ہے۔

فقہی احکام: سب سے پہلے ستر کو ڈھانپنا ضروری ہے پھر کندھوں کو۔

۲۰۷: وَلَهُمَا مِنْ حَدِيثِ أَبِي هُرَيْرَةَ رضی اللہ عنہ " لَا يُصَلِّي أَحَدُكُمْ فِي الثَّوْبِ الْوَاحِدِ لَيْسَ عَلَى عَاتِقِهِ مِنْهُ شَيْءٌ "

البخاری، کتاب الصلاة، باب اذا صلیٰ فی الثوب الواحد فليجعل على عاتقيه: ۳۵۹، صحیح مسلم: ۵۱۶، ابو داود: ۶۲۶، النسائی: ۷۱/۲، فی احمد: ۲۴۳/۲

۲۰۷: بخاری و مسلم میں ابو ہریرۃ سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: " کوئی بھی شخص ایک کپڑے میں اس طرح نماز نہ پڑھے کہ اس کے کندھوں پر کچھ نہ ہو۔"

لغوی تحقیق: عاتق: کندھا۔

تشریح: اس حدیث سے یہ واضح ہوا کہ نماز میں کندھوں کا ڈھانپنا بھی ضروری ہے، اگر کپڑا وغیرہ نہ ہو تو پھر کندھوں پر تِلی وغیرہ ڈال لی جائے۔ احناف کے نزدیک کندھوں کا ڈھانپنا ضروری نہیں، فقط ستر ڈھانپنا ضروری ہے۔ ان کا موقف زیر مطالعہ حدیث سے مسترد ہوتا ہے

فقہی احکام: بنیان پہن کر نماز ہو سکتی ہے۔

۲۰۸: وَعَنْ أُمِّ سَلَمَةَ رضی اللہ عنہا أَنَّهَا سَأَلَتِ النَّبِيَّ ﷺ أَتُصَلِّي الْمَرْأَةُ فِي دِرْعٍ وَخِمَارٍ ,بِغَيْرِ إِزَارٍ؟ قَالَ "إِذَا كَانَ الدِّرْعُ سَابِغًا يُغَطِّي ظُهُورَ قَدَمَيْهَا " أَخْرَجَهُ أَبُو دَاوُدَ وَصَحَّحَ الْأَئِمَّةُ وَقْفَهُ .

ابو داود، کتاب الصلاة، باب فی کم تصلی المرأة: ۶۳۹، الحاکم: ۲۵۰/۱ ، المؤطا: ۱۴۲/۱

تنبیہ: (۱) ابوداود (لؤلؤی نسخہ) اور حاکم میں " بغير ازار " کی جگہ " ليس عليها ازار " ہے۔ (۲): الحاکم کے مطبوعہ نسخہ میں محمد بن زید عن ابیہ ہے جب کہ ابوداود میں محمد بن زید عن اُمہ ہی ہے، اور یہی درست ہے۔

۲۰۸: حضرت اُم سلمہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے دریافت کیا، کیا عورت تہبند کے بغیر فقط قمیص اور دوپٹے میں نماز پڑھ سکتی ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: " جب قمیص اس قدر لمبی ہو کہ پاؤں کی پشت کو ڈھانپ لے۔" اسے ابوداود نے روایت کیا ہے اور ائمہ نے اس کے موقوف ہونے کو صحیح کہا ہے۔

لغوی تحقیق: درع: دال مکسور اور راء ساکن۔ سابغاً: قمیص کا خوب لمبا ہونا۔ يغطي: ڈھانپ لے۔ ظهور قدميها: پاؤں کی بالائی سطح۔

تشریح: حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے زیر مطالعہ روایت مرفوع اور موقوف ہر طرح سے مروی ہے، امام ابوداود نے اس روایت کو عبدالرحمٰن بن عبداللہ بن دینار کے طریق سے مرفوع روایت کیا ہے جبکہ ان کے دوسرے ساتھیوں نے موقوف بیان کیا ہے۔ عبدالرحمٰن اگرچہ صدوق ہے مگر اس سے اغلاط کا صدور ہوتا رہتا ہے۔ یہاں اس نے ثقہ رواۃ کی مخالفت کی ہے، بنابریں امام ابوداود، علامہ عبدالحق اشبیلی اور امام ابن جوزی وغیرہم نے اس کے موقوف طریق کو درست قرار دیا ہے۔

جبکہ امام حاکم نے مرفوع طریق کو صحیح قرار دیا ہے اور امام ذہبی نے اس پر مہر تصدیق ثبت کی ہے۔ مگر علامہ البانی نے دونوں طرق کو

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ضعیف قرار دیا ہے۔ راقم کے نزدیک علامہ البانی کی تحقیق درست ہے کیونکہ محمد بن زید بن المہاجر کی والدہ کو امام ذہبی نے مجہولہ کہا ہے۔

۲۰۹: وَعَنْ عَامِرِ بْنِ رَبِيعَةَ رضی اللہ عنہ قَالَ كُنَّا مَعَ النَّبِيِّ صلی اللہ علیہ وسلم فِي لَيْلَةٍ مُظْلِمَةٍ ,فَأَشْكَلَتْ عَلَيْنَا الْقِبْلَةُ ,فَصَلَّيْنَا .فَلَمَّا طَلَعَتِ الشَّمْسُ إِذَا نَحْنُ صَلَّيْنَا إِلَى غَيْرِ الْقِبْلَةِ ,فَنَزَلَتْ ﴿فَأَيْنَمَا تُوَلُّوا فَثَمَّ وَجْهُ اللَّهِ﴾ أَخْرَجَهُ التِّرْمِذِيُّ وَضَعَّفَهُ .

الترمذی ، ابواب الصلاۃ، باب ما جاء فی الرجل یصلی بغیر القبلة فی الغیم: ۳۴۵، ابن ماجة: ۱۰۲۰ ، البیہقی: ۲۲۷۶، ۲۲۸۵ ـ ۲۲۸۷، بیان الوہم والایہام: ۳۵۸/۳، ابو داؤد الطیالسی: ۱۱۴۵ ، المعجم الاوسط للطبرانی: ۱۸۴/۱ ، الدارقطنی: ۲۷۲/۱

۲۰۹: حضرت عامر بن ربیعہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہم ایک تاریک رات میں نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے، ہمارے لئے قبلہ کی شناخت مشتبہ ہوگئی، ہم نے نماز پڑھ لی لیکن جب (صبح) سورج طلوع ہوا تو ہمیں معلوم ہوا کہ ہم نے نماز قبلہ سمت ادا نہیں کی، اس پر یہ آیت نازل ہوئی" پس تم جس طرف رُخ کرو گے اسی طرف اللہ کا چہرہ ہے۔" اسے امام ترمذی نے روایت کیا ہے اور ضعیف قرار دیا ہے۔

لغوی تحقیق: مظلمة: میم مضموم اور لام مکسور، تاریک۔ فاشکلت: مشتبہ ہوگئی۔ فثم: ثاء مفتوح اور میم مشدد مفتوح، یہ اسم اشارہ ہے اور دور کیلئے استعمال ہوتا ہے، یعنی وہاں۔

تشریح: اس روایت کو امام ترمذی، امام ابن ماجہ، امام دارقطنی اور امام بیہقی وغیرہم نے اشعث بن سعید کے طریق سے نقل کیا ہے، اسے ماہرین فن نے ضعیف قرار دیا ہے۔ امام ابوداؤد الطیالسی نے یہی روایت عمرو بن قیس کی متابعت کے ساتھ نقل کی ہے، اس طرح اشعث کا ضعیف ہونا تو غیر مؤثر ہوگیا مگر یہ روایت پھر بھی درجہ حسن وصحت سے محروم ہے، کیونکہ اشعث کا شیخ عاصم بن عبیداللہ کو امام یحییٰ بن معین اور ابن حبان وغیرہما نے ضعیف قرار دیا ہے، البتہ علامہ ناصر الدین البانی نے الارواء میں اس حدیث کو حسن قرار دیا ہے۔

امام ابن قطان اس روایت کے بارے میں عبدالحق اشبیلی پر نقد کرتے ہوئے لکھتے ہیں؛ وموضع العلة منه عاصم بن عبيدالله فانه مضطرب الحديث تنكر عليه احاديث و اشعث السمان سئ الحفظ يروى المنكرات عن الثقات وقال فيه عمرو بن على متروك ؛اس روایت کے ضعیف ہونے کی ایک علت یہ ہے کہ عاصم بن عبیداللہ مضطرب ہے اور دوسری علت یہ ہے کہ اشعث انتہائی کمزور حافظہ والا ہے اور تیسری علت یہ ہے کہ عمرو بن علی متروک ہے۔

اس کی مؤید روایت امام بیہقی نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے نقل کی ہے، امام ابن قطان فرماتے ہیں کہ یہ روایت بھی دو علتوں کی وجہ سے معلول ہے (۱) احمد اور اس کے والد عبیداللہ کے درمیان انقطاع ہے۔ (۲) احمد مجہول الحال ہے۔

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے یہ روایت محمد بن سالم عن عطاء اور محمد بن عبیداللہ عن عطاء کے طریق سے بھی مروی ہے، امام بیہقی نے ان دونوں کو ضعیف قرار دیا ہے، امام بیہقی حضرت عامر بن ربیعہ رضی اللہ عنہ اور حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی روایات کو مختلف طرق سے نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں کہ ہم اس سلسلے میں مروی صحیح حدیث سے آگاہ نہیں، کیونکہ عاصم بن عبیداللہ، محمد بن عبیداللہ العزرمی اور محمد بن سالم کوفی سب ضعیف رواۃ ہیں۔ اس مضمون کی ایک روایت حضرت معاذ رضی اللہ عنہ سے بھی مروی ہے مگر وہ روایت بھی احمد بن محمد بن الحجاج کی وجہ سے ضعیف ترین ہے۔

فقہی احکام: (۱) اس حدیث میں مذکور آیت کا شان نزول کوئی خاص واقعہ سے متعلق نہیں ہے۔

(۲) قرآن حکیم کی اس آیت کی روشنی میں یہ کہا جا سکتا ہے کہ اگر غلطی سے غیر قبلہ رخ فرض نماز پڑھی گئی تو ادا ہو جائے گی۔

۲۱۰: وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضی اللہ عنہ قَالَ، قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صلی اللہ علیہ وسلم " مَا بَيْنَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ قِبْلَةٌ " رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ ,وَقَوَّاهُ

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

اَلْبُخَارِیُّ .

الترمذی ، ابواب الصلاۃ، باب ماجاء ان بین المشرق و المغرب قبلۃ: ۳۴۲ ، ۳۴۴، ابن ماجۃ: ۱۰۱۱ ، الحاکم: ۲۰۵/۱،

البیھقی: ۲۲۷۳

۲۱۰: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:" قبلہ مشرق اور مغرب کے مابین ہے۔"اسے امام ترمذی نے روایت کیا ہے اور امام بخاری نے قوی کہا ہے۔

تشریح: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے یہ روایت متعدد طرق سے مروی ہے، امام بخاری نے عبداللہ بن جعفر المخزومی سے مروی طریق کو ابومعشر سے مروی طریق سے زیادہ قوی قرار دیا ہے۔ نیز حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی روایت اس کی مؤید ہے۔

اس روایت کا اطلاق فقط ان علاقوں پر ہوتا ہے جو مدینہ کی طرح مکہ کے شمال میں واقع ہیں، جب ان علاقوں کے لوگ اپنا رخ جنوب کی طرف کرتے ہیں تو اس وقت مشرق ان کے بائیں طرف اور مغرب دائیں طرف پڑتا ہے۔

فقہی احکام: (۱) دور دراز علاقوں میں رہنے والے لوگوں کیلئے ضروری نہیں کہ ان کا چہرہ عین قبلہ کی طرف ہو کر کیونکہ ایسا تقریباً ناممکن ہے (۲) یہ حضرات اپنے چہرے قبلہ کی سمت کر لیں یہی ان کیلئے کافی ہے۔

۲۱۱: وَعَنْ عَامِرِ بْنِ رَبِيعَةَ رضی اللہ عنہ قَالَ رَأَيْتُ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ يُصَلِّي عَلَى رَاحِلَتِهِ حَيْثُ تَوَجَّهَتْ بِهِ . مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ . زَادَ اَلْبُخَارِيُّ، يُوْمِئُ بِرَأْسِهِ ,وَلَمْ يَكُنْ يَصْنَعُهُ فِي اَلْمَكْتُوبَةِ .

البخاری، کتاب تقصیر الصلوۃ، باب صلوۃ التطوع علی الدواب وحیثما توجھت بہ: ۱۰۹۳، ۱۰۹۷، مسلم: ۷۰۱، البیھقی: ۲۲۵۱، احمد: ۴۴۴/۳ـ ۴۴۶

تنبیہ: مطبوعہ صحیح بخاری کی دوسری روایت کے الفاظ اس طرح ہیں: و لم یکن رسول اللہ ﷺ یصنع ذالک فی الصلاۃ المکتوبۃ۔

۲۱۱: حضرت عامر بن ربیعہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں میں نے رسول اللہ ﷺ کو ان کی اُونٹنی پر نماز پڑھتے ہوئے دیکھا، جبکہ اونٹنی کسی بھی طرف رُخ کر رہی تھی (بخاری ومسلم) امام بخاری نے یہ الفاظ مزید بیان کیے ہیں کہ آپ ﷺ سجدہ اشارے سے فرماتے تھے اور فرض نماز سواری پر ادا نہیں فرماتے تھے۔

لغوی تحقیق: المکتوبۃ: فرض نماز۔

تشریح: بخاری کی ایک دوسری روایت میں اس بات کی صراحت ہے، کہ آپ ﷺ سواری پر فقط نفل نماز پڑھتے تھے اور سر سے اشارہ فرماتے تھے، حالت نماز میں سواری کو قبلہ رخ رکھنے کا اہتمام نہیں فرماتے تھے اور فرض نمازوں کیلئے ایسا نہیں کرتے تھے۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی روایت میں ہے کہ آپ ﷺ سجدہ کیلئے جب سر کا اشارہ فرماتے تو رکوع سے قدر زیادہ سر نیچا فرماتے۔

فقہی احکام: (۱) نفلی نماز سواری پر بھی ہو جاتی ہے خواہ سواری کا منہ غیر قبلہ رخ ہی کیوں نہ ہو۔ (۲) فرائض کیلئے قبلہ رخ ہونا ضروری ہے اس لئے فرض نماز سواری پر نہیں ہوتی۔ (۳) کسی شرعی عذر کی وجہ سے اشارے سے نماز پڑھنا جائز ہے۔

۲۱۲: وَلِأَبِي دَاوُدَ مِنْ حَدِيثِ أَنَسٍ كَانَ إِذَا سَافَرَ فَأَرَادَ أَنْ يَتَطَوَّعَ اِسْتَقْبَلَ بِنَاقَتِهِ اَلْقِبْلَةَ ,فَكَبَّرَ ,ثُمَّ صَلَّى حَيْثُ كَانَ وَجْهُ رِكَابِهِ وَإِسْنَادُهُ حَسَنٌ .

ابوداود، کتاب الصلاۃ، باب التطوع علی الراحلۃ و الوتر: ۱۲۲۵ ، مسنداحمد: ۲۰۳/۳، الدارقطنی: ۳۹۶/۱، البیھقی: ۲۲۴۹،

” محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ “

البخاری: ۱۰۹۸، ۱۰۹۹، التلخیص: ۲۲۵/۱

۲۱۲: امام ابوداؤد حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت لائے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم جب سفر فرماتے اور اثناء سفر نماز پڑھنے کا ارادہ فرماتے تو پہلی بار اونٹنی کا رُخ قبلہ کی طرف فرما لیتے اور اللہ اکبر کہہ کر نماز شروع کر دیتے، خواہ بعد میں سواری کا رُخ کسی طرف بھی ہوتا۔ اس کی سند حسن ہے۔

لغوی تحقیق: **یتطوع:** نفلی نماز پڑھتے۔ **رکاب:** راء مکسور سواری۔

تشریح: اس روایت کو امام ابوداؤد، امام احمد، امام دارقطنی اور امام بیہقی نے ربعی بن عبداللہ کے طریق سے نقل کیا ہے، مؤلف رحمۃ اللہ علیہ نے **التلخیص الحبیر** ۲۱۴/۱ میں امام ابن سکن کے حوالے سے اس کی تصحیح بھی نقل کی ہے۔ البتہ ان احادیث میں نفلی نماز کے آغاز میں سواری کا منہ قبلہ رخ کرنے کا ذکر نہیں، حضرت جابر، حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہم سے مروی حدیث میں یہ صراحت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم جب فرض نماز پڑھنا چاہتے تو سواری سے نیچے اتر جاتے اور قبلہ رخ منہ کر کے نماز پڑھتے۔

۲۱۳: وَعَنْ أَبِي سَعِيدٍ رضی اللہ عنہ عَنِ النَّبِيِّ صلی اللہ علیہ وسلم "اَلْأَرْضُ كُلُّهَا مَسْجِدٌ إِلَّا الْمَقْبَرَةَ وَالْحَمَّامَ" رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ, وَلَهُ عِلَّةٌ.

الترمذی، ابواب الصلاۃ، باب ماجاء ان الارض کلھا مسجد الاالمقبرۃ و الحمام: ۳۱۷، ابوداود: ۴۹۲، احمد: ۸۳/۳، ابن ماجۃ: ۷۴۵، التحقیق: ۳۱۹، الخلاصۃ: ۳۲۱/۱، التنقیح: ۷۳۱/۱، الاحکام الوسطیٰ: ۲۸۸/۱، الارواء: ۳۲۰/۱

۲۱۳: حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "قبرستان اور بیت الخلا کے سوا ساری زمین سجدہ گاہ ہے۔" اسے ترمذی نے بیان کیا ہے اور اس میں کمزوری ہے۔

لغوی تحقیق: **المقبرۃ:** میم مفتوح، کاف ساکن اور باء مفتوح، قبرستان۔ **الحمام:** حاء مفتوح اور میم مشدد مفتوح، بیت الخلا۔

علۃ: عین مکسور، لام مشدد مفتوح، کمزوری۔

تشریح: اس روایت کو امام ترمذی، امام ابوداؤد، امام احمد، امام ابن ماجہ اور امام حاکم وغیرہم نے روایت کیا ہے۔ یہ روایت آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے مرفوع اور مرسل ہر دو طرح سے مروی ہے۔ جیسا کہ علامہ عبدالحق اشبیلی فرماتے ہیں کہ بعض نے اسے مسند بیان کیا ہے اور بعض نے مرسل، مرسل بیان کرنے والوں میں سفیان ثوری ہے۔ امام ترمذی اس روایت کو مضطرب قرار دیتے ہیں اور **العلل** میں مرسل طریق کو محفوظ قرار دیتے ہیں، امام نووی نے **الخلاصہ** میں موصول طریق کی تضعیف کی ہے۔ علامہ ابن عبدالھادی نے امام الدارقطنی کے حوالے سے مرسل طریق کو محفوظ قرار دیا ہے۔ علامہ ناصرالدین البانی نے مرفوع طریق کو صحیح قرار دیتے ہوئے کہا ہے کہ بعض نے اسے معلول کہا ہے، مگر وہ علت مؤثر نہیں۔

فقہی احکام: (۱) قبرستان یا قبروں کی طرف منہ کر کے نماز پڑھنا ممنوع ہے۔

(۲) ناپاک مقامات پر نماز پڑھنا ممنوع ہے خواہ وہ طہارت خانوں کی صورت میں ہو یا کسی اور وجہ سے ناپاک ہوں۔

۲۱۴: وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ رضی اللہ عنہما نَهَى النَّبِيُّ صلی اللہ علیہ وسلم أَنْ يُصَلَّى فِي سَبْعِ مَوَاطِنَ الْمَزْبَلَةِ, وَالْمَجْزَرَةِ, وَالْمَقْبَرَةِ, وَقَارِعَةِ الطَّرِيقِ, وَالْحَمَّامِ, وَمَعَاطِنِ الْإِبِلِ, وَفَوْقَ ظَهْرِ بَيْتِ اللَّهِ. رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَضَعَّفَهُ.

الترمذی، ابواب الصلاۃ، باب ماجاء فی کراھیۃ ما یصلی الیہ و فیہ: ۳۴۶، الاحکام الوسطیٰ: ۲۸۸/۱، التنقیح: ۷۲۸/۱، ابن ماجۃ: ۷۴۶

۲۱۴: حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے سات مقامات پر نماز پڑھنے سے منع فرمایا ہے، کچرا کنڈی، مذبح

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

خانہ، قبرستان، حمام، اونٹوں کے بیٹھنے کی جگہ، شارع عام، اور بیت اللہ کی چھت پر۔" اسے امام ترمذی نے بیان کیا ہے اور ضعیف کہا ہے۔

لغوی تحقیق: المزبلة: میم اور باء مفتوح، کچرا کنڈی۔ المجزرة: میم اور زاء مفتوح، وہ مقام جہاں جانور ذبح کئے جاتے ہیں۔

قارعة الطريق: عام گزرگاہ۔ معاطن: میم مفتوح اور طاء مکسور، معطن کی جمع ہے۔

تشریح: اس حدیث کو امام ترمذی نے زید بن جبیرہ کے طریق سے نقل کیا ہے اور اسے غیر قوی قرار دیا ہے اور اس کے حافظہ کے بارے میں کلام کیا ہے۔ علامہ ابن عبدالھادی نے زید بن جبیرہ کے ضعیف ہونے پر اتفاق نقل کیا ہے۔

امام ابن ماجہ نے اس روایت کو ایک دوسری سند سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے لیکن وہ طریق اس سے بھی زیادہ کمزور ہے، کیونکہ اس کی سند میں عبداللہ العمری اور عبداللہ بن صالح ہیں، عبداللہ بن عمر العمری کو بعض ماہرین فن نے ان کے حافظے کی وجہ سے ضعیف قرار دیا ہے، اسی طرح عبداللہ بن صالح بھی ضعیف ہیں۔ امام ابوحاتم نے دونوں طرق کو ضعیف قرار دیا ہے۔ یہ روایت اگرچہ ضعیف ہے تاہم ان مقامات میں سے بعض مقامات پر نماز پڑھنے کی ممانعت دیگر احادیث سے ثابت ہے۔ (۱) قبرستان کو مسجد بنانے کی ممانعت حضرت عائشہ اور حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی حدیث میں مذکور ہیں۔ (۲) اونٹوں کے باڑے میں نماز پڑھنے کی ممانعت حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث میں مذکور ہے۔

۲۱۵: وَعَنْ أَبِي مَرْثَدٍ الْغَنَوِيِّ رضی اللہ عنہ قَالَ سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صلی اللہ علیہ وسلم يَقُولُ "لَا تُصَلُّوا إِلَى الْقُبُورِ, وَلَا تَجْلِسُوا عَلَيْهَا" رَوَاهُ مُسْلِمٌ.

صحیح مسلم، کتاب الجنائز، باب النهی عن الجلوس علی القبر و الصلاة علیه: ۹۷۲، ابوداود: ۳۲۲۹، الترمذی: ۱۰۶۱، النسائی: ۲/۶۷، البخاری: ۴۳۲، ۴۳۵، ۴۳۶، المعجم الاوسط: ۷۷۳۰

۲۱۵: حضرت ابومرثد غنوی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرما رہے تھے " قبروں کی طرف منہ کر کے نماز مت پڑھو اور ان پر مت بیٹھو۔" (مسلم)

تشریح: رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے شرک کے شجرہ خبیثہ کو جڑ سے اکھاڑ پھینکنے کے بعد امت مرحومہ کو ان امور سے سختی سے منع فرمایا جو کسی طرح بھی شرک کو رواج دینے کا سبب بن سکتے تھے، شرک کی مذمت کا سلسلہ رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے مرض الموت تک جاری رکھا۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مرض الموت میں فرمایا "یہود و نصاری پر اللہ کی لعنت ہو، انہوں نے انبیا کی قبروں کو سجدہ گاہیں بنا لیا تھا" محترمہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں، یہ جملہ کہہ کر رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے امت مرحومہ کو خبردار فرمایا ہے۔ حضرت جندب رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث میں ہے "میں تمہیں ایسا کرنے سے منع کرتا ہوں۔" اسی مضمون کی احادیث حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما وغیرہ سے بھی مروی ہے۔

فقہی احکام: (۱) مسجد میں قبر نہ بنائی جائے۔ (۲) قبرستان میں مسجد نہیں بنانی چاہیے۔
(۳) قبروں کو سجدہ کرنے والوں پر اللہ کی لعنت ہے۔ (۴) نفلی عبادت گھروں میں کرنی چاہیے۔

۲۱۶: وَعَنْ أَبِي سَعِيدٍ الخدری رضی اللہ عنہ قَالَ، قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صلی اللہ علیہ وسلم " إِذَا جَاءَ أَحَدُكُمُ الْمَسْجِدَ, فَلْيَنْظُرْ, فَإِنْ رَأَى فِي نَعْلَيْهِ أَذًى أَوْ قَذَرًا فَلْيَمْسَحْهُ, وَلْيُصَلِّ فِيهِمَا" أَخْرَجَهُ أَبُو دَاوُدَ, وَصَحَّحَهُ اِبْنُ خُزَيْمَةَ.

ابوداود، کتاب الصلاة، باب الصلاة فی النعل: ۶۵۰، ۶۵۱، ۶۵۵، مسنداحمد: ۳/۲۰، الحاکم: ۱/۲۶۰، ابن خزیمة: ۱/۳۸۴، ۲/۱۰۷، المعجم الاوسط: ۸۷۳۰

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

تنبیہ: ابوداؤد (لؤلؤی نسخہ) میں الی المسجد ہے۔

۲۱۶: حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "تم میں سے کوئی ایک مسجد آئے تو اُسے چاہیے کہ وہ اپنے جوتے اچھی طرح دیکھے، اگر اس کے جوتوں میں غلاظت وغیرہ لگی ہو تو اسے صاف کر کے نماز پڑھے۔" اسے ابوداؤد نے بیان کیا ہے اور ابن خزیمہ نے صحیح کہا ہے۔

لغوی تحقیق: اذی: ہر وہ چیز جس سے طبعی طور پر نفرت کی جائے۔ قذراً: غلاظت وغیرہ۔

تشریح: اس حدیث کو امام ابوداود، امام ابن خزیمہ، امام حاکم اور امام البیہقی وغیرہم نے حماد بن سلمہ کے طریق سے نقل کی ہے، یہ حدیث مرفوع اور مرسل ہر دو طرق سے مروی ہے۔ ماہرین کی اکثریت نے اس کے مرفوع طریق کو راجح قرار دیا ہے کیونکہ مرفوع بیان کرنے میں محمد بن عقیل نے حماد بن سلمہ کی متابعت کی، جبکہ ایک طریق میں حماد بن زید بھی حماد بن سلمہ کے متابع نظر آرہے ہیں لیکن یہاں حماد بن زید کی موجودگی کو امام ابوداؤد، امام حاکم اور امام بیہقی وغیرہ نے راوی کا وہم قرار دیتے ہوئے کہا ہے کہ اصل میں حماد بن سلمہ ہی ہے۔ اسی مفہوم کی حدیث حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے بھی منقول ہے۔ ان احادیث سے یہ حقیقت عیاں ہو رہی ہے کہ جوتا پہن کر نماز پڑھی جاسکتی ہے بشرطیکہ جوتا پاک ہو اور اگر جوتے کو غلاظت وغیرہ لگی ہو تو پھر جوتے کو مٹی پر رگڑ کر غلاظت دور کی جائے، غلاظت کے دور ہوتے ہی جوتا پاک ہو جائے گا، کیونکہ مٹی میں مکمل طور پر نجاست کو پاک کرنے کی صلاحیت موجود ہے۔ اگر آغاز نماز میں نجاست کا علم نہ ہو سکے اور دوران نماز کوئی آگاہ کر دے کہ آپ کے جوتے ناپاک ہیں، تو جوتے فوراً اتار دیئے جائیں اور نماز کو معمول کے مطابق جاری رکھا جائے، نماز کو لوٹانے کی ضرورت نہیں، حضرت شداد رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث میں ہے کہ آپ ﷺ نے جوتے پہن کر نماز پڑھنے کا حکم فرمایا

فقہی احکام: (۱) جوتے پہن کر نماز پڑھنا مسنون ہے۔ (۲) ناپاک جوتوں کو مٹی پر رگڑ کر پاک کیا جاسکتا ہے۔ (۳) دوران نماز جوتے اتارے جاسکتے ہیں۔ (۴) مٹی حصول طہارت کا مکمل ذریعہ ہے۔ (۵) جوتے کو اگر دوران جماعت اتارنے کی ضرورت پیش آجائے تو اتار کر اپنے پاؤں کے مابین رکھا جائے۔ (۶) عصر حاضر میں چونکہ مساجد میں ٹائل اور پتھر لگا ہوا ہے اس لئے نماز بغیر جوتوں کے ادا کی جائے

۲۱۷: وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضی اللہ عنہ قَالَ، قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ "إِذَا وَطِئَ أَحَدُكُمُ الْأَذٰى بِخُفَّيْهِ فَطَهُورُهُمَا التُّرَابُ" أَخْرَجَهُ أَبُو دَاوُدَ وَصَحَّحَهُ ابْنُ حِبَّانَ .

ابوداود، کتاب الصلاۃ، باب فی الاذی یصیب الذیل: ۳۸۸-۳۸۵، ابن حبان: ۱۴۰۳، ۱۴۰۴، المعجم الاوسط: ۴۳۰۵، ۵۰۱۳، ۸۷۳۰، الدارقطنی: ۱/۳۸۳، ۳۹۹، الحاکم: ۴۸۶، ۵۹۰، ۹۵۵، البیہقی: ۲/۴۳۰، (۴۱۹۳)

۲۱۷: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "آپ میں سے کوئی ایک جب گندگی کو اپنے موزوں سے روندلے تو مٹی انہیں پاک کرنے کے لیے کافی ہے۔" اسے ابوداؤد نے روایت کیا ہے اور ابن حبان نے صحیح کہا ہے۔

لغوی تحقیق: وطی: کسی چیز کو پامال کرنا۔ خفیہ: خف کا تثنیہ ہے، نون اضافت کی وجہ سے ساقط ہو گیا ہے، موزے۔

تشریح: اس روایت کو امام ابوداود، امام ابن خزیمہ، امام بیہقی نے محمد بن کثیر کے طریق سے نقل کیا ہے، امام علی بن مدینی فرماتے ہیں کہ مجھے محمد بن کثیر سے ملنے کا بڑا اشتیاق تھا، لیکن اب میں اسے دیکھنا بھی نہیں چاہتا۔ امام بخاری نے بھی اسے ضعیف قرار دیا ہے۔ امام بیہقی نے اس روایت کو ولید بن مزید عن ابیہ کے طریق سے نقل کیا ہے۔ ولید بن مزید اگرچہ ثقہ ہے لیکن اس کے باپ کی توثیق نہیں ملتی البتہ امام ابن حبان نے یہ روایت صحیح سند سے نقل کی ہے، اس مضمون کی روایت حضرت ابوسعید خدری، حضرت عبداللہ بن مسعود، حضرت عبداللہ

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

بن عباس، حضرت انس، حضرت ابو ہریرہ اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہم سے بھی منقول ہیں۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہما سے مروی حدیث کو امام طبرانی نے الاوسط میں ابوحمزہ میمون کے طریق سے نقل کیا ہے، موصوف کو نامور ماہرین فن نے ضعیف قرار دیا ہے۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی حدیث کو امام دارقطنی نے فرات بن سائب کے طریق سے نقل کیا ہے، علامہ عبدالحق اشبیلی وغیرہ نے فرات کو ضعیف قرار دیا ہے۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی روایت کو امام حاکم، امام بیہقی اور امام طبرانی نے عبداللہ بن مثنیٰ کے طریق سے نقل کیا ہے، امام حاکم نے اس حدیث کو بخاری کی شرط کے مطابق صحیح قرار دیا ہے، امام ذہبی اور علامہ ناصر الدین البانی نے اس پر مہر تصدیق ثبت کی ہے، اس حدیث میں حضرت انس رضی اللہ عنہ نے یہ صراحت کی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بغیر جوتا پہنے فقط ایک ہی نماز پڑھی ہے وہ بھی اس لئے کہ حضرت جبریل علیہ السلام نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اطلاع دی تھی کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے جوتوں کو غلاظت لگی ہوئی ہے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی روایت کو امام طبرانی نے **المعجم الاوسط** میں عباد بن کثیر کے طریق سے نقل کیا ہے، موصوف کو نامور ماہرین فن نے ضعیف کہا ہے جبکہ امام حاکم نے اسے محمد بن کثیر کے طریق سے نقل کیا ہے، امام حاکم نے اسے صدوق اور امام احمد نے ضعیف کہا ہے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی روایت کو امام ابوداؤد نے امام اوزاعی کے طریق سے نقل کیا ہے، امام بیہقی نے اس روایت کو منقطع قرار دیا ہے۔ حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث کو امام حاکم نے روایت کیا ہے اور اسے مسلم کی شرط کے مطابق قرار دیا ہے اور امام ذہبی نے اس پر مہر تصدیق ثبت کی ہے۔ درج بالا بیانات سے یہ واضح ہوا کہ ان میں سے دو احادیث قطعی طور پر صحیح ہیں اور باقی ان کی مؤید ہیں۔

فقہی احکام: (۱) جوتے پہن کر نماز ہو جاتی ہے۔ (۲) دوران نماز اگر اطلاع مل جائے کہ جوتے ناپاک ہیں تو انہیں اتار دینا چاہیے۔ (۳) مٹی ہر قسم کی نجاست کو دور کرنے کی صلاحیت رکھتی ہے۔ (۴) تنہا موزے پہن کر بھی چلا جا سکتا ہے۔

۲۱۸: وَعَنْ مُعَاوِيَةَ بْنِ الْحَكَمِ رضی اللہ عنہ قَالَ، قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم "إِنَّ هٰذِهِ الصَّلَاةَ لَا يَصْلُحُ فِيهَا شَيْءٌ مِنْ كَلَامِ النَّاسِ, إِنَّمَا هُوَ التَّسْبِيحُ ,وَالتَّكْبِيرُ ,وَقِرَائَةُ الْقُرْآنِ " رَوَاهُ مُسْلِمٌ .

مسلم، كتاب المساجد و مواضع الصلاة، باب تحريم الكلام في الصلاة: ۵۳۷، ابوداود: ۹۳۱، احمد: ۴۴۷/۵، النسائي: ۱۴/۳

۲۱۸: حضرت معاویہ بن حکم رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "یہ نماز ہے اس میں انسانوں سے گفتگو کی کوئی گنجائش نہیں اس میں صرف تسبیح، تکبیر اور قرآن کی تلاوت ہونی چاہیے۔" (مسلم)

تشریح: آغاز اسلام میں دوران نماز باہمی گفتگو کی ممانعت نہیں تھی، بعد میں آنے والا نماز پڑھنے والوں سے ضرورت کی گفتگو کر لیتا تھا، اسی دوران حضرت معاویہ بن حکم رضی اللہ عنہ رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی معیت میں نماز ادا کر رہے تھے، کسی نے چھینک مار کر **الحمد لله** کہا، حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے جواب میں **یرحمک الله** کہا تو رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز سے فارغ ہو کر انہیں اس حدیث میں مذکور آداب نماز سے آگاہ فرمایا۔

فقہی احکام: (۱) نماز میں باہمی گفتگو ممنوع ہے۔ (۲) اس حدیث میں اگرچہ درود کا تذکرہ نہیں، تاہم دیگر احادیث میں صراحت ہے، اسی لئے درود پڑھنا بھی آداب نماز میں شامل ہے۔

۲۱۹: وَعَنْ زَيْدِ بْنِ أَرْقَمَ رضی اللہ عنہ قَالَ إِنْ كُنَّا لَنَتَكَلَّمُ فِي الصَّلَاةِ عَلَى عَهْدِ النَّبِيِّ صلی اللہ علیہ وسلم يُكَلِّمُ أَحَدُنَا صَاحِبَهُ بِحَاجَتِهِ,

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

حَتَّی نَزَلَتْ ﴿حَافِظُوا عَلَی الصَّلَوَاتِ وَالصَّلَاةِ الْوُسْطَی وَقُومُوا لِلَّهِ قَانِتِينَ﴾[الْبَقَرَة: 238] فَأُمِرْنَا بِالسُّكُوتِ، وَنُهِينَا عَنِ الْكَلَامِ . مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ ,وَاللَّفْظُ لِمُسْلِمٍ .

مسلم، كتاب المساجد و مواضع الصلاة، باب تحريم الكلام فى الصلاة: ۵۳۹، البخارى: ۱۲۰۰، الترمذى: ۴۰۵، ابوداود: ۹۴۹، البيهقى: ۲۳۹/۲، النسائى: ۱۸/۳، احمد: ۳۶۸/۴

تنبیہ: مؤلف رحمہ اللہ نے زیر مطالعہ حدیث کے الفاظ کو مسلم کی طرف منسوب کیا ہے حالانکہ مذکورہ الفاظ صحیح بخاری میں مروی الفاظ کے قریب تر ہیں۔

۲۱۹: حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہم عہد رسالت صلی اللہ علیہ وسلم میں دوران نماز گفتگو کر لیا کرتے تھے، اور اپنی ضرورت سے ایک دوسرے کو آگاہ کر دیا کرتے تھے، یہاں تک کہ "نمازوں کی حفاظت کرو خصوصاً درمیانی نماز کی اور اللہ تعالیٰ کے حضور خاموشی کے ساتھ کھڑے ہوا کرو۔" نازل ہوئی تو ہمیں خاموش رہنے کا حکم دیا گیا، اور باہمی گفتگو سے منع کر دیا۔ (بخاری و مسلم) یہ الفاظ مسلم کے ہیں۔

لغوی تحقیق: الوسطیٰ: درمیانی نماز، عصر۔ قانتین: یہ الفاظ گیارہ معانی میں مستعمل ہے، صحابہ نے اس کا معنی خاموش رہنا کیا ہے۔

تشریح: اس مضمون کی احادیث حضرت عبداللہ بن مسعود اور حضرت جابر رضی اللہ عنہما سے بھی مروی ہے۔ نماز میں گفتگو کرنے کی ممانعت مدینہ منورہ تشریف لیجانے کے بعد ہوئی۔ اس بات پر تمام اہل علم کا اتفاق ہے کہ نماز میں باہمی گفتگو جائز نہیں۔

فقہی احکام: (۱) نماز میں باہمی گفتگو منع ہے۔ (۲) اشارے سے راہنمائی کی جا سکتی ہے۔

۲۲۰: وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضی اللہ عنہ قَالَ، قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صلی اللہ علیہ وسلم " اَلتَّسْبِيحُ لِلرِّجَالِ ,وَالتَّصْفِيقُ لِلنِّسَاءِ " مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ ، زَادَ مُسْلِمٌ " فِي الصَّلَاةِ "

البخارى، كتاب العمل فى الصلاة، باب التصفيق للنساء: ۱۲۰۳، مسلم: ۴۲۲، ابوداود: ۹۳۹، النسائى: ۱۱/۳، ابن ماجة: ۱۰۳۴، احمد: ۲۴۱/۲، ابن الجارود: ۲۱۰، ابن حبان: ۲۲۶۲، ۲۲۶۳، المعجم الاوسط: ۵۲۱، ۵۸۴، ۱۲۷۷

۲۲۰: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "حضرات کیلئے تسبیح اور خواتین کے لیے تصفیق ہے۔" (بخاری و مسلم) مسلم نے "نماز میں" کے الفاظ بھی نقل کئے ہیں۔

لغوی تحقیق: تسبیح: سبحان اللہ۔ التصفیق: سیدھے ہاتھ کی دو انگلیوں کو الٹے ہاتھ کی پشت پر مارنا۔

تشریح: امام اگر بھول کر نماز میں تقدیم و تاخیر کرے تو پھر ایسی صورت میں مرد حضرات کو چاہیے کہ وہ امام کو متنبہ کرنے کیلئے سبحان اللہ کہیں اور اگر حضرات بھی وہم کا شکار ہو جائیں اور خواتین باخبر ہوں تو انہیں چاہیے کہ وہ دائیں ہاتھ کی دو انگلیوں کو بائیں ہاتھ کی پشت پر مار کر متنبہ کریں۔ اسی مفہوم کی احادیث حضرت ابوسعید اور حضرت جابر رضی اللہ عنہما سے بھی مروی ہیں۔ ان احادیث سے بظاہر یہ واضح ہوا کہ عورت کی آواز بھی عورت کے اعضاء جسمانی ہی کے حکم میں ہے، یعنی جس طرح خواتین کو غیر مردوں سے اپنا جسم چھپانا ضروری ہے، اسی طرح انہیں اپنی آواز بھی چھپانی چاہیے، لیکن اس صورت میں یہ حدیث قرآنی آیت کے خلاف ہوگی، کیونکہ قرآن حکیم نے انہیں غیر مردوں کے سوال کا جواب معروف طریقے سے دینے کی اجازت دی ہے۔ جس سے یہ صاف ظاہر ہوتا ہے کہ خواتین کی آواز ستر میں داخل نہیں، راقم کے نزدیک قرآن و حدیث کی ان ہدایات میں مطابقت کی صورت یہ ہے کہ خواتین کی آواز بلا شبہ ستر میں داخل نہیں لیکن چونکہ انکی آواز بھی فتنہ کا سبب بن سکتی ہے لہٰذا جہاں تک ممکن ہو خواتین کو اپنی آواز بھی چھپانی چاہیے، حالت نماز میں چونکہ امام کو اس کی غلطی پر متنبہ کرنا مقصود ہے اور یہ مقصود تصفیق سے حاصل ہو سکتا ہے، اس لئے انہیں آواز بلند کرنے سے منع کیا گیا ہے۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

فقہی احکام: (۱) خواتین کی آواز ستر میں داخل نہیں، (۲) خواتین کو چاہیے کہ وہ فتنہ کے پھیلاؤ کے خوف سے اپنی آواز کو ممکن حد تک چھپانے کی کوشش کریں۔ (۳) شرعی ضرورت کے تحت نماز میں عمل کثیر کیا جا سکتا ہے۔

۲۲۱: وَعَنْ مُطَرِّفِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ الشِّخِّيرِ, عَنْ أَبِيهِ قَالَ رَأَيْتُ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ يُصَلِّي, وَفِي صَدْرِهِ أَزِيزٌ كَأَزِيزِ الْمِرْجَلِ, مِنَ الْبُكَاءِ . أَخْرَجَهُ الْخَمْسَةُ, إِلَّا ابْنَ مَاجَة, وَصَحَّحَهُ ابْنُ حِبَّانَ .

النسائی، کتاب السهو، باب البكا في الصلاة: ۱۳/۳ (۱۲۱۵)، الترمذی فی الشمائل: ۳۱۵، ابوداود: ۹۰۴، مسند احمد: ۲۵/۴، صحیح ابن حبان: ۶۶۵، الحاکم: ۲۶۴/۱، البیهقی: ۲۵۱/۲

۲۲۱: حضرت عبداللہ بن شخیر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو نماز پڑھتے دیکھا، آپ ﷺ کے سینہ مبارک سے گریہ وزاری کی وجہ سے ایسی آوازیں آ رہی تھیں جیسے جوش کھاتی ہوئی ہنڈیا کی آواز ہوتی ہے۔ اسے ابوداود، ترمذی، نسائی اور احمد نے بیان کیا ہے اور ابن حبان نے صحیح کہا ہے۔

لغوی تحقیق: ازیز: جوش مارتی ہوئی ہنڈیا کی آواز۔ المرجل: میم مکسور، راء ساکن اور جیم مفتوح، ہنڈیا۔

تشریح: اس روایت کو امام ابوداود، امام نسائی، امام ترمذی، امام ابن خزیمہ نے حماد بن سلمہ کے طریق سے بیان کیا ہے، اس حدیث سے یہ ثابت ہوا کہ نماز میں اللہ تعالیٰ کے ڈر اور خوف کی وجہ سے رونا نماز کے حسن میں اضافہ کرتا ہے، ابوداؤد کی روایت میں ہے کہ چکی کی آواز جیسی آواز تھی۔

فقہی احکام: (۱) حالت نماز میں اللہ تعالیٰ سے ڈر کر رونا مستحسن کام ہے۔

(۲) جاندار کے کسی وصف کو غیر جاندار چیز کے وصف سے تشبیہ دینا جائز ہے۔

۲۲۲: وَعَنْ عَلِيٍّ رضی اللہ عنہ قَالَ كَانَ لِي مَعَ رَسُولِ اللّٰهِ ﷺ مَدْخَلَانِ, فَكُنْتُ إِذَا أَتَيْتُهُ وَهُوَ يُصَلِّي تَنَحْنَحَ لِي . رَوَاهُ النَّسَائِيُّ, وَابْنُ مَاجَة .

ابن خزیمة، کتاب الصلاة، باب الرخصة فی التنحنح فی الصلاة عند الاستئذان علی المصلی ان صحت هذا اللفظة فقد اختلفوا فیها: ۹۰۲، النسائی: ۱۲/۳، ابن ماجة: ۳۷۰۸، مسند احمد: ۷۹/۱، تمام المنة: ۳۱۲

۲۲۲: حضرت علی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں دو دفعہ پیش ہوتا تھا، اور آپ ﷺ کی خدمت میں ایسے وقت حاضر ہوتا کہ آپ ﷺ نماز پڑھ رہے ہوتے تو آپ ﷺ کھنکار کے ذریعے مجھے مطلع کر دیتے۔ اسے نسائی اور ابن ماجہ نے روایت کیا ہے۔

لغوی تحقیق: مدخلان: میم مفتوح، مدخل کا تثنیہ ہے، حاضر خدمت ہونے کے دو اوقات۔ تنحنح: یہ نح سے ماخوذ ہے، آواز کو حلق میں گردش دینا۔

تشریح: یہ روایت امام نسائی، امام ابن ماجہ، امام احمد اور امام ابن خزیمہ نے عبداللہ بن نجی کے طریق سے نقل کی ہے، عبداللہ یہ روایت کبھی براہ راست حضرت علی رضی اللہ عنہ سے نقل کرتا ہے اور کبھی اپنے والد کے واسطے سے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے نقل کرتا ہے، اسی طرح کبھی "تنحنح" کا لفظ نقل کرتا ہے اور کبھی "سبح" کا لفظ نقل کرتا ہے۔ ابن خزیمہ کی روایت میں منزلة کا ذکر ہے، لہٰذا یہ روایت متعدد علل کی وجہ سے ضعیف ہے۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

(۱) نجی مجہول ہے۔ (۲) سند اور متن میں اضطراب ہے۔ (۳) عبداللہ بن نجی اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کے درمیان انقطاع ہے۔
انہیں علل کی بنا پر امام بیہقی، امام نووی اور علامہ ناصر الدین البانی نے اس روایت کو ضعیف قرار دیا ہے۔

۲۲۳: وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ رضی اللہ عنہما قَالَ قُلْتُ لِبِلَالٍ كَيْفَ رَأَيْتَ النَّبِيَّ ﷺ يَرُدُّ عَلَيْهِمْ حِينَ يُسَلِّمُونَ عَلَيْهِ, وَهُوَ يُصَلِّي؟ قَالَ يَقُولُ هَكَذَا, وَبَسَطَ كَفَّهُ. أَخْرَجَهُ أَبُو دَاوُدَ, وَالتِّرْمِذِيُّ وَصَحَّحَهُ.

ابو داود، کتاب الصلاۃ، باب رد السلام فی الصلاۃ: ۹۲۷، الترمذی: ۳۶۸، النسائی: ۵/۳، الدارقطنی: ۸۴/۲، مسلم: ۵۴۰،
احمد: ۱۲/۲، ابن الجارود: ۲۱۵، ۲۱۶

۲۲۳: حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ میں نے بلال رضی اللہ عنہ سے دریافت کیا کہ آپ ﷺ کو جب صحابہ نماز کی حالت میں سلام کرتے تھے، تو اس وقت آپ ﷺ کیسے جواب دیتے تھے؟ حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے اپنا ہاتھ پھیلا کر کہا اس طرح۔ اسے ابوداؤد اور ترمذی نے بیان کیا ہے اور ترمذی نے صحیح کہا ہے۔

لغوی تحقیق: یرد: سلام کا جواب دیتے۔ بسط: پھیلایا۔

تشریح: امام ابوداؤد اور امام ترمذی یہ روایت نافع مولیٰ ابن عمر کے طریق سے لائے ہیں، اس میں وہ کہتے ہیں کہ آپ ﷺ قبا تشریف لے گئے اور وہاں آپ ﷺ نے نماز پڑھی، اسی دوران انصار کی ایک جماعت آئی، اس نے آپ ﷺ کو اسی حال میں سلام کہا۔ میں نے حضرت بلال رضی اللہ عنہ سے دریافت کیا کہ آپ ﷺ نے کیسے جواب دیا؟ حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے ہاتھ کا اشارہ کر کے فرمایا، ایسے۔
امام نسائی نے اس مضمون کی روایت زید بن اسلم کے طریق سے نقل کی ہے، اس میں یہی سوال حضرت صہیب رضی اللہ عنہ سے پوچھا گیا تو انہوں نے حضرت بلال رضی اللہ عنہ کی مثل جواب دیا۔ یہ دونوں طریق سند کے اعتبار سے قوی ہیں، اس سفر میں حضرت بلال اور حضرت صہیب رضی اللہ عنہما رحمت عالم ﷺ کے ساتھ ساتھ تھے۔ حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ نے بطور تسلی دونوں سے باری باری دریافت کیا۔ اس حدیث سے یہ واضح ہوا کہ نماز پڑھنے والا حالت نماز میں اشارے سے جواب دے سکتا ہے۔
حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث کو امام دارقطنی نے روایت کیا ہے، اس میں بھی اشارے سے جواب دینے کا ذکر ہے اگرچہ وہ اشارہ سلام کے جواب میں نہیں ہے۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث میں اشارے سے منع کرنے کا ذکر موجود ہے۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہما سے مروی حدیث میں سر کے اشارے کا ذکر ہے۔

فقہی احکام: (۱) نماز پڑھنے والے آدمی کو بھی سلام کہنا چاہیے۔ (۲) نماز پڑھنے والے کو ہاتھ کے اشارے سے جواب دینا چاہیے۔
(۳) نماز میں اشارہ موجب فساد نماز نہیں۔

۲۲۴: وَعَنْ أَبِي قَتَادَةَ رضی اللہ عنہ قَالَ كَانَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ يُصَلِّي وَهُوَ حَامِلٌ أُمَامَةَ بِنْتِ زَيْنَبَ, فَإِذَا سَجَدَ وَضَعَهَا, وَإِذَا قَامَ حَمَلَهَا. مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ وَلِمُسْلِمٍ وَهُوَ يَؤُمُّ النَّاسَ فِي الْمَسْجِدِ.

البخاری، کتاب الصلاۃ، باب اذا حمل جاریۃ صغیرۃ علی عنقہ فی الصلاۃ: ۵۱۶، مسلم: ۵۴۳، ابوداود: ۹۱۷،
البیہقی: ۲۶۳/۲، النسائی: ۴۵/۲، ۴۶، احمد: ۲۹۵/۵، ابن خزیمۃ: ۸۶۸، المؤطا: ۱۷۰/۱، المعجم الاوسط: ۱۴۰

۲۲۴: حضرت ابوقتادہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ امامہ بنت زینب کو حالت نماز میں اٹھائے ہوئے تھے۔ جب آپ ﷺ سجدہ فرماتے تو اسے بٹھا دیتے، اور جب کھڑے ہوتے تو اٹھا لیتے۔ (بخاری و مسلم) اور مسلم میں ہے اس وقت آپ ﷺ مسجد میں

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

امامت فرما رہے تھے۔

تشریح: امامہ بنت زینب رحمت عالم ﷺ کی نواسی تھیں، آپ ﷺ نے انہیں اٹھا کر امامت فرمائی۔

فقہی احکام: (۱) فرض نماز میں بھی بوقت ضرورت بچے کو اٹھایا جا سکتا ہے۔

(۲) خاص کر خواتین شیر خوار بچوں کو گود میں لے کر نماز پڑھ سکتی ہیں۔

۲۲۵: وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضی اللہ عنہ قَالَ، قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ "اُقْتُلُوا الْأَسْوَدَيْنِ فِي الصَّلَاةِ الْحَيَّةَ, وَالْعَقْرَبَ" أَخْرَجَهُ الْأَرْبَعَةُ, وَصَحَّحَهُ ابْنُ حِبَّانَ .

ابو داود، کتاب الصلاة، باب العمل فی الصلاة: ۹۲۱، الترمذی: ۳۹۰، النسائی: ۳/۱۰، ابن ماجة: ۱۲۴۵، ابن حبان: ۲۳۵۲، احمد: ۲/۲۳۳، الحاکم: ۱/۲۵۶

۲۲۵: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "حالت نماز میں بھی دو سیاہ چیزوں یعنی سانپ اور بچھو کو قتل کر دو۔" اسے چاروں نے روایت کیا ہے اور ابن حبان نے صحیح کہا ہے۔

لغوی تحقیق: اسودین: اسود کا تثنیہ ہے، یہ لفظ واضع نے سیاہ سانپ کیلئے وضع کیا تھا، بعد میں ہر سیاہ چیز کیلئے استعمال ہونے لگا۔

الحیة: سانپ۔ العقرب: بچھو۔

تشریح: اس حدیث سے واضح ہوا کہ حالت نماز میں ہر قسم کے سانپ اور بچھو کو مارنا جائز ہے۔ اس مضمون کی ایک روایت حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے بھی منقول ہے، اس روایت کو امام ابن ماجہ نے ضعیف سند سے نقل کیا ہے۔

فقہی احکام: (۱) حالت نماز میں سانپ، بچھو اور اسی طرح کے دیگر موذی جانداروں کو مارنا درست ہے۔

(۲) اس قسم کے عمل کثیر سے نماز فاسد نہیں ہوتی۔

۴۔ بَابُ سُتْرَةِ الْمُصَلِّي — نمازی کے سترہ کا بیان

۲۲۶: عَنْ أَبِي جُهَيْمِ بْنِ الْحَارِثِ رضی اللہ عنہ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ "لَوْ يَعْلَمُ الْمَارُّ بَيْنَ يَدَيِ الْمُصَلِّي مَاذَا عَلَيْهِ مِنَ الْإِثْمِ لَكَانَ أَنْ يَقِفَ أَرْبَعِينَ خَيْرًا لَهُ مِنْ أَنْ يَمُرَّ بَيْنَ يَدَيْهِ" مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ, وَاللَّفْظُ لِلْبُخَارِيِّ . وَوَقَعَ فِي الْبَزَّارِ مِنْ وَجْهٍ آخَرَ. أَرْبَعِينَ خَرِيفًا .

البخاری، کتاب الصلاة، باب اثم المار بین ید المصلی: ۵۰۹، ۵۱۰، مسلم: ۵۰۷، ابو داود: ۷۰۱، الترمذی: ۳۳۶، ابن خزیمة: ۲/۱۴، الدارمی: ۱/۲۶۸، نصب الرایة: ۱/۷۹، الاحکام الوسطی: ۲/۱۳۳، بیان الوھم والایھام: ۲/۱۰۶، ۱۰۷

تنبیہ: الاثم: فقط کشمھینی نے نقل کیا ہے۔

۲۲۶: حضرت ابو جہیم بن حارث رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اگر نمازی کے آگے سے گذرنے والے کو معلوم ہو جائے کہ ایسا کرنے پر کس قدر گناہوں کا بوجھ اٹھانا ہوگا تو اس کے لیے نمازی کے آگے سے گزرنے کے مقابلے میں چالیس (ماہ یا سال) تک کھڑے رہنا بہتر ہے (بخاری و مسلم) مذکورہ الفاظ بخاری کے ہیں، مسند بزار میں ایک دوسری سند سے سال کی صراحت بھی ہے

لغوی تحقیق: سترة: بسین مضموم، تاء ساکن، ایسی رکاوٹ جو نمازی مقام سجدہ سے تھوڑا آگے نصب کرتا ہے، خواہ کسی بھی شکل میں ہو سترہ

کہلاتا ہے۔ خریف: موسم خزاں یعنی ۲۱ ستمبر سے شروع ہو کر ۲۰ دسمبر تک کے دورانیہ کو خریف کہتے ہیں لیکن یہاں اس سے مراد سال ہے۔

تشریح: زیر مطالعہ حدیث میں نمازی کے آگے سے گزرنے سے جو گناہ لازم آتا ہے اس کی شدت کا تذکرہ ہے، لیکن ابونضر نامی راوی کو یہ یاد نہیں رہ سکا کہ اس کے شیخ بسر بن سعید نے چالیس یوم، ماہ یا سال ذکر کیا تھا جبکہ ابن عیینہ کا کہنا ہے کہ انہیں ان کے شیخ ابونضر نے چالیس سال بتائے ہیں۔ علامہ ناصر الدین البانی نے چالیس سال کے تعین کو ابن عیینہ کا وہم قرار دیا ہے کیونکہ ابن عیینہ کے دیگر ساتھیوں مثلاً امام مالک اور سفیان ثوری نے بتایا کہ انہیں ان کے شیخ نے کہا کہ مجھے چالیس عدد یاد رہا، لیکن میں بھول گیا کہ وہ چالیس سال تھے یا چالیس ماہ تھے یا چالیس دن تھے۔

امام ابن قطان نے معاصرین کے اس اختلاف کو نہایت عمدگی سے حل کرنے کی سعی جمیلہ فرمائی ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ ابن عیینہ کی طرف خطا کی نسبت کرنا درست نہیں کیونکہ یہ احتمال موجود ہے کہ خالد بن زید اور ابوجہیم بن الحارث دونوں نے آپ ﷺ سے زیر مطالعہ حدیث ایک ساتھ سنی ہو اور دونوں نے بسر بن سعید کو ایک دوسرے کی طرف بھیج کر اپنی یادداشت کی تصدیق چاہی ہو اور دونوں نے ایک دوسرے کو اپنی یادداشت سے مطلع کیا ہو، ان میں سے ایک نے حدیث کے آخری الفاظ میں شک کا اظہار کیا ہو اور دوسرے نے چالیس سال کا تعین بالجزم کیا ہو، اور ابونضر کے پاس یہ روایت دونوں طرق سے محفوظ ہو اور امام مالک نے ابونضر سے وہ الفاظ سنے ہوں جو ابوجہیم بیان کرتے ہوں اور امام ابن عیینہ نے وہ سنے ہوں جو زید بن خالد سے نقل کرتے ہیں۔

علامہ ابن عبدالبر اور علامہ ناصر الدین البانی نے ابن قطان کے اس موقف کو مسترد کیا ہے لیکن راقم کے نزدیک ابن قطان کا موقف درست ہے کیونکہ یہاں گزرنے والے کو اس کی اس مذموم حرکت سے روکنا مقصود ہے اور یہ مقصود ایام یا مہینوں کے مقابلے میں برسوں سے زیادہ حاصل ہوتا ہے۔ اس حقیقت کا اظہار دیگر احادیث سے بھی ہوتا ہے، جیسا کہ حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا: "اگر کوئی شخص نمازی کے سترہ رکھنے کے باوجود اس کے آگے سے گزرنے کی کوشش کرتا ہے تو اس کے سینہ پر مار کر اسے روکا جائے، اگر وہ اس کے باوجود بھی باز نہیں آتا تو اس سے باقاعدہ لڑائی کی جائے، کیونکہ وہ شیطان ہے"

فقہی احکام: (۱) نمازی کو چاہیے کہ وہ سترہ کا اہتمام کرے۔ (۲) نمازی کے آگے سے گزرنا سخت گناہ ہے۔

(۳) ایسے شخص سے حالت نماز میں لڑائی لڑنا جائز ہے۔ (۴) سترہ کے باہر سے گزرنے کی اجازت ہے۔

۲۲۷: وَعَنْ عَائِشَةَ رضی اللہ عنہا قَالَتْ سُئِلَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ فِي غَزْوَةِ تَبُوكَ عَنْ سُتْرَةِ الْمُصَلِّي . فَقَالَ "مِثْلُ مُؤْخِرَةِ الرَّحْلِ" أَخْرَجَهُ مُسْلِمٌ.

مسلم، کتاب الصلاۃ، باب سترۃ المصلی: ۵۰۰، النسائی: ۶۲/۲، البیہقی: ۳۵۴۴

تنبیہ: بلوغ المرام کے بعض مطبوعہ نسخہ میں سئل النبی ﷺ ہے اور بعض میں سئل رسول اللہ ﷺ ہے مؤخر الذکر درست ہے کیونکہ صحیح مسلم میں بھی سئل رسول اللہ ﷺ ہی ہے۔

۲۲۷: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ سے غزوہ تبوک کے موقع پر نمازی کے سترہ کے بارے میں دریافت کیا گیا تو آپ ﷺ نے فرمایا "اُونٹ کے پالان کے پچھلے حصہ کی اُونچائی کے برابر ہونا چاہیے۔" اسے مسلم نے بیان کیا ہے۔

لغوی تحقیق: مؤخر: میم مضموم، واؤ ساکن اور خاء مکسور۔ الرحل: پالان۔

تشریح: نمازی کو اپنے آگے سترہ رکھنا چاہیے کیونکہ اس بارے میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے علاوہ حضرت علی، حضرت ابوجحیفہ اور

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہم سے سترہ رکھنے کے بارے میں احادیث مروی ہیں۔ سترہ رکھنے سے نمازی اور اس کے سامنے سے گزرنے والا دونوں مشقت سے بچ جاتے ہیں۔

فقہی احکام: سترہ کی اونچائی تقریباً ایک فٹ کے برابر ہونی چاہیے۔

۲۲۸: وَعَنْ سَبْرَةَ بْنِ مَعْبَدٍ الْجُهَنِيِّ رضی اللہ عنہ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم "لِيَسْتَتِرْ أَحَدُكُمْ فِي صَلَاةٍ وَلَوْ بِسَهْمٍ" أَخْرَجَهُ الْحَاكِمُ.

الحاکم: ۱/۲۵۲، ۲۵۳، ابن خزیمۃ: ۲/۱۳، احمد: ۳/۴۰۴، البیہقی: ۳۵۵۵، الطبرانی: ۶۵۳۹ ـ ۶۵۴۵

تنبیہ: مؤلف رحمۃ اللہ علیہ نے اس روایت کو حاکم کی طرف منسوب کیا ہے، جبکہ بلوغ المرام میں مذکور الفاظ حاکم کی بجائے طبرانی کے ہیں۔

۲۲۸: حضرت سبرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "آپ میں سے ہر ایک نماز پڑھتے وقت اپنے سامنے سترہ ضرور رکھے ، اگرچہ تیر ہی کیوں نہ ہو۔" اسے حاکم نے روایت کیا ہے۔

لغوی تحقیق: سہم: تیر۔

تشریح: اس روایت کو امام حاکم ، امام ابن خزیمہ، امام احمد، امام بیہقی اور امام طبرانی نے عبدالملک کے طریق سے نقل کیا ہے، علامہ ہیثمی نے رجال احمد کو رجال صحیح قرار دیا ہے۔ راقم کے نزدیک ممدوح کا یہ کہنا درست نہیں ، کیونکہ عبدالملک بن ربیع رجال بخاری میں سے نہیں ہے۔ امام ابن قطان فرماتے ہیں کہ اس کی عدالت ثابت نہیں۔ امام مسلم نے اگرچہ ان سے روایت لی ہے مگر اسے بطور حجت اختیار نہیں کیا۔ امام یحییٰ بن معین نے اس طریق کو ضعیف قرار دیا ہے۔ امام ابن خزیمہ اور امام حاکم کی بیان کردہ روایت میں عبدالملک کی ولدیت عبدالعزیز مرقوم ہے جبکہ طبرانی اور بیہقی وغیرہ میں عبدالملک کی ولدیت ربیع مرقوم ہے۔

اس سلسلہ میں درست بات یہ ہے کہ عبدالملک کی ولدیت ربیع ہے کیونکہ عبدالملک اور عبدالعزیز دونوں بھائی ہیں، معلوم ہوتا ہے کہ یہ تسامح ابراہیم بن سعد سے ہوا ہے، واضح رہے کہ حرملہ بن عبدالعزیز کو عبدالملک بن ربیع کا متابع قرار دینا درست نہیں کیونکہ حرملہ سے مروی روایت مرسل ہے۔ لہٰذا امام حاکم اور امام ذہبی کا اس روایت کو مسلم کی شرط پر صحیح قرار دینا درست نہیں۔

۲۲۹: وَعَنْ أَبِي ذَرٍّ رضی اللہ عنہ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم "يَقْطَعُ صَلَاةَ الْمَرْءِ الْمُسْلِمِ إِذَا لَمْ يَكُنْ بَيْنَ يَدَيْهِ مِثْلُ مُؤْخِرَةِ الرَّحْلِ الْمَرْأَةُ ,وَالْحِمَارُ ,وَالْكَلْبُ الْأَسْوَدُ"... الْحَدِيثَ . وَفِيهِ "الْكَلْبُ الْأَسْوَدُ شَيْطَانٌ" أَخْرَجَهُ مُسْلِمٌ .

مسلم، کتاب الصلاۃ، باب قدر ما یستر المصلی: ۵۱۰، ابوداود: ۷۰۲، الترمذی: ۳۳۸، النسائی: ۲/۶۳، ابن ماجۃ: ۹۵۱، ۹۵۲، ابن خزیمۃ: ۲/۲۱، عبد الرزاق: ۲/۲۷، شرح المعانی الآثار: ۱/۴۵۸، کشف الاستار: ۵۸۲، الطبرانی: ۳/۲۱۱ ، مسنداحمد: ۵/۱۵۱

۲۲۹: حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "مسلمان نمازی کے سامنے اگر کجاوے کے پچھلے حصہ کے برابر سترہ نہ ہو اور اسی حالت میں اس کے سامنے سے عورت، گدھا اور سیاہ کتا گزر جائے تو وہ اس کی نماز توڑ دے گا۔" اس حدیث میں یہ صراحت ہے کہ سیاہ کتا شیطان ہے۔ (مسلم)

لغوی تحقیق: المرأۃ: عورت۔ الحمار: گدھا۔ الکلب الاسود: سیاہ کتا۔

تشریح: زیر مطالعہ حدیث میں سند اور متن کے اعتبار سے کوئی معمولی سی علت بھی موجود نہیں، نیز اس کی تائید حضرت ابوسعید خدری،

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

حضرت انس بن مالک، حضرت عبداللہ بن مغفل، حضرت حکم بن عمرو اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہم سے منقول روایات سے بھی ہوتی ہے۔

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی روایت کو امام عبدالرزاق نے ابو ہارون عبدی کے طریق سے نقل کیا ہے اور ابو ہارون کو تمام ماہرین فن نے ضعیف و متروک قرار دیا ہے۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی روایات کو امام بزار نے شعبہ کے طریق سے صحیح سند سے نقل کیا ہے۔ حضرت عبداللہ بن مغفل رضی اللہ عنہ سے مروی روایت کو امام احمد اور امام ابن ماجہ وغیرہما نے قتادہ کے طریق سے نقل کیا ہے۔ اس روایت کو حافظ ابن عبدالھادی نے صحیح الاسناد کہا ہے۔ لیکن میری نظر میں جو طرق ہیں ان میں قتادہ اور حسن بصری نے سماع کی صراحت نہیں کی، جبکہ یہ دونوں بزرگ معروف مدلس ہیں لہٰذا سماع کی صراحت ملنے کی صورت میں یہ روایت صحیح ہے ورنہ ضعیف۔

حضرت حکم بن عمرو رضی اللہ عنہ سے مروی روایت کو امام طبرانی نے عمر بن ردیح کے طریق سے نقل کیا ہے اور عمر بن ردیح مختلف فیہ ہے اور حسن بصری مدلس ہے، واضح رہے کہ ان روایات میں کتے کی رنگت کی قید نہیں ہے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی روایت کو امام احمد نے نقل کیا ہے، یہ روایت سنداً تو درست ہے مگر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے اپنے فتوی کے خلاف ہے، نیز اس میں گدھے کی جگہ کا فر مذکور ہے۔ امام احمد فرماتے ہیں، فقط کتے کے گزرنے سے نماز منقطع ہوگی، کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم جب قیام اللیل فرماتے تھے تو بسا اوقات حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے لیٹی ہوئی ہوتی تھیں، جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم سجدہ فرماتے تو وہ اپنے پاؤں اکٹھے کر لیتی تھیں۔ جمہور کا خیال ہے کہ نماز منقطع نہیں ہوتی، بلکہ نماز میں نقص واقع ہو جاتا ہے کیونکہ ان چیزوں کے گزرنے کی وجہ سے خیالات پراگندہ ہو جاتے ہیں، بعض اہل علم کا کہنا ہے کہ یہ حدیث منسوخ ہے۔

اس روایت میں مذکور حکم کے بارے میں اہل علم میں اختلاف رائے پایا جاتا ہے، بعض اہل علم کا کہنا ہے کہ عورت اور سیاہ کتے کے گزرنے سے نماز ٹوٹ جائے گی، لیکن گدھے کے گزرنے سے نہیں ٹوٹے گی، کیونکہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی حدیث میں ہے کہ میں گدھے پر سواری کی حالت میں صف کے آگے سے گزر گیا تھا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز کو نہیں توڑا۔ اس روایت کو بنیاد بنا کر گدھے کی استثنا کرنا درست نہیں کیونکہ نماز کیلئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سترہ تھے۔

فقہی احکام: فقہی احکام اور مزید تفصیل حضرت ابوسعید خدری اور حضرت ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہما سے مروی احادیث رقم ۲۳۳، ۲۳۴ میں آئے گی۔

۲۳۰: وَلَهُ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضی اللہ عنہ نَحْوُهُ دُونَ الْكَلْبِ.

مسلم، كتاب الصلاة، باب قدر مايستر المصلي: ۵۱۱، ابن ماجة: ۹۵۰، احمد: ۴۲۵/۲

تنبیہ: مسلم کے تمام مطبوعہ نسخوں میں کتے کا ذکر ہے۔

۲۳۰: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی روایت کو امام مسلم نے اس کے مثل بیان کیا ہے، البتہ اس میں کتے کا ذکر نہیں ہوا۔

۲۳۱: وَلِأَبِي دَاوُدَ وَالنَّسَائِيِّ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رضی اللہ عنہما نَحْوُهُ ,دُونَ آخِرِهِ .وَقَيَّدَ الْمَرْأَةَ بِالْحَائِضِ.

ابو داود، كتاب الصلاة، باب ما يقطع الصلاة: ۷۰۳، النسائي: ۶۴/۲، ابن ماجة: ۹۴۹، ابن خزيمة: ۸۳۲، البيهقي: ۳۵۷۷

۲۳۱: امام ابوداؤد اور امام نسائی حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی حدیث ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث کی مثل لائے ہیں، مگر آخری حصہ اس جیسا نہیں اور انہوں نے عورت کے حائضہ ہونے کی قید ذکر کی ہے۔

تشریح: ؛نحوہ؛ اور ؛آخرہ؛ میں ضمیر کا مرجع حدیث حضرت ابو ہریرہ یا حدیث ابو ذر رضی اللہ عنہما ہے؟ اس بارے میں اہل علم میں اختلاف

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

پایا جاتا ہے، ایک گروہ کا خیال ہے کہ حدیث ابوذر ہے، ان کا کہنا ہے کہ مؤلف رحمہ اللہ نے حدیث ابوذر کو اصالۃ نقل کیا ہے۔ جبکہ حدیث ابو ہریرہ کو متابعۃ نقل کیا ہے، لہٰذا جو حدیث اصالۃ مذکور ہے وہی مرجع ہونی چاہیے، ان کے نزدیک؛ دون آخرہ ؛ کی نفی سے حدیث ابن عباس میں؛ الکلب الاسود شیطان ؛ کے عدم ذکر کی طرف اشارہ کرنا مقصود ہے۔ دوسرے گروہ کے نزدیک ان کا مرجع حدیث ابو ہریرہ ہے، ان کا کہنا ہے کہ ضمیر کا مرجع ہمیشہ قریب ہوتا ہے، ان کے نزدیک ؛دون آخرہ ؛ کی نفی سے ؛ذالک مثل موخر الرجل ؛ کا عدم ذکر مقصود ہے۔ راقم کے نزدیک مؤخر الذکر علماء کا موقف درست ہے کیونکہ ضمیر کا مرجع ہمیشہ قریب ہوتا ہے، کیونکہ مرجع کے تعین میں اصالۃ یا متابعۃ کی کوئی حیثیت نہیں۔ زیر مطالعہ حدیث کو امام شعبہ نے حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ سے مرفوع جبکہ ان کے دیگر تلامذہ نے ان سے موقوف نقل کیا ہے۔

۲۳۲: وَعَنْ أَبِي سَعِيدِ الْخُدْرِيِّ رضی اللہ عنہ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ "إِذَا صَلّٰى أَحَدُكُمْ إِلٰى شَيْءٍ يَسْتُرُهُ مِنَ النَّاسِ, فَأَرَادَ أَحَدٌ أَنْ يَجْتَازَ بَيْنَ يَدَيْهِ فَلْيَدْفَعْهُ, فَإِنْ أَبٰى فَلْيُقَاتِلْهُ, فَإِنَّمَا هُوَ شَيْطَانٌ "مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ وَفِي رِوَايَةٍ " فَإِنَّ مَعَهُ الْقَرِينَ"

البخاری، کتاب الصلاۃ، باب یرد المصلی من مر بین یدیه: ۵۰۹، مسلم: ۵۰۵، ابوداود: ۷۰۰، البیهقی: ۳۵۳۸

تنبیہ: "فان معه قرین" یہ الفاظ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی حدیث کے ہیں (البیهقی: ۳۵۴۰، مسلم ۵۰۶) صاحب سبل السلام نے مسلم کے حوالے سے ان الفاظ کو حدیث ابی ہریرہؓ کی طرف منسوب کیا ہے۔ یہ ان سے تسامح ہوا ہے یا پھر طباعت کی غلطی ہے، نور الحسن صاحب نے بھی سبل السلام کی پیروی کرتے ہوئے ان الفاظ کو صحیح مسلم کے حوالے سے حدیث ابی ہریرہ کی طرف منسوب کر دیا ہے۔

۲۳۲: حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "آپ میں سے کوئی ایک جب نماز پڑھے تو سترہ سامنے رکھ کر نماز پڑھے، اس دوران کوئی شخص اس کے اور سترہ کے درمیان سے گزرنا چاہے تو نمازی کو چاہیے کہ وہ اسے روکے اور اگر وہ باز نہ آئے تو اس سے لڑائی کرے کیونکہ وہ شیطان ہے۔" (بخاری ومسلم) ایک روایت میں ہے کہ "اس کے ساتھ قرین (ساتھی) ہے۔"

۲۳۳: وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضی اللہ عنہ أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ "قَالَ إِذَا صَلّٰى أَحَدُكُمْ فَلْيَجْعَلْ تِلْقَاءَ وَجْهِهِ شَيْئًا, فَإِنْ لَمْ يَجِدْ فَلْيَنْصِبْ عَصًا, فَإِنْ لَمْ يَكُنْ فَلْيَخُطَّ خَطًّا, ثُمَّ لَا يَضُرُّهُ مَنْ مَرَّ بَيْنَ يَدَيْهِ ". أَخْرَجَهُ أَحْمَدُ وَابْنُ مَاجَةَ, وَصَحَّحَهُ ابْنُ حِبَّانَ, وَلَمْ يُصِبْ مَنْ زَعَمَ أَنَّهُ مُضْطَرِبٌ, بَلْ هُوَ حَسَنٌ .

ابن حبان، کتاب الصلاۃ، باب وصف استتار المصلی فی صلاته: ۲۳۶۱، احمد: ۲/ ۲۴۹، ابوداود: ۶۸۹، ۶۹۰، ابن ماجة: ۹۴۳، ابن خزیمة: ۸۱۱، ۸۱۲، البیهقی: ۳۵۵۷، ۳۵۶۲

۲۳۳: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "آپ میں سے جو بھی شخص نماز پڑھے اسے چاہیے کہ وہ اپنے سامنے کوئی چیز رکھ لے، اگر اسے کوئی چیز نہ ملے تو اسے اپنی لاٹھی کھڑی کر لینا چاہیے، اگر لاٹھی بھی نہ ہو تو پھر وہ اپنے سامنے خط کھینچ لے، پھر اس کے سامنے سے گزرنے والا اس کے لیے مضر نہیں ہوگا۔" اسے احمد اور ابن ماجہ نے روایت کیا ہے اور ابن حبان نے صحیح کہا ہے جس نے اس حدیث کو مضطرب قرار دیا ہے اس کی تحقیق صائب نہیں کیونکہ یہ روایت حسن درجہ کی ہے۔

لغوی تحقیق: تلقا: سامنے۔ فلینصب: نصب سے فعل امر ہے، یعنی نصب کرے۔ لم یصب: اصاب سے فعل نفی جحد ہے، یعنی اس نے درست نہیں کیا۔

تشریح: اس روایت کو امام احمد، امام ابن ماجہ، امام ابوداود، امام ابن خزیمہ، امام ابن حبان، امام عبدالرزاق اور امام بیہقی نے اسماعیل

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

بن امیہ کے طریق سے نقل کی ہے۔اسماعیل بن امیہ اپنے شیخ کا نام کبھی ابوعمرو بن حریث نقل کرتے ہیں اور کبھی ابومحمد بن عمرو بن حریث اور کبھی ابوعمرو بن محمد بن حریث کبھی حریث بن عمار،اسی طرح کبھی وہ حدثنی ابوعمرو بن محمد عن جدہ حریث اور کبھی حدثنی ابوعمرو بن حریث عن ابیہ کبھی عن ابی عمرو بن محمد بن حریث عن ابیہ،کبھی عن ابی عمرو بن حریث عن جدہ اور کبھی عن حریث بن عمار کہتے ہیں۔اس روایت کو علی بن مدینی ،احمد،ابن خزیمہ،ابن حبان اور ابن منذر نے صحیح کہا ہے،جبکہ سفیان بن عیینہ،شافعی،بغوی،دارقطنی،طحاوی اور متاخرین میں نووی اور ابن عبدالھادی نے اسے ضعیف قرار دیا ہے۔

راقم کے نزدیک اس روایت کے ضعیف ہونے کی دو علتیں ہیں (۱) سند میں اضطراب ہے۔(۲) ابوعمرو بن محمد،ابن محمد بن عمرو،ابو محمد بن عمرو،اس نام کے تمام رواۃ مجہول ہیں نیز حریث بھی مجہول ہے۔

جن حضرات نے اس روایت کو صحیح کہا ہے،ان کے نزدیک خط کھینچنے کی کیفیت میں اختلاف پایا جاتا ہے۔امام احمد فرماتے ہیں کہ خط ہلالی شکل کا ہونا چاہیے،امام حمیدی کے نزدیک کمان نما ہونا چاہیے اور ابوداؤد کے نزدیک قبلہ رخ سیدھا ہونا چاہیے۔

سترہ کے وجوب اور عدم وجوب کے بارے میں بھی اختلاف پایا جاتا ہے۔جن حضرات کے نزدیک سترہ کا ہونا ضروری ہے وہ کہتے ہیں کہ اگر کچھ بھی میسر نہ آئے تو خط کھینچ لیا جائے،ان کے نزدیک جو نمازی اپنے آگے سترہ نہیں رکھتا اس کے آگے سے گزرنا جائز ہے۔

فقہی احکام: (۱) سترہ رکھنا مستحب ہے۔(۲) آگے سے گزرنے والے کو حتی الامکان روکنا چاہیے۔

(۳) اگر کچھ بھی میسر نہ آئے تو اطمینان قلب کیلئے خط کھینچ لینا بہتر ہے۔

۲۳۴: وَعَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ رضی اللہ عنہ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم "لَا يَقْطَعُ الصَّلَاةَ شَيْءٌ ,وَادْرَأْ مَا اسْتَطَعْتَ " أَخْرَجَهُ أَبُو دَاوُدَ ,وَفِي سَنَدِهِ ضَعْفٌ .

ابوداود،کتاب الصلاۃ، باب من قال لا یقطع الصلاۃ شیء: ۷۱۹، الدارقطنی: ۱/ ۳۶۷، ۳۶۸، المطالب العالیۃ: ۳۵۲، المعجم الاوسط للطبرانی: ۱۹۸۶، ۷۷۰، التنقیح: ۱/۴۴۶، الاحکام الوسطی: ۱/۳۴۸، المیزان الاعتدال: ۲/۳۰۸

۲۳۴: حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:"نماز کو کوئی چیز نہیں توڑتی،البتہ آگے سے گزرنے والے کو حتی الوسع روکنے کی کوشش کرو۔" اسے ابوداؤد نے ضعیف سند سے روایت کیا ہے۔

لغوی تحقیق: ادرءْ:روکو۔

تشریح: زیر مطالعہ حدیث کو امام ابوداود،امام دارقطنی،امام بیہقی اور امام ابن ابی شیبہ نے مجاہد بن سعید کے طریق سے نقل کیا ہے،مجاہد کو نامور محدثین نے ضعیف قرار دیا ہے،جبکہ اس کا شیخ ابوالوداک جبر بن نوف مختلف فیہ ہے،امام بیہقی نے مجاہد ہی کے طریق سے حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ایک موقوف روایت نقل کی ہے،ظاہر ہے کہ اس قسم کی روایت بطور مؤید کچھ مفید نہیں۔اسی مضمون کی روایات حضرت عثمان،حضرت علی،حضرت ابوہریرہ،حضرت جابر،حضرت ابوامامہ اور حضرت انس رضی اللہ عنہم سے بھی مروی ہیں۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث کو مؤلف رحمہ اللہ نے **المطالب العالیہ** میں،امام شعبہ کے طریق سے نقل کیا ہے،علامہ ہیثمی اور علامہ احمد شاکر نے اس روایت کی سند کو صحیح قرار دیا ہے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی روایت کو امام طبرانی نے حبان بن علی کے طریق سے نقل کیا ہے،حبان بن علی مختلف فیہ ہے،جبکہ اس کے استاد حصین بن منذر کو امام یحییٰ بن معین نے مجہول اور علامہ ہیثمی نے اس روایت کو معلول قرار دیا ہے۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی روایت کو امام دارقطنی نے اسحاق بن ابی فروۃ کے طریق سے نقل کیا ہے، موصوف کو تقریباً تمام ماہرین فن نے سخت ضعیف قرار دیا ہے۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی روایت کو امام طبرانی نے یحییٰ بن میمون کے طریق سے نقل کیا ہے، اس پر بھی ماہرین فن نے سخت جرح کی ہے۔

حضرت ابو امامہ رضی اللہ عنہ سے مروی روایت کو امام دارقطنی اور امام طبرانی نے عفیر بن معدان کے طریق سے نقل کیا ہے، یہ بھی محدثین کے نزدیک ضعیف ہے۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی روایت کو امام بیہقی اور امام دارقطنی نے صخر بن عبداللہ کے طریق سے نقل کیا ہے۔ مؤلف رحمۃ اللہ علیہ نے فتح الباری میں اس روایت کو ضعیف قرار دیا ہے۔

درج بالا بیانات سے واضح ہوا کہ اس مسئلہ میں کوئی بھی مرفوع روایت اس قابل نہیں کہ اسے حضرت ابوذر، حضرت ابو ہریرہ اور حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہم سے مروی صحیح مرفوع احادیث کے معارض قرار دیا جا سکے۔ بنا بریں حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث کو حضرت ابو ہریرہ، حضرت ابوذر اور حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہم سے مروی صحیح احادیث کی ناسخ قرار دینا زیادتی ہے۔

راقم کے نزدیک جن احادیث میں یہ مذکور ہے کہ گدھی صف کے آگے سے گزر رہی تھی، اس میں یہ صراحت بھی ہے کہ وہ صف کے کچھ حصہ آگے سے گزر رہی تھی۔ لہٰذا اس روایت کو معارض قرار دینا بھی درست نہیں کیونکہ اس صف کیلئے رسول اللہ ﷺ سترہ تھے۔ اسی طرح حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا رسول اللہ ﷺ کے سامنے آرام فرمانا، یہ بھی ان احادیث کے معارض نہیں کیونکہ اس میں آگے سے گزرنے کا ذکر ہے۔ جبکہ حدیث عائشہ میں فقط لیٹنے کا ذکر ہے۔

فقہی احکام: (۱) نمازی کو اپنے سامنے سترہ رکھنا چاہیے۔ (۲) نمازی کے آگے سے گزرنا سخت گناہ ہے۔ (۳) پندرہ بیس فٹ کے فاصلے سے گزرنے میں کوئی مضائقہ نہیں (۴) غیر محرم عورت، سیاہ کتا اور گدھے کے گزرنے سے نماز ان گنت برکات سے محروم ہو جاتی ہے۔

۵۔ بَابُ الْحَثِّ عَلَى الْخُشُوْعِ فِي الصَّلَاةِ نماز میں خشوع کی ترغیب دینے کا بیان

۲۳۵: عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضی اللہ عنہ قَالَ، نَهَى رَسُولُ اللَّهِ ﷺ أَنْ يُصَلِّيَ الرَّجُلُ مُخْتَصِرًا. مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ, وَاللَّفْظُ لِمُسْلِمٍ وَمَعْنَاهُ أَنْ يَجْعَلَ يَدَهُ عَلَى خَاصِرَتِهِ.

البخاری، کتاب العمل فی الصلوة، باب الخصر فی الصلاة: ۱۲۲۰، مسلم، کتاب المساجد و مواضع الصلاة، باب کراهة الاختصار فی الصلاة: ۵۴۵، ابوداود: ۹۴۷، الترمذی: ۳۸۴، احمد: ۲/۲۳۲، النسائی: ۲/۱۲۷، الدارمی: ۱۴۳۵

۲۳۵: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے کولھوں پر ہاتھ رکھ کر نماز پڑھنے سے منع فرمایا ہے۔ (بخاری و مسلم) مذکورہ الفاظ مسلم کے ہیں، مختصر کا معنی کولھوں پر ہاتھ رکھنا ہے۔

لغوی تحقیق: الحث: رغبت دینا۔ الخشوع: عجز وانکساری۔ مختصراً: میم مضموم اور صاد مکسور۔ مؤلف رحمۃ اللہ علیہ نے اس کا معنی کولھوں پر ہاتھ رکھنا کیا ہے۔

تشریح: نماز عجز وانکساری سے عبارت ہے، اس لئے ہر وہ کام جس سے تکبر وغرور کی بو آئے، وہ نماز میں ممنوع ہے، پہلو پر ہاتھ رکھ کر

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

کھڑے ہونا چونکہ تکبر کی علامت ہے اس لئے اس سے منع کیا گیا ہے۔

فقہی احکام: (۱) کولہوں پر ہاتھ رکھ کر کھڑے ہونا تکبر کی علامت ہے۔ (۲) نماز عجز وانکساری سے عبارت ہے۔
(۳) کوئی بھی ایسی ادا جس سے تکبر کی بو آتی ہو وہ نماز میں خصوصاً ممنوع ہے۔

۲۳۶: وَفِي الْبُخَارِيِّ عَنْ عَائِشَةَ رضی اللہ عنہا أَنَّ ذٰلِکَ فِعْلُ الْيَهُودِ .

البخاری، کتاب احادیث الانبیاء، باب ما ذکر عن بنی اسرائیل: ۳۴۵۸، ابن ابی شیبۃ: ۴۹۸/۱، عبد الرزاق: ۲۷۳/۲، ۳۷۴

تنبیہ: مؤلف رحمۃ اللہ علیہ نے یہ روایت بالمعنی نقل کی ہے۔

۲۳۶: بخاری میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے منقول ہے، وہ فرماتی ہیں کہ اس طرح نماز پڑھنا یہود کا طریقہ ہے۔

تشریح: ابن ابی شیبہ میں ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے ایک شخص کو کولہوں پر ہاتھ رکھے دیکھ کر فرمایا، جہنمی جہنم میں ایسے کھڑے ہونگے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ شیطان ایسے کھڑا ہوتا ہے۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے بھی ایسا ہی منقول ہے۔ آخری دونوں روایات صالح بن نبہان کی وجہ سے ضعیف ہیں۔

فقہی احکام: (۱) یہود کولہوں پر ہاتھ رکھ کر نماز پڑھتے تھے۔ (۲) یہود کی مشابہت اختیار کرنا ممنوع ہے۔
(۳) کولہوں پر ہاتھ رکھ کر کھڑے ہونا دنیا میں تکبر اور جہنم میں رسوائی کی علامت ہے۔

۲۳۷: وَعَنْ أَنَسٍ رضی اللہ عنہ أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم قَالَ " إِذَا قُدِّمَ الْعَشَاءُ فَابْدَءُوْا بِهِ قَبْلَ أَنْ تُصَلُّوا الْمَغْرِبَ " مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ .

البخاری، کتاب الآذان، باب اذا حضر الطعام و اقیمت الصلاۃ: ۶۷۱ ـ ۶۷۳، مسلم: ۵۵۷، الترمذی: ۳۵۳، النسائی: ۱۱۱/۲، مسند احمد: ۱۱۰/۳، ۱۶۱، المعجم الاوسط للطبرانی: ۸۶۸، ۷۴۴۷، ابن ماجۃ: ۹۳۳، ابن خزیمۃ: ۹۳۴

۲۳۷: حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "جب شام کا کھانا پیش کیا جائے تو وہ مغرب کی نماز سے پہلے کھانا کھالیں۔" (بخاری ومسلم)

لغوی تحقیق: قدم: قاف مضموم، دال مشدد مکسور، پیش کیا جائے۔ العشاء: عین مفتوح، شام کا کھانا۔

تشریح: مؤلف رحمۃ اللہ علیہ نے اس حدیث کو خشوع کے باب میں لا کر یہ واضح کیا ہے کہ اگر وہ کھانا چھوڑ کر نماز پڑھے گا تو یقیناً حالت نماز میں کھانے کے خیالات آتے رہیں گے۔ جس کی وجہ سے خشوع میں کمی واقع ہوگی۔ اسی مضمون کی احادیث حضرت عائشہ، حضرت ام سلمہ، حضرت ابو ہریرہ اور حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہم سے بھی منقول ہیں۔

رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے ایسا عملاً بھی ثابت ہے جیسا کہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے کپڑے سمیٹ کر نماز کیلئے نکلے، اسی دوران رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو گوشت اور روٹی بطور ہدیہ پیش کی گئی، رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے تین لقمے تناول فرمائے، پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کلی وغیرہ کئے بغیر امامت فرمائی۔

فقہی احکام: (۱) کھانا اگر تیار ہو تو کھانا کھا کر مغرب کی نماز پڑھنا چاہیے (۲) کھانا کھانے کے بعد کلی کئے بغیر نماز پڑھنا بھی درست ہے۔

۲۳۸: وَعَنْ أَبِي ذَرٍّ رضی اللہ عنہ قَالَ، قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم " إِذَا قَامَ أَحَدُكُمْ فِي الصَّلَاةِ فَلَا يَمْسَحِ الْحَصَى ,فَإِنَّ الرَّحْمَةَ تُوَاجِهُهُ " رَوَاهُ الْخَمْسَةُ بِإِسْنَادٍ صَحِيحٍ وَزَادَ أَحْمَدُ "وَاحِدَةً أَوْ دَعْ"

ابو داود، کتاب الصلاۃ، باب فی مسح الحصی فی الصلاۃ: ۹۴۵، الترمذی: ۳۸۱، النسائی: ۶/۳، ابن ماجۃ: ۱۰۲۷، احمد:

www.KitaboSunnat.com

۱۶۳/۵، ۱۷۹، الدارمی: ۲۶۳/۱، ابن خزیمة: ۵۹/۲، عبد الرزاق: ۳۸/۲، الحمیدی: ۷۰/۱، بیان الوهم والایهام: ۱۷۴/۴، مسلم: ۵۴۶

۲۳۸: حضرت ابوذر ؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: تم میں سے کوئی ایک جب حالت نماز میں ہو تب وہ کنکریوں کو مت چھوئے کیونکہ اس وقت اسے رحمت کا سامنا ہوتا ہے۔" اسے پانچوں نے صحیح سند سے نقل کیا ہے، مسند احمد میں اتنا اضافہ ہے کہ اگر کنکریوں کو ضرور ہٹانا ہے تو ایک بار اجازت ہے، لیکن اس سے بھی اجتناب کرنا بہتر ہے۔

لغوی تحقیق: الحصی: کنکریاں

تشریح: اس حدیث کو امام ابوداؤد، امام ترمذی، امام نسائی، امام ابن ماجہ، امام بیہقی، امام دارمی، امام ابن خزیمہ اور امام عبدالرزاق نے زہری عن ابی الاحوص کے طریق سے نقل کیا ہے، اس روایت کا مرکزی راوی ابوالاحوص ہے، اسے امام ابن حبان اور ابن خزیمہ نے ثقہ قرار دیا ہے، امام ترمذی نے اس حدیث کو حسن اور مؤلف رحمہ اللہ نے صحیح قرار دیا ہے، ابن قطان فرماتے ہیں کہ اس سے فقط امام زہری ہی نقل کرتے ہیں اور انہوں نے بھی فقط دو احادیث نقل کی ہیں۔

امام زہری نے ان سے احادیث تو روایت کی ہیں مگر انہوں نے اس کی توثیق نہیں کی، شاید اس وجہ سے علامہ ناصر الدین البانی نے اسے مجہول قرار دیکر اس کی روایت کو ضعیف قرار دیا ہے۔ مؤلف رحمہ اللہ نے بلوغ المرام میں ابوالاحوص سے مروی حدیث کو صحیح جبکہ تقریب میں اسے مقبول کہا ہے۔ یہاں حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے اس حدیث کو نقل کرنے میں اس کا کوئی متابع نہیں لہٰذا بقول مؤلف رحمہ اللہ کے یہ لین الحدیث ہوا اور اس کی یہ روایت فی نفسہ ضعیف ہوئی، لیکن چونکہ حضرت معیقیب رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث میں ہے کہ انہوں نے آپ ﷺ سے حالت نماز میں کنکریاں ہٹانے کے بارے میں سوال کیا تو آپ ﷺ نے فرمایا: "اگر ایسا کرنا ضروری ہے تو پھر ایک بار اجازت ہے۔" اس طرح یہ حدیث زیر مطالعہ حدیث کی شاہد ہوئی اور بنابریں زیر مطالعہ حدیث حسن لغیرہ قرار پائی۔ مؤلف رحمہ اللہ نے مسند احمد کے حوالے سے جو ٹکڑا نقل کیا ہے وہ محمد بن ابی لیلیٰ کی وجہ سے ضعیف ہے۔

فقہی احکام: (۱) سجدہ کرنے کی جگہ پر اگر کنکریاں واقع ہوں تو انہیں حالت نماز میں ایک بار دور کرنے کی اجازت ہے۔ (۲) اس قسم کے عمل کثیر سے نماز فاسد نہیں ہوتی۔ (۳) حالت نماز میں اللہ کی رحمت نمازی کے شامل حال ہوتی ہے۔ (۴) اگر سجدہ کرتے وقت پیشانی خاک آلود ہو جائے تو اسے صاف نہ کیا جائے۔

۲۳۹: وَفِي الصَّحِيحِ عَنْ مُعَيْقِيبٍ نَحْوُهُ بِغَيْرِ تَعْلِيلٍ.

البخاری، کتاب العمل فی الصلاة، باب مسح الحصیٰ فی الصلاة: ۱۲۰۷، مسلم: ۵۴۶، ابوداود: ۹۴۶، الترمذی: ۳۸۱، النسائی: ۷/۳، ابن ماجة: ۱۰۲۶

۲۳۹: صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں یہی روایت حضرت معیقیب رضی اللہ عنہ سے منقول ہے، اس میں کنکریاں دور کرنے کی ممانعت کی علت مذکور نہیں

تشریح: حضرت معیقیب رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث کی شاہد ہے، اس سے اس حدیث کو کافی تقویت ملی ہے، لیکن اس حدیث میں یہ وضاحت نہیں ہے کہ حالت نماز میں کنکریاں دور کرنے سے کیوں منع کیا گیا ہے۔ حضرت ابوہریرہ، حضرت عبداللہ بن عمر اور حضرت انس رضی اللہ عنہم سے اس حدیث کے معارض روایات منقول ہیں اور وہ سب ضعیف ہیں۔

۲۴۰: عَنْ عَائِشَةَ رضی اللہ عنہا قَالَتْ سَأَلْتُ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ عَنِ الْالْتِفَاتِ فِي الصَّلَاةِ؟ فَقَالَ "هُوَ اخْتِلَاسٌ يَخْتَلِسُهُ الشَّيْطَانُ

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

مِنْ صَلاةِ الْعَبْدِ " رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ .

البخاری، کتاب الآذان، باب الالتفات فی الصلاة: ۷۵۱، ابو داود: ۹۱۰، الترمذی: ۵۹۵، ابن خزیمة: ۴۸۴

۲۴۰: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے حالت نماز میں ادھر اُدھر جھانکنے کے بارے میں دریافت کیا تو آپ ﷺ نے فرمایا: "یہ شیطان کا جھپٹنا ہے، اس کے ذریعے شیطان بندے کی بندگی کو جھپٹ لیتا ہے۔" (بخاری)

لغوی تحقیق: الالتفات: دائیں بائیں جھانکنا۔ اختلاس: کسی چیز کو کسی سے جلدی سے چھین لینا۔

تشریح: اس حدیث سے یہ واضح ہوا کہ نماز میں ادھر اُدھر جھانکنا خشوع کو مانع ہے اور شیطان لعین کی یہ پوری کوشش ہے کہ وہ عابد و معبود کے تعلقات پختہ نہ ہونے دے، نماز چونکہ عابد و معبود کے تعلقات کو استوار کرتی ہے اس لئے شیطان پوری کوشش کرتا ہے کہ انسان کسی حد تک خشوع ترک کر دے۔ اس کی اس حرکت کو رحمت عالم ﷺ نے ناگہانی ڈاکہ قرار دیتے ہوئے مسلمانوں کو خبردار کرتے ہوئے فرمایا کہ وہ نماز نہایت توجہ سے ادا کریں۔

ایک مرسل روایت میں ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: "جب تک بندہ نماز میں ادھر اُدھر نہیں جھانکتا، اس وقت تک اللہ تعالیٰ اپنے بندے کی طرف نظر شفقت فرماتا ہے اور جب بندہ ادھر اُدھر جھانکنا شروع کر دیتا ہے تو اللہ تعالیٰ بندے سے نظر شفقت پھیر لیتا ہے۔"

فقہی احکام: (۱) نماز میں التفات خشوع کو مانع ہے۔ (۲) خشوع کا ثمرہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے نظر شفقت ہے۔
(۳) شیطان التفات کے ذریعہ عبادت پر ڈاکہ ڈالتا ہے۔

۲۴۱: وَلِلتِّرمِذِيِّ عَنْ أَنَسٍ وَصَحَّحَهُ " إِيَّاكَ وَالِالْتِفَاتَ فِي الصَّلَاةِ ,فَإِنَّهُ هَلَكَةٌ ,فَإِنْ كَانَ فَلَا بُدَّ فَفِي التَّطَوُّعِ "

الترمذی، ابواب الصلاة، باب السجدة فی الحج: ۵۹۴، تمام المنة: ۳۰۹، مصنف ابن ابی شیبة: ۲/۴۱، البخاری: ۷۵۲، مسلم: ۱/۱/۳۹۱ (۵۵۶)

تنبیہ: (۱) بلوغ المرام کے اکثر مطبوعہ نسخوں میں اس روایت کو کسی صحابی کی طرف منسوب کیے بغیر نقل کیا گیا ہے اور بعض میں حضرت انس رضی اللہ عنہ کی طرف منسوب کیا گیا ہے۔ (۲) امیر صنعانی کے پاس جو نسخہ تھا اس میں بھی اس روایت کو کسی صحابی کی طرف منسوب نہیں کیا گیا تھا، اس روایت سے پہلے چونکہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی حدیث ہے، اس لیے امیر صنعانی نے اسے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی طرف منسوب کر دیا۔ ترمذی میں یہ روایت حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔

۲۴۱: ترمذی میں ہے اور امام ترمذی نے اس روایت کو صحیح کہا ہے۔ "نماز میں ادھر اُدھر جھانکنے سے اجتناب کرو، کیونکہ یہ عمل موجب تباہی ہے نفلی نماز میں یہ عمل مجبوراً کیا جا سکتا ہے۔"

لغوی تحقیق: ایاک: جب یہ تنہا استعمال ہوتا ہے تو اس وقت خبردار کرنے کے معنی میں استعمال ہوتا ہے۔ **ھلکة:** موجب ہلاکت۔

تشریح: ترمذی کے مطبوعہ نسخہ میں ہے کہ امام ترمذی نے اس روایت کو بیان کرنے کے بعد اسے حسن غریب کہا ہے، ایک میں فقط حسن اور ایک میں حسن صحیح کہا ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ مؤلف رحمۃ اللہ علیہ کے پاس ترمذی کا وہ نسخہ ہوگا جس میں حسن صحیح درج ہے۔

اس روایت کو اگرچہ امام ترمذی نے حسن صحیح کہا ہے لیکن حقیقت میں یہ روایت تین علتوں کی وجہ سے ضعیف ہے۔ (۱) عبداللہ بن مثنیٰ مختلف فیہ ہے۔ (۲) علی بن زید بن جدعان ماہرین فن کے نزدیک ضعیف ہے۔ (۳) سعید بن مسیب اور حضرت انس رضی اللہ عنہ کے درمیان انقطاع ہے۔

امام ابوبکر بن ابی شیبہ نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے اسی مفہوم کی روایت نقل کی ہے، یہ روایت بھی منقطع ہے، کیونکہ حسن بصری کا

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے سماع ثابت نہیں۔حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث میں مذکور ہے کہ آپ ﷺ بنوعمرو بن عوف کے مابین صلح کروانے کے بعد جب مسجد میں تشریف لائے تو حضرت ابوبکرصدیق رضی اللہ عنہ امامت فرما رہے تھے،صحابہ نے آپ ﷺ کی آمد کی اطلاع پا کر سبحان اللہ کہنا شروع کیا،حضرت ابوبکرصدیق رضی اللہ عنہ نماز میں التفات نہیں فرماتے تھے۔لیکن صحابہ نے تسبیح کو مسلسل جاری رکھا تو حضرت ابوبکرصدیق رضی اللہ عنہ نے التفات فرمایا اور انہیں آپ ﷺ نظر آئے تو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے پیچھے ہٹنا چاہا،آپ ﷺ نے انہیں اپنی جگہ پر ٹھہرے رہنے کا حکم دیا،اس حدیث سے یہ واضح ہوا کہ حالت مجبوری میں التفات کر لینے سے فرضی اور نفلی نماز منقطع نہیں ہوتی۔

فقہی احکام: (۱) نفلی اور فرضی نمازیں خشوع سے عبارت ہیں۔

(۲) خشوع کے بغیر نماز بے روح لاشہ ہے،حالت مجبوری میں التفات کرنے سے نماز فاسد نہیں ہوتی۔

۲۴۲: وَعَنْ أَنَسٍ رضی اللہ عنہ قَالَ، قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ "إِذَا كَانَ أَحَدُكُمْ فِي الصَّلَاةِ فَإِنَّهُ يُنَاجِي رَبَّهُ ,فَلَا يَبْزُقَنَّ بَيْنَ يَدَيْهِ وَلَا عَنْ يَمِينِهِ ,وَلٰكِنْ عَنْ شِمَالِهِ تَحْتَ قَدَمِهِ" مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ وَفِي رِوَايَةٍ "أَوْ تَحْتَ قَدَمِهِ"

البخاری، کتاب الصلاۃ، باب حک البزاق بالیدمن المسجد: ۴۰۵، ۴۰۸، ۴۰۹، ۴۱۲، مسلم: ۵۵۰، ۵۵۱،

ابوداود: ۴۸۴، ۴۸۵، احمد: ۱۰۹/۳، الدارمی: ۱۴۰۲، النسائی: ۱۶۳/۱، ابن ماجۃ: ۱۰۲۲

۲۴۲: حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:تم میں سے کوئی ایک جب نماز پڑھتا ہے تو وہ اس وقت اپنے رب سے مناجات کرتا ہے،اس لیے اسے چاہیے کہ وہ اپنے سامنے اور دائیں جانب نہ تھوکے،لیکن اسے اپنے بائیں طرف قدم کے نیچے تھوکنے کی اجازت ہے۔"(بخاری ومسلم) ایک روایت میں ہے کہ "وہ اپنے پاؤں کے نیچے تھوک لے۔"

لغوی تحقیق: یناجی: مناجاۃ سے ماخوذ ہے،راز و نیاز کی باتیں کرنا۔فلا یبزقن: مت تھوکے۔

تشریح: حضرت ابوسعید اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہما سے مروی احادیث میں نخامہ مذکور ہے،نخامہ بلغم کو کہتے ہیں،خواہ وہ منہ کے راستے خارج ہو یا ناک کے راستے۔

ان احادیث سے یہ واضح ہوا کہ منہ اور ناک سے خارج ہونے والا مواد ناپاک نہیں،اگر دوران نماز آجائے تو اسے کپڑے سے صاف کر لینا چاہیے،اگر نماز پڑھنے کی جگہ کچی ہو تو پھر پاؤں کے نیچے یا بائیں طرف بھی تھوکنے کی اجازت ہے۔عصر حاضر میں چونکہ مسجدیں پختہ اور چکنی ہیں اس لئے اب مسجد میں تھوکنا انتہائی معیوب ہے،لہٰذا کپڑے وغیرہ سے ناک اور منہ صاف کر لینا چاہیے۔

فقہی احکام: (۱) ناک اور منہ سے خارج ہونے والا مواد ناپاک نہیں۔(۲) حالت نماز میں ناک اور منہ صاف کرنا جائز ہے۔(۳) قبلہ رخ تھوکنے سے اجتناب کیا جائے۔(۴) حالت نماز میں سامنے اور دائیں طرف تھوکنا منع ہے۔(۵) آدمی نماز پڑھتا ہے تو اللہ کی رحمت اس کا استقبال کرتی ہے۔(۶) نماز عابد اور معبود کے درمیان مناجات کا سب سے مؤثر ذریعہ ہے۔(۷) اگر کوئی غلطی سے تھوک دے تو اسے چاہیے کہ اس جگہ کو صاف کرے اور وہاں خوشبو کا چھڑکاؤ کرے۔(۸) نمازی کے سامنے اللہ کی رحمت اور دائیں جانب مقرب فرشتے ہوتے ہیں۔

۲۴۳: وَعَنْهُ قَالَ كَانَ قِرَامٌ لِعَائِشَةَ رضی اللہ عنہا سَتَرَتْ بِهِ جَانِبَ بَيْتِهَا فَقَالَ لَهَا النَّبِيُّ ﷺ "أَمِيطِي عَنَّا قِرَامَكِ هٰذَا ,فَإِنَّهُ لَا تَزَالُ تَصَاوِيرُهُ تَعْرِضُ لِي فِي صَلَاتِي" رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ.

www.KitaboSunnat.com

البخاری، کتاب الصلاۃ، باب ان صلی فی ثوب مصلب او تصاویر: ۳۷۴، کتاب اللباس: ۵۹۵۴،فتح الباری: ۱۰/ ۳۸۹، احمد: ۳/ ۱۵۱، ۲۸۳

۲۴۳: حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس ایک خوبصورت پردہ تھا، انہوں نے اسے اپنے گھر کے ایک طرف لٹکا رکھا تھا، نبی کریم ﷺ نے انہیں فرمایا: "اس پردے کو یہاں سے ہٹا دو، کیونکہ اس کی تصاویر میری نماز میں میرے سامنے رہی ہیں۔ (بخاری و مسلم)

لغوی تحقیق: قرام: قاف مکسور، باریک اونی منقش کپڑا۔ امیطی: دور کردو۔ تعرض: در پے ہونا، پیش آنا۔

تشریح: اس سلسلے میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا خود اپنا بیان اس طرح ہے کہ رسول اللہ ﷺ ایک سفر سے تشریف لائے، اس وقت میرے پاس ایک کپڑا تھا جس میں تصاویر تھیں، میں نے اسے اپنے گھر کے ایک طرف لٹکا رکھا تھا، جب آپ ﷺ نے اسے دیکھا تو اتارنے کا حکم دیا اور فرمایا: "قیامت کے روز سب سے سخت عذاب کا سامنا ان لوگوں کو ہوگا جو اللہ تعالیٰ کی تخلیق کی نقل تیار کرتے ہیں۔" محترمہ رضی اللہ عنہا بتاتی ہیں کہ ہم نے اس کپڑے سے ایک تکیہ یا دو تکیے تیار کر لیے۔

اس حدیث سے یہ واضح ہوا کہ اس پردے پر جاندار اشیاء کی تصاویر تھیں۔ مسلم کی ایک روایت میں ہے کہ پروں والے گھوڑوں کی تصاویر تھیں۔ ایک روایت میں ہے کہ آدمیوں کی تصاویر تھیں۔ عروۃ کے طریق سے مروی روایت میں پرندوں اور مردوں کی تصاویر کا تذکرہ ہے۔ ان احادیث سے یہ واضح ہوا کہ تصاویر کو گھروں میں لٹکانا منع ہے خواہ وہ کاغذ پر منقش ہو یا پردوں پر، اور جو چیزیں پاؤں کے نیچے روندھی جاتی ہیں ان کا استعمال جائز ہے، خواہ وہ اشیاء تکیے اور گدے کی صورت میں ہوں یا قالین اور کارپٹ کی شکل میں ہوں۔

فقہی احکام: (۱) جاندار اشیاء کی اشکال بنانا شرک کی اقسام میں شامل ہے۔ (۲) جاندار اشیا کی تصاویر کو آویزاں کرنا ممنوع ہے۔ (۳) ایسے تکیے، گدے، قالین اور کارپٹ استعمال کرنا جائز ہیں جن پر جانداروں کی تصاویر ہوں تاہم ان سے اجتناب بہتر ہے۔ (۴) جن دفاتر اور کمروں میں تصاویر کی تزیین و تعظیم ہوگی ان میں نماز پڑھنا ممنوع ہے۔ البتہ جو پڑھ لی گئی ہوں، انہیں لوٹانے کی ضرورت نہیں

۲۴۴: وَاتَّفَقَا عَلَى حَدِيثِهَا فِي قِصَّةِ أَنْبِجَانِيَّةِ أَبِي جَهْمٍ، وَفِيهِ "فَإِنَّهَا أَلْهَتْنِي عَنْ صَلَاتِي"

البخاری، کتاب الصلاۃ، باب اذا صلی فی ثوب له اعلام: ۳۷۳، مسلم: ۵۵۶، مؤطا: ۱/ ۸۳، فتح الباری: ۱/ ۴۸۳، ابو داود: ۹۱۴، النسائی: ۲/ ۷۲، ابن ماجۃ: ۳۵۵۰، احمد: ۶/ ۳۷، ۱۹۹، ابن خزیمۃ: ۹۲۸

۲۴۴: حضرت ابو جہم رضی اللہ عنہ کی طرف سے بطور تحفہ دی گئی انجانیہ چادر سے متعلق حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی حدیث کو بخاری اور مسلم دونوں نے بیان کیا ہے، اس میں ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: "اس چادر نے مجھے میری نماز سے غافل کر دیا۔"

تشریح: امام مالک نے اس حدیث کو مفصل بیان کیا ہے، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ ابو جہم نے آپ ﷺ کو ایک ایسی چادر بطور تحفہ پیش کی جس پر نقوش و اعلام تھے۔ آپ ﷺ نے اسے زیب تن فرما کر نماز پڑھی، دوران نماز آپ ﷺ کی نظر ان اعلام و نقوش کی طرف مبذول ہوگئی، آپ ﷺ نے نماز سے فارغ ہو کر فرمایا: "یہ چادر اسے واپس کر دو۔" ابن بطال شارح بخاری فرماتے ہیں کہ آپ ﷺ نے ابو جہم سے اس کے بدلے میں دوسرا کپڑا طلب فرمایا تاکہ اسے معلوم ہو کہ آپ ﷺ نے اس کا تحفہ حقارت کی وجہ سے واپس نہیں فرمایا، چنانچہ اس نے وہ چادر لیکر اس کے بدلے میں ایسی چادر دی جو غیر منقوش تھی۔

فقہی احکام: (۱) منقش و ملون اشیاء پاکیزہ دلوں کو بھی متاثر کرتی ہیں۔ (۲) نماز میں معمولی خیالات نماز کو فاسد نہیں کرتے۔ (۳) جو

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

لباس خشوع کو مانع ہو اسے اتار کر نماز پڑھنی چاہیے۔ (۴) تحفہ تبدیل کرنے کی درخواست کی جا سکتی ہے (۵) تبدیلی کی صورت میں تحفہ واپس لینا درست ہے۔

۲۴۵: وَعَنْ جَابِرِ بْنِ سَمُرَةَ رضی اللہ عنہ قَالَ، قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم "لَيَنْتَهِيَنَّ أَقْوَامٌ يَرْفَعُونَ أَبْصَارَهُمْ إِلَى السَّمَاءِ فِي الصَّلَاةِ أَوْ لَا تَرْجِعُ إِلَيْهِمْ" رَوَاهُ مُسْلِمٌ.

مسلم، کتاب الصلاة، باب النهی عن رفع البصر الی السماء فی الصلاة: ۴۲۸، ابوداود: ۹۱۲، البخاری: ۷۵۰، النسائی: ۳/۷، البیهقی: ۲۸۲/۳ (۳۶۲۸)، المعجم الاوسط للطبرانی: ۳۲۱، ابن ماجة: ۱۰۴۵، الدارمی: ۱۳۰۶

۲۴۵: حضرت جابر بن سمرة رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "مسلمان جماعتیں دوران نماز اپنی نگاہیں آسمان کی طرف اُٹھانے سے باز آ جائیں ورنہ ان کی نظریں ان کی طرف واپس نہیں آئیں گی۔" (مسلم)

لغوی تحقیق: لينتهين: نهی سے ماخوذ ہے، صرفی اصطلاح میں اسے نون تاکید ثقیلہ کہتے ہیں یعنی ضرور بعض آ جائیں۔ اقوام: قوم کی جمع یعنی نمازیوں کے گروہ۔

تشریح: اس حدیث سے یہ واضح ہوا کہ دوران نماز آسمان کی طرف نظر اٹھانا ممنوع ہے اور ایسا کرنے والے کیلئے سخت وعید ہے۔ یعنی اس جرم کی سزا بینائی سے محرومی ہے۔ ظاہر ہے کہ اس سے نماز بھی فاسد ہو جائے گی۔

یہ حدیث ﴿قد نری تقلب وجهک فی السماء: ہم نے دیکھ لیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا چہرہ آسمان کی طرف پھرنا﴾ کے معارض نہیں کیونکہ اس حدیث میں حالت نماز میں آسمان کی طرف نظر اٹھانے کی مذمت بیان ہوئی، جبکہ مذکورہ آیت میں حالت نماز میں آسمان کی طرف نگاہ اٹھانے کا ذکر نہیں ہے۔ امام ابن کثیر نے ابن مردویہ کے حوالے سے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی روایت نقل کی ہے، اس میں یہ صراحت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سلام پھیرنے کے بعد آسمان کی طرف نگاہ بلند فرماتے تھے۔ حضرت انس، حضرت ابوہریرہ، حضرت ابوسعید خدری اور حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہم سے بھی مرفوع احادیث منقول ہیں، ان میں بھی دوران نماز آسمان کی طرف نگاہ اٹھانے کی ممانعت اور اس کی سزا کا ذکر ہے۔

فقہی احکام: (۱) حالت نماز میں آسمان کی طرف دیکھنا ممنوع ہے۔

(۲) اس سے نماز فاسد ہو جائے گی اور بینائی سے محرومی کی سزا بھی مل سکتی ہے۔

۲۴۶: وَلَهُ عَنْ عَائِشَةَ رضی اللہ عنہا قَالَتْ سَمِعْتُ رَسُولَ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم يَقُولُ "لَا صَلَاةَ بِحَضْرَةِ طَعَامٍ، وَلَا وَهُوَ يُدَافِعُهُ الْأَخْبَثَانِ"

مسلم، کتاب المساجد و مواضع الصلاة، باب کراهة الصلاة بحضر الطعام: ۵۶۰، ابوداود: ۸۹، احمد: ۴۳/۶، ابن خزيمة: ۹۳۳

۲۴۶: امام مسلم حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی حدیث لائے ہیں، محترمہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے سنا ہے کہ "جب کھانا حاضر ہو یا قضائے حاجت کا سامنا ہوتا اس وقت نماز نہیں ہوتی۔"

لغوی تحقیق: الاخبثان: اخبث کا تثنیہ ہے، انتہائی ناپاک یعنی بول و براز۔

تشریح: اس حدیث سے یہ واضح ہوا کہ بول براز کی اگر حاجت ہو تو اس سے فارغ ہو کر نماز پڑھنی چاہیے، اگر کوئی شخص، بول و براز کو روک کر نماز پڑھے گا تو یہ خشوع و خضوع کو قائم نہیں ہونے دیں گے، جس کی وجہ سے نماز میں بار بار خلل واقع ہوگا، امام داؤد ظاہری کے نزدیک ایسی نماز باطل ہے۔ امام نووی ایسی نماز کو لوٹانے کا حکم دیتے ہیں۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

فقہی احکام: (۱) بول وبراز اور ہوا کے اخراج کو روک کر نماز پڑھنا درست نہیں۔(۲) کھانے کی موجودگی میں نماز پڑھنا درست نہیں۔(۳) ایسی صورت میں اگر جماعت کا ترک کرنا لازم آئے تو جماعت کو چھوڑنا بھی درست ہے۔

۲۴۷: وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضی اللہ عنہ أَنَّ النَّبِيَّ صلی اللہ علیہ وسلم قَالَ "اَلتَّثَاؤُبُ مِنَ الشَّيْطَانِ فَإِذَا تَثَائَبَ أَحَدُكُمْ فَلْيَكْظِمْ مَا اسْتَطَاعَ" رَوَاهُ مُسْلِمٌ وَالتِّرْمِذِيُّ, وَزَادَ "فِي الصَّلَاةِ"

مسلم، کتاب الزهد، باب تشميت العاطس و كراهة التثاؤب: ۲۹۹۴، الترمذی: ۳۷۰، احمد: ۳۹۴/۲ (۱۰۷۰۰)

البخاری: ۶۲۲۶

۲۴۷: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جمائی شیطان کی وجہ سے ہے، تم میں سے جسے جمائی آئے وہ جہاں تک ممکن ہو اسے روکنے کی کوشش کرے۔" اسے مسلم اور ترمذی نے بیان کیا ہے ترمذی نے نماز میں (جمائی آنے کا بھی) ذکر کیا ہے۔

لغوی تحقیق: تثاؤب: معدے کے پر ہونے اور اعصاب کے سست ہونے پر منہ کا کھولنا، جمائی لینا۔ **فليكظم:** اسے روکے۔

تشریح: جمائی معدہ کو خوب پر کرنے، سستی اور کاہلی کا مظاہرہ کرنے کے نتیجہ ہے، عموماً یہ دیکھا گیا ہے کہ جمائی لینے والا جمائی لیتے وقت ایک آواز بھی نکالتا ہے، جسے سن کر شیطان خوب مسکراتا ہے۔ ایک حدیث میں ہے کہ محض جمائی لینے پر ہی شیطان خوش ہوتا ہے۔ ان احادیث سے واضح ہوا کہ جمائی شیطان کی خوشی میں اضافہ کا سبب بنتی ہے، اس لئے جمائی کی آمد کو شیطان کی طرف منسوب کیا گیا ہے، جبکہ اس کے برعکس چھینک کو اللہ کی طرف منسوب کیا گیا ہے، چھینک مارنے والا اللہ تعالیٰ کی تعریف وتوصیف بیان کرتا ہے، اس لئے اللہ تعالیٰ چھینک کو پسند فرماتے ہیں۔ ایک روایت میں ہے کہ جب کوئی جمائی لینے کیلئے منہ کھولتا ہے تو شیطان اس کے منہ میں داخل ہو جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے انسان کو شیطانی اثرات سے محفوظ رکھنے کیلئے اسے یہ حکم دیا ہے کہ وہ حتی المقدور جمائی کو روکنے کی کوشش کرے اور اگر ایسا نہ کر سکے تو اپنے منہ پر ہاتھ رکھ لے۔

فقہی احکام: (۱) جمائی شیطانی عمل ہے اور اسکی خوشی کا ذریعہ ہے۔(۲) اسے روکنے کی حتی المقدور کوشش کرنی چاہیے۔ (۳) جمائی لیتے وقت منہ پر ہاتھ رکھ لینا چاہیے۔

٦۔ بَابُ الْمَسَاجِدِ — مساجد کا بیان

۲۴۸: عَنْ عَائِشَةَ رضی اللہ عنہا قَالَتْ أَمَرَ رَسُولُ اللَّهِ صلی اللہ علیہ وسلم بِبِنَاءِ الْمَسَاجِدِ فِي الدُّوْرِ, وَأَنْ تُنَظَّفَ, وَتُطَيَّبَ. رَوَاهُ أَحْمَدُ, وَأَبُو دَاوُدَ, وَالتِّرْمِذِيُّ, وَصَحَّحَ إِرْسَالَهُ.

ابوداود، کتاب الصلاة، باب اتخاذ المسجد فی الدور: ۴۵۵، الترمذی: ۵۹۹، ابن ماجة: ۷۵۹، احمد: ۲۷۹/۶،

الاحکام الوسطی: ۲۸۶/۱، بیان الوهم والایهام: ۱۳۸/۵

۲۴۸: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں گھروں میں نماز پڑھنے کی جگہ متعین کرنے اور انہیں پاک صاف رکھنے کا حکم فرمایا تھا۔ اسے احمد، ابوداؤد اور ترمذی نے روایت کیا ہے اور ترمذی نے اس کے مرسل ہونے کو درست قرار دیا ہے

لغوی تحقیق: الدور: دار کی جمع یعنی گھر، یہ لفظ محلے اور قبیلے پر بھی دلالت کرتا ہے۔ تنظف: تاء مضموم، نون مفتوح اور ظاء مشدد مفتوح تطیب: تاء مضموم، طاء مفتوح اور یاء مشدد مفتوح، دونوں مجہول کے صیغے ہیں۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

تشریح: اس روایت کو ابوداؤد، ترمذی، ابن ماجہ، احمد اور بیہقی نے ہشام بن عروۃ بن زبیر کے طریق سے نقل کیا ہے۔ ہشام بن عروۃ سے یہ روایت عامر بن صالح، مالک بن سعیر اور زائدہ نے مرفوع نقل کی ہے، جبکہ عبدۃ بن سلیمان، وکیع اور سفیان بن عیینہ نے مرسل نقل کی ہے۔ امام ترمذی نے مرسل طریق کو صائب قرار دیا ہے۔

علامہ عبدالحق اشبیلی نے مرفوع طریق کو سند کے اعتبار سے اشہر قرار دیا ہے، امام ابن قطان نے سفیان بن عیینہ کی مخالفت کو غیر مضر قرار دیتے ہوئے مرفوع طریق کو راجع قرار دیا ہے۔

اس حدیث میں واقع لفظ دور سے مراد گھر اور محلّہ دونوں ہو سکتے ہیں۔ اگر گھر مراد لیں گے تو اس کا مفہوم یہ ہوگا کہ خواتین نماز پڑھنے کیلئے اپنے گھروں میں ایک جگہ متعین کر لیں، پھر اسے پاک صاف رکھیں، اگر محلّہ مراد لیں گے تو اس کا مفہوم ہوگا کہ مرکزی مسجد سے دور جو محلے ہیں ان میں چھوٹی چھوٹی مساجد قائم کی جائیں تا کہ محلے کے کمزور اور نحیف لوگ بھی نماز پنجگانہ ان مساجد میں با جماعت ادا کر سکیں۔ امام ابن عیینہ نے اسی مفہوم کو اختیار کیا ہے۔ نظافت سے مراد، انہیں نجاستوں اور گندگی سے پاک رکھنا ہے، جبکہ تطیب سے مراد، انہیں خوشبو سے معطر رکھنا ہے، ان دونوں امور کے بارے میں دیگر احادیث میں بھی ہدایات موجود ہیں۔

فقہی احکام: (۱) خواتین کو چاہیے کہ وہ نماز پڑھنے کیلئے اپنے گھروں میں ایک خاص جگہ متعین کر لیں۔ (۲) مرد حضرات بھی نوافل وغیرہ اسی مقام پر ادا کریں۔ (۳) محلوں میں بھی ضرورت کے مطابق مساجد تعمیر کی جائیں۔ (۴) نماز پڑھنے کے مقامات کو صاف ستھرا اور معطر رکھا جائے۔ (۵) مساجد کی صفائی ستھرائی رکھنا ایک عظیم نیکی ہے۔

۲۴۹: وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضی اللہ عنہ قَالَ، قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صلی اللہ علیہ وسلم " قَاتَلَ اللَّهُ الْيَهُودَ اِتَّخَذُوا قُبُورَ أَنْبِيَائِهِمْ مَسَاجِدَ " مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ وَزَادَ مُسْلِمٌ " وَالنَّصَارَى "

البخاری، کتاب الصلواۃ، باب : ۴۳۷، مسلم: ۵۳۰، ابوداود: ۳۲۲۷، النسائی: ۴/ ۹۵، ابن حبان: ۲۳۲۶، احمد: ۲/ ۲۸۴، البیھقی: ۴/ ۸۰

۲۴۹: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "اللہ تعالیٰ یہودیوں کو برباد کرے انہوں نے انبیا کی قبروں کو مسجد بنا لیا تھا۔" (بخاری و مسلم) مسلم نے نصاری کا نام بھی ذکر کیا ہے۔

تشریح: اس حدیث سے یہ واضح ہوا کہ یہود اپنے انبیاء کی عبادت ان کے مجسمے بنا کر نہیں کرتے تھے بلکہ براہ راست ان کی قبروں پر سجدہ وغیرہ کرتے تھے۔ اور ان سے اپنی حاجات طلب کرتے تھے۔ رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی اس حرکت کی وجہ سے ان کیلئے دنیا میں بربادی اور آخرت میں اللہ تعالیٰ کی رحمت سے محرومی کی بد دعا فرمائی۔

فقہی احکام: (۱) انبیا و صلحا کی قبروں پر سجدہ کرنا ناقبل معافی جرم ہے۔ (۲) ان سے حاجات طلب کرنا شرک ہے۔
(۳) قبروں کے پوجاری یہود و نصاری کے مقلد ہیں۔

۲۵۰: وَلَهُمَا مِنْ حَدِيثِ عَائِشَةَ رضی اللہ عنہا " كَانُوا إِذَا مَاتَ فِيهِمُ الرَّجُلُ الصَّالِحُ بَنَوْا عَلَى قَبْرِهِ مَسْجِدًا " وَفِيهِ " أُولَئِكَ شِرَارُ الْخَلْقِ "

البخاری، کتاب الصلاۃ، باب الصلاۃ فی البیعۃ: ۴۳۴، مسلم: ۵۲۸، النسائی: ۲/ ۴۱، احمد: ۶/ ۵۱، ابن حبان: ۲۳۲۵، ابن خزیمۃ: ۲/ ۷، الترمذی: ۳۲۰

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

۲۵۰: بخاری ومسلم میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے منقول ہے، کہ ان میں سے جب کوئی نیک آدمی فوت ہو جاتا تو وہ لوگ اس کی قبر پر مسجد بنا دیتے تھے۔ اس میں یہ الفاظ بھی ہیں کہ یہودی بدترین مخلوق ہیں۔

لغوی تحقیق: شرار: شر کی جمع ہے، یہ مصدر مبالغہ کے معنی میں مستعمل ہے یعنی تمام کائنات سے بدترین ہیں۔

تشریح: اس حدیث سے یہ واضح ہوا کہ یہود ونصاری فقط انبیا کی قبروں پر سجدے اور نذر و نیاز نہیں دیا کرتے تھے بلکہ ان میں سے جو بھی نیک آدمی فوت ہو جاتا اس کی قبر پر مسجد تعمیر کر دیتے اور اس کی دیواروں پر نیک لوگوں کی تصویریں بنا دیتے، عصر حاضر میں مسلمانوں کی ایک بڑی تعداد بھی یہی کام کر رہی ہے، ہر قبر پر مزار ہے اور ہر مزار کو مسجد کا تقدس اور درجہ حاصل ہے، مزاروں کی در و دیوار پر مختلف بزرگوں کی تصاویر آویزاں ہیں، عرس کے نام پر وہاں مزامیر (جنہیں شیطان کا جال کہا گیا ہے) کی بہتات ہی نہیں بلکہ عریانی کی نمائش بھی ہوتی ہے، خواتین کی بڑی تعداد ہار سنگھار اور نیم عریاں لباس زیب تن کرے اوباش لوگوں کی توجہ کا مرکز بنی رہتی ہیں۔ کس قدر ستم ظریفی اور خود فریبی ہے کہ یہود و نصاری تو مشرک ہونے کے ناطے ہمارے نزدیک ایک بدترین مخلوق قرار پائیں اور مسلمان وہی کام کر کے محبوب ترین امت کہلائیں؟ این خیال است و محال است وجنوں۔

حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "قیامت بدترین انسانوں اور قبروں کے پوجاریوں پر واقع ہو گی۔" حضرت جندب رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "خبردار! تم قبروں کو سجدہ گاہ نہ بنا لینا، میں تمہیں اس سے سختی سے منع کرتا ہوں۔" حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی حدیث میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے قبروں پر چراغاں کرنے والوں پر لعنت فرمائی ہے۔

۲۵۱: وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضی اللہ عنہ قَالَ بَعَثَ النَّبِيُّ صلی اللہ علیہ وسلم خَيْلاً ,فَجَائَتْ بِرَجُلٍ ,فَرَبَطُوْهُ بِسَارِيَةٍ مِنْ سَوَارِي الْمَسْجِدِ الْحَدِيْثَ . مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ

البخاری، کتاب الصلاۃ، باب الاغتسال اذا اسلم: ۴۶۲، مسلم: ۱۷۶۴، ابوداود: ۲۶۷۹، النسائی: ۴۶/۲، البیھقی: ۴۴۴/۲

۲۵۱: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے (نجد کی طرف) ایک چھوٹا لشکر روانہ فرمایا وہ ایک آدمی کو گرفتار کر کے لے آئے اور اسے مسجد کے ستونوں میں سے ایک ستون کے ساتھ باندھ دیا۔ (بخاری و مسلم)

لغوی تحقیق: خیلا: گھوڑ سوار دستہ۔ ساریۃ: ستون۔

تشریح: اس حدیث میں جس شخص کو گرفتار کر کے ستون کے ساتھ باندھنے کا ذکر ہے اس شخص کا نام ثمامہ بن آثال ہے، وہ ریاست یمامہ کا اس وقت رئیس تھا۔ نیز وہ مشرک بھی تھا۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی طویل حدیث میں اس بات کی صراحت ہے کہ ضمام بن ثعلبہ اپنے اونٹ سمیت مسجد نبوی میں داخل ہو گیا تھا اور وہ اس وقت کافر تھا۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث میں یہ صراحت ہے کہ یہودی ایک زانی جوڑے کو لے کر مسجد نبوی میں داخل ہوئے تھے۔

ایک منقطع روایت میں بدر کے قیدیوں کو بھی مسجد نبوی میں رکھنے کا ذکر ملتا ہے۔

درج بالا احادیث بظاہر اس نص قرآنی کے خلاف ہیں جس میں مشرکین کو نجس قرار دیکر ان کا داخلہ مسجد حرام میں ممنوع قرار دیا گیا ہے۔ اہل علم نے اس عقدہ کو حل کرنے کیلئے اپنے اپنے اسلوب سے کوشش کی ہے۔ شوافع کے نزدیک نص قرآنی کا حکم فقط مسجد حرام کیلئے ہے۔ اس لیے ان کے نزدیک دیگر مساجد میں مشرکین کا داخلہ ممنوع نہیں۔ احناف کے نزدیک مشرکین کے داخلے کی ممنوعیت کا مقصد انہیں

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

مشرکانہ طرز کے مطابق حج کرنے سے روکنا ہے۔ عام حالات میں وہ کسی ضرورت یا امیر المؤمنین کی اجازت سے ہر مسجد میں داخل ہو سکتے ہیں، راقم کے نزدیک یہی کوشش اقرب الی الصواب ہے۔

فقہی احکام: (۱) مشرک نجس ہیں، لیکن بوقت ضرورت ان کا داخلہ مسجد میں جائز ہے۔

(۲) بوقت ضرورت مسجد سے جیل کا کام بھی لیا جا سکتا ہے۔ (۳) قیدیوں سے روزانہ احوال دریافت کرنا بھی مسنون ہے۔

۲۵۲: وَعَنْهُ، أَنَّ عُمَرَ رضی اللہ عنہ مَرَّ بِحَسَّانَ يُنْشِدُ فِي الْمَسْجِدِ, فَلَحَظَ إِلَيْهِ فَقَالَ قَدْ كُنْتُ أُنْشِدُ ,وَفِيهِ مَنْ هُوَ خَيْرٌ مِنْكَ . مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ.

البخاری، کتاب بدء الخلق، باب ذکر الملائکة: ۳۲۱۲، مسلم: ۲۴۸۵، ابوداود: ۵۰۱۳، النسائی: ۴۸/۲، احمد: ۲۲۲/۵، عبد الرزاق: ۴۳۹/۱، المطالب العالیة: ۳۶۳

۲۵۲: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت عمر حضرت حسان رضی اللہ عنہما کے پاس سے گزرے وہ اس وقت مسجد میں اشعار پڑھ رہے تھے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے انہیں گھور کر دیکھا، وہ بولے میں اس وقت بھی اشعار مسجد میں پڑھا کرتا تھا، جب مسجد میں تم سے بہتر تشریف فرما ہوتے تھے۔ (بخاری و مسلم)

لغوی تحقیق: ينشد: یاء مضموم، نون ساکن، شین مکسور، اشعار پڑھنا۔ خير: رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم مراد ہیں۔

تشریح: مساجد میں شرک کی تبلیغ و ترویج ممنوع ہے، لہٰذا شرک و خرافات سے لبریز اشعار مساجد میں پڑھنا ممنوع ہیں۔ جیسا کہ حارثہ بن مضرب سے مروی روایت میں وہ کہتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہما نے لوگوں کو اس شخص کا سر پھاڑنے کا حکم دیا تھا، جو جمعہ کے روز مسجد میں دور جاہلیت کے اشعار پڑھتا تھا۔ اس روایت سے یہ واضح ہوا کہ مساجد میں شرکیہ نعت خوانی کی قطعاً کوئی گنجائش نہیں، البتہ شرک سے پاک نعت خوانی مساجد میں کرنا اور سننا مسنون ہے، جیسا کہ حدیث الباب سے ظاہر ہوتا ہے۔

فقہی احکام: شرک سے پاک اشعار مساجد میں پڑھے جا سکتے ہیں۔

۲۵۳: وَعَنْهُ قَالَ، قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صلی اللہ علیہ وسلم "مَنْ سَمِعَ رَجُلاً يَنْشُدُ ضَالَّةً فِي الْمَسْجِدِ فَلْيَقُلْ لَا رَدَّهَا اللَّهُ عَلَيْكَ ,فَإِنَّ الْمَسَاجِدَ لَمْ تُبْنَ لِهَذَا " رَوَاهُ مُسْلِمٌ.

مسلم، کتاب المساجد و مواضع الصلاة، باب النهی عن نشد الضالة فی المسجد: ۵۶۸، ابوداود: ۴۷۳، ابن ماجة: ۷۶۵، احمد: ۳۴۹/۲، ابن خزیمة: ۲۷۳/۲، ابن حبان: ۵۳۰/۴، النسائی: ۴۸/۲، البیهقی: ۴۴۷/۲

۲۵۳: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ ہی سے مروی ایک اور حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "جو شخص کسی شخص سے مسجد میں گمشدہ چیز کا اعلان سنے اسے اس طرح کہنا چاہیے کہ، اللہ تعالیٰ تجھے تیری چیز واپس نہ کرے، کیونکہ مساجد اس مقصد کے لیے تعمیر نہیں کی گئیں۔" اسے مسلم نے روایت کیا ہے

لغوی تحقیق: ضالة: گم شدہ چیز۔

تشریح: مساجد میں گم شدہ اشیا کا اعلان کرنا ممنوع ہے، گمشدہ اشیا کے اعلان کی ممنوعیت کے بارے میں متعدد احادیث منقول ہیں، حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص لوگوں سے مسجد میں یہ پوچھ رہا تھا کہ میرا سرخ اونٹ کسی نے دیکھا ہے؟ رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "تجھے تیرا اونٹ نہ ملے، مساجد تو خاص مقصد کیلئے بنائی گئی ہیں" حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے بھی اسی طرح کی ایک حدیث مروی ہے۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

فقہی احکام: گم شدہ چیز کا اعلان مساجد میں کرنا ممنوع ہے۔(۲) مسجد میں ملی ہوئی چیز کا مسجد میں اعلان کیا جا سکتا ہے۔
(۳) جنازے اور جلسے وغیرہ کے اعلانات بھی مساجد میں کئے جا سکتے ہیں۔(۳) مسجد میں اعلان کرنے والے کیلئے بددعا کرنا مسنون ہے۔(۴) مسجد میں گم شدہ چیز کا اعلان کرنے سے دنیا اور آخرت دونوں خسارے میں ہیں۔

۲۵۴: وَعَنْهُ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ قال " إِذَا رَأَيْتُم مَنْ يَبِيعُ ,أَوْ يَبْتَاعُ فِي الْمَسْجِدِ ,فَقُولُوا لا أَرْبَحَ اللَّهُ تِجَارَتَكَ " رَوَاهُ النَّسَائِيُّ ,وَالتِّرْمِذِيُّ وَحَسَّنَهُ.

الترمذی، کتاب البیوع، باب النہی عن البیع فی المسجد: ۱۳۲۴، السنن الکبری للنسائی: ۵۲/۲، الدارمی: ۱۴۰۸، ابن خزیمۃ: ۲۷۴/۲، ابن حبان: ۱۶۵۰، الحاکم: ۵۶/۲، ابن سنی: ۱۵۳

۲۵۴: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "جب تم مسجد میں کسی شخص کو خرید و فروخت کرتے دیکھو تو اسے کہو، اللہ تیری تجارت کو نفع بخش نہ بنائے۔" اسے نسائی اور ترمذی نے بیان کیا ہے اور ترمذی نے حسن کہا ہے۔

لغوی تحقیق: یبیع: فروخت کرتا ہے۔ یبتاع: خریدتا ہے۔ لا اربح: مت نفع بخش بنائے۔

تشریح: اس حدیث سے یہ واضح ہوا کہ مسجد میں خرید و فروخت کرنا ممنوع اور غیر نفع بخش ہے، مسجد میں تجارت کی ممانعت کی وجہ یہ ہے کہ مساجد خالصتاً ذکر الٰہی کیلئے بنائی جاتی ہیں، اگر یہاں تجارت شروع کر دی جائے تو یہ ذکر الٰہی کی بجائے تجارت کا مرکز بن جائیں گی اور لوگوں کی مذہبی اور اخلاقی راہنمائی و تربیت کرنے میں ناکام رہیں گی، اس طرح مساجد کی تعمیر کے مقاصد ناپید ہو جائیں گے۔
اس روایت کو امام ترمذی نے حسن، امام ابن خزیمہ، امام حاکم اور علامہ ذہبی نے صحیح کہا ہے۔ امام دارقطنی نے اس کے مرسل ہونے کو صائب قرار دیا ہے۔

تنبیہ: امام ابن حبان نے؛ یبتاع؛ کی جگہ؛ یشتری؛ نقل کی ہے۔

فقہی احکام: (۱) مساجد میں خرید و فروخت ممنوع اور غیر منافع بخش ہے۔(۲) مساجد میں تجارت کرنے والے کو بددعا دینا جائز ہے۔

۲۵۵: وَعَنْ حَكِيمِ بْنِ حِزَامٍ رضی اللہ عنہ قَالَ، قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ "لا تُقَامُ الْحُدُودُ فِي الْمَسَاجِدِ ,وَلا يُسْتَقَادُ فِيهَا " رَوَاهُ أَحْمَدُ ,وَأَبُو دَاوُدَ بِسَنَدٍ ضَعِيفٍ.

ابو داود، کتاب الحدود، باب فی اقامۃ الحد فی المسجد: ۴۴۹۰، مسند احمد: ۴۳۴/۳، الحاکم: ۳۷۸/۴، التلخیص: ۷۸/۴، الاحکام الوسطی: ۶۴/۲، بیان الوہم والایہام: ۳۴۴/۳، ۳۴۵، المحرر لابن عبد الہادی: ۲۶۶/۱، المحلی: ۱۲۳/۱۱، اطراف المسند لابن حجر: ۲۸۰/۲، الدارمی: ۱۹۰/۲، ابن ماجۃ: ۱۶۰۰، الضعفاء لابن حبان: ۳۱۰/۱، المطالب العالیۃ: ۳۵۹، کشف الاستار: ۱۵۶۵، المعجم الکبیر: ۱۵۹۰، عبد الرزاق: ۴۳۷/۱، الدارقطنی: ۸۵/۳

تنبیہ: حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ اور مزی نے اطراف مسند میں عباس بن عبدالرحمن کی جگہ قاسم بن عبدالرحمن ذکر کیا ہے۔

۲۵۵: حضرت حکیم بن حزام رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "مساجد میں نہ تو حدود قائم کی جائیں اور نہ قصاص لیا جائے۔" اسے احمد، ابو داؤد نے ضعیف سند سے نقل کیا ہے۔

لغوی تحقیق: لا یستقاد: یاء مضموم، سین ساکن اور تاء مفتوح، فعل مجہول، قصاص نہ لیا جائے۔

تشریح: اس روایت کو امام ابوداؤد، امام احمد، امام حاکم اور امام دارقطنی نے زفر بن وثیمہ کے طریق سے نقل کیا ہے، مؤلف

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

رحمہ اللہ نے اس روایت کو بلوغ المرام میں سند کے اعتبار سے ضعیف کہا ہے، جبکہ التلخیص الحبیر میں؛ لا بأس باسناده؛ کہا ہے۔ حافظ عبدالحق اشبیلی نے الاحکام الوسطی میں اس حدیث کو ضعیف کہا ہے مگر انہوں نے اس کے ضعیف ہونے کی علت بیان نہیں کی، امام ابن قطان نے اس روایت کے ضعیف ہونے کی یہ علت بیان کی ہے کہ زفر بن وثیمہ مجہول ہے۔

امام ذہبی نے میزان میں ابن قطان کی بیان کردہ علت کو یہ کہہ کر مسترد کیا ہے کہ ابن معین اور دحیم نے زفر کو ثقہ قرار دیا ہے۔ دحیم نے اگرچہ زفر کو ثقہ قرار دیا ہے مگر ساتھ ہی یہ بھی کہا ہے کہ زفر کی حضرت حکیم بن حزام رضی اللہ عنہ سے ملاقات ثابت نہیں۔ حافظ ابن عبدالھادی نے امام احمد اور امام ابوداؤد کے حوالے سے اس روایت کی سند کو منقطع قرار دیا ہے، امام ابن قطان نے زفر کے شاگرد محمد بن عبداللہ الشعیثی کو بھی مختلف فیہ قرار دیا ہے۔

اس روایت کے نقل کرنے میں عباس بن عبدالرحمٰن نے زفر بن وثیمہ کی متابعت کی ہے لیکن یہ متابعت کچھ بھی مفید نہیں کیونکہ امام ابن قطان نے عباس بن عبدالرحمٰن کو مجہول قرار دیا ہے اور امام ابوحاتم رازی نے اسے ضعیف الحدیث کہا ہے۔ اسی طرح علامہ ابن حزم نے بھی اسے مجہول کہا ہے۔

حضرت عبداللہ بن عباس، حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص، حضرت عبداللہ بن عمر، حضرت جبیر بن مطعم اور واثلہ بن اسقع رضی اللہ عنہم سے بھی اسی مفہوم کی روایات مروی ہیں۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی روایت اسماعیل بن مسلم کی وجہ سے ضعیف ہے کیونکہ موصوف تمام ماہرین فن کے نزدیک ضعیف ہے، اگرچہ عبیداللہ بن الحسن اور سعید بن بشیر اس کے متابع موجود ہیں تاہم یہ متابعت کچھ مفید نہیں کیونکہ سعید بن بشیر تو خود ضعیف ہے، عبیداللہ بن الحسن اگرچہ ثقہ ہے لیکن اس کا شاگرد نہایت مجروح ہے۔

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما سے مروی حدیث ابن لھیعہ کی وجہ سے ضعیف ہے۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی روایت زید بن جبیرہ کی وجہ سے ضعیف ہے۔

حضرت جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ سے مروی روایت محمد بن اسحاق کے عنعنہ کی وجہ سے ضعیف ہے۔

حضرت واثلہ بن اسقع رضی اللہ عنہ سے مروی روایت حارث بن نبھان کی وجہ سے ضعیف ہے۔

حضرت معاذ رضی اللہ عنہ سے مروی روایت مکحول اور حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کے مابین انقطاع کی وجہ سے ضعیف ہے۔ تعدد طرق سے یہ واضح ہوتا ہے کہ اس کی کچھ نہ کچھ اصل ضرور ہے۔

فقہی احکام: مساجد میں قیام حدود کے فیصلے کئے جا سکتے ہیں لیکن حدود قائم نہیں کی جا سکتیں کیونکہ سزا کے وقت بول و براز کے اخراج کا امکان ہے۔

۲۵۶: وَعَنْ عَائِشَةَ رضی اللہ عنہا قَالَتْ أُصِيبَ سَعْدٌ يَوْمَ الْخَنْدَقِ ,فَضَرَبَ عَلَيْهِ رَسُولُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم خَيْمَةً فِي الْمَسْجِدِ ,لِيَعُودَهُ مِنْ قَرِيبٍ . مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ.

البخاری، کتاب الصلاۃ، باب الخیمۃ فی المسجد للمرضی و غیرھم: ۴۶۳، مسلم: ۱۷۶۹، ابوداود: ۳۱۰۱، النسائی: ۲/ ۴۵، احمد: ۶/ ۵۶

۲۵۶: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ حضرت سعد رضی اللہ عنہ غزوۂ خندق میں زخمی ہو گئے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کیلئے مسجد میں خیمہ

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

نصب کروادیا تھا، تاکہ آپ ﷺ قریب سے ان کی تیمارداری کرسکیں۔

لغوی تحقیق: اصیب: ہمزہ مضموم اور صاد مکسور، فعل مجہول ہے، یعنی زخمی کردیا گیا۔ **لیعودہ**: کا مرجع حضرت سعد رضی اللہ عنہ ہیں تاکہ آپ ﷺ حضرت سعد رضی اللہ عنہ کی تیمارداری کرسکیں۔

تشریح: اس حدیث سے یہ واضح ہوا کہ اعتکاف کے بغیر بھی کسی ضرورت کے تحت مسجد میں خیمہ نصب کیا جاسکتا ہے، زخمی شخص کو مسجد میں ٹھہرایا جاسکتا ہے اور اس کی تیمارداری بھی مسجد ہی میں کی جاسکتی ہے، خیمہ میں رہنے والا شخص مسجد میں سو بھی سکتا ہے۔ اس کی مؤید روایت حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، وہ کہتے ہیں کہ ایک بار حضرت علی اور حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے درمیان شکررنجی ہوگئی، حضرت علی رضی اللہ عنہ مسجد میں جاکر سوگئے، آپ ﷺ کو جب اطلاع ملی تو آپ ﷺ مسجد تشریف لائے اور انہیں سویا ہوا دیکھ کر فرمانے لگے، اے مٹی سے پیار کرنے والو! اٹھو۔

فقہی احکام: (۱) مسجد میں زخمیوں کیلئے خیمے لگائے جاسکتے ہیں۔ (۲) مسجد میں بوقت ضرورت آرام بھی کیا جاسکتا ہے اور تیمارداری بھی کی جاسکتی ہے۔ (۳) مؤمن کا خون ناپاک نہیں ہے۔

۲۵۷: **وَعَنْهَا رضی اللہ عنہا قَالَتْ رَأَيْتُ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ يَسْتُرُنِي, وَأَنَا أَنْظُرُ إِلَى الْحَبَشَةِ يَلْعَبُونَ فِي الْمَسْجِدِ . اَلْحَدِيثَ . مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ.**

البخاری، کتاب الصلاۃ، باب اصحاب الحراب فی المسجد: ۴۵۴، ۴۵۵، مسلم: ۸۹۲، النسائی: ۱۹۵/۳، احمد: ۸۵/۶، ۱۶۶، فتح الباری: ۵۴۹/۱

۲۵۷: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا آپ ﷺ مجھے چھپا رہے تھے، جبکہ میں حبشیوں کو مسجد میں کھیلتے دیکھ رہی تھی۔ مختصراً (بخاری و مسلم)

لغوی تحقیق: الحبشة: حبشی کی جمع۔

تشریح: مؤلف رحمہ اللہ نے ایک طویل حدیث کا ایک حصہ نقل کرکے یہ واضح کیا ہے کہ مسجد میں جنگی مشقیں بھی کی جاسکتی ہیں۔ مفصل حدیث اس طرح ہے کہ حبشی مسجد نبوی میں نیزہ بازی کررہے تھے، رحمت عالم ﷺ حجرہ عائشہ کے دروازے پر تشریف فرما تھے، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا آپ ﷺ کے پیچھے کھڑی نیزہ بازی دیکھ رہی تھیں، آپ ﷺ اپنی چادر سے عائشہ کو چھپا رہے تھے۔ صحیحین میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث میں ہے کہ حبشی رحمت عالم ﷺ کے قریب نیزہ بازی کررہے تھے۔ اسی دوران حضرت عمر رضی اللہ عنہ تشریف لائے، انہوں نے حبشیوں کے اس فعل کو نامناسب خیال کرتے ہوئے انہیں مارنے کیلئے سنگریزے اٹھائے، آپ ﷺ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے فرمایا: "انہیں ایسا کرنے دو۔" ابوالحسن لخمی نے اس حدیث کو منسوخ قرار دیا ہے، مؤلف رحمہ اللہ نے **فتح الباری** میں لخمی کے قول کو بلادلیل کہہ کر مسترد کیا ہے۔

فقہی احکام: مسجد میں جنگی مشقیں کی جاسکتی ہیں خواتین پردے میں بیٹھ کر جنگی مشقیں دیکھ سکتی ہیں۔

۲۵۸: **وَعَنْهَا رضی اللہ عنہا أَنَّ وَلِيدَةً سَوْدَاءَ كَانَ لَهَا خِبَاءٌ فِي الْمَسْجِدِ, فَكَانَتْ تَأْتِينِي, فَتَحَدَّثُ عِنْدِي. اَلْحَدِيثَ. مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ**

البخاری، کتاب الصلاۃ، باب نوم المرأۃ فی المسجد: ۴۳۹

تنبیہ: مؤلف رحمہ اللہ نے اس حدیث کو مسلم کی طرف منسوب کیا ہے، مسلم میں یہ حدیث نہیں ہے، شاید یہ تسامح انہیں سے ہوا یا کسی نساخ سے غلطی ہوئی ہے۔ واللہ اعلم۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

۲۵۸: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ ایک سیاہ رنگ لڑکی کا خیمہ مسجد میں تھا، وہ میرے پاس باتیں کرنے کیلئے آیا کرتی تھی۔ (بخاری و مسلم)

لغوی تحقیق: ولیدۃ: لونڈی/لڑکی۔ خباء: خاء مکسور، خیمہ۔

فقہی احکام: (۱) اگر فتنہ کا خطرہ نہ ہو تو خواتین بھی رات مسجد میں بسر کر سکتی ہیں۔ (۲) مسجد کا خادم مسجد میں قیام کر سکتا ہے۔

۲۵۹: وَعَنْ أَنَسٍ رضی اللہ عنہ قَالَ، قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صلی اللہ علیہ وسلم "اَلْبُزَاقُ فِي الْمَسْجِدِ خَطِيئَةٌ وَكَفَّارَتُهَا دَفْنُهَا" مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ.

البخاری، کتاب الصلاۃ، باب کفارۃ البزاق فی المسجد: ۴۱۵، مسلم: ۵۵۰، ۵۵۱، الطبرانی: ۱/۸۰۹

۲۵۹: حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "مسجد میں تھوکنا گناہ ہے اور اس کا کفارہ یہ ہے کہ اس پر مٹی ڈال دی جائے۔" (بخاری و مسلم)

لغوی تحقیق: البزاق: تھوک، بلوغ المرام کے بعض مطبوعہ نسخوں میں البزاق کی جگہ پر؛ البصاق؛ ذکر ہوا ہے اس کا معنی بھی تھوک ہے۔

نوٹ: اس کی تشریح اور تخریج؛ باب الحث علی الخشوع فی الصلاۃ؛ میں حدیث رقم ۲۴۲ کے تحت ملاحظہ فرمائیں۔

۲۶۰: وَعَنْهُ قَالَ، قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صلی اللہ علیہ وسلم "لَا تَقُومُ السَّاعَةُ حَتَّى يَتَبَاهَى النَّاسُ فِي الْمَسَاجِدِ" أَخْرَجَهُ الْخَمْسَةُ إِلَّا التِّرْمِذِيُّ, وَصَحَّحَهُ ابْنُ خُزَيْمَةَ.

ابو داود، کتاب الصلاۃ، باب فی بناء المسجد: ۴۴۹، ابن ماجۃ: ۷۳۹، النسائی: ۲/۳۲، احمد: ۳/۱۴۵، ابن خزیمۃ: ۲/۲۸۱، ۲۸۲، ابن حبان: ۱۶۱۳، ۱۶۱۴، الدارمی: ۱۴۱۵

۲۶۰: حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "قیامت اس وقت تک قائم نہیں ہوگی جب تک لوگ مساجد میں فخر نہ کریں گے۔" اسے نسائی، ابن ماجہ اور احمد نے روایت کیا ہے اور ابن خزیمہ نے اسے صحیح کہا ہے۔

لغوی تحقیق: یتباھی: فخر کرنے سے مراد یا تو یہ ہے کہ لوگ مساجد کی تعمیر و تزیین رضائے الٰہی کیلئے نہیں بلکہ خودنمائی اور ریاکاری کیلئے کریں گے۔ اس مفہوم کو تقویت حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی اس حدیث میں ملتی ہے، جس میں یہ مذکور ہے کہ لوگوں پر ایک وقت ضرور آئے گا جب وہ مساجد کی وجہ سے ایک دوسرے پر فخر کریں گے اور اسے آباد رکھنے پر بہت کم توجہ دیں گے۔ اس کا مفہوم یہ بھی ہوسکتا ہے کہ لوگ مساجد میں بیٹھ کر اللہ تعالیٰ کی کبریائی بیان کرنے کی بجائے اپنے بڑے ہونے کا اظہار کریں گے۔

تشریح: مسجد کی تعمیر ایک بہت بڑا کار خیر ہے لیکن اگر یہی کام ریاکاری کیلئے ہے تو پھر تباہی ہے۔ مؤلف رحمۃ اللہ علیہ نے اس باب میں یہ حدیث لا کر واضح کیا ہے کہ مساجد میں بیٹھ کر اپنی بڑائی بیان کرنا منع ہے۔

فقہی احکام: (۱) مساجد کی تعمیر و تزیین ریاکاری کیلئے کرنا باعث تباہی ہے۔ (۲) مساجد میں بیٹھ کر اپنی بڑائی بیان کرنا ممنوع ہے۔

۲۶۱: وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رضی اللہ عنہما قَالَ، قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صلی اللہ علیہ وسلم "مَا أُمِرْتُ بِتَشْيِيدِ الْمَسَاجِدِ" أَخْرَجَهُ أَبُو دَاوُد, وَصَحَّحَهُ ابْنُ حِبَّانَ

ابو داود، کتاب الصلاۃ، باب فی بناء المسجد: ۴۴۸، ابن حبان: ۱۶۱۵، ابن ابی شیبۃ بسند ضعیف: ۱/۳۴۴

۲۶۱: حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مجھے بلند و بالا مساجد تعمیر کرنے کا حکم نہیں دیا گیا۔" اسے ابوداؤد نے روایت کیا ہے اور ابن حبان نے صحیح کہا ہے۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

لغوی تحقیق: تشييد: بلند و بالا، آرائش وزیبائش اور پختہ۔

تشریح: اس حدیث سے یہ واضح ہوا کہ عالیشان مساجد تعمیر کرنا درست نہیں۔ کیونکہ اس کی وجہ سے فخر اور ریا کاری کو دل میں جگہ ملتی ہے۔ واضح رہے کہ جتنی لاگت ایک عالیشان مسجد کی تعمیر پر آتی ہے، اس لاگت سے پسماندہ علاقوں میں متعدد مساجد تعمیر کر کے دعوت دین کو فروغ دیا جاسکتا ہے، عصر حاضر میں عالیشان مساجد کی تعمیر کے رجحان نے لوگوں کو اس سے بھی بے پرواہ کر دیا ہے کہ وہ دیکھیں کہ جو رقم مساجد کی تعمیر کیلئے آ رہی ہے وہ لوٹ کھسوٹ، رشوت اور سود سے پاک بھی ہے یا کہ نہیں؟ ظاہر ہے کہ کسب حرام سے تعمیر ہونے والی مساجد، روحانی تربیت و تسکین کا ذریعہ کیونکر ہوسکتی ہیں، ممکن ہے کہ اسی بنا پر آپ ﷺ نے صحابہ کو ایسی مساجد میں نماز پڑھنے سے منع فرمایا ہو (یہ روایت لیث بن ابی سلیم کی وجہ سے ضعیف ہے۔)

فقہی احکام: (۱) بلند و بالا اور مزین مساجد تعمیر کرنے سے گریز کرنا چاہیے۔ (۲) مساجد کسب حلال سے تعمیر ہونی چاہیے۔

۲۶۲: وَعَنْ أَنَسٍ رضی اللہ عنہ قَالَ، قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ " عُرِضَتْ عَلَيَّ أُجُورُ أُمَّتِي ,حَتَّى الْقَذَاةُ يُخرِجُهَا الرَّجُلُ مِنَ الْمَسْجِدِ " رَوَاهُ أَبُو دَاوُد ,وَالتِّرمِذِيُّ وَاستَغرَبَهُ ,وَصَحَّحَهُ اِبْنُ خُزَيْمَةَ.

ابو داود، كتاب الصلاة، باب في كنس المسجد: ۴۶۱، الترمذي: ۲۹۱۶، ابن خزيمة: ۲۷۱/۲، البيهقي: ۴۴۰/۲

۲۶۲: حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: مجھے میری امت کے نیک اعمال کا مشاہدہ کروایا گیا، یہاں تک کہ وہ تنکا بھی دکھایا گیا، جسے آدمی اُٹھا کر مسجد سے باہر پھینکتا ہے۔" اسے ابوداؤد اور ترمذی نے روایت کیا ہے امام ترمذی نے اسے غریب کہا ہے اور ابن خزیمہ نے صحیح کہا ہے

لغوی تحقیق: عرضت: عین مضموم، راء مکسور، پیش کئے گئے۔ اجور: ہمزہ اور جیم مضموم، اجر کی جمع ہے۔ القذاة: قاف مفتوح، تنکا۔ استغربة: اسے غریب کہا ہے۔

تشریح: امت مرحومہ رضائے الٰہی کیلئے اپنے فرائض ادا کرے تو اللہ تعالیٰ اس پر خصوصی عنایات فرماتا ہے، انہیں ان کے معمولی کام پر بھی اجر عطا کرتا ہے مثلاً مسجد سے ایک تنکا اٹھا کر باہر پھینک دینا، بظاہر کوئی بڑا کام نہیں، لیکن مسلمان کو اس پر بھی خصوصی اجر ملتا ہے۔

امام ترمذی نے اس روایت کو غریب کہہ کر اس کے معلول ہونے کا عندیہ دیا ہے اور انہوں نے خود ہی اس علت کی صراحت بھی کی ہے، وہ فرماتے ہیں کہ امام بخاری اور علی بن مدینی کے نزدیک مطلب بن عبداللہ کا حضرت انس رضی اللہ عنہ سے سماع ثابت نہیں۔ شیخ خالد بن ضیف اللہ کہتے ہیں کہ اس سند کی علت یہ بھی ہے کہ ابن جریج مدلس نے یہ روایت معنعن نقل کی ہے، لیکن راقم کے نزدیک یہ علت مؤثر نہیں، کیونکہ ابن خزیمہ نے اپنی صحیح میں مدلسین کی ان روایات کو جن کے سماع سے وہ آگاہ نہیں تھے نقل کرنے کے بعد صراحت کر دی ہے کہ مجھے معلوم نہیں کہ یہ روایت اس نے اپنے شیخ سے سنی ہے یا نہیں؟ اس روایت کو نقل کرنے کے بعد امام ممدوح کی خاموشی اس حقیقت کا اعلان ہے کہ وہ ابن جریج کے سماع سے آگاہ ہیں۔

فقہی احکام: (۱) مساجد کو کوڑا کرکٹ سے محفوظ رکھنا مسلمانوں کی ذمہ داری ہے۔ (۲) مسجد سے ایک تنکا اٹھا کر باہر پھینکنا بھی باعث اجر ہے۔ (۳) قرآن حکیم کو حفظ کرنے کے بعد اس کا دور کرتے رہنا چاہیے۔ (۴) قرآن حکیم کا عمداً نسیان بہت بڑا جرم ہے۔

۲۶۳: وَعَنْ أَبِي قَتَادَةَ رضی اللہ عنہ قَالَ، قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ " إِذَا دَخَلَ أَحَدُكُمُ الْمَسْجِدَ فَلَا يَجْلِسْ حَتَّى يُصَلِّيَ رَكْعَتَيْنِ "مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ.

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

البخاری، کتاب الصلاۃ، باب اذا دخل المسجد فلیر کع رکعتین: ۴۴۴، مسلم: ۷۱۴، ابوداود: ۴۶۷، النسائی: ۲ /۵۳، ابن ماجۃ: ۱۰۱۳، ابن حبان: ۲۴۹۵ ـ ۲۴۹۸، ابن خزیمۃ: ۱۸۲۵، ۱۸۲۷، احمد: ۲۹۵/۵، ۲۹۶

۲۶۳: حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "تم میں سے کوئی شخص بھی جب مسجد میں داخل ہو تو وہ اس وقت تک مت بیٹھے، جب تک وہ دو رکعات نہ پڑھ لے۔" (بخاری و مسلم)

تشریح: اس حدیث میں مسجد میں داخل ہونے پر دو رکعات پڑھنے کا حکم دیا گیا ہے۔ ان رکعات کو خود رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے تحیۃ المسجد کا نام دیا ہے۔ ان دو رکعات کو ترک کرنے کی رخصت دوران خطبہ بھی نہیں ہے یعنی اگر کوئی شخص مسجد میں خطبہ جمعہ کے دوران داخل ہوتا ہے، وہ بھی بیٹھنے سے پہلے یہ رکعات پڑھے، جیسا کہ حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، وہ کہتے ہیں کہ رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم خطبہ ارشاد فرما رہے تھے، اس دوران ایک شخص مسجد میں داخل ہوا اور وہ دو رکعات پڑھے بغیر بیٹھ گیا، رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے دو رکعات پڑھنے کا حکم فرمایا۔ تحیۃ المسجد کے بارے میں حضرت ابوقتادہ، حضرت جابر بن عبداللہ، حضرت ابوہریرہ، حضرت ابوذر اور حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہم سے بھی احادیث منقول ہیں۔ ان احادیث کے ظاہری الفاظ سے تو یہی عیاں ہوتا ہے کہ ان دو رکعات کی ممنوعہ اوقات میں بھی پڑھنے کی اجازت ہے۔

فقہی احکام: مسجد میں دو رکعات پڑھے بغیر بیٹھنا درست نہیں۔

۷۔ باب صفة الصلاة — نماز کی صفات کا بیان

۲۶۴: عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضی اللہ عنہ أَنَّ النَّبِيَّ صلی اللہ علیہ وسلم قَالَ "إِذَا قُمْتَ إِلَى الصَّلَاةِ فَأَسْبِغِ الْوُضُوءَ, ثُمَّ اسْتَقْبِلِ الْقِبْلَةَ, فَكَبِّرْ, ثُمَّ اقْرَأْ مَا تَيَسَّرَ مَعَكَ مِنَ الْقُرْآنِ, ثُمَّ ارْكَعْ حَتَّى تَطْمَئِنَّ رَاكِعًا, ثُمَّ ارْفَعْ حَتَّى تَعْتَدِلَ قَائِمًا, ثُمَّ اسْجُدْ حَتَّى تَطْمَئِنَّ سَاجِدًا, ثُمَّ ارْفَعْ حَتَّى تَطْمَئِنَّ جَالِسًا, ثُمَّ اسْجُدْ حَتَّى تَطْمَئِنَّ سَاجِدًا, ثُمَّ افْعَلْ ذَلِكَ فِي صَلَاتِكَ كُلِّهَا" أَخْرَجَهُ السَّبْعَةُ, وَاللَّفْظُ لِلْبُخَارِيِّ وَلِابْنِ مَاجَهْ بِإِسْنَادِ مُسْلِمٍ "حَتَّى تَطْمَئِنَّ قَائِمًا"

البخاری، کتاب الآذان، باب وجوب القراءۃ للامام او الماموم فی الصلوات کلها: ۷۵۷، باب امر النبی الذی لایتم رکوعه بالاعادۃ: ۷۹۳ کتاب الاستئذان، باب من رد فقال علیک السلام: ۶۲۵۱، ۶۲۵۲ / کتاب الایمان و النذر: ۶۶۶۷، مسلم: ۳۹۷، ابوداود: ۸۵۶، الترمذی: ۳۰۳، ابن ماجۃ: ۱۰۶۰، ابن خزیمۃ: ۴۵۴، ۴۶۱، ۵۹۰، ابن حبان: ۱۷۸۷، النسائی: ۵۹/۳، احمد: ۴۳۷/۲

۲۶۴: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "جب تم نماز ادا کرنے کا ارادا کرو تو اچھی طرح وضو کر لو، پھر قبلہ رُخ کھڑے ہو کر اللہ اکبر کہو، پھر قرآن حکیم کا جو حصہ یاد ہو اس میں سے جس قدر آسان ہو پڑھ لو، پھر نہایت اطمینان سے رکوع کرو، پھر نہایت اطمینان سے بالکل سیدھے کھڑے ہو جاؤ، پھر نہایت اطمینان سے سجدہ کرو، پھر نہایت اطمینان سے بیٹھ جاؤ، پھر نہایت اطمینان سے سجدہ کرو، پھر اپنی ساری نماز اسی طرح ادا کرو۔" اسے ساتوں نے بیان کیا ہے، مذکورہ الفاظ بخاری کے ہیں، ابن ماجہ نے مسلم کی سند سے "حتی تطمئن قائما" کے الفاظ نقل کئے ہیں

لغوی تحقیق: تیسر: آسان ہو، میسر آئے۔ تعدل: اعتدال پر آجائیں۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

تشریح: اس حدیث میں نماز ادا کرنے کے طریقہ کی تعلیم دی گئی ہے، لیکن اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ اس حدیث میں نماز ادا کرنے کا مکمل طریقہ موجود ہے، کیونکہ متعدد ایسی چیزیں ہیں جو اس حدیث میں مذکور نہیں مثلاً نماز کا آغاز کرتے وقت رفع الیدین اور اس کا طریقہ مذکور نہیں، حالت قیام میں ہاتھ باندھنے کا ذکر، اس کا طریقہ اور محل وضع کا ذکر نہیں، قرأت سے پہلے دعا استفتاح کا تذکرہ نہیں، رکوع جاتے وقت تکبیر اور رفع الیدین، رکوع سے سر اٹھاتے وقت تسمیع اور رفع الیدین کا ذکر نہیں، علی ھذا القیاس اور بھی کئی چیزوں کا ذکر نہیں۔ بعض اہل علم نے اس حدیث میں عدم مذکور متعدد چیزوں کو چھوڑ کر فقط چند چیزوں کو موضوع سخن بنایا ہے اور ان کے عدم ذکر کو بنیاد بنا کر ان کے وجود کی نفی کرنے کی کوشش کی ہے، ان حضرات کی یہ کوشش یقیناً قابل ستائش نہیں۔ کیونکہ انہوں نے اس واقعہ کے پس منظر سے خوب آگاہ ہونے کے باوجود انصاف پر مبنی گفتگو نہیں فرمائی۔

اس واقعہ کے عینی شاہدین میں رفاعہ بن رافع بدری بھی ہیں، وہ فرماتے ہیں کہ رحمت عالم ﷺ مسجد میں تشریف فرما تھے اور ہم آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر تھے، اس دوران ایک شخص مسجد مین داخل ہوا، اس نے اس قدر ہلکی نماز پڑھی کہ رکوع وسجود کو بھی مکمل نہ کیا۔ رفاعہ بن رافع کے بیان سے واضح ہوا کہ زیر مطالعہ حدیث میں جس طریقہ نماز کی تعلیم مذکور ہے وہ ایک نو مسلم کیلئے نہیں، بلکہ ایک ایسے شخص کیلئے تھی جو طریقہ نماز سے کسی حد تک آگاہ تھا۔ چنانچہ رحمت عالم ﷺ نے جہاں نقص دیکھا اس کی اصلاح فرمادی، پھر اس روایت کے مختلف طرق کو جمع کرنے پر واضح ہوتا ہے کہ رحمت عالم ﷺ نے تو اس وقت بہت کچھ فرمایا تھا لیکن ذکر کرنے والوں نے حسب ضرورت اس کے بعض حصے ذکر کر دیے، اس بہت کچھ میں سورۃ فاتحہ کی تعلیم کا بھی ذکر ہے اور یہ بھی ذکر ہے کہ اگر آپ کو قرآن حکیم میں سے کچھ بھی یاد نہیں تو پھر آپ اس کی جگہ الحمد لله، الله اکبر، لا اله الاالله بھی پڑھ سکتے ہیں۔

فقہی احکام: (۱) حصول تعلیم کیلئے متعلم میں آمادگی پیدا کریں۔ (۲) معلم کا رویہ مشفقانہ ہونا چاہیے۔ (۳) مربی اپنے زیر تربیت افراد کی حرکات وسکنات کا بغور مطالعہ کرتا رہے۔ (۴) تنقید برائے اصلاح ہونی چاہیے۔ (۵) فاتحہ اگر یاد ہے تو پھر اس کے پڑھے بغیر نماز نہیں ہوگی۔ (۶) اگر قرآن حکیم میں سے کچھ بھی یاد نہیں تو پھر الحمد لله ، الله اکبر اور لااله الاالله پڑھنا فاتحہ اور بعد کی قرأت کے قائم مقام ہوگا۔ رکوع وسجود اور قیام وقعود میں اعتدال ضروری ہے، اس کے بغیر نماز نہیں ہوگی۔ مجلس اور مسجد سے باہر جاتے وقت بھی سلام کہنا چاہیے

۲۶۵: وَمِثْلُهُ فِي حَدِيثِ رِفَاعَةَ عِنْدَ أَحْمَدَ وَابْنِ حِبَّانَ وَفِي لَفْظٍ لِأَحْمَدَ " فَأَقِمْ صُلْبَكَ حَتَّى تَرْجِعَ الْعِظَامُ " وَلِلنَّسَائِيِّ ,وَأَبِي دَاوُدَ مِنْ حَدِيثِ رِفَاعَةَ بْنِ رَافِعٍ " إِنَّهَا لَنْ تَتِمَّ صَلَاةُ أَحَدِكُمْ حَتَّى يُسْبِغَ الْوُضُوءَ كَمَا أَمَرَهُ اللَّهُ ,ثُمَّ يُكَبِّرَ اللَّهَ ,وَيَحْمَدَهُ ,وَيُثْنِيَ عَلَيْهِ " وَفِيهَا " فَإِنْ كَانَ مَعَكَ قُرْآنٌ فَاقْرَأْ وَإِلَّا فَاحْمَدِ اللَّهَ ,وَكَبِّرْهُ ,وهَلِّلْهُ " وَلِأَبِي دَاوُدَ " ثُمَّ اقْرَأْ بِأُمِّ الْقُرْآنِ وَبِمَا شَاءَ اللَّهُ " وَلِابْنِ حِبَّانَ " ثُمَّ بِمَا شِئْتَ "

مسند احمد: ۳۴۰/۴، ابن حبان: ۱۷۸۷، النسائی: ۱۹۳/۲، ابو داود: ۸۵۷-۸۶۰، الطبرانی: ۴۵۲۰، البیہقی: ۴۰۵۰، ۴۰۵۱، ابن خزیمة: ۵۴۵، احکام الاحکام: ۴۱۳/۲

۲۶۵: اسی کی مثل حضرت رفاعہ رضی اللہ عنہ سے مروی روایت احمد اور ابن حبان میں بھی موجود ہے اور احمد میں ہے کہ " آپ اپنی کمر کو اس طرح سیدھا کریں کہ تمام ہڈیاں اپنی جگہ پر آجائیں۔" نسائی اور ابوداؤد میں رفاعہ بن رافع رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث میں ہے کہ " آپ میں سے کسی ایک کی اس وقت تک نماز مکمل نہیں ہوگی جب تک وہ اس طرح وضو مکمل نہ کرے جس طرح اللہ تعالیٰ نے اسے مکمل کرنے کا حکم دیا ہے، پھر وہ تکبیر کہے اور اللہ کی حمد وثنا بیان کرے۔" اس میں یہ بھی ہے " اگر تجھے قرآن یاد ہے تو پڑھ لے ورنہ الحمد لله ، الله اکبر اور لا

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

اله الا الله پڑھ لے۔اور ابوداؤد میں ہے "پھر سورۃ فاتحہ پڑھ اور مزید جو اللہ توفیق دے۔"ابن حبان میں ہے "پھر جو تم چاہو پڑھو۔"

لغوی تحقیق: صلب: صاد مضموم، لام ساکن، پشت/کمر۔ العظام: عین مکسور، یہ عظم کی جمع ہے، کمر کے مہرے۔یثنی: یاء مضموم، ثاء ساکن، نون مکسور۔حمدوثنا بیان کرو۔ھلله: لااله الاالله پڑھو۔

تشریح: مؤلف رحمۃ اللہ علیہ نے حدیث کے مختلف طرق کے ذریعے یہ واضح کیا ہے کہ حدیث حضرت ابو ہریرہ، حضرت رفاعہ بن رافع رضی اللہ عنہما سے متعدد طرق سے مروی ہے۔ان تمام طرق کو جمع کرنے سے بہت سی باتوں کی صراحت ہو جاتی ہے، ان بہت سی باتوں میں سورۃ فاتحہ پڑھنے کی تعلیم بھی شامل ہے، طبرانی میں رکوع کرنے کا طریقہ بھی منقول ہے۔ یہ حقیقت ہے کہ کسی بھی حدیث کا مفہوم سمجھنے کیلئے اس حدیث کے مختلف طرق سے آگاہی ضروری ہے۔علامہ ابن دقیق العید نے احکام الاحکام میں اس حدیث کے ضمن میں نہایت نفیس بحث کی ہے، وہ فرماتے ہیں کہ طالب تحقیق کیلئے ضروری ہے کہ وہ اس حدیث کے تمام طرق جمع کرے، ان تمام طرق میں جو امور فرداً فرداً مذکور ہیں انہیں شمار کرتا جائے اور جس طریق میں جو چیز زائد ملے اسے محفوظ کرے، کیونکہ زائد کا لینا لازم ہے۔

۲۶۶: وَعَنْ أَبِي حُمَيْدٍ السَّاعِدِيِّ رضی اللہ عنہ قَالَ رَأَيْتُ النَّبِيَّ صلی اللہ علیہ وسلم إِذَا كَبَّرَ جَعَلَ يَدَيْهِ حَذْوَ مَنْكِبَيْهِ ,وَإِذَا رَكَعَ أَمْكَنَ يَدَيْهِ مِنْ رُكْبَتَيْهِ ,ثُمَّ هَصَرَ ظَهْرَهُ ,فَإِذَا رَفَعَ رَأْسَهُ اِسْتَوَى حَتَّى يَعُودَ كُلُّ فَقَارٍ مَكَانَهُ ,فَإِذَا سَجَدَ وَضَعَ يَدَيْهِ غَيْرَ مُفْتَرِشٍ وَلَا قَابِضِهِمَا ,وَاسْتَقْبَلَ بِأَطْرَافِ أَصَابِعِ رِجْلَيْهِ الْقِبْلَةَ ,وَإِذَا جَلَسَ فِي الرَّكْعَتَيْنِ جَلَسَ عَلَى رِجْلِهِ الْيُسْرَى وَنَصَبَ الْيُمْنَى ,وَإِذَا جَلَسَ فِي الرَّكْعَةِ الْأَخِيرَةِ قَدَّمَ رِجْلَهُ الْيُسْرَى وَنَصَبَ الْأُخْرَى ,وَقَعَدَ عَلَى مَقْعَدَتِهِ . أَخْرَجَهُ الْبُخَارِيُّ.

البخاری، کتاب الآذان، باب سنة الجلوس فی التشهد: ۸۲۸، ابوداود، کتاب الصلاة، باب افتتاح الصلاة: ۷۳۰، الترمذی: ۳۰۴، ابن ماجة: ۸۶۲، ابن خزیمة ، کتاب الصلاة، باب الاعتدال فی الرکوع و التجا فی ووضع الیدین علی الرکبتین: ۵۸۷، ابن حبان، کتاب الصلاة، باب صفة الصلاة: ۱۸۶۵ـ۱۸۶۷، البیهقی: ۱۰۱/۲، الطحاوی: ۲۲۳/۱، الدارمی: ۱۳۶۳

تنبیہ: بخاری میں: حذو؛ کی جگہ؛حذاء؛اور؛الرکعة الاخیرة؛ کی جگہ؛الرکعة الآخرة؛ ہے۔

۲۶۶: حضرت ابو حمید ساعدیؓ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم جب اللہ اکبر کہتے تو اپنے ہاتھوں کو کندھوں کے برابر تک اُٹھاتے، اور جب رکوع فرماتے تو اپنے ہاتھوں سے اپنے گھٹنوں کو مضبوطی سے پکڑ لیتے، اور اپنی پشت مبارک کو جھکا لیتے، جب (رکوع سے) سر اُٹھاتے اس طرح سیدھے کھڑے ہو جاتے کہ (کمر کے) مہرے اپنی اپنی جگہ پر آ جاتے، جب سجدہ فرماتے تو اپنے ہاتھ زمین پر اس طرح رکھتے کہ نہ زیادہ بچھے ہوتے اور نہ زیادہ سکڑے ہوتے،، اور اپنے دونوں پاؤں کی انگلیوں کو قبلہ رُخ کر لیتے، جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم دو رکعتوں کیلئے بیٹھتے تو اپنے دائیں پاؤں کو کھڑا فرما لیتے اور بائیں پاؤں پر تشریف رکھتے، اور جب آخری رکعت کیلئے تشریف رکھتے تو پاؤں کو (دائیں ران کے نیچے سے) آگے بڑھا دیتے اور دائیں پاؤں کو کھڑا فرما لیتے، اور سرین پر تشریف رکھتے۔ اسے بخاری نے بیان کیا ہے۔

لغوی تحقیق: الحذو: حاء مفتوح، ذال ساکن، حضرت ابو حمید ساعدی رضی اللہ عنہ ہی سے مروی ایک طریق میں؛ حِذاء المنكبين؛ بھی منقول ہے۔حذاء: حاء مکسور، ذال مفتوح، معنی دونوں کا ایک ہی ہے یعنی برابر۔ منكبيه: میم مفتوح، نون ساکن، کاف مکسور، منکب کا تثنیہ ہے، نون اضافت کی وجہ سے ساقط ہے، یعنی دونوں کندھے۔ امكن: امکان سے ماخوذ ہے، مضبوطی سے پکڑ لیتے۔ ركبتيه: راء

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

مضموم،کاف ساکن، باء اور تاء مفتوح، یہ رکبة کا تثنیہ ہے،نون اضافت کی وجہ سے ساقط ہے،دونوں گھٹنے۔ ھصر : بخاری میں اس کی جگہ لفظ حنی ہے یعنی جھکایا۔ابوحمید ساعدی نے جھکنے کی کیفیت ان الفاظ میں بیان فرمائی کہ رحمت عالم ﷺ کا سر مبارک نہ کمر سے نیچے تھا اور نہ اوپر تھا، یعنی کمر کے برابر تھا۔ فقار : فاء مفتوح، قاف مخفف مفتوح، یہ فقارة کی جمع ہے، کمر کی ہڈیوں کا وہ سلسلہ جو سر سے شروع ہو کر دم تک جاتا ہے، انسان میں اس کی تعداد تینتیس ہے، گردن میں سات، گردن سے آخری پسلی تک بارہ، پیٹ کے مقابل پانچ، آگے دم کی انتہاء تک نو، عرف عام میں ان ہڈیوں کو کمر کے مہرے کہا جاتا ہے۔حضرت رفاعہ بن رافع رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث میں فقار کی جگہ لفظ عظام ہے۔غیر مفترش: ابن حبان میں؛ غیر مفترش ذراعیه؛ اپنے بازوؤں کو زمین پر بچھایا نہیں تھا۔

لاقابضھا: نہ بازوں کو پہلوؤں کے ساتھ لگایا ہوا تھا۔

تشریح: زیر مطالعہ حدیث حضرت ابوحمید ساعدی رضی اللہ عنہ سے متعدد طرق سے مروی ہے، ان تمام طرق میں مذکور الفاظ کو اگر یکجا کر لیا جائے تو نماز نبوی کی مکمل شکل کو نقوش کے لباس میں دیکھا جا سکتا ہے۔اس روایت کی ایک بڑی خوبی یہ ہے کہ اس روایت میں مذکور نماز کے نماز نبوی ہونے پر دس جلیل القدر اصحاب رسول اللہ ﷺ کی مہر تصدیق ثبت ہے، یہ مہر تصدیق بھی عصر حاضر کے اہل علم کی مہر تصدیق کی طرح رسمی نہیں، کیونکہ ان دس صحابہ نے اچھی طرح مشاہدہ کرنے کے بعد مہر تصدیق ثبت کی ہے، جیسا کہ عیسیٰ بن عبداللہ سے منقول ہے کہ ادھر حضرت ابوحمید ساعدی رضی اللہ عنہ نے نماز کا آغاز کیا ادھر ان دس اصحاب محمد نے ان کی نماز کا بغور مشاہدہ کرنا شروع کر دیا۔

حضرت عباس بن سہل ساعدی رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ جب حضرت ابوحمید ساعدی رضی اللہ عنہ نے صحابہ کی ایک جماعت کو نماز نبوی کا عملی مشاہدہ کروادیا، تو انہوں نے اس پر مہر تصدیق ثبت کرتے ہوئے فرمایا، آپ نے درست کہا، رحمت عالم ﷺ کا طریقہ نماز یہی تھا۔ واضح رہے کہ ان دس صحابہ نے جس نماز کو صلاۃ الرسول کہا اس میں چار مقامات پر (آغاز نماز، رکوع کو جاتے وقت، رکوع سے سر اٹھاتے وقت اور دو رکعات پڑھ کر اٹھتے وقت) کندھوں تک رفع الیدین کرنے کی صراحت ہے۔

امام ابن خزیمہ اس روایت کو نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں کہ امام محمد بن یحییٰ فرمایا کرتے تھے، جو شخص اس حدیث کو سن کر عندالرکوع رفع الیدین نہیں کرتا اس کی نماز ناقص ہے۔

فقہی احکام: (۱) لوگوں کو نماز نبوی پڑھ کر دکھانی چاہیے۔(۲) رکوع میں سر، پشت کے برابر ہونا چاہیے۔(۳) رکوع سے سر اٹھاتے وقت؛ سمع اللہ لمن حمدہ ؛ کہنا چاہیے۔(۴) عندالرکوع رفع الیدین کرنا مسنون ہے۔(۵) دو سجدوں کے درمیان بیٹھنا سنت ہے۔(۶) آخری تشہد میں تورک مسنون ہے۔

۲۶۷: وَعَنْ عَلِيِّ بْنِ أَبِي طَالِبٍ رضی اللہ عنہ عَنْ رَسُولِ اللّٰهِ ﷺ أَنَّهُ كَانَ إِذَا قَامَ إِلَى الصَّلَاةِ قَالَ "وَجَّهْتُ وَجْهِي لِلَّذِي فَطَرَ السَّمٰوَاتِ " إِلَى قَوْلِهِ "مِنَ الْمُسْلِمِينَ ,اَللّٰهُمَّ أَنْتَ الْمَلِكُ لَا إِلٰهَ إِلَّا أَنْتَ ,أَنْتَ رَبِّي وَأَنَا عَبْدُكَ " إِلَى آخِرِهِ رَوَاهُ مُسْلِمٌ وَفِي رِوَايَةٍ لَهُ اَنَّ ذٰلِكَ فِي صَلَاةِ اللَّيْلِ.

(طریق الماجشون) مسلم، کتاب صلاة المسافرین و قصرها، باب الدعاء فی صلاةاللیل و قیامه: ۷۷۱، احمد: ۹۴/۱، ۱۰۲، ۱۰۳، الطیالسی: ۱۵۲، الترمذی: ۳۲۶۳، مشکل الآثار: ۴۸۸/۱، ابوعوانة: ۱۰۰/۲، ۱۰۱، البیهقی: ۳۲/۲، ابن ابی شیبة: ۲۳۲/۱، ابوداود: ۷۶۰، النسائی: ۱۲۹/۲، ابن حبان: ۱۷۷۱، ابن الجارود: ۱۷۹، الدارقطنی: ۲۹۵/۱-۲۹۷، ابن خزیمة: ۴۶۲، ۴۶۳، ۷۴۳، (طریق عبد الله بن فضل) ابوعوانة: ۱۰۲/۲، مسند شافعی: ۷۲/۱، ۷۳، عبد الرزاق: ۲۵۶۷، ۲۹۰۳،

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ابن خزيمة: ٤٦٤، شرح معانی الآثار: ١٩٩/١

٢٦٧: حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب نماز کیلئے کھڑے ہوتے تو فرماتے: "میں نے اپنے چہرے کو اسی ذات کی طرف متوجہ کر دیا جس نے زمین و آسمان کو تخلیق فرمایا، میرا مشرکین سے کوئی تعلق نہیں، میری نماز، میری قربانی اور میرا مرنا جینا اللہ رب العزت کیلئے ہے، اس کا کوئی شرک نہیں، میں اسی امر پر مامور ہوں، میرا تعلق مسلمانوں سے ہے، اللہ! تو میرا مالک ہے، تیرے سوا کوئی معبود نہیں، تو میرا رب اور میں تیرا بندہ ہوں، میں نے خود پر ظلم کیا، میں اعتراف خطا کرتا ہوں، میری تمام تسامحات معاف کر دے، تسامحات کو فقط تو ہی معاف کرنے والا ہے، اچھے اخلاق کی طرف میری رہنمائی فرما، اچھے اخلاق کی طرف تو ہی رہنمائی کرسکتا ہے، بری عادات کو مجھ سے دور کر دے، کیونکہ ان کو تو ہی دور کرسکتا ہے، میں حاضر ہوں، تیرے دین کی اتباع کیلئے پوری طرح مستعد ہوں، ہر قسم کی بھلائیاں تیرے ہاتھ میں، شر تیری طرف پر نہیں مار سکتی، میری درخواستیں تیرے حضور ہیں، اور توفیق تجھ سے وابستہ ہے، تو بابرکت وبلندو بالا ہے، میں تجھ سے تقصیرات کی معافی کا طلب گار ہوں، تیری طرف رجوع کرتا ہوں۔" اسے مسلم نے روایت کیا ہے اور مسلم ہی کی ایک روایت میں مذکور ہے کہ مذکورہ دعا آپ صلی اللہ علیہ وسلم رات کی نماز میں پڑھتے تھے۔

تشریح: یہ روایت حضرت علی رضی اللہ عنہ سے فقط عبداللہ بن ابی رافع نقل کرتے ہیں، ان سے عبدالرحمٰن الاعرج اور ان سے الماجشون اور عبداللہ بن فضل نقل کرتے ہیں۔ الماجشون جب نقل کرتے ہیں تو وہ فرضی یا نفلی نماز کا تعین نہیں کرتے، امام مسلم اور امام احمد نے یہ روایت دو طرق سے نقل کی ہے اور دونوں طرق الماجشون سے منقول ہیں، اس لئے مسند احمد اور مسلم میں فرضی یا نفلی نماز کا ذکر نہیں۔

امام ابوداؤد نے عبداللہ بن فضل اور الماجشون دونوں سے ایک ایک طریق سے نقل کی ہے، عبداللہ بن فضل سے مروی طریق میں فرض نماز کی تعیین ہے جبکہ الماجشون کے طریق میں کسی نماز کی تعیین نہیں، امام ترمذی نے یہ حدیث تین طرق سے نقل کی ہے، دو طرق الماجشون سے بغیر تعین کے ہیں۔ اور ایک طریق عبداللہ بن فضل سے فرض نماز کی تعیین کے ساتھ منقول ہے، امام دار قطنی نے بھی الماجشون کے طریق سے بغیر تعین کے اور عبداللہ بن فضل کے طریق سے فرض نماز کی تعیین کے ساتھ نقل کی ہے۔ عبدالرزاق میں دونوں طریق عبداللہ بن فضل کے واسطے سے ہیں، اس لئے دونوں میں فرض نماز کی تعیین ہے۔ امام ابن خزیمہ نے تین طرق میں سے دو طرق الماجشون کے واسطے سے بغیر تعین کے اور ایک طریق عبداللہ بن فضل کے واسطے سے فرض نماز کی تعیین کے ساتھ نقل کیا ہے۔

امام ابن حبان نے الماجشون کے طریق سے بغیر تعین اور عبداللہ بن فضل کے طریق سے فرض نماز کی قید کے ساتھ نقل کیا ہے، اسی طرح امام شافعی مسند شافعی میں اور امام طحاوی نے شرح معانی الآثار اور مشکل الآثار میں اور بیہقی نے سنن الکبریٰ میں عبداللہ بن فضل سے فرض نماز کی قید کے ساتھ نقل کیا ہے، جبکہ طحاوی نے مشکل الآثار، شرح معانی الآثار اور بیہقی نے سنن الکبری، ابوعوانہ، ابوداؤد طیالسی، ابن ابی شیبہ، دارمی اور ابن الجارود نے الماجشون کے طریق سے مطلق نقل کیا ہے۔

درج بالا بیان سے واضح ہوا کہ مؤلف رحمہ اللہ کا یہ کہنا کہ مسلم کے ایک طریق میں اس دعا کو صلاۃ اللیل کے آغاز میں پڑھنے کا ذکر ہے۔ درست نہیں، راقم کے نزدیک مؤلف رحمہ اللہ یا ناسخ سے یہ تسامح اس لئے ہوا کہ امام مسلم نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی حدیث کے متصل بعد اس حدیث کو نقل کیا ہے، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی طریق میں یہ مذکور ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم صلاۃ اللیل کے آغاز میں: اللھم رب جبریل و میکائیل و اسرافیل فاطر السموات والارض؛ پڑھا کرتے تھے۔ ممکن ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی حدیث کو حدیث علی سمجھ لیا گیا ہو۔ امام نووی نے حدیث علی کو بھی باب الدعاء فی صلاۃ اللیل کے تحت رکھا ہے۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

فقہی احکام: (۱) نماز کے آغاز میں اس دعا کا پڑھنا مسنون ہے۔

(۲) نماز عجز وانکساری سے عبارت ہے، اس لئے اس کا آغاز عجز وانکساری ہی سے ہونا چاہیے۔

۲۶۸: وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضی اللہ عنہ قَالَ كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صلی اللہ علیہ وسلم إِذَا كَبَّرَ لِلصَّلَاةِ سَكَتَ هُنَيَّةً ,قَبْلَ أَنْ يَقْرَأَ ,فَسَأَلْتُهُ ,فَقَالَ "أَقُولُ ,اَللَّهُمَّ بَاعِدْ بَيْنِي وَبَيْنَ خَطَايَايَ كَمَا بَاعَدْتَ بَيْنَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ ,اَللَّهُمَّ نَقِّنِي مِنْ خَطَايَايَ كَمَا يُنَقَّى الثَّوْبُ الْأَبْيَضُ مِنَ الدَّنَسِ ,اَللَّهُمَّ اغْسِلْنِي مِنْ خَطَايَايَ بِالْمَاءِ وَالثَّلْجِ وَالْبَرَدِ " مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ.

البخاری، کتاب الآذان، باب ما یقول بعد التکبیر : ۷۴۴، مسلم: ۵۹۸، ابوداود: ۷۸۱، ابن ماجة: ۸۰۵، احمد: ۲/ ۲۳۱، النسائی: ۲/ ۱۲۸، الدارمی: ۱/ ۲۸۳، ابوعوانة: ۱/ ۹۸، البیهقی: ۲/ ۱۹۵، الدارقطنی: ۱/ ۳۳۶، ابن حبان: ۱۷۷۵، ۱۷۷۶، ابن خزیمة: ۴۶۵

۲۶۸: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب نماز کیلئے تکبیر تحریمہ کہتے تو قرأۃ کرنے سے پہلے تھوڑی دیر کیلئے خاموشی فرماتے، میں نے (ایک روز وقفہ کے دوران پڑھنے کے بارے میں) دریافت کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں (اس دوران) پڑھتا ہوں، اے اللہ! میرے اور میری تقصیرات کے مابین مشرق ومغرب کی دوری فرمادے۔ اے اللہ! مجھے تقصیرات سے ایسے صاف فرمادے جیسے سفید کپڑا میل کچیل سے صاف کردیا جاتا ہے، اے اللہ! میری تقصیرات کو پانی، برف اور اولوں سے دھودے (بخاری ومسلم)

لغوی تحقیق: هنية: ھاء مضموم، نون مفتوح اور یاء مشدد مفتوح، تصغیر کا صیغہ ہے یعنی تھوڑی دیر۔ الدنس: دال اور نون مفتوح، میل کچیل الثلج: ثاء مفتوح اور لام ساکن، یعنی برف۔ البرد: باء اور راء مفتوح، بردۃ کی جمع ہے یعنی اولے۔

تشریح: اس حدیث سے یہ واضح ہوا کہ لفظ سکت، جہر کے مقابلے میں بھی استعمال ہوتا ہے، اس وقت اس کا معنی خاموشی نہیں، بلکہ آہستہ پڑھنا ہوتا ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم درج بالا دعا کو تکبیر تحریمہ کے بعد اور قرأت فاتحہ سے پہلے آہستہ پڑھا کرتے تھے۔ اس دعا کے ذریعے اللہ تعالیٰ سے یہ درخواست کی جاتی ہے کہ وہ تقصیرات پر خط تنسیخ کھینچ دے۔

فقہی احکام: (۱) دعائے استفتاح آہستہ پڑھنا مسنون ہے۔ (۲) انسان کی اصل کامیابی گناہوں کی معافی ہے۔

۲۶۹: وَعَنْ عُمَرَ رضی اللہ عنہ أَنَّهُ كَانَ يَقُولُ "سُبْحَانَكَ اَللَّهُمَّ وَبِحَمْدِكَ ,تَبَارَكَ اِسْمُكَ ,وَتَعَالَى جَدُّكَ ,وَلَا إِلَهَ غَيْرُكَ " رَوَاهُ مُسْلِمٌ بِسَنَدٍ مُنْقَطِعٍ ,وَالدَّارَقُطْنِيُّ مَوْصُولاً وَهُوَ مَوْقُوفٌ .

مسلم، کتاب الصلاۃ، باب حجة من قال لا یجهر بالبسملة: ۵۲ /۳۹۹، الدارقطنی: ۱/ ۲۹۹، ۳۰۰، الحاکم: ۱/ ۳۶۱، البیهقی: ۲/ ۳۴، التنقیح: ۲/ ۷۹۰

تنبیہ: بلوغ المرام کے ایک نسخہ میں اس روایت کے آخر میں رواہ الدارقطنی موقوفاً بھی لکھا ہے یعنی دارقطنی نے اس روایت کو موصول اور موقوف ہر دو طریق سے نقل کیا ہے۔ جبکہ دوسرے نسخہ میں رواہ الدارقطنی موصولاً وھو موقوف، یعنی دارقطنی نے اس کو موصولاً بیان کیا ہے حالانکہ صحیح یہی ہے کہ یہ روایت موقوف ہے۔

۲۶۹: حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (آغاز نماز میں) پڑھا کرتے تھے: "اے اللہ! تو پاک ہے ہمہ قسم کی ستائش تیرے لیے، تیرا نام بابرکت ہے، تیری شان بلند ہے، تیرے سوا کوئی معبود نہیں۔" مسلم نے اسے منقطع سند سے اور دارقطنی نے موصولا نقل کیا ہے، جبکہ یہ روایت موقوف ہے۔

لغوی تحقیق: جدک: تیری کبریائی/عظمت وشان۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

تشریح: امام مسلم نے اس روایت کو عبدۃ عن عمر نقل کیا ہے، مؤلف رحمۃ اللہ علیہ نے اس طریق کو منقطع قرار دیا ہے۔ اس روایت کے منقطع ہونے کی علت بیان کرتے ہوئے حافظ ابن عبدالھادی التنقیح میں فرماتے ہیں کہ اس سند میں مذکور عبدۃ سے مراد عبدۃ بن لبابۃ ہے، اس کی حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے ملاقات ثابت نہیں۔

راقم کے نزدیک یہ روایت اس طریق سے تو یقیناً ضعیف ہے البتہ ایک دوسرے طریق کی وجہ سے حسن لغیرہ ہے، امام دارقطنی نے ایک دوسرے طریق سے اس روایت کو موصولاً مرفوع نقل کیا ہے، لیکن یہ طریق عبداللہ بن شبیب کے ضعیف، عبدالرحمٰن بن عمر کے غیر معروف اور اسحاق بن محمد کے تلقین قبول کرنے کی وجہ سے ضعیف ہے۔ امام دارقطنی نے اس روایت کو یحییٰ بن ایوب کے طریق سے موقوف نقل کیا ہے، علامہ ناصرالدین البانی نے اس موقوف طریق کو الارواء میں صحیح قرار دیا ہے۔

امام دارقطنی، امام حاکم اور امام بیہقی نے اس روایت کو ابومعاویہ کے طریق سے ایک دوسری سند سے بھی نقل کیا ہے، لیکن وہ طریق اعمش اور ابراہیم نخعی کے عنعنہ کی وجہ سے ضعیف ہے۔ یہ روایت اگرچہ موقوف ہے لیکن حکماً مرفوع ہے کیونکہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ جیسے محتاط صحابی اپنی مرضی سے اس دعا سے نماز کا آغاز نہیں کر سکتے تھے۔

٢٧٠: وَنَحْوُهُ عَنْ أَبِي سَعِيدٍ مَرْفُوعًا عِنْدَ الْخَمْسَةِ وَفِيهِ وَكَانَ يَقُولُ بَعْدَ التَّكْبِيرِ "أَعُوذُ بِاللَّهِ السَّمِيعِ الْعَلِيمِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيمِ, مِنْ هَمْزِهِ, وَنَفْخِهِ, وَنَفْثِهِ"

ابوداود، کتاب الصلاۃ، باب من رای الاستفتاح بسبحانک: ٧٧٥، الترمذی: ٢٤٢، النسائی: ٢/١٣٢، ابن ماجۃ: ٨٠٣، احمد: ٣/٥٠

٢٧٠: ابوداود، ترمذی، نسائی، ابن ماجہ اور احمد نے حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث کو مذکورہ الفاظ سے نقل کیا ہے اور ان میں یہ بھی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم تکبیر تحریمہ کے بعد یہ دعا پڑھا کرتے تھے: "میں اللہ سمیع وعلیم کی پناہ کا طالب ہوں شیطان مردود اور اس کے وسوسوں سے، اس کے پھونکنے سے، اس کے غرور اور اس کی شاعری سے۔"

لغوی تحقیق: **نحوہ:** حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث کی طرح۔ **الرجیم:** یہ فعیل کے وزن پر ہے اور فعیل بمعنی مفعول ہے یعنی دھتکارہ ہوا۔ **همزہ:** جنون۔ **نفخه:** شاعری یعنی وہ خیالات جو شیطان انسان کے دماغ میں اشعار کی صورت میں ڈالتا ہے۔

تشریح: شیطان انسان کا ازلی وابدی دشمن ہے، وہ انسان کا گھر سے مسجد تک اور وضو سے سلام تک پیچھا کرتا ہے، اس نے اپنی اس مذموم کوشش کا اظہار اس طرح کیا تھا کہ میں صراط مستقیم پر بیٹھوں گا اور اس پر چلنے والوں کو آگے پیچھے اور دائیں بائیں سے گمراہ کرنے کی کوشش کروں گا، یہ عیار چھپ کر اور خون کی رگوں میں گھس کر ایسا وار کرتا ہے کہ عاملین کے اعمال کو تہہ وتیغ کر دیتا ہے، اس عیار کے خطرناک حملوں سے انسان فقط اسی صورت میں محفوظ رہ سکتا ہے جب وہ اللہ تعالیٰ کی پناہ کے مضبوط حصار میں آجائے۔ یہ دعا انسان کو محفوظ انحصار کی فراہمی میں مدد دیتی ہے۔ یہ روایت اگرچہ مرفوع مروی ہے مگر اس روایت کا مرفوع ہونا محل نظر ہے۔

فقہی احکام: (١) شیطان لعین کے حملوں سے محفوظ رہنے کیلئے اللہ سے اس کی پناہ طلب کرنی چاہیے۔

(٢) حتی الوسع شعر وشاعری سے گریز کرنا چاہیے۔

٢٧١: وَعَنْ عَائِشَةَ رضی اللہ عنہا قَالَتْ كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صلی اللہ علیہ وسلم يَسْتَفْتِحُ الصَّلَاةَ بِالتَّكْبِيرِ, وَالْقِرَاءَةَ بِ﴿الْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ﴾ وَكَانَ إِذَا رَكَعَ لَمْ يُشْخِصْ رَأْسَهُ, وَلَمْ يُصَوِّبْهُ, وَلَكِنْ بَيْنَ ذَلِكَ وَكَانَ إِذَا رَفَعَ مِنَ الرُّكُوعِ لَمْ يَسْجُدْ

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

حَتَّى يَسْتَوِىَ قَائِمًا وَإِذَا رَفَعَ مِنَ السُّجُودِ لَمْ يَسْجُدْ حَتَّى يَسْتَوِىَ جَالِسًا وَكَانَ يَقُولُ فِى كُلِّ رَكْعَتَيْنِ اَلتَّحِيَّةَ وَكَانَ يَفْرِشُ رِجْلَهُ الْيُسْرَى وَيَنْصِبُ الْيُمْنَى وَكَانَ يَنْهَى عَنْ عُقْبَةِ الشَّيْطَانِ ,وَيَنْهَى أَنْ يَفْتَرِشَ الرَّجُلُ ذِرَاعَيْهِ اِفْتِرَاشَ السَّبُعِ وَكَانَ يَخْتِمُ الصَّلَاةَ بِالتَّسْلِيمِ .أَخْرَجَهُ مُسْلِمٌ ,وَلَهُ عِلَّةٌ .

مسلم، کتاب الصلاة، باب ما یجمع صفة الصلاة ، وما یفتتح به و یختم به: ۴۹۸، ابوداود: ۷۸۳، ابن ماجة: ۸۶۹، ابن حبان: ۱۷۶۸، ابن ابی شیبة: ۲۲۹/۱، احمد: ۱۷۱/۶

۲۷۱: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نماز کا آغاز تکبیر اور الحمد لله رب العالمین کی قرأت سے کرتے تھے۔ اور جب رکوع فرماتے تو اپنے سر کو اُونچا فرماتے نہ نیچا، بلکہ اس کے درمیان میں رکھتے، اور جب رکوع سے سر اٹھاتے تو اس وقت تک سجدہ نہ فرماتے جب تک سیدھے کھڑے نہ ہو جاتے، اور جب سجدہ اولیٰ سے سر اٹھاتے تو دوسرا سجدہ اس وقت تک نہ کرتے جب تک اچھی طرح سیدھے ہو کر نہ بیٹھ جاتے، اور ہر دو رکعات کے بعد تشہد پڑھتے، اپنے بائیں پاؤں کو بچھا لیتے اور دائیں کو کھڑا کر لیتے اور شیطان کی چوکڑی سے منع فرماتے، درندوں کی طرح بازو بچھا کر بیٹھنے سے بھی منع فرماتے، اور نماز کا اختتام سلام پر فرماتے۔ (مسلم) اس کی سند معلول ہے۔

لغوی تحقیق: لم یشخص: یاء مضموم، شین مفتوح اور خاء مشدد مکسور، اونچا نہیں کیا کرتے تھے۔ لم یصوب: یاء مضموم، صاد مفتوح اور واؤ مشدد مکسور، نیچا نہیں کرتے تھے۔ التحیة: تشہد پڑھنا۔ عقبة: عین مضموم، قاف ساکن، سرین کو زمین پر اور گھٹنوں کو سیدھا کھڑا رکھنا جبکہ ہاتھوں کو زمین پر ٹیک دینا، کتے عموماً اسی طرح بیٹھتے ہیں۔

تشریح: اس روایت میں یہ واضح کیا گیا ہے کہ رکوع میں سر اور پشت کی سطح برابر ہونی چاہیے، سیدھا کھڑے ہوئے بغیر سجدہ نہیں کرنا چاہیے، دونوں سجدہ کے درمیان سیدھا بیٹھنا چاہیے، سجدہ کرتے وقت سرین کا بوجھ پنڈلیوں پر نہیں ڈالنا بلکہ سرین کو اونچا رکھنا ہے اور بیٹھتے وقت کتے کی طرح نہیں بیٹھنا۔ مؤلف رحمۃ اللہ علیہ نے اس حدیث کی سند کو معلول قرار دیا ہے، اس کے معلول ہونے کی علت یہ ہے کہ اس روایت کو ابوالجوزاء نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے براہ راست نقل کیا ہے حالانکہ ابوالجوزاء نے یہ روایت حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے نہیں سنی کیونکہ خود ان کا بیان ہے کہ میں نے ایک شخص کو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس یہ روایت معلوم کرنے کیلئے بھیجا تھا۔ لیکن یہ بھی ممکن ہے کہ ابوالجوزاء نے بعد میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے براہ راست دریافت کر لیا ہو، کیونکہ لقاء کا امکان موجود ہے۔

فقہی احکام: (۱) نماز کا آغاز اللہ اکبر سے ہو اور اختتام السلام علیکم ورحمۃ اللہ پر ہو۔ (۲) ان کی جگہ مترادف الفاظ کا استعمال درست نہیں۔

۲۷۲: وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ رضی اللہ عنہما أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ كَانَ يَرْفَعُ يَدَيْهِ حَذْوَ مَنْكِبَيْهِ إِذَا افْتَتَحَ الصَّلَاةَ ,وَإِذَا كَبَّرَ لِلرُّكُوعِ , وَإِذَا رَفَعَ رَأْسَهُ مِنَ الرُّكُوعِ .مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ .

البخاری، کتاب الآذان، باب رفع الیدین فی التکبیرة الاولیٰ مع الافتتاح سواء: ۷۳۵، مسلم: ۳۹۰، ابوداود: ۷۴۱، الترمذی: ۲۵۵، النسائی: ۱۲۲/۲، ابن ماجة: ۸۵۸، ۸۵۹، ابن خزیمة: ۴۵۶، ۶۹۳، صحیح ابن حبان: ۱۸۶۱، ۱۸۶۴، ۱۸۶۸، ۱۸۶۹، مسند شافعی: ۷۱/۱، الدارمی: ۲۸۵/۱، عبدالرزاق: ۲۵۱۸، البیهقی: ۶۹/۲، الطحاوی: ۲۲۳/۱، المنتقی لابن جارود: ۱۷۸، احمد: ۳۱۸/۴، المؤطا: ۷۵/۱

۲۷۲: حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ جب نماز کا آغاز فرماتے اور جب رکوع کیلئے اللہ اکبر کہتے اور جب رکوع سے سر اٹھاتے تو اپنے دونوں ہاتھوں کو کندھوں کے برابر تک اٹھاتے۔ (بخاری و مسلم)

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

تشریح: اس حدیث سے یہ ثابت ہوا کہ عندالرکوع رفع الیدین کرنا سنت ہے اور اس سنت کا شمار رحمت عالم ﷺ کی ان محبوب سنتوں میں ہوتا ہے جن کا ترک حیات مقدسہ میں ایک بار بھی ثابت نہیں۔ نیز یہ وہ سنت ہے جو صغار صحابہ (عبداللہ بن عمر، انس، عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہم) کبار صحابہ (حضرت ابوبکر صدیق، حضرت عمر، حضرت علی رضی اللہ عنہم) سے ثابت ہے۔ السابقون الاولون سے بھی ثابت ہے، ہجرت نبوی کے بعد اور فتح مکہ سے پہلے مسلمان ہونے والے اور فتح مکہ کے بعد مسلمان ہونے والے صحابہ سے بھی ثابت ہے۔ عندالرکوع رفع الیدین ہر دور اور ہر عمر کے صحابہ سے، مہاجرین اور انصار صحابہ سے بھی ثابت ہے، موسم سرما میں بھی اور موسم گرما میں بھی ثابت ہے۔

آج تک احادیث کی جتنی بھی کتب تالیف کی گئی ہیں یا ان کی شروعات لکھی گئی ہیں، عندالرکوع رفع الیدین کی حدیث ان تمام کتابوں کی زینت ہے، قائلین تو قائلین منکرین بھی اس حدیث کو لکھے بغیر اپنی کتاب مکمل نہیں کر پائے۔

فقہی احکام: رفع الیدین کندھوں کے برابر بھی کی جا سکتی ہے اور کانوں کے برابر تک بھی، دونوں طریقے مسنون ہیں۔

۲۷۳: وَفِي حَدِيثِ أَبِي حُمَيْدٍ, عِنْدَ أَبِي دَاوُدَ يَرْفَعُ يَدَيْهِ حَتَّى يُحَاذِيَ بِهِمَا مَنْكِبَيْهِ, ثُمَّ يُكَبِّرُ .

ابوداود: كتاب الصلاة، باب افتتاح الصلوة: ۷۳۰

۲۷۳: ابوداؤد میں حضرت ابوحمید رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ پہلے اپنے دونوں ہاتھوں کو کندھوں کے برابر تک اٹھاتے، پھر اللہ اکبر کہتے۔

تشریح: یہ وہی حدیث ہے جو حضرت ابوحمید ساعدی رضی اللہ عنہ نے دس صحابہ کی موجودگی میں بیان کی تھی، پھر اس پر عمل کر کے دکھایا تھا اور ان سب صحابہ نے بالاتفاق اس پر مہر تصدیق ثبت کی تھی۔

۲۷۴: وَلِمُسْلِمٍ عَنْ مَالِكِ بْنِ الْحُوَيْرِثِ رضی اللہ عنہ نَحْوَ حَدِيثِ ابْنِ عُمَرَ, وَلَكِنْ قَالَ حَتَّى يُحَاذِيَ بِهِمَا فُرُوعَ أُذُنَيْهِ .

صحيح مسلم: كتاب الصلاة: باب استحباب رفع اليدين حذو المنكبين: ۳۹۱/۲۴، ابن خزيمة: ۱۵۱۰، البيهقى: ۲/۷۱، ابن حبان: ۱۸۷۳، ابوداود: ۷۴۵، النسائى: ۲/۱۲۲، ابوعوانة: ۲/۹۴، الدارمى: ۱۲۵۴، احمد: ۵/۵۳

تنبیہ: نسائی میں و اذا راسه من السجود فعل مثل ذالک بھی ہے، یہ روایت شعبہ عن قتادہ اور سعید عن قتادہ کی طریق سے مروی ہے لیکن حقیقت یہ ہے کہ یہ دونوں روایات سعید عن قتادہ کے طریق سے ہیں، لیکن عرصہ دراز پہلے کسی ناسخ سے تسامح ہوا اور اس نے سعید کو شعبہ لکھ دیا۔ واضح رہے کہ سعید عن قتادہ کا طریق غیر صحیحین میں ضعیف ہے

۲۷۴: مسلم میں حضرت مالک بن حویرث رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث، حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی حدیث کی طرح ہیں، لیکن مالک بن حویرث رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ "آپ ﷺ نے رفع الیدین کانوں کے اطراف کے برابر تک فرمائی۔"

تشریح: حضرت مالک بن حویرث رضی اللہ عنہ اپنے ہم عمر چند نوجوان ساتھیوں کے ساتھ بیس دن تک رحمت عالم ﷺ کے زیر تربیت رہے، انہوں نے اس دوران آپ ﷺ سے بہت کچھ سیکھنے کے ساتھ ساتھ آپ ﷺ کے طریقہ نماز کا بھی قریب سے مشاہدہ کیا، اور جی بھر کر آگے بیان فرمایا، کیونکہ رحمت عالم ﷺ نے تلمیذان رشید کے اس قافلے کو الوداع کرتے وقت یہ فرمایا تھا کہ واپس جا کر اپنے وطن والوں کو طریقہ نماز سکھانا اور خود بھی اس طرح نماز پڑھتے رہنا، جس طرح تم نے مجھے نماز پڑھتے ہوئے دیکھا ہے، اس سے یہ ثابت ہوا کہ عندالرکوع رفع الیدین کرنے کے بارے میں یہ حدیث قولی بھی اور عملی بھی۔ (فللہ الحمد) نیز مسند دارمی میں لفظ فروع نہیں ہے

۲۷۵: وَعَنْ وَائِلِ بْنِ حُجْرٍ رضی اللہ عنہ قَالَ صَلَّيْتُ مَعَ النَّبِيِّ ﷺ فَوَضَعَ يَدَهُ الْيُمْنَى عَلَى يَدِهِ الْيُسْرَى عَلَى صَدْرِهِ . أَخْرَجَهُ ابْنُ خُزَيْمَةَ .

www.KitaboSunnat.com

ابن خزیمة: کتاب الصلاة ، باب وضع الیمین علی الشمال فی الصلاة قبل افتتاح القرأء: ۴۷۹، البیھقی: ۲/ ۳۱۷ ، ۳۱۸، مسند احمد: ۲۲۵/۸ (۲۲۰۲۶)، التحقیق لابن جوزی: ۳۳۸/۱، شرح سفر السعادۃ: ۴۴

۲۷۵: حضرت وائل بن حجر رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں کہ میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نماز پڑھی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے دائیں ہاتھ کو بائیں ہاتھ پر رکھ کرانہیں اپنے سینہ انور پر رکھ لیا۔ اسے ابن خزیمہ نے اپنی صحیح میں روایت کیا ہے۔

تشریح: حضرت وائل بن حجر رضی اللہ عنہ کا شمار ان صحابہ میں ہوتا ہے جو عہد زریں کے آخری سالوں میں مسلمان ہوئے، انہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں گرمی وسردی کے دن گزارے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقہ نماز کا مشاہدہ نہایت قریب سے کیا، انہوں نے رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو حالت قیام میں سینہ پر ہاتھ رکھے دیکھا۔ اس روایت کے ایک راوی مؤمل بن اسماعیل پر اگرچہ ان کے حافظہ کی وجہ سے کلام ہے، وہ چونکہ حدیث کے بہت بڑے ذخیرہ کے حافظ ہیں، ظاہر ہے کہ جس شخص کے حافظہ میں جس قدر زیادہ ذخیرہ ہوگا، اس سے یقیناً خطا کا صدور بھی اسی تناسب سے ہوگا۔ سینہ پر ہاتھ باندھنے کی حدیث صرف حضرت وائل بن حجر رضی اللہ عنہ ہی سے منقول نہیں بلکہ ھلب بن یزید طائی اور حضرت علی رضی اللہ عنہ سے بھی منقول ہے۔ مقام وضع کے بارے میں جتنی احادیث مروی ہیں ان میں سب سے زیادہ صحیح حدیث ھلب بن یزید طائی کی ہے، جیسے امام احمد اور ابن جوزی نے اپنی سند سے نقل کیا ہے۔

ہاتھ چھوڑ کر یا ناف کے نیچے باندھ کر نماز پڑھنا کسی بھی صحیح یا حسن، موقوف یا مرفوع روایت سے ثابت نہیں۔ اس لئے نماز میں ہاتھ باندھنا اور وہ بھی سینے پر، یہی راجح مسلک ہے۔ مالکیوں کا ہاتھ چھوڑ کر نماز پڑھنا، امام مالک کی اپنی محبوب ترین تالیف مؤطا کے خلاف ہے۔ مزید تفصیل کیلئے راقم کی کتاب "نماز میں ہاتھ کہاں باندھیں" کا مطالعہ فرمائیں۔

۲۷۶: وَعَنْ عُبَادَةَ بْنِ الصَّامِتِ رضی اللہ عنہ قَالَ، قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم "لَا صَلَاةَ لِمَنْ لَمْ يَقْرَأْ بِأُمِّ الْقُرْآنِ" مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ وَفِي رِوَايَةٍ لِابْنِ حِبَّانَ وَالدَّارَقُطْنِيِّ "لَا تَجْزِي صَلَاةٌ لَا يُقْرَأُ فِيهَا بِفَاتِحَةِ الْكِتَابِ"

البخاری کتاب الآذان، باب وجوب القرأۃ للامام و المأموم فی الصلوٰت کلھا: ۷۵۶، صحیح مسلم: ۳۹۴، ابوداود: ۸۲۲، الترمذی: ۲۴۷، النسائی: ۱۳۷/۲، احمد: ۳۲۱/۵، ابن خزیمة: ۲۵۸/۱، عبد الرزاق: ۹۳/۲، ابن حبان: ۱۷۸۲ - ۱۷۸۶، الدارقطنی: ۳۲۱/۱

تنبیہ: بلوغ المرام کے بعض نسخوں میں بفاتحہ الکتاب ہے اور بعض میں بام القرآن ہے، دونوں طرح کے الفاظ حدیث عبادۃ میں موجود ہیں۔

۲۷۶: حضرت عبادۃ بن صامت رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "اس شخص کی نماز نہیں جس نے نماز میں سورۃ فاتحہ نہیں پڑھی۔" (بخاری ومسلم) ابن حبان اور دارقطنی میں مروی ہے "وہ نماز ناکافی ہے جس میں سورۃ فاتحہ نہیں پڑھی گئی۔"

لغوی تحقیق: لاصلوۃ: کوئی نماز نہیں۔ لاتجزی: ناکافی ہے۔

تشریح: زیر مطالعہ حدیث کے الفاظ اس حقیقت کے عکاس ہیں کہ جس طرح دیگر ارکان کی ادائیگی امام، مقتدی اور منفرد پر لازم ہے اسی طرح سورۃ فاتحہ کا پڑھنا بھی رکن نماز ہے اور یہ امام، مقتدی اور منفرد پر لازم ہے۔ جس طرح دیگر ارکان کے عمداً ترک پر نماز ناقابل قبول ہے اسی طرح سورۃ فاتحہ کے ترک پر بھی نماز ناقابل قبول ہے، لہٰذا سورۃ الفاتحہ کا ہر نماز کی ہر رکعت میں پڑھنا لازم ہے۔ زیر مطالعہ حدیث میں مذکور "لا" کو نفی کمال قرار دینا کسی طرح بھی درست نہیں۔ اگر بفرض محال یہ تسلیم بھی کرلیں کہ مذکورہ حدیث میں مذکور "لا" نفی کمال کیلئے ہے تو بھی فاتحہ کا ترک کوئی عقلمندی نہیں، کیونکہ اس صورت میں معنی یہ ہوگا کہ نماز مکمل نہیں ہوتی۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

غور فرمائیں! اگر قیامت کے روز اللہ تعالیٰ نے یہ کہہ دیا کہ تمہاری نمازیں نامکمل ہیں، تو ہمارے لئے ٹھہرنے کا مقام کہاں ہوگا؟

حضرت عبادۃ بن صامت رضی اللہ عنہ جو اس حدیث کے راوی ہیں، وہ امام کے پیچھے سورۃ فاتحہ پڑھا کرتے تھے۔ پھر بیہقی میں مروی روایت میں یہ بھی صراحت ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: "تم میرے پیچھے سورۃ فاتحہ کے علاوہ قرأت نہ کیا کرو، کیونکہ فاتحہ کے بغیر نماز نہیں ہوتی۔"

فقہی احکام: (۱) سورۃ فاتحہ نماز کا رکن ہے۔ (۲) ترک رکن پر نماز نہیں ہوتی۔

(۳) امام، مقتدی اور منفرد میں سے ہر ایک کیلئے سورۃ فاتحہ پڑھنا لازم ہے۔

۲۷۷: وَفِي أُخْرَى, لِأَحْمَدَ وَأَبِي دَاوُدَ, وَالتِّرْمِذِيِّ, وَابْنِ حِبَّانَ "لَعَلَّكُمْ تَقْرَؤُونَ خَلْفَ إِمَامِكُمْ؟" قُلْنَا نَعَمْ قَالَ "لَا تَفْعَلُوا إِلَّا بِفَاتِحَةِ الْكِتَابِ, فَإِنَّهُ لَا صَلَاةَ لِمَنْ لَمْ يَقْرَأْ بِهَا"

ابو داود: کتاب الصلاۃ، باب من ترک القرأۃ فی صلاتہ، ۸۲۳، احمد: ۳۱۶/۵، ۳۱۰، ۴۱۰، الترمذی: ۳۱۱، الدارقطنی: ۳۱۸/۱، ۳۱۹، البیہقی: ۱۶۴/۲ (۲۹۹۲)، مسلم: ۳۹۶: جزء القرأۃ: ۱۵، کتاب القرأء: ۳۶، الحاکم: ۲۳۸/۱، ابن حبان: ۱۷۹۲

۲۷۷: ایک دوسری حدیث جو کہ مسند احمد، ابوداؤد، ترمذی اور ابن حبان میں ہے، اس میں ہے کہ "شاید تم امام کے پیچھے قرأۃ کرتے ہو؟" ہم (صحابہ) نے کہا ضرور، آپ ﷺ نے فرمایا: "فقط فاتحہ پڑھا کرو کیونکہ فاتحہ کے بغیر نماز نہیں ہوتی۔"

تشریح: زیر مطالعہ حدیث میں صراحتاً مذکور ہے کہ مقتدی کو امام کے پیچھے سورۃ فاتحہ پڑھنی چاہیے کیونکہ اس کے بغیر نماز نہیں ہوتی، یہ روایت ہر قسم کے غبار سے پاک ہے، تاہم بعض احباب نے چند غیر مؤثر علل کو نہایت مؤثر بنانے کی کوشش کی ہے تاکہ اپنے امام کے موقف کو برتر ثابت کیا جائے۔ وہ علل اور ان کا جواب درج ذیل ہے۔

(۱) محمد بن اسحاق مدلس ہے اور روایت معنعن ہے۔

(الف) بلاشبہ محمد بن اسحاق مدلس ہے، لیکن روایت معنعن نہیں کیونکہ بیہقی میں ابراہیم بن سعد سے مروی حدیث میں سماع کی صراحت موجود ہے، لہٰذا تدلیس کی علت غیر مؤثر ہے۔ (ب) اس روایت کو بیان کرنے میں محمد بن اسحاق منفرد نہیں کیونکہ زید بن واقد نے ان کی متابعت کی ہے۔

(۲) اس روایت کی سند میں مکحول شامی ہے۔

مکحول اس حدیث کو نافع بن محمود سے بیان کرنے میں منفرد نہیں کیونکہ حرام بن حکیم نے ان کی متابعت کی ہے، لہٰذا یہ علت بھی غیر مؤثر ہے نیز اس حدیث کو متعدد نامور ماہرین فن نے صحیح یا حسن قرار دیا ہے، جن میں سے چند ایک نام درج ذیل ہیں۔ ابوداؤد، ترمذی، دارقطنی، حاکم، ابن حبان اور بیہقی وغیرہ۔

فاتحہ خلف الامام کے بارے میں حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص، حضرت ابوہریرہ، حضرت انس بن مالک اور حضرت عمر رضی اللہ عنہم سے بھی احادیث و آثار منقول ہیں۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث میں یہ صراحت ہے کہ انہوں نے اپنے شاگرد کو امام کے پیچھے آہستہ پڑھنے کی ہدایت فرمائی تھی۔ یہ روایت بھی ہر قسم کے غبار سے پاک ہے۔

حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما سے مروی حدیث کو امام بخاری نے جزء القراءۃ اور امام بیہقی نے کتاب القرأۃ میں درج کیا ہے، اس میں یہ صراحت ہے کہ آپ ﷺ نے امام کے پیچھے سورۃ فاتحہ پڑھنے کی ہدایت فرمائی ہے۔ یہ روایت بھی ہر قسم کے غبار

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

سے پاک ہے۔ایک صحابی سے مروی حدیث میں ہے کہ امام کے پیچھے سورۃ فاتحہ پڑھنے کی ہدایت کی گئی ہے،اور یہ روایت بھی کم از کم حسن درجہ کی ہے۔

۲۷۸: وَعَنْ أَنَسٍ رضی اللہ عنہ أَنَّ النَّبِيَّ صلی اللہ علیہ وسلم وَأَبَا بَكْرٍ وَعُمَرَ رضی اللہ عنہما كَانُوا يَفْتَتِحُونَ الصَّلَاةَ بِ﴿الْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ﴾ مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ زَادَ مُسْلِمٌ ، لَا يَذْكُرُونَ بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ فِي أَوَّلِ قِرَائَةٍ وَلَا فِي آخِرِهَا . وَفِي رِوَايَةٍ لِأَحْمَدَ, وَالنَّسَائِيِّ وَابْنِ خُزَيْمَةَ . لَا يَجْهَرُونَ بِبِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ . وَفِي أُخْرَى لِابْنِ خُزَيْمَةَ . كَانُوا يُسِرُّونَ وَعَلَى هَذَا يُحْمَلُ النَّفْيُ فِي رِوَايَةِ مُسْلِمٍ ,خِلَافًا لِمَنْ أَعَلَّهَا .

البخاری، کتاب الآذان، باب ما یقول بعد التکبیر: ۷۴۳، مسلم: ۳۹۹، احمد: ۱۱۰/۳، النسائی: ۱۳۳/۲، ابن خزیمة: ۲۴۸/۱، ۲۵۰، الترمذی: ۲۴۶، ابوداؤد ۷۸۲، ابن ماجة: ۸۱۳، الدارمی: ۲۲۶/۱، الطبرانی: ۲۵۵/۱، ۲۵۶

۲۷۸: حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ،حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما نماز میں قرأت کا آغاز الحمدللہ رب العالمین سے کرتے تھے۔(بخاری و مسلم) مسلم میں یہ اضافہ بھی ہے کہ قرأۃ کے آغاز اور اختتام پر بسم اللہ الرحمٰن الرحیم نہیں پڑھتے تھے۔ احمد،نسائی اور ابن خزیمہ میں ہے کہ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کو بلند آواز سے نہیں پڑھتے تھے۔ابن خزیمہ کی ایک دوسری روایت میں ہے کہ وہ آہستہ پڑھتے تھے،مسلم میں جونفی مذکور ہے اسے اسی پر محمول کیا جائے گا، برخلاف ان لوگوں کے جنہوں نے اسے معلول کہا ہے۔

لغوی تحقیق: یسرون: آہستہ پڑھتے تھے۔ علی ھذا: اس وجہ سے۔ یُحْمَلُ: محمول کیا جائے گا۔

تشریح: مؤلف رحمہ اللہ نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث کے مختلف طرق نقل کرکے یہ واضح کیا ہے کہ: یفتتحون الصلاۃ بالحمد للہ رب العالمین ؛ کا صحیح مفہوم کیا ہے،یعنی اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اور شیخین سورۃ فاتحہ کا آغاز بسم اللہ سے نہیں فرماتے تھے،وہ سورۃ فاتحہ کا آغاز تو یقیناً ؛بسم اللہ الرحمن الرحیم ؛ سے فرماتے تھے۔لیکن ؛بسم اللہ الرحمن الرحیم ؛ کو آہستہ پڑھتے تھے،جیسا کہ ابن خزیمہ کی بیان کردہ حدیث میں صراحت ہے۔

صحیح مسلم کے ایک طریق میں جو ؛بسم اللہ الرحمن الرحیم ؛ کے نہ پڑھنے کا ذکر ہے،مؤلف رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ابن خزیمہ سے مروی حدیث کی روشنی میں اس کا مفہوم یہ متعین ہوگا کہ وہ ؛بسم اللہ الرحمن الرحیم ؛ کو آہستہ پڑھ لیتے تھے،لیکن مؤلف رحمہ اللہ نے ابن خزیمہ کی جس حدیث کو بنیاد بنا کر یہ مفہوم متعین کیا ہے وہ حدیث سنداً ضعیف ہے، کیونکہ اس میں سوید بن عبدالعزیز نامی راوی ضعیف اور حسن بصری مدلس ہیں جبکہ روایت معنعن ہے البتہ سوید بن عبدالعزیز اس روایت کے بیان کرنے میں منفرد نہیں کیونکہ معتمر بن سلیمان نے یہ روایت اپنے والد کے واسطے سے بھی حسن بصری سے نقل کی ہے۔

معتمر بن سلیمان ثقہ ہیں، نیز احمد،نسائی اور ابن خزیمہ میں منقول الفاظ ؛لا یجھرون بسم اللہ الرحمن الرحیم ؛ اس کے شاہد ہیں،اس بیان سے یہ ثابت ہوا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اور شیخین ؛بسم اللہ الرحمن الرحیم ؛ نماز میں آہستہ پڑھا کرتے تھے۔

مؤلف رحمہ اللہ فرماتے ہیں،اس توجیہ کی ضرورت اہل علم کے اس گروہ کو ہے جو مسلم کی روایت کو علل سے پاک خیال کرتے ہیں اور جنہوں نے مسلم میں مروی اضافہ کو معلول قرار دیا ہے انہیں کسی قسم کی توجیہ کی ضرورت نہیں کیونکہ یہی وہ الفاظ ہیں جو اشکال پیدا کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اور شیخین نماز میں ؛بسم اللہ الرحمن الرحیم ؛ نہیں پڑھتے تھے۔اہل علم کے جس گروہ نے اس اضافہ سے مروی طریق کو معلول قرار دیا ہے،ان کا کہنا ہے کہ اوزاعی نے قتادہ سے یہ الفاظ مکاتبۃً نقل کیے ہیں۔ان کا یہ اعتراض غیر مؤثر ہے کیونکہ اوزاعی

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

ان الفاظ کے بیان کرنے میں تنہا نہیں۔

اس کے علاوہ حضرت عائشہ اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہما سے مروی احادیث سے بھی یہ ثابت ہوتا ہے کہ آپ ﷺ نماز میں: بسم اللہ الرحمن الرحیم ؛ بلند آواز سے نہیں پڑھتے تھے لیکن دونوں روایات ضعیف ہیں۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی روایت ابو الجوزاء کی وجہ سے اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی روایت ابو عبداللہ الدوسی کی وجہ سے ضعیف ہے۔

فقہی احکام: (۱) فاتحہ جہری نماز میں بلند آواز سے پڑھنی چاہیے۔ (۲) بسم اللہ الرحمن الرحیم کو زیادہ تر آہستہ پڑھنا مسنون ہے۔ (۳) بسم اللہ الرحمن الرحیم سورۃ فاتحہ کی ایک آیت ہے۔

۲۷۹: وَعَنْ نُعَيمٍ الْمُجَمِّرِ رضی اللہ عنہ قَالَ صَلَّيْتُ وَرَاءَ أَبِي هُرَيْرَةَ فَقَرَأَ ﴿بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ﴾ ثُمَّ قَرَأَ بِأُمِّ الْقُرْآنِ , حَتَّى إِذَا بَلَغَ وَلَا الضَّالِّينَ قَالَ آمِينَ وَيَقُولُ كُلَّمَا سَجَدَ ,وَإِذَا قَامَ مِنَ الْجُلُوسِ ، اَللّٰهُ أَكْبَرُ ثُمَّ يَقُولُ إِذَا سَلَّمَ ،وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ إِنِّي لَأَشْبَهُكُمْ صَلَاةً بِرَسُولِ اللَّهِ ﷺ .رَوَاهُ النَّسَائِيُّ وَابْنُ خُزَيْمَةَ .

ابن خزيمة، كتاب الصلاة، باب ذكر الدليل على ان الجهر بسم الله الرحمٰن الرحيم و المخافة به جميعاً مباح: ۴۹۹، النسائی: ۱۳۴/۲، البيهقى: ۵۸/۲، الدارقطنى: ۳۰۵/۱، ۳۰۶، الحاكم: ۳۵۸/۱، ابن حبان: ۱۷۹۷، مسند احمد: ۴۹۷/۲، نصب الراية: ۳۳۲/۱

۲۷۹: نعیم المجمر بیان کرتے ہیں کہ میں نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی اقتدا میں نماز پڑھی انہوں نے پہلے بسم اللہ الرحمٰن الرحیم پڑھی پھر انہوں نے اُم القرآن کی تلاوت فرمائی اور جب انہوں نے و لا الضالین کی تلاوت کی تو آمین کہی، ممدوح جب بھی سجدہ فرماتے اور بیٹھ کر اٹھتے تو اللہ اکبر کہتے، پھر انہوں نے سلام پھیرنے کے بعد فرمایا، اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے یقیناً میں نماز ادا کرنے میں آپ سب سے رسول اللہ ﷺ کے بہت مشابہ ہوں۔ (نسائی، ابن خزیمہ)

لغوی تحقیق: کلما: جب بھی۔ الجلوس: جیم اور لام مضموم، بیٹھنا۔ و الذی: واؤ قسمیہ ہے، قسم ہے اس ذات اقدس کی۔ ید: ہاتھ، بعض احباب نے اس کا ترجمہ قبضہ قدرت کیا ہے جو سراسر غلط ہے، کیونکہ اس سے اللہ تعالیٰ کے اوصاف کے انکار کی بو آتی ہے۔ المجمر: میم اول مضموم، جیم ساکن اور میم ثانی مکسور۔

تشریح: اس روایت کو نسائی، ابن خزیمہ، دار قطنی، حاکم، بیہقی اور طحاوی نے سعید بن ابی ہلال کے طریق سے نقل کیا ہے، امام ابن حزم نے سعید بن ابی ہلال کی وجہ سے اس روایت کو ضعیف کہا ہے، اس کی علت یہ بیان کی جاتی ہے کہ امام ساجی کہتے ہیں کہ امام احمد نے کہا کہ موصوف اختلاط کا شکار ہو گئے تھے۔ مؤلف رحمہ اللہ نے ھدی الساری میں ان کا دفاع کرتے ہوئے لکھا ہے کہ امام ساجی نے جو کچھ لکھا ہے وہ بلا دلیل ہے، کیونکہ امام احمد سے ان کی تضعیف ثابت نہیں۔ اس کے برعکس امام ابن خزیمہ، امام ابن حبان، امام حاکم، امام دار قطنی اور امام بیہقی نے ان کی توثیق کی ہے۔ امام دار قطنی نے اس روایت کو نقل کرنے کے بعد اس کے رواۃ کو ثقہ اور حدیث کو صحیح قرار دیا ہے۔ امام حاکم نے اس حدیث کو بخاری و مسلم کی شرط کے مطابق قرار دیا ہے

کہا جاتا ہے کہ اس روایت میں دوسری علت نعیم کا تفرد ہے۔ یہ علت بھی غیر مؤثر ہے کیونکہ نعیم ثقہ ہے، ثقہ کا تفرد کوئی علت نہیں۔ تیسری علت یہ بیان کی جاتی ہے کہ یہ حدیث عبداللہ بن مغفل سے مروی حدیث کے خلاف ہے کیونکہ اس میں: بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ؛ کے جہر کو بدعت قرار دیا گیا ہے۔ حضرت عبداللہ بن مغفل رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث کو امام ترمذی، امام ابن ماجہ اور امام احمد نے روایت کیا ہے،

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

امام ترمذی نے اس روایت کو حسن قرار دیا ہے۔ واضح رہے کہ امام ترمذی کا اس روایت کو حسن قرار دینا ان کے تساہل کی وجہ سے ہے۔

امام نووی فرماتے ہیں کہ محدثین نے اسے تسلیم کیا ہے، کیونکہ ابن عبداللہ مبہم ہے۔ امام زیلعی نے امام ترمذی کے موقف کا دفاع کرتے ہوئے لکھا ہے کہ ابوسفیان السعدی نے ابن عبداللہ کا نام یزید ظاہر کیا ہے، طبرانی کے اس طریق سے ابن عبداللہ کا مبہم ہونا یقیناً رفع ہو جاتا اگر ابوسفیان ثقہ ہوتا، ابوسفیان تو بعض محدثین کے نزدیک سخت مجروح ہے اور بعض نے اس پر ہلکا نقد کیا ہے، تاہم وہ سب کے نزدیک ضعیف ہے، اس لئے اس روایت کو نعیم سے مروی روایت کے مخالف قرار دیکر اسے مسترد کرنا ناانصافی ہے اور یہ کہنا بھی درست نہیں کہ اس حدیث سے؛ بسم اللہ الرحمن الرحیم؛ بلند آواز سے پڑھنا ثابت نہیں ہوتا۔

فقہی احکام: (۱) بسم اللہ الرحمن الرحیم کو بلند آواز سے بھی پڑھا جا سکتا ہے لیکن آہستہ پڑھنا راجح ہے۔ (۲) سورۃ فاتحہ کے اختتام پر بلند آواز سے آمین کہنا مسنون ہے۔ (۳) بسم اللہ الرحمن الرحیم سورۃ فاتحہ کی آیت ہے۔ (۴) آمین فاتحہ کا حصہ نہیں، فقط دعا ہے۔

۲۸۰: وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضی اللہ عنہ قَالَ، قَالَ رَسُولُ اَللَّهِ ﷺ " إِذَا قَرَأْتُمُ الْفَاتِحَةَ فَاقْرَءُوا ﴿بِسْمِ اَللَّهِ اَلرَّحْمَنِ اَلرَّحِيمِ﴾ فَإِنَّهَا إِحْدَى آيَاتِهَا " رَوَاهُ اَلدَّارَقُطْنِيُّ ,وَصَوَّبَ وَقْفَهُ .

الدارقطنی: ۳۱۲/۱، ابن حبان: ۱۷۸۱، مسلم: ۳۹۶، ابوعوانۃ: ۱۲۵/۲، نصب الرایۃ: ۳۴۳/۱

تنبیہ: مؤلف رحمہ اللہ نے اس روایت کو بالمعنی بیان کیا ہے۔

۲۸۰: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "جب تم فاتحہ کی تلاوت کرو تو بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کی بھی تلاوت کیا کرو، کیونکہ یہ بھی اس کی ایک آیت ہے۔" اسے دارقطنی نے روایت کیا ہے اور اس کے موقوف ہونے کو درست کہا ہے۔

لغوی تحقیق: صوب: درست قرار دیا ہے

تشریح: اس روایت کو امام دارقطنی نے عبدالحمید بن جعفر کے طریق سے مرفوع بیان کیا ہے، عبدالحمید بن جعفر کو سفیان ثوری نے ضعیف کہا ہے، جبکہ امام احمد اور یحییٰ بن معین نے ثقہ کہا ہے، صائب مؤقف تو یہی ہے کہ عبدالحمید بن جعفر ثقہ ہے، لیکن یہ روایت مرفوعاً درست نہیں کیونکہ عبدالحمید بن جعفر کے شاگرد ابوبکر حنفی کا کہنا ہے کہ عبدالحمید بن جعفر نے نوح کے طریق سے یہ روایت مجھے مرفوع بیان کی، لیکن جب میری نوح سے ملاقات ہوئی تو اس نے مجھے موقوف روایت بیان کی۔

امام زیلعی فرماتے ہیں کہ اسامہ بن زید نے بھی نوح سے یہ روایت موقوف بیان کی ہے لہٰذا اس کا موقوف ہونا ہی درست ہے۔ امام دارقطنی نے بھی اس کے موقوف طریق کو صائب کہا ہے۔ یہ روایت اگرچہ موقوف ہے تاہم حکماً مرفوع ہے، کیونکہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے: ؛فما اسمعنا رسول اللہ اسمعنا کم وما اخفی علینا اخفیناعنکم؛ (ابن حبان : ۱۸۵۳) ☆ ہر نماز میں قرأۃ ہے، رسول اللہ ﷺ نے جن نمازوں میں ہمیں سنایا ان میں ہم تمہیں سناتے ہیں اور جن نمازوں میں انہوں نے ہم سے مخفی رکھا ان میں ہم تم سے مخفی رکھتے ہیں۔ یہ حدیث اگرچہ جہری اور سری نمازوں سے متعلق ہے لیکن اس سے یہ ضرور واضح ہوتا ہے کہ اگر رسول اللہ ﷺ نے ؛بسم اللہ الرحمن الرحیم ؛ کو ہمیشہ آہستہ پڑھا ہوتا تو حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ اپنی مرضی سے اسے اونچی آواز سے نہ پڑھتے۔ گویا یہ دونوں روایات نعیم مجمر سے مروی مرفوع روایت کو تقویت دیتی ہیں۔

فقہی احکام: بسم اللہ الرحمن الرحیم سورۃ فاتحہ کی ایک مستقل آیت ہے۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

۲۸۱: وَعَنهُ قَالَ كَانَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ إِذَا فَرَغَ مِنْ قِرَائَةِ أُمِّ الْقُرآنِ رَفَعَ صَوْتَهُ وَقَالَ "آمِينَ" رَوَاهُ الدَّارَقُطنِيُّ وَحَسَّنَهُ ,وَالْحَاكِمُ وَصَحَّحَهُ .

الدارقطنی: ۱ /۳۳۵، الحاکم: ۱ /۲۲۳، ابن خزیمۃ: ۱ /۲۸۷، ابن حبان: ۱۸۰۶، البیہقی: ۲۵۰۷ ، ۲۵۰۹، ابوداود: ۹۳۴، ابن ماجۃ: ۸۵۳

۲۸۱: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب سورۃ فاتحہ کی قرأت سے فارغ ہوتے تو بلند آواز میں آمین کہتے۔ اسے دارقطنی نے بیان کیا ہے اور حسن کہا ہے جبکہ امام حاکم نے اسے صحیح قرار دیا ہے۔

لغوی تحقیق: ام القرآن : کسی بھی چیز کی اصل اور بنیاد یا مقدمۃ الجیش کو ام کہتے ہیں، اس ناطے اس کا معنی ہوگا، سورۃ فاتحہ قرآن حکیم کی اصل اور اس کا دیباچہ ہے۔

تشریح: قرأۃ فاتحہ کے اختتام پر آمین کہنا جمہور کے نزدیک مسنون اور امام ابوحنیفہ کے نزدیک واجب ہے، آمین کے بلند اور آہستہ کہنے کے بارے میں احناف اور جمہور کا اختلاف ہے، جمہور کے نزدیک آمین اونچی آواز سے کہنا مسنون ہے جبکہ احناف کے نزدیک آہستہ کہنا درست ہے۔ جمہور کے دلائل میں سے ایک دلیل زیر مطالعہ حدیث ہے، اس حدیث کو امام دارقطنی نے حسن، امام ابن خزیمہ، امام ابن حبان، امام حاکم اور امام ذہبی نے صحیح، اور علامہ البانی نے ضعیف کہا ہے، جبکہ ابن عبدالهادی نے بھی اس حدیث پر نقد کیا ہے۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے اس کی ہم معنی روایت ایک دوسرے طریق سے بھی مروی ہے، یہ طریق بھی بشر بن رافع اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کے چچازاد ابوعبداللہ کی وجہ سے ضعیف ہے، تاہم یہ طریق پہلے طریق کو تقویت ضرور دیتا ہے۔ اسی طرح امام بیہقی نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کا عمل نقل کیا ہے کہ وہ لمبی آواز سے آمین کہتے تھے۔

فقہی احکام: (۱) آمین سورۃ فاتحہ کے ساتھ ملا کر نہیں، بلکہ و لاالضالین کے پڑھنے کے بعد خاموش ہو کر پھر کہنی چاہیے۔

(۲) آمین امام اور مقتدیوں کو اونچی آواز سے کہنی چاہیے۔

۲۸۲: وَلِأَبِي دَاوُدَ وَالتِّرمِذِيِّ مِنْ حَدِيثِ وَائِلِ بْنِ حُجْرٍ نَحْوُهُ.

ابوداود، کتاب الصلاۃ، باب التامین وراء الامام: ۹۳۲، الترمذی، ابواب الصلاۃ، باب ما جاء فی التامین: ۲۴۸ ، ۲۴۹، احمد: ۳۱۶/۴، ابن ابی شیبۃ: ۳۲۲/۲، الدارمی: ۲۲۸/۱، البیہقی: ۲۴۹۸ ، ۲۵۰۲، بیان الوھم والایھام: ۳۷۴/۳، العلل الکبیر للترمذی: ۲۱۷/۱ ، ۲۱۸، الدارقطنی: ۳۳۴/۱، التلخیص: ۲۳۷/۱

۲۸۲: ابوداؤد اور ترمذی میں حضرت وائل بن حجر رضی اللہ عنہ سے بھی اسی طرح مروی ہے۔

تشریح: اس روایت کا مرکزی راوی سلمہ بن کہیل ہیں، سلمہ سے یہ روایت سفیان ثوری، شعبہ، محمد بن سلمہ اور العلاء بن صالح نقل کرتے ہیں، سفیان ثوری اور شعبہ معاصر ہونے کے ساتھ ساتھ علم حدیث کے دو روشن مینار بھی ہیں، یہ دونوں اگر کسی چیز کے بیان کرنے میں ایک دوسرے کی متابعت کریں تو ان کی بیان کردہ وہ حدیث بلا ریب صحیح ہوتی ہے، لیکن یہاں سوء اتفاق دونوں ایک دوسرے سے سند اور متن میں اختلاف رکھتے ہیں۔

امام ابوداؤد، امام ترمذی، امام احمد، امام دارمی، امام دارقطنی اور امام بیہقی نے یہ حدیث سفیان ثوری کے طریق سے نقل کی ہے، اس طریق سے مروی حدیث میں ہے کہ آپ ﷺ نے: غیر المغضوب علیھم و لاالضالین ؛ کہنے کے بعد آمین لمبی آواز سے کہی،

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

امام احمد، امام دارقطنی، امام حاکم، امام بیہقی اور امام طبرانی نے یہ حدیث شعبہ کے طریق سے نقل کی ہے، اس طریق سے مروی روایت میں ہے کہ آپ نے: **غیر المغضوب علیهم و لا الضالین**: کہنے کے بعد آمین پست آواز سے کہی۔

سفیان ثوری اور شعبہ نے اس روایت کے نقل کرنے میں ایک دوسرے سے تین مقامات پر اختلاف کیا ہے، ایک اختلاف تو متن کا ہے جو اوپر ذکر کر دیا گیا ہے، دو اختلاف سند کے ہیں۔ (۱) سفیان ثوری، سلمہ بن کہیل کے شیخ کا نام حجر بن عنبس نقل کرتے ہیں اور شعبہ حجر ابو العنبس کہتے ہیں۔ (۲) سفیان حجر اور وائل کے درمیان کوئی واسطہ نقل نہیں کرتے، جبکہ شعبہ ان دونوں کے درمیان علقمہ کا واسطہ نقل کرتے ہیں۔

امام ابن قطان سند اور متن کے اس اختلاف اور حجر بن عنبس کو مجہول الحال کہہ کر اس روایت کے دونوں طرق کو ضعیف کہتے ہیں، جبکہ دیگر ماہرین فن نے نہایت عرق ریزی سے اس اضطراب کو حل کر کے سفیان ثوری سے مروی طریق کو راجح قرار دیا ہے۔ سفیان ثوری کی روایت کے راجح ہونے کے اسباب درج ذیل ہیں۔

(۱) علاء بن صالح اور محمد بن سلمہ نے سفیان ثوری کی متابعت کی ہے۔ (۲) عبد الجبار بن وائل نے اپنے باپ سے: **مدبها صوته** ؛ کے الفاظ نقل کیے ہیں (یہ روایت ضعیف ہے) (۳) ابو الولید الطیالسی نے شعبہ سے: **رافعا بها صوته** ؛ کے الفاظ نقل کئے ہیں یعنی خود شعبہ نے سفیان ثوری کی متابعت کی ہے۔

فقہی احکام: امام کو بھی آمین اونچی آواز سے کہنی چاہیے۔

۲۸۳: وَعَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ أَبِي أَوْفَى رضی اللہ عنہ قَالَ جَاءَ رَجُلٌ إِلَى النَّبِيِّ صلی اللہ علیہ وسلم فَقَالَ إِنِّي لَا أَسْتَطِيعُ أَنْ آخُذَ مِنَ الْقُرْآنِ شَيْئًا، فَعَلِّمْنِي مَا يُجْزِئُنِي مِنْهُ فَقَالَ قل "سُبْحَانَ اللّٰهِ، وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ، وَلَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَاللّٰهُ أَكْبَرُ، وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللّٰهِ الْعَلِيِّ الْعَظِيمِ" اَلْحَدِيثَ. رَوَاهُ أَحْمَدُ، وَأَبُو دَاوُدَ، وَالنَّسَائِيُّ، وَصَحَّحَهُ ابْنُ حِبَّانَ، وَالدَّارَقُطْنِيُّ، وَالْحَاكِمُ.

مسند احمد: ۴/۳۵۳، ابوداود، كتاب الصلاة، باب ما يجزئ الامىّ والاعجمى من القرأة: ۸۳۲، الحاكم: ۱/۲۴۱، ابن حبان: ۱۸۰۸، ۱۸۰۹، ابن خزيمة: ۱/۲۷۳، الدارقطنى: ۱/۳۱۴، البيهقى: ۲/۳۸۱، قدورى، باب صفة الصلاة

۲۸۳: حضرت عبد اللہ بن ابی اوفیٰ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور اس نے عرض کیا کہ میں قرآن حکیم میں سے کچھ بھی یاد نہیں رکھ سکتا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم مجھے ایسی چیز سکھا دیں جو میرے لیے اس کا بدل بن جائے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "کہو **سبحان الله** (اللہ پاک ہے) و **الحمد لله** (تمام تعریفیں اللہ ہی کیلئے ہیں) و **لا اله الاالله** (اللہ کے علاوہ کوئی معبود نہیں) و **الله اکبر** (اور اللہ سب سے بڑا ہے) و **لا حول و لاقوة الابالله العلی العظیم** (نہیں ہے پھرنے کا حیلہ اور نہ قدرت، مگر اللہ ہی کی توفیق کے ساتھ، جو بلند اور عظمت والا ہے)۔" مختصراً۔ اسے احمد، ابوداؤد اور نسائی نے بیان کیا ہے، ابن حبان، دارقطنی اور حاکم نے صحیح کہا ہے۔

لغوی تحقیق: **یجزئنی**: علامت مضارع مضموم، میرے لیے کافی ہو جائے۔ **منه**: قرآن حکیم کے بدلے کے طور پر۔

تشریح: اس بات پر سب کا اتفاق ہے کہ نماز میں قرأۃ فرض ہے، جیسا کہ صاحب قدوری نے لکھا ہے کہ: **فرائض الصلاة ستة، التحريمة و القيام والقرأة والركع والسجود والقعدة الاخيرة مقدار التشهد** ؛ یعنی نماز کے چھ فرائض ہیں۔ تحریمہ، قیام، قرأۃ، رکوع، سجدہ اور آخری قعدہ تشہد پڑھنے کی مقدار کے برابر۔ جبکہ جمہور علما کے نزدیک سورۃ فاتحہ بھی فرض ہے، زیر مطالعہ حدیث میں

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ایسے شخص کو جسے قرآن حکیم کا کوئی بھی حصہ یاد نہیں، قرآن حکیم کی جگہ مذکورہ الفاظ پڑھنے کی رخصت دی گئی ہے، اس کیلئے مذکورہ الفاظ فاتحہ اور قرأۃ کے قائم مقام ہونگے، اس طرح عدم قرأۃ کے باوجود اس کا یہ فرض ادا ہو جائے گا اور اس کی نماز مکمل ہو جائے گی، اس حدیث کو بنیاد بنا کر اگر کوئی شخص یہ کہے کہ اس حدیث سے یہ ثابت ہوا کہ سورۃ فاتحہ نماز میں فرض نہیں، تو اس بھائی سے یہ کہا جائے کہ اس حدیث سے تو اس طرح یہ بھی ثابت ہو رہا ہے کہ قرأۃ بھی نماز میں فرض نہیں، کیونکہ اس مذکورہ شخص کو صرف فاتحہ نہ پڑھنے کی رخصت نہیں دی گئی بلکہ مطلق قرأۃ نہ کرنے کی رخصت بھی دی گئی ہے، جبکہ ان کے نزدیک قرأۃ فرض ہے۔ کسی معقول عذر کی بنا رکسی معذور شخص کو رخصت ملنے کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ وہ فرض دوسروں سے بھی ساقط ہو گیا ہے۔

فقہی احکام: (۱) معذور حضرات کو ان کا جائز حق ملنا چاہیے۔ (۲) رخصت کو عام قانون کا درجہ حاصل نہیں ہوتا۔

۲۸۴: وَعَنْ أَبِي قَتَادَةَ رضی اللہ عنہ قَالَ كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صلی اللہ علیہ وسلم يُصَلِّي بِنَا ,فَيَقْرَأُ فِي الظُّهْرِ وَالْعَصْرِ فِي الرَّكْعَتَيْنِ الْأُولَيَيْنِ بِفَاتِحَةِ الْكِتَابِ وَسُورَتَيْنِ ,وَيُسْمِعُنَا الْآيَةَ أَحْيَانًا, وَيُطَوِّلُ الرَّكْعَةَ الْأُولَى ,وَيَقْرَأُ فِي الْأُخْرَيَيْنِ بِفَاتِحَةِ الْكِتَابِ . مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ .

البخاری، کتاب الآذان، باب یقرأ فی الاخریین بفاتحۃ الکتاب: ۷۷۶، مسلم: ۴۵۱، ابوداود: ۷۹۸، النسائی: ۲/۱۶۶، احمد: ۵/۲۹۵، الدارمی: ۱/۲۳۸، ابن خزیمۃ: ۱/۲۵۴، البیہقی: ۲/۵۹ (۲۵۳۲)

۲۸۴: حضرت ابوقتادہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمیں نماز پڑھاتے تھے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم ظہر اور عصر کہ پہلی دو رکعتوں میں فاتحہ اور دو سورتیں تلاوت فرماتے تھے، اور کبھی کبھی ہمیں ایک آدھ آیت سنا بھی دیا کرتے تھے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم پہلی رکعت لمبی کرتے اور دوسری دونوں رکعتوں میں فقط فاتحہ الکتاب تلاوت فرماتے تھے۔ (بخاری ومسلم)

لغوی تحقیق: فاتحۃ الکتاب: اس سورت کے متعدد ناموں میں سے ایک نام فاتحۃ الکتاب یعنی قرآن حکیم کا دیباچہ ہے۔ یسمعنا: علامت مضارع مضموم، سین ساکن، میم مکسور، باب افعال ہونے کی وجہ سے متعدی ہے یعنی ہمیں سنا دیتے تھے۔ احیانا: حین کی جمع ہے، یعنی بسا اوقات۔

فقہی احکام: (۱) ظہر کی نماز سری ہے۔ (۲) پہلی دو رکعتوں میں سورۃ فاتحہ کے ساتھ ایک اور سورۃ کی تلاوت کرنی چاہیے۔ (۳) پہلی رکعت میں قرأت دوسری رکعت کے مقابلے میں زیادہ ہونی چاہیے۔ (۴) سری نماز میں بھی ایک آدھی آیت کی تلاوت بلند آواز سے پڑھی جا سکتی ہے۔ (۵) آخری دونوں رکعات میں فقط فاتحہ پڑھنا مسنون ہے۔

۲۸۵: وَعَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ رضی اللہ عنہ قَالَ كُنَّا نَحْزُرُ قِيَامَ رَسُولِ اللَّهِ صلی اللہ علیہ وسلم فِي الظُّهْرِ وَالْعَصْرِ ,فَحَزَرْنَا قِيَامَهُ فِي الرَّكْعَتَيْنِ الْأُولَيَيْنِ مِنَ الظُّهْرِ قَدْرَ "الم تَنْزِيلُ، السَّجْدَةِ" وَفِي الْأُخْرَيَيْنِ قَدْرَ النِّصْفِ مِنْ ذَلِكَ .وَفِي الْأُولَيَيْنِ مِنَ الْعَصْرِ عَلَى قَدْرِ الْأُخْرَيَيْنِ مِنَ الظُّهْرِ ,وَالْأُخْرَيَيْنِ عَلَى النِّصْفِ مِنْ ذَالِكَ . رَوَاهُ مُسْلِمٌ .

مسلم، کتاب الصلاۃ، باب القرأۃ فی الظهر و العصر: ۴۵۲، ابوداود: ۸۰۴، ابن خزیمۃ: ۱/۲۵۶، البیہقی: ۲/۶۴ (۲۵۴۷)، البخاری: ۷۷۶، النسائی: ۱/۲۳۷، احمد: ۳/۲

تنبیہ: مؤلف رحمہ اللہ نے مسلم کی یہ روایت بالمعنی نقل کی ہے۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

۲۸۵: حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہم ظہر اور عصر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قیام کا اندازہ لگا رہے تھے، چنانچہ ہم نے ظہر کی پہلی دو رکعات کے بارے میں اندازہ لگایا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان میں سورۃ حم سجدہ کی مقدار کے برابر تلاوت فرماتے ہیں اور آخری دو رکعات میں ان سے نصف قیام فرماتے ہیں۔ اور عصر کی پہلی دو رکعات میں ظہر کی آخری دو رکعات کے برابر قیام فرماتے اور آخری دو میں پہلی دو رکعات سے نصف قیام فرماتے ہیں (مسلم)

لغوی تحقیق: نحزر: نون مفتوح، زاء مضموم، ہم اندازہ لگاتے تھے۔ قدر: برابر

تشریح: ظہر اور عصر کی نمازوں میں قرأت سے متعلق متعدد احادیث مروی ہیں، ان احادیث میں مذکور الفاظ اگرچہ مختلف ہیں لیکن مفہوم فقط مربوط ہی نہیں بلکہ تعدد روایات کی وجہ سے اشکالات بھی دور ہو جاتے ہیں مثلاً ظہر اور عصر میں قرأت سے متعلق ایک اشکال یہ پیدا ہوتا ہے کہ صحابہ کو کیسے معلوم ہوا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سری نمازوں میں قرأت فرماتے تھے، ایک جواب تو سابقہ حدیث میں مذکور ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم بسا اوقات ایک آدھ لفظ بلند آواز سے پڑھ لیتے تھے۔ (۲) دوسرا جواب حضرت خباب رضی اللہ عنہ سے منقول ہے، وہ فرماتے ہیں کہ ہمیں رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی ڈاڑھی مبارک کے حرکت کرنے کی وجہ سے اندازہ ہوتا تھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم تلاوت فرما رہے ہیں۔

بعض اہل علم نے زیر مطالعہ حدیث کو سابقہ حدیث کے معارض قرار دیا ہے، کیونکہ پہلی حدیث میں ظہر کی پہلی رکعت میں طویل قیام کا ذکر ہے جبکہ اس حدیث میں دونوں رکعات میں برابر قیام کا ذکر ہے۔ راقم کے نزدیک یہ کوئی تعارض نہیں، پہلی حدیث اس حدیث کی تفسیر ہے اور خود حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے بھی اس کی تفسیر منقول ہے، وہ فرماتے ہیں کہ ظہر کی نماز شروع ہونے کے بعد اگر کوئی شخص بقیع کی طرف قضائے حاجت کیلئے رخ کرتا تو جب قضائے حاجت کر کے واپس آتا تو پہلی رکعت طویل ہونے کی وجہ سے جاری ہوتی۔ اس حدیث سے یہ واضح ہوا کہ زیر مطالعہ حدیث میں حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ کے بیان سے یہ اندازہ لگانا درست نہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا پہلی دو رکعات میں قیام برابر تھا، البتہ اس حدیث سے یہ ضرور واضح ہوتا ہے کہ ظہر کی دوسری دو رکعات میں بھی سورۃ فاتحہ کے ساتھ کوئی دوسری سورۃ ملائی جاسکتی ہے۔

فقہی احکام: (۱) ظہر کی دوسری دو رکعات میں بھی سورۃ فاتحہ کے ساتھ کوئی دوسری سورۃ ملا کر پڑھی جاسکتی ہے۔

(۲) حدیث کی تفسیر حدیث سے کی جاسکتی ہے۔ (۳) رہنما کی حرکات وسکنات کو نوٹ کرنا جائز ہے۔

۲۸۶: وَعَنْ سُلَيْمَانَ بْنِ يَسَارٍ رضی اللہ عنہ قَالَ كَانَ فُلَانٌ يُطِيلُ الْأُولَيَيْنِ مِنَ الظُّهْرِ ,وَيُخَفِّفُ الْعَصْرَ ,وَيَقْرَأُ فِي الْمَغْرِبِ بِقِصَارِ الْمُفَصَّلِ وَفِي الْعِشَاءِ بِوَسَطِهِ وَفِي الصُّبْحِ بِطُولِهِ فَقَالَ أَبُو هُرَيْرَةَ ،مَا صَلَّيْتُ وَرَاءَ أَحَدٍ أَشْبَهَ صَلَاةً بِرَسُولِ اللَّهِ صلی اللہ علیہ وسلم مِنْ هَذَا . أَخْرَجَهُ النَّسَائِيُّ بِإِسْنَادٍ صَحِيحٍ .

النسائی، کتاب الافتتاح، باب تخفیف القیام و القرأۃ: ۲ /۱۶۷، ۲/ ۱۷۰ (۹۸۳)، ابن ماجۃ: ۸۲۷، ابن خزیمۃ: ۱ /۲۶۱، البخاری: ۷۶۵، مسلم: ۴۶۳، الترمذی: ۳۰۷، البیہقی: ۳۸۸/۲، ۳۸۹، ابوداود: ۸۱۷

تنبیہ: مؤلف رحمۃ اللہ علیہ نے روایت نقل کرتے وقت نسائی کے الفاظ میں تقدیم وتاخیر کی ہے۔

۲۸۶: حضرت سلمان بن یسار رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ فلاں شخص ظہر کی پہلی دو رکعات لمبی کرتے تھے اور عصر کی مختصر کرتے تھے، مغرب کی نماز میں قصار مفصل تلاوت فرماتے تھے اور عشاء کی نماز میں اوساط مفصل اور فجر میں لمبی سورتیں پڑھتے تھے، حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں، میں نے کسی کی اقتداء میں اس شخص کی نماز سے زیادہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز سے ملتی جلتی نماز نہیں پڑھی۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

نسائی نے یہ روایت صحیح سند سے نقل کی ہے۔

لغوی تحقیق: فلاں: بطور کنایہ، مرد کے نام کی جگہ استعمال ہوتا ہے۔ اس سے مراد حضرت عمرو بن سلمہ رضی اللہ عنہ ہیں، وہ اس وقت مدینہ کے حاکم تھے۔ **قصار المفصل:** قاف مکسور، چھوٹی چھوٹی سورتیں۔ مفصل سورتوں کا آغاز کہاں سے ہوتا ہے۔ اس میں کافی اختلاف پایا جاتا ہے۔ لیکن اس پر سب کا اتفاق ہے کہ ان کی انتہاء سورۃ الناس پر ہوتی ہے

تشریح: اس حدیث میں مفصل سورتوں کی تینوں اقسام کا تذکرہ ہے (۱) **طوال المفصل**، ان کے آغاز اور انتہا کے بارے میں مختلف اقوال ہیں۔ معروف یہ ہے کہ ان کا آغاز سورۃ الحجرات سے ہوتا ہے، آپ ﷺ نماز فجر میں عموماً یہی سورتیں تلاوت فرمایا کرتے تھے۔ (۲) **اوساط المفصل**، ان کا آغاز مشہور قول کے مطابق سورۃ بروج سے ہوتا ہے، آپ ﷺ یہ سورتیں عموماً مغرب کی نماز میں تلاوت فرمایا کرتے تھے۔ (۳) **قصار المفصل**، معروف قول کے مطابق ان کا آغاز سورۃ بینہ سے ہوتا ہے، آپ ﷺ ان کی تلاوت عموماً عشا کی نماز میں فرمایا کرتے تھے۔

اس حدیث میں آپ ﷺ کی عمومی قرأت کی طرف اشارہ ہے جبکہ آپ ﷺ سے مغرب کی نماز کی دونوں رکعات میں سورۃ الاعراف، ایک رکعت میں سورۃ طور پڑھنا بھی مذکور ہے، عشا کی نماز میں سورۃ شمس وغیرہ پڑھنا بھی ثابت ہے، صبح کی نماز میں سورۃ ق اور سورۃ تکویر پڑھنا بھی ثابت ہے

فقہی احکام: (۱) نماز فجر میں قرأت لمبی ہونی چاہیے۔ (۲) نماز مغرب میں نماز عشا کے مقابلہ زیادہ لمبی سورتیں پڑھنی چاہیں۔ (۳) فجر، مغرب اور عشاء تینوں نمازوں میں قرأت جہری کی جاتی ہے۔

۲۸۷: وَعَنْ جُبَيْرِ بْنِ مُطْعِمٍ رضی اللہ عنہ قَالَ سَمِعْتُ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ يَقْرَأُ فِي الْمَغْرِبِ بِالطُّورِ. مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ.

البخاری، کتاب الآذان، باب الجهر فی المغرب: ۷۶۵، مسلم: ۴۶۳، ابوداود: ۸۱۱، النسائی: ۱۶۹/۲

۲۸۷: حضرت جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے آپ ﷺ سے مغرب کی نماز میں سورۃ طور کی تلاوت سنی۔ (بخاری ومسلم)

۲۸۸: وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضی اللہ عنہ قَالَ كَانَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ يَقْرَأُ فِي صَلَاةِ الْفَجْرِ يَوْمَ الْجُمُعَةِ ﴿الم تَنْزِيلُ﴾ السَّجْدَةَ، و ﴿هَلْ أَتَى عَلَى الْإِنْسَانِ﴾ مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ.

البخاری، کتاب الجمعة، باب ما يقرأ فی صلاة الفجر يوم الجمعة: ۸۹۱، مسلم: ۸۸۰، النسائی: ۱۵۹/۲، ابن ماجة: ۸۲۳، البيهقی: ۲۰۱/۲، مسند احمد: ۹۵۶۲، المعجم الاوسط: ۳۰۰۳، ۶۶۸۹، ۸۵۰۹، ابن حبان: ۱۸۲۰، الطبرانی: ۱۰۰۸۵، ۱۰۱۱۶

۲۸۸: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ جمعہ کے روز فجر کی نماز میں سورۃ سجدہ اور سورۃ دھر تلاوت فرمایا کرتے تھے۔ بخاری ومسلم

تشریح: اس حدیث سے واضح ہوا کہ آپ ﷺ جمعہ کے روز فجر کی نماز کی پہلی رکعت میں سورۃ سجدہ کی تلاوت فرماتے تھے۔ اور آیت سجدہ تلاوت فرمانے پر پہلی رکعت کے دوران ہی سجدہ تلاوت فرماتے تھے اور دوسری رکعت میں سورۃ دھر تلاوت فرماتے تھے۔ یہ آپ ﷺ کا معمول تھا جیسا کہ طبرانی کی حدیث سے عیاں ہوتا ہے۔ انہیں الفاظ کے ساتھ یہ روایت حضرت عبداللہ بن مسعود، حضرت علی بن ابی طالب اور حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہم سے بھی منقول ہے۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

فقہی احکام: (۱) جمعہ کے روز نماز فجر میں سورۃ سجدۃ اور سورۃ دھر کی مکمل تلاوت مسنون ہے۔(۲) اگر دوران نماز آیت سجدہ تلاوت کی جائے تو دوران رکعت ہی سجدہ کرنا مسنون ہے۔(۳) مذکورہ سورتوں کی تلاوت مسنون ہے اور دیگر سورتیں پڑھنے سے بھی نماز ہو جائے گی۔(۴) نصف سورتوں کی تلاوت کو مسنون خیال کرنا بدعت ہے۔

۲۸۹: وَلِلطَّبَرَانِيِّ مِنْ حَدِيثِ ابْنِ مَسْعُودٍ يُدِيمُ ذَالِكَ .

ابن ماجة، ابواب اقامة الصلوات و السنة فيها، باب القرأة فی صلاة الفجر يوم الجمعة: ۸۲۴، المعجم الاوسط: ۶۶۵۵، المعجم الصغير: ۱۷۸/۲، فتح الباری: ۳۷۸/۲

۲۸۹: طبرانی میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ آپ ﷺ جمعہ کے روز فجر کی نماز میں سورۃ سجدہ اور سورۃ دھر ہمیشہ تلاوت فرمایا کرتے تھے۔

لغوی تحقیق: **يديم:** ہمیشگی فرمایا کرتے تھے۔

تشریح: صاحب **مجمع البحرين** نے یہ روایت **المعجم الصغير** اور **المعجم الاوسط** کے حوالے سے، امام طبرانی کے شیخ محمد بن بشر بن یوسف کے طریق سے نقل کی ہے، امام طبرانی نے **المعجم الاوسط** میں محمد بن بشر کے طریق سے فقط دو احادیث نقل کی ہیں، ان میں سے ایک حدیث اول تا آخر اس سند سے ہے جو سند صاحب **مجمع البحرين** نے **اوسط** اور **صغير** کے حوالے سے درج کی ہے، لیکن اس سند کے ساتھ **المعجم الاوسط** میں اس روایت کے آخر میں؛ **يديم ذالک**؛ کے الفاظ نہیں ہیں۔

امام ابن ماجہ نے ابو الاحوص ہی کے طریق سے یہ روایت نقل کی ہے، اس کے آخر میں بھی؛ **يديم ذالک**؛ کے الفاظ نہیں ہیں، امام طبرانی نے یہی روایت حضرت عبداللہ بن عباس اور حضرت علی رضی اللہ عنہما کے طریق سے نقل کی ہے، اس کے آخر میں بھی مذکورہ الفاظ نہیں ہیں، البتہ **المعجم الصغير** میں یہ الفاظ موجود ہیں مگر یہ روایت ضعیف ہے۔

۲۹۰: وَعَنْ حُذَيْفَةَ رضی اللہ عنہ قَالَ صَلَّيْتُ مَعَ النَّبِيِّ ﷺ فَمَا مَرَّتْ بِهِ آيَةُ رَحْمَةٍ إِلَّا وَقَفَ عِنْدَهَا يَسْأَلُ, وَلَا آيَةُ عَذَابٍ إِلَّا تَعَوَّذَ مِنْهَا . أَخْرَجَهُ الْخَمْسَةُ, وَحَسَّنَهُ التِّرْمِذِيُّ .

مسلم، كتاب صلاة المسافرين و قصرها، باب استحباب تطويل القرأة: ۷۷۲، ابوداؤد ۸۷۱، ۸۷۳، الترمذی: ۲۶۲، النسائی: ۱۷۶/۲، مسند احمد: ۳۸۲/۵، ۳۸۴، ۳۸۹، ۲۹۴، ابن ماجة: ۱۳۵۱، البیهقی: ۳۰۹/۲، ابن حبان: ۲۶۰۴، ۲۶۰۵

تنبیہ: (۱) یہ روایت مسلم میں بھی ہے لیکن مؤلف رحمہ اللہ نے اسے مسلم کی طرف منسوب نہیں کیا۔(۲) مؤلف رحمہ اللہ نے یہ روایت بالمعنی درج کی ہے۔

۲۹۰: حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے نبی کریم ﷺ کی معیت میں نماز پڑھی (اس دوران) رحمت کی کوئی آیت ایسی نہیں گزری جس پر رک کر آپ ﷺ نے رحمت الٰہی کا مطالبہ نہ کیا ہو، اور نہ آیت عذاب گزری جس پر رک کر آپ ﷺ نے پناہ کا مطالبہ نہ کیا ہو۔ اسے پانچوں نے روایت کیا ہے اور ترمذی نے حسن کہا ہے۔

تشریح: مسلم، نسائی، ابن ماجہ اور مسند احمد میں یہ صراحت ہے کہ وہ نماز رات کی تھی، یعنی تہجد کی نماز تھی۔ صحیح مسلم میں یہ بھی صراحت ہے کہ آپ ﷺ نے ایک ہی رکعت میں سورۃ بقرۃ، سورۃ نساء اور سورۃ آل عمران کی تلاوت ترتیل سے فرمائی تھی اور آپ ﷺ کا رکوع اور سجود قیام کے برابر تھے۔ حضرت عوف بن مالک رضی اللہ عنہ سے بھی اسی طرح منقول ہے اور اس میں رکوع کی تسبیحات بھی مذکور ہیں۔

فقہی احکام: (۱) تہجد کی نماز میں تلاوت زیادہ سے زیادہ کرنا مسنون ہے۔(۲) حالت قیام میں دوران قرأت رحمت کے حصول اور

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

عذاب سے پناہ کی دعا کی جاسکتی ہے۔(۳) نماز میں تلاوت کرتے وقت اگر سورتوں کو بغیر ترتیب کے پڑھا جائے تو بھی نماز ہو جائے گی۔

۲۹۱: وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رضی اللہ عنہما قَالَ، قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم "أَلَا وَإِنِّي نُهِيتُ أَنْ أَقْرَأَ الْقُرْآنَ رَاكِعًا أَوْ سَاجِدًا, فَأَمَّا الرُّكُوعُ فَعَظِّمُوا فِيهِ الرَّبَّ ,وَأَمَّا السُّجُودُ فَاجْتَهِدُوا فِي الدُّعَاءِ ,فَقَمِنٌ أَنْ يُسْتَجَابَ لَكُمْ " رَوَاهُ مُسْلِمٌ .

مسلم، کتاب الصلاۃ، باب النهى عن قرأة القران فى الركوع و السجود: ۴۷۹، ابوداود: ۸۷۶، النسائى: ۱۸۹/۲ ،(۱۰۴۶)، البيهقى: ۸۷/۲، احمد: ۲۱۹/۱

۲۹۱: حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:"خوب غور سے سُن لو! مجھے رکوع اور سجود میں قرآن پڑھنے سے منع کیا گیا ہے، لہٰذا رکوع میں اپنے رب کی عظمت بیان کرو اور سجود میں خوب دعائیں کرو، یہ حالت اس لائق ہے کہ تمہاری دعائیں قبول کی جائیں۔"(مسلم)

لغوی تحقیق: عظموہ: عین مفتوح، ظاء مشدد مکسور، اس کی عظمت بیان کرو۔ اجتھدوا: خوب من پسند دعائیں کرو۔ قمن: قاف مفتوح، میم مکسور، اس لائق ہے۔

تشریح: یہ حدیث اس حقیقت کی عکاس ہے کہ عبادت ایک تعبدی حکم ہے، اس میں عقل کا کوئی دخل نہیں، قیام میں قرأت اور استفتاح ہے، رکوع و سجود میں تسبیحات اور دعائیں ہیں، تشہد میں درود و سلام، دعائیں اور تعوذ ہے۔ قرأت کی عظمت و فضیلت اپنی جگہ مسلم ہے، لیکن اگر کوئی شخص اس کی عظمت کے پیش نظر تمام ارکان میں قرأت ہی کرتا رہے یا قیام اور رکوع و سجود میں درود و سلام پڑھتا رہے، یقیناً ایسے شخص کی نماز نہیں ہوگی۔ کیونکہ اس نے اسوۂ رسول سے بے رغبتی کا مظاہرہ کیا ہے، اسی طرح کھانے کا آغاز بسم اللہ سے کرنا مسنون ہے، اگر کوئی شخص کھانے کا آغاز تلاوت سے کرتا ہے تو یقیناً سنت سے بے رغبتی کا اظہار کرتا ہے۔

رکوع میں باری تعالیٰ کی عظمت بیان کرنی چاہیے جبکہ حالت سجدہ میں کوئی بھی جائز دعا کرنے کی اجازت ہے، سجدہ دعاؤں کی قبولیت کا نہایت مناسب مقام ہے۔ اس مفہوم کی احادیث حضرت علی اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہما سے بھی منقول ہے۔

فقہی احکام: (۱) مسلمان تعلیمات مصطفوی کو قبول کرنے کا پابند ہے۔(۲) رکوع و سجود میں قرأت ممنوع ہے۔ (۳) سجدہ میں من پسند جائز دعائیں کی جاسکتی ہیں۔

۲۹۲: وَعَنْ عَائِشَةَ رضی اللہ عنہا قَالَتْ كَانَ رَسُولُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم يَقُولُ فِي رُكُوعِهِ سُجُودِهِ "سُبْحَانَكَ اللّٰهُمَّ رَبَّنَا وَبِحَمْدِكَ , اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لِي " مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ .

البخارى، كتاب الآذان، باب التسبيح و الدعاء فى السجود: ۸۱۷، مسلم: ۴۸۴، ابوداود: ۸۷۷، النسائى: ۲۱۹/۲،(۱۰۴۹)، ابن ماجة: ۸۸۹، احمد: ۴۳/۶، البيهقى: ۸۶/۲

تنبیہ: بلوغ المرام کے دستیاب مخطوطوں میں لفظ؛ ربنا؛ نہیں ہے، جبکہ بخاری و مسلم میں ہے۔

۲۹۲: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتیں ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رکوع و سجود میں یہ دعا پڑھا کرتے تھے۔"اے اللہ! تو اپنی حمد و ثنا کے ساتھ پاک ہے، اے اللہ! مجھے بخش دے۔"(بخاری و مسلم)

لغوی تحقیق: وبحمدک: واؤ عاطفہ بھی ہو سکتی ہے اور حالیہ بھی اس کے بعد فعل محذوف ہے یعنی تیری حمد نہایت توجہ سے بیان کرتا ہوں

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

تشریح: رحمت عالم ﷺ نے رکوع وسجود میں متعدد دعائیں کرنے کی نظری اور عملی تعلیم فرمائی ہے، ان میں سے کوئی ایک دعا بھی بار بار پڑھی جاسکتی ہے اور کئی ایک دعائیں بھی پڑھی جاسکتی ہیں۔ان دعاؤں میں سے ایک دعا زیر مطالعہ حدیث میں مذکور ہے، یہ دعا اگر چہ مختصر ہے مگر نہایت جامع ہے، کیونکہ اس میں رب تعالیٰ کی حمد وثنا بھی ہے اور اپنے لئے بخشش کا سامان بھی۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ایک دوسری حدیث میں ہے کہ آپ ﷺ رکوع اور سجود میں یہ دعا پڑھا کرتے تھے: سبوح قدوس رب الملائکۃ و الروح ؛ اگر لمبی دعائیں نہ آتی ہوں تو پھر رکوع میں: سبحان ربی العظیم ؛ اور سجدہ میں: سبحان ربی الاعلیٰ ؛ کم از کم تین بار پڑھ لیا جائے۔

فقہی احکام: رکوع اور سجود مین ایک دعا بھی پڑھی جاسکتی ہے۔

۲۹۳: وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضی اللہ عنہ قَالَ كَانَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ إِذَا قَامَ إِلَى الصَّلَاةِ يُكَبِّرُ حِينَ يَقُومُ ,ثُمَّ يُكَبِّرُ حِينَ يَرْكَعُ ,ثُمَّ يَقُولُ "سَمِعَ اللَّهُ لِمَنْ حَمِدَهُ" حِينَ يَرْفَعُ صُلْبَهُ مِنَ الرُّكُوعِ ,ثُمَّ يَقُولُ وَهُوَ قَائِمٌ "رَبَّنَا وَلَكَ الْحَمْدُ" ثُمَّ يُكَبِّرُ حِينَ يَهْوِي سَاجِدًا ,ثُمَّ يُكَبِّرُ حِينَ يَرْفَعُ رَأْسَهُ ,ثُمَّ يُكَبِّرُ حِينَ يَسْجُدُ ثُمَّ يُكَبِّرُ حِينَ يَرْفَعُ ,ثُمَّ يَفْعَلُ ذَلِكَ فِي الصَّلَاةِ كُلِّهَا ,وَيُكَبِّرُ حِينَ يَقُومُ مِنَ اثْنَتَيْنِ بَعْدَ الْجُلُوسِ . مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ .

البخاری، کتاب الآذان، باب التکبیر اذا قام من السجود: ۷۸۹، مسلم: ۲۸ /۳۹۲، ابوداود: ۷۳۸، النسائی: ۲/ ۲۳۵، البیھقی: ۲/ ۹۳، ابن حبان: ۱۷۶۷

۲۹۳: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ جب نماز کیلئے کھڑے ہوتے تو اللہ اکبر کہتے، پھر رکوع کرتے وقت اللہ اکبر کہتے، جب رکوع کے بعد سیدھے کھڑے ہوجاتے تو "سمع اللہ لمن حمدہ" کہتے پھر اسی حالت میں کھڑے "ربنا ولک الحمد" کہتے، پھر جب سجدہ کیلئے جھکتے تو اللہ اکبر کہتے، اور سجدہ سے سر اٹھاتے وقت اللہ اکبر کہتے، پھر تکمیل نماز تک اسی طرح کرتے، اور جب دوسری رکعت میں بیٹھنے کے بعد اُٹھتے تو اللہ اکبر کہتے۔ (بخاری ومسلم)

تشریح: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے یہ حدیث متعدد طرق سے منقول ہے۔زیر مطالعہ طریق میں؛ ربنا و لک الحمد ؛ ہے جبکہ دوسرے طریق میں؛ ربنا لک الحمد ؛ ہے یعنی اس میں واؤ نہیں ہے، یہ واؤ عاطفہ بھی ہوسکتی ہے اور حالیہ بھی، عاطفہ ہونے کی صورت میں اس کا مفہوم اس طرح ہوگا کہ اے ہمارے رب! ہم تیری اطاعت کرتے ہیں اور تیری حمد وستائش بیان کرتے ہیں۔

(۱) اس حدیث سے یہ واضح ہوا کہ رکوع سے اٹھتے وقت تسمیع ہے اور باقی تمام مقامات پر تکبیر ہے۔ (۲) پہلی تکبیر کو تحریمہ کہتے ہیں اور دیگر تکبیرات کو تکبیرات انتقال کہتے ہیں۔ (۳) نماز کی ایک رکعت میں پانچ تکبیرات ہیں، جبکہ نماز پنجگانہ کے فرائض میں کل چورانویں ؛۹۴؛ تکبیرات ہیں۔

فقہی احکام: (۱) تکبیر تحریمہ مکمل طور پر قبلہ رخ کھڑے ہونے کے بعد کہی جائے۔ (۲) رکوع کی تکبیر رکوع جاتے وقت کہی جائے، سمع اللہ لمن حمدہ، سیدھا کھڑے ہونے کے بعد کہا جائے۔ (۳) سجدہ اولیٰ کی تکبیر سجدہ کیلئے جھکنے کے بعد کہی جائے۔ (۴) سجدہ سے اٹھنے کی تکبیر سر اٹھاتے ہی کہی جائے۔ (۵) تشہد کے بعد والی تکبیر سیدھا کھڑے ہونے کے بعد کہی جائے۔ (۶) امام اور مقتدی دونوں کو سمع اللہ لمن حمدہ اور دونوں کو ربنا ولک الحمد کہنا چاہیے۔ (۷) امام تمام تکبیرات بلند آواز سے کہے گا۔

۲۹۴: وَعَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ رضی اللہ عنہ قَالَ كَانَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ إِذَا رَفَعَ رَأْسَهُ مِنَ الرُّكُوعِ قَالَ " اَللَّهُمَّ رَبَّنَا لَكَ

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

اَلْحَمْدُ مِلْءَ اَلسَّمٰوَاتِ وَمِلْءَ اَلْأَرْضِ ,وَمِلْءَ مَا شِئْتَ مِنْ شَيْءٍ بَعْدُ ,أَهْلَ اَلثَّنَاءِ وَالْمَجْدِ ,أَحَقُّ مَا قَالَ اَلْعَبْدُ وَكُلُّنَا لَكَ عَبْدٌ اَللّٰهُمَّ لَا مَانِعَ لِمَا أَعْطَيْتَ ,وَلَا مُعْطِيَ لِمَا مَنَعْتَ ,وَلَا يَنْفَعُ ذَا اَلْجَدِّ مِنْكَ اَلْجَدُّ " رَوَاهُ مُسْلِمٌ .

مسلم، كتاب الصلاة، باب ما يقول اذا ارفع رأسه من الركوع: ۴۷۶، ابوداود: ۸۴۸، ابن خزيمة: ۱/ ۳۱۰، البخاري: ۷۹۶، البيهقي: ۲/ ۹۴، النسائي: ۲/ ۱۹۸

۲۹۴: حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب رکوع سے سر اُٹھا لیتے تھے تو فرماتے: "اے ہمارے آقا و پروردگار! ہمہ قسم کی حمد وستائش تیرے لائق ہے، اتنی تعریف کہ جس سے زمین و آسمان پُر ہو جائیں، اس کے بعد ہر وہ چیز پُر ہو جائے جو تو چاہے، اے حمد وستائش کے مالک! جو کچھ بندے نے کہا تو ہی اس کا سب سے بڑھ کر حق دار ہے، ہم سب تیرے ہی بندے ہیں، اے اللہ! جو کچھ تو عطا کرے اس میں کوئی رکاوٹ ڈالنے والا نہیں اور جسے منع کر دے اسے کوئی دینے والا نہیں، کسی صاحب شرف کو اس کا صاحب شرف ہونا تیرے مقابلے میں کچھ مفید نہیں۔ (مسلم)

لغوی تحقیق: **مـلء:** میم مکسور اور لام ساکن اور ہمزہ منصوب اور اسے مرفوع پڑھنا بھی درست ہے لیکن منصوب پڑھنا بلیغ اور راجح ہے، منصوب ہونے کی صورت میں یہ مصدر ہوگا اور اس کے معنی خوب اچھی طرح بھرنے کے ہونگے، مرفوع ہونے کی صورت میں یہ مبتدا محذوف کی خبر ہوگا۔ **بـعـد:** ظرف ہے، ظروف مضاف واقع ہوتی ہیں، لیکن جب ان کا مضاف بظاہر محذوف مگر ذہن میں محفوظ ہو تو اس وقت یہ مبنی برضمہ ہوتی ہے، اسی بنا پر دال مضموم ہے یعنی زمین و آسمان کے بھرائی کے برابر حمد وثنا کے بعد۔ **ثـنـاء:** زبان سے کسی کی تعریف کرنا۔ **المجد:** بزرگی۔ **الجد:** بزرگی۔

تشریح: رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم رکوع کے بعد سیدھے کھڑے ہو کر کوئی نہ کوئی دعا ضرور پڑھتے تھے، اس سلسلہ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے جو دعائیں منقول ہیں ان میں سے ایک وہ ہے جو زیر مطالعہ حدیث میں مذکور ہے، حضرت علی اور حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے بھی اسی طرح کی احادیث منقول ہیں، جبکہ رفاعہ بن رافع سے مروی حدیث میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اقتداء میں نماز پڑھنے والے ایک صحابی نے قومہ کی حالت میں یہ الفاظ پڑھے: **ربنا لک الحمد حمداً کثیراً طیباً مبارکاً فیه**؛ رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز سے فارغ ہو کر دریافت فرمایا کہ یہ کلمات کس شخص نے کہے ہیں؟ اس صحابی نے عرض کیا، یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! میں نے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "میں نے تیس سے زیادہ فرشتوں کو دیکھا، وہ ان کلمات کو لکھنے میں ایک دوسرے سے مسابقت کر رہے تھے۔"

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "جب امام؛ **سمع الله لمن حمده**؛ کہے تو تم؛ **ربنا لک الحمد حمداً کثیراً طیبا مبارکا فیه**؛ کہو، جس کے یہ کلمات فرشتوں کے انہیں کلمات کے ساتھ موافق آ گئے، اس کے تمام گناہ معاف کر دیئے گئے۔ یہ تمام احادیث اس حقیقت کی عکاس ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کو تمام نمازوں میں یہ کلمات پڑھنے کی تعلیم دی تھی اور جن حضرات کا یہ خیال ہے کہ یہ الفاظ نفلی نمازوں کیلئے مختص ہیں، ان کا قول بلا دلیل اور باطل ہے اور ان کا یہ مؤقف بھی باطل ہے کہ رکوع کے بعد فقط سیدھے کھڑے ہو جانا ہی کافی ہے۔

فقہی احکام: (۱) درج بالا دعا رکوع کے بعد پڑھنا مسنون ہے۔ (۲) ان کلمات کو فرشتوں کی ایک بڑی تعداد تحریر کرتی ہے۔ (۳) ان کلمات کے کہنے سے سابقہ تمام گناہ معاف کر دیئے جاتے ہیں۔ (۴) دنیاوی جاہ وجلال اور حسب ونسب عمل صالح کے بغیر بے قدر و قیمت

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ہیں۔(۵) ہمہ قسم کی حمد وستائش اللہ ہی کیلئے سزاوار ہے۔(۶) داتا اور مشکل کشا اللہ تعالیٰ ہی ہے۔

۲۹۵: وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رضی اللہ عنہما قَالَ، قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم "أُمِرْتُ أَنْ أَسْجُدَ عَلَى سَبْعَةِ أَعْظُمٍ عَلَى الْجَبْهَةِ وَأَشَارَ بِيَدِهِ إِلَى أَنْفِهِ وَالْيَدَيْنِ ,وَالرُّكْبَتَيْنِ ,وَأَطْرَافِ الْقَدَمَيْنِ" مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ .

البخاری، کتاب الآذان، باب السجود علی الانف: ۸۱۲، مسلم: ۴۹۰ ، ۴۹۱، النسائی: ۲ /۲۰۸، ابوداود: ۸۸۹ ، ۸۹۰، ابن ماجة: ۱۰۴۰، احمد: ۱/ ۲۷۰، ابن خزیمة: ۱/ ۳۲۰، ابوعوانة: ۲/ ۱۸۲، الدارمی: ۱/ ۳۰۲، الطبرانی: ۱۰۸۵۵ ۔ ۱۰۸۶۸، الدارقطنی: ۱/ ۳۴۸

۲۹۵: حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:" مجھے سات ہڈیوں (اعضاء) پر سجدہ کرنے کا حکم دیا گیا ہے، پیشانی پر، آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے دست مبارک سے اپنی ناک، دونوں ہاتھ، دونوں گھٹنوں اور پاؤں کی انگلیوں کی طرف اشارہ فرمایا۔" (بخاری و مسلم)

لغوی تحقیق: **سبعة**: سات۔ **اعظم**: ہمزہ مفتوح، عین ساکن اور ظاء مضموم، عظم کی جمع ہے یعنی ہڈیاں۔ **الجبهة**: جیم مفتوح، باء ساکن، پیشانی۔ **اليدين**: ہتھیلیاں۔ **اطراف**: انگلیاں۔

تشریح: زیر مطالعہ حدیث میں ہیئت سجدہ کو جزوی طور پر بیان کیا گیا ہے یعنی فقط اعضاء کا تذکرہ ہے جن کا زمین پر لگنا ضروری ہے، ان اعضاء کی کل تعداد سات ہے یعنی دونوں ہاتھ کی ہتھیلیاں، دونوں گھٹنے، دونوں پاؤں کی انگلیاں، پیشانی اور ناک۔

اس حدیث سے یہ واضح ہوا کہ جو شخص مذکورہ اعضا میں سے کوئی ایک عضو بھی زمین پر نہیں رکھتا، اس کی نماز نہیں ہوتی، نیز اس حدیث سے یہ واضح ہوا کہ پیشانی اور ناک اگرچہ بظاہر دو اعضا ہیں لیکن ہیئت سجدہ میں رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں ایک ہی شمار کیا ہے، لہٰذا ان دونوں کو ایک ساتھ زمین پر رکھنا ضروری ہے، رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہیئت سجدہ کی یہ تعلیم فقط نظری طور پر ہی نہیں فرمائی بلکہ صحابہ کو اپنی نماز کا مشاہدہ بھی کرایا۔ ناک اور پیشانی کو ایک ساتھ زمین پر رکھنے کے بارے میں حضرت عبداللہ بن عباس، حضرت عائشہ اور حضرت عباس بن سہل رضی اللہ عنہم سے متعدد طرق سے احادیث مروی ہیں، ان میں سے بعض پر اگرچہ کلام بھی ہے تاہم بعض طرق صحیح بھی ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ امام مالک، امام شافعی، امام احمد بن حنبل، امام محمد اور قاضی ابو یوسف نے اسی کو اختیار کیا ہے۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی حدیث میں ناک اور پیشانی کو زمین پر رکھنے کا ذکر ہے۔

فقہی احکام: حالت سجدہ میں سات اعضا کو زمین پر رکھنا لازم ہے۔

۲۹۶: وَعَنِ ابْنِ بُحَيْنَةَ رضی اللہ عنہ أَنَّ النَّبِيَّ صلی اللہ علیہ وسلم كَانَ إِذَا صَلَّى فَرَّجَ بَيْنَ يَدَيْهِ ,حَتَّى يَبْدُوَ بَيَاضُ إِبْطَيْهِ . مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ .

البخاری، کتاب الآذان، باب یبدی ضبعیه و یجافی فی السجود: ۸۰۷، مسلم: ۴۹۵، النسائی: ۲/ ۲۱۲، مسند احمد: ۵/ ۳۴۵، ابن خزیمة: ۱/ ۳۲۶، البیهقی: ۲/ ۱۱۴

۲۹۶: حضرت عبداللہ بن بُحینة رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب نماز پڑھتے تو سجدہ کرتے وقت اپنے دونوں ہاتھوں کو پہلوؤں سے اس قدر دور رکھتے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بغلوں کی سفیدی نظر آتی۔ (بخاری و مسلم)

لغوی تحقیق: **فرج**: باب تفعیل سے فعل ماضی ہے یعنی ہاتھوں اور پہلوؤں کے درمیان فاصلہ رکھتے تھے۔ **بیاض**: سفیدی۔ **ابطیه**: ہمزہ مکسور، ابط کا تثنیہ ہے، نون اضافت کی وجہ سے ساقط ہے، بغلیں۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

تشریح: زیر مطالعہ حدیث میں حالت سجدہ میں کلائیوں اور کہنیوں کی ہیئت بیان کی گئی ہے یعنی انہیں پہلوؤں سے اتنا دور رکھنا ہے کہ بغلیں مکمل طور کھلی رہیں۔اس روایت میں یہ بھی صراحت ہے کہ رحمت عالم ﷺ کی بغلیں عام انسانوں کی طرح سیاہ یا سیاہی مائل نہ تھیں بلکہ سفید تھیں۔ایک حدیث میں ہے کہ پیچھے صف میں کھڑے ہونے والوں کو آپ ﷺ کی بغلوں کی سفیدی نظر آتی تھی۔

فقہی احکام: حالت سجدہ میں ہاتھوں کو پہلوؤں سے دور رکھنا چاہیے۔

۲۹۷:وَعَنِ الْبَرَاءِ بْنِ عَازِبٍ رضی اللہ عنہ قَالَ،قَالَ رَسُولُ اللّٰہِ ﷺ" إِذَا سَجَدْتَّ فَضَعْ كَفَّيْكَ وَارْفَعْ مِرْفَقَيْكَ"رَوَاهُ مُسْلِمٌ

مسلم،كتاب الصلاة، باب الاعتدال فى السجود ووضع الكفين على الارض و رفع المرفقين عن الجنبين: ۴۹۴، ابن خزيمة : ۳۲۹/۱ ، مسند احمد: ۲۸۳/۴، البيهقي: ۱۱۳/۲

۲۹۷: حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:"جب تم سجدہ کرو تو ہتھیلیوں کو زمین پر رکھو اور کہنیوں کو اُٹھا کر رکھو۔"اسے مسلم نے بیان کیا ہے۔

لغوی تحقیق: مرفقیک: میم مکسور، راء ساکن اور فاء مفتوح، مرفق کا تثنیہ ہے، نون اضافت کی وجہ سے ساقط ہے۔

تشریح: زیر مطالعہ حدیث میں حالت سجدہ میں ہتھیلیوں اور کہنیوں کی ہیئت کا ذکر ہے یعنی ہتھیلیوں کو زمین پر رکھنا جبکہ کہنیوں کو زمین سے اٹھا کر رکھنا ہے۔ایک روایت میں ہے کہ کہنیوں کو رانوں سے دور رکھنا ہے۔ایک حدیث میں ہے کہ آپ ﷺ اتنا دور رکھتے کہ اگر بکری کا بچہ آپ ﷺ کے ہاتھوں کے درمیان سے گزرنا چاہتا تو آسانی سے گزر سکتا تھا۔

۲۹۸:وَعَنْ وَائِلِ بْنِ حُجْرٍ رضی اللہ عنہ أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ كَانَ إِذَا رَكَعَ فَرَّجَ بَيْنَ أَصَابِعِهِ ,وَإِذَا سَجَدَ ضَمَّ أَصَابِعَهُ .رَوَاهُ الْحَاكِمُ

الحاكم: ۲۲۴/۱ ، ۲۲۷، المطالب العالية: ۵۱۸

۲۹۸: حضرت وائل بن حجر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ جب رکوع فرماتے تو (اپنے ہاتھوں کی) انگلیوں کو کھلا رکھتے اور جب سجدہ فرماتے تو انہیں باہم ملا لیتے۔(حاکم)

تشریح: امام حاکم نے اس حدیث کے پہلے جز کو عمرو بن عوف اور دوسرے کو حارث بن عبداللہ کے طریق سے نقل کیا اور دونوں کو مسلم کی شرط کے مطابق قرار دیا ہے اور امام ذہبی نے امام حاکم کی موافقت کی ہے۔یہ دونوں طرق حضرت وائل رضی اللہ عنہ سے منقول ہیں اس لئے یہ حدیث ایک ہی ہے۔اس حدیث میں حالت رکوع و سجود میں ہاتھوں کی انگلیوں کی کیفیت بیان کی گئی ہے یعنی حالت رکوع میں انگلیوں کے درمیان فاصلہ ہونا چاہیے۔اسی طرح کی ایک حدیث حضرت انس رضی اللہ عنہ سے بھی مرفوعاً منقول ہے مگر وہ روایت ضعیف ہے،البتہ حضرت وائل بن حجر رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث جو اس جز سے متعلق ہے وہ صحیح ہے۔

حضرت وائل رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث جس میں حالت سجدہ میں انگلیوں کو باہم ملانے کا ذکر ہے وہ احمد بن علی کی وجہ سے ضعیف ہے ،جبکہ حالت سجدہ میں ہاتھوں کی انگلیوں کی ہیئت کا ذکر راقم کی معلومات کے مطابق کسی دوسری حدیث میں بھی نہیں ہے۔

فقہی احکام: (۱) حالت رکوع میں ہاتھ گھٹنوں کے اوپر رہنے چاہیے۔(۲) ہاتھوں کی انگلیاں کھلی رکھنی چاہیں۔

۲۹۹: وَعَنْ عَائِشَةَ رضی اللہ عنہا قَالَتْ رَأَيْتُ رَسُولَ اللّٰہِ ﷺ يُصَلِّي مُتَرَبِّعًا . رَوَاهُ النَّسَائِيُّ ,وَصَحَّحَهُ ابْنُ خُزَيْمَةَ .

النسائي، كتاب الافتتاح، باب كيف صلاة القاعد: ۱۶۶۱ ، ابن خزيمة، كتاب الصلاة، باب صفة الصلاة جالساً اذا لم يقدر على القيام ، باب التربع فى الصلاة اذا صلى المرء جالساً: ۱۲۳۸ ، الدارقطنى: ۳۹۷/۱، البيهقى: ۳۰۵/۲، مسلم: ۵۰۵/۱،(۷۳۱)،

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

الحاکم: ۱/ ۲۵۸

تنبیہ: مؤلف رحمہ اللہ نے زیر مطالعہ حدیث ابن خزیمہ کے نقل کردہ الفاظ میں درج کی ہے۔

۲۹۹: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو نماز چارزانوں بیٹھ کر پڑھتے ہوئے دیکھا ہے۔ اسے نسائی نے روایت کیا ہے اور ابن خزیمہ نے صحیح کہا ہے۔

لغوی تحقیق: متربعا: باب تفعل سے اسم فاعل کا صیغہ ہے، پاؤں کے باطنی حصہ کو مخالف ران کے نیچے رکھ لینا اور ہاتھوں کی انگلیوں کو کھول کر انہیں گھٹنوں پر رکھ کر بیٹھ جانا۔

تشریح: بیٹھنے کی یہ ہیئت کسی مرض کی بنا پر ہے جیسا کہ ابن خزیمہ اور نسائی کے ترجمۃ الباب سے عیاں ہو رہا ہے، ظاہر ہے کسی عذر کی وجہ سے کسی رکن کے طریقہ ادائیگی میں تخفیف رخصت کے زمرے میں آتی ہے۔ رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم اپنی حیات طیبہ کے آخری سالوں میں کسی بیماری کی وجہ سے ایسا کرنے لگے تھے جیسا کہ محترمہ عائشہ رضی اللہ عنہا ہی سے منقول ہے کہ رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم نماز تہجد کھڑے ہو کر پڑھا کرتے تھے لیکن جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم بوڑھے ہو گئے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم بیٹھ کر تلاوت فرماتے رہتے اور جب رکوع کرنے کے قریب پہنچتے تو کھڑے ہو جاتے پھر کھڑے ہو کر تیس سے چالیس آیات تک تلاوت فرماتے پھر رکوع فرماتے۔ اسی طرح ایک دفعہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم گھوڑے سے گر گئے تھے جس کی وجہ سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا دایاں پہلو زخمی ہو گیا تھا، اس دوران آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہی امامت فرماتے رہے تھے۔

۳۰۰: وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رضی اللہ عنہما أَنَّ النَّبِيَّ صلی اللہ علیہ وسلم كَانَ يَقُولُ بَيْنَ السَّجْدَتَيْنِ "اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لِي, وَارْحَمْنِي, وَاهْدِنِي, وَعَافِنِي, وَارْزُقْنِي" رَوَاهُ الْأَرْبَعَةُ إِلَّا النَّسَائِيُّ, وَاللَّفْظُ لِأَبِي دَاوُدَ, وَصَحَّحَهُ الْحَاكِمُ.

ابوداود، کتاب الصلاۃ، باب الدعاء بین السجدتین: ۸۵۰، الترمذی: ۲۸۴، ابن ماجۃ: ۸۹۸، الحاکم: ۱/ ۳۹۳، عبد الرزاق: ۲/ ۱۸۷، ابن خزیمۃ: ۲۸۴، البیھقی: ۲۸۰۸

تنبیہ: مؤلف رحمہ اللہ کی درج کردہ الفاظ بلا شبہ ابوداؤد کے ہیں، مگر ترتیب ابوداؤد کی نہیں۔

۳۰۰: حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم دوسجدوں کے درمیان یہ دعا پڑھا کرتے تھے: "اے اللہ! میری مغفرت فرما، مجھ پر رحم فرما، مجھے راہ راست پر چلا، مجھے معاف فرما۔" اسے ابوداود، ترمذی اور ابن ماجہ نے روایت کیا ہے، مذکورہ الفاظ ابوداؤد کے روایت کردہ ہیں اور حاکم نے اسے صحیح قرار دیا ہے۔

لغوی تحقیق: وارزقنی: یہ رزق سے ماخوذ ہے، ہر وہ چیز جس سے نفع حاصل کیا جائے، اسے رزق کہتے ہیں۔

تشریح: یہ روایت الفاظ کی کمی بیشی کے ساتھ ابن عباس سے کئی طرق سے مروی ہے اور اسی سے ملتے جلتے الفاظ کے ساتھ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے بھی مروی ہے۔ ابن عباس سے مروی طرق کا مرکزی راوی کامل بن العلاء ہے۔ امام یحییٰ بن معین اور امام یعقوب بن سفیان نے اس کی توثیق کی ہے، جبکہ امام نسائی اور امام ابن حبان نے اس پر کلام کیا ہے۔ امام حاکم نے اس حدیث کو صحیح قرار دیا ہے۔ امام بیہقی نے اس پر مہر تصدیق ثبت کی ہے اور علامہ البانی نے اسے حسن قرار دیا ہے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی روایت حارث الاعور کی وجہ سے ضعیف ہے۔ دوسجدوں کے درمیان دعا پڑھنے سے متعلق ایک حدیث حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے بھی مروی ہے، اس میں؛ رب اغفر لی، رب اغفر لی؛ مذکور ہے۔ ابن خزیمہ میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم دوسجدوں کے درمیان سجدہ کی مقدار کے برابر بیٹھتے تھے اور بار بار؛ رب اغفر لی، رب اغفر لی؛ پڑھتے تھے، یہ حدیث پہلی حدیث سے زیادہ صحیح ہے۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

فقہی احکام: دوسجدوں کے درمیان فقط سیدھے بیٹھنا ہی نہیں بلکہ مذکورہ دعا بھی پڑھنی چاہیے۔

۳۰۱: وَعَنْ مَالِكِ بْنِ الْحُوَيْرِثِ رضی اللہ عنہ أَنَّهُ رَأَى النَّبِيَّ ﷺ يُصَلِّي ,فَإِذَا كَانَ فِي وِتْرٍ مِنْ صَلَاتِهِ لَمْ يَنْهَضْ حَتَّى يَسْتَوِيَ قَاعِدًا. رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ .

البخاری، کتاب الآذان، باب من استوی قاعداً فی وتر من صلا ته ثم نهض: ۸۲۳، الترمذی: ۲۸۷،النسائی: ۲/ ۲۳۴، (۱۱۵۳)، ابوداود: ۸۴۴، احمد: ۵/ ۵۳، ۵۴

۳۰۱: حضرت مالک بن حویرث رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ انہوں نے نبی کریم ﷺ کو دیکھا، آپ ﷺ جب طاق رکعت پڑھ کر فارغ ہوتے تو اس وقت تک کھڑے نہیں ہوتے تھے جب تک سیدھے نہیں بیٹھ جاتے تھے۔ اسے بخاری نے روایت کیا ہے۔

لغوی تحقیق: وتر من صلاة: پہلی اور تیسری رکعت۔ لم ینهض: تیزی سے کھڑے نہیں ہوتے تھے۔

تشریح: زیر مطالعہ حدیث میں صراحتاً مذکور ہے آپ ﷺ دوسرے سجدہ سے فارغ ہو کر اس وقت تک کھڑے نہیں ہوتے تھے جب تک سیدھے نہیں بیٹھ جاتے تھے، اس طرح بیٹھنے کو جلسہ استراحت کہا جاتا ہے، جلسہ استراحت کا اگر چہ بعض احادیث میں ذکر نہیں، لیکن اس کا مطلب یہ ہرگز نہیں کہ آپ ﷺ کبھی بیٹھتے تھے اور کبھی نہیں بیٹھتے تھے۔ کیونکہ یہ بات معروف و مسلم ہے کہ کسی چیز کا عدم ذکر اس کے نہ ہونے پر دلالت نہیں کرتا۔ بعض حضرات کا خیال ہے کہ جلسہ استراحت بڑھاپے کی وجہ سے تھا، ان حضرات کے پاس اس مفروضے کی تائید میں کوئی کمزور دلیل بھی نہیں، جبکہ صلاۃ المسیء میں یہ صراحتاً مذکور ہے کہ آپ ﷺ نے اسے جلسہ استراحت کی تعلیم فرمائی تھی۔

فقہی احکام: جلسہ استراحت مسنون ہے۔

۳۰۲: وَعَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ رضی اللہ عنہ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ قَنَتَ شَهْرًا بَعْدَ الرُّكُوعِ ,يَدْعُو عَلَى أَحْيَاءٍ مِنْ أَحْيَاءِ الْعَرَبِ , ثُمَّ تَرَكَهُ. مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ وَلِأَحْمَدَ وَالدَّارَقُطْنِيِّ نَحْوُهُ مِنْ وَجْهٍ آخَرَ ,وَزَادَ فَأَمَّا فِي الصُّبْحِ فَلَمْ يَزَلْ يَقْنُتُ حَتَّى فَارَقَ الدُّنْيَا

مسلم، کتاب المساجد و مواضع الصلاة، باب استحباب القنوت فی جمیع الصلاة اذا نزلت بالمسلمین نازلة: ۶۷۵ ـ ۶۷۷، البخاری: ۴۰۸۹، النسائی: ۲/ ۲۰۳، ابن ماجة: ۱۲۴۳، احمد: ۳/ ۱۶۲، ۲۱۶، ابن خزیمة : ۶۲۰، الدارقطنی: ۲/ ۳۹، البیهقی: ۲/ ۲۰۱

۳۰۲: حضرت انس رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ نبی کریم ﷺ نے رکوع کے بعد پورا مہینہ قنوت نازلہ پڑھی تھی، اس میں آپ ﷺ عرب کے بعض قبائل (رعل، ذکوان، عصیہ اور بنولحیان) کیلئے بددعا فرماتے تھے، پھر آپ ﷺ نے بددعا کرنا چھوڑ دیا تھا۔ (بخاری ومسلم) احمد اور دارقطنی میں ایک دوسرے طریق سے اسی کی مثل مروی ہے، اور اس میں مزید یہ الفاظ بھی ہیں: فجر کہ نماز میں آپ ﷺ تا دم زیست دعائے قنوت فرماتے رہے۔

لغوی تحقیق: قنت: ذو معنی لفظ ہے، یہاں اس سے مراد حالت نماز میں کھڑے ہو کر دعا کرنا ہے، اسے عرف عام میں دعائے قنوت یا قنوت نازلہ کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔

تشریح: رحمت عالم ﷺ نوع انسانی کو ابدی نیند سلانے کیلئے تشریف نہیں لائے تھے بلکہ آپ ﷺ کی بعثت کا مقصد نوع انسانی کو حیات جاودانی بخشنا تھا، مگر انسانیت کے دشمن قطعہ ارض کو امن و آشتی کا گہوارہ دیکھنا نہیں چاہتے تھے۔ ایسے مفسدین کا قلع قمع انسانیت پر احسان عظیم تھا، لہٰذا محسن انسانیت ﷺ نے انسانیت کی خیر خواہی کی خاطر ایسے لوگوں کے خلاف سیف وسنان اور لسان کا استعمال فرمایا۔

” محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ “

www.KitaboSunnat.com

زیر مطالعہ حدیث میں جن لوگوں کیلئے بددعا کرنے کا ذکر ہے ان لوگوں کا تعلق رعل، ذکوان، عصیہ اور لحیان کے قبائل سے تھا۔ یہ بھیڑیے، بھیڑوں کے روپ میں رحمت عالم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور آپ ﷺ سے عرض کیا کہ ہم مسلمان ہو گئے ہیں، ہمیں اپنی تعلیم وتربیت کیلئے مبلغین درکار ہیں۔ رحمت عالم ﷺ نے ان کی درخواست پر اسلام کے وہ عظیم سپوت ان کے ساتھ روانہ کر دیئے جنھیں رحمت عالم ﷺ نے اپنے خون و پسینہ سے سینچا تھا۔ ان مکار بھیڑیوں نے اسلام کے اس قیمتی سرمایہ کو نہایت بے دردی سے شہید کر دیا۔ ہر انصاف پسند قاری کے دل کی دھڑکنیں یہی کہتی ہیں کہ ایسے ظالموں کیلئے بددعا ہی نوع انسانی کی خیر خواہی کی ضامن ہے، اس لیے آپ ﷺ نے ان کیلئے مسلسل ایک ماہ تک حالت نماز میں رکوع کے بعد بددعا فرمائی۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث میں نماز فجر، حضرت براء رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث میں فجر اور مغرب، حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث میں نماز ظہر اور عشا میں بددعا کرنے کا ذکر ہے۔ احمد اور دارقطنی میں ایک دوسرے طریق سے مروی ہے، اور اس میں مزید یہ الفاظ ہیں کہ آپ ﷺ فجر کی نماز میں دعائے قنوت آخری وقت تک کرتے رہے۔ اس حدث کو امام حاکم نے صحیح قرار دیا ہے، جبکہ ابن جوزی نے ضعیف کہا ہے۔

فقہی احکام: (۱) اسلام دین دعوت ہے اس لیے داعیوں کی جماعت ہمہ وقت دعوتی میدان میں سرگرم عمل رہے۔ (۲) سربراہ مملکت کا یہ فریضہ ہے کہ وہ دعوت کے کام کو فروغ دے۔ (۳) امن وآشتی کے دشمنوں کا قلع قمع کرنا ضروری ہے۔ (۴) قنوت نازلہ ہاتھ اُٹھا کر کرنی چاہیے۔ (۵) مقتدیوں کو بلند آواز سے آمین کہنی چاہیے۔ (۶) ہنود، یہود اور صلیبیوں کیلئے بددعا کرنا جائز ہے۔ (۷) رحمت عالم ﷺ کے پاس علم غیب کی چابیاں نہیں تھیں۔ (۸) سربراہ مملکت کو چاہیے کہ وہ رعایا کے رنج والم اور مصائب کو اپنے رنج والم اور مصائب خیال کرے۔ (۹) فرض نمازوں میں دعائے قنوت جائز ہے۔

۳۰۳: وَعَنْهُ أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ كَانَ لَا يَقْنُتُ إِلَّا إِذَا دَعَا لِقَوْمٍ, أَوْ دَعَا عَلَى قَوْمٍ. صَحَّحَهُ ابْنُ خُزَيْمَةَ.

ابن خزيمة، كتاب الصلاة، باب ذكر البيان ان النبي لم يقنت دهره كله: ٦١٩، ٦٢٠، التنقيح: ٢/١٠٦٧، ١٠٦٨

۳۰۳: حضرت انس رضی اللہ عنہ ہی سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ دعائے قنوت فقط اسی وقت فرماتے جب کسی قوم کیلئے دعا یا بددعا فرمانا ہوتی۔ اسے ابن خزیمہ نے صحیح کہا ہے۔

لغوی تحقیق: **دعا لقوم**: اس مادے کے بعد جب حرف جر لام آئے اس وقت اس کے معنی دعا کے ہونگے اور جب اس کے بعد "علی" حرفِ جر آئے تو اس کا معنی بددعا ہوگا۔

تشریح: یہ حدیث سابقہ حدیث کی معارض ہے، کیونکہ اس میں مذکور ہے کہ آپ ﷺ صبح کی نماز میں ہمیشہ قنوت پڑھتے تھے جبکہ اس حدیث میں ہے کہ آپ ﷺ قنوت اس وقت فرماتے تھے جب مسلمانوں کیلئے دعا یا اسلام دشمنوں کیلئے بددعا کرنا ہوتی تھی۔

یہ روایت احمد اور دارقطنی کی روایت کے مقابلے میں زیادہ صحیح ہے ممکن ہے کوئی صاحب علم میری اس رائے سے اختلاف رائے کرتے ہوئے یہ کہے کہ یہ روایت قتادہ کے عنعنہ کی وجہ سے ضعیف ہے۔ راقم کے نزدیک چونکہ ابن خزیمہ میں مروی مدلسین کی عنعنہ سماع پر محمول ہے، کیونکہ امام ابن خزیمہ جب مدلسین کی معنعن روایت کے سماع سے آگاہ نہیں ہوتے تو اس کا اظہار کر دیتے ہیں یہاں انہوں نے اظہار نہیں کیا اس لیے وہ یقیناً سماع سے آگاہ ہیں، نیز اس روایت کی شاہد حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث بھی ہے کہ آپ ﷺ

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

فقط اسی وقت قنوت پڑھتے جب آپ ﷺ نے کسی کیلئے دعا یا بددعا کرنا ہوتی تھی۔

فقہی احکام: بوقت ضرورت نماز پنجگانہ میں رکوع کے بعد یا رکوع سے پہلے دعائے قنوت پڑھی جا سکتی ہے۔

۳۰۴: وَعَنْ سَعْدِ بْنِ طَارِقِ الْأَشْجَعِيِّ قَالَ قُلْتُ لِأَبِي يَا أَبَتِ إِنَّكَ قَدْ صَلَّيْتَ خَلْفَ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ وَأَبِي بَكْرٍ, وَعُمَرَ, وَعُثْمَانَ, وَعَلِيٍّ, أَفَكَانُوا يَقْنُتُونَ فِي الْفَجْرِ؟ قَالَ أَيْ بُنَيَّ, مُحْدَثٌ . رَوَاهُ الْخَمْسَةُ, إِلَّا أَبَا دَاوُدَ .

الترمذی ، ابواب الصلاة، باب فی ترک القنوت: ۴۰۳، ابن ماجة: ۱۲۴۱ ، النسائی: ۲/ ۲۰۴، مسند احمد: ۳/ ۴۷۲، البیهقی: ۳۲۴۰ـ۳۲۴۴

۳۰۴: حضرت سعد بن طارق اشجعی بیان کرتے ہیں کہ میں نے اپنے والد سے عرض کیا، ابو جان! آپ رسول اللہ ﷺ حضرت ابوبکر، حضرت عمر، حضرت عثمان اور حضرت علی رضی اللہ عنہم کی اقتدا میں نمازیں پڑھتے رہے ہیں کیا وہ فجر میں قنوت پڑھتے تھے؟ انہوں نے فرمایا: میرے لخت جگر یہ بدعت ہے۔ اسے احمد، ترمذی، نسائی اور ابن ماجہ نے روایت کیا ہے۔

تشریح: یہ حدیث گزشتہ سے پیوستہ حدیث کے صریح مخالف ہے، کیونکہ اس میں فجر کی نماز میں ہمیشہ دعائے قنوت کا ذکر ہے، جبکہ اس میں اس کی نہ صرف نفی ہے بلکہ ایک صحابی نے اسے بدعت قرار دیا ہے۔ اس روایت پر اگرچہ خطیب بغدادی نے کلام کیا ہے لیکن انصاف کی بات یہی ہے کہ یہ حدیث صحیح ہے، امام بیہقی نے ان دونوں احادیث کے تعارض کو نہایت عمدہ انداز میں حل کیا ہے، وہ فرماتے ہیں کہ طارق بن اشیم رضی اللہ عنہ قنوت کے پڑھنے کو یاد نہیں رکھ سکے جبکہ حضرت انس اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہما نے اسے یاد رکھا ہے۔ ممکن ہے کہ حضرت طارق بن اشیم رضی اللہ عنہ کی مراد یہ ہو کہ دعائے قنوت کو فجر کی نماز کا حصہ سمجھنا بدعت ہو (واللہ اعلم بالصواب)

طارق بن اشیم سے مروی حدیث کی تائید حضرت ام سلمہ، حضرت صفیہ بنت عبید، حضرت عبداللہ بن مسعود، حضرت عبداللہ بن عمر اور حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہم سے مروی روایات سے بھی ہوتی ہے لیکن یہ تمام روایات سخت ضعیف ہیں، انہیں بطور استشہاد پیش کرنا بھی درست نہیں۔ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے مروی حدیث کے ناقابل استشہاد ہونے کا سبب یہ ہے کہ اس کا ایک راوی عنبسہ بن عبدالرحمٰن کذاب ہے، جبکہ محمد بن یعلیٰ اور عبداللہ بن نافع سخت مجروح ہیں۔

حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا سے مروی حدیث کے مرکزی راوی بھی عنبسہ (کذاب) اور عبداللہ بن نافع (ضعیف) ہیں۔ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہما سے مروی روایت محمد بن جابر کی وجہ سے سخت ضعیف ہے۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی روایت بشر بن حرب کی وجہ سے ضعیف ہے۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی روایت ابو یعلیٰ کوفی کی وجہ سے ضعیف ہے۔

فقہی احکام: دعائے قنوت کسی بھی نماز کا حصہ نہیں تاہم بوقت ضرورت تمام نمازوں میں کی جا سکتی ہے۔

۳۰۵: وَعَنِ الْحَسَنِ بْنِ عَلِيٍّ رضی اللہ عنہ قَالَ عَلَّمَنِي رَسُولُ اللَّهِ ﷺ كَلِمَاتٍ أَقُولُهُنَّ فِي قُنُوتِ الْوِتْرِ "اَللّٰهُمَّ اهْدِنِي فِيمَنْ هَدَيْتَ, وَعَافِنِي فِيمَنْ عَافَيْتَ, وَتَوَلَّنِي فِيمَنْ تَوَلَّيْتَ, وَبَارِكْ لِي فِيمَا أَعْطَيْتَ, وَقِنِي شَرَّ مَا قَضَيْتَ, فَإِنَّكَ تَقْضِي وَلَا يُقْضَى عَلَيْكَ, إِنَّهُ لَا يَزِلُّ مَنْ وَالَيْتَ, تَبَارَكْتَ رَبَّنَا وَتَعَالَيْتَ " رَوَاهُ الْخَمْسَةُ وَزَادَ الطَّبَرَانِيُّ وَالْبَيْهَقِيُّ "وَلَا يَعِزُّ مَنْ عَادَيْتَ" زَادَ النَّسَائِيُّ مِنْ وَجْهٍ آخَرَ فِي آخِرِهِ "وَصَلَّى اللَّهُ عَلَى النَّبِيِّ"

الترمذی ، ابواب الصلاة، باب ماجاء فی القنوت فی الوتر: ۴۶۷، ابوداود: ۱۴۲۵ ، النسائی: ۳/ ۲۴۸، ابن ماجة: ۱۱۷۸ ، احمد: ۱/ ۱۹۹، ۲۰۰، ابن خزیمة : ۲/ ۱۵۱ ، الاذکار: ۴۸، الخلاصة: ۴۵۵، الاحکام الوسطی: ۲ / ۹۸، البیهقی : ۲/ ۲۰۹،

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

المعجم الکبیر: ۲/ ۲۷۰۳، بیان الوھم والایھام: ۲/ ۵۰، الارواء: ۴/ ۱۷۴، التلخیص الحبیر: ۱/ ۲۷۳

۳۰۵: حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے چند کلمات سکھائے جنہیں میں وتروں میں پڑھتا ہوں "اے اللہ! مجھے ہدایت سے سرفراز فرما کر ان لوگوں میں شامل کر دے جنہیں تو نے ہدایت سے نوازا ہے، اور مجھے معاف کر کے ان لوگوں میں شامل کر دے جو تیری عافیت سے سرفراز ہیں، مجھے بھی ان لوگوں میں شامل کر دے جنہیں تو نے اپنے دوست قرار دیا ہے، تو نے جو کچھ مجھے عنایت فرمایا ہے، اسے بابرکت بنا دے، جس شر کا تو نے فیصلہ فرمایا ہے مجھے اس سے محفوظ فرما کیونکہ فیصلہ صادر فرمانے پر تو ہی قادر ہے، تیرے خلاف فیصلہ صادر نہیں کیا جا سکتا، تو جس کا مولیٰ بن جائے اسے کوئی ذلیل وخوار نہیں کر سکتا، اے ہمارے رب! تو بابرکت اور بلند و بالا ہے۔" اسے پانچوں نے بیان کیا ہے بیہقی اور طبرانی نے مزید الفاظ بھی نقل کیے ہیں۔ "تو جس کا دشمن بن جائے اسے کوئی عزت نہیں دے سکتا۔" امام نسائی نے ایک اور طریق سے اس حدیث کے آخر میں مزید یہ الفاظ بھی نقل کیے ہیں۔ "ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر اللہ تعالیٰ کی ان گنت رحمتیں ہوں۔"

تشریح: مؤلف رحمہ اللہ نے زیر مطالعہ حدیث کے تین طریق نقل کئے ہیں، پہلے طریق سے مروی حدیث کو امام ابن خزیمہ، امام ابن حبان، امام نووی، حافظ عبدالحق اشبیلی، امام ابن قطان اور علامہ ناصر الدین البانی نے صحیح قرار دیا ہے۔

"ولا یعز من عادیت" کے الفاظ متعدد طرق سے منقول ہیں، علامہ ناصر الدین البانی نے انہیں بھی صحیح قرار دیا ہے، البتہ "صلی اللہ علی النبی" کے الفاظ منقطع سند سے منقول ہیں اس لیے یہ روایت ضعیف ہے، بعض روایات میں ہاتھ اٹھانے کا بھی ذکر ہے۔

فقہی احکام: (۱) وتروں میں دعائے قنوت پڑھنا واجب نہیں بلکہ مسنون ہے۔ (۲) دعائے قنوت نہ پڑھنے پر سجدہ سہو نہیں۔ (۳) دعائے قنوت قبل از رکوع اور بعد از رکوع دونوں طرح درست ہے۔

۳۰۶: وَلِلْبَيْهَقِيِّ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رضی اللہ عنہما كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صلی اللہ علیہ وسلم يُعَلِّمُنَا دُعَاءً نَدْعُو بِهِ فِي الْقُنُوتِ مِنْ صَلَاةِ الصُّبْحِ وَفِي سَنَدِهِ ضَعْفٌ.

السنن الکبری للبیہقی، کتاب الصلاۃ، باب دعاء القنوت: ۳۲۲۴، ۳۲۲۵، نتائج الافکار: ۲/ ۱۴۴

تنبیہ: نورالحسن نے فتح العلام: ۱۹۵ میں دونوں طریق کے ضعیف ہونے کی علت الگ الگ بیان کی ہے یعنی پہلے طریق کو ایک مجہول راوی کی وجہ سے اور دوسرے طریق کو عبدالرحمٰن بن ہرمز کے ضعیف ہونے کی وجہ سے ضعیف قرار دیا ہے، حالانکہ دونوں طریق کا مرکزی راوی یہی ہے، بس فرق اتنا سا ہے، ایک طریق کی سند ولید بن مسلم، حدثنا ابن جریج عن ابن ہرمز عن برید بن ابی مریم عن عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما ہے جبکہ دوسرے طریق کی سند عبدالمجید بن عبدالعزیز عن ابن جریج اخبرنی عبدالرحمٰن بن ہرمز ان برید بن ابی مریم ہے

۳۰۶: بیہقی میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے منقول ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمیں دعا سکھاتے تھے جسے ہم صبح کی نماز میں بطور قنوت پڑھتے تھے اس کی سند میں کمزوری ہے۔

تشریح: امام بیہقی نے یہ روایت حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے دو طرق سے نقل کی ہے، دونوں طرق میں مرکزی راوی عبدالرحمٰن بن ہرمز ہے کیونکہ یہ دونوں طرق میں موجود ہے۔ مؤلف رحمہ اللہ نے نتائج الافکار میں عبدالرحمٰن بن ہرمز کو مجہول قرار دیا ہے، ان کا کہنا ہے کہ یہ وہ عبدالرحمٰن بن ہرمز نہیں جو الاعرج کے لقب سے معروف ہیں، البتہ امام بیہقی نے اسے صحیح قرار دیا ہے۔

۳۰۷-۳۰۹: وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضی اللہ عنہ قَالَ، قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صلی اللہ علیہ وسلم "إِذَا سَجَدَ أَحَدُكُمْ فَلَا يَبْرُكْ كَمَا يَبْرُكُ الْبَعِيرُ، وَلْيَضَعْ يَدَيْهِ قَبْلَ رُكْبَتَيْهِ" أَخْرَجَهُ الثَّلَاثَةُ وَهُوَ أَقْوَى مِنْ حَدِيثِ وَائِلِ بْنِ حُجْرٍ رضی اللہ عنہ، رَأَيْتُ رَسُولَ اللَّهِ صلی اللہ علیہ وسلم إِذَا

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

سَجَدَ وَضَعَ رُكْبَتَيْهِ قَبْلَ يَدَيْهِ . أَخْرَجَهُ الْأَرْبَعَةُ ، فَإِنَّ لِلْأَوَّلِ شَاهِدًا مِنْ حَدِيثِ ، اِبْنِ عُمَرَ رضی اللہ عنہما صَحَّحَهُ اِبْنُ خُزَيْمَةَ , وَذَكَرَهُ الْبُخَارِيُّ مُعَلَّقًا مَوْقُوفًا.

ابو داود، كتاب الصلاة، باب كيف يضع ركبتيه قبل يديه: ۸۴۰،الترمذی: ۲۶۹، النسائی: ۲/ ۲۰۷، شرح معانی الآثار: ۱/ ۱۷۴، ابن خزيمة : ۱/ ۳۱۸، ۳۱۹، ابن ماجة: ۸۹۲، الحاكم: ۱/ ۲۲۶، البيهقي: ۲/ ۹۸، الدارقطني: ۱/ ۳۴۵، الدارمي: ۱/ ۳۰۳ (۱۳۲۶)، ابن ابي شيبة: ۱/ ۲۹۴

۳۰۷۔۳۰۹:حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "جب تم میں سے کوئی ایک سجدہ کرے تو وہ اس طرح مت بیٹھے جس طرح اونٹ بیٹھتا ہے، اسے چاہیے کہ وہ گھٹنوں سے پہلے ہاتھ زمین پر رکھے۔ اسے تینوں نے روایت کیا ہے، یہ حدیث وائل بن حجر رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث سے زیادہ قوی ہے جس میں وہ کہتے ہیں کہ میں نے نبی کریم ﷺ کی نماز کا مشاہدہ کیا، آپ ﷺ جب سجدہ کیلئے جھکتے تو ہاتھوں سے پہلے گھٹنے رکھتے تھے۔ اسے چاروں نے نقل کیا ہے۔ پہلی حدیث کی مؤید وہ حدیث بھی ہے جو حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے۔ اسے ابن خزیمہ نے صحیح کہا ہے۔ امام بخاری نے اسے تعلیقاً موقوف نقل کیا ہے۔

لغوی تحقیق: یبرک: برک سے ماخوذ ہے، اُونٹ کے بیٹھنے کو برک کہتے ہیں۔ کما یبرک البعیر: یہ جملہ پہلے جملے کی تاکید ہے۔

تشریح: زیر مطالعہ حدیث سے دو امور واضح ہوئے (۱) اونٹ کی طرح بیٹھنا ممنوع ہے۔ (۲) سجدہ کے لیے جھکتے وقت گھٹنوں سے پہلے ہاتھ رکھے جائیں۔ یہ بات تو سب پر عیاں ہے کہ اونٹ بیٹھتے وقت پہلے آگے والی ٹانگیں زمین پر رکھتا ہے، لیکن اس امر میں اختلاف ہے کہ اونٹ کے آگے والے پاؤں کو انسانی ہاتھوں کے مشابہ قرار دیا جائے یا پیچھے والے پاؤں کو ہی پاؤں قرار دیا جائے، جن علما نے ظاہری ترتیب کو پیش نظر رکھا ہے انھوں نے اونٹ کی پچھلی ٹانگوں کو ہی ٹانگیں قرار دیا ہے۔ ظاہر ہے کہ یہ حدیث ان حضرات کے خیالات کے واضح طور پر خلاف ہے، لہٰذا انھوں نے اس سے بچنے کیلئے حدیث کے متن کو منقلب قرار دیا ہے۔ یعنی ان کا کہنا ہے کہ حدیث کے الفاظ در حقیقت اس طرح ہیں "ولیضع رکبتیه قبل یدیه" لیکن کسی راوی سے تسامح ہوا، اس نے الفاظ آگے پیچھے کر دیئے، ان حضرات کا یہ قول بلا دلیل ہے۔

بعض حضرات نے اس حدیث کو معلول قرار دیتے ہوئے یہ کہا ہے کہ امام بخاری نے التاریخ الکبیر میں اس روایت کے مرکزی راوی محمد بن عبداللہ بن الحسن کے بارے میں لکھا ہے کہ ابو زناد سے یہ روایت فقط موصوف ہی نقل کرتے ہیں اور میرے علم میں نہیں کہ موصوف نے ابو زناد سے کچھ سنا ہے یا نہیں؟ اس میں تو کوئی شک نہیں کہ ابو زناد سے فقط موصوف نے ہی روایت نقل کی ہے لیکن جہاں تک امام بخاری کے قول کا تعلق ہے تو اس بارے میں ان کا موقف واضح ہے کہ انھوں نے اپنی صحیح میں فقط انہیں رواۃ کی مرویات شامل کی ہیں جن معاصرین کا باہم کم از کم ایک بار لقا (ملاقات) ثابت ہو، جبکہ امام مسلم وغیرہ غیر مدلسین رواۃ کیلئے محض معاصرت ہی شرط قرار دیتے ہیں، لہٰذا یہ راوی امام بخاری کی شرائط پر پورا نہیں اترتا، لیکن دیگر ائمہ کی شرائط کے عین مطابق ہے، لہٰذا امام بخاری کے قول کو بنیاد بنا کر اسے معلول قرار دینا کسی طرح بھی درست نہیں۔

جہاں تک تفرد کا تعلق ہے تو اس بارے میں عرض ہے کہ اہل علم بسا اوقات ثقہ راوی کے تفرد کو علت قرار دیتے ہیں، لیکن کب؟ اس کیلئے کوئی خاص ضابطہ متعین نہیں، یہ محدث کی ایک خداداد صلاحیت ہے جسے وہ خاص مقام پر استعمال کرتا ہے۔

اس روایت کے معلول ہونے کی دوسری علت یہ بیان کی جاتی ہے کہ دراوردی بھی اس روایت کو بیان کرنے میں تنہا ہے۔ یہ

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

دعویٰ درست نہیں، کیونکہ ابوداؤد، ترمذی اور نسائی سے مروی حدیث میں عبداللہ بن نافع دراوردی کا متابع موجود ہے، نیز حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی حدیث اس کی شاہد بھی ہے۔ ابن عمر سے مروی اس حدیث کو امام ابن خزیمہ، امام حاکم، امام ذہبی، حافظ ابن حجر اور علامہ البانی رحمہ اللہ علیہ نے صحیح قرار دیا ہے۔ ابن خزیمہ اس حدیث کو صحیح تسلیم کرنے کے ساتھ ساتھ اسے منسوخ بھی قرار دیتے ہیں۔

موصوف نے اس سلسلے میں دو احادیث بطور ناسخ نقل کی ہیں، ان میں سے ایک حدیث حضرت وائل بن حجر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، وہ فرماتے ہیں کہ میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز کا مشاہدہ کیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم جب سجدہ کیلئے جھکتے تو ہاتھوں سے پہلے گھٹنے رکھتے۔ یہ روایت ضعیف ہونے کے ساتھ ساتھ غیر صریح بھی ہے کیونکہ وائل بن حجر رضی اللہ عنہ کے محض مؤخر الاسلام ہونے کو بنیاد بنا کر زیر مطالعہ حدیث کو منسوخ قرار دینا ناسخ، منسوخ کے مسلم ضابطوں کے خلاف ہے۔ امام ابن شیبہ نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مرفوع حدیث نقل کی ہے، اس میں ہاتھوں سے قبل گھٹنے رکھنے کا ذکر ہے لیکن یہ روایت بھی عبداللہ بن سعید المقبری کی وجہ سے سخت ضعیف ہے۔

حضرت وائل رضی اللہ عنہ سے مروی ایک روایت کے الفاظ بھی اس کی مثل ہیں اور وہ روایت عبدالجبار کا اپنے والد سے سماع ثابت نہ ہونے کی وجہ سے ضعیف ہے۔ اسی طرح کی ایک روایت حضرت انس رضی اللہ عنہ سے بھی مروی ہے، وہ روایت ایک راوی کے مجہول ہونے کی وجہ سے ضعیف ہے۔

امام ابن خزیمہ نے دوسری حدیث حضرت سعد رضی اللہ عنہ سے نقل کی ہے وہ فرماتے ہیں کہ پہلے ہم گھٹنوں سے پہلے ہاتھ رکھا کرتے تھے لیکن بعد میں ہمیں حکم ہوا کہ ہم گھٹنوں کو ہاتھوں سے پہلے رکھیں۔ یہ حدیث اگرچہ زیر مطالعہ حدیث کیلئے صراحتاً ناسخ ہے لیکن یہ سخت ضعیف ہے۔ کیونکہ اس روایت کی سند میں اسماعیل بن یحییٰ اور اس کا بیٹا ابرہیم بن اسماعیل دونوں ضعیف ہیں۔

اہل علم کا وہ گروہ جو ہیت ترکیبی کو سامنے رکھتا ہے، ان کا کہنا ہے کہ اونٹ اور دیگر چار ٹانگوں والے جانوروں کی پچھلی ٹانگیں انسانی ہاتھوں کے مشابہ ہوتی ہیں کیونکہ ان جانوروں کے گھٹنے آگے والی ٹانگوں میں ہوتے ہیں، جیسا کہ امام طحاوی حنفی شرح معانی الآثار میں رقم طراز ہیں کہ ان البعير رکبتاه في يديه و كذالک في سائر البهائم و بنو آدم ليسوا كذالک۔ باس بیان سے واضح ہوا کہ ان حضرات کا موقف اس حدیث کی روشنی میں صحیح ہے اور حدیث کا متن بھی محفوظ ہے۔

فقہی احکام: ہاتھوں کو گھٹنوں سے پہلے رکھنا راجح ہے۔

۳۱۰: وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ رضی اللہ عنہما أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم كَانَ إِذَا قَعَدَ لِلتَّشَهُّدِ وَضَعَ يَدَهُ الْيُسْرَى عَلَى رُكْبَتِهِ الْيُسْرَى, وَالْيُمْنَى عَلَى الْيُمْنَى ,وَعَقَدَ ثَلَاثَةً وَخَمْسِينَ ,وَأَشَارَ بِإِصْبَعِهِ السَّبَّابَةِ.رَوَاهُ مُسْلِمٌ وَفِي رِوَايَةٍ لَهُ وَقَبَضَ أَصَابِعَهُ كُلَّهَا، وَأَشَارَ بِالَّتِي تَلِي الْإِبْهَامَ .

مسلم، كتاب المساجد و مواضع الصلاة، باب صفة الجلوس في الصلاة: ۵۸۰، الدارقطني: ۱/ ۳۴۹ مسند احمد: ۲ / ۶۵، ابوداود: ۹۹۰، البيهقي: ۲/ ۱۳۲، ابوعوانة: ۱/ ۳۷۶، ابن خزيمة : ۷۱۲، ۷۱۴، ۷۱۶، ۷۱۸

۳۱۰: عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب تشہد کیلئے بیٹھتے تھے تو اپنے بائیں ہاتھ کو بائیں گھٹنے پر اور دائیں ہاتھ کو دائیں گھٹنے پر رکھتے اور ترپین کی گرہ بناتے اور انگشت شہادت سے اشارہ فرماتے۔ اسے مسلم نے روایت کیا ہے، مسلم ہی کی ایک روایت میں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی تمام انگلیاں بند کر لیتے اور انگوٹھے سے ملحقہ انگلی کے ساتھ اشارہ فرماتے۔

لغوی تحقیق: عقد ثلاثا و خمسين: اپنی انگلیوں کو گرہ دے کر ترپین کا ہندسہ بنا لیتے۔ اس کی صورت امام بیہقی نے حضرت وائل رضی اللہ عنہ

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

سے مروی حدیث میں نقل کی ہے وہ فرماتے ہیں کہ آپ ﷺ دو انگلیوں کو بند کر لیتے ،انگوٹھے اور درمیانی انگلی کا دائرہ بنا لیتے ،اور انگوٹھے سے ملحقہ انگلی سے اشارہ فرماتے ۔امام عبدالرزاق نے وائل سے مروی حدیث اس طرح نقل کی ہے کہ آپ ﷺ انگوٹھے کو درمیانی انگلی پر رکھ لیتے ،مسلم سے مروی حدیث کا بھی یہی مفہوم ہے۔السبابة: انگوٹھے سے ملحقہ انگلی جسے انگشت شہادت کہا جاتا ہے۔

تشریح: زیر مطالعہ حدیث میں تشہد میں بیٹھنے کی کیفیت بیان کی گئی ہے یعنی دائیں ہاتھ کو دائیں گھٹنے پر اور بائیں ہاتھ کو بائیں گھٹنے پر رکھا جائے ، دائیں ہاتھ سے ترپن کا ہندسہ بنایا جائے اور انگشت شہادت سے اشارہ کیا جائے ۔نسائی اور بیہقی میں اسماعیل بن جعفر سے مروی طریق میں ہے کہ نگاہ کو انگشت شہادت پر رکھا جائے ، ابن خزیمہ میں حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما سے مروی حدیث میں ہے کہ آپ ﷺ کی نگاہ اشارے سے تجاوز نہ کرتی تھی اور انگشت شہادت قبلہ رُخ رکھتے تھے۔خزاعی سے مروی حدیث میں ہے کہ انگشت شہادت میں قدر خم پیدا کیا جائے۔

بیہقی اور ابوعوانہ میں ہے کہ آپ ﷺ اپنی انگلی سے اشارہ فرماتے تھے لیکن اسے حرکت نہیں دیتے تھے ، حافظ ابن قیم نے **ولا یحرکھا** یعنی حرکت نہیں دیتے تھے الفاظ کو غیر محفوظ بتایا ہے ممکن ہے کہ اسی علت کی وجہ سے مسلم نے یہ الفاظ نقل نہیں کئے ۔امام نسائی ، امام احمد اور امام ابن خزیمہ وغیرہم نے زائدۃ بن قدامہ کے طریق سے وائل بن حجر رضی اللہ عنہ سے مروی جو روایت نقل کی ہے ،اس میں ہے کہ آپ ﷺ انگشت شہادت کو حرکت دیتے تھے ،امام ابن خزیمہ نے اس روایت کو نقل کرنے کے بعد **یحرکھا** کے الفاظ کو ابن قدامہ کا تفرد قرار دیا ہے۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ آپ ﷺ بائیں ہاتھ کو کھول کر بائیں گھٹنے پر رکھتے تھے۔اس حدیث سے ایک بات یہ بھی واضح ہوئی کہ تشہد کیلئے بیٹھنے کے ساتھ ہی اشارہ کرنا شروع کر دینا چاہیے ،جن لوگوں کا یہ خیال ہے کہ کلمہ شہادت کے وقت اشارہ کرنا چاہیے وہ حضرات اپنے دعویٰ کے ثبوت میں کوئی دلیل نہیں رکھتے۔

فقہی احکام: (۱) دائیں ہاتھ کے ساتھ ترپن کا ہندسہ بنا کر اسے دائیں گھٹنے پر رکھا جائے۔(۲) بائیں ہاتھ کی ہتھیلی کو بائیں گھٹنے پر رکھا جائے۔ (۳) تشہد کیلئے بیٹھتے ہی انگوٹھے سے ملحقہ انگلی کے ساتھ قبلہ کی طرف اشارہ کیا جائے ۔(۴) انگلی میں قدر خم پیدا کیا جائے۔(۵) تشہد میں نگاہ انگشت شہادت پر رہے۔

۳۱۱: وَعَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ مَسْعُودٍ رضی اللہ عنہما قَالَ الْتَفَتَ إِلَيْنَا رَسُولُ اللَّهِ ﷺ فَقَالَ " إِذَا صَلَّى أَحَدُكُمْ فَلْيَقُلِ التَّحِيَّاتُ لِلَّهِ , وَالصَّلَوَاتُ , وَالطَّيِّبَاتُ ,اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ أَيُّهَا النَّبِيُّ وَرَحْمَةُ اللَّهِ وَبَرَكَاتُهُ ,اَلسَّلَامُ عَلَيْنَا وَعَلَى عِبَادِ اللَّهِ الصَّالِحِينَ , أَشْهَدُ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ , وَأَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهُ وَرَسُولُهُ , ثُمَّ لِيَتَخَيَّرْ مِنَ الدُّعَاءِ أَعْجَبَهُ إِلَيْهِ , فَيَدْعُو " مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ , وَاللَّفْظُ لِلْبُخَارِيِّ وَلِلنَّسَائِيِّ ، كُنَّا نَقُولُ قَبْلَ أَنْ يُفْرَضَ عَلَيْنَا التَّشَهُّدُ وَلِأَحْمَدَ ،أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ عَلَّمَهُ التَّشَهُّدَ , وَأَمَرَهُ أَنْ يُعَلِّمَهُ النَّاسَ .

البخاری، کتاب الآذان، باب التشهد فی الآخرة: ۸۳۱، مسلم: ۴۰۲، ابوداود: ۹۶۸، الترمذی: ۲۸۹، النسائی: ۲/ ۲۳۸، ۲۴۰، ابن ماجة: ۸۹۹، احمد: ۱/ ۳۸۲، الدارمی: ۱۳۴۷، الدارقطنی: ۱/ ۳۵۳

۳۱۱: حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ہماری طرف نظر شفقت فرمائی اور فرمایا:" تم میں سے کوئی ایک جب نماز پڑھے تو یہ دعا پڑھے ،لسانی ، بدنی اور مالی عبادات اللہ ہی کے لیے ہے ، اے نبی ﷺ ! آپ ﷺ پر سلام ہو اور اللہ تعالیٰ کی

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

رحمتیں اور برکتیں ہوں، ہم پر اور اللہ کے نیک بندوں پر سلام ہو، میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں، میں گواہی دیتا ہوں کہ محمد ﷺ اس کے بندے اور رسول ہیں۔اس کے بعد اسے کوئی سی دعا جو اسے سب سے زیادہ پسند ہو منتخب کر کے پڑھنی چاہیے۔" (بخاری و مسلم) مذکورہ الفاظ بخاری کے ہیں، نسائی میں ہے ہم تشہد کے فرض ہونے سے پہلے کہا کرتے تھے۔مسند احمد میں ہے کہ آپ ﷺ نے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہما کو تشہد سکھایا اور انہیں حکم دیا کہ وہ بھی لوگوں کو سکھائیں۔

لغوی تحقیق: **التحیات**: یہ تحیۃ کی جمع ہے۔یہ لفظ متعدد معانی پر دلالت کرتا ہے، مثلاً دوام و ہمیشگی، عظمت و کبریائی، لسانی عبادات وغیرہ، یہاں یہ تمام معانی مراد لیے جا سکتے ہیں۔ **الصلوات**: یہ صلاۃ کی جمع ہے، نماز پنجگانہ یا بدنی عبادات۔ **الطیبات**: یہ طیبۃ کی جمع ہے، پاکیزہ قول و عمل یا مالی عبادات۔

تشریح: اس حدیث سے یہ واضح ہوا کہ قعدہ اخیرہ اور اس میں تشہد پڑھنا، دونوں فرض ہیں یعنی یہ دونوں نماز کے ارکان میں سے ہیں اس لئے دونوں کی ادائیگی ضروری ہے۔اس موقف کی تائید حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی روایت سے بھی ہوتی ہے۔وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ ہمیں تشہد کی تعلیم اسی طرح فرماتے تھے جس طرح قرآن حکیم کی سورتوں کی تعلیم فرماتے تھے۔آپ ﷺ نے تشہد کے ابتدائی الفاظ مختلف صحابہ کو مختلف سکھائے جیسا کہ مؤلف رحمہ اللہ علیہ نے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے الفاظ تشہد نقل کر کے واضح کیا ہے۔

۳۱۲: وَلِمُسْلِمٍ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رضی اللہ عنہما قَالَ كَانَ رَسُولُ اللّٰهِ يُعَلِّمُنَا التَّشَهُّدَ "اَلتَّحِيَّاتُ الْمُبَارَكَاتُ الصَّلَوَاتُ لِلّٰهِ......" إِلَى آخِرِهِ .

مسلم، کتاب الصلاۃ، باب التشہد فی الصلاۃ: ۴۰۲، ۴۰۳، ابوداود: ۹۷۴، النسائی: ۲/ ۲۴۲، الترمذی: ۲۸۹، ۲۹۰، ابن ماجۃ: ۹۰۱، ۹۰۲، احمد: ۲۶۶۵/۱، الدارمی: ۱۳۴۷، الدارقطنی: ۱/ ۳۵۰، ۳۵۱، الحاکم: ۱/ ۳۹۹

۳۱۲: مسلم میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے منقول ہے کہ رسول اللہ ﷺ ہمیں تشہد کیلئے یہ الفاظ سکھایا کرتے تھے، التحیات المبارکات الصلوات الطیبات للہ ......الی آخرہ۔

تشریح: تشہد کے بارے میں حضرت عبداللہ بن مسعود اور حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کے علاوہ حضرت عبداللہ بن عمر اور حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہما سے بھی مرفوع احادیث منقول ہیں۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی الفاظ اسی طرح ہیں (التحیات للہ و الصلوات الطیبات)، حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے مجھے تعلیم فرمائی کہ تم جب بھی قعدہ (تشہد) میں بیٹھو تو تمہاری زبان پر سب سے پہلے یہ الفاظ جاری ہوں: التحیات الطیبات الصلوات للہ......۔

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث میں (بسم اللہ و باللہ التحیات للہ و الصلوات الطیبات ......) ہے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے موقوفاً منقول ہے، فقیہ مدینہ قاسم بن محمد فرماتے ہیں کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا جب قعدہ میں بیٹھتیں تو یہ کلمات پڑھتی تھیں: التحیات الطیبات الصلوات الزاکیات للہ ......

ان تمام روایات میں محفوظ ترین الفاظ وہ ہیں جو حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہما سے مروی ہیں احناف اور اہلحدیث یہی الفاظ پڑھتے ہیں جبکہ شوافع نے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی الفاظ کو اختیار کیا ہے۔تشہد کی باقاعدہ تعلیم سے پہلے صحابہ نے قعدہ کیلئے الفاظ خود منتخب کئے تھے جیسا کہ نسائی میں مروی روایت سے عیاں ہو رہا ہے۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

فقہی احکام: (۱) قعدہ اخیرہ اور تشہد کا پڑھنا دونوں نماز کے رکن ہیں۔(۲) عبداللہ بن مسعود سے مروی الفاظ کو قعدہ میں پڑھنا بہتر ہے، تاہم دیگر صحابہ سے مروی الفاظ پڑھنے سے بھی فرض کی ادائیگی ہو جائے گی (۳) تشہد کے بعد کوئی سی دعا پڑھی جاسکتی ہے تاہم مسنون دعائیں پڑھنا افضل ہیں

۳۱۳: وَعَنْ فَضَالَةَ بْنِ عُبَيْدٍ رضی اللہ عنہ قَالَ سَمِعَ رَسُولُ اللَّهِ صلی اللہ علیہ وسلم رَجُلاً يَدْعُو فِي صَلَاتِهِ, لَمْ يَحْمَدِ اللَّهَ, وَلَمْ يُصَلِّ عَلَى النَّبِيِّ صلی اللہ علیہ وسلم فَقَالَ " عَجِلَ هَذَا " ثُمَّ دَعَاهُ, فَقَالَ " إِذَا صَلَّى أَحَدُكُمْ فَلْيَبْدَأْ بِتَحْمِيدِ رَبِّهِ وَالثَّنَاءِ عَلَيْهِ, ثُمَّ يُصَلِّي عَلَى النَّبِيِّ صلی اللہ علیہ وسلم ثُمَّ يَدْعُو بِمَا شَاءَ " رَوَاهُ أَحْمَدُ, وَالثَّلَاثَةُ, وَصَحَّحَهُ التِّرْمِذِيُّ, وَابْنُ حِبَّانَ, وَالْحَاكِمُ.

ابو داود، کتاب الصلاة، باب الدعاء: ۱۴۸۱، الترمذی: ۳۴۷۷، النسائی: ۳/ ۴۴، احمد: ۶/ ۱۸، ابن خزیمة: ۷۱۰، ابن حبان: ۱۹۶۰، الحاکم: ۱/ ۲۳۰، الطبرانی: ۱۸/ ۳۰۷

۳۱۳: حضرت فضالہ بن عبید رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص کو اپنی نماز میں دعا کرتے ہوئے سنا اس نے نہ تو اللہ تعالیٰ کی حمد بیان کی اور نہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر درود بھیجا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "اس نے جلد بازی کی۔" پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے طلب فرمایا اور اسے تعلیم فرمائی کہ تم میں سے جو بھی نماز پڑھے، وہ اپنی نماز کا آغاز اللہ تعالیٰ کی حمد و ستائش سے کرے پھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر درود بھیجے، پھر اپنی من پسند دعا کرے۔" اسے احمد اور تینوں نے روایت کیا ہے، ترمذی، ابن حبان اور حاکم نے صحیح کہا ہے۔

لغوی تحقیق: عجل: جیم مکسور، اس نے جلد بازی کی۔

تشریح: زیر مطالعہ حدیث میں بعض آداب دعا کی تعلیم دی گئی ہے، آداب دعا میں سے، اہم ادب یہ ہے کہ دعا کرنے والا نہایت اطمینان سے دعا کرے اور جلد بازی سے گریز کرے، کیونکہ دعا عجز و انکساری اور تذلیل سے عبارت ہے۔ ظاہر ہے کہ عجز و انکساری اور تذلل کا تقاضہ ہے کہ مانگنے والا اپنی درخواست نہایت اطمینان سے پیش کرے۔(۲) دعا کا دوسرا ادب یہ ہے کہ اس کا آغاز اللہ تعالیٰ کی حمد و ستائش سے کیا جائے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ ہی نے اسے اپنی ذمہ داری کو پوری کرنے کی توفیق بخشی ہے۔(۳) دعا کا تیسرا ادب یہ ہے کہ رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم پر درود بھیجا جائے کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہی نے انسان کا اس کے خالق سے رابطہ بحال کیا ہے۔

مؤلف رحمہ اللہ نے اس حدیث کو تشہد کے باب میں درج کر کے اشارہ دیا ہے کہ تشہد میں سارے آداب شامل ہیں کیونکہ تشہد میں بیٹھنا اطمینان و سکون کا عکاس ہے، تشہد کا افتتاحیہ حمد و ستائش اور وسطانیہ سلام کے گل ہائے عقیدہ سے عبارت ہے، اس کے بعد اسے جائز من پسند درخواست کرنے کی ترغیب دی گئی ہے۔

فقہی احکام: (۱) دعا اطمینان سے کی جائے۔(۲) دعا کا آغاز حمد و ستائش سے کیا جائے۔(۳) رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم پر درود بھیجا جائے۔ (۴) دعا کا اختتام من پسند اور جائز درخواست پر ہونا چاہیے۔

۳۱۴: وَعَنْ أَبِي مَسْعُودٍ الْأَنْصَارِيِّ رضی اللہ عنہ قَالَ قَالَ بَشِيرُ بْنُ سَعْدٍ يَا رَسُولَ اللَّهِ! أَمَرَنَا اللَّهُ أَنْ نُصَلِّيَ عَلَيْكَ, فَكَيْفَ نُصَلِّي عَلَيْكَ؟ فَسَكَتَ, ثُمَّ قَالَ " قُولُوا اللَّهُمَّ صَلِّ عَلَى مُحَمَّدٍ, وَعَلَى آلِ مُحَمَّدٍ, كَمَا صَلَّيْتَ عَلَى آلِ إِبْرَاهِيمَ, وَبَارِكْ عَلَى مُحَمَّدٍ, وَعَلَى آلِ مُحَمَّدٍ, كَمَا بَارَكْتَ عَلَى آلِ إِبْرَاهِيمَ فِي الْعَالَمِينَ إِنَّكَ حَمِيدٌ مَجِيدٌ. وَالسَّلَامُ كَمَا عَلَّمْتُكُمْ " رَوَاهُ مُسْلِمٌ وَزَادَ ابْنُ خُزَيْمَةَ فِيهِ، فَكَيْفَ نُصَلِّي عَلَيْكَ, إِذَا نَحْنُ صَلَّيْنَا عَلَيْكَ فِي صَلَاتِنَا.

مسلم، کتاب الصلاة، باب الصلاة علی النبی بعد التشهد: ۴۰۵، ابو داود: ۹۸۰، الترمذی: ۳۲۲۰، النسائی: ۳/ ۴۵، الحاکم:

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

۱/ ۲۶۸، احمد: ۴/ ۱۱۸، البیهقی: ۲/ ۲۴۶، الدارمی: ۱/ ۳۰۹، ابن خزیمة: ۷۱۱، ابن حبان: ۱۹۵۸، ۱۹۵۹، مؤطا: ۱/ ۱۶۵، ۱۶۶، مسند الشافعی: ۱/ ۹۰، ۹۱، عبد الرزاق: ۳۱۰۸، الطبرانی: ۱۷/ ۲۵۱

۳۱۴: حضرت ابومسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ بشیر بن سعدؓ نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول ﷺ اللہ تعالیٰ نے ہمیں آپ ﷺ پر درود بھیجنے کا حکم دیا ہے ہم آپ ﷺ پر درود کس طرح بھیجیں؟ رحمت عالم ﷺ نے تھوڑی دیر خاموش رہنے کے بعد فرمایا: " کہو **اللهم صلی علی محمد** .... اے اللہ! محمد اور ان کی آل پر رحمتیں نازل فرما، جس طرح تو نے ابراہیم کی آل پر رحمتیں نازل فرمائی ہیں، برکات نازل فرما محمد پر اور آل محمد پر جس طرح تو نے آل ابراہیم پر تمام جہانوں میں برکات نازل فرمائی ہیں، بلا شبہ تو تعریف کیا ہوا اور بزرگی والا ہے۔ رہا سلام وہ تو تم نے جان ہی لیا ہے۔" اسے مسلم نے بیان کیا ہے اور ابن خزیمہ نے مزید یہ الفاظ نقل کیے ہیں، جب ہم حالت نماز میں ہوں تب ہم آپ ﷺ پر درود کس طرح پڑھیں؟

لغوی تحقیق: آل: یہ ذو معنی لفظ ہے، اس سے مراد تمام متقی اہل ایمان بھی ہو سکتے ہیں اور فقط آپ ﷺ کی ازواج مطہرات، آپ ﷺ کی بیٹیاں، ان کی اولادیں اور قبیلہ بنو ہاشم کے افراد بھی ہو سکتے ہیں۔

تشریح: اس حدیث سے یہ واضح ہو کہ تشہد کے بعد اگر دعائیں پڑھنی ہوں تو ان سے پہلے رحمت عالم ﷺ پر درود بھیجنا واجب ہے نیز یہ بھی واضح ہوا کہ قرآن حکیم میں ایمان والوں کو جس درود و سلام کا مکلّف ٹھہرایا گیا ہے یہ درود و سلام وہی ہے جو ہم تشہد میں بیٹھ کر پڑھتے ہیں۔ نیز یہ بھی واضح ہوا کہ درود سے مراد درود ابراہیمی ہے، آپ ﷺ سے درود سے متعلق تقریباً چالیس کے قریب احادیث منقول ہیں اور ان سب میں درود ابراہیمی ہی الفاظ کی کمی وبیشی کے ساتھ مذکور ہے، درود رحمت عالم ﷺ کے لیے حصول رحمت کی ایک درخواست ہے جو امتی اللہ کے حضور پیش کرتے ہیں۔

فقہی احکام: (۱) تشہد کے بعد دعاؤں سے پہلے درود پڑھنا چاہیے۔

(۲) درود پڑھنے سے درود پڑھنے والے کے درجات بلند ہوتے ہیں۔ (۳) خود ساختہ درود پڑھنا بدعت ہے۔

۳۱۵: وَعَنْ أَبِی هُرَیْرَةَ رضی اللہ عنہ قَالَ، قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ " إِذَا تَشَهَّدَ أَحَدُكُمْ فَلْیَسْتَعِذْ بِاللَّهِ مِنْ أَرْبَعٍ ,یَقُولُ ،اَللَّهُمَّ إِنِّی أَعُوذُ بِکَ مِنْ عَذَابِ جَهَنَّمَ ,وَمِنْ عَذَابِ الْقَبْرِ ,وَمِنْ فِتْنَةِ الْمَحْیَا وَالْمَمَاتِ ,وَمِنْ شَرِّ فِتْنَةِ الْمَسِیحِ الدَّجَّالِ" مُتَّفَقٌ عَلَیْهِ وَفِی رِوَایَةٍ لِمُسْلِمٍ "إِذَا فَرَغَ أَحَدُكُمْ مِنَ التَّشَهُّدِ الْأَخِیرِ "

البخاری، کتاب الجنائز، باب التعوذ من عذاب القبر: ۱۳۷۷، مسلم: ۵۸۸، ابوداود: ۹۸۳، الترمذی: ۳۶۰۴، ابن ماجة: ۹۰۹، احمد: ۲/ ۲۳۷، الدارمی: ۱۳۵۰، ابن حبان: ۱۰۰۲، عبد الرزاق: ۶۷۵۵، النسائی: ۳/ ۵۷، ۸/ ۲۷۵، ابن ابی شیبة: ۱۰/ ۱۹۳، احکام الاحکام: ۲/ ۷۵

۳۱۵: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "تم میں سے کوئی ایک جب تشہد پڑھے تو اسے چاہیے کہ وہ چار چیزوں سے اللہ تعالیٰ کی پناہ طلب کرنے کیلئے اس طرح کہے، اے اللہ! میں تیری پناہ چاہتا ہوں جہنم کے عذاب سے، قبر کے عذاب سے، زندگی اور موت کے فتنوں سے اور مسیح دجال کے فتنوں سے۔" (بخاری ومسلم) صحیح مسلم میں ہے کہ جب تم آخری تشہد پڑھ کر فارغ ہو جاؤ تب یہ دعا پڑھو۔

لغوی تحقیق: فتنة: آزمائش، نیز یہ شرک کے معنی میں بھی مستعمل ہے، امام ابن دقیق العید فرماتے ہیں کہ اس سے جہالت، خواہشات

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

نفسانی اور بے صبری وغیرہ کے فتنے بھی ہو سکتے ہیں۔ **المسیح:** میم مفتوح، اس سے مراد دجال ہے، دجال کو مسیح کیوں کہا گیا ہے؟ اس بارے میں مختلف اقوال ہیں، جن میں سے ایک یہ بھی ہے کہ اس کی ایک آنکھ چونکہ خراب ہوگی اس بنا پر مسیح کہا گیا ہے۔

تشریح: رحمت عالم ﷺ نے حالت تشہد میں اس تعوذ کی فقط تعلیم ہی نہیں فرمائی بلکہ خود بھی ان چیزوں سے اللہ تعالیٰ کی پناہ طلب فرمایا کرتے تھے، جیسا کہ حضرت ابو ہریرہ اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے منقول ہے، ان احادیث سے یہ بھی واضح ہوا کہ زندگی موت کے فتنے اور دجال کی شر انگیزی انتہائی خطرناک فتنے ہیں۔ جبکہ قبر اور جہنم کے عذاب نہایت دردناک عذاب ہیں، ان فتنوں اور عذابوں سے فقط وہی افراد محفوظ رہ سکتے ہیں جو اللہ تعالیٰ کی پناہ میں ہونگے۔ یہ روایت ان لوگوں کے نظریات کو مسترد کرتی ہے جو عذاب قبر کے منکر ہیں نیز اس سے یہ بھی واضح ہوتا ہے کہ اس دعا کو قعدہ اخیرہ میں پڑھنا چاہیے۔ امام ابن حزم اس کے وجوب کے قائل ہیں، لیکن جمہور کے نزدیک اس کا پڑھنا مستحب ہے۔ راقم کے نزدیک جمہور کا موقف راجح ہے، کیونکہ دیگر احادیث انہیں کے موقف کی مؤید ہیں۔ صحیح مسلم میں مروی حدیث میں اگرچہ قعدہ اخیرہ کی صراحت ہے، لیکن حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ایک دوسری حدیث میں قعدہ اولیٰ کا بھی ذکر ہے۔

فقہی احکام: (۱) عذاب قبر برحق ہے۔ (۲) موت و حیات کے فتنے انتہائی خطرناک ہیں۔ (۳) محفوظ پناہ گاہ فقط اللہ تعالیٰ ہی کی ہے۔ (۴) تشہد اخیرہ میں تعوذ کا پڑھنا مستحب ہے۔ (۵) قعدہ اولیٰ میں بھی یہ دعا پڑھی جا سکتی ہے۔

۳۱۶: وَعَنْ أَبِي بَكْرٍ الصِّدِّيقِ رضی اللہ عنہ أَنَّهُ قَالَ لِرَسُولِ اللَّهِ ﷺ عَلِّمْنِي دُعَاءً أَدْعُو بِهِ فِي صَلَاتِي قَالَ "قُلْ ،اَللّٰهُمَّ إِنِّي ظَلَمْتُ نَفْسِي ظُلْمًا كَثِيرًا ,وَلَا يَغْفِرُ الذُّنُوبَ إِلَّا أَنْتَ ,فَاغْفِرْ لِي مَغْفِرَةً مِنْ عِنْدِكَ ,وَارْحَمْنِي ,إِنَّكَ أَنْتَ الْغَفُورُ الرَّحِيمُ " مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ.

البخاری، کتاب الآذان، باب الدعا قبل السلام: ۸۳۴، مسلم: ۲۷۰۵، الترمذی: ۳۵۳۱، ابن ماجۃ: ۳۸۳۵، مسند احمد: ۱/ ۴، البیہقی: ۲/ ۱۵۴، ابن خزیمۃ: ۸۴۶

۳۱۶: حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے درخواست کی کہ آپ ﷺ مجھے ایسی دعا سکھائیں جو میں اپنی نماز میں پڑھوں، آپ ﷺ نے فرمایا: " کہو، اے اللہ! میں نے خود پر بہت ظلم کیا ہے، تیرے سوا گناہوں کو کوئی بخشنے والا نہیں، مجھے اپنی جناب سے معاف فرما، اور مجھ پر رحم فرما، بلاشبہ تو بخشنے والا رحم کرنے والا ہے۔"

تشریح: اس حدیث کو اگرچہ مؤلف رحمہ اللہ اور بعض محدثین نے تشہد کے باب میں درج کیا ہے تاہم حدیث کے سیاق سے یہ ظاہر ہو رہا ہے کہ اس دعا کو نماز کے کسی بھی رکن میں پڑھا جا سکتا ہے۔ یہ دعا الفاظ کے اعتبار سے نہایت مختصر مگر مفہوم کے اعتبار سے نہایت جامع ہے، کیونکہ اس میں ایک طرف انسان کی بے بسی اور دوسری طرف اللہ تعالیٰ کی کبریائی اور وسعت رحمت کا تذکرہ ہے۔ یہی وہ دو اہم اوصاف ہیں جن کا ایک جامع دعا میں پایا جانا اشد ضروری ہے۔

اس حدیث سے ہمیں یہ سبق ملتا ہے کہ انسانیت کی معراج کا راز اعتراف جرم اور معذرت میں ہے، جس کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی رحمت جتنی زیادہ ہے وہ اتنا ہی زیادہ خوش نصیب ہے۔

فقہی احکام: (۱) اس دعا کو آغاز نماز، رکوع وسجود اور تشہد میں پڑھا جا سکتا ہے۔ (۲) اعتراف جرم اور معذرت انسانیت کی معراج ہے۔

۳۱۷: وَعَنْ وَائِلِ بْنِ حُجْرٍ رضی اللہ عنہ قَالَ صَلَّيْتُ مَعَ النَّبِيِّ ﷺ فَكَانَ يُسَلِّمُ عَنْ يَمِينِهِ " اَلسَّلَامُ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَةُ اللَّهِ وَبَرَكَاتُهُ " وَعَنْ شِمَالِهِ " اَلسَّلَامُ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَةُ اللَّهِ وَبَرَكَاتُهُ " رَوَاهُ أَبُو دَاوُدَ بِسَنَدٍ صَحِيحٍ .

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ابوداود، کتاب الصلاۃ، باب فی السلام: ۹۹۷، تمام المنۃ: ۱/ ۱۷۱، رفع الغین: ۴، ابوداؤد نسخۃ عزت عبید دعاس: ۶۰۷، بذل المجھود: ۵/ ۳۳۷، نتائج الافکار: ۲/ ۲۲۲، الاحکام الوسطی: ۲/ ۴۱۳، الالمام: ۱/ ۱۱۰، ابن خزیمۃ: ۱/ ۳۵۹، المحلی: ۳/ ۳۷۵، عبد الرزاق: ۲/ ۲۱۸ ـ ۲۲۰، شرح معانی الآثار: ۱/ ۲۶۹، المطالب العالیۃ: ۵۳۰، ۵۴۶ ـ ۵۴۸، التلخیص: ۱/ ۲۷۱

تنبیہ: مؤلف رحمہ اللہ نے زیر مطالع حدیث کو بلوغ المرام میں صحیح قرار دیا ہے جبکہ التلخیص الحبیر میں منقطع کہا ہے، تلخیص میں مؤلف رحمہ اللہ سے تسامح ہوا ہے، کیونکہ انہوں نے وہاں اس روایت کو عبد الجبار بن وائل عن وائل کے طریق سے ظاہر کیا ہے حالانکہ ابوداود میں یہ حدیث علقمہ بن وائل عن وائل کے طریق سے ہے، علقمہ کا اپنے والد سے سماع ثابت ہے۔

۳۱۷: حضرت وائل بن حجر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کی اقتدا میں نماز پڑھی، آپ ﷺ جب دائیں طرف سلام پھیرتے تو **السلام علیکم و رحمة الله و برکة** فرماتے اور بائیں جانب سلام پھیرتے تو **السلام علیکم و رحمة الله و برکة** فرماتے۔ ابوداود نے یہ حدیث صحیح سند سے نقل کی ہے۔

تشریح: ابوداود کے متداول نسخہ میں دوسری طرف سلام پھیرتے وقت "**وبرکاته**" کے الفاظ مذکور نہیں، علامہ ناصر الدین البانی **تمام المنة** میں فرماتے ہیں، ابوداود کے نسخے میری نظر سے گزرے ہیں ان میں دوسری طرف سلام پھیرتے وقت "**وبرکاته**" کے الفاظ نہیں ہیں۔ خود مؤلف رحمہ اللہ نے بھی نتائج الافکار میں ان الفاظ کی موجودگی کا انکار کیا ہے، اسی طرح علامہ عبد الحق اشبیلی اور علامہ ابن اثیر نے یہ حدیث علقمہ بن وائل عن ابیہ کے طریق سے ان الفاظ کے ذکر کے بغیر درج کی ہے۔

علامہ الاثیوبی نے اس مسئلہ پر ایک رسالہ لکھا ہے جس کا نام موصوف نے **رفع الغین عمن ینکر ثبوت زیادة وبرکاته من الجانبین** رکھا ہے اس میں موصوف لکھتے ہیں کہ ابوداود کے متعدد نسخے ہیں بعض میں دوسری طرف سلام پھیرتے وقت ان الفاظ کا تذکرہ موجود ہے اور بعض مطبوعات میں یہ الفاظ موجود نہیں۔ واضح رہے کہ مکتبہ محمودیہ مدینہ منورۃ میں موجود مخطوطہ میں یہ الفاظ موجود ہیں، اسی طرح عزت عبید دعاس کے نسخہ میں بھی یہ الفاظ موجود ہیں اور **بذل المجھود** کے متن میں بھی موجود ہیں، نیز علامہ ابن دقیق العید نے اپنی معروف کتاب **الالمام** میں بھی ذکر کئے ہیں۔

راقم کے نزدیک اس لفظ کا عدم ذکر کاتب یا ناسخ کے تسامح کی وجہ سے نہیں ہے بلکہ موسی بن قیس یا ان کے شیوخ میں سے کسی ایک نے کبھی یہ الفاظ ذکر کئے اور کبھی چھوڑ دیئے ہیں، جیسا کہ امام طبرانی نے اس حدیث کو نقل کرنے کے بعد لکھا ہے: **هکذا رواه موسى بن قيس عن سلمة قال عن علقمة بن وائل و زاد فی السلام و برکاته**۔ ان الفاظ کی موجودگی کا اظہار حضرت عبد اللہ بن مسعود اور حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہما سے مروی مرفوع احادیث سے بھی ہوتا ہے۔

حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہما سے مروی حدیث کو امام ابن خزیمہ نے ابواسحاق السبعی کے طریق سے نقل کیا ہے، موصوف چونکہ اختلاط کا شکار ہو گئے تھے اور یہ صراحت موجود نہیں کہ عمر بن عبید طنافسی نے ان سے اختلاط سے قبل سنا ہے، لہٰذا یہ حدیث ضعیف ہے۔

امام ابن حزم نے حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہما سے مروی حدیث کو حماد بن ابی سلیمان کے طریق سے نقل کیا ہے، موصوف کمزور قوت یادداشت کے مالک تھے اس لیے یہ طریق بھی ضعیف ہے۔

حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث کو امام عبد الرزاق نے ابواسحاق کے طریق سے نقل کیا ہے اس میں بھی دونوں طرف

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

کے سلام کے ساتھ "وبرکاته" کا ذکر ہے۔لیکن یہ روایت ابواسحاق کے عنعنہ کی وجہ سے ضعیف ہے۔مؤلف رحمہ اللہ نے المطالب العالیہ میں اور امام طحاوی نے معانی الآثار میں یہ روایت شعبہ کے طریق سے نقل کی ہے، اس میں زیر بحث الفاظ موجود نہیں۔

حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث کو مؤلف رحمہ اللہ نے محمد بن عمر واقدی کے طریق سے نقل کیا ہے، موصوف روایت حدیث میں سخت ضعیف ہیں۔

فقہی احکام: (۱) سلام پھیرتے وقت السلام علیکم کہنا لازم ہے (۲) السلام علیکم و رحمة الله و بركاته بھی کہا جا سکتا ہے

۳۱۸: وَعَنِ الْمُغِيرَةِ بْنِ شُعْبَةَ رضی اللہ عنہ أَنَّ النَّبِيَّ صلی اللہ علیہ وسلم كَانَ يَقُولُ فِي دُبُرِ كُلِّ صَلَاةٍ مَكْتُوبَةٍ "لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيكَ لَهُ, لَهُ الْمُلْكُ, وَلَهُ الْحَمْدُ, وَهُوَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ, اَللّٰهُمَّ لَا مَانِعَ لِمَا أَعْطَيْتَ, وَلَا مُعْطِيَ لِمَا مَنَعْتَ, وَلَا يَنْفَعُ ذَا الْجَدِّ مِنْكَ الْجَدُّ" مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ.

البخاری، کتاب الآذان، باب الذکر بعد الصلاة: ۸۴۴، مسلم: ۵۹۳، ابوداود: ۱۵۰۵، النسائی: ۳/ ۷۰، احمد: ۴/ ۲۴۷، الدارمی: ۱۳۴۹، ابن خزیمة: ۷۴۲، ابن حبان: ۲۰۰۵ - ۲۰۰۷، ابوعوانة: ۲/ ۲۴۳، الطبرانی: ۲۰/ ۳۷۳

۳۱۸: حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرض نماز کے بعد یہ دعا پڑھا کرتے تھے: "اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، اس کا کوئی شریک نہیں، بادشاہت اسی کے لیے ہے اور تعریف کے لائق وہی ہے، اور وہ ہر چیز پر قادر ہے، اے اللہ! جو کچھ تو عنایت فرمائے اس میں کوئی رکاوٹ ڈالنے والا نہیں اور جو کچھ تو نہ دے وہ کوئی دلوا نہیں سکتا، کسی صاحب شرافت کو تیرے بغیر شرافت میسر نہیں آسکتی۔" (بخاری ومسلم)

لغوی تحقیق: دبر: دال اور باء مضموم، یہ لفظ متعدد معانی میں مستعمل ہے، یہاں اس سے مراد اختتام نماز ہے۔ مکتوبة: فرض نماز۔ الجد: جیم مفتوح دال مشدد، امام بخاری فرماتے ہیں کہ اس کا معنی الغنا ہے یعنی کسی بھی شخص کے لیے اس کا مال ومتاع، جاہ وحشمت، اولاد وعزت آبرو اس وقت تک مفید نہیں ہو سکتی جب تک اللہ تعالیٰ کا فضل ورحمت شامل حال نہ ہو۔ ویسے تو اللہ تعالیٰ ہمہ وقت دعائیں سنتا ہے اور انہیں شرف قبولیت سے نوازتا ہے لیکن بعض اوقات ایسے ہیں جن میں وہ اپنے بندوں پر خصوصی شفقت فرماتا ہے، ان اوقات میں فرض نماز کے بعد والا وقت بھی ہے۔

تشریح: رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم ان اوقات میں متعدد دعائیں فرمایا کرتے تھے، جن میں سے دو دعاؤں کا ذکر زیر مطالعہ حدیث میں ہے، یہ دعائیں بھی نہایت جامع ہیں، کیونکہ ان میں توحید ذاتی کے ساتھ ساتھ توحید صفاتی کا بھی تذکرہ ہے یعنی کسی کو کچھ دینے یا نہ دینے کے اختیارات اللہ کے پاس ہیں، اس کے اختیارات میں مداخلت کرنے کا کوئی مجاز نہیں، خواہ وہ کتنی بھی قدآور شخصیت کا مالک ہی کیوں نہ ہو، انسان تو اس قدر بے بس ہے اور بے اختیار ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ کسی کو مال وزر، جاہ حشمت اور افرادی ومادی قوتیں عطا بھی کر دے تب بھی وہ اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم کے بغیر ان سے مستفید نہیں ہو سکتا۔

فقہی احکام: (۱) اللہ تعالیٰ کی ذات وصفات میں اس کا کوئی شریک نہیں۔ (۲) کچھ دینا یا نہ دینا اسی کے اختیار میں ہے۔ (۳) میسر چیز سے افادہ کرنا بھی انسان کے اختیار میں نہیں ہے۔

۳۱۹: وَعَنْ سَعْدِ بْنِ أَبِي وَقَّاصٍ رضی اللہ عنہ قَالَ إِنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم كَانَ يَتَعَوَّذُ بِهِنَّ دُبُرَ الصَّلَاةِ "اَللّٰهُمَّ إِنِّي أَعُوذُ بِكَ مِنَ الْبُخْلِ وَأَعُوذُ بِكَ مِنَ الْجُبْنِ, وَأَعُوذُ بِكَ مِنْ أَنْ أُرَدَّ إِلَى أَرْذَلِ الْعُمُرِ, وَأَعُوذُ بِكَ مِنْ فِتْنَةِ الدُّنْيَا, وَأَعُوذُ

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

بِکَ مِنْ عَذَابِ الْقَبْرِ " رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ.

البخاری، کتاب الجهاد، باب ما یتعوذ من الجبن: ۲۸۲۲ ، کتاب الدعوات: ۶۳۷۰ ، ۶۳۹۰، الترمذی: ۳۵۶۷،

النسائی: ۸/ ۲۵۶ ، ۲۶۶ ، ۲۷۱، احمد: ۱/ ۱۸۳، ابن ابی شیبة: ۱۰/ ۱۸۹، ابن حبان: ۱۰۰۴

تنبیہ: امام بخاری نے صحیح بخاری میں یہ حدیث پانچ مرتبہ نقل کی ہے لیکن کسی ایک مقام پر بھی لفظ "کل "استعمال نہیں کیا جبکہ بلوغ المرام کے بعض ہندی نسخہ میں یہ لفظ موجود ہے، حدیث کا باقی متن تین طریق کو جمع کرنے سے پورا ہوتا ہے، اس لیے راقم نے بخاری سے تین حوالے نقل کیے ہیں۔

۳۱۹: حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نماز کے بعد یہ تعوذ پڑھا کرتے تھے: "اے اللہ! میں بخیلی اور بزدلی سے محفوظ رہنے کیلئے تیری پناہ کا طلب گار ہوں، اور ذلیل ترین عمر کی طرف لوٹائے جانے سے بھی تیری پناہ کا طلب گار ہوں، دنیا کے فتنوں اور قبر کے عذاب سے محفوظ رہنے کیلئے بھی تیری پناہ چاہتا ہوں۔ "اسے بخاری نے روایت کیا ہے۔

لغوی تحقیق: البخل: باء مضموم، خاء ساکن، جائز اور مناسب مصارف میں مال کو خرچ کرنے سے گریز کرنا۔ الجبن: جیم مضموم اور باء ساکن، امر باالمعروف نہی عن المنکر اور جہاد میں شریک ہونے سے پہلو تہی کرنا۔ ارذل العمر: بڑھاپے کی وہ عمر جس میں اعصاب واعضا اور عقل جواب دے جائے۔

تشریح: زیر مطالعہ حدیث میں جس عمر سے پناہ طلب کی گئی ہے، یہ وہ عمر ہے جس میں انسان چلنے پھرنے حتیٰ کہ اٹھنے بیٹھنے سے بھی عاجز آ جاتا ہے، قوت یادداشت اور شعور وفکر ختم ہو جاتے ہیں، انسان سے ایام شیر گی جیسی حرکات وسکنات کا صدور ہونا شروع ہو جاتا ہے، بنابریں اس کے پیارے اور لاڈلے بھی اس سے اعراض کرنے لگتے ہیں۔

۳۲۰: وَعَنْ ثَوْبَانَ رضی اللہ عنہ قَالَ كَانَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ إِذَا انْصَرَفَ مِنْ صَلَاتِهِ اسْتَغْفَرَ اللَّهَ ثَلَاثًا , وَقَالَ " اَللَّهُمَّ أَنْتَ السَّلَامُ وَمِنْكَ السَّلَامُ .تَبَارَكْتَ يَا ذَا الْجَلَالِ وَالْإِكْرَامِ " رَوَاهُ مُسْلِمٌ.

صحیح مسلم، کتاب المساجد و مواضع الصلاة، باب استحباب الذکر بعد الصلاة: ۵۹۱، النسائی: ۳/ ۶۸، ابوداود: ۱۵۱۳ ، الترمذی: ۳۰۰، ابن خزیمة: ۷۳۷ ، ۷۳۸، ابن حبان: ۲۰۰۳، البیهقی: ۳۰۸۶ ، ۳۰۸۷

تنبیہ: مؤلف رحمۃ اللہ علیہ نے استغفر کے بعد لفظ الله متن میں نقل کیا ہے جبکہ صحیح مسلم، بیہقی، ابوداود، ترمذی، ابن خزیمہ اور ابن حبان میں لفظ الله متن حدیث میں موجود نہیں۔ درست بھی یہی ہے کیونکہ اگر یہ لفظ متن میں ہوتا تو پھر ولید اپنے شیخ اوزاعی سے یہ سوال کیوں کرتے کیف الاستغفار ؟ (استغفار کیسے کریں) اور اوزاعی یہ جواب کیوں دیتے یقول استغفر الله (کہو استغفر اللہ)۔ (صحیح مسلم: ۵۹۱)

۳۲۰: حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ جب نماز سے فارغ ہوتے تو تین مرتبہ (استغفر الله) اللہ سے استغفار کرتے پھر یہ دعا پڑھتے، "اے اللہ! تو سلامتی والا ہے اور سلامتی تجھ ہی سے ہے، اے جلال واکرام کے مالک! تو ہی بڑی برکت والا ہے۔" (مسلم)

تشریح: سلام پھیرنے کے فوراً بعد تین دفعہ استغفار کرنا اس حقیقت کا کھلے دل سے اعتراف ہے، کہ بندہ اس حق کی ادائیگی کرنے سے قاصر رہا ہے، جو اس کے مالک کا اس پر حق تھا، کیونکہ حق کی ادائیگی کا تقاضہ تھا کہ عابد، معبود کے سامنے ہمہ تن گوش ہو کر قیام وقعود اور رکوع وسجود کی ادائیگی کرتا، لیکن شیطان لعین اس پر بار بار حملے کر کے حق کی ادائیگی میں برابر مداخلت کرتا رہا ہے۔

۳۲۱۔۳۲۲: وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضی اللہ عنہ عَنْ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ قَالَ " مَنْ سَبَّحَ اللَّهَ دُبُرَ كُلِّ صَلَاةٍ ثَلَاثًا وَثَلَاثِينَ , وَحَمِدَ اللَّهِ

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ثَلاثًا وَثَلاثِينَ, وَكَبَّرَ اللَّهُ ثَلاثًا وَثَلاثِينَ, فَتِلْكَ تِسْعٌ وَتِسْعُونَ, وَقَالَ تَمَامَ الْمِائَةِ لا إِلٰهَ إِلَّا اللَّهُ وَحْدَهُ لا شَرِيكَ لَهُ, لَهُ الْمُلْكُ, وَلَهُ الْحَمْدُ, وَهُوَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ, غُفِرَتْ خَطَايَاهُ, وَإِنْ كَانَتْ مِثْلَ زَبَدِ الْبَحْرِ " رَوَاهُ مُسْلِمٌ وَفِي رِوَايَةٍ أُخْرَى " أَنَّ التَّكْبِيرَ أَرْبَعٌ وَثَلاثُونَ"

مسلم، کتاب المساجد و مواضع الصلاة، باب استحباب الذکر بعد الصلاة: ۵۹۵ ـ ۵۹۷، البخاری: ۸۴۳، ابن حبان: ۲۰۱۲ ـ ۲۰۱۵، ابن خزیمة: ۷۴۸، ۷۵۰، مسند احمد: ۳۷۱/۲

تنبیہ: ہندی مطبوعہ نسخوں میں؛غفرت له؛ ہے جبکہ صحیح مسلم میں لفظ؛ له؛نہیں ہے۔

۳۲۱۔۳۲۲: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "جس نے نماز کے بعد تینتیس بار سبحان اللہ اور تینتیس بار الحمد للہ اور تینتیس بار اللہ اکبر کہا، یہ مجموعی طور پر ننانوے بار ہوا اور سو کا ہندسہ پورا کرنے کیلئے لا الہ الا اللہ ...... کہا: اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اس کا کوئی شریک نہیں، بادشاہت اسی کی ہے، حمد و ستائش کے لائق وہی ہے اور وہ ہر چیز پر قادر ہے۔ اس کی تمام خطائیں معاف کر دیں جائیں گی اگرچہ وہ سمندر کی جھاگ کے برابر ہوں۔" اسے مسلم نے روایت کیا ہے اور دوسری روایت میں ہے کہ "اللہ اکبر چونتیس بار کہا۔"

لغوی تحقیق: سبح: اس کی تسبیح بیان کی یعنی سبحان اللہ کہا۔ زبد: زاء اور باء مفتوح، جھاگ۔

تشریح: زیر مطالعہ حدیث جب حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے عطا بن یزید لیثی نقل کرتے ہیں تو وہ انہیں الفاظ سے نقل کرتے ہیں، لیکن جب یہ روایت ابو صالح اور محمد بن ابی عائشہ نقل کرتے ہیں تو وہ قدرے مختلف الفاظ سے تفصیلاً نقل کرتے ہیں۔ یعنی وہ کہتے ہیں کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ فقرا کی ایک جماعت رحمت عالم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئی اور عرض کیا کہ مال دار تو صدقہ و خیرات کی وجہ سے درجات کے تمام زینے سر کر کے دائمی نعمت حاصل کر چکے ہیں، وہ ہماری طرح نماز بھی پڑھتے ہیں اور روزے بھی رکھتے ہیں، لیکن انہیں مالدار ہونے کی وجہ سے ہم پر برتری حاصل ہے، کیونکہ وہ اس کے ذریعے حج اور عمرہ بھی کرتے ہیں، جہاد میں حصہ بھی لیتے ہیں اور صدقہ و خیرات بھی کرتے ہیں، رحمت عالم ﷺ نے فرمایا: "میں تمہیں ایسا نسخہ کیمیا بتائے دیتا ہوں، جس کی وجہ سے تم آگے نکل جانے والوں کے ساتھ مل جاؤ گے اور تمہارے پیچھے آنے والا تمہارے ساتھ مل نہیں پائے گا، تمہارا مقابلہ وہی کر سکے گا جو تمہاری طرح اسی نسخہ کیمیا کو اختیار کرے گا، تم ہر نماز کے بعد تینتیس بار سبحان اللہ، تینتیس بار الحمدللہ، اور تینتیس بار ہی اللہ اکبر کہو۔"

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ایک روایت میں ہے کہ حضرت ابو ذر رضی اللہ عنہ نے مذکورہ درخواست رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں پیش کی تو آپ ﷺ نے انہیں مذکورہ نسخہ کیمیا کی تعلیم فرمائی، اس میں آخری بار لا الہ الا اللہ وحدہ لاشریک له، له الملک وله الحمد و هو علی کل شئی قدیر کی ہدایت کی گئی۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ ہی سے مروی ایک روایت میں ہے کہ فقراء مہاجرین نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر یہ درخواست پیش کی تھی۔

صاحب سبل السلام نے و فی روایة لکھ کر جس دوسری روایت کی طرف اشارہ کیا ہے وہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے طریق سے تو منقول نہیں البتہ حضرت کعب بن عجرہ اور حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہما سے مروی طرق سے منقول ہے۔ اگر ان کی اس دوسرے طریق سے مراد کعب بن عجرہ یا زید بن ثابت رضی اللہ عنہما کا طریق ہے تو پھر درست ہے ورنہ ان سے تسامح ہوا ہے۔

حضرت سہیل رضی اللہ عنہ سے مروی طریق میں تینوں کو ملا کر تینتیس بار پڑھنا مذکور ہے۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی حدیث میں

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

دس دس بار پڑھنے کا بھی ذکر ہے۔

فقہی احکام: (۱) نماز کے بعد تسبیح وتکبیر وتہلیل کو ملا کر سو کی گنتی پوری کرنا مسنون ہے۔(۲) یہ عمل صدقہ وخیرات کے مقابلے میں زیادہ محبوب اور وزنی ہے۔(۳) دائمی عمل اللہ تعالیٰ کو زیادہ محبوب ہے اگرچہ وہ کم ہی ہو۔

۳۲۳: وَعَنْ مُعَاذِ بْنِ جَبَلٍ رضی اللہ عنہ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صلی اللہ علیہ وسلم قَالَ لَهُ " أُوصِيكَ يَا مُعَاذُ لَا تَدَعَنَّ دُبُرَ كُلِّ صَلَاةٍ أَنْ تَقُولَ، اَللَّهُمَّ أَعِنِّي عَلَى ذِكْرِكَ وَشُكْرِكَ وَحُسْنِ عِبَادَتِكَ " رَوَاهُ أَحْمَدُ, وَأَبُو دَاوُدَ, وَالنَّسَائِيُّ بِسَنَدٍ قَوِيٍّ .

ابوداود، کتاب الصلاة، باب فی الاستغفار: ۱۵۲۲، النسائی: ۵۳/۳، احمد: ۲۴۴/۵،ابن خزیمة: ۷۵۱، ابن حبان: ۲۰۲۰، الحاکم: ۲۷۳/۱

۳۲۳: حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا:"اے معاذ! میں تمہیں وصیت کرتا ہوں کہ نماز سے فارغ ہو کر ان کلمات کو ضرور پڑھنا۔اے اللہ! اپنا ذکر اور شکر اور احسن طریقے سے اپنی عبادت کرنے پر میری اعانت فرما۔"اس روایت کو احمد، ابوداؤد اور نسائی نے قوی سند سے بیان کیا ہے۔

لغوی تحقیق: **لاتدعن:** تاء، دال اور عین مفتوح اور نون مشدد ومفتوح، مت ترک کرنا۔

تشریح: نماز پڑھنے کی وجہ سے جسمانی طہارت کے ساتھ ساتھ بڑی حد تک باطنی طہارت بھی ہو چکی ہوتی ہے، اس لیے اس وقت انسان کے منہ سے جو بات نکلتی ہے وہ دل سے نکلتی ہے۔ پھر یہ وقت دعاؤں کی قبولیت کا بھی ہے۔ عجز وانکساری اور سنہری وقت کا جب باہم امتزاج ہوتا ہے تو پھر خالق حقیقی کی طرف سے اپنے بندوں کو پیغام فوز وفلاح ملتا ہے، اس لیے رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس موقع سے بھی خوب فائدہ اٹھایا اور اُمت کو بھی رغبت دلائی کہ وہ بھی اس سے خوب فائدہ حاصل کریں، مؤلف رحمہ اللہ علیہ نے بھی اسی مناسبت سے متعدد دعائیں نقل کی ہیں۔

امام حاکم نے اس حدیث کو نقل کرنے کے بعد اسے صحیحین کی شرط کے مطابق قرار دیا ہے اور امام ذہبی نے امام حاکم کی تحقیق کی توثیق کی ہے۔ اس میں تو کوئی شک نہیں کہ یہ حدیث صحیح ہے لیکن اسے صحیحین کی شرط کے مطابق قرار دینا درست نہیں کیونکہ عقبہ بن مسلم کی مرویات کو شیخین نے صحیحین میں جگہ نہیں دی۔

فقہی احکام: سلام پھیرنے کے بعد اسی جگہ بیٹھ کر مسنون دعاؤں میں سے زیادہ سے زیادہ دعائیں پڑھیں جائیں، خاص کر اس دعا کو ہر نماز کے بعد پڑھا جائے۔

۳۲۴: وَعَنْ أَبِي أُمَامَةَ رضی اللہ عنہ قَالَ، قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صلی اللہ علیہ وسلم " مَنْ قَرَأَ آيَةَ الْكُرْسِيِّ دُبُرَ كُلِّ صَلَاةٍ مَكْتُوبَةٍ لَمْ يَمْنَعْهُ مِنْ دُخُولِ الْجَنَّةِ إِلَّا الْمَوْتُ " رَوَاهُ النَّسَائِيُّ, وَصَحَّحَهُ ابْنُ حِبَّانَ وَزَادَ فِيهِ الطَّبَرَانِيُّ ﴿ وَقُلْ هُوَ اللَّهُ أَحَدٌ ﴾

السنن الکبری للنسائی: ۹۹۲۸، عمل الیوم و اللیلة للنسائی: ۱۰۰، عمل الیوم و اللیلة لابن سنی: ۱۲۳، ۱۲۴، موضوعات لابن جوزی: ۲۴۴/۱، الطبرانی: ۷۵۳۲، المعجم الاوسط: ۸۰۶۴

۳۲۴: حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:"جس شخص نے فرض نماز کے بعد آیت الکرسی پڑھی وہ فوت ہوتے ہی جنت میں داخل ہو جائے گا۔"اسے نسائی نے بیان کیا ہے اور ابن حبان نے صحیح کہا ہے اور طبرانی نے مزید الفاظ نقل کیے ہیں کہ

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

"آیت الکرسی کے ساتھ سورۃ اخلاص بھی پڑھی۔"

تشریح: آیت الکرسی کی فضیلت کے بارے میں اور بھی احادیث منقول ہیں حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جس شخص نے بستر پر لیٹتے وقت اسے پڑھا، اللہ تعالیٰ اسے اور اس کے گھر کو اپنی حفاظت میں رکھے گا اسی طرح سورۃ اخلاص کو قرآن حکیم کی ایک تہائی قرار دیا گیا ہے، آیت الکرسی اور سورۃ اخلاص کے مضامین میں بڑی حد تک یکسانیت موجود ہے، دونوں میں عقیدہ توحید نہایت واضح اور مؤثر انداز میں بیان کیا گیا ہے، ان کی تلاوت عقیدہ توحید میں نکھار پیدا کرتی ہے، عقیدہ توحید ہی جنت کی کلید ہے، اس ناطے زیر مطالعہ حدیث میں واضح کیا گیا ہے کہ اس کی تلاوت کرنے والا مرنے کے فوراً بعد جنت میں داخل ہو جائے گا۔

مؤلف رحمۃ اللہ علیہ نے آیت الکرسی سے متعلق حدیث کی سند کو ابن حبان کے حوالے سے صحیح قرار دیا ہے اور حقیقت بھی یہی ہے کہ یہ حدیث صحیح ہے، لیکن امام ابن جوزی کو اس بارے میں سخت غلطی لگی ہے، کیونکہ انہوں نے اس حدیث کو موضوعات میں شامل کیا ہے، البتہ علامہ البانی نے قل هو الله احد کی زیادتی کو باطل قرار دیا ہے۔

فقہی احکام: (۱) عقیدہ توحید جنت کی کلید ہے۔ (۲) آیت الکرسی اور سورۃ اخلاص اللہ تعالیٰ کو بہت پسند ہیں (۳) جنت موجود ہے۔ (۴) قیامت سے پہلے بھی آدمی جنت میں داخل ہو سکتا ہے۔

۳۲۵: وَعَنْ مَالِکِ بْنِ الْحُوَيْرِثِ رضی اللہ عنہ قَالَ، قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم "صَلُّوا كَمَا رَأَيْتُمُونِي أُصَلِّي" رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ.

البخاری، کتاب الآذان، باب اذان للمسافرین: ۶۳۱، مسند احمد: ۵۳/۳، ابن خزیمة: ۳۹۵/۱، البیهقی: ۳۴۵/۲، ابن حبان: ۱۶۵۸، صحیح مسلم: ۶۷۴، النسائی: ۹/۲، الدارقطنی: ۳۷۲/۱، الدارمی: ۲۸۶/۱، ابو عوانة: ۳۳۱/۱، مسند الشافعی: ۱۲۹/۱، الطبرانی: ۶۳۷/۱۹، مشکل الآثار: ۲۹۶/۲

۳۲۵: حضرت مالک بن حویرث رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "نماز اس طرح پڑھو جس طرح تم نے مجھے پڑھتے دیکھا ہے۔" (بخاری)

تشریح: اس حدیث کو اسلام میں بنیادی حیثیت حاصل ہے، کیونکہ اس حدیث سے واضح ہوتا ہے کہ نماز اور دیگر امور کے بارے میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال و افعال قرآنی اجمال کی تبیین و تشریح ہے، نیز اس حدیث سے یہ بھی واضح ہوا کہ جس شخص نے نماز سے متعلق آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال و افعال سے آگاہی حاصل کر لی ہے اس کے لیے لازم ہو گیا کہ وہ نماز کو طریق نبوی کے مطابق ادا کرے۔ مؤلف رحمۃ اللہ علیہ نے نماز کی بابت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اعمال اور فرمودات نقل کرنے کے بعد حدیث نقل کر کے واضح کیا ہے کہ اس فرمان نبوی کی روشنی میں آپ پر لازم ہو گیا کہ آپ تکبیر تحریمہ سے لے کر سلام پھیرنے کے الفاظ اور انداز تک طریقہ رسول کو اختیار کریں۔ مزید تفصیل کیلئے احکام الاحکام شرح عمدة الاحکام کا مطالعہ فرمائیں۔

فقہی احکام: (۱) قرآن نے نماز کے بارے میں جو مجمل حکم دیا تھا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا عمل اس کا بیان ہے۔ (۲) تمام مسلمان پر لازم ہے کہ وہ نماز اسی طرح پڑھیں جس طرح رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم پڑھتے رہے ہیں۔

۳۲۶: وَعَنْ عِمْرَانَ بْنِ حُصَيْنٍ رضی اللہ عنہما قَالَ، قَالَ لِي رَسُولُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم " صَلِّ قَائِمًا ,فَإِنْ لَمْ تَسْتَطِعْ فَقَاعِدًا ,فَإِنْ لَمْ تَسْتَطِعْ فَعَلَى جَنْبٍ " رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ.

البخاری، کتاب تقصیر الصلاة، باب اذا لم یطق قاعداً صلی علی جنب: ۱۱۱۷، ابو داود: ۹۵۲، الترمذی: ۳۷۲، احمد: ۴۲۶/۴،

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ابن خزیمة : ۹۷۹

۳۲۶: حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "نماز کھڑے ہو کر پڑھو، اگر کھڑے ہو کر پڑھنے کی طاقت نہیں تو پھر بیٹھ کر پڑھو، اور اگر بیٹھ کر پڑھنے کی بھی طاقت نہیں تو پھر پہلوں کے بل لیٹ کر پڑھو۔" اسے بخاری نے روایت کیا ہے۔

لغوی تحقیق: جنب: جیم مفتوح، اور نون ساکن، پہلو۔

تشریح: اس حدیث سے نماز کی اہمیت اور اللہ تعالیٰ کی اپنے بندوں پر شفقت وعنایت کا اظہار ہوتا ہے، یعنی نماز ایک ایسی عبادت جس کو اس کے وقت پر ادا کرنا ہر عاقل وبالغ مسلمان پر فرض ہے، انسان کی صحت اور وقت کے پیش نظر اس کی تعداد رکعات اور ارکان کی ادائیگی میں تخفیف ہے، لیکن معافی نہیں۔ یعنی حالت سفر میں چار رکعات کی جگہ دو رکعت اور بیماری کے آخری درجات میں اشاروں کے ساتھ ادا کرنے کی اجازت ہے، لیکن بالکل معاف نہیں، عصر حاضر میں اتنی اہم عبادت کے ساتھ ہمارا یہ سلوک ہے کہ گھروں کے گھر بے نمازوں سے بھرے ہوئے ہیں۔

تنبیہ: ہندی نسخہ کے کاتب نے اس حدیث کے ذکر کرنے کے بعد اس کے الفاظ کو صحیح بخاری کی طرف منسوب کیا ہے لیکن صحیح بخاری میں آخری لفظ یعنی فاوم موجود نہیں، اس لفظ کے نقل کرنے میں کاتب سے یقیناً تسامح ہوا ہے۔

فقہی احکام: (۱) جس شخص کو بواسیر ہو وہ بیٹھ کر نماز پڑھ سکتا ہے۔ (۲) بواسیر والا شخص ایک وضو سے ایک نماز پڑھ سکتا ہے۔ (۳) لیٹ کر نماز پڑھنے کا طریقہ یہ ہے کہ دائیں پہلو کے بل اس طرح لیٹ جائے کہ چہرہ قبلہ رُخ ہو۔ (۴) ارکان نماز کی ادائیگی اشاروں سے بھی کی جاسکتی ہے۔

۳۲۷: وَعَنْ جَابِرٍ رضی اللہ عنہ أَنَّ النَّبِيَّ صلی اللہ علیہ وسلم قَالَ لِمَرِيضٍ صَلَّى عَلَى وِسَادَةٍ, فَرَمَى بِهَا وَقَالَ " صَلِّ عَلَى الْأَرْضِ إِنْ اسْتَطَعْتَ, وَإِلَّا فَأَوْمِ إِيمَاءً, وَاجْعَلْ سُجُودَكَ أَخْفَضَ مِنْ رُكُوعِكَ " رَوَاهُ الْبَيْهَقِيُّ بِسَنَدٍ قَوِيٍّ وَلَكِنْ صَحَّحَ أَبُو حَاتِمٍ وَقْفَهُ.

السنن الكبرى للبيهقي، كتاب الصلاة، باب الايماء بالركوع و السجود اذا عجز عنها: ۳۶۶۸-۳۶۶۷، معجم الكبير للطبراني: ۲۰۹/۱۲، العلل لابن ابی حاتم: ۹۱۷، تهذيب التهذيب: ۳۴۶/۲، الجرح و التعديل: ۱۷۳/۳، بيان الوهم والايهام: ۲۲/۲

۳۲۷: حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس مریض سے جس نے تکیہ پر نماز پڑھی تھی اس کا تکیہ پھینکتے ہوئے فرمایا: "اگر استطاعت ہے تو پھر زمین پر نماز پڑھو، ورنہ اشارے سے اس طرح پڑھو کہ اپنے سجدے کیلئے اشارہ رکوع سے قدرے نیچے کرو۔" اسے بیہقی نے قوی سند سے بیان کیا ہے، لیکن ابوحاتم نے اس کے موقوف ہونے کو درست قرار دیا ہے۔

لغوی تحقیق: وسادة: واؤ پر زبر، زیر، پیش تینوں حرکات پڑھنا درست ہیں، البتہ زیر زیادہ مستعمل ہے۔ ہر وہ چیز جو سونے والا اپنے سر کے نیچے رکھتا ہے، یعنی تکیہ۔ اخفض: یہ خفض سے ماخوذ ہے، خفض متعدد معانی میں استعمال ہوتا ہے یہاں نیچے کے معنی میں استعمال ہوا ہے، یعنی زیادہ نیچا۔ اوم: ہمزہ مفتوح اور واؤ ساکن، یہ باب افعال سے امر کا صیغہ ہے یعنی اشارے سے پڑھو۔

تشریح: یہ حدیث امام بیہقی نے سفیان ثوری عن ابی الزبیر عن جابر کے طریق سے نقل کی ہے، حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک مریض کی تیمارداری کیلئے تشریف لے گئے، رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم جب وہاں پہنچے تو وہ تکیہ پر سجدہ کر رہا تھا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا تکیہ پکڑ کر پھینک دیا، پھر اس نے لکڑی پکڑی اور اس پر سجدہ کرنا شروع کر دیا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے وہ بھی لیکر پھینک دی، اور فرمایا:

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

"حتی المقدور سجدہ زمین پر، ورنہ اشارے سے کرو، سجدے کیلئے اشارہ رکوع سے قدرِ نیچا کرو۔"

امام بزار فرماتے ہیں کہ یہ حدیث سفیان ثوری سے فقط ابو بکر حنفی نقل کرتے ہیں ممدوح کا یہ بیان درست نہیں۔ کیونکہ ابو بکر حنفی کی متابعت عبدالوهاب بن عطا نے کی ہے۔

امام ابو حاتم نے **العلل** میں اس حدیث کو موقوف قرار دیا ہے۔اس روایت میں موقوف ہونے کے علاوہ دو علتیں اور بھی ہیں۔(۱) سفیان ثوری نے اس روایت کو ابوزبیر سے معنعن نقل کیا ہے۔(۲) ابوزبیر مکی نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے معنعن نقل کیا ہے، سفیان ثوری اور ابوزبیر دونوں معروف مدلس ہیں اس لیے ان کے عنعنہ کی وجہ سے یہ روایت ضعیف ہے۔البتہ تقریباً یہی متن امام طبرانی نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مرفوعاً نقل کیا ہے۔

صاحب سبل السلام نے اس روایت کی سند کو ضعیف قرار دیا ہے۔علامہ ہیثمی نے اس کے ضعیف ہونے کی نشاندہی کرتے ہوئے حفص بن سلیمان کو متروک قرار دیا ہے، شیخ خالد بن ضیف اللہ الشلاحی نے اسے کو قوی قرار دیتے ہوئے اس کے جملہ رواۃ کو ثقہ قرار دیا ہے۔انہوں نے لکھا ہے کہ علامہ ناصر الدین البانی نے اس حدیث کو **السلسلة الصحيحة** میں درج کرنے کے بعد اس سند کو صحیح اور اس کے جملہ رواۃ کو ثقہ قرار دیا ہے۔

امام بیہقی نے عبداللہ بن عمر سے یہ روایت موقوفاً نقل کی ہے، اور اس کے مرفوع طریق پر نقد کرتے ہوئے لکھا ہے کہ نافع سے یہ روایت مرفوعاً فقط عبداللہ بن عامر ہی بیان کرتے ہیں اور وہ اس لائق نہیں کہ ان کی زیادتی کو قبول کیا جائے۔

ان بیانات سے یہ واضح ہوا کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے یہ روایت نافع اور طارق بن شہاب نقل کرتے ہیں، طارق بن شہاب نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے یہ روایت مرفوع نقل کی ہے، جبکہ نافع سے ان کے اکثر شاگرد موقوف اور عبداللہ بن عامر اسلمی مرفوع نقل کرتے ہیں، طارق بن شہاب کے طریق سے عبداللہ بن عمر سے مروی روایت کے صحیح یا ضعیف ہونے میں اختلاف کا سبب حفص بن سلیمان ہے، اس نام کے دو راوی ہیں، ایک کا نام حفص بن سلیمان المنقری ہے، اس کی تاریخ وفات ۱۳۰ ہجری ہے، دوسرے کا نام حفص بن سلیمان المقری ہے اس کی تاریخ وفات ۱۸۰ ہجری ہے، اس نے نوے سال کی عمر پائی ہے، گویا ان دونوں میں تقریباً تیس سال کی باشعور معاصرت ہے۔

علامہ حمدی عبدالمجید السلفی اس روایت کے بارے میں لکھتے ہیں کہ علامہ ہیثمی **مجمع الزوائد** ۱۴۸/۲ میں لکھتے ہیں کہ اس روایت کی سند میں حفص بن سلیمان المنقری ہے اور وہ متروک ہے، امام احمد سے اس کی توثیق اور تضعیف دونوں منقول ہیں جبکہ حقیقت یہ ہے کہ امام احمد بن حنبل کے دو معارض قول حفص بن سلیمان المنقری کے بارے میں نہیں بلکہ حفص بن سلیمان المقری کے بارے میں ہے، حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے عبداللہ بن احمد عن ابیہ کے طریق سے اسے صالح اور ابن ابی حاتم نے عبداللہ عن ابیہ کے طریق سے متروک الحدیث قرار دیا ہے۔حفص بن سلیمان المنقری کو امام احمد نے صالح کہا ہے، امام بخاری اور امام نسائی نے اس کو توثیق کی ہے، امام ابو حاتم اور ابن قطان نے اس کے بارے میں لا بأس بہ کہا ہے **(الجرح والتعدیل : ۱۷۲/۲ ؛ بیان الوھم والایھام : ۲۲/۲)**

ان بیانات سے یہ واضح ہوا کہ اگر حفص بن سلیمان المنقری ہے تو پھر یہ روایت صحیح ہے اور علامہ ہیثمی کا اسے متروک قرار دینا درست نہیں، البتہ علامہ ذہبی نے حفص بن سلیمان المقری کے ترجمہ میں اسے قیس بن مسلم کا شاگرد بتایا ہے، زیر مطالعہ روایت حفص بن سلیمان، قیس بن مسلم ہی سے نقل کرتا ہے، اس لیے اس سے تو بظاہر یہی معلوم ہوتا ہے کہ اس سے مراد حفص بن سلیمان المقری ہے، اس پر امام

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

بخاری، امام شعبہ، ابن خراش، ابن حبان اور علی بن مدینی وغیرہم نے سخت جرح کی ہے، جبکہ دیگر نامور ائمہ نے بھی اس پر نقد کیا ہے، لہٰذا اس سند میں اگر یہی ہے تو پھر روایت ضعیف ہے۔

ان روایات کے معارض آثار بھی منقول ہیں جیسا کہ امام بیہقی نے حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے نقل کیا ہے وہ چمڑے کے تکیہ پر سجدہ کرتی تھیں۔ اسی طرح انہوں نے عدی بن حاتم سے نقل کیا ہے کہ وہ نماز پڑھ رہے تھے اور ان کے سامنے ایک ہاتھ کے برابر بلند دیوار تھی جس پر وہ سجدہ کرتے تھے۔ امام بخاری نے اصبان بن اوس سے نقل کیا ہے کہ ان کے گھٹنے میں تکلیف تھی، وہ سجدہ کرتے وقت گھٹنوں کے نیچے تکیہ رکھ لیا کرتے تھے۔

فقہی احکام: (۱) کسی عذر کی بنا پر سجدہ اشارے سے کرنا جائز ہے۔ (۲) اگر زیادہ جھکنا دُشوار ہو تو پھر دیوار یا تکیہ وغیرہ پر سر رکھ کر سجدہ کرنا جائز ہے۔ (۳) عذر کی بنا پر گھٹنے وغیرہ کے نیچے تکیہ رکھنا بھی جائز ہے۔

۸۔ بَابُ سُجُوْدِ السَّهْوِ وَغَيْرِهِ سجدہ سہو وغیرہ کا بیان

[مِنْ سُجُوْدِ التِّلَاوَةِ وَ الشُّكْرِ]

۳۲۸: عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ بُحَيْنَةَ رضی اللہ عنہ أَنَّ النَّبِيَّ صلی اللہ علیہ وسلم صَلَّى بِهِمُ الظُّهْرَ, فَقَامَ فِي الرَّكْعَتَيْنِ الْأُولَيَيْنِ, وَلَمْ يَجْلِسْ, فَقَامَ النَّاسُ مَعَهُ, حَتَّى إِذَا قَضَى الصَّلَاةَ, وَانْتَظَرَ النَّاسُ تَسْلِيمَهُ, كَبَّرَ وَهُوَ جَالِسٌ. وَسَجَدَ سَجْدَتَيْنِ, قَبْلَ أَنْ يُسَلِّمَ, ثُمَّ سَلَّمَ. أَخْرَجَهُ السَّبْعَةُ, وَهَذَا لَفْظُ الْبُخَارِيِّ وَفِي رِوَايَةٍ لِمُسْلِمٍ، يُكَبِّرُ فِي كُلِّ سَجْدَةٍ وَهُوَ جَالِسٌ وَسَجَدَ النَّاسُ مَعَهُ, مَكَانَ مَا نَسِيَ مِنَ الْجُلُوسِ.

البخاری، كتاب السهو، باب ما جاء فی السهو اذا قام من ركعتی الفريضة: ۱۲۲۴، مسلم: ۵۷۰ ابوداود: ۱۰۳۴، الترمذی: ۳۹۱، النسائی: ۱۹/۳، ابن ماجة: ۱۲۰۶، البيهقی: ۳۴۳/۲، ابن خزيمة: ۱۰۳۲، مسند احمد: ۲۲۹۸۱

۳۲۸: حضرت عبداللہ بن بحینۃ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کو ظہر کی نماز پڑھائی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم دو رکعت پڑھ کر بیٹھنے کی بجائے کھڑے ہو گئے، صحابہ بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کھڑے ہو گئے حتیٰ کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز مکمل فرما لی، صحابہ سلام پھیرنے کے منتظر تھے، لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیٹھے ہی اللہ اکبر کہا اور سلام پھیرنے سے پہلے دو سجدے فرمائے، پھر سلام پھیر دیا۔ اسے ساتوں نے روایت کیا ہے اور مذکورہ الفاظ بخاری کے ہیں۔ مسلم کی روایت میں ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیٹھے بیٹھے ہی سجدہ کیلئے الگ الگ اللہ اکبر کہا اور لوگوں نے بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ یہ سجدے درمیانے تشہد بھول کر چھوڑنے کی وجہ سے کئے۔

لغوی تحقیق: سهو: سین مفتوح اور ہاء ساکن، کسی چیز کو لاعلمی میں چھوڑ دینا۔

تشریح: رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا سہو بھی اُمت کیلئے باعث برکت ہے، اور اگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے سہو کا صدور نہ ہوتا تو اُمت کے افراد سے تو یقیناً سہو ہونا تھا اور اگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے سہو کا صدور نہ ہوتا تو پھر سہو کی تلافی کا طریقہ بھی معرض وجود میں نہ آتا، جبکہ اس کی اشد ضرورت تھی۔ سہو اگرچہ بظاہر صفات محمودہ میں سے نہیں ہے، لیکن اس کا شمار انسانی امتیازات میں ضرور ہوتا ہے، خاص کر جب انسان سہو کی تلافی کر لیتا ہے تو پھر سہو بھی صفات محمودہ میں شامل ہو جاتا ہے، کیونکہ سہو کے صدور پر جب انسان افسردہ ہوتا ہے تو وہ اللہ کے حضور عجز وانکساری کے

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

عالم میں معذرت پیش کرتا ہے، اللہ تعالیٰ کو انسان کی یہی حرکت سب سے زیادہ پسند ہے۔ اس حدیث سے یہ بھی ثابت ہو کہ قعدہ اولیٰ فرض نہیں، اگر یہ رہ جائے تو پھر سجدہ سہو سے اس کی تلافی ہو جاتی ہے۔

فقہی احکام: (۱) کسی بھی انسان سے بھول ہو سکتی ہے۔ (۲) بھول کی وجہ سے نماز فاسد نہیں ہوتی (۳) درمیانہ تشہد فرض نہیں۔ (۴) درمیانے تشہد کی تلافی سجدہ سہو سے ہو جاتی ہے۔ (۵) اگر امام درمیانہ تشہد پڑھے بغیر سیدھا کھڑا ہو جائے تو پھر وہ مقتدیوں کے لقمہ دینے پر بھی نہ بیٹھے۔

۳۲۹: وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضی اللہ عنہ قَالَ صَلَّى النَّبِيُّ ﷺ إِحْدَى صَلَاتَي الْعَشِيِّ رَكْعَتَيْنِ, ثُمَّ سَلَّمَ, ثُمَّ قَامَ إِلَى خَشَبَةٍ فِي مُقَدَّمِ الْمَسْجِدِ, فَوَضَعَ يَدَهُ عَلَيْهَا, وَفِي الْقَوْمِ أَبُو بَكْرٍ وَعُمَرُ, فَهَابَا أَنْ يُكَلِّمَاهُ, وَخَرَجَ سَرَعَانُ النَّاسِ, فَقَالُوا أَقُصِرَتِ الصَّلَاةُ, وَرَجُلٌ يَدْعُوهُ النَّبِيُّ ﷺ ذَا الْيَدَيْنِ, فَقَالَ يَا رَسُولَ اللَّهِ, أَنَسِيتَ أَمْ قُصِرَتْ؟ فَقَالَ " لَمْ أَنْسَ وَلَمْ تُقْصَرْ " فَقَالَ بَلَى, قَدْ نَسِيتَ, فَصَلَّى رَكْعَتَيْنِ ثُمَّ سَلَّمَ, ثُمَّ كَبَّرَ, فَسَجَدَ مِثْلَ سُجُودِهِ, أَوْ أَطْوَلَ ثُمَّ رَفَعَ رَأْسَهُ فَكَبَّرَ, ثُمَّ وَضَعَ رَأْسَهُ, فَكَبَّرَ, فَسَجَدَ مِثْلَ سُجُودِهِ, أَوْ أَطْوَلَ ثُمَّ رَفَعَ رَأْسَهُ وَكَبَّرَ. مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ, وَاللَّفْظُ لِلْبُخَارِيِّ وَفِي رِوَايَةٍ لِمُسْلِمٍ، صَلَاةُ الْعَصْرِ، وَلِأَبِي دَاوُدَ، فَقَالَ أَصَدَقَ ذُو الْيَدَيْنِ؟ فَأَوْمَأُوا أَيْ: نَعَمْ وَهِيَ فِي الصَّحِيحَيْنِ لَكِنْ بِلَفْظِ فَقَالُوا وَ فِي رِوَايَةٍ لَهُ وَلَمْ يَسْجُدْ حَتَّى يَقَّنَهُ اللَّهُ ذَلِكَ.

البخاری، کتاب السھو، باب من یکبر فی سجدتی السھو: ۱۲۲۹، مسلم: ۵۷۳، ابوداود: ۱۰۰۸ ـ ۱۰۱۲، الترمذی: ۳۹۸، ۳۹۹، النسائی: ۲۰/۳ ـ ۲۲، ابن ماجة: ۱۲۱۴، مسند احمد: ۲۳۴/۲، الدارمی: ۱۵۰۵

۳۲۹: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے سورج ڈھلنے کے بعد کی دو نمازوں میں سے کسی ایک نماز کی دو رکعات پڑھا کر سلام پھیر دیا اور مسجد کے سامنے رکھی ہوئی لکڑی کے پاس جا کر کھڑے ہو گئے اور اپنا دست مبارک اسی پر رکھ دیا، مقتدیوں میں اس وقت ابوبکر، عمر رضی اللہ عنہما بھی تھے، یہ دونوں اس سلسلے میں آپ ﷺ سے بات کرنے سے گھبرا رہے تھے اور جلد باز لوگ مسجد سے جا چکے تھے، مسجد میں بیٹھے دیگر لوگ باہم ایک دوسرے سے پوچھنے لگے، کیا نماز میں کمی ہو گئی ہے؟ ان میں سے ایک آدمی جسے رحمت عالم ﷺ (پیار سے) دو ہاتھوں والا کہتے تھے، اس نے عرض کیا، یارسول اللہ ﷺ کیا نماز کم ہو گئی ہے یا آپ ﷺ بھول گئے ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: "نہ نماز کم ہوئی ہے اور نہ مجھ سے بھول ہوئی ہے۔" اس نے عرض کیا: یا حضرت! آپ ﷺ یقیناً، بھول گئے ہیں، پھر آپ ﷺ نے بقیہ دو رکعات پڑھا کر سلام پھیر دیا، پھر اللہ اکبر کہہ کر معمول کے سجدوں کی طرح یا ان سے قدرے لمبا سجدہ فرمایا، پھر آپ ﷺ نے سجدے سے سر اٹھاتے ہوئے اللہ اکبر کہا، پھر آپ ﷺ نے سجدے میں سر رکھا اور اللہ اکبر کہا اور معمول کے سجدوں کے مطابق یا ان سے قدرے لمبا سجدہ فرمایا، پھر آپ ﷺ نے سجدہ سے سر اٹھایا اور اللہ اکبر کہا۔ (بخاری و مسلم) یہ الفاظ بخاری کے ہیں، مسلم کی ایک روایت میں ہے کہ وہ نماز عصر کی تھی۔ ابوداؤد میں ہے کہ آپ ﷺ نے صحابہ سے ذوالیدین کی بات کی تصدیق چاہی تو صحابہ نے اشارے سے تصدیق کی۔ مسلم میں ہے کہ آپ ﷺ نے اللہ کی طرف سے یقین ہونے کے بعد سجدہ سہو کیا۔

لغوی تحقیق: العشی: عین مفتوح، شین مکسور اور یاء مشدد، زوال آفتاب سے لیکر غروب آفتاب تک کا وقت، اس دورانیہ میں ظہر اور عصر کی نمازیں پڑھی جاتی ہیں۔ مسلم میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ ہی سے مروی حدیث میں ظہر کی صراحت بھی مذکور ہے، بخاری کی ایک روایت میں فقط ظہر اور ایک روایت میں ظہر یا عصر، میں سے کوئی ایک ہے۔ میرا غالب گمان ہے کہ وہ عصر کی نماز تھی، یہ بھول حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

تلامذہ سے ہوئی ہے۔ **سرحان**: سین مفتوح اور راء ساکن، سرح سے ماخوذ ہیں یہ مادہ متعدد معنی میں مستعمل ہوا ہے، قرآن حکیم میں یہ مادہ طلاق کے مترادف استعمال ہوا ہے، یہاں اس سے مراد جلد بازی کرنے والے ہیں۔ سین مکسور اور راء ساکن کے ساتھ یہ لفظ بھیڑیئے کا معنی دیتا ہے، **ذوالیدین**: دو ہاتھوں والا، یہ ہاتھوں کے لمبا ہونے سے کنایہ ہے، رحمت عالم ﷺ اس صحابی کا عرفی نام پیار سے لیتے تھے، اس صحابی کا اصل نام خرباق بن عمرو رضی اللہ عنہ تھا۔

تشریح: اس حدیث سے یہ واضح ہوا کہ خطاء ونسیان منصب نبوت کے منافی نہیں لیکن یہ بات ضرور ہے کہ اللہ تعالیٰ انبیا کو خطاء ونسیان پر قائم نہیں رہنے دیتا بلکہ انہیں بہت جلد مطلع کر دیتا تھا، جس سے وہ فوراً اپنی اصلاح فرما لیتے تھے، نیز اس حدیث سے یہ بھی واضح ہوا کہ اگر کوئی شخص بھول کر سلام پھیر لے اور سلام پھیرنے کے بعد باتیں بھی کر لے تب بھی اس کی نماز کا سابقہ حصہ فاسد نہیں ہوگا، البتہ بھول کا یقین ہو جانے کے بعد اگر گفتگو کرتا رہا تو پھر سابقہ نماز بھی فاسد ہو جائے گی۔ صحیحین اور ابوداود کی روایات میں بظاہر تضاد ہے، لیکن اس میں مطابقت کی آسان صورتیں موجود ہیں، یعنی آپ ﷺ نے جب ذوالیدین کی تصدیق چاہی تو بعض صحابہ نے سر کے اشارے سے اور بعض نے زبان سے بول کر تصدیق کی۔ بنابریں راوی نے کبھی **فاومؤا** کہا اور کبھی **فقالوا** کہا نیز مطابقت کی ایک صورت یہ بھی ہے کہ اشارہ کلام ہی کے قائم مقام ہے، اس لیے راوی نے اسے قول سے تعبیر کر دیا۔

فقہی احکام: (۱) بھول انسانیت کا وصف ہے۔ (۲) جملہ انبیا سے نسیان کا صدور ہوا ہے اور یہ ان کے انسان ہونے کا عکاس ہے، انبیا عالم الغیب نہ تھے۔ (۳) اگر نماز مکمل ہونے سے پہلے بھول کر سلام پھیر لے یا نماز میں اضافہ ہو جائے تو پھر پہلے دونوں طرف سلام پھیرا جائے اور اس کے متصل بعد سہو کے دو سجدے کئے جائیں۔ (۴) اگر نماز میں کمی واقع ہو جائے تو پھر سلام پھیرنے سے پہلے دو سجدے کئے جائیں۔ (۵) ان سجدوں کا طریقہ معمول کے سجدوں کی طرح ہے۔ (۶) جب ایک کام میں بہت سے شریک ہوں تو ایسی صورت میں کسی ایک کی بات کی دوسروں سے تصدیق کروائی جا سکتی ہے۔

۳۳۰: وَعَنْ عِمْرَانَ بْنِ حُصَيْنٍ رضی اللہ عنہ أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ صَلَّى بِهِمْ, فَسَهَا فَسَجَدَ سَجْدَتَيْنِ, ثُمَّ تَشَهَّدَ, ثُمَّ سَلَّمَ. رَوَاهُ أَبُو دَاوُدَ, وَالتِّرْمِذِيُّ وَحَسَّنَهُ, وَالْحَاكِمُ وَصَحَّحَهُ.

ابوداود، کتاب الصلاۃ، باب سجدتی السھو فیھما تشھد و تسلیم: ۱۰۳۹، الترمذی: ۳۹۳، ابن خزیمۃ: ۱۳۴/۲، الحاکم: ۳۲۴/۱، البیھقی: ۳۵۴/۲، ۳۵۵، فتح الباری: ۹۸/۳

۳۳۰: حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے انہیں نماز پڑھائی، آپ ﷺ بھول گئے اور آپ ﷺ نے دو سجدے کئے، پھر تشہد پڑھا، سلام پھیرا۔ اسے ابوداود، ترمذی اور حاکم نے بیان کیا ہے، امام ترمذی نے اسے حسن اور امام حاکم نے صحیح کہا ہے

تشریح: خالد الحذاء سے یہ روایت ان کے کئی تلامذہ نقل کرتے ہیں، ان سے مروی فقط ایک طریق یعنی اشعث عن محمد بن سیرین میں دو سلاموں کے درمیان تشہد کا ذکر ہے، پھر یہ طریق بھی متعدد الفاظ سے منقول ہے، ایک میں ہے کہ نبی کریم ﷺ نے سجدہ سہو کے بعد تشہد پڑھا اور سلام پھیرا، ایک طریق میں ہے کہ نبی کریم ﷺ نے صحابہ کو نماز پڑھائی اور آپ ﷺ بھول گئے اس بنا پر آپ ﷺ نے سلام اور کلام کے بعد سجدہ سہو کیا۔ محمد بن یحییٰ کے طریق سے مروی روایت میں ہے کہ آپ ﷺ نے صحابہ کو نماز پڑھائی اور آپ ﷺ اس میں بھول گئے تو آپ ﷺ نے دو سجدے کئے، پھر تشہد پڑھا پھر سلام پھیر دیا۔

امام بیہقی فرماتے ہیں کہ تشہد کا ذکر کرنے میں اشعث الحمرانی کا تفرد ہے، کیونکہ امام شعبہ، وہیب، ابن علیہ، ثقفی، ہشیم، حماد بن زید

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

اور یزید بن زریع جب خالد الحذاء سے روایت نقل کرتے ہیں تو وہ تشہد کا ذکر نہیں کرتے، اسی طرح ابن سیرین سے یہ روایت ایوب نقل کرتے ہیں تو وہ بھی تشہد کا ذکر نہیں کرتے، جبکہ ہشیم سے مروی روایت میں تشہد کا ذکر سہو کے سجدوں سے پہلے ہے، ان بیانات سے یہ واضح ہوا کہ تشہد کا ذکر اشعث کی خطا ہے۔ امام بیہقی کی اس تحقیق پر نقد کرتے ہوئے ابن ترکمانی حنفی لکھتے ہیں کہ اشعث ثقہ ہے اور ثقہ کے زائد الفاظ مقبول ہوتے ہیں۔ اس میں تو کوئی شک نہیں کہ اشعث ثقہ ہے مگر ابن ترکمانی کا یہ قول درست نہیں کہ ثقہ کی زیادتی علی الاطلاق مقبول ہوتی ہے، علم حدیث پر نظر رکھنے والے اس امر سے آگاہ ہیں کہ ثقہ کی زیادتی ہر جگہ مقبول نہیں ہوتی، بلکہ انہیں مقامات پر مقبول ہوتی ہے، جہاں قرائن اس کے مؤید ہوتے ہیں، جبکہ یہاں قرائن اس زیادتی کے خلاف ہیں، لہٰذا یہ زیادتی شاذ ہے، اس زیادتی کے شاذ ہونے پر نامور ماہرین فن کا اتفاق ہے۔

فقہی احکام: سجدہ سہو کرنے کے بعد تشہد پڑھنے کی روایت شاذ ہونے کی وجہ سے نا قابل عمل ہے۔

۳۳۱: وَعَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ ﷺ قَالَ، قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ "إِذَا شَكَّ أَحَدُكُمْ فِي صَلَاتِهِ, فَلَمْ يَدْرِ كَمْ صَلَّى أَثَلَاثًا أَوْ أَرْبَعًا؟ فَلْيَطْرَحِ الشَّكَّ وَلْيَبْنِ عَلَى مَا اسْتَيْقَنَ, ثُمَّ يَسْجُدُ سَجْدَتَيْنِ قَبْلَ أَنْ يُسَلِّمَ, فَإِنْ كَانَ صَلَّى خَمْسًا شَفَعْنَ لَهُ صَلَاتَهُ, وَإِنْ كَانَ صَلَّى تَمَامًا كَانَتَا تَرْغِيمًا لِلشَّيْطَانِ" رَوَاهُ مُسْلِمٌ .

مسلم، کتاب المساجد و مواضع الصلاۃ، باب السھو فی الصلاۃ و السجود له: ۵۷۱، ابوداود: ۱۰۲۴، النسائی: ۳/۲۷، ابن ماجۃ: ۱۲۱۰، احمد: ۳/۸۳، الدارقطنی: ۱/۳۷۱، الدارمی: ۱۵۰۲، مؤطا: ۱/۹۵، البیھقی: ۲/۳۳۱

۳۳۱: حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "جب تم میں سے کسی ایک کو اپنی نماز میں شک گزرے اور اسے معلوم نہ رہے کہ اس نے تین رکعات پڑھیں ہیں یا چار، ایسی صورت میں وہ شک کو نظر انداز کرے اور یقین پر بنا قائم کرے، پھر سلام سے قبل دو سجدے کرے، اگر اس نے پانچ رکعات پڑھی ہونگی تو یہ دونوں سجدے ایک رکعت کے قائم مقام ہو کر رکعات کو جفت بنا دیں گے اور اگر اس نے نماز پوری پڑھی ہوگی تو پھر یہ دونوں سجدے شیطان کے لیے باعث ذلت ہونگے۔"

لغوی تحقیق: لم یدر: یاء مفتوح اور دال ساکن، اصل میں یدری تھا، یاء حرف علت، لم حرف جازم کی وجہ سے ساقط ہوگئی یعنی وہ نہیں جانتا۔ فلیطرح: پھینک دے۔ شفعن: دونوں سجدہ رکعات کو جفت بنا دیں گے۔ ترغیماً: رسوائی اور ذلت۔

تشریح: نمازی کو اگر تعداد رکعت میں شک واقع ہو جائے یعنی اسے یہ یقین نہ ہو کہ اس نے چار رکعات پڑھی ہیں یا تین تو اسے اس خیال پر بنیاد رکھنی چاہیے جو غالب ہو، اگر دونوں طرح کے خیالات برابر ہوں تو پھر تین رکعات کو بنیاد بنا کر ایک رکعت اور پڑھ لے اور سلام پھیرنے سے قبل دو سجدے کرلے، اگر اس نے پانچ رکعات پڑھی ہونگی تو یہ دو سجدے ایک مکمل رکعت کا کام دیں گے۔ اس طرح اس کی نماز کے چار فرض اور دو نفل ہو جائیں گے۔ اگر چار رکعات پڑھی ہونگی تو پھر دو سجدے بے خیالی کی وجہ سے پیدا ہونے والے نقصان کو دور کردیں گے، اس طرح ہر دو صورتوں میں شیطان کی سعی مذمومہ ناکام ہوگی اور وہ ذلیل و خوار ہوگا۔

فقہی احکام: (۱) شک کو ختم کر کے یقین پر بنیاد رکھنی چاہیے۔ (۲) اگر ظن غالب کا فقدان ہو تو پھر کم پر بنیاد رکھی جائے۔
(۳) سجدہ سہو بھول کی تلافی کرنے کے ساتھ ساتھ شیطان کے لیے باعث ذلت بھی ہے۔

۳۳۲: وَعَنِ ابْنِ مَسْعُودٍ ﷺ قَالَ صَلَّى رَسُولُ اللَّهِ ﷺ فَلَمَّا سَلَّمَ قِيلَ لَهُ يَا رَسُولَ اللَّهِ, أَحَدَثَ فِي الصَّلَاةِ شَيْءٌ؟ قَالَ " وَمَا ذَلِكَ" قَالُوا صَلَّيْتَ كَذَا ؟, قَالَ فَثَنَى رِجْلَيْهِ وَاسْتَقْبَلَ الْقِبْلَةَ, فَسَجَدَ سَجْدَتَيْنِ, ثُمَّ سَلَّمَ, ثُمَّ أَقْبَلَ عَلَيْنَا

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

بِوَجْهِهِ فَقَالَ " إِنَّهُ لَوْ حَدَثَ فِي الصَّلَاةِ شَيْءٌ أَنْبَأْتُكُمْ بِهِ ,وَلَكِنْ إِنَّمَا أَنَا بَشَرٌ أَنْسَى كَمَا تَنْسَوْنَ ,فَإِذَا نَسِيتُ فَذَكِّرُونِي ,وَإِذَا شَكَّ أَحَدُكُمْ فِي صَلَاتِهِ فَلْيَتَحَرَّ الصَّوَابَ ,فَلْيُتِمَّ عَلَيْهِ ,ثُمَّ لِيَسْجُدْ سَجْدَتَيْنِ " مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ وَفِي رِوَايَةٍ لِلْبُخَارِيِّ ، فَلْيُتِمَّ ,ثُمَّ يُسَلِّمْ ,ثُمَّ يَسْجُدُ وَلِمُسْلِمٍ ،أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ سَجَدَ سَجْدَتَيِ السَّهْوِ بَعْدَ السَّلَامِ وَالْكَلَامِ .

البخاری، کتاب الصلاۃ، باب توجه نحو القبلة: ۴۰۱، مسلم: ۵۷۲، ابوداود: ۱۰۱۹، ۱۰۲۰، ۱۰۳۰، ۱۰۳۱، الترمذی: ۳۹۲، ۳۹۳، النسائی: ۲۹/۳، ابن ماجة: ۱۲۱۱، البیهقی: ۳۳۰/۲، ابن خزیمة: ۱۰۲۸

۳۳۲: حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے نماز پڑھی، جب آپ ﷺ نے سلام پھیرا تو آپ ﷺ سے عرض کیا گیا، اے اللہ کے رسول ﷺ! کیا نماز کی بابت کوئی نیا حکم آیا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: "وہ کیسے؟" انہوں نے عرض کیا: آپ ﷺ نے اتنی اتنی نماز پڑھی ہے، حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ آپ ﷺ نے اپنے دونوں پاؤں دوہرے کئے اور رُخ انور قبلہ کی طرف فرمایا پھر دو سجدے کئے اور سلام پھیرا، پھر صحابہ کی طرف رُخ انور پھیرتے ہوئے فرمایا: "اگر نماز میں کوئی نیا حکم آتا تو میں تمہیں ضرور آگاہ کرتا، لیکن میں بھی انسان ہوں، جس طرح تم بھول جاتے ہو، میں بھی اسی طرح بھول گیا ہوں، جب میں بھول جاؤں تو تم مجھے یاددہانی کراؤ، اور جب تم میں سے کوئی نماز کے بارے میں شک میں مبتلا ہو جائے تو درست صورت حال تک پہنچنے کی کوشش کرے، پھر اسے بنیاد بنا کر نماز مکمل کرے، پھر سلام پھیرے، پھر دو سجدے کرے۔" صحیح مسلم میں ہے کہ آپ ﷺ نے سلام اور کلام کے بعد سہو کے دو سجدے فرمائے۔

تشریح: زیر مطالعہ حدیث سے واضح ہوا کہ امام اگر بھول جائے تو مقتدی حضرات کو چاہیے کہ وہ سبحان اللہ کہہ کر امام کو اس کی غلطی سے آگاہ کر دیں، اور غلطی میں بھی اس کی اقتدا کریں، نیز اس حدیث سے یہ بھی ثابت ہوا کہ سجدہ سہو سلام پھیرنے کے بعد کیا جا سکتا ہے، سجدہ سہو سلام پھیرنے کے بعد کیا جائے یا پہلے؟ اس سلسلے میں صحابہ سے مختلف احادیث منقول ہیں۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث میں خطا ونسیان کی صورت میں سجدہ کرنے کا حکم ہے، لیکن اس میں صراحت نہیں کہ سجدہ سہو سلام پھیرنے سے پہلے کیا جائے یہ بعد، البتہ ابوداؤد میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث میں قبل از سلام کی تعیین ہے، اس طرح حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث میں قبل از سلام کا ذکر ہے، اسی طرح حضرت بحینہ رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث میں بھی قبل از سلام کا ذکر ہے، جبکہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہما سے مروی حدیث میں بعد از سلام کا ذکر ہے۔

ان احادیث کے پیش نظر ائمہ میں اختلاف پایا جاتا ہے، اہل علم کے ایک گروہ کا خیال ہے کہ سجدہ سہو قبل از سلام ہونا چاہیے، ایک گروہ کا خیال ہے کہ اس میں اختیار ہے چاہے قبل از سلام کرے یا بعد از سلام۔ امام مالک کا کہنا ہے کہ اگر نماز میں زیادتی واقع ہو جائے تو پھر سجدہ سہو بعد از سلام کیا جائے اور اگر کمی واقع ہو جائے تو پھر قبل از سلام کیا جائے۔

احناف کے نزدیک بعد از سلام کیا جائے۔ جن حضرات کا کہنا ہے کہ قبل از سلام ہی کرنا چاہیے ان کا کہنا کہ بعد از سلام کی حدیث منسوخ ہے، کیونکہ قبل از سلام کا ذکر حضرت ابو ہریرہ اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہما سے مروی احادیث میں ہے، اور یہ دونوں متاخر الاسلام ہیں، راقم کے نزدیک نسخ کا یہ دعویٰ درست نہیں کیونکہ کسی صحابی کے متاخر الاسلام ہونے سے یہ لازم نہیں آتا کہ اس کی مرویات ان تمام صحابہ کی مرویات کی ناسخ ہیں جو مقدم الاسلام ہیں۔

فقہی احکام: (۱) سجدہ سہو سلام سے پہلے اور بعد دونوں طرح درست ہیں، تاہم پہلے زیادہ بہتر ہے کیونکہ زیادہ تر احادیث اس کی مؤید

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

ہیں۔(۲) بعد از سلام ہونے کی صورت میں پہلے دونوں طرف سلام پھیرنا ہوگا، کیونکہ ایک طرف سلام پھیر کر سجدہ سہو کرنا ثابت نہیں۔ (۳) سجدہ سہو کے بعد تشہد پڑھنا درست نہیں۔

۳۳۳: وَلِأَحْمَدَ, وَأَبِي دَاوُدَ ,وَالنَّسَائِيِّ مِنْ حَدِيثِ عَبْدِاللهِ بْنِ جَعْفَرٍ مَرْفُوعاً "مَنْ شَكَّ فِي صَلَاتِهِ ,فَلْيَسْجُدْ سَجْدَتَيْنِ بَعْدَمَا يُسَلِّمُ " وَصَحَّحَهُ اِبْنُ خُزَيْمَةَ.

ابوداود، كتاب الصلاة، باب من قال بعد التسليم: ۱۰۳۳، النسائي: ۳/ ۳۰، احمد: ۱/ ۲۰۴، ابن خزيمة : ۲/ ۱۰۹، ۱۱۶، البيهقي: ۲/ ۳۳۶

۳۳۳: احمد، ابوداؤد اور نسائی میں حضرت عبداللہ بن جعفر رضی اللہ عنہ سے مروی مرفوع حدیث میں ہے کہ "جس شخص کو نماز میں شک لاحق ہو جائے وہ سلام پھیرنے کے بعد دو سجدے کرے۔" اس حدیث کو ابن خزیمہ نے صحیح کہا ہے۔

تشریح: یہ روایت مصعب بن شیبہ اور اس کے شیخ کی وجہ سے ضعیف ہے نیز امام ابن خزیمہ نے عبداللہ بن جعفر سے مروی جس حدیث کو صحیح قرار دیا ہے، اس میں صراحت نہیں کہ سجدہ سہو سلام سے پہلے یا بعد کیا جائے، البتہ انہوں نے عبداللہ بن مسعود سے جو حدیث نقل کی ہے اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ سجدہ سہو سلام کے بعد کیا جائے۔ امام ممدوح اس حدیث کے ضمن میں فرماتے ہیں کہ شک دور کرنے کے بعد زیادہ پر بنیاد رکھی جائے، تو پھر سہو کے سجدے بعد از سلام کئے جائیں اور اگر کم پر بنیاد رکھی جائے تو پھر سلام سے پہلے کئے جائیں۔

فقہی احکام: کم پر بنیاد رکھنی چاہیے کیونکہ یہی احوط ہے۔

۳۳۴: وَعَنِ الْمُغِيرَةِ بْنِ شُعْبَةَ رضی اللہ عنہ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ قَالَ "إِذَا شَكَّ أَحَدُكُمْ ,فَقَامَ فِي الرَّكْعَتَيْنِ ,فَاسْتَتَمَّ قَائِمًا , فَلْيَمْضِ وَلَا يَعُوْدُ ,وَلْيَسْجُدْ سَجْدَتَيْنِ ,وَإِنْ لَمْ يَسْتَتِمْ قَائِمًا فَلْيَجْلِسْ وَلَا سَهْوَ عَلَيْهِ " رَوَاهُ أَبُو دَاوُدَ ,وَابْنُ مَاجَة, وَالدَّارَقُطْنِيُّ ,وَاللَّفْظُ لَهُ بِسَنَدٍ ضَعِيفٍ.

الدارقطني، كتاب الصلاة، باب الرجوع الى القعود قبل استتمام القيام: ۱/ ۳۷۸، ابوداود: ۱۰۳۷، ۱۰۳۶، ابن ماجة: ۱۲۰۸، شرح معاني الآثار: ۱/ ۴۴۰، المجموع: ۴/ ۱۲۲، ابوداؤد الطيالسي: ۶۹۵، البيهقي: ۲/ ۳۴۴، الارواء: ۲/ ۱۱۱

تنبیہ: مؤلف رحمۃ اللہ علیہ نے مذکورہ روایت کے الفاظ کو امام دارقطنی کی طرف منسوب کیا ہے، لیکن دارقطنی کے مطبوعہ نسخہ میں یہ روایت بعینہ ان الفاظ کے ساتھ موجود نہیں، کیونکہ دارقطنی میں فليمض کے بعد ولا يعود کے الفاظ نہیں ہیں، نیز مؤلف رحمۃ اللہ علیہ نے فان لم يستتم کے الفاظ نقل کئے ہیں جبکہ دارقطنی میں وان لم يستتم ہے۔ البتہ ابن ماجہ اور ابوداؤد کے مقابلے میں دارقطنی کے الفاظ قریب تر ہیں۔

۳۳۴: حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "تم میں سے کسی ایک کو جب شک گزرے اور وہ دوسری رکعت میں بیٹھے بغیر اٹھ جائے اور وہ بالکل سیدھا کھڑا ہو جائے تو وہ اپنی نماز کو جاری رکھے اور دوبارہ مت بیٹھے اور بعد میں سہو کے دو سجدے کرلے، اور اگر اسے بالکل سیدھا کھڑے ہونے سے پہلے یاد آ جائے تو پھر وہ بیٹھ جائے، اس پر سجدہ سہو نہیں ہے۔" اسے ابوداؤد، ابن ماجہ اور دارقطنی نے روایت کیا ہے۔ مذکورہ الفاظ دارقطنی کے ہیں، اس روایت کی سند ضعیف ہے۔

تشریح: اس روایات کا مرکزی راوی جابر بن یزید جعفی ہے، یہ محدثین کے نزدیک سخت ضعیف ہے، امام ابوداؤد فرماتے ہیں کہ میری اس کتاب (سنن ابی داؤد) میں جابر بن یزید جعفی سے مروی یہی ایک روایت ہے۔ امام نووی فرماتے ہیں، اس روایت کو امام ابوداؤد اور امام ابن ماجہ نے ضعیف سند سے نقل کیا ہے۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

یہ روایت جابر بن یزید کے طریق سے تو یقیناً ضعیف ہے، لیکن اس روایت کے بیان کرنے میں قیس بن ربیع اور ابراہیم بن طہمان نے جابر بن یزید کی متابعت کی ہے، نیز مغیرہ بن شعبہ سے عملی طور پر بھی اسی طرح منقول ہے جیسا کہ زید بن علاقہ کا بیان ہے وہ کہتے ہیں کہ مغیرہ بن شعبہ نے ہمیں نماز پڑھائی، جب انہوں نے دو رکعات پڑھ لی تو وہ بیٹھے بغیر سیدھے کھڑے ہو گئے، مقتدی حضرات میں سے کسی نے سبحان اللہ کہا لیکن مغیرہ بن شعبہ نے انہیں اشارے سے کھڑے ہونے کا حکم دیا، اور جب وہ نماز سے فارغ ہوئے تو انہوں نے سلام پھیرا پھر دو سجدے کئے اور پھر سلام پھیرا، اس کے بعد انہوں نے فرمایا کہ نبی کریم ﷺ نے اسی طرح کیا تھا، یہ روایت مسعودی کی وجہ سے ضعیف ہے، یہی روایت ابن ابی لیلیٰ کے طریق سے بھی اسی طرح منقول ہے مگر یہ طریق بھی ابن ابی لیلیٰ کی وجہ سے ضعیف ہے، کیونکہ اس کی یادداشت بہت زیادہ کمزور تھی۔ ان دونوں کی متابعت اگرچہ علی بن مالک نے بھی کی ہے، لیکن یہ مطابقت بھی مفید نہیں کیونکہ یہ شخص بھی ضعیف ہے۔

امام بیہقی نے حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے کہ وہ سیدھے کھڑے ہونے سے پہلے بیٹھ گئے اس کے باوجود انہوں نے سجدہ سہو کیا تھا۔ علامہ البانی فرماتے ہیں کہ یہ روایت متعدد طریق سے متابعت کی وجہ سے صحیح ہے خاص کر امام طحاوی کا نقل کردہ طریق تو انفرادی طور پر بھی صحیح ہے۔

فقہی احکام: (۱) درمیانہ تشہد نماز کا رکن نہیں۔ (۲) اس کے چھوٹ جانے پر نماز فاسد نہیں ہوتی۔ (۳) اگر سیدھے کھڑے ہونے سے پہلے یاد آ جائے تو فوراً بیٹھ جانا چاہیے، اس صورت میں سجدہ سہو بھی نہیں ہے۔ (۴) اگر کوئی سجدہ سہو کر لے تو کوئی حرج نہیں، اگر سیدھے کھڑے ہو جانے کے بعد یاد آئے تو اسے واپس نہیں بیٹھنا چاہیے، البتہ نماز کے اختتام پر سجدہ سہو کرنا چاہیے۔

۳۳۵: وَعَنْ عُمَرَ رضی اللہ عنہ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ "لَيْسَ عَلَى مَنْ خَلْفَ الْإِمَامِ سَهْوٌ فَإِنْ سَهَا الْإِمَامُ فَعَلَيْهِ وَعَلَى مَنْ خَلْفَهُ" رَوَاهُ الْبَزَّارُ وَالْبَيْهَقِيُّ بِسَنَدٍ ضَعِيفٍ.

البیھقی، کتاب الصلاۃ، باب من سھا خلف الامام دونہ لم یسجد للسھو: ۳۹۹۱، الدارقطنی: ۱/۳۷۷

۳۳۵: حضرت عمر رضی اللہ عنہ نبی کریم ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ "مقتدی پر سجدہ سہو نہیں، ہاں! اگر امام بھول جائے تو پھر امام اور مقتدی دونوں پر سجدہ سہو ہے۔" اس روایت کو بزار اور بیہقی نے ضعیف سند سے نقل کیا ہے۔

تشریح: اس روایت سے یہ ثابت ہوا کہ اگر مقتدی نماز میں بھول جائے تو اس پر سجدہ سہو نہیں، اور اگر امام بھول جائے تو سب پر سجدہ سہو ہے، لیکن یہ روایت دو علتوں کی وجہ سے انتہائی ضعیف ہے۔ (۱) خارجہ بن مصعب پر ماہرین فن نے سخت جرح کی ہے امام ابن معین اور امام ابوحاتم نے اسے جھوٹا قرار دیا ہے۔ (۲) خارجہ بن مصعب کے استاد ابوحسین المدینی کو امام ابن کثیر اور امام بیہقی نے مجہول قرار دیا ہے۔ اسی مفہوم کی ایک روایت حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے بھی منقول ہے، لیکن وہ روایت بھی عمر بن عمرو عسقلانی کے متروک ہونے کی وجہ سے سخت ضعیف ہے۔

امام بیہقی نے ابوزناد سے نقل کیا ہے، وہ کہتے ہیں فقہاے مدینہ کا فتویٰ اسی روایت کے مطابق ہے۔ نواب نور الحسن نے لکھا ہے کہ احناف اور شوافع کا مسلک بھی یہی ہے۔

۳۳۶: وَعَنْ ثَوْبَانَ رضی اللہ عنہ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ "لِكُلِّ سَهْوٍ سَجْدَتَانِ بَعْدَمَا يُسَلِّمُ" رَوَاهُ أَبُو دَاوُدَ, وَابْنُ مَاجَهْ بِسَنَدٍ ضَعِيفٍ.

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

ابوداود، کتاب الصلاۃ، باب من نسی ...... : ۱۰۳۸، ابن ماجۃ: ۱۲۱۹، مسند احمد: ۲۸۰/۵، البیھقی: ۳۹۲۹، ۳۹۳۰، ۳۹۶۷

۳۳۶: حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "ہر بھول پر سلام پھیرنے کے بعد دو سجدے ہیں۔" اس روایت کو ابوداؤد اور ابن ماجہ نے ضعیف سند سے روایت کیا ہے۔

تشریح: اس روایت سے یہ واضح ہوا کہ ہر بھول کے بدلے دو سجدے کرنا ضروری ہے، امام بیہقی نے اس روایت کو نقل کرنے کے بعد اسے ضعیف قرار دیا ہے، لیکن ابن ترکمانی حنفی نے امام بیہقی کے قول کو مسترد کرتے ہوئے لکھا ہے کہ امام بیہقی کی بیان کردہ علت کمزور ہے، کیونکہ ابن عیاش نے یہ روایت عبیداللہ الکلاعی شامی سے نقل کی ہے جبکہ خود امام بیہقی کے نزدیک ابن عیاش کی شامی محدثین سے مروی روایات صحیح ہیں۔ اس میں تو کوئی شک نہیں کہ ابن عیاش کی شامی محدثین سے روایات صحیح ہیں لیکن ابن ترکمانی کا امام بیہقی پر نقد درست نہیں ہے کیونکہ امام بیہقی نے اس روایت کے ضعیف ہونے کی دو دیگر علتیں بھی نقل کی ہیں۔

(۱) عبدالرحمٰن بن جبر اور حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ کے مابین انقطاع ہے، اس روایت کو موصولاً فقط عمرو بن عثمان نے نقل کیا ہے، زبیر بن سالم عنسی کو امام دارقطنی نے منکر الحدیث قرار دیا ہے۔

(۲) امام بیہقی نے اس روایت کے ناقابل احتجاج ہونے کی دوسری علت یہ بیان کی ہے کہ یہ روایت حضرت ابوہریرہ اور حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہما سے مروی صحیح احادیث کے خلاف ہے، نیز امام بیہقی نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "نماز میں ہر قسم کی کمی و بیشی کیلئے سہو کے دو سجدے ہی کافی ہیں۔" امام بیہقی فرماتے ہیں کہ اس روایت کو حکیم بن نافع نے نقل کیا ہے، انہیں امام یحییٰ بن معین نے ثقہ قرار دیا ہے۔

اس روایت سے دوسرا مسئلہ یہ ثابت ہوتا ہے کہ سہو کے سجدے سلام پھیرنے کے بعد ہی کئے جائیں یہ جملہ بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی قولی اور عملی حدیث کے خلاف ہے

۳۳۷: وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضی اللہ عنہ قَالَ سَجَدْنَا مَعَ رَسُولِ اللَّهِ صلی اللہ علیہ وسلم فِي ﴿إِذَا السَّمَاءُ انْشَقَّتْ﴾ و ﴿اِقْرَأْ بِاسْمِ رَبِّكَ﴾ رَوَاهُ مُسْلِمٌ.

مسلم، کتاب المساجد و مواضع الصلاۃ، باب سجود التلاوۃ: ۵۷۸، الترمذی: ۵۷۸، ابوداود: ۱۴۰۷، النسائی: ۱۶۲/۲، البیھقی: ۳۱۶/۲، ابوعوانۃ: ۲۰۸/۲، البخاری: ۷۶۶۔ ۷۶۸، ۱۰۷۸، الدارمی: ۳۴۳/۱، ابن خزیمۃ: ۵۵۹، ابن ماجۃ: ۱۰۵۲، ابن حبان: ۲۷۵۹، ۲۷۶۱

تنبیہ: (۱) بلوغ المرام کے بعض مطبوعہ نسخوں میں الذی خلق بھی ہے لیکن مسلم کے مطبوعہ نسخہ میں الذی خلق کے الفاظ نہیں، ان الفاظ کے ساتھ اس روایت کو امام ابوداؤد نے نقل کیا ہے۔ (۲) ابن خزیمہ کے مطبوعہ نسخہ میں طباعت کی غلطی کی وجہ سے زیر مطالعہ حدیث پر رقم الحدیث: ۹۵۵ درج ہو گیا ہے، جبکہ صحیح رقم الحدیث: ۵۵۹ ہے، رقم الحدیث کی یہ غلطی محترم شعیب الارنووط سے صحیح ابن حبان کی تخریج میں بھی سرزد ہوئی ہے۔

۳۳۷: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اقتدا میں سورۃ انشقاق اور سورۃ علق میں سجدہ تلاوت کیا۔ مسلم

تشریح: سجدہ تلاوت ان آیات کے تلاوت کرنے پر ہے جن میں سجدہ کرنے کا حکم یا اس کی رغبت کا ذکر ہے، خواہ یہ تلاوت نماز میں ہو یا نماز کے علاوہ، جیسا کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قرآن حکیم کی تلاوت فرماتے وقت جب آیت سجدہ تلاوت فرماتے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم سجدہ فرماتے اور ہم بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ سجدہ کرتے تھے، حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

میں ہے کہ ابن آدم جب آیت سجدہ تلاوت کے بعد سجدہ کر کے فارغ ہوتا ہے تو شیطان کف افسوس ملتے ہوئے کہتا ہے، ہائے افسوس! ابن آدم کو سجدہ کرنے کا حکم ملا تو اس نے سجدہ کر لیا، اور اس کے بدلے میں اس کیلئے جنت ہے، مجھے حکم ملا تو میں نے انکار کر دیا، میرے لئے آگ ہے۔ ان روایات کے پیش نظر جمہور علما نے کہا کہ سجدہ تلاوت قاری اور سامع دونوں کیلئے سنت ہے۔ جبکہ احناف کے نزدیک واجب ہے، قرآن حکیم میں موجود سجدوں کی تعداد کے بارے میں اہل علم باہم مختلف آراء رکھتے ہیں، امام شافعی کے نزدیک ان کی تعداد گیارہ، احناف کے نزدیک چودہ اور حنابلہ کے نزدیک پندرہ ہے۔

فقہی احکام: سجدہ تلاوت امام اور مقتدی، قاری و سامع دونوں کیلئے مسنون ہے۔

۳۳۸: وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رضی اللہ عنہما قَالَ ﴿ص﴾ لَيْسَتْ مِنْ عَزَائِمِ السُّجُودِ ,وَقَدْ رَأَيْتُ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ يَسْجُدُ فِيهَا. رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ

البخاری، کتاب السجود القرآن، باب سجدة ص: ۱۰۶۹، ابوداود: ۱۴۰۹، عبد الرزاق: ۳۳۷/۳، النسائی: ۱۵۹/۲، ابن خزیمة: ۵۵۱، بیهقی: ۳۸۴۳، ابن حبان: ۳۵۴، ۲۷۶۶، البیهقی: ۳۱۸/۲، المجموع: ۶۱/۴، الدارقطنی: ۴۰۷/۱، الطبرانی: ۱۲۳۸۶/۱۲، الترمذی: ۵۸۲

۳۳۸: حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ سورة ص میں مذکور سجدہ ان سجدوں میں نہیں ہے جن کا کرنا ضروری ہے البتہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ سجدہ کرتے دیکھا ہے۔ (بخاری)

لغوی تحقیق: **عزائم:** یہ **عظیمة** کی جمع ہے یعنی وہ امور جن کا کرنا ضروری ہے، حدیث میں یہ لفظ اسی معنی میں استعمال ہوا ہے جیسا کہ آپ ﷺ کا ارشاد ہے: "**ان اللہ یحب ان تؤتی رخصه کما یحب ان تؤتی عزائمة:** یعنی اللہ تعالیٰ یہ پسند کرتا ہے کہ اس کی طرف سے عطا کردہ رخصتوں کو اختیار کیا جائے جیسا کہ وہ چاہتا ہے کہ اس کی طرف سے عائد کردہ فرائض کی تکمیل کی جائے۔"

تشریح: سورة ص کی جس آیت میں حضرت داؤد علیہ السلام کے سجدہ کرنے کا ذکر ہے اس میں یا اس کے بعد کسی آیت میں مخاطبین کو نہ تو سجدہ کرنے کا حکم دیا گیا ہے اور نہ اس کی رغبت دلائی گئی ہے، فقط خبر کے انداز میں یہ بتایا گیا ہے، حضرت داؤد علیہ السلام فوراً سجدے میں گر گئے، رحمت عالم ﷺ نے حضرت داؤد علیہ السلام کے عمل کی یاد کو تازہ رکھنے کیلئے سجدہ فرمایا جیسا کہ حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ آپ ﷺ منبر پر تشریف فرما تھے اسی دوران آپ ﷺ نے سورة سجدہ کی تلاوت فرمائی، جب آپ ﷺ سجدہ والی آیت پر پہنچے تو آپ ﷺ منبر سے نیچے تشریف لائے اور سجدہ فرمایا، صحابہ نے بھی آپ ﷺ کی اقتدا میں سجدہ فرمایا، دوسرے دن آپ ﷺ نے پھر سورة ص کی تلاوت فرمائی، آپ ﷺ جب سجدہ والی آیت پر پہنچے تو صحابہ سجدہ کرنے کیلئے جھکے، رحمت عالم ﷺ نے فرمایا: "یہ سجدہ اللہ کے نبی داؤد کی توبہ کا سجدہ ہے لیکن میں تمہیں دیکھ رہا ہوں کہ تم سجدے کیلئے جھکے ہو۔" (اس کے بعد) آپ ﷺ نیچے تشریف لائے اور سجدہ فرمایا، صحابہ نے بھی سجدہ فرمایا۔ امام نووی نے اس حدیث کو صحیح قرار دیا ہے

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مرفوع حدیث میں ہے کہ نبی کریم ﷺ نے سورة ص کا سجدہ کیا اور فرمایا: "حضرت داؤد علیہ السلام نے تو یہ سجدہ بطور توبہ کیا تھا اور ہم اظہار تشکر کیلئے کرتے ہیں۔" امام نووی نے اس حدیث کو ضعیف قرار دیا ہے۔ اس کے ضعیف ہونے کی علت حجاج بن محمد کا اختلاط ہے، لیکن حجاج بن محمد کی متابعت عبداللہ بن بدیع، معمر اور محمد بن الحسین نے کی ہے۔

فقہی احکام: سورة ص کا سجدہ بھی مسنون ہے۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

۳۳۹: وَعَنْهُ أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ سَجَدَ بِ﴿النَّجمِ﴾ رَواهُ الْبُخارِيُّ.

البخاری، کتاب سجود القرآن، باب سجود المسلمین مع المشرکین: ۱۰۷۱، الترمذی: ۵۸۰، الدارقطنی: ۱/ ۴۰۹، البیهقی: ۳۱۴/۲، ابن حبان: ۲۷۶۲ ـ ۲۷۶۴، احمد: ۱۸۶/۵، الدارمی: ۲۴۳/۲، ابن خزیمۃ: ۵۶۸

۳۳۹: حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما ہی سے مروی ہے کہ آپ ﷺ نے سورۃ نجم کا سجدہ فرمایا۔(بخاری)

تشریح: اس حدیث میں یہ بھی مذکور ہے کہ سورۃ نجم کا سجدہ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ مسلمانوں کے علاوہ مشرکین اور انسانوں کے علاوہ جنات نے بھی کیا تھا۔حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہما سے مروی حدیث میں ہے کہ آپ ﷺ نے سورۃ نجم کی تلاوت فرمائی اور سجدہ فرمایا، آپ ﷺ کے ساتھ تمام اقوام (مسلمان اور مشرکین) نے سجدہ کیا ماسوا ایک شخص کے کہ اس نے کھڑے کھڑے اپنی پیشانی پر مٹی مل لی اور کہا میرے لیے یہی کافی ہے۔

فقہی احکام: سورۃ نجم کا سجدہ بھی مسنون ہے۔

۳۴۰: وَعَنْ زَيْدِ بْنِ ثَابِتٍ رضی اللہ عنہ قَالَ قَرَأْتُ عَلَى النَّبِيِّ ﷺ ﴿النَّجمِ﴾ فَلَمْ يَسْجُدْ فِيهَا. مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ.

البخاری، کتاب سجود القرآن، باب من قرأ السجدة و لم یسجد: ۱۰۷۳، مسلم: ۵۷۷، ابوداود: ۱۴۰۴، النسائی: ۲/ ۱۶۰، الترمذی: ۵۸۱

۳۴۰: حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے نبی کریم ﷺ کو سورۃ نجم کی تلاوت سنائی لیکن آپ ﷺ نے سجدہ نہیں فرمایا۔ (بخاری ومسلم)

تشریح: اس حدیث سے یہ واضح ہوا کہ سجدہ تلاوت واجب نہیں ہے، کیونکہ اگر سجدہ تلاوت واجب ہوتا تو آپ ﷺ ضرور فرماتے

فقہی احکام: سجدہ تلاوت واجب نہیں۔

۳۴۱: وَعَنْ خَالِدِ بْنِ مَعْدَانَ رضی اللہ عنہ قَالَ ، فُضِّلَتْ سُورَةُ الْحَجِّ بِسَجْدَتَيْنِ .رَواهُ أَبُو دَاوُدَ فِي الْمَرَاسِيلِ .

المراسیل: ۷۸، ابن ابی شیبة: ۴۶۳/۱، البیهقی: ۳۸۳۱ ـ ۳۸۴۱

۳۴۱: حضرت خالد بن معدان رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: "سورۃ حج کو دو سجدوں کی وجہ سے فضیلت دی گئی ہے۔" اسے ابوداؤد نے مراسیل میں روایت کیا ہے۔

لغوی تحقیق: فضلت: فاء مضموم، ضاد مشدد مکسور اور آخر میں تاء ساکن ہے، فضیلت دی گئی۔ المراسیل: میم مفتوح، مرسل کی جمع ہے، وہ روایت جسے تابعی یا تبع تابعی رسول اللہ ﷺ سے براہ راست نقل کرے۔امام ابوداؤد نے مراسیل کے نام سے ایک کتاب تحریر کی ہے جس میں انہوں نے اسی قسم کی روایات جمع کی ہیں۔

تشریح: اس روایت کے مرسل ہونے کی وجہ یہ ہے خالد بن معدان الکلاعی تیسرے طبقہ کا راوی ہے یہ فی نفسہ ثقہ ہے لیکن اس کی مرویات اکثر مرسل ہی ہیں۔ اس وجہ سے نا قابل احتجاج ہیں، امام بیہقی نے خالد بن معدان عن جبیر بن نفیر عن ابی درداء کے طریق سے موصولاً بھی بیان کیا ہے۔امام بیہقی نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے مروی موصول طریق کو صحیح قرار دیا ہے۔

۳۴۲: وَرَوَاهُ أَحْمَدُ ,وَالتِّرْمِذِيُّ مَوْصُولًا مِنْ حَدِيثِ عُقْبَةَ بْنِ عَامِرٍ ,وَزَادَ ، فَمَنْ لَّمْ يَسْجُدْهُمَا ,فَلَا يَقْرَأْهَا وَسَنَدُهُ ضَعِيفٌ .

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

الترمذی، ابواب السفر، باب فی السجدة فی الحج: ۵۸۳، احمد: ۱۷۴۱۷، ابوداود: ۱۴۰۲، البیہقی: ۳۸۳۰-۳۸۳۵، ابن ابی شیبة: ۱/۴۶۳

۳۴۲: اسے احمد اور ترمذی نے حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ سے موصولاً بیان کیا ہے اور اس میں یہ الفاظ مزید نقل کیے ہیں "جو شخص یہ دونوں سجدے نہیں کرتا وہ اس سورۃ کی تلاوت مت کرے۔" اس کی سند ضعیف ہے۔

تشریح: یہ روایت عبداللہ بن لھیعہ ہی کے طریق سے موصولاً مذکور ہے موصوف مختلط ہونے کی وجہ سے ضعیف ہیں، علامہ عبدالحق اشبیلی نے اسے سخت ضعیف قرار دیا ہے، امام نووی فرماتے ہیں کہ اس کے مختلط ہونے کی وجہ سے تمام ماہرین فن کا اس کے ضعیف ہونے پر اتفاق ہے، امام ابن حبان فرماتے ہیں کہ اس کی عقبہ سے مروی روایات منکر ہیں، علامہ عبدالعزیز بن باز نے **ومن لم یسجد هما فلا یقرأهما** کو سخت ضعیف قرار دیا ہے، البتہ سورۃ حج میں دو سجدوں کا پایا جانا ثابت ہے، جیسا کہ عبداللہ بن ثعلبہ سے منقول ہے، انہوں نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی اقتدا میں صبح کی نماز پڑھی، انہوں نے سورۃ حج میں دو سجدے کئے۔ اسی طرح نافع سے منقول ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سورۃ حج میں دو سجدے کرتے تھے اور فرماتے تھے کہ اس سورۃ کو دو سجدوں کی وجہ سے فضیلت دی گئی ہے، حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے بھی اسی کی مثل منقول ہے۔

فقہی احکام: (۱) سورۃ حج کے دونوں سجدے کرنا مسنون ہیں۔ (۲) سجدہ سورۃ کی فضیلت کا ایک ذریعہ ہے۔

۳۴۳: **وَعَنْ عُمَرَ رضی اللہ عنہ قَالَ يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنَّا نَمُرُّ بِالسُّجُودِ فَمَنْ سَجَدَ فَقَدْ أَصَابَ ,وَمَنْ لَّمْ يَسْجُدْ فَلاَ إِثْمَ عَلَيْهِ. رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ وَفِيهِ ، إِنَّ اللَّهَ لَمْ يَفْرِضِ السُّجُودَ إِلَّا أَنْ نَشَاءَ وَهُوَ فِي الْمُوَطَّأ .**

البخاری، کتاب السجود القرآن، باب من رای ان اللہ عزجل لم یوجب السجود: ۱۰۷۷، المؤطا: ۱۳۹، عبد الرزاق: ۳/۳۴۱، البیہقی: ۳۸۶۱

تنبیہ: بلوغ المرام کا وہ نسخہ جو جمیعہ احیاء التراث الاسلامی والوں نے محترم صفی الرحمٰن مبارکپوری کی تعلیق سے شائع کیا ہے اس میں "ان یشاء" ہے، جبکہ بلوغ المرام کے دیگر مطبوعہ نسخوں میں "ان نشاء" مولانا عبدالوکیل علوی نے اس نسخہ کا مع تعلیق ترجمہ کرتے ہوئے لکھا ہے کہ بعض نسخوں میں "ان یشاء" کی جگہ "ان نشاء" جمع کے صیغہ سے بھی منقول ہے۔ راقم نے بلوغ المرام کے جتنے بھی مطبوعہ نسخے دیکھے ہیں ان سب میں "ان نشاء" ہی ہے ماسوا زیر بحث نسخہ کے۔ بخاری، مؤطا، بیہقی اور مصنف عبدالرزاق میں جو اس روایت کے اصل مراجع و مصادر ہیں ان میں بھی "ان نشاء" ہی ہے۔ مؤلف رحمہ اللہ نے فتح الباری میں بھی "ان نشاء" ہی نقل کیا ہے اور اس کے کسی دوسرے نسخہ کی طرف اشارہ نہیں فرمایا۔ اس طرح صاحب سبل السلام اور صاحب فتح العلام نے بھی کسی دوسرے نسخہ کا عندیہ نہیں دیا، ہاں البتہ یہ کہہ سکتے ہیں کہ اکثر نسخوں میں "ان نشاء" اور کسی ایک میں "ان یشاء" ہے۔ (۲) ان اللہ کے بعد بعض نسخوں میں تعالیٰ ہے اور بعض میں نہیں ہے، اس لفظ کی عدم موجودگی ہی درست ہے کیونکہ مصادر و مراجع میں یہ لفظ موجود نہیں۔

۳۴۳: حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اے لوگو! ہم آیات سجدہ کی تلاوت کرتے ہیں جس نے آیت سجدہ پر سجدہ کیا اس نے درست کام کیا اور جس نے سجدہ نہ کیا اس پر کوئی گناہ نہیں۔ اس روایت کو امام بخاری نے روایت کیا ہے اور اس میں یہ الفاظ بھی ہیں: بلاشبہ اللہ تعالیٰ نے سجدے فرض نہیں کیے، البتہ اگر ہم چاہیں تو کر لیں۔ اور مؤطا میں بھی اسی طرح ہے۔

تشریح: حضرت ربیعہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جمعہ کے دن منبر پر سورۃ نحل کی تلاوت فرمائی، جب وہ آیت سجدہ پر پہنچے تو نیچے اترے اور سجدہ کیا، لوگوں نے بھی سجدہ کیا، جب دوسرا جمعہ آیا تب بھی انہوں نے آیت سجدہ تلاوت کی، لوگ سجدہ کرنے کیلئے تیار

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ہوئے تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا، اے لوگو! ہم آیات سجدہ تلاوت کرتے ہیں جس نے سجدہ کیا اس نے درست کام کیا اور جس نے نہ کیا اس پر کوئی گناہ ہے۔

اس کے بعد امام بخاری اور امام عبدالرزاق نے عبداللہ بن عمر کا قول نقل کیا ہے کہ انہوں نے فرمایا، اللہ نے ہم پر سجدہ فرض نہیں کیا، البتہ ہم چاہیں تو کر سکتے ہیں۔ امام مالک نے دونوں قول حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی طرف منسوب کئے ہیں۔ امام بخاری نے حضرت عمر اور ان کے لخت جگر عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے قول نقل کر کے یہ ثابت کیا ہے کہ سجدہ تلاوت واجب نہیں۔

فقہی احکام: (۱) سجدہ تلاوت واجب نہیں۔ (۲) کسی شرعی عذر کی وجہ سے دوران خطبہ منبر سے نیچے اترا جا سکتا ہے۔

(۳) جمعہ کے خطبہ کے دوران سجدہ تلاوت کیا جا سکتا ہے۔

۳۴۴: وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ رضی اللہ عنہما قَالَ كَانَ النَّبِيُّ صلی اللہ علیہ وسلم يَقْرَأُ عَلَيْنَا الْقُرْآنَ, فَإِذَا مَرَّ بِالسَّجْدَةِ, كَبَّرَ, وَسَجَدَ, وَسَجَدْنَا مَعَهُ. رَوَاهُ أَبُو دَاوُدَ بِسَنَدٍ فِيهِ لِينٌ.

ابوداود، کتاب الصلاۃ، باب فی الرجل یسمع السجدۃ و ھو راکب: ۱۴۱۳، عبد الرزاق: ۳/۳۴۵ - ۳۵۰، المجموع: ۴/۶۴، الحاکم: ۱/۲۲۲، ابن ابی شیبۃ: ۲/۱۲

۳۴۴: حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہمیں قرآن حکیم کی تلاوت سناتے تھے، جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم آیت سجدہ پر پہنچتے تو اللہ اکبر کہتے اور سجدہ فرماتے اور ہم بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ سجدہ کرتے تھے۔ اسے ابوداؤد نے کمزور سند سے نقل کیا ہے۔

تشریح: اس حدیث سے ثابت ہوا کہ سجدہ تلاوت کرتے وقت اللہ اکبر بھی کہنا چاہیے، سجدہ تلاوت سے متعلق اس روایت کے علاوہ دیگر جتنی بھی روایات منقول ہیں، ان میں سے کسی ایک روایت میں بھی تکبیر کہنے کا ذکر نہیں، بنا بریں اس روایت کو امام عبدالرزاق اور امام ابوداؤد نے پسند کیا ہے۔ یہ روایت امام ابوداؤد نے عبداللہ بن عمر العمری کے طریق سے نقل کی ہے، موصوف محدثین کے نزدیک متکلم فیہ ہیں، اس لئے حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے اس روایت کی سند کو کمزور قرار دیا ہے، جبکہ امام حاکم نے یہی روایت عبیداللہ بن عمر العمری کے طریق سے نقل کی ہے، ممدوح ثقہ ہیں یعنی عبیداللہ اور عبداللہ دونوں حقیقی بھائی ہیں ان دونوں کے مشائخ بھی تقریباً مشترک ہیں، ان میں عبیداللہ ثقہ اور عبداللہ ضعیف ہے، عبداللہ سے مروی روایت میں تکبیر کا ذکر ہے، جبکہ عبیداللہ سے مروی روایت میں تکبیر کا ذکر نہیں، اس لئے یہاں عبیداللہ کی متابعت مفید نہیں بلکہ عبداللہ سے مروی روایت کے ضعف میں مزید اضافہ کرتی ہے۔

کیونکہ اللہ اکبر کے الفاظ نقل کرنے میں عبداللہ ضعیف نے عبیداللہ ثقہ کی مخالفت کی ہے، البتہ عطا بن سائب سے مروی روایت میں ہے کہ ہم عبدالرحمٰن سلمی کی موجودگی میں تلاوت کرتے تھے اور جب وہ آیت سجدہ تلاوت کرتے تھے تو اللہ اکبر کہتے، اشارہ کرتے اور سلام پھیرتے ان کا یہ خیال ہے کہ ابن مسعود بھی ایسے ہی کرتے تھے۔ یہ اثر بھی ضعیف ہے کیونکہ عطا بن سائب اختلاط کا شکار ہو گئے تھے معلوم نہیں کہ ان کے شاگرد عبدالسلام نے ان سے یہ روایت اختلاط سے پہلے سنی ہے یا بعد میں؟

امام عبدالرزاق نے ابن سیرین اور ابو قلابہ کے متعلق لکھا ہے کہ وہ سجدہ تلاوت کرتے وقت اللہ اکبر اور فارغ ہوتے وقت سلام پھیرتے تھے۔ نیز علی الاطلاق جھکتے اور اٹھتے وقت اللہ اکبر کہنا ثابت ہے۔

فقہی احکام: سجدہ تلاوت کے لیے اللہ اکبر کہنا چاہیے۔

۳۴۵: وَعَنْ أَبِي بَكْرَةَ رضی اللہ عنہ أَنَّ النَّبِيَّ صلی اللہ علیہ وسلم كَانَ إِذَا جَاءَهُ أَمْرٌ يَسُرُّهُ خَرَّ سَاجِداً لِلَّهِ. رَوَاهُ الْخَمْسَةُ إِلَّا النَّسَائِيَّ.

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

ابوداود، كتاب الجهاد، باب في سجود الشكر: ٢٧٧٤، الترمذي: ١٥٧٨، ابن ماجة: ١٣٩٤، احمد: ٥/ ٤٥، البيهقي: ٢/ ٣٧٠، الدارقطني: ١/ ٤١٠، التنقيح: ١/ ٤٠٠، المجموع: ٤/ ٦٨

٣٤٥: حضرت ابوبکرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی مکرم ﷺ کو جب کوئی خوشخبری ملتی تو آپ ﷺ اللہ کے حضور سر بسجود فرماتے۔ اسے ابو داؤد، ترمذی، ابن ماجہ اور احمد نے روایت کیا ہے۔

تشریح: اس روایت کا مرکزی راوی بکار بن عبدالعزیز ہے، اسے امام ترمذی، یعقوب بن سفیان، ابن عبدالھادی، امام نووی، حافظ عبدالحق اشبیلی نے ضعیف قرار دیا ہے، امام یحیٰی بن معین اور امام بزار نے اس کی توثیق بھی کی ہے اور اسے ضعیف بھی کہا ہے، لیکن اس کی مؤید روایت موجود ہے۔

فقہی احکام: کسی بھی اچھی خبر پر سجدہ شکرادا کرنا مسنون ہے۔

٣٤٦: وَعَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ عَوْفٍ رضی اللہ عنہ قَالَ سَجَدَ النَّبِيُّ ﷺ فَأَطَالَ السُّجُودَ ,ثُمَّ رَفَعَ رَأْسَهُ وَقَالَ " إِنَّ جِبْرِيلَ آتَانِي ,فَبَشَّرَنِي ,فَسَجَدْتُ لِلّٰهِ شُكْرًا" رَوَاهُ أَحْمَدُ ,وَصَحَّحَهُ الْحَاكِمُ .

احمد: ١/ ١٩١، البيهقي: ٢/ ٣٧١، الحاكم: ١/ ٥٥٠، البزار: ٣/ ٢١٩، ٢٢٠

٣٤٦: حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے سجدہ کیا اور خوب لمبا سجدہ کیا، پھر سجدہ سے سر اُٹھایا اور فرمایا: "میرے پاس جبریل خوشخبری لیکر آیا تھا اس لیے میں نے اللہ کے حضور سجدہ شکرادا کیا ہے" اسے احمد نے روایت کیا ہے اور حاکم نے صحیح کہا ہے

تشریح: یہ روایت تفصیلاً اس طرح ہے کہ رحمت عالم ﷺ باہر نکلے، میں بھی آپ ﷺ کے ساتھ ہو گیا، آخر کار آپ ﷺ ایک باغ میں داخل ہو گئے اور وہاں لمبا سجدہ فرمایا، میں آپ ﷺ کے بارے میں متفکر ہوا اور آپ ﷺ کے قریب ہوا تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ: "جبرائیل نے مجھے یہ بشارت سنائی ہے کہ آپ ﷺ کے رب کا یہ فرمان ہے کہ جو آپ ﷺ پر درود بھیجے گا اس پر میں رحمتیں نازل کروں گا اور جو آپ ﷺ پر سلام بھیجے گا، اس پر میں امن وسلامتی نازل کروں گا۔" یہ بشارت سن کر رحمت عالم ﷺ نے اللہ کے حضور سجدہ شکرادا کیا۔ اس روایت کو امام حاکم نے صحیح کہا ہے اور امام ذہبی نے اس پر مہر تصدیق ثبت کی ہے۔ علامہ البانی نے الارواء میں صحیح لغیرہ قرار دیا ہے۔ لیکن راقم کے نزدیک اس میں دو علتیں ہیں (ا) عبدالواحد بن محمد کا حال معلوم نہیں عمرو بن ابی عمرو وہم کا شکار پائے گئے ہیں۔

٣٤٧: وَعَنِ الْبَرَاءِ بْنِ عَازِبٍ رضی اللہ عنہ أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ بَعَثَ عَلِيًّا إِلَى الْيَمَنِ فَذَكَرَ الْحَدِيثَ قَالَ فَكَتَبَ عَلِيٌّ رضی اللہ عنہ بِإِسْلَامِهِمْ ,فَلَمَّا قَرَأَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ الْكِتَابَ خَرَّ سَاجِدًا .رَوَاهُ الْبَيْهَقِيُّ وَأَصْلُهُ فِي الْبُخَارِيِّ .

البيهقي: ٤٠٣٨ ـ ٤٠٤٢، ابوداود: ٢٧٧٥، البخاري: ٤٣٤٩ ـ ٤٤١٨، ابن ماجة: ١٣٩٢، النسائي: ٢/ ١٥٩، احمد: ١/ ١٠٧

٣٤٧: حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی مکرم ﷺ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو یمن بھیجا، راوی نے حدیث بیان کرتے ہوئے کہا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے نبی مکرم ﷺ کو اہل یمن کے اسلام قبول کرنے کی تحریری اطلاع دی، رسول اللہ ﷺ نے جب مکتوب علی پڑھا تو آپ ﷺ اللہ کا شکرادا کرنے کیلئے اس کے سامنے سجدہ ریز ہو گئے۔ اسے بیہقی نے روایت کیا ہے اور اس بارے میں مختصر روایت بخاری میں ہے۔

لغوی تحقیق: الكتاب: بمعنی مکتوب یعنی خط۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

تشریح: امام بیہقی نے زیر مطالعہ حدیث دو طرق سے نقل کی ہے دونوں طرق کا مرکزی راوی ابواسحاق السبیعی ہے، موصوف معروف مدلس ہیں اور روایت معنعن ہے اس لئے ضعیف ہے۔ صحیح بخاری میں بھی یہ حدیث ابواسحاق السبیعی کے طریق سے منقول ہے، مگر اس میں سجدہ شکر کا ذکر نہیں ہے، مؤلف رحمۃ اللہ علیہ نے اسی مختصر روایت کو زیر مطالعہ روایت کی اصل قرار دیا ہے۔ نیز بخاری میں کعب بن مالک کا اثر منقول ہے جس میں یہ صراحت ہے کہ انہوں نے اپنی توبہ قبول ہونے پر سجدہ شکر ادا کیا تھا۔ اس طرح حضرت سعد بن ابی وقاص، حضرت عبداللہ بن عباس، حضرت علی بن ابی طالب، حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہم سے بھی سجدہ شکر ادا کرنے کے آثار منقول ہیں، جن سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ سجدہ شکر ادا کرنا مسنون و مستحب ہے۔

۹۔ بَابُ صَلَاةِ التَّطَوُّعِ نفلی نماز کا بیان

۳۴۸: عَنْ رَبِيعَةَ بْنِ كَعْبِ الْأَسْلَمِيِّ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ، قَالَ لِيَ النَّبِيُّ ﷺ " سَلْ " فَقُلْتُ أَسْأَلُكَ مُرَافَقَتَكَ فِي الْجَنَّةِ فَقَالَ " أَوَغَيْرَ ذَلِكَ؟" قُلْتُ هُوَ ذَاكَ قَالَ " فَأَعِنِّي عَلَى نَفْسِكَ بِكَثْرَةِ السُّجُودِ " رَوَاهُ مُسْلِمٌ.

مسلم، کتاب الصلاۃ، باب فضل السجود و الحث علیہ: ۴۸۸، ۴۸۹، ابوداود: ۱۳۲۰، النسائی: ۲/ ۲۲۷، البیہقی: ۲/۴۸۶، احمد: ۴/۵۹

۳۴۸: ربیعہ بن مالک اسلمی بیان کرتے ہیں کی رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "بتا تجھے کیا چاہیے؟" میں نے عرض کیا، جنت میں جناب کا ساتھ مطلوب ہے، ارشاد ہوا" کیا اس کے علاوہ کچھ اور چاہیے؟" میں نے عرض کیا، وہی کافی ہے۔ ارشاد ہوا "حصول مراد کیلئے سجود سے میری مدد کرو۔"

لغوی تحقیق: **تطوع**: ایسا نیک عمل جو فرض نہ ہو، لیکن رحمت عالم ﷺ کی طرف سے مشروع ہو، بدعت اور نفل میں بنیادی فرق یہ ہے کہ نفل آپ ﷺ کی طرف سے مشروع ہوتا ہے اور بدعت خود ساختہ ہوتی ہے۔ **سل**: طلب کریں۔ **مرافقتک**: آپ ﷺ کا ساتھ۔ **فاعنی علی نفسک**: تمنا کے حصول کے لیے میری مدد کر۔

تشریح: اس میں کوئی شک نہیں کہ یہاں کثرت سجود سے مراد محض سجدے نہیں، بلکہ مکمل نماز ہے، سجدہ، رکوع اور فاتحہ، نماز کے اجزائے اعظم ہیں، یہی وجہ ہے کہ رحمت عالم ﷺ نے نماز کو ان اجزا سے تعبیر فرمایا ہے، مؤلف رحمۃ اللہ علیہ نے کثرت سجود سے مراد نفلی نماز لی ہے اس لیے انہوں نے اسے اس باب کے تحت نقل کیا ہے، زیر مطالعہ حدیث مشروع نوافل کی اہمیت کو خوب اجاگر کرتی ہیں، یعنی جو شخص یہ چاہتا ہے کہ اسے جنت میں رحمت عالم ﷺ کا ساتھ میسر آئے اسے فرائض کی ادائیگی کے ساتھ ساتھ مشروع نفلی نماز بھی باقاعدگی سے پڑھنا چاہیے، خاص کر نماز ظہر کی چھ رکعات (چار ظہر سے پہلے اور دو بعد) مغرب اور عشا کے بعد دو دو رکعات اور دو رکعات نماز فجر سے قبل، انہیں ہمیشہ ادا کرنا چاہیے، حضرت ثوبان اور حضرت ابودرداء رضی اللہ عنہما سے مروی احادیث میں کثرت سجود کو سب سے پسندیدہ عمل قرار دیا گیا ہے۔

فقہی احکام: (۱) کثرت سجود درجات کی بلندی کا ذریعہ ہیں۔ (۲) فقط وہی نفلی نماز درجات کی بلندی کا ذریعہ ہے جو رحمت عالم ﷺ کی طرف سے مشروع ہے۔ (۳) رحمت عالم ﷺ کی سفارش فقط متبع سنت کیلئے درجات کی بلند کا سبب بنے گی۔ (۴) جنت میں رحمت عالم ﷺ کا ساتھ ایک بہت بڑی سعادت ہے۔ (۵) بڑوں کی خدمت اور ان کو وضو کروانا باعث سعادت ہے۔ (۶) سجدوں کو قیام کی طرح

www.KitaboSunnat.com

لمبا کرنا باعث فضیلت ہے۔(۷) حالت سجدہ میں بندہ رب کے قریب تر ہوتا ہے اس لیے سجدہ میں خوب استغفار کرنا چاہیے۔

۳۴۹: وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ رضی اللہ عنہما قَالَ حَفِظْتُ مِنَ النَّبِيِّ ﷺ عَشْرَ رَكَعَاتٍ رَكْعَتَيْنِ قَبْلَ الظُّهْرِ ,وَرَكْعَتَيْنِ بَعْدَهَا ,وَرَكْعَتَيْنِ بَعْدَ الْمَغْرِبِ فِي بَيْتِهِ ,وَرَكْعَتَيْنِ بَعْدَ الْعِشَاءِ فِي بَيْتِهِ ,وَرَكْعَتَيْنِ قَبْلَ الصُّبْحِ . مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ وَفِي رِوَايَةٍ لَهُمَا وَرَكْعَتَيْنِ بَعْدَ الْجُمُعَةِ فِي بَيْتِهِ .

البخاری، کتاب التهجد، باب الرکعتین قبل الظهر: ۱۱۸۰ ، باب التطوع فی البیت:۱۱۸۷، مسلم: ۷۲۹، ابوداود: ۱۲۵۲،
الترمذی: ۴۳۳، النسائی: ۱۱۹/۲ ، البیهقی: ۴۷۱/۲

۳۴۹: حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ مجھے رحمت عالم ﷺ کی دس (نفلی) رکعات یاد ہیں، ظہر سے پہلے اور بعد دو دو رکعات، مغرب کے بعد دو رکعات اپنے گھر میں، عشاء کے بعد دو رکعات اپنے گھر میں، اور دو رکعات فجر کی نماز سے پہلے۔ (بخاری و مسلم) ان دونوں کی ایک روایت میں یہ بھی ہے کہ جمعہ کے بعد دو رکعات اپنے گھر میں۔

تشریح: اس روایت میں اگرچہ دس رکعات کا ذکر ہے لیکن دیگر روایات میں بارہ کا ذکر ہے۔ ان دونوں کے درمیان مطابقت کی صورت یہ ہے کہ اگر ظہر کی نماز سے پہلے کم وقت میسر آئے تو پھر دو رکعات پڑھ لی جائیں ورنہ چار پڑھی جائیں، حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما ہی سے مروی ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: اپنی نماز کا کچھ حصہ (نفلی نماز) اپنے گھروں میں بھی پڑھ لیا کرو۔

فقہی احکام: (۱) نفلی نماز گھر میں پڑھی جاسکتی ہے اور مسجد میں بھی۔

(۲) قبرستان میں نماز پڑھنا ممنوع ہے، فجر، مغرب، عشا اور جمعہ کی نفلی رکعات گھر میں پڑھنا افضل ہے۔

۳۵۰: وَلِمُسْلِمٍ ، كَانَ إِذَا طَلَعَ الْفَجْرُ لَا يُصَلِّي إِلَّا رَكْعَتَيْنِ خَفِيفَتَيْنِ .

مسلم، کتاب صلاة المسافرین و قصرها، باب استحباب رکعتی الفجر: ۷۲۳، البخاری: ۱۱۷۳

۳۵۰: صحیح مسلم میں ہے کہ فجر طلوع ہو جاتی تو آپ ﷺ صرف ہلکی سی دو رکعات ادا فرماتے۔

تشریح: زیر مطالعہ حدیث حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے اپنی بہن ام المؤمنین حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کے واسطے سے نقل کی ہے۔

فقہی احکام: (۱) نماز تہجد میں خوب لمبا رکوع و سجود اور قیام کیا جائے جبکہ فجر کی نماز سے پہلے دو رکعات ہلکی پڑھیں جائیں۔

(۲) فجر کی سنتیں گھر میں پڑھنا افضل ہے۔

۳۵۱: وَعَنْ عَائِشَةَ رضی اللہ عنہا أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ كَانَ لَا يَدَعُ أَرْبَعًا قَبْلَ الظُّهْرِ وَرَكْعَتَيْنِ قَبْلَ الْغَدَاةِ. رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ .

البخاری، کتاب التهجد، باب الرکعتین قبل الظهر: ۱۱۸۲ ، ابوداود: ۱۲۵۳ ، البیهقی: ۴۷۲/۲، النسائی: ۲۵۱/۱ ، احمد: ۶۳/۶،
الدارمی: ۱۴۳۹

۳۵۱: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ نبی مکرم ﷺ نے ظہر سے پہلے چار رکعات اور فجر سے پہلے دو رکعات کبھی ترک نہیں کیں۔

لغوی تحقیق: لا یدع: نہیں چھوڑتے تھے۔

تشریح: حضرت ابن عمر اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی روایات میں بظاہر تعارض نظر آتا ہے لیکن درحقیقت کوئی تعارض نہیں کیونکہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے اپنا مشاہدہ نقل کیا ہے، اور حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے اپنا مشاہدہ نقل کیا ہے یعنی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے حجرہ میں آپ ﷺ نے ظہر سے قبل ہمیشہ چار رکعت ہی ادا کی ہیں، اس لیے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے اپنا مشاہدہ نقل کر دیا جبکہ نبی مکرم ﷺ نے

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

مسجد یا حجرہ حفصہ میں ظہر سے قبل دو رکعت پڑھی ہونگی، اس لیے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے اپنا مشاہدہ نقل کیا ہے۔

فقہی احکام: (۱) ظہر سے قبل اگر وقت کم ہو تو پھر دو رکعات پڑھ لیں ورنہ چار رکعات پڑھی جائیں۔

(۲) فجر سے پہلے فقط دو رکعات پڑھی جائیں۔

۳۵۲-۳۵۳: وَعَنْهَا قَالَتْ لَمْ يَكُنِ النَّبِيُّ ﷺ عَلَى شَيْءٍ مِنَ النَّوَافِلِ أَشَدَّ تَعَاهُدًا مِنْهُ عَلَى رَكْعَتَيِ الْفَجْرِ . مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ وَلِمُسْلِمٍ "رَكْعَتَا الْفَجْرِ خَيْرٌ مِنَ الدُّنْيَا وَمَا فِيهَا"

البخاری، کتاب التہجد، باب تعاهد رکعتی الفجر و من سماهما تطوعاً: ۱۱۶۹، مسلم: ۷۲۴، ۷۲۵، ابوداود: ۱۲۵۴، النسائی: ۲۵۲/۳

تنبیہ: فتح الباری میں ایک باب کی تقدیم وتاخیر کی وجہ سے رقم الحدیث آگے پیچھے ہوگئے ہیں، محترم خالد بن حنیف شلاجی سے اس بنا پر رقم الحدیث درج کرنے میں تسامح ہوا ہے

۳۵۲-۳۵۳: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ نبی مکرم ﷺ نوافل میں سے سب سے زیادہ اہتمام فجر کی دو رکعات کا فرماتے تھے۔ (بخاری و مسلم) مسلم میں ہے کہ (آپ ﷺ نے فرمایا): "فجر کی دو (نفلی) رکعات دنیا و مافیھا سے بہتر ہیں۔"

لغوی تحقیق: اشد: بہت زیادہ۔ تعاهداً: اہتمام کرنا۔

تشریح: اس حدیث سے یہ ثابت ہوا کہ نفلی نمازوں میں سب سے زیادہ اہمیت فجر کی دو سنتوں کی ہے، رحمت عالم ﷺ نے ان دونوں سنتوں کو سفر میں بھی کبھی ترک نہیں فرمایا۔ ایک روایت میں ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: "یہ دونوں رکعات مجھے دنیا کے تمام خزانوں سے بڑھ کر محبوب ہے۔"

فقہی احکام: (۱) ان دو رکعات کا ترک کسی حال میں بھی درست نہیں۔ (۲) اگر یہ رکعات جماعت فجر سے قبل نہ پڑھ سکیں تو پھر جماعت فجر کے بعد یا سورج طلوع ہو جانے کے بعد ضرور پڑھیں۔

۳۵۴: وَعَنْ أُمِّ حَبِيبَةَ أُمِّ الْمُؤْمِنِينَ رضی اللہ عنہا قَالَتْ سَمِعْتُ النَّبِيَّ ﷺ يَقُولُ " مَنْ صَلَّى اثْنَتَي عَشْرَةَ رَكْعَةً فِي يَوْمٍ وَلَيْلَةٍ بُنِيَ لَهُ بِهِنَّ بَيْتٌ فِي الْجَنَّةِ " رَوَاهُ مُسْلِمٌ وَفِي رِوَايَةٍ " تَطَوُّعًا " وَلِلتِّرْمِذِيِّ نَحْوُهُ , وَزَادَ "أَرْبَعًا قَبْلَ الظُّهْرِ وَرَكْعَتَيْنِ بَعْدَهَا , وَرَكْعَتَيْنِ بَعْدَ الْمَغْرِبِ , وَرَكْعَتَيْنِ بَعْدَ الْعِشَاءِ , وَرَكْعَتَيْنِ قَبْلَ صَلَاةِ الْفَجْرِ "

مسلم، کتاب صلاۃ المسافرین و قصرها، باب فضل السنن الراتبۃ بعد الفرائض: ۷۲۸، النسائی: ۲۶۲/۳، ابوداود: ۱۲۵۰، الترمذی: ۴۱۵، ابن خزیمۃ: ۱۱۸۵ - ۱۱۸۸، احمد: ۴۲۶/۶

۳۵۴: اُم المؤمنین اُم حبیبہ بیان کرتی ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے سنا "جو شخص شب و روز میں بارہ رکعات (نوافل) ادا کرے اس کیلئے ان رکعات کے بدلے میں جنت میں گھر بنا دیا گیا۔" اسے مسلم نے روایت کیا ہے اور ایک روایت میں نفلی نماز صراحتاً مذکور ہے۔ ترمذی میں بھی اسی طرح منقول ہے اور مزید صراحت اس طرح ہے کہ ظہر سے قبل چار اور بعد دو رکعات، مغرب کے بعد دو رکعات، عشا کے بعد دو رکعات اور فجر سے قبل دو رکعات۔

لغوی تحقیق: بنی: باء مضموم اور نون مکسور یعنی بنا دیا گیا، اس کا مرجع اثنتی عشرۃ رکعۃ ہے۔

تشریح: اس حدیث سے یہ واضح ہوا کہ شب و روز میں بارہ سنتیں پورے اہتمام کے ساتھ پڑھی جائیں جیسا کہ ام المؤمنین ام حبیبہ سے امام مسلم نے ایک دوسرے طریق سے صراحتاً نقل کیا ہے کہ یہ بارہ رکعات فرض نماز کے علاوہ ہیں، یہ حدیث حضرت عبداللہ بن عمر

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

رضی اللہ عنہا سے مروی حدیث کے معارض نہیں ہے کیونکہ محض مشاہدے کا فرق ہے

۳۵۵: وَلِلْخَمْسَةِ عَنْهَا " مَنْ حَافَظَ عَلَى أَرْبَعٍ قَبْلَ الظُّهْرِ وَأَرْبَعٍ بَعْدَهَا حَرَّمَهُ اللَّهُ عَلَى النَّارِ "

ابو داود، تفریع ابواب التطوع ورکعات السنة، باب الاربع قبل الظهر و بعدها: ۱۲۶۹، الترمذی: ۴۲۷، النسائی: ۳/ ۲۶۵، ابن ماجة: ۱۱۶۰، احمد: ۴۲۶/۶، ابن خزیمة: ۱۱۹۱، ۱۱۹۲، الحاکم: ۳۱۲/۱، البیهقی: ۴۷۲/۲

تنبیہ: مصادر اور مراجع میں لفظ اللہ کے بعد تعالیٰ نہیں ہے، جبکہ بعض مطبوعہ نسخوں میں کاتب کے تسامح کی وجہ سے درج ہو گیا ہے۔

۳۵۵: پانچوں نے حضرت اُم حبیبہ رضی اللہ عنہا سے اس طرح نقل کیا ہے کہ جو شخص ظہر سے پہلے اور بعد چار چار رکعات با قاعدگی سے پڑھتا رہا اللہ نے اس شخص کو جہنم کی آگ پر حرام قرار دیدیا۔

لغوی تحقیق: حرمه الله علی النار: یعنی ایسے شخص کو جہنم کی آگ سے محفوظ قرار دیدیا۔

تشریح: اس حدیث سے یہ معلوم ہوا کہ ظہر کے بعد چار رکعات بھی پڑھنی چاہیے تاہم باقاعدگی اور اہتمام دو رکعات پر ہے جیسا کہ حضرت عبداللہ بن عمر حضرت عائشہ اور خود حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہم سے ثابت ہے۔

۳۵۶: وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ رضی اللہ عنہما قَالَ، قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صلی اللہ علیہ وسلم " رَحِمَ اللَّهُ امْرَأً صَلَّى أَرْبَعًا قَبْلَ الْعَصْرِ " رَوَاهُ أَحْمَدُ, وَأَبُو دَاوُدَ وَالتِّرْمِذِيُّ وَحَسَّنَهُ, وَابْنُ خُزَيْمَةَ وَصَحَّحَهُ .

الترمذی، ابواب الصلاة، باب ماجاء فی الاربع قبل العصر: ۴۳۰، ۴۳۱، ابو داود: ۱۲۷۱، احمد: ۱۱۷/۲، ابن خزیمة: ۲۰۶/۲، بیان الوهم والایهام: ۱۹۲/۴، ۱۹۳، ابن حبان: ۲۴۵۳

۳۵۶: حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "اللہ اس شخص پر رحم فرمائے جس نے عصر سے قبل چار رکعات پڑھیں، (اسے احمد، ابوداؤد اور ترمذی نے روایت کیا ہے امام ترمذی نے اس روایت کو حسن اور امام ابن خزیمہ نے صحیح کہا ہے۔)

تشریح: اس روایت کا مرکزی راوی محمد بن مسلم بن مہران ہے موصوف کی اگرچہ بعض ائمہ نے توثیق بھی کی ہے لیکن بعض نے اس پر کلام بھی کیا ہے، تاہم ترمذی میں حضرت علی رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم عصر سے قبل دو سلام کے ساتھ چار رکعات پڑھتے تھے، ان دونوں احادیث سے یہ واضح ہوا کہ یہ چار رکعات اگرچہ مؤکدہ میں شامل نہیں تاہم ان کا پڑھنا مسنون ہے۔

۳۵۷: وَعَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ مُغَفَّلٍ الْمُزَنِيِّ رضی اللہ عنہ عَنِ النَّبِيِّ صلی اللہ علیہ وسلم قَالَ " صَلُّوا قَبْلَ الْمَغْرِبِ, صَلُّوا قَبْلَ الْمَغْرِبِ " ثُمَّ قَالَ فِي الثَّالِثَةِ " لِمَنْ شَاءَ " كَرَاهِيَةَ أَنْ يَتَّخِذَهَا النَّاسُ سُنَّةً . رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ وَفِي رِوَايَةِ ابْنِ حِبَّانَ ، أَنَّ النَّبِيَّ صلی اللہ علیہ وسلم صَلَّى قَبْلَ الْمَغْرِبِ رَكْعَتَيْنِ .

البخاری، کتاب التهجد، باب الصلاة قبل المغرب: ۱۱۸۳، ۱۱۸۴، ابن حبان: ۱۵۸۸، ابو داود: ۱۲۸۱، ابن خزیمة: ۱۲۸۹

تنبیہ: مؤلف رحمۃ اللہ علیہ نے بخاری کی یہ روایت بالمعنی نقل کی ہے۔

۳۵۷: حضرت عبداللہ بن مغفل مزنی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: " مغرب سے قبل نماز پڑھو، مغرب سے قبل نماز پڑھو۔" پھر تیسری بار فرمایا: "مغرب سے قبل جو نماز پڑھنا چاہے پڑھ لے۔" اس اندیشہ سے کہ لوگ اسے سنت نہ بنا لیں۔ اسے بخاری نے روایت کیا ہے اور ابن حبان میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مغرب سے قبل دو رکعات پڑھیں۔

تشریح: اس حدیث سے یہ واضح ہوا کہ غروب آفتاب کے بعد اور نماز مغرب سے پہلے دو رکعات نفل پڑھنا مستحب ہے۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

رحمت عالم ﷺ نے اس کی تعلیم تاکیداً فرمائی ہے اور خود رحمت عالم ﷺ نے بھی ادا فرمائی ہیں، البتہ رحمت عالم ﷺ نے لوگوں کی مشقت کے پیش نظر انہیں سنن مؤکدہ میں شامل نہیں فرمایا، اس کے باوجود عہد رسالت میں صحابہ کی کثرت یہ نفل پڑھا کرتی تھی جیسا کہ حضرت عقبہ رضی اللہ عنہ کا بیان ہے۔

فقہی احکام: نماز مغرب سے قبل دو نفل پڑھنا مستحب ہے۔

۳۵۸: وَلِمُسْلِمٍ عَنْ أَنَسٍ رضی اللہ عنہ قَالَ كُنَّا نُصَلِّي رَكْعَتَيْنِ بَعْدَ غُرُوبِ الشَّمْسِ فَكَانَ النبی ﷺ يَرَانَا فَلَمْ يَأْمُرْنَا وَلَمْ يَنْهَانَا

مسلم، کتاب صلاۃ المسافرین و قصرھا، باب استحباب رکعتین قبل صلاۃ المغرب: ۸۳۶، ۸۳۷، البخاری: ۶۲۵

تنبیہ: محمد حامد کے نسخہ میں اس حدیث کو حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے منقول بتایا گیا ہے جبکہ دیگر نسخوں میں اور خود مسلم میں یہ روایت حضرت انس رضی اللہ عنہ سے منقول ہے۔ (۲) مؤلف رحمہ اللہ نے یہ روایت مختصراً نقل کی ہے۔

۳۵۸: مسلم میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے منقول ہے وہ کہتے ہیں کہ ہم غروب آفتاب کے بعد دو رکعات پڑھتے تھے اور نبی ﷺ ہمیں دیکھا کرتے تھے لیکن آپ ﷺ نہ تو ہمیں حکم فرماتے تھے اور نہ منع فرماتے تھے۔

تشریح: یہ حدیث حضرت عبداللہ بن مغفل رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث کے بظاہر معارض ہے لیکن درحقیقت ان میں کوئی تعارض نہیں، کیونکہ ان دونوں میں تطبیق کی آسان شکلیں موجود ہیں (۱) حضرت انس رضی اللہ عنہ نے صحابہ کو مغرب سے قبل نماز پڑھتے دیکھا ہے لیکن آپ ﷺ نے جب یہ حکم دیا تھا اس وقت حضرت انس رضی اللہ عنہ موجود نہیں ہونگے۔ (۲) حضرت انس رضی اللہ عنہ کے اس بیان کا یہ مطلب بھی ہوسکتا ہے کہ مغرب سے قبل صحابہ کی کثیر تعداد مغرب کے نفل پڑھتی تھی اور بعض نہیں پڑھتے تھے، رحمت عالم ﷺ دونوں قسم کے صحابہ کو دیکھتے تھے لیکن پڑھنے والوں کو منع نہ فرماتے تھے اور نہ پڑھنے والوں کو پڑھنے کا حکم نہ دیتے تھے، جیسا کہ خود حضرت انس رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ جب اجنبی شخص مسجد میں داخل ہوتا تو صحابہ کی کثیر تعداد کے ان دو رکعات پڑھنے کی وجہ سے وہ خیال کرتا کہ نماز مغرب ہو چکی ہے۔

فقہی احکام: نماز مغرب سے قبل نفل پڑھنے والوں کو منع نہیں کرنا چاہیے بلکہ انہیں پڑھنے کیلئے موقع فراہم کرنا چاہیے، ابراہیم نخعی کا اسے بدعت کہنا انہیں ان احادیث سے آگاہی نہ ہونے کی وجہ سے ہے۔

۳۵۹: وَعَنْ عَائِشَةَ رضی اللہ عنہا قَالَتْ كَانَ النَّبِيُّ ﷺ يُخَفِّفُ الرَّكْعَتَيْنِ اللَّتَيْنِ قَبْلَ صَلَاةِ الصُّبْحِ, حَتَّى إِنِّي أَقُولُ أَقَرَأَ بِأُمِّ الْكِتَابِ؟ مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ .

البخاری، کتاب التهجد، باب مایقرأ فی رکعتی الفجر: ۱۱۷۰، ۱۱۷۱، مسلم: ۷۲۴، ابوداود: ۱۲۵۵، مالک: ۱/۱۲۷

۳۵۹: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ نبی مکرم ﷺ فجر سے قبل دو رکعات ہلکی پڑھتے تھے جس کی وجہ سے میں خیال کرتی کہ آپ ﷺ نے سورۃ فاتحہ بھی پڑھی ہے یا نہیں؟ (بخاری ومسلم)

لغوی تحقیق: اقرأ: مؤلف رحمہ اللہ نے بلوغ المرام میں قرأ سے قبل ہمزہ استفہام نقل کیا ہے جبکہ صحیحین میں ھل مذکور ہے، اس استفہام سے تردد یا شک مراد نہیں بلکہ تہجد کی طوالت کے مقابلے میں رکعات فجر کے اختصار پر تعجب کا اظہار ہے۔

تشریح: زیر مطالعہ حدیث سے یہ استدلال لینا کہ سورۃ فاتحہ نماز کا رکن نہیں کوتاہ علمی اور کج فہمی کی دلیل ہے، کیونکہ اس روایت میں فاتحہ کا تذکرہ اس بات کی دلیل ہے کہ رحمت عالم ﷺ نماز میں سورۃ فاتحہ کی تلاوت ہمیشہ کرتے تھے کیونکہ خود حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے قوی سند کے ساتھ ابن ماجہ میں مروی ہے کہ آپ ﷺ فجر کی ان دو سنتوں میں سورۃ کافرون اور سورۃ اخلاص کی تلاوت فرماتے تھے۔ مسلم میں

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے بھی اسی طرح منقول ہے۔ ترمذی اور نسائی میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ میں نے ایک ماہ تک آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی فجر کی سنتوں کا مشاہدہ کیا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان میں سورۃ کافرون اور سورۃ اخلاص تلاوت فرماتے تھے۔ تفصیل اور حوالہ جات آئندہ حدیث کے ضمن میں ملاحظہ فرمائیں۔ ان احادیث سے یہ واضح ہوا کہ رکعات تہجد اور فجر کی سنتوں کے درمیان اختصار و طوالت کا فرق تھا اس پر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے ازراہ تعجب هل قرأ بام الكتاب فرمایا۔

فقہی احکام: تہجد کا قیام خوب طویل اور فجر کی سنتوں کا قیام نہایت مختصر ہونا چاہیے۔

۳۶۰: وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضی اللہ عنہ أَنَّ النَّبِيَّ صلی اللہ علیہ وسلم قَرَأَ فِي رَكْعَتَيِ الْفَجْرِ ﴿قُلْ يَا أَيُّهَا الْكَافِرُونَ﴾ و ﴿قُلْ هُوَ اللَّهُ أَحَدٌ﴾ رَوَاهُ مُسْلِمٌ.

مسلم، كتاب المسافرين و قصرها، باب استحباب ركعتى سنة الفجر و الحث عليهما و تخفيفهما: ۷۲۶، ۷۲۷، ابن ماجة: ۱۱۴۸، الترمذى: ۴۳۱

تنبیہ: صحیح مسلم میں ان رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم قرأ ہے۔

۳۶۰: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فجر کی دو رکعات میں قل یا ایھا الکافرون اور قل ھو اللہ احد تلاوت فرمائیں۔

تشریح: اسی طرح کی احادیث حضرت عبداللہ بن مسعود، حضرت عبداللہ بن عباس، حضرت عبداللہ بن عمر اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہم سے بھی مروی ہیں۔

(۱) حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ میں نے مغرب اور فجر کی سنتوں میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سورۃ الکافرون اور سورۃ اخلاص کی تلاوت سنی۔ یہ روایت عبدالملک بن ولید کی وجہ سے ضعیف ہے۔

(۲) حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فجر کی سنتوں میں قولوا امنا باللہ اور تعالوا الی کلمۃ تلاوت فرماتے تھے۔

(۳) حضرت عبداللہ بن عمر اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہما سے مروی روایت کے الفاظ سابقہ حدیث کے ضمن میں نقل کر دیئے گئے ہیں۔ البتہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی روایت منقطع ہونے کی وجہ سے ضعیف ہے۔

فقہی احکام: فجر کی سنتوں میں سورۃ کافرون اور سورۃ اخلاص کی تلاوت کرنا مسنون ہے۔

۳۶۱: وَعَنْ عَائِشَةَ رضی اللہ عنہا قَالَتْ كَانَ النَّبِيُّ صلی اللہ علیہ وسلم إِذَا صَلَّى رَكْعَتَيِ الْفَجْرِ اِضْطَجَعَ عَلَى شِقِّهِ الْأَيْمَنِ. رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ.

البخارى، كتاب التهجد، باب الضجعة على الشق الايمن بعد ركعتى الفجر: ۱۱۶۰، النسائى: ۲۵۲/۳، احمد: ۲۵۴/۶

۳۶۱: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم جب فجر کی دو رکعات پڑھ لیتے تو اپنے دائیں پہلو کے بل لیٹ جاتے۔ (بخاری)

لغوی تحقیق: شقه: شین مکسور، قاف مشدد، حصہ یعنی پہلو۔

فقہی احکام: فجر کی سنتوں کے بعد دائیں پہلو کے بل تھوڑی دیر کیلئے لیٹنا مسنون ہے۔

۳۶۲: وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضی اللہ عنہ قَالَ، قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صلی اللہ علیہ وسلم "إِذَا صَلَّى أَحَدُكُمُ الرَّكْعَتَيْنِ قَبْلَ صَلَاةِ الصُّبْحِ, فَلْيَضْطَجِعْ عَلَى جَنْبِهِ الْأَيْمَنِ" رَوَاهُ أَحْمَدُ, وَأَبُو دَاوُدَ, وَالتِّرْمِذِيُّ وَصَحَّحَهُ.

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ابوداود، تفریع ابواب التطوع، باب الاضطجاع بعدھا: ۱۲۶۱، الترمذی: ۴۲۰، احمد: ۴۱۵/۲، ابن خزیمة: ۱۱۲۰

۳۶۲: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "تم میں سے کوئی ایک جب صبح کی نماز سے قبل دو رکعات پڑھے تو اسے چاہیے کہ وہ اپنے دائیں پہلو کے بل لیٹ جائے۔ اسے احمد، ابوداؤد اور ترمذی نے روایت کیا ہے امام ترمذی نے اسے صحیح کہا ہے

لغوی تحقیق: جنبه: جیم مفتوح، نون ساکن، کسی بھی چیز کا کنارہ، یہاں پہلو مراد ہے۔ الایمن: دائیں۔

تشریح: اس حدیث سے یہ ثابت ہوا کہ فجر کی سنتوں کے بعد دائیں پہلو کے بل لیٹنا ضروری ہے، لیکن یہ روایت عبدالواحد بن زیاد کی وجہ سے ضعیف ہے، جیسا کہ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے تقریب میں لکھا ہے کہ عبدالواحد بن زیاد جو روایات اعمش سے نقل کرتے ہیں ان میں کلام ہے۔ زیر مطالعہ روایت عبدالواحد، اعمش ہی سے نقل کرتے ہیں۔ امام ابن تیمیہ کا کہنا ہے کہ یہ روایت عبدالواحد کی خطا کی وجہ سے باطل ہے۔

امام ترمذی نے اس روایت کے ضعیف ہونے کی ایک دوسری علت یہ بیان کی ہے کہ زیر مطالعہ روایت ابو صالح نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے نہیں سنی، اسی طرح یہ روایت منقطع بھی ہے البتہ آپ ﷺ کا عمل صحیح حدیث سے ثابت ہے۔

۳۶۳: وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ رضی اللہ عنہما قَالَ، قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ "صَلاةُ اللَّيْلِ مَثْنَى مَثْنَى ,فَإِذَا خَشِيَ أَحَدُكُمُ الصُّبْحَ صَلَّى رَكْعَةً وَاحِدَةً ,تُوتِرُ لَهُ مَا قَدْ صَلَّى " مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ.

البخاری، کتاب الوتر، باب ماجاء فی الوتر: ۹۹۰، ۹۹۱، مسلم: ۷۴۹، ابوداود: ۱۳۲۶، الترمذی: ۴۳۷، النسائی: ۲۲۷/۳، ابن ماجة: ۱۳۲۰، احمد: ۵/۲، الدارمی: ۱۴۵۹

۳۶۳: حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "رات کی نماز دو دو رکعات (ایک سلام کے ساتھ) ہیں اور جب تم میں سے کسی کو یہ اندیشہ لاحق ہو کہ صبح نمودار ہوگئی ہے تو وہ ایک رکعت پڑھ لے، یہ رکعت سابقہ پڑھی ہوئی تمام نماز کو اس کیلئے وتر بنا دے گی۔" (بخاری و مسلم)

لغوی تحقیق: مثنى مثنى: پہلے مثنیٰ کا معنی دو دو ہے اور دوسرا مثنیٰ تاکید کیلئے ہے۔ تؤتر: ایتار سے ماخوذ ہے یعنی طاق۔

تشریح: اس حدیث سے یہ واضح ہوا کہ رات کی نفلی نماز ایک سلام کے ساتھ دو رکعات پڑھی جائیں۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی جس حدیث میں چار رکعات پڑھنے کا ذکر ہے وہ اس کی معارض نہیں کیونکہ اس میں یہ صراحت نہیں کہ آپ ﷺ نے ایک سلام کے ساتھ چار رکعات پڑھی تھیں۔ اس روایت کا یہ مفہوم ہوسکتا ہے کہ آپ ﷺ نے پہلی چار رکعات دو سلام کے ساتھ بغیر کسی وقفہ کے پڑھیں، پھر اس کے بعد تھوڑا وقفہ کیا پھر دوسری چار رکعات دو سلام کے ساتھ بغیر کسی وقفہ کے پڑھیں۔

اس روایت سے دوسری بات یہ واضح ہوئی کہ وتر کی ایک رکعت بھی ثابت ہے بلکہ اس سلسلے میں مروی تمام احادیث پر اگر غور کیا جائے تو یہ بات عیاں ہوتی ہے کہ تین وتر بھی آپ ﷺ دو سلام کے ساتھ ادا فرماتے تھے یعنی پہلے دو رکعات پڑھ کر سلام پھیر دیتے، پھر ایک سلام کے ساتھ ایک رکعت پڑھتے تھے۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کا عمل بھی اسی طرح تھا۔

۳۶۴: وَلِلْخَمْسَةِ وَصَحَّحَهُ ابْنِ حِبَّانَ بِلَفْظِ "صَلاةُ اللَّيْلِ وَالنَّهَارِ مَثْنَى مَثْنَى" وَقَالَ النَّسَائِيُّ هَذَا خَطَأٌ.

صحیح ابن حبان، کتاب الصلاة، باب النوافل: ۲۴۸۲، ابوداود، کتاب الصلاة، باب فی صلاة النهار: ۱۲۹۵، الترمذی: ۵۹۷، النسائی: ۲۲۷/۳، الدارقطنی: ۴۱۷/۱، تمهید: ۱۸۵/۱۳، نصب الراية: ۱۴۴/۲، السنن الکبری للنسائی: ۱۷۹/۱، سوالات

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

امام احمد لابی داؤد: ۱۲۸۲/ ۱، ابن خزیمة: ۲۱۴/۲، فتاوی ابن باز: ۲۹۰/۴، تمام المنة: ۲۳۹، المعجم الاوسط للطبرانی: ۸۹/۱، احمد: ۱۶۷/۴، ابن ماجة: ۱۳۲۲ ، ۱۳۲۴ ، ۱۳۲۵، البیهقی: ۴۸۷/۲

۳۶۴: پانچوں اور ابن حبان میں ہے، ابن حبان نے اسے صحیح کہا ہے، "رات اور دن کی نماز دو دو رکعات ہے۔" نسائی نے کہا یہ خطا ہے۔

تشریح: امام ترمذی نے اس روایت کو نقل کرنے کے بعد اس پر کوئی بھی حکم لگانے سے احتراز کیا ہے، البتہ یہ کہا ہے کہ اصحاب شعبہ اس روایت کو بیان کرنے میں باہم مختلف ہیں، بعض نے اسے مرفوع اور بعض نے موقوف بیان کیا ہے۔ عبداللہ بن عمر العمری نے نافع سے صلاة اللیل و النهار مثنیٰ مثنیٰ کے الفاظ نقل کئے ہیں (عبداللہ بن عمر العمری ضعیف ہے) جبکہ ثقات رواۃ نے فقط صلاة اللیل مثنیٰ مثنیٰ کے الفاظ نقل کئے ہیں۔

امام نسائی نے اس روایت کے بارے میں دو مختلف آراء نقل کی ہیں۔ سنن صغریٰ میں وہ فرماتے ہیں کہ میرے نزدیک یہ روایت خطا پر مبنی ہے، جبکہ السنن الکبریٰ میں فرماتے ہیں، اس کی سند جید ہے، البتہ علی ازدی نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے دیگر تلامذہ سالم بن عبداللہ، نافع مولیٰ ابن عمر اور طاؤس کی مخالفت کی ہے، کیونکہ انہوں نے نہار کا لفظ استعمال نہیں کیا۔

امام دارقطنی فرماتے ہیں کہ لفظ نہار کی موجودگی وہم ہے۔ علامہ ابن عبدالبر نے لکھا ہے کہ یحییٰ بن معین اس روایت کو ضعیف اور ناقابل حجت قرار دیتے تھے، امام احمد فرماتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما دن میں چار رکعات ایک سلام سے پڑھ لیتے تھے، اگر زیر مطالعہ حدیث حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے بیان کرتے تو پھر وہ خود چار رکعات ایک سلام سے کیوں پڑھتے؟

امام ابن حبان، امام ابن خزیمہ، علامہ البانی اور علامہ عبدالعزیز بن باز نے لفظ نہار کی موجودگی کو صحیح قرار دیا ہے۔ اس لفظ کی موجودگی کی صراحت درج ذیل احادیث میں بھی موجود ہے۔

(۱) امام دارقطنی نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے محمد بن عبدالرحمٰن کے طریق سے یہ لفظ نقل کیا ہے مگر حافظ ابن حجر رحمہ اللہ علیہ نے اس روایت کی سند کو ضعیف کہا ہے۔

(۲) امام طبرانی نے ابن عمر سے یہ روایت اسحاق بن ابراہیم الحنینی کے طریق سے نقل کی ہے لیکن اس طریق میں اسحاق بن ابراہیم اور اس کا شیخ عبداللہ بن عمر العمری دونوں ضعیف ہیں۔

(۳) امام ابوداؤد، امام ابن ماجہ اور امام احمد نے یہ لفظ فضل بن عباس سے عبداللہ بن نافع العمیاء کے طریق سے نقل کیا ہے، یہ طریق عبداللہ بن نافع العمیاء کے مجہول ہونے کی وجہ سے ضعیف ہے۔

(۴) امام زیلعی نے تاریخ اصبہان کے حوالے سے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے یہ روایت نقل کی ہے، وہ روایت عمار بن عطیہ کی وجہ سے ضعیف ہے۔

(۵) امام ابن ماجہ نے ابوسفیان سعدی کے طریق سے حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے، وہ فرماتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہر دو رکعات کے بعد سلام ہے۔

امام بوصیری نے ابوسفیان سعدی کے بارے میں لکھا ہے کہ موصوف تمام ماہرین فن کے نزدیک ضعیف ہے۔ یہ تمام روایات اگرچہ ضعیف ہیں تاہم ازدی کے تفرد کو زائل کرتی ہیں۔

فقہی احکام: (۱) رات کی نفلی نماز دو دو رکعات کر کے پڑھنا مسنون ہے۔ (۲) دن کی نماز دو دو رکعات کر کے پڑھنا بھی درست ہے۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

٣٦٥:وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضی اللہ عنہ قَالَ، قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ " أَفْضَلُ الصَّلاةِ بَعْدَ الْفَرِيضَةِ صَلاةُ اللَّيْلِ " أَخْرَجَهُ مُسْلِمٌ.

مسلم، كتاب الصيام، باب فضل صوم المحرم: ٢٠٢/١١٦٣، ابوداود: ٢٤٢٩، الترمذى: ٤٣٨، ٣٥٧٩، احمد: ٣٤٤/٢،
البخارى: ١١٢٢، ١١٢٦، ١١٢٧، ١١٣٠، ١١٣١، ١١٣٥

٣٦٥: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:"فرض نمازوں کے بعد افضل نماز رات کی نماز ہے۔" (اسے مسلم نے روایت کیا ہے)

لغوی تحقیق: الفريضة: اس سے فرضی نمازیں مراد ہیں۔

تشریح: تہجد کی نماز کی فضیلت نہ صرف اس حدیث سے ثابت ہے بلکہ اس کی فضیلت قرآن حکیم میں بھی بیان ہوئی ہے، نیز اس کی فضیلت حضرت مغیرہ بن شعبہ، حضرت علی بن ابی طالب، حضرت عبداللہ بن مسعود، حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص اور حضرت اُم سلمہ رضی اللہ عنہم سے مروی احادیث میں بھی بیان ہوئی ہے، حضرت عمرو بن عنبسہ رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث میں ہے کہ رات کے آخری نصف حصہ میں عابد، معبود کے بہت قریب ہوتا ہے، بندہ کو چاہیے کہ وہ ممکن حد تک اس گھڑی میں اللہ تعالیٰ کو یاد کرے۔

حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: اس وقت رحمت کے خزانوں کی بارش کس قدر ہے؟ ان حجروں میں آرام کرنے والیوں کو بیدار کرنے والا کوئی ہے۔

فقہی احکام: (۱) فجر کے وقت رحمت اور رحمت کے فرشتوں کا خصوصی نزول ہوتا ہے۔ (۲) تہجد تمام نفلی نمازوں سے افضل ہے۔ (۳) تہجد کیلئے سوئے ہوئے لوگوں کو اٹھانا مسنون ہے۔

٣٦٦: وَعَنْ أَبِي أَيُّوبَ الْأَنْصَارِيِّ رضی اللہ عنہ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ قَالَ " اَلْوِتْرُ حَقٌّ عَلَى كُلِّ مُسْلِمٍ, مَنْ أَحَبَّ أَنْ يُوتِرَ بِخَمْسٍ فَلْيَفْعَلْ, وَمَنْ أَحَبَّ أَنْ يُوتِرَ بِثَلاثٍ فَلْيَفْعَلْ, وَمَنْ أَحَبَّ أَنْ يُوتِرَ بِوَاحِدَةٍ فَلْيَفْعَلْ " رَوَاهُ الْأَرْبَعَةُ إِلَّا اَلتِّرْمِذِيَّ, وَصَحَّحَهُ اِبْنُ حِبَّانَ, وَرَجَّحَ النَّسَائِيُّ وَقْفَهُ.

ابوداود، ابواب الصلاة، باب كم الوتر: ١٤٢٢، ابن ماجة: ١١٩٠، النسائى: ٢٣٨/٣، ابن حبان: ٢٤٠٧، ٢٤١٠، ٢٤١١،
الطبرانى: ٣٩٦٢، ٣٩٦٤، الطحاوى: ٢٩١/١، الدارقطنى: ٢٢/٢، البيهقى: ٢٧/٣، عبدالرزاق: ٤٦٣٣، مسلم: ٥٠٨/١،
علل الحديث لابن ابى حاتم: ٤٥٠، مسند احمد: ٤١٨/٥، التلخيص الحبير: ١٣/٢

٣٦٦: حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ بلاشبہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:"وتر ہر مسلمان پر حق ہے، جو پانچ وتر پڑھنا چاہتا ہے وہ پانچ پڑھ لے اور جو تین پڑھنا چاہتا ہے وہ تین پڑھ لے اور جو ایک پڑھنا پسند کرتا ہے وہ ایک پڑھ لے۔" (اسے ابوداود، نسائی اور ابن ماجہ نے روایت کیا ہے، ابن حبان نے اسے صحیح کہا ہے اور نسائی نے اس کے موقوف کو راجح قرار دیا ہے)

لغوی تحقیق: حق: یہاں حق بمعنی ثابت ہے۔

تشریح: زیر مطالعہ حدیث سے متعلق اہل علم میں دو طرح کا اختلاف پایا جاتا ہے۔ (۱) وتر واجب ہے یا سنت؟ (۲) حدیث مرفوع ہے یا موقوف؟ احناف کے نزدیک وتر واجب ہے (احناف کے نزدیک فرض اور واجب میں فرق ہے، شوافع کے نزدیک فرض اور واجب میں کوئی فرق نہیں) جبکہ جمہور کے نزدیک وتر سنت مؤکدہ ہے۔

احناف کی دلیل زیر مطالعہ حدیث ہے، جبکہ جمہور اہل علم کی دلیل حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی وہ حدیث ہے جو اس کے بعد آ رہی ہے،

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

اس مسئلہ کے بارے میں تفصیلی گفتگو اسی حدیث کے ضمن میں ہوگی۔ (ان شاء اللہ)

یہ حدیث امام زہری سے ان کے بعض تلامذہ موقوف اور بعض مرفوع بیان کرتے ہیں، امام ابن حبان نے مرفوع طریق کو صحیح کہا ہے، امام نسائی، امام ابوحاتم، امام ذہلی، امام دارقطنی اور امام بیہقی نے اس روایت کے موقوف ہونے کو صحیح کہا ہے۔ حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ تلخیص میں فرماتے ہیں کہ یہی تحقیق درست ہے۔

اس حدیث سے وتروں کی تعداد مختلف ثابت ہوتی ہے، لیکن یہ معلوم نہیں ہوتا کہ ایک سلام سے کتنے وتر پڑھے جا سکتے ہیں؟ البتہ صحیح مسلم میں حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے رات کی نماز تیرہ رکعات ادا فرمائی، ان میں سے پانچ وتر تھے۔ یہ سب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک تشہد اور ایک سلام سے ادا فرمائے۔

حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا ہی سے مروی ایک حدیث میں سات وتر ایک سلام سے پڑھنے کا ثبوت ملتا ہے، اس روایت کے اگرچہ تمام رواہ ثقہ ہیں تاہم یہ روایت حکم بن عتیبہ کے عنعنہ کی وجہ سے ضعیف ہے۔

امام ابوحاتم نے علی بن میمون سے مروی اسی متن کو منکر قرار دیا ہے۔ صحیح مسلم میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے نو وتر دو تشہد اور ایک سلام سے ادا فرمائے۔

فقہی احکام: (۱) آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے وتروں کی تعداد مختلف ثابت ہے۔ (۲) پانچ وتر ایک تشہد اور ایک سلام کے ساتھ پڑھے جا سکتے ہیں۔ (۳) نو وتر دو تشہد اور ایک سلام سے پڑھے جا سکتے ہیں۔

۳۶۷: **وَعَنْ عَلِيِّ بْنِ أَبِي طَالِبٍ رضی اللہ عنہ قَالَ لَيْسَ الْوِتْرُ بِحَتْمٍ كَهَيْئَةِ الْمَكْتُوبَةِ, وَلٰكِنْ سُنَّةٌ سَنَّهَا رَسُولُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم رَوَاهُ النَّسَائِيُّ وَالتِّرْمِذِيُّ وَحَسَّنَهُ وَالْحَاكِمُ وَصَحَّحَهُ.**

الترمذی، ابواب الوتر، باب ما جاء ان الوتر لیس بحتم: ۴۵۵، ابن حبان: ۲۴۰۹ ـ ۲۴۱۹، ابن ماجۃ: ۱۱۶۹، الدارمی: ۱۵۸۷، احمد: ۸۶/۱

<u>حکایت لطیفہ: امام ابن خزیمہ نے اپنی سند سے نقل کیا ہے کہ عبدالوارث بن سعید نے امام ابوحنیفہ سے دریافت کیا کہ فرض نمازیں کتنی ہیں؟ انہوں نے کہا پانچ۔ ان سے کہا گیا، وتر کے بارے میں آپ کا کیا خیال ہے؟ انہوں نے کہا، واجب ہے۔ عبدالوارث بن سعید کہتے ہیں، میں نے ان سے کہا، آپ کا حساب اچھا نہیں۔ ابن خزیمہ ۱/ ۱۳۷، ۱۳۸</u>

تنبیہ: مؤلف رحمہ اللہ نے بلوغ المرام میں اس حدیث کو نقل کرنے کے بعد اس حدیث کو مصادر و مراجع کی طرف منسوب کرتے ہوئے جو کچھ لکھا ہے وہ مختلف نسخوں میں مختلف ہے۔

(۱) مولانا عبدالتواب ملتانی کے ترجمہ سے شائع ہونے والے نسخے میں ہے، رواہ الترمذی و النسائی و حسنہ و الحاکم صححہ۔ (۲) بلوغ المرام مع سبل السلام میں بھی یہی الفاظ ہیں۔ (۳) مولانا صفی الرحمٰن مبارکپوری کی تحقیق سے شائع ہونے والے نسخے میں، رواہ النسائی و الترمذی و حسنہ و الحاکم صححہ۔ (۴) خالد بن ضیف اللہ شلاجی، احمد ابراہیم مرزہو اور بلوغ المرام مع فتح العلام کے مطبوعہ نسخوں میں ہے، رواہ الترمذی وحسنہ، و النسائی و الحاکم صححہ.

۳۶۷: حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے وہ کہتے ہیں کہ وتر فرض نمازوں کی طرح لازمی نہیں بلکہ مسنون ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے مشروع فرمایا ہے۔ (اسے ترمذی نے بیان کیا ہے، نسائی اور حاکم نے روایت کیا ہے اور حاکم نے اسے صحیح کہا ہے)

لغوی تحقیق: حتم: واجبی اور ضروری۔

تشریح: یہ حدیث حضرت ابوایوب رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث کے بظاہر خلاف ہے کیونکہ اس میں وتر کو حق کہا گیا ہے اور حق بمعنی واجب بھی استعمال ہوتا ہے مثلاً يَحِقُّ عَلَيْكَ كَذَا: آپ پر ایسا کرنا لازم ہے۔ احناف نے حق بمعنی واجب ہی لیا ہے، کبھی یہ بمعنی ثابت بھی

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

استعمال ہوتا ہے جیسا کہ قرآن حکیم میں ہے ﴿وَيَحِقُّ الْقَوْلُ عَلَى الْكَافِرِيْنَ: کافروں پر یہ قول ثابت ہو گیا۔﴾

یہاں ان دونوں معانی میں سے کونسا لیا جائے؟ اس کا انحصار اس سلسلے میں مروی دیگر احادیث کی صحت اور عدم صحت پر ہے، اس لئے ضروری ہے کہ پہلے ان احادیث کا مطالعہ کر لیں۔

(۱) حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث میں یہ صراحت ہے کہ وتر لازمی نہیں۔ اس روایت کو امام ترمذی نے حسن، امام حاکم اور امام ابن خزیمہ نے صحیح کہا ہے لیکن بعض نے ابواسحاق سبیعی کے عنعنہ کی وجہ سے اسے ضعیف کہا ہے، علامہ ناصر الدین البانی نے ابواسحاق کی وجہ سے اس طریق کو ضعیف لیکن شاہد کی وجہ سے اس متن کو صحیح قرار دیا ہے۔

راقم کے نزدیک یہ طریق ابواسحاق کے طریق کی وجہ سے بھی ضعیف نہیں کیونکہ امام ابن خزیمہ نے اسے اپنی صحیح میں درج کیا ہے اور انہوں نے اپنی صحیح میں وہی معنعن روایات درج کی ہیں جو انقطاع کے عیب سے پاک ہیں اور اگر ان سے اس کے خلاف ہو گیا ہے تو امام ممدوح نے اس کی صراحت کر دی ہے۔

(۲) حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ آپ ﷺ سواری پر وتر پڑھ لیا کرتے تھے۔ (جبکہ فرض نماز آپ ﷺ سواری پر نہیں پڑھا کرتے تھے) یہ حدیث صحیح ہے۔

(۳) واجب/فرض میں کمی بیشی نہیں جبکہ وتر کے بارے میں آپ ﷺ نے کمی بیشی کرنے کا اختیار دیا ہے یعنی ایک، تین، پانچ، سات اور نو پڑھے جا سکتے ہیں۔

(۴) حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ جو صبح سے قبل وتر نہیں پڑھتا اس کے وتر نہیں۔ (یہ حدیث صحیح ہے)

(۵) حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے ایک طویل حدیث مروی ہے جس کے آخر میں ہے کہ مجھے خدشہ ہوا کہ کہیں تم پر وتر فرض نہ کر دیا جائے۔ (یہ حدیث حسن ہے)

(۶) حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث میں ہے کہ ایک آدمی نے آپ ﷺ سے دریافت کیا کہ اللہ نے اپنے بندوں پر کتنی نمازیں فرض کی ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: "پانچ۔" امام ابن حبان اسی مضمون کی احادیث حضرت ابوہریرہ اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کرنے کے بعد ان کے ضمن میں فرماتے ہیں کہ اگر وتر فرض ہوتا تو رسول اللہ ﷺ فرض نمازوں کیلئے چھ کا عدد استعمال فرماتے۔

ان احادیث کا مطالعہ کرنے سے یہ واضح ہوا کہ حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث میں لفظ حق بمعنی ثابت ہے کیونکہ بمعنی واجب مراد لینے سے ایسا تعارض پیدا ہوگا جس کا نبی ﷺ کے کلام میں پایا جانا محال ہے۔

فقہی احکام: (۱) وتر فرض یا واجب نہیں ہیں۔ (۲) وتروں کو آپ ﷺ نے سفر و حضر میں قائم فرمایا ہے۔ (۳) فرض نماز سواری پر درست نہیں۔ (۴) وتروں کو سواری پر پڑھا جا سکتا ہے۔

۳۶۸: وَعَنْ جَابِرٍ رضی اللہ عنہ أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ قَامَ فِي شَهْرِ رَمَضَانَ, ثُمَّ انْتَظَرُوْهُ مِنَ الْقَابِلَةِ فَلَمَّا يَخْرُجْ, وَقَالَ "إِنِّي خَشِيْتُ أَنْ يُكْتَبَ عَلَيْكُمُ الْوِتْرُ" رَوَاهُ ابْنُ حِبَّانَ.

ابن حبان، کتاب الصلاۃ، باب الوتر: ۲۴۰۹، ابن خزیمۃ: ۱۰۷۰، ۲۲۰۴، المعجم الصغیر للطبرانی: ۵۲۵

۳۶۸: حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ماہ رمضان میں (کسی رات) قیام فرمایا، پھر دوسری رات صحابہ نے آپ ﷺ کا انتظار کیا مگر آپ ﷺ تشریف نہ لائے اور فرمایا: "مجھے خدشہ ہے کہ کہیں تم پر وتر فرض نہ کر دئے جائیں۔" (اسے ابن

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

حبان نے روایت کیا ہے)

لغوی تحقیق: القابلة: آئندہ آنے والی رات۔

تشریح: اس حدیث سے یہ بھی واضح ہوا کہ وتر فرض نہیں، البتہ مؤلف رحمہ اللہ نے فتح الباری میں لکھا ہے کہ اس حدیث کے متن پر یہ اعتراض ہوسکتا ہے کہ جب نمازوں کی فرضیت مکہ میں ہوچکی تھی تو مدینہ میں اس کی فرضیت کا خطرہ کیونکر لاحق ہوسکتا تھا؟ مؤلف رحمہ اللہ نے اس اعتراض کے تین جواب دیئے ہیں۔

راقم کے نزدیک اس اعتراض کا درست جواب یہ ہوسکتا ہے، شب معراج میں نمازوں میں تخفیف انسان کی عدم استطاعت کی وجہ سے ہوئی تھی جبکہ قیام رمضان کیلئے صحابہ کا ذوق اس امر کا متقاضی تھا کہ قیام رمضان انسان کی استطاعت میں ہے، اس علت کی بنیاد پر اس کی فرضیت کا خدشہ تھا جس کے پیش نظر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے خیمہ اعتکاف سے باہر آنے کا ارادہ ترک کردیا۔

یہ حدیث مختصر ہے جبکہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی حدیث مفصل ہے، اس میں چوتھی رات میں تشریف نہ لانے کا ذکر ہے، حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے بھی اسی طرح کی مفصل روایت ابن حبان میں مذکور ہے، ابن خزیمہ کی روایت سے یہ واضح ہوتا ہے کہ یہ واقع آخری عشرہ کا ہے، اس صورت میں اس کا مفہوم یہ ہوگا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے خیمہ سے باہر تشریف نہ لائے۔ ان احادیث سے یہ معلوم ہوا کی قیام رمضان مسجد میں باجماعت ادا کرنا افضل ہے، جولوگ اسے بدعت کہتے ہیں وہ صناعۃ الحدیث سے نابلد اور جاہل ہیں۔

فقہی احکام: (۱) قیام رمضان مسجد میں باجماعت ادا کرنا افضل ہے۔ (۲) آٹھ رکعات پڑھنا مسنون ہے۔

۳۶۹: وَعَنْ خَارِجَةَ بْنِ حُذَافَةَ رضی اللہ عنہ قَالَ، قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صلی اللہ علیہ وسلم " إِنَّ اللَّهَ أَمَدَّكُم بِصَلَاةٍ هِيَ خَيْرٌ لَّكُم مِنْ حُمُرِ النَّعَمِ " قُلْنَا وَمَا هِيَ يَا رَسُولَ اللَّهِ؟ قَالَ " اَلْوِتْرُ ,مَا بَيْنَ صَلَاةِ الْعِشَاءِ إِلَى طُلُوعِ الْفَجْرِ " رَوَاهُ الْخَمْسَةُ إِلَّا النَّسَائِيَّ وَ صَحَّحَهُ الْحَاكِمُ.

ابوداود، ابواب الوتر، باب استحباب الوتر: ۱۴۱۸، الترمذی: ۴۵۲، ابن ماجة: ۱۱۶۸، الدارمی: ۱۵۸۴، الحاکم: ۱/۳۰۶، الدارقطنی: ۲/۳۰، البیهقی: ۲/۴۶۹، التلخیص: ۲/۱۶

تنبیہ: متعدد اہل علم نے اطراف مسند احمد کا حوالہ درج کیا ہے مگر راقم کو یہ روایت مسند احمد سے نہیں ملی۔ (واللہ اعلم بالصواب)

۳۶۹: خارجہ بن حذافہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ نے فرمایا: "اللہ تعالیٰ نے ایک ایسی نماز کے ساتھ تمھاری مدد فرمائی ہے جو تمھارے لیے سرخ اونٹوں سے بہتر ہے۔" ہم نے عرض کیا، یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وہ کونسی نماز ہے؟ ارشاد ہوا "وہ وتر ہے جو عشا اور فجر کی نمازوں کے مابین ہے۔" (اسے احمد، ابوداؤد، ترمذی اور ابن ماجہ نے روایت کیا ہے اور حاکم نے صحیح کہا ہے)

لغوی تحقیق: امدکم: اس نے تمہاری مدد کی ہو۔ حمر: حاء اور میم مضموم، احمر کی جمع ہے، سرخ۔ النعم: نون اور عین مفتوح، اونٹ

تشریح: اس حدیث سے یہ معلوم ہوا کہ سرخ اونٹ اہل عرب کے نزدیک بہت پسندیدہ جانور تھا، تبھی تو رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرمایا: "وتر نماز کا پڑھنا سرخ اونٹ کے حصول سے بھی کہیں بہتر ہے۔" نیز یہ واضح ہوا کہ مادی اور غیر مادی اشیا کے درمیان موازنہ کیا جاسکتا ہے۔ اس روایت کی صحت اور عدم صحت کے بارے میں اہل علم کی مختلف آراء ہیں۔

فقہی احکام: (۱) مادی اور غیر مادی اشیا کے مابین موازنہ کیا جاسکتا ہے۔ (۲) کسی بھی مسئلہ کی تفہیم کیلئے عام فہم مثال دینی چاہیے۔
(۳) وتر مسلمانوں کے درجات میں بلندی کا ایک اہم ذریعہ ہے۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

۳۷۰: وَرَوَى أَحْمَدُ عَنْ عَمْرِو بْنِ شُعَيْبٍ ,عَنْ أَبِيهِ ,عَنْ جَدِّهِ نَحْوَهُ.

احمد: ۶۹۳۶، ۶۹۵۹

۳۷۰: امام احمد نے عمرو بن شعیب سے اورانہوں نے اپنے والد اور دادا کے طریق سے اس کی مثل بیان کیا ہے۔

۳۷۱: وَعَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ بُرَيْدَةَ ,عَنْ أَبِيهِ رضی اللہ عنہ قَالَ، قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صلی اللہ علیہ وسلم "اَلْوِتْرُ حَقٌّ ,فَمَنْ لَمْ يُوتِرْ فَلَيْسَ مِنَّا" أَخْرَجَهُ أَبُو دَاوُدَ بِسَنَدٍ لَيِّنٍ ,وَصَحَّحَهُ الْحَاكِمُ.

ابوداود، تفریع ابواب الوتر، باب فی من لم یوتر: ۱۴۱۹، احمد: ۳۵۷/۵، الحاکم: ۳۰۵/۱، البیهقی: ۴۵۶۸

۳۷۱: حضرت عبداللہ اپنے والد بریدہ رضی اللہ عنہ سے بیان کرتے ہیں، وہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "وتر حق ہے جس نے وتر نہیں پڑھا وہ ہم میں سے نہیں۔" (اسے ابوداؤد نے کمزور سند سے بیان کیا ہے اور حاکم نے اسے صحیح کہا ہے)

لغوی تحقیق: بریدة: باء مضموم راء مفتوح اور یاء ساکن۔ فلیس منا: ہم میں سے نہیں۔

تشریح: اس روایت کا مرکزی راوی ابوالمنیب عبیداللہ بن عبداللہ عتکی ہے، امام حاکم نے موصوف کو ثقہ قرار دیتے ہوئے لکھا ہے کہ اس کی حدیث کے قبول کرنے پر اتفاق ہے، امام ذہبی نے امام حاکم کے اس قول پر نقد کرتے ہوئے لکھا ہے کہ امام بخاری فرماتے ہیں، اس کے پاس منکر روایات ہیں، امام نسائی کے اس بارے میں دو متضاد قول ہیں، امام یحییٰ بن معین نے اسے ثقہ اور ابوحاتم نے صالح الحدیث کہا ہے، امام عقیلی فرماتے ہیں، اس کی مرویات کی متابعت نہیں کی جاتی، ابواحمد فرماتے ہیں یہ محدثین کے نزدیک قوی نہیں۔ جس طرح عبید اللہ کے ثقہ اور ضعیف ہونے کے بارے میں اختلاف ہے اسی طرح اس روایت کے مرفوع اور موقوف ہونے کے بارے میں بھی اختلاف ہے۔ محدثین کے بیانات پر غور کرنے سے یہ واضح ہوتا ہے کہ موصوف ثقہ راوی ہے لیکن اسکی بعض مرویات منکر ہیں، موصوف کی یہ روایت چونکہ بہت سی صحیح احادیث کے خلاف ہے لہٰذا یہ روایت منکر ہے بنا بریں اس روایت کو وتر کے وجوب کی دلیل بنانا درست نہیں۔

۳۷۲: وَلَهُ شَاهِدٌ ضَعِيفٌ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضی اللہ عنہ عِنْدَ أَحْمَدَ.

احمد: ۹۷۲۳، ۴۴۲/۵ (۲۲۱۵۶)، نصب الرایة: ۱۱۳/۲، التنقیح: ۱۰۴۸/۲

۳۷۲: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی روایت جسے امام احمد نے بیان کیا ہے وہ اس کی شاہد ہے تاہم وہ بھی ضعیف ہے۔

تشریح: اس روایت کا مرکزی راوی خلیل بن مرہ الضبعی ہے اسے امام ابوحاتم نے لیس بالقوی، امام بخاری نے منکر الحدیث اور امام نسائی نے ضعیف کہا ہے۔ اس روایت کے ضعیف ہونے کی دوسری علت یہ ہے کہ یہ روایت منقطع ہے کیونکہ معاویہ بن قرۃ نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے کچھ نہیں سنا۔ اس کی شاہد روایت حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے بھی مروی ہے، عبدالرحمٰن بن رافع کہتے ہیں کہ حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ شام تشریف لائے، اہل شام وتر نہیں پڑھتے تھے، انہوں نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے کہا، کیا وجہ ہے کہ میں اہل شام کو وتر پڑھتے نہیں دیکھتا؟ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے کہا، کیا وتر واجب ہیں؟ انہوں نے کہا، جی ہاں! میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرما رہے تھے: "اللہ تعالیٰ نے مجھے ایک نماز زائد عطا کی ہے اور وہ وتر ہے، اس کا وقت عشاء اور فجر کے مابین ہے۔"

اس روایت کو بطور شاہد نقل کرنا درست نہیں کیونکہ اس کے دو راوی یعنی عبیداللہ بن زحر اور عبدالرحمٰن بن رافع دونوں ضعیف ہیں، علامہ ابن عبدالهادی فرماتے ہیں کہ حدیث معاذ ضعیف ہونے کے ساتھ ساتھ منقطع بھی ہے کیونکہ عبدالرحمٰن بن رافع نے حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کے عہد کو نہیں پایا۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

درج بالا بیانات سے یہ واضح ہو کہ جن روایات سے یہ واضح ہوتا ہے کہ وتر واجب ہیں وہ روایات ضعیف ہیں جبکہ وہ روایات جو وتر کے عدم وجوب پر دلالت کرتی ہیں وہ صحیح ہیں۔

۳۷۳:وَعَنْ عَائِشَةَ رضی اللہ عنہا قَالَتْ مَا كَانَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ يَزِيدُ فِي رَمَضَانَ وَلَا فِي غَيْرِهِ عَلَى إِحْدَى عَشْرَةَ رَكْعَةً, يُصَلِّي أَرْبَعًا ,فَلَا تَسْأَلْ عَنْ حُسْنِهِنَّ وَطُولِهِنَّ ,ثُمَّ يُصَلِّي أَرْبَعًا ,فَلَا تَسْأَلْ عَنْ حُسْنِهِنَّ وَطُولِهِنَّ ,ثُمَّ يُصَلِّي ثَلَاثًا قَالَتْ عَائِشَةُ ,فَقُلْتُ يَا رَسُولَ اللَّهِ ,أَتَنَامُ قَبْلَ أَنْ تُوتِرَ؟ قَالَ "يَا عَائِشَةُ ,إِنَّ عَيْنَيَّ تَنَامَانِ وَلَا يَنَامُ قَلْبِي" مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ وَفِي رِوَايَةٍ لَهُمَا عَنْهَا كَانَ يُصَلِّي مِنَ اللَّيْلِ عَشْرَ رَكَعَاتٍ ,وَيُوتِرُ بِسَجْدَةٍ ,وَيَرْكَعُ رَكْعَتَيِ الْفَجْرِ ,فَتِلْكَ ثَلَاثُ عَشْرَةَ رَكْعَةً.

البخاری، کتاب التهجد، باب قیام النبی ﷺ باللیل فی رمضان و غیره: ۱۱۴۷، مسلم:۷۳۸،ابو داود:۱۳۴۴،الترمذی: ۴۳۹، مالک: ۱/۱۲۰،البخاری، کتاب التهجد،باب کیف صلاة النبی ﷺ و کم کان النبی ﷺ یصلی من اللیل:۱۱۴۰،مسلم:۷۳۶

۳۷۳:حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ رمضان اور غیر رمضان میں گیارہ رکعت سے زائد نماز نہیں پڑھتے تھے، چار رکعات ایسے خوبصورت انداز میں ادا فرماتے کہ ان کے حسن اور طوالت کے بارے میں مت پوچھ! پھر چار رکعات ادا فرماتے، ان کے حسن اور طوالت کا بھی کیا کہنا! پھر تین رکعات پڑھتے ،حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں، میں نے عرض کیا، یا رسول اللہ ﷺ! کیا آپ ﷺ وتر ادا کرنے سے پہلے سو نہیں جاتے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: "اے عائشہ! میری آنکھ تو سو جاتی ہیں مگر دل نہیں سوتا۔" (بخاری و مسلم) بخاری اور مسلم کی ایک دوسری روایت میں ہے کہ پہلے آپ ﷺ دس رکعات پڑھتے پھر ایک رکعت پڑھ لیتے ، پھر فجر کی دو رکعات پڑھتے اس طرح یہ سب مل کر تیرہ رکعات ہوئیں۔ (بخاری و مسلم)

تشریح: اس حدیث سے یہ واضح ہوا کہ آپ ﷺ قیام اللیل (تہجد اور تراویح) رمضان اور غیر رمضان میں گیارہ رکعات سے زیادہ نہیں پڑھتے تھے۔ غیر رمضان میں آپ ﷺ قیام اللیل رات کے آخری حصہ میں فرماتے تھے جبکہ رمضان میں آپ ﷺ سے پہلے، وسط اور آخری تینوں حصوں میں قیام اللیل کرنا ثابت ہے، قیام اللیل، تراویح، تہجد اور صلاۃ الوتر ایک ہی نماز کے چار نام ہیں۔

اس روایت میں اگر چہ چار چار رکعات کا الگ الگ ذکر ہے، لیکن اس سے یہ مطلب لینا کہ چار رکعات آپ ﷺ نے ایک ہی سلام سے پڑھی ہوں گی، درست نہیں، کیونکہ یہاں دونوں احتمال موجود ہیں یعنی یہ بھی ممکن ہے کہ دو سلام سے چار رکعات پڑھی ہوں اور چار رکعات پڑھنے کے بعد کچھ دیر کیلئے بیٹھ گئے ہوں اور یہ بھی ممکن ہے کہ کبھی چار رکعات ایک ہی سلام سے پڑھی ہوں، راقم کے نزدیک پہلے احتمال کا قوی امکان ہے، کیونکہ اسے بعض ایسی صحیح احادیث کی تائید حاصل ہے، جن میں دو دو رکعات پڑھنے کی صراحت ہے، پھر آپ ﷺ کا ارشاد بھی ہے کہ رات کی نماز دو دو رکعات ہے۔ مزید تفصیل قیام رمضان میں ملاحظہ فرمائیں۔

اس حدیث سے ایک بات یہ بھی واضح ہوئی کہ نیند عام انسانوں کیلئے ناقص وضو ہے، لیکن رحمت عالم ﷺ کے لیے ناقص وضو نہیں، کیونکہ آپ ﷺ کے قلب مبارک کے بیدار رہنے کی وجہ سے آپ ﷺ وضو کے قائم رہنے پر مطلع رہتے تھے۔

ان تیرہ رکعات میں آٹھ رکعات تہجد یا تراویح کی اور تین وتر ہیں جنہیں آپ ﷺ دو سلام سے ادا فرماتے تھے، یعنی پہلے دو رکعات پڑھ کر سلام پھر دیتے، پھر ایک رکعت الگ پڑھتے اور آخری دو رکعات فجر کی سنتیں ہیں۔

فقہی احکام: (۱) رمضان اور غیر رمضان میں تہجد، تراویح گیارہ رکعات سے زائد پڑھنا ثابت نہیں۔ (۲) تہجد اور تراویح دو الگ الگ

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

نمازیں نہیں۔(۳) نیند آپ ﷺ کے لیے ناقص وضو نہیں۔(۴) تہجد یا تراویح آٹھ رکعات ہی پڑھنا مسنون ہیں۔(۵) تین وتر دو سلام سے پڑھنا صحیح احادیث سے صراحتاً ثابت ہے، لہٰذا اسی عمل کو اختیار کیا جائے۔(۶) ہمیشہ فقط ایک وتر پڑھنے کی روش کو ترک کیا جائے۔(۷) رات کی نماز دو دو رکعات کر کے پڑھی جائیں۔

۳۷۴: وَعَنْهَا قَالَتْ كَانَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ يُصَلِّي مِنَ اللَّيْلِ ثَلَاثَ عَشْرَةَ رَكْعَةً ,يُوتِرُ مِنْ ذٰلِكَ بِخَمْسٍ ,لَا يَجْلِسُ فِي شَيْءٍ إِلَّا فِي آخِرِهَا.

مسلم، کتاب الصلاۃ المسافرین و قصرھا، باب الصلاۃ اللیل و عدد رکعات النبی ﷺ فی اللیل: ۷۳۷، ابوداود: ۱۳۳۸، الترمذی: ۴۵۸، النسائی: ۲۴۰/۳، الدارمی: ۱۵۸۹

تنبیہ: مؤلف رحمۃ اللہ علیہ نے اس حدیث کو بخاری اور مسلم دونوں کی طرف منسوب کیا ہے جبکہ صحیح بخاری میں یہ روایت نہیں ہے۔حافظ ابن عبدالھادی نے المحرر میں اس حدیث کو فقط مسلم کی طرف منسوب کیا ہے۔

۳۷۴: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ رات کے وقت تیرہ رکعات ادا فرماتے تھے،ان میں سے پانچ وتر ہوتے تھے اور پانچ وتر ایک ہی تشہد سے پڑھتے تھے۔(بخاری و مسلم)

تشریح: یہ حدیث سابقہ حدیث کی معارض نہیں، کیونکہ دونوں میں جمع کی صورت موجود ہے،یعنی آپ ﷺ کبھی تین وتر دو تشہد سے اور دو سلام سے پڑھ لیتے تھے اور کبھی پانچ وتر ایک تشہد اور ایک سلام سے ادا فرما لیتے تھے،اسی طرح کبھی فجر کی دو سنتوں سمیت تیرہ رکعات پڑھ لیتے تھے اور کبھی ان کے بغیر تیرہ رکعات پڑھ لیتے تھے،لیکن ان تمام صورتوں میں تہجد یا تراویح آٹھ رکعات ہی پڑھتے تھے، کمی وبیشی وتروں میں فرماتے تھے۔

فقہی احکام: (۱) پانچ وتر ایک تشہد اور ایک سلام سے پڑھنا مسنون ہیں۔(۲) تہجد یا تراویح آٹھ رکعات ہی پڑھی جائیں۔

۳۷۵: وَعَنْهَا قَالَتْ ، مِنْ كُلِّ اللَّيْلِ قَدْ أَوْتَرَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ فَانْتَهَى وِتْرُهُ إِلَى السَّحَرِ. مُتَّفَقٌ عَلَيْهِمَا.

البخاری، کتاب الوتر، باب ساعات الوتر: ۹۹۶، مسلم: ۷۴۵، ابوداود: ۱۴۳۵، الترمذی: ۴۵۶، النسائی: ۲۳۰/۳، ابن ماجۃ: ۱۱۸۵، احمد: ۴۶/۶، الدارمی: ۱۵۸۷، البیھقی: ۳۵/۳

۳۷۵: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے رات کے ہر حصہ میں وتر پڑھا اور آپ ﷺ کے وتر پڑھنے کا آخری وقت سحری تک تھا۔(بخاری و مسلم)

لغوی تحقیق: السحر: سین اور حاء مفتوح۔وہ وقت جب سفیدی مشرقی افق میں ستون یا بھیڑیئے کی دُم کی مثل نظر آتی ہے۔اس حدیث سے واضح ہوا کہ آپ ﷺ نے وتر رات کے تمام حصوں میں پڑھے ہیں، نیز یہ واضح ہوا کہ ان کا دورانیہ عشا کی نماز کے بعد سے لیکر صبح صادق کے نمودار ہونے تک ہے، جو تہجد نہیں پڑھتا بلکہ تراویح پڑھتا ہے،اسے عشا کی نماز یا تراویح کے بعد پڑھ لینے چاہیے اور جو شخص تہجد با قاعدگی سے پڑھتا ہے اسے صبح صادق کے نمودار ہونے تک پڑھ لینے چاہیے۔ فانتھی وترہ الی السحر: اس سے دو مفہوم مستنبط ہوتے ہیں۔(۱) آخر میں آپ ﷺ رات کے آخری حصہ میں وتر پڑھتے تھے۔(۲) آپ ﷺ نے وتر کو زیادہ سے زیادہ سحری تک مؤخر فرمایا،انہیں الفاظ کے ساتھ یہ روایت حضرت علی رضی اللہ عنہ سے بھی منقول ہے(مسند احمد: ۸۶/۱)

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

فقہی احکام: صلاۃ الوتر نماز عشا سے لیکر صبح صادق کے نمودار ہونے تک کسی بھی وقت پڑھی جا سکتی ہے، البتہ آخری وقت میں پڑھنی افضل ہے

۳۷۶: وَعَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَمْرِو بْنِ الْعَاصِ رضی اللہ عنہما قَالَ، قَالَ لِيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ "يَا عَبْدَ اللّٰهِ لَا تَكُنْ مِثْلَ فُلَانٍ, كَانَ يَقُوْمُ مِنَ اللَّيْلِ, فَتَرَكَ قِيَامَ اللَّيْلِ" مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ.

البخاری، کتاب التہجد، باب مایکرہ من ترک قیام اللیل لمن کان یقومه: ۱۱۵۲، مسلم: ۱۸۵ / ۱۱۵۹، النسائی: ۲۵۳/۳، ابن ماجة: ۱۳۳۱، احمد: ۱۷۰/۲، ابن حبان: ۲۶۴۱، ابن خزیمة: ۱۷۳/۲

۳۷۶: حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "اے عبداللہ! فلاں شخص کی روش مت اختیار کرنا، پہلے وہ رات کا قیام کرتا تھا بعد میں اس نے ترک کر دیا۔" (بخاری و مسلم)

لغوی تحقیق: لاتکن: اصل میں تکون تھا لائے نہی داخل ہونے کی وجہ سے نون ساکن ہوا، واؤ پہلے ہی ساکن تھی، اجتماع ساکنین کی وجہ سے واؤ گر گئی، یعنی مت ہو جانا۔

تشریح: عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما کو پند و نصائح کرنے کا پس منظر یہ ہے کہ آپ ﷺ کو یہ اطلاع ملی کہ عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما رات بھر قیام کرتا ہے، روزانہ روزہ رکھتا ہے، آپ ﷺ نے حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ کو طلب کر کے ان سے اس خبر کی تصدیق فرمائی تو حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما نے اقرار کیا، ان کے اقرار کرنے پر آپ ﷺ نے انہیں کثرت عبادت کے مضر اثرات سے آگاہ کرتے ہوئے فرمایا: "مسلسل شب بیداری کی وجہ سے تیری بصارت کمزور ہو جائے گی اور تیرا جسم ناتواں اور اکتاہٹ کا شکار ہو جائے گا، دیکھ فلاں شخص کی طرح مت ہو جانا جو پہلے رات بھر قیام کرتا تھا اور بعد میں اس نے بالکل ترک کر دیا۔"

حدیث میں مذکور شخص یقیناً معروف تھا مگر رحمت عالم ﷺ نے اس کا نام نہ لیکر اسے چھپایا ہے، یہی وجہ ہے کہ بڑے بڑے سراغ رساں بھی اس شخص کے نام تک رسائی حاصل کرنے سے قاصر رہے ہیں۔

فقہی احکام: (۱) عبادت میں میانہ روی اختیار کرنی چاہیے۔ (۲) کثرت عبادت کا انجام ترک عبادت بھی ہو سکتا ہے۔ (۳) کسی شخص کا نام لئے بغیر اس کے عیب بطور عبرت بیان کرنا درست ہے۔ (۴) قیام اللیل واجب نہیں۔ (۵) نیک اعمال پہلے کرنا اور بعد میں چھوڑ دینا قابل مذمت حرکت ہے۔ (۶) زیر تربیت افراد کی سہولت کا خیال رکھنا مربی کے فرائض میں شامل ہے۔

۳۷۷: وَعَنْ عَلِيٍّ بْنِ اَبِي طَالِبٍ رضی اللہ عنہ قَالَ، قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ "أَوْتِرُوْا يَا أَهْلَ الْقُرْآنِ, فَإِنَّ اللّٰهَ وِتْرٌ يُحِبُّ الْوِتْرَ" رَوَاهُ الْخَمْسَةُ, وَصَحَّحَهُ ابْنُ خُزَيْمَةَ.

ابوداود، تفریع ابواب الوتر، باب استحباب الوتر: ۱۴۱۶، الترمذی: ۴۵۳، النسائی: ۲۲۸/۳، ابن ماجة: ۱۱۶۹، احمد: ۱۴۳/۱، ابن خزیمة: ۱۰۶۷

۳۷۷: حضرت علی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "اے حفاظ قرآن! وتر پڑھا کرو، اللہ اکیلا ہے اور وہ وتر کو پسند کرتا ہے۔" (اسے پانچوں نے روایت کیا ہے اور ابن خزیمہ نے صحیح کہا ہے)

لغوی تحقیق: اوتروا: وتر پڑھا کرو۔

تشریح: نماز تہجد اور تلاوت قرآن حکیم کا بڑا گہرا تعلق ہے، اس ناطے حفاظ قرآن کو تہجد پڑھنے کی ترغیب خصوصی طور پر دی گئی ہے، نماز

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

تہجد میں قرآن حکیم کی تلاوت کرنے سے قرآن حکیم بھی یاد رہتا ہے اور تقرب الی اللہ بھی حاصل ہوتا ہے، تاہم نماز تہجد حفاظ پر واجب نہیں۔

جن حضرات کا یہ خیال ہے کہ وتر واجب ہے وہ اس حدیث میں مذکور صیغہ اوتروا سے دلیل پکڑتے ہیں، ان کا اس لفظ سے استدلال درست نہیں کیونکہ یہاں اوتروا سے مراد وتر نہیں بلکہ نماز تہجد ہے، جبکہ تہجد کے وجوب کے وہ بھی قائل نہیں، اگر اس سے مراد وتر ہی لیے جائیں، تب بھی اس حدیث سے وتروں کا وجوب لازم نہیں آتا، کیونکہ اس حدیث میں وتر کا حکم فقط حفاظ کو دیا گیا ہے، جبکہ وتر کے وجوب کے قائل وتروں کو غیر حفاظ کیلئے بھی واجب قرار دیتے ہیں۔

فقہی احکام: حفاظ کرام کو نماز تہجد پڑھنی چاہیے اور اس میں خوب تلاوت کرنی چاہیے۔

۳۷۸: وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ رضی اللہ عنہما عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ " اِجْعَلُوا آخِرَ صَلَاتِكُمْ بِاللَّيْلِ وِتْرًا " مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ.

البخاری، کتاب الوتر، باب لیجعل آخر صلاته وترا: ۹۹۸، مسلم: ۷۵۱، ابوداود: ۱۴۳۸، احمد، ۴۳/۲، ابن خزیمة: ۱۴۴/۲، البیهقی: ۳۴/۳، النسائی: ۲۳۰/۳، ۲۳۱

۳۷۸: حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا: "رات کی آخری نماز کو وتر بناؤ۔" (بخاری و مسلم)

تشریح: اس حدیث سے یہ واضح ہوا کہ آخری نماز طاق ہونی چاہیے، اس کی ایک صورت تو یہ ہے کہ ایک رکعت سب سے آخر میں پڑھی جائے اس طرح رات کی ساری نماز طاق ہو جائے گی، اس کی دوسری صورت یہ ہے کہ جو شخص سحری سے پہلے اٹھنے کا عادی نہیں وہ سونے سے پہلے ایک رکعت پڑھ لے، اگر سحری سے پہلے اس کی آنکھ کھل جائے تو وہ حسب توفیق دو دو رکعات کر کے پڑھتا رہے، اس شخص کی آخری نماز بھی طاق کہلائے گی، کیونکہ وتر کے بعد آپ ﷺ سے دو رکعات پڑھنا ثابت ہے۔ نیز قولی حدیث میں بھی یہ نہیں کہا گیا کہ رات کی آخری رکعت طاق ہو، بلکہ یہ کہا گیا ہے کہ رات کی آخری نماز طاق ہو، لہٰذا مذکورہ ہر دو صورتوں میں رات کی آخری نماز طاق ہی رہے گی۔

فقہی احکام: رات کی آخری نماز طاق ہونی چاہیے۔

۳۷۹: وَعَنْ طَلْقِ بْنِ عَلِيٍّ رضی اللہ عنہ قَالَ سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ يَقُولُ " لَا وِتْرَانِ فِي لَيْلَةٍ " رَوَاهُ أَحْمَدُ, وَالثَّلَاثَةُ, وَصَحَّحَهُ ابْنُ حِبَّانَ.

ابوداود، تفریع ابواب الوتر، باب فی نقض الوتر: ۱۴۳۹، الترمذی: ۴۷۰، النسائی: ۲۲۹/۳، ۲۳۰، احمد: ۱۶۲۹۶، ابن خزیمة: ۱۵٦/۲، البیهقی: ۳٦/۳، ابن حبان: ۲۴۴۹

۳۷۹: حضرت طلق بن علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا، آپ ﷺ فرما رہے تھے، "ایک رات میں دو وتر نہیں۔" (اسے احمد اور تینوں نے بیان کیا ہے اور ابن حبان نے صحیح کہا ہے)

لغوی تحقیق: وتران: وتر کا تثنیہ ہے۔

تشریح: یہ روایت تفصیلاً اس طرح ہے۔ قیس بن طلق کہتے ہیں کہ حضرت طلق بن علی رضی اللہ عنہ ہمارے پاس ماہ رمضان میں تشریف لائے اور انہوں نے روزہ افطار ہمارے ساتھ کیا اس رات انہوں نے ہمیں نماز تراویح اور وتر پڑھائے، پھر وہ مسجد تشریف لے گئے اور اپنے ساتھیوں کو نماز پڑھائی، جب وتر باقی رہ گیا تو انہوں نے ایک دوسرے شخص کو آگے کر دیا اور اسے کہا کہ وہ اپنے ساتھیوں کو وتر پڑھائے کیونکہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے کہ ایک رات میں دو وتر نہیں۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

اس روایت سے یہ واضح ہوا کہ بوقت ضرورت ایک امام فرض نماز کی امامت دو دفعہ کروا سکتا ہے، نیز اس سے ان لوگوں کے خیالات کا رد بھی ہوتا ہے جو کہتے ہیں کہ جو شخص سونے سے پہلے وتر پڑھ لے اگر صبح سے قبل اس کی آنکھ کھل جائے تو وہ پہلے ایک رکعت پڑھ کر پہلے پڑھی ہوئی رکعت کو جفت بنائے، پھر دو دو رکعات پڑھتا رہے اور آخر میں ایک وتر پڑھ لے، حضرت طلق رضی اللہ عنہ نے وتر پڑھنے کے بعد اپنی مسجد میں جا کر امامت کروائی جبکہ امامت کا آغاز کرنے سے پہلے انہوں نے ایک رکعت پڑھ کر رکعات کو جفت نہیں کیا۔ اس روایت کو بنیاد بنا کر تراویح اور تہجد کو الگ الگ ثابت کرنا کوتاہ علمی ہے کیونکہ حضرت طلق بن علی رضی اللہ عنہ نے دونوں دفعہ امامت سونے سے پہلے کروائی ہے۔

فقہی احکام: (۱) بوقت ضرورت ایک شخص ایک فرض نماز کی دو دفعہ امامت کروا سکتا ہے۔

(۲) ایک رات میں طاق رکعت ایک ہی بار پڑھنی چاہیے۔

۳۸۰: وَعَنْ أُبَيِّ بْنِ كَعْبٍ رضی اللہ عنہ قَالَ كَانَ رَسُولُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم يُوتِرُ بِـ﴿سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْأَعْلَى﴾ و﴿قُلْ يَا أَيُّهَا الْكَافِرُونَ﴾ و﴿قُلْ هُوَ اللّٰهُ أَحَدٌ﴾ رَوَاهُ أَحْمَدُ, وَأَبُو دَاوُدَ, وَالنَّسَائِيُّ وَزَادَ، وَلَا يُسَلِّمُ إِلَّا فِي آخِرِهِنَّ.

النسائی، کتاب قیام اللیل و تطوع النهار، باب (القرأة فی الوتر) ذکر اختلاف الفاظ الناقلین لخبر ابی بن کعب فی الوتر: ۱۷۳۰، ابو داود: ۱۴۲۳، احمد: ۱۲۳/۵، الدارقطنی: ۳۱/۲، ابن ماجة: ۱۱۷۱

۳۸۰: حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وتروں میں سورۃ الاعلیٰ، سورۃ الکافرون اور سورۃ اخلاص پڑھا کرتے تھے۔ (احمد، ابوداؤد اور نسائی نے روایت کیا ہے اور نسائی نے مزید یہ الفاظ بھی بیان کئے ہیں کہ سلام آخری رکعت میں پھیرتے تھے۔)

تشریح: اس حدیث سے یہ واضح ہوا کہ ایک سلام سے تین وتر پڑھنے بھی درست ہیں، نیز نسائی میں مروی روایت میں بھی صراحت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم پہلی رکعت میں سورۃ الاعلیٰ دوسری رکعت میں سورۃ الکافرون اور تیسری رکعت میں سورۃ الاخلاص پڑھتے تھے۔

فقہی احکام: (۱) ایک سلام اور ایک تشہد سے تین وتر پڑھے جا سکتے ہیں۔ (۲) پہلی رکعت میں سورۃ فاتحہ کے بعد سورۃ الاعلیٰ، دوسری رکعت میں سورۃ فاتحہ کے بعد سورۃ الکافرون اور تیسری رکعت میں سورۃ الاخلاص پڑھنا مسنون ہے۔

۳۸۱: وَلِأَبِي دَاوُدَ, وَالتِّرْمِذِيِّ نَحْوُهُ عَنْ عَائِشَةَ رضی اللہ عنہا وَفِيهِ كُلُّ سُورَةٍ فِي رَكْعَةٍ, وَفِي الْأَخِيرَةِ ﴿قُلْ هُوَ اللّٰهُ أَحَدٌ﴾ وَالْمُعَوِّذَتَيْنِ.

ابو داود، تفریع ابواب الوتر، باب مایقرأ فی وتر: ۱۴۲۴، الترمذی: ۴۶۳، ابن ماجة: ۱۱۷۳، البیهقی: ۳۸/۳، الدارقطنی: ۲۴/۲، التنقیح: ۱۰۶۱/۲

۳۸۱: ابوداؤد اور ترمذی میں اسی کی مثل حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے اور اس میں یہ صراحت بھی ہے کہ ہر رکعت میں ایک مکمل سورۃ تلاوت فرماتے تھے اور آخری میں قل ھو اللہ اور معوذتین تلاوت فرماتے تھے۔

لغوی تحقیق: معوذتین : معوذة کا تثنیہ ہے، یعنی آخری دونوں سورتیں، ان دونوں سورتوں میں چونکہ مکمل طور پر تعوذ بیان ہوا ہے اس لیے اسے معوذتین کہا گیا ہے۔

تشریح: یہ روایت ضعیف ہے، کیونکہ خصیف بن عبدالرحمٰن ضعیف ہے اور عبدالعزیز بن جریج کا حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے سماع ثابت نہیں۔ امام احمد، خصیف بن عبدالرحمٰن کے بارے میں فرماتے ہیں کہ وہ حدیث میں قوی نہ ہونے کی وجہ سے قابل حجت نہیں، امام ابوحاتم نے اسے سوء حفظ کا شکار قرار دیا ہے۔ امام ابن حبان، عبدالعزیز بن جریج کے بارے میں فرماتے ہیں کہ یہ فی نفسہ ثقہ ہے، لیکن اس نے

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے کچھ نہیں سنا۔اس کی مؤید ایک روایت عمرۃ بنت عبدالرحمٰن کے طریق سے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے مگر وہ روایت بھی صحیح نہیں کیونکہ امام یحییٰ بن سعید فرماتے ہیں کہ میں اس حدیث کو نہیں پہچانتا۔

۳۸۲: وَعَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ رضی اللہ عنہ أَنَّ النَّبِيَّ صلی اللہ علیہ وسلم قَالَ "أَوْتِرُوا قَبْلَ أَنْ تُصْبِحُوا" رَوَاهُ مُسْلِمٌ .

مسلم، کتاب صلاۃ المسافرین و قصرھا، باب صلاۃ اللیل مثنیٰ مثنیٰ والوتر رکعۃ من آخر اللیل: ۷۵۴،الترمذی:۴۶۸،النسائی : ۳/۲۳۱، ابن ماجۃ: ۱۱۸۹، احمد: ۳/۳۷، عبدالرزاق: ۳/۸، حاکم: ۱/۳۰۱، البیھقی: ۲/۴۷۸

۳۸۲: ابوسعید خدری بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:"وتر صبح نمودار ہونے سے پہلے پڑھ لیا کرو۔"(مسلم)

تشریح: اس حدیث سے یہ واضح ہوا کہ وتر کا آخری وقت صبح صادق کے نمودار ہونے سے پہلے تک ہے،اس کے بعد یہ قضا ہوگا، وتر قضا بھی دیگر قضا نمازوں کی طرح کسی وقت بھی ادا کیا جاسکتا ہے۔

۳۸۲ب:وَلابْنِ حِبَّانَ "مَنْ أَدْرَكَ الصُّبْحَ وَلَمْ يُوتِرْ فَلَا وِتْرَ لَهُ"

ابن حبان، کتاب الصلاۃ، باب الوتر: ۲۴۰۸، ابن خزیمۃ: ۱۰۹۲، الحاکم: ۱/۳۰۱، البیھقی: ۲/۴۷۸

۳۸۲ب:ابن حبان میں ہے کہ "جس نے صبح صادق کے نمودار ہونے سے پہلے وتر نہیں پڑھا اس کا کوئی وتر نہیں۔"

تشریح: اس روایت میں اگرچہ کوئی بظاہر علت نہیں لیکن امام مسلم کا ان الفاظ کو چھوڑ کر اس حدیث کے دیگر الفاظ کو نقل کرنا کسی مخفی علت کی طرف مشیر ہے۔

۳۸۳:وَعَنْهُ قَالَ، قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صلی اللہ علیہ وسلم "مَنْ نَامَ عَنِ الْوِتْرِ أَوْ نَسِيَهُ فَلْيُصَلِّ إِذَا أَصْبَحَ أَوْ ذَكَرَ" رَوَاهُ الْخَمْسَةُ إِلَّا النَّسَائِيَّ .

ابوداود، تفریع ابواب الوتر، باب فی الدعاء بعد الوتر: ۱۴۳۱، الترمذی: ۴۶۵، ابن ماجۃ: ۱۱۸۸، احمد: ۳/۴۴، الحاکم: ۱/۳۰۲، البیھقی: ۲/۴۸۰، مصنف عبدالرزاق: ۳/۱۰، مؤطا: ۱/۹۷

۳۸۳: حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ ہی سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:"جو وتر پڑھنے سے قبل سو جائے یا وتر بھول جائے، وہ جب صبح کرے تب پڑھ لے یا جب اسے یاد آئے تب پڑھ لے۔"(اسے ابوداود، ترمذی، ابن ماجہ اور احمد نے نقل کیا ہے)

تشریح: زید بن اسلم سے یہ روایت ان کے صاحبزادے عبدالرحمٰن بن زید اور محمد بن مطرف المدنی نقل کرتے ہیں، عبدالرحمٰن بن زید ضعیف ہے، لیکن اس کا متابع محمد بن مطرف موجود ہے، اس لئے یہ حدیث قابل حجت ہے۔ مؤطا اور عبدالرزاق میں ہے کہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما طلوع فجر کے بعد بھی وتر پڑھ لیا کرتے تھے۔ مؤطا میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہما سے منقول ہے کہ وہ فجر کی جماعت کھڑی ہونے تک وتر پڑھ لیا کرتے تھے، یہ دونوں اثر صحیح ہیں۔

فقہی احکام: وتر کی قضا صبح صادق کے نمودار ہونے کے بعد دی جاسکتی ہے۔

۳۸۴:وَعَنْ جَابِرٍ رضی اللہ عنہ قَالَ، قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صلی اللہ علیہ وسلم "مَنْ خَافَ أَنْ لَا يَقُومَ مِنْ آخِرِ اللَّيْلِ فَلْيُوتِرْ أَوَّلَهُ, وَمَنْ طَمِعَ أَنْ يَقُومَ آخِرَهُ فَلْيُوتِرْ آخِرَ اللَّيْلِ, فَإِنَّ صَلَاةَ آخِرِ اللَّيْلِ مَشْهُودَةٌ, وَذَلِكَ أَفْضَلُ" رَوَاهُ مُسْلِمٌ.

مسلم، کتاب صلاۃ المسافرین و قصرھا، باب من خاف ان لایقوم من آخر اللیل فلیوتر اولہ: ۷۵۵، الترمذی: ۴۵۵، ابن ماجۃ: ۱۱۸۷، احمد: ۳/۳۸۹، ابن خزیمۃ: ۱۰۸۶، البیھقی: ۳/۳۵، ابن حبان: ۲۵۶۵

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

۳۸۴: حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "جسے خدشہ ہو کہ وہ رات کے آخری حصہ میں بیدار نہیں ہو سکے گا وہ رات کے پہلے حصہ میں وتر پڑھ لیا کرے اور جسے امید ہے کہ وہ رات کے آخری حصہ میں قیام اللیل کر سکے گا، وہ رات کے آخری حصہ میں پڑھے کیونکہ رات کے آخری حصہ کی نماز میں فرشتے حاضر ہوتے ہیں اور یہی حصہ افضل ہے۔" (مسلم)

لغوی تحقیق: خاف: خدشہ محسوس کرے۔ طمع: امید رکھتا ہے۔ مشھود: حاضر کئے جاتے ہیں۔

فقہی احکام: (۱) جو صبح صادق سے قبل بیدار ہونے کا عادی نہیں وہ نماز عشا کے فوراً بعد وتر پڑھ لے۔ (۲) جو صبح صادق سے قبل بیدار ہونے کا عادی ہے، وہ رات کے آخری حصہ میں قیام اللیل کے بعد وتر پڑھے۔ (۳) صبح کاذب اور صبح صادق کے وقت ملائکہ کی خصوصی جماعت نمازوں میں شریک ہوتی ہے۔ (۴) ملائکہ کی شرکت کی وجہ سے تہجد اور وتروں کے حسن میں دو چند اضافہ ہو جاتا ہے۔ (۵) وتر رات کے کسی بھی حصہ میں پڑھے جا سکتے ہیں مگر افضل وقت رات کا آخری حصہ ہے۔

۳۸۵: وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ رضی اللہ عنہما عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ "إِذَا طَلَعَ الْفَجْرُ فَقَدْ ذَهَبَ كُلُّ صَلَاةِ اللَّيْلِ وَالْوِتْرِ، فَأَوْتِرُوا قَبْلَ طُلُوعِ الْفَجْرِ" رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ.

الترمذی، ابواب الصلاۃ، باب ماجاء فی مبادرۃ الصبح بالوتر: ۴۶۹، الحاکم: ۱/۳۰۲، ابن خزیمۃ: ۱۰۹۱، احمد: ۲/۱۵۰، البیہقی: ۴/۴۷۸، عبدالرزاق: ۴۶۱۳

۳۸۵: حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نبی کریم ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا: "جب صبح صادق نمودار ہو جائے تو وتر سمیت رات کی نماز کا وقت ختم ہو جاتا ہے، اس لئے طلوع فجر سے پہلے پہلے وتر پڑھ لیا کرو۔" اسے ترمذی نے روایت کیا ہے۔

تشریح: اس حدیث میں بھی تہجد اور وتر کا آخری وقت بتایا گیا ہے۔ نیز یہ روایت حضرت عبداللہ بن مسعود اور حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کے آثار کے معارض نہیں۔

۳۸۶: وَعَنْ عَائِشَةَ رضی اللہ عنہا قَالَتْ كَانَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ يُصَلِّي الضُّحَى أَرْبَعًا ,وَيَزِيدُ مَا شَاءَ اللَّهُ. رَوَاهُ مُسْلِمٌ.

صحیح مسلم، کتاب صلاۃ المسافرین و قصرھا، باب استحباب صلاۃ الضحیٰ و ان اقلھا رکعتان: ۷۱۹، ۷۲۱، ۷۲۲، ابن ماجۃ: ۱۳۸۱، احمد: ۶/۱۲۳، ابوعوانۃ: ۲/۲۶۷، البیہقی: ۳/۴۷، البخاری: ۱۱۷۸

۳۸۶: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ چاشت کی نماز چار رکعات پڑھتے تھے، جس قدر اللہ چاہتا اس قدر زیادہ بھی پڑھ لیا کرتے تھے۔ (مسلم)

لغوی تحقیق: الضحیٰ: ضاد مضموم اور حاء مفتوح، چاشت کا وقت یعنی وہ وقت جب سورج کی شعائیں خوب نکھر کر زمین پر پڑنے لگتی ہیں

تشریح: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے اس بارے میں بظاہر معارض روایات منقول ہیں جیسا کہ مؤلف رحمہ اللہ علیہ نے یہاں ذکر کی ہیں لیکن ان میں کیونکہ جمع کی صورت موجود ہے اس لئے ان میں درحقیقت کوئی تعرض نہیں۔ زیر مطالعہ حدیث میں اگرچہ کان فعل مضارع پر داخل ہے، لیکن یہ کوئی ضروری نہیں کہ کان جب بھی فعل مضارع پر داخل ہوگا وہ اس میں ماضی استمراری کا معنی پیدا کر دے گا، تاہم اکثر یہ استمرار کیلئے آتا ہے، لیکن یہاں چونکہ قرائن استمرار کی نفی کرتے ہیں، اس لئے یہاں استمرار کے لیے نہیں بلکہ محض اظہار کثرت کے لیے ہے یعنی آپ ﷺ چاشت کی چار رکعات یا کبھی اس سے زیادہ پڑھ لیا کرتے تھے۔ اس سلسلے میں بعض دیگر صحابہ سے بھی منقول ہے۔

(۱) حضرت ابودرداء رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میرے محبوب ﷺ نے مجھے تین باتوں کی وصیت فرمائی، میں انہیں زندگی بھر ترک

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

نہیں کروں گا،۱۔ ہر ماہ کے تین روزے، ۲۔ چاشت کی نماز، ۳۔ سونے سے قبل وتر پڑھنا۔

(۲) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے بھی انہیں الفاظ کے ساتھ حدیث مروی ہے۔ان احادیث سے یہ واضح ہوا کہ آپ ﷺ خود بھی چاشت کی نماز پڑھ لیا کرتے تھے اور صحابہ کو حکم دیتے تھے کہ وہ چاشت کی نماز پڑھیں۔

فقہی احکام: (۱) چاشت کی نماز پڑھنا مسنون ہے۔(۲) اس کی کم ازکم تعداد دو رکعات ہے۔

(۳) زیادہ تر معمول چار رکعات کا ہونا چاہیے۔ (۴) اس سے زائد بھی پڑھی جاسکتی ہیں۔

۳۸۷: وَلَهُ عَنهَا أَنَّهَا سُئِلَتْ هَلْ كَانَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ يُصَلِّي الضُّحَى؟ قَالَتْ لَا ,إِلَّا أَنْ يَجِيءَ مِنْ مَغِيبِهِ.

مسلم: ۷۱۷، ابو داود: ۱۲۹۲، النسائی: ۱۵۲/۴، احمد: ۳۱/۴، ابن خزیمة: ۱۲۳۰

تنبیہ: صحیح مسلم کے مطبوعہ نسخہ میں کان النبی ﷺ ہے جبکہ مؤلف علیہ الرحمہ نے صحیح مسلم ہی کے حوالے سے کان رسول اللہ ﷺ کے الفاظ نقل کئے ہیں۔

۳۸۷: (حضرت عبداللہ بن شقیق رضی اللہ عنہ کہتے ہیں) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے دریافت کیا گیا، کیا رسول اللہ ﷺ چاشت کی نماز پڑھا کرتے تھے؟ انہوں نے فرمایا نہیں۔البتہ جب سفر وغیرہ سے واپس تشریف لاتے تو پھر پڑھا کرتے تھے۔(مسلم)

لغوی تحقیق: مغیب: مدینہ منورہ سے باہر رہنا۔

تشریح: یہی وہ روایت ہے جو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی مختلف روایات کے مابین تعارض ختم کرکے جمع کی صورت پیدا کرتی ہے، یعنی آپ ﷺ ضحیٰ کی نماز عموماً نہیں پڑھا کرتے تھے لیکن سفر وغیرہ سے جب واپس تشریف لاتے تو پھر پڑھا کرتے تھے۔

۳۸۸: وَلَهُ عَنهَا مَا رَأَيْتُ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ يُصَلِّي سُبْحَةَ الضُّحَى قَطُّ ,وَإِنِّي لَأُسَبِّحُهَا.

مسلم، کتاب صلاة المسافرین و قصرها، باب استحباب صلاة الضحیٰ......: ۷۱۸، البخاری: ۱۱۲۸، ۱۱۷۷، مؤطا: ۱۵۲/۱، الدارمی: ۲۷۸/۱

۳۸۸: مسلم ہی میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو کبھی نماز ضحیٰ کے نفل پڑھتے نہیں دیکھا لیکن میں پڑھتی ہوں

لغوی تحقیق: سبحة: سین مضموم اور باء ساکن، نفلی نماز۔ قط: اس کی تین حالتیں ہیں (۱) قاف مفتوح اور طاء مشدد مضموم، اس وقت یہ ظرف زمان بطور استغراق ماضی کے لیے استعمال ہوگا۔(۲) قاف مفتوح طاء ساکن، اس وقت یہ صرف کے معنی میں استعمال ہوگا۔(۳) کبھی یہ اسم فاعل کے معنی میں استعمال ہوتا ہے، زیر مطالعہ حدیث میں یہ پہلے معنی میں استعمال ہوا ہے۔

تشریح: یہ روایت گزشتہ سے پیوستہ روایت کے واضح طور پر خلاف ہے، لیکن چونکہ گزشتہ روایت ان دونوں کے درمیان موافقت پیدا کرتی ہے، لہٰذا یہ صریح تعارض زائل ہوگیا، یعنی اس حدیث کا مطلب یہ ہوگا کہ میں نے عمومی حالات میں رسول اللہ ﷺ کو کبھی بھی نماز ضحیٰ پڑھتے نہیں دیکھا، پہلی اور دوسری دونوں کا مشترکہ مفہوم یہ ہوگا کہ آپ ﷺ جب سفر وغیرہ سے تشریف لاتے تو پھر ضحیٰ کی نماز ضرور پڑھتے تھے۔دارمی میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ایک روایت میں ہے کہ آپ ﷺ چاشت کے نفل سفر وحضر میں نہیں پڑھتے تھے۔

یہ روایت چاشت کی نماز کی قطعی نفی نہیں کرتی کیونکہ اس کا مفہوم یہ ہے کہ آپ ﷺ دوران سفر چاشت کے نفل نہیں پڑھتے تھے اور مدینہ طیبہ میں عمومی حالات میں بھی نہیں پڑھتے تھے ،جبکہ سابقہ روایت میں ہے کہ سفر سے تشریف لانے کے فوراً بعد پڑھا کرتے تھے، لہٰذا ان روایات کے مابین حقیقی تعارض نہیں ہے، حضرت ام ہانی رضی اللہ عنہا سے مروی حدیث میں ہے کہ آپ ﷺ جب فتح مکہ کے بعد اس کے گھر تشریف لائے تو آپ ﷺ نے ان کے گھر میں ہلکی آٹھ رکعات ادا فرمائیں۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ایک دوسری روایت میں ہے، حضرت ام ہانی رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ وہ چاشت کا وقت تھا۔ یہ روایت بھی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی روایت کے حقیقی معارض نہیں کیونکہ اس میں دوران سفر نفی کا ذکر ہے، جبکہ فتح مکہ کے بعد آپ ﷺ نے مکہ میں پڑاؤ ڈال لیا تھا۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ایک روایت میں ہے کہ آپ ﷺ نے ایک انصاری صحابی کی درخواست پر اس کے گھر جا کر دو رکعات نماز پڑھی تھی، حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں، میں نے آپ ﷺ کو اس دن کے علاوہ کسی دوسرے دن ضحیٰ کی نماز پڑھتے نہیں دیکھا۔ یہ روایت بھی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی اس روایت کے خلاف نہیں، کیونکہ اس میں عام حالات میں نماز پڑھنے کی نفی ہے جبکہ اس میں خاص حالت کا ذکر ہے۔

فقہی احکام: (۱) چاشت کی نماز اگرچہ مؤکدہ نہیں تاہم مسنون ہے۔

(۲) اس کی کم از کم دو رکعات ہیں اور زیادہ سے زیادہ آٹھ رکعات۔

۳۸۹: وَعَنْ زَيْدِ بْنِ أَرْقَمَ رضی اللہ عنہ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ قَالَ " صَلَاةُ الْأَوَّابِينَ حِينَ تَرْمَضُ الْفِصَالُ " رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ.

صحيح مسلم، كتاب صلاة المسافرين و قصرها، باب صلاة الاوابين حين ترمض الفصال: ۷۴۸، احمد: ۴/ ۳۶۶، ابن خزيمة: ۱۲۲۳، ۱۲۲۴، ۱۲۲۷، ابن حبان: ۲۵۳۹، البيهقي: ۳/ ۴۹، ابو عوانة: ۲/ ۲۷۰، المعجم الصغير للطبراني: ۱۵۵

تنبیہ: مؤلف رحمہ اللہ نے اس حدیث کو ترمذی کی طرف منسوب کیا ہے مگر ترمذی کے مطبوعہ نسخوں میں یہ حدیث موجود نہیں، امام مزی نے تحفه الاشراف (۳/ ۲۵۱) میں بھی اس حدیث کو ترمذی کی طرف منسوب نہیں کیا۔

۳۸۹: حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ بے شک رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "اوابین کی نماز کا وقت وہ ہے جب اونٹنی کے بچے زمین سے حرارت محسوس کریں۔" (ترمذی)

لغوی تحقیق: اوابین: ہمزہ مفتوح اور واؤ مشدد مفتوح، اس کا واحد؛ اواب؛ ہے، یعنی بہت زیادہ توبہ کرنے والے اور بھلائیوں کی طرف رغبت کرنے والے۔ **ترمض**: تاء مفتوح، راء ساکن اور میم مفتوح، زمین کا پاؤں کو گرم کرنا۔ **الفصال**: فاء مکسور، اونٹنی کا وہ بچہ جو ماں سے الگ ہو کر چرنے لگتا ہے۔

تشریح: اس حدیث سے یہ معلوم ہوا کہ صلاۃ الاوبین، صلاۃ الضحیٰ کا دوسرا نام نہیں، بلکہ یہ ایک الگ نماز ہے اور یہ اس وقت پڑھی جانی چاہیے جب سورج خوب اونچا ہو چکا ہوا اور اس کی شعاعوں نے زمین کو اس قدر گرم کر دیا ہو کہ اونٹنی کے بچے کے پاؤں جلنے شروع ہو جائیں۔ یہ تقریباً چوتھائی دن گزرنے کے بعد شروع ہوتا ہے اور زوال کے قریب تک رہتا ہے۔ حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث میں ہے کہ آپ ﷺ یہ نماز نصف النہار کے بعد پڑھتے تھے۔

نماز ضحیٰ، نماز اشراق اور نماز اوابین یہ تینوں نمازیں الگ الگ ہیں یا ایک ہی نماز کے تینوں نام ہیں؟ اہل علم کے ایک گروہ کا خیال ہے کہ یہ تینوں الگ الگ نمازیں ہیں اور ان کے اوقات بھی الگ الگ ہیں۔ ایک گروہ کے نزدیک ایک ہی نماز کے تین نام ہیں، مؤلف رحمہ اللہ جس سیاق سے یہ حدیث لائے ہیں اس سے تو یہی عیاں ہوتا ہے کہ مؤلف رحمہ اللہ کے نزدیک بھی صلاۃ الضحیٰ اور صلاۃ الاوابین ایک ہی نماز ہے۔

امام ابن خزیمہ نے صراحتاً لکھا ہے کہ صلاۃ الضحیٰ ہی صلاۃ الاوابین ہے، امام ممدوح اپنے مؤقف کو صائب ثابت کرنے کے لیے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے دو مرفوع احادیث لائے ہیں، ایک حدیث میں ہے کہ میرے محبوب نے مجھے تین چیزوں کی وصیت فرمائی، میں

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

انہیں کسی حال میں بھی چھوڑنے کے لیے تیار نہیں ہوں، ۱۔ سونے سے پہلے وتر پڑھوں۔ ۲۔ ضحیٰ کی دو رکعات کو کبھی ترک نہ کروں، صلاۃ الضحیٰ ہی صلاۃ الاوابین ہے، ۳۔ ہر ماہ کے تین روزے رکھوں۔

دوسری حدیث میں ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: صلاۃ الضحیٰ پر دوام؛ اواب؛ ہی کرتا ہے، اور صلاۃ الضحیٰ ہی صلاۃ الاوابین ہے۔

حضرت ارقم رضی اللہ عنہ نے مسلمانوں کی ایک جماعت کو صلاۃ الضحیٰ پڑھتے ہوئے دیکھ کر فرمایا، اس کا افضل وقت یہ نہیں، کیونکہ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے، صلاۃ الاوابین کا وقت وہ ہے جب اونٹنی کے بچے کے پاؤں جلنے شروع ہو جائیں۔

جناب نورالحسن **فتح العلام** میں **مسند البزار** کے حوالے سے حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث لائے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ اس نماز کو نصف النہار کے بعد پڑھنا پسند فرماتے تھے۔

۳۹۰: وَعَنْ أَنَسٍ رضی اللہ عنہ قَالَ، قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ " مَنْ صَلَّى الضُّحٰى ثِنْتَيْ عَشْرَةَ رَكْعَةً بَنَى اللّٰهُ لَهُ قَصْرًا فِي الْجَنَّةِ " رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَاسْتَغْرَبَهُ.

الترمذی: ابواب الصلاۃ، باب ماجاء فی صلاۃ الضحیٰ: ۴۷۲، التقریب: ۷۰۲۷، ابن ماجۃ: ۱۳۸۰

۳۹۰: حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "جس نے صلاۃ الضحیٰ کی بارہ رکعات پڑھیں، اللہ اس کے لیے جنت میں ایک محل تیار فرمائے گا۔" اسے ترمذی نے روایت کیا ہے اور غریب قرار دیا ہے۔

تشریح: یہ روایت موسیٰ بن فضل کے مجہول ہونے کی وجہ سے ضعیف ہے۔ جبکہ صحیح حدیث میں صلاۃ الضحیٰ کی رکعات کی تعداد زیادہ سے زیادہ آٹھ بیان ہوئی ہیں، اسی بنا پر امام نووی نے یہ باب قائم کیا ہے کہ صلاۃ الضحیٰ کی کم از کم دو رکعات ہیں اور مکمل نماز آٹھ رکعات پر مشتمل ہے۔

۳۹۱: وَعَنْ عَائِشَةَ رضی اللہ عنہا قَالَتْ دَخَلَ النَّبِيُّ ﷺ بَيْتِي ,فَصَلَّى الضُّحٰى ثَمَانِيَ رَكَعَاتٍ .رَوَاهُ ابْنُ حِبَّانَ فِي صَحِيحِهِ.

ابن حبان، کتاب الصلاۃ، باب فی صلاۃ الضحیٰ: ۲۵۳۱، مؤطا امام مالک، کتاب الصلاۃ، باب صلاۃ الضحیٰ، زرقانی: ۱/۳۰۸، مسلم: ۷۳۳، الطبرانی: ۳۴۳/۲۳

۳۹۱: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ میرے گھر تشریف لائے اور نماز ضحیٰ کی آٹھ رکعات ادا فرمائیں۔ اس روایت کو امام ابن حبان نے اپنی صحیح میں درج کیا ہے۔

تشریح: آپ ﷺ سے صلاۃ الضحیٰ کی آٹھ رکعات پڑھنا صحیح حدیث سے ثابت ہے تاہم زیر مطالعہ روایت ضعیف ہے، مگر اس کی مؤید روایت موجود ہے، جیسا کہ امام مالک نے زید بن اسلم سے نقل کیا ہے وہ کہتے ہیں کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا صلاۃ الضحیٰ کی آٹھ رکعات پڑھا کرتی تھیں۔ امام باجی لکھتے ہیں کہ ممکن ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو اس تعداد کا علم حضرت ام ہانی رضی اللہ عنہا کی روایت سے ہوا ہو۔

۱۰۔ بَابُ صَلَاةِ الْجَمَاعَةِ وَالْإِمَامَةِ نماز باجماعت اور امامت کا بیان

۳۹۲: عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ رضی اللہ عنہما أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ " صَلَاةُ الْجَمَاعَةِ أَفْضَلُ مِنْ صَلَاةِ الْفَذِّ بِسَبْعٍ وَعِشْرِينَ دَرَجَةً " مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ .

البخاری، کتاب الآذان، باب فضل صلاۃ الجماعۃ: ۶۴۵، مسلم: ۶۵۰، النسائی: ۲/۱۰۳، احمد: ۲/۶۵، ابن ماجۃ: ۷۸۹،

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

مالک: ۱/۱۲۹، الدارمی: ۱۲۷۷، البیہقی: ۳/۵۹، ابوعوانۃ: ۲/۳،عبدالرزاق: ۱/۵۲۴،فتح الباری: ۲/۱۳۲،الترمذی: ۲۱۵

تنبیہ: عبدالرزاق کے مطبوعہ نسخہ میں عبیداللہ بن عمرالعمری ہے، کتابت اورطباعت کی غلطی سے اس میں تصحیف ہوئی ہے یعنی عبداللہ کی جگہ عبیداللہ لکھا گیا ہے، اگر اصل نسخہ میں عبیداللہ ہوتا تو مؤلف رحمۃ اللہ علیہ فتح الباری میں ضعیف قرار نہ دیتے کیونکہ وہ ثقہ راوی ہے۔

۳۹۲: حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں، بے شک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "باجماعت نماز، انفرادی نماز سے ستائیس گنا زیادہ فضیلت رکھتی ہے۔"

لغوی تحقیق: الفذ: منفرد

تشریح: حضرت نافع مولیٰ ابن عمر سے امام مالک اور عبیداللہ بن عمر العمری نے نماز باجماعت پڑھنے کا ثواب ستائیس نمازوں کے برابر بیان کیا ہے، جبکہ عبداللہ بن عمر العمری نے نافع سے پچیس نمازوں کا ثواب نقل کیا ہے۔

حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ فتح الباری میں فرماتے ہیں کہ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے مروی تمام طریق میں ستائیس نمازوں کا ہی ذکر ہے تاہم امام عبدالرزاق نے عبداللہ بن عمر العمری سے پچیس نمازوں کا ذکر کیا ہے، لیکن عبداللہ بن عمر العمری ضعیف ہے۔ ستائیس نمازوں کے برابر کی حدیث نافع سے امام مالک اور عبیداللہ بن عمر العمری نقل کرتے ہیں، عبیداللہ بن عمر العمری سے یہ حدیث ان کے متعدد تلامذہ نقل کرتے ہیں، ابواسامہ کے علاوہ ان کے دیگر تمام تلامذہ ستائیس نمازوں کا ہی ذکر کرتے ہیں البتہ ابواسامہ سے امام ابوعوانہ نے جو روایت نقل کی ہے اس میں پچیس کا ذکر ہے۔ ابواسامہ اگرچہ ثقہ ہے تاہم اس نے دیگر ثقات کی مخالفت کی ہے اس لئے اس کی روایت شاذ ہے۔ مزید تفصیل آئندہ حدیث کے ضمن میں ملاحظہ فرمائیں۔

فقہی احکام: اکیلے آدمی کی نماز ہوجاتی ہے لیکن باجماعت پڑھنے کا ثواب اکیلے کی نماز سے ستائیس گنا زیادہ ہے۔

۳۹۳: وَلَهُمَا عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضی اللہ عنہ " بِخَمْسٍ وَعِشْرِينَ جُزْءًا "

البخاری، کتاب الآذان، باب فضل صلاۃ الجماعۃ: ۶۴۷، باب فضل صلاۃ الفجر فی جماعۃ: ۶۴۸، مسلم: ۶۴۹، الترمذی: ۲۱۶، النسائی: ۲/۱۰۳

۳۹۳: بخاری ومسلم میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث میں پچیس گنا ثواب کا ذکر ہے۔

تشریح: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے یہ حدیث متعدد طرق سے مروی ہے، ابوصالح کہتے ہیں، میں نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے سنا وہ فرمارہے تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "ایک شخص کی باجماعت نماز اسکی اس نماز سے پچیس گنا زیادہ فضیلت رکھتی ہے جو وہ اپنے گھر یا بازار وغیرہ میں پڑھتا ہے، یہ اجر اس وقت ہے جب وہ اپنے گھر سے اچھی طرح وضو کرکے نماز کی نیت سے مسجد کا رخ کرے، اس کے ایک قدم کے بدلے میں اس کا ایک درجہ بلند کیا جاتا ہے، اور اس کی ایک غلطی معاف کردی جاتی ہے۔" اس روایت میں خمس و عشرین ضعفاً کے الفاظ استعمال ہوئے۔

ابوسلمہ بن عبدالرحمٰن سے مروی حدیث میں ہے کہ ابوہریرہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرما رہے تھے کہ "باجماعت نماز پڑھنے والوں کی نماز اکیلے کی نماز سے پچیس گنا زیادہ ثواب رکھتی ہے۔" اس روایت میں خمس و عشرین جزئًا کے الفاظ استعمال ہوئے ہیں، دونوں کا مفہوم ایک ہی ہے۔ مزید تفصیل حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث کے ضمن میں ملاحظہ فرمائیں۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

۳۹۴: وَكَذَا لِلْبُخَارِيِّ عَنْ أَبِي سَعِيدٍ رضی اللہ عنہ وَقَالَ "دَرَجَةً"

البخاری، کتاب الآذان، باب فضل صلاۃ الجماعۃ: ۶۴۶ ، باب فضل صلاۃ الفجر فی جماعۃ: ۶۵۱، ابو داود: ۵۶۰، ابن ماجۃ: ۷۸۸، النسائی: ۱۰۸/۲

۳۹۴: حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث میں جزءً کی جگہ درجۃً استعمال ہوا ہے۔

تشریح: حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث متعدد طرق سے منقول ہے اور ہر طریق میں پچیس نمازوں کی فضیلت ہی کا تذکرہ ہے، اسی طرح حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی روایت میں بھی پچیس نمازوں ہی کا ذکر تھا، جبکہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی حدیث میں ستائیس نمازوں کی فضیلت کا ذکر ہے، ان تینوں احادیث میں بظاہر تعارض ہے، لیکن حقیقت میں کوئی تعارض نہیں، کیونکہ ان کے مابین تطبیق کی متعدد صورتیں موجود ہیں، اہل علم کے ایک گروہ کا کہنا ہے کہ عدد کا یہ اختلاف قرب وبعد کی بنا پر ہے، یہی قول اقرب الی الصواب معلوم ہوتا ہے، کیونکہ اس قول کو حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث سے تقویت حاصل ہے۔

ابوموسیٰ اشعری بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "تمام لوگوں میں نماز کے اجر کے اعتبار سے وہ عظیم تر ہے جو ان میں سب سے زیادہ دور سے نماز ادا کرنے کیلئے مسجد کی طرف چل کر آتا ہے۔"

بعض کا خیال ہے کہ یہ فرق خشوع وخضوع کی بنا پر ہے، بعض کا خیال ہے کہ تکبیر اولیٰ اور اس کے بعد شریک ہونے کے اعتبار سے ہے۔ کچھ اہل علم کا خیال ہے کہ پہلے پچیس کا تھا بعد میں ستائیس کا کر دیا گیا، کیونکہ اللہ تعالیٰ اجرت میں کمی نہیں بلکہ اضافہ فرماتا ہے۔ بعض کا خیال ہے کہ یہ فرق افراد کی قلت وکثرت کی وجہ سے ہے۔ بعض کا خیال ہے کہ پہلی صف اور دوسری صفوں میں شرکت کرنے کی وجہ سے ہے۔ ان کے مؤقف کو ابی بن کعب سے مروی حدیث سے تقویت ملتی ہے۔

ان احادیث میں ثواب کا اگرچہ فرق بیان ہوا ہے تاہم ان تینوں میں قدر اشتراک یہ ہے کہ اکیلے آدمی کی نماز ہو جاتی ہے۔ ان احادیث کے علاوہ بعض اور بھی ایسی احادیث ہیں جن سے یہی مفہوم ظاہر ہوتا ہے تاہم ان میں یہ صراحتاً مذکور ہے کہ نماز باجماعت کا ترک نفاق کی علامت ہے۔ جیسا کہ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ ہم یہ دیکھتے تھے کہ جماعت سے پیچھے وہی شخص رہتا تھا جس کا نفاق کھل کر سامنے آ چکا تھا یا وہ سخت مریض ہوتا تھا، بعض مریض ایسے بھی ہوتے تھے جنہیں دو آدمی سہارا دے کر مسجد لاتے تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں ہدایت کے طریقے سکھائے، مساجد میں باجماعت نماز ادا کرنا بھی ہدایت کے طریقوں میں سے ایک طریقہ ہے۔

فقہی احکام: (۱) باجماعت نماز ادا کرنے کا ثواب ستائیس نمازوں کے برابر ہے۔ (۲) جماعت کا ترک نفاق کی علامت ہے۔

(۳) ایسا مریض جو مسجد تک پہنچنے سے قاصر ہے، اس کے لیے گھر میں نماز پڑھنے کی رخصت ہے۔

۳۹۵: وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضی اللہ عنہ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صلی اللہ علیہ وسلم قَالَ "وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ لَقَدْ هَمَمْتُ أَنْ آمُرَ بِحَطَبٍ فَيُحْتَطَبَ, ثُمَّ آمُرَ بِالصَّلَاةِ فَيُؤَذَّنَ لَهَا, ثُمَّ آمُرَ رَجُلًا فَيَؤُمَّ النَّاسَ, ثُمَّ أُخَالِفُ إِلَى رِجَالٍ لَا يَشْهَدُونَ الصَّلَاةَ, فَأُحَرِّقَ عَلَيْهِمْ بُيُوتَهُمْ, وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ لَوْ يَعْلَمُ أَحَدُهُمْ أَنَّهُ يَجِدُ عَرْقًا سَمِينًا أَوْ مِرْمَاتَيْنِ حَسَنَتَيْنِ لَشَهِدَ الْعِشَاءَ" مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ وَاللَّفْظُ لِلْبُخَارِيِّ.

البخاری، کتاب الاحکام، باب اخراج الخصوم و اهل الریب ......: ۷۲۲۴، النسائی: ۱۰۷/۲، مؤطا: ۱۲۹/۱، ابو داود: ۵۴۸، الترمذی: ۲۱۷، ابن ماجۃ: ۷۹۱، مسلم: ۲۵۱ / ۶۵۱، احمد: ۲۴۴/۲، الدارمی: ۱۲۷۴، ابن خزیمۃ: ۱۴۸۱، مجمع

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

البحرین: ۳۴/۲، المعجم الاوسط للطبرانی: ۸۶ ۷۹

۳۹۵: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے، میں پختہ ارادہ کر چکا تھا کہ میں ایک آدمی کو لکڑیاں جمع کرنے کا حکم دوں، پھر نماز کے لیے آذان کا حکم دوں، پھر ایک شخص کو نماز پڑھانے کا حکم دوں، پھر میں ان لوگوں کی طرف جاؤں جو نماز میں شریک نہیں ہوتے، انہیں ان کے گھروں میں ہی آگ لگا کر جلا دوں، اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! اگر ان میں سے کسی کو یہ معلوم ہو جائے کہ اسے گوشت سے پُر نلی مل جائے گی یا دو پائے مل جائیں گے تو وہ نماز عشا میں ضرور شریک ہوگا۔" (بخاری و مسلم) مذکورہ الفاظ بخاری کے ہیں۔

لغوی تحقیق: **لقد هممت**: میں ارادہ کر چکا تھا۔ **حطب**: حاء اور طاء مفتوح: یہ جمع کا صیغہ ہے، خشک لکڑیاں۔ **یحتطب**: یاء مضموم، طاء مفتوح، لکڑیاں جمع کی جائیں۔ **اخالف**: ہمزہ مضموم اور لام مکسور، میں پیچھا کروں۔ **احرق**: میں آگ لگا دوں۔ **عرق**: عین مفتوح اور راء ساکن، وہ ہڈی جس سے بہت سا گوشت اتار لیا گیا ہو لیکن تھوڑا تھوڑا مزید گوشت تا حال باقی ہو۔ **سمین**: موٹا تازہ۔ **مرماتین**: میم مکسور اور راء ساکن، مرماة کا تثنیہ ہے، یعنی بکری کا کھر۔ امام بخاری فرماتے ہیں، اس سے مراد وہ گوشت ہے جو دونوں کھروں کے درمیان ہوتا ہے

تشریح: صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں ہے کہ اس واقعہ کا تعلق عشا کی نماز سے ہے، جبکہ مسلم کی ایک روایت میں جمعہ کی نماز کا ذکر ہے۔ نماز با جماعت فرض عین ہے یا فرض کفایہ یا سنت مؤکدہ ہے؟ اس بارے میں اہل علم میں اختلاف پایا جاتا ہے۔

(۱) امام ابو حنیفہ اور صاحبین کے نزدیک جماعت سنت مؤکدہ ہے۔ (۲) متقدمین شوافع کی اکثریت، مشائخ احناف کا ایک بہت بڑا گروہ اور مالکیوں کے نزدیک جماعت فرض کفایہ ہے۔ (۳) امام عطاء، امام اوزاعی، امام احمد، امام بخاری، امام ابن خزیمہ امام ابو ثور، امام ابن منذر اور امام ابن حبان کے نزدیک جماعت فرض عین ہے۔ امام داؤد کے نزدیک جماعت صحت نماز کے لیے شرط ہے۔ جن حضرات نے جماعت کو سنت قرار دیا ہے ان کے مؤقف کو ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث سے تقویت ملتی ہے، وہ فرماتے ہیں کہ جو حی علی الفلاح سن کر مسجد نہیں آیا اس نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت ترک کی، علامہ ہیثمی نے اس روایت کے رواۃ کو رجال صحیح قرار دیا ہے۔

زیر مطالعہ حدیث فرض کفایہ یا سنت مؤکدہ ہونے کی نفی کرتی ہے، کیونکہ سنت کے ترک پر اس قدر شدید وعید ثابت نہیں۔ جبکہ فرض کفایہ کو اگر بعض لوگ ادا کر لیں تو نہ ادا کرنے والے باعث ملامت نہیں۔ جماعت صحت نماز کے لیے شرط بھی نہیں کیونکہ یہ شرط ہوتی تو پھر اکیلے آدمی کی نماز نہ ہوتی۔ جبکہ سابقہ احادیث سے عیاں ہو رہا ہے کہ اکیلے آدمی کی نماز ہو جاتی ہے۔ لہٰذا ثابت ہوا، نماز فرض عین ہے۔

فقہی احکام: (۱) با جماعت نماز فرض عین ہے۔ (۲) خلیفہ وقت تارکین جماعت کو سخت سے سخت سزا دینے کا مجاز ہے۔

۳۹۶: وَعَنْهُ قَالَ، قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صلی اللہ علیہ وسلم " أَثْقَلُ الصَّلَاةِ عَلَى الْمُنَافِقِينَ صَلَاةُ الْعِشَاءِ ,وَصَلَاةُ الْفَجْرِ, وَلَوْ يَعْلَمُونَ مَا فِيهِمَا لَأَتَوْهُمَا وَلَوْ حَبْوًا " مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ.

البخاری، کتاب الآذان، باب فضل العشاء فی الجماعة: ۶۵۷، مسلم: ۲۵۲ / ۶۵۱، ابن ماجة: ۷۹۲، احمد: ۴۲۴/۲، البیهقی: ۵۵/۳

۳۹۶: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "منافق پر سب سے بوجھل اور وزنی نمازیں عشا اور فجر کی ہیں، اگر انہیں معلوم ہو جائے کہ ان دونوں کا اجر و ثواب کس قدر ہے؟ تو وہ ان دونوں میں شریک ہوں اگرچہ انہیں گھٹنوں کے بل ہی کیوں نہ آنا پڑے

لغوی تحقیق: **حبواً**: حاء مفتوح اور باء ساکن، گھٹنوں کے بل چلنا۔

تشریح: مذکورہ بالا دونوں روایات ایک ہی حدیث کے دو حصے ہیں۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کبھی اس حدیث کا ایک ٹکڑا بیان فرماتے

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

تھے اور کبھی مکمل حدیث کو ایک ساتھ بیان کر دیتے تھے۔ امام بخاری نے دونوں اجزا دو الگ الگ طرق سے بیان کئے ہیں جبکہ امام مسلم نے الگ الگ طرق سے بھی بیان کئے ہیں اور دونوں اجزا کو ایک طریق سے بھی بیان فرمایا ہے۔ ان دونوں نمازوں کو جن اسباب کی بنا پر بوجھل کہا گیا ہے وہ ظاہر ہیں، اس لئے اسباب نقل نہیں کیے گئے، یعنی عشا اس لیے بوجھل ہے کہ عصر قدیم میں کچھ لوگ خوش گپیوں یا نیند سے محظوظ ہوتے تھے اور عصر حاضر میں ٹی وی کی سکرین سے لطف اندوز ہو رہے ہوتے ہیں جبکہ فجر کی نماز اس لیے بوجھل ہے کہ شیطان انہیں تھپکی دے کر سلانے کی کوشش میں مصروف ہوتا ہے۔

فقہی احکام: (۱) ہر نماز کو اس کے وقت پر باجماعت پڑھنا ضروری ہے۔ (۲) فجر اور عشا کی نماز باجماعت کا ترک نفاق کی واضح علامت ہے

۳۹۷: وَعَنْهُ قَالَ أَتَى النَّبِيَّ ﷺ رَجُلٌ أَعْمَى فَقَالَ يَا رَسُولَ اللّٰهِ! اِنَّهُ لَيْسَ لِي قَائِدٌ يَقُودُنِي إِلَى الْمَسْجِدِ, فَرَخَّصَ لَهُ, فَلَمَّا وَلَّى دَعَاهُ, فَقَالَ "هَلْ تَسْمَعُ النِّدَاءَ بِالصَّلَاةِ؟" قَالَ نَعَمْ قَالَ "فَأَجِبْ" رَوَاهُ مُسْلِمٌ.

مسلم، كتاب المساجد و مواضع الصلاة، باب يجب اتيان المسجد على من سمع النداء: ۶۵۳، النسائى: ۲/ ۱۰۹، البيهقى: ۵۷/۳، ابو عوانة: ۶/۲

۳۹۷: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ایک نابینا شخص رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا، اے اللہ کے رسول ﷺ! میرے پاس کوئی ایسا آدمی نہیں جو مجھے پکڑ کر مسجد تک لے آئے، آپ ﷺ نے اسے رخصت عنایت فرما دی، لیکن جب وہ واپس ہوا تو آپ ﷺ نے اسے بلوایا اور فرمایا: "کیا تم اذان سنتے ہو؟" اس نے عرض کیا، جی ہاں، آپ ﷺ نے فرمایا: "پھر تو تمہیں مسجد آنا ہوگا۔"

لغوی تحقیق: اعمی: بینائی سے محروم شخص۔ قائد: ہاتھ یا لاٹھی تھام کر چلنے والا۔ ولی: اجازت لے کر واپس ہوا۔ النداء: نون مکسور، اذان۔ فاجب: قبول کر، یعنی اذان سن کر مسجد آؤ۔

تشریح: صحیح مسلم میں اگرچہ اس نابینا صحابی کا نام ذکر نہیں تاہم سنن ابی داؤد میں یہ صراحت ہے کہ وہ حضرت عبداللہ بن اُم مکتوم رضی اللہ عنہ تھے، انہوں نے آپ ﷺ سے گھر میں نماز پڑھنے کی اجازت طلب کی تھی، آپ ﷺ نے اس کے عذر کو معقول جانتے ہوئے اسے گھر میں نماز پڑھنے کی اجازت عنایت فرما دی، لیکن بعد میں اس سے یہ رخصت اس لیے واپس لے لی، کہ اسے اذان سنائی دیتی تھی۔ اس حدیث سے ان لوگوں کے موقف کو تقویت ملتی ہے جو جماعت کے فرض عین ہونے کے قائل ہیں۔

فقہی احکام: (۱) باجماعت نماز ہر اس شخص پر فرض ہے جو اذان سنتا ہے (۲) بصارت سے محرومی ترک جماعت کے لیے عذر شرعی نہیں۔ (۳) عذر شرعی کی بنا پر ترک جماعت کی اجازت ہے۔ (۴) دشمن کا خوف، راستوں کا مسدود ہونا، خواتین ہونا اور سفر شرعی عذر ہیں۔ (۵) نبی ﷺ کے لیے اجتہاد کرنے کی اجازت تھی۔ (۶) آپ ﷺ اپنے اجتہاد سے کبھی رجوع بھی فرما لیتے تھے۔ (۷) مجتہد کو جب معلوم ہو جائے کہ اس کا اجتہاد درست نہیں تو اسے فوراً رجوع کر لینا چاہیے۔

۳۹۸: وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رضی اللہ عنہما عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ "مَنْ سَمِعَ النِّدَاءَ فَلَمْ يَأْتِ فَلَا صَلَاةَ لَهُ إِلَّا مِنْ عُذْرٍ" رَوَاهُ ابْنُ مَاجَة, وَالدَّارَقُطْنِيُّ, وَابْنُ حِبَّانَ, وَالْحَاكِمُ, وَإِسْنَادُهُ عَلَى شَرْطِ مُسْلِمٍ, لَكِنْ رَجَّحَ بَعْضُهُمْ وَقْفَهُ.

ابن ماجة، ابواب المساجد، باب التغليظ فى التخلف عن الجماعة: ۷۹۳، الدارقطنى: ۱/ ۴۲۰، الحاكم: ۱/ ۲۴۵، ۳۷۳، ابن حبان: ۲۰۶۴، الطبرانى: ۱۲۲۶۵، البيهقى: ۳/ ۵۷، ابو داود: ۵۵۱، ابن ابى شيبة: ۱/ ۳۴۵، الارواء: ۲/ ۲۳۷، الفتاوىٰ لابن

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

باز: ۱۹۷/۴، میزان الاعتدال: ۹۴۹۹، المجموع: ۱۹۱/۴

۳۹۸: حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "جو شخص اذان سنے لیکن وہ بغیر شرعی عذر جماعت میں شامل ہونے کے لیے نہ آئے، اس کی نماز نہیں۔" اسے ابن ماجہ، دارقطنی، ابن حبان اور حاکم نے بیان کیا ہے، حاکم کی سند مسلم کی شرط کے مطابق ہے، لیکن بعض محدثین نے اس روایت کے موقوف ہونے کو راجح قرار دیا ہے۔

تشریح: امام حاکم نے اس حدیث کو نقل کرنے کے بعد اسے بخاری و مسلم کی شرط کے مطابق قرار دیا ہے، امام ذھبی نے امام حاکم کے فیصلے کی توثیق کی ہے، علامہ ناصر الدین اور شیخ عبدالعزیز بن باز نے بھی اس حدیث کو صحیح کہا ہے۔

ابوداؤد میں مروی حدیث میں صحابہ نے عرض کیا، عذر شرعی کون سے ہیں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "خوف یا بیماری۔"

یہ روایت ابو جناب یحیٰی بن ابی حیہ کی کثرت تدلیس اور اس کے ضعیف ہونے کی وجہ سے ضعیف ہے، امام یحیٰی بن قطان کہتے ہیں کہ میں اس سے روایت کرنے کو جائز نہیں سمجھتا۔ امام نووی نے بھی اس روایت کو ضعیف قرار دیا ہے، ان بیانات سے یہ واضح ہوا کہ عذر سے متعلق یہ ٹکڑا محفوظ نہیں۔

امام حاکم اس حدیث کے مرفوع یا موقوف ہونے کے بارے میں فرماتے ہیں کہ اس حدیث کو امام شعبہ سے غندر نے موقوف جبکہ ھشیم اور ابو نوح نے مرفوع نقل کیا ہے، یہ دونوں ثقہ ہیں اس لیے ان دونوں کا قول ہی درست ہے یعنی اس حدیث کا مرفوع ہونا ثابت ہے۔ مذکورہ بالا دونوں رواۃ اگرچہ ثقہ ہیں مگر غندر کا علمی وزن ان دونوں سے زیادہ ہے خصوصاً امام شعبہ سے مرویات میں، نیز سعید بن جبیر کے تلامذہ میں بھی اختلاف پایا جاتا ہے، ان کے بیشتر تلامذہ اسے موقوف نقل کرتے ہیں، جبکہ عدی بن ثابت مرفوع نقل کرتے ہیں۔ امام بیہقی نے اس پر سیر حاصل بحث کرنے کے بعد اس کے موقوف ہونے کو صحیح قرار دیا ہے۔ شاید مؤلف رحمۃ اللہ علیہ نے اسی بنا پر اس روایت کے موقوف ہونے کو راجح کہا ہے۔

علامہ ناصر الدین البانی نے مؤلف رحمۃ اللہ علیہ کے اس قول سے اختلاف کرتے ہوئے اس کے مرفوع ہونے کو راجح کہا ہے۔ جو حضرات جماعت کو فرض عین کہتے ہیں یہ حدیث ان کے مؤقف کو تقویت دیتی ہے۔

۳۹۹: وَعَنْ يَزِيدَ بْنِ الْأَسْوَدِ رضی اللہ عنہ أَنَّهُ صَلَّى مَعَ رَسُولِ اللَّهِ صلی اللہ علیہ وسلم صَلَاةَ الصُّبْحِ, فَلَمَّا صَلَّى رَسُولُ اللَّهِ صلی اللہ علیہ وسلم إِذَا هُوَ بِرَجُلَيْنِ لَمْ يُصَلِّيَا, فَدَعَا بِهِمَا, فَجِيءَ بِهِمَا تَرْعَدُ فَرَائِصُهُمَا, فَقَالَ لَهُمَا "مَا مَنَعَكُمَا أَنْ تُصَلِّيَا مَعَنَا؟" قَالَا قَدْ صَلَّيْنَا فِي رِحَالِنَا قَالَ "فَلَا تَفْعَلَا, إِذَا صَلَّيْتُمَا فِي رِحَالِكُمْ, ثُمَّ أَدْرَكْتُمَا الْإِمَامَ وَلَمْ يُصَلِّ, فَصَلِّيَا مَعَهُ, فَإِنَّهَا لَكُمْ نَافِلَةٌ" رَوَاهُ أَحْمَدُ, وَاللَّفْظُ لَهُ, وَالثَّلَاثَةُ, وَصَحَّحَهُ التِّرْمِذِيُّ, وَابْنُ حِبَّانَ .

ابوداود، كتاب الصلاة، باب في من صلى في منزله ثم ادرك الجماعة يصلي معهم: ۵۷۵، ۵۷۷، النسائي: ۱۱۲/۲، الترمذي: ۲۱۹، احمد: ۱۶۰/۴، ۱۶۱، ابوداؤد طيالسي: ۱۲۴۷، ابن خزيمة: ۱۲۷۹، عبدالرزاق: ۴۲۱/۲، الحاكم: ۲۴۴/۱، الطبراني: ۲۳۳/۲۲، ابن حبان: ۱۵۶۴، معالم السنن: ۱۶۴/۱، مؤطا: ۱۳۲/۱، مسلم: ۳۷۸/۱

تنبیہ: مؤلف رحمۃ اللہ علیہ نے زیر مطالعہ حدیث کے الفاظ کو مسند احمد کے الفاظ قرار دیا ہے، امام احمد نے یہ حدیث چھ طرق سے بیان کی ہے۔ اگر ہر طریق میں سے کچھ کچھ الفاظ لئے جائیں تب الفاظ مکمل ہوتے ہیں۔

۳۹۹: حضرت یزید بن اسود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ انہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اقتدا میں صبح کی نماز پڑھی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم جب نماز سے

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

فارغ ہوئے تو آپ ﷺ نے دو ایسے آدمی دیکھے جو نماز میں شریک نہیں ہوئے تھے، آپ ﷺ نے ان دونوں کو طلب فرمایا، وہ دونوں رحمت عالم ﷺ کی خدمت میں پیش کیے گئے تو ان کے شانے (مارے خوف کے) کانپ رہے تھے، آپ ﷺ نے ان کی جواب طلبی کرتے ہوئے فرمایا: "تم دونوں نے ہمارے ساتھ نماز کیوں نہیں پڑھی؟" انہوں نے عرض کیا، ہم نے اپنے خیموں میں پڑھ لی تھی۔ آپ ﷺ نے فرمایا: " آئندہ ایسا مت کرنا، جب تم اپنے گھروں/خیموں میں نماز پڑھ لو، پھر تم امام سے اس حال میں ملو کہ وہ جماعت کروا رہا ہو تو اس کے ساتھ نماز میں شریک ہو جاؤ، وہ (تنہا پڑھی ہوئی) نماز تمہارے لیے نفل ہو جائے گی۔" اسے احمد نے بیان کیا ہے اور یہ الفاظ بھی اسی کے ہیں اور تینوں نے بھی بیان کیا ہے، ترمذی اور ابن حبان نے صحیح کہا ہے۔

لغوی تحقیق: **فجئ:** "جاء" سے فعل مجہول ہے، پیش کیا گیا۔ **ترعد:** تاء مضموم، راء ساکن اور عین مفتوح، یہ مادہ بروزن منع یمنع اور نصر ینصر دونوں طرح استعمال ہوتا ہے۔ صاحب سبل السلام نے اسے مضموم العین ضبط کیا ہے اور علامہ شعیب الارناؤط نے اسے مجہول ضبط کیا ہے۔ **فرائصهما:** فریصة کی جمع ہے، یعنی وہ گوشت جو سینہ اور کندھے کے مابین ہوتا ہے اور بوقت گھبراہٹ کانپتا ہے۔

رحال: راء مکسور، رحل کی جمع ہے، انسان کے رہنے کی جگہ۔

تشریح: اس حدیث سے واضح ہوا کہ جو شخص گھر میں نماز پڑھ کر مسجد کی طرف نکلے اور مسجد میں اس وقت نماز ہو رہی ہو تو اس کے لیے جماعت کے ساتھ شریک ہونا لازم ہے، خواہ وہ کوئی سی نماز ہو۔ امام خطابی فرماتے ہیں کہ امام شافعی، امام احمد، امام اسحاق، امام حسن بصری اور امام زہری اسی کے قائل ہیں۔ امام ابراہیم، امام اوزاعی اور بعض دوسرے لوگوں کا کہنا ہے کہ ایسا شخص ظہر، عصر اور عشا کی جماعت میں شریک ہوگا، لیکن فجر اور مغرب میں شریک نہیں ہوگا۔

امام ابوحنیفہ کا کہنا ہے کہ وہ عصر، مغرب اور فجر میں شریک نہیں ہوگا، مؤخر الذکر دونوں گروہوں کے خیالات زیر مطالعہ حدیث سے متصادم ہونے کی وجہ سے قابل التفات نہیں، کیونکہ زیر مطالعہ حدیث میں باقاعدہ صراحت ہے کہ وہ دونوں صحابی فجر کی نماز اپنے خیمے سے پڑھ کر آئے تھے اور ان دونوں کو یہ حکم دیا گیا ہے کہ وہ آئندہ جماعت میں شریک ہوں۔

اس طرح جماعت میں شریک ہونے والے کی پہلے نماز نفل ہوگی یا بعد والی؟ اس بارے میں بھی اہل علم میں اختلاف پایا جاتا ہے، جن لوگوں کا خیال ہے کہ ضمیر کا مرجع ہمیشہ قریب ہوتا ہے ان کے نزدیک وہ نفل ہوگی جو وہ جماعت سے ادا کرے گا، یہ موقف زید بن علی اور ایک جماعت کا ہے۔

امام مالک اور امام شافعی کے نزدیک جو اس نے تنہا ادا کی ہے وہ نفل ہوگی، یہ حضرات یزید بن عامر سے مروی حدیث سے دلیل پکڑتے ہیں، وہ فرماتے ہیں کہ میں آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا آپ ﷺ اس وقت امامت فرما رہے تھے، میں نماز میں شریک ہونے کی بجائے بیٹھ گیا، آپ ﷺ جب نماز سے فارغ ہوئے تو انہوں نے مجھے بیٹھا دیکھ کر فرمایا: "اے یزید! کیا تم مسلمان نہیں ہوئے؟" میں نے کہا، کیوں نہیں، اللہ کے رسول ﷺ میں تو اسلام قبول کر چکا ہوں، آپ ﷺ نے فرمایا: "پھر آپ ہمارے ساتھ نماز میں شریک کیوں نہیں ہوئے؟" میں نے عرض کیا، یارسول اللہ ﷺ! میں گھر میں پڑھ چکا تھا، میرا خیال تھا کہ آپ سب بھی پڑھ چکے ہونگے، آپ ﷺ نے فرمایا: "جب تم نماز کیلئے آؤ اور لوگوں کو نماز پڑھتے ہوئے پاؤ تو ان کے ساتھ نماز میں شریک ہو جایا کرو، اگر آپ نے پہلے سے نماز پڑھی ہوگی تو وہ آپ کیلئے نفل ہو جائے گی اور یہ فرض ہوگی۔" یہ روایت نوح بن صعصعة کی وجہ سے ضعیف ہے۔

جن حضرات کا کہنا ہے کہ بعد والی نفل ہوگی وہ عبداللہ بن مسعود سے مروی حدیث سے دلیل پکڑتے ہیں، حضرت عبداللہ بن مسعود

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "عنقریب تمہارے حکمران ایسے ہوں گے جو نمازوں کو ان کے اوقات سے مؤخر کر کے پڑھیں گے، جب تم دیکھو کہ حکمرانوں نے ایسا شروع کر دیا ہے تو تم نماز کو اس کے وقت پر پڑھ لو، پھر ان کے ساتھ شامل ہو جاؤ اور اس نماز کو نفلی بنا لو۔"

بعض کا خیال ہے کہ اللہ تعالیٰ جسے چاہے گا فرضی نماز بنا دے گا، یہ حضرات عبداللہ بن عمر کے فتویٰ کو بطور حجت نقل کرتے ہیں۔

راقم کے نزدیک ان مسالک کے مابین مطابقت کی صورت موجود ہے یعنی اگر امام نے جماعت بھی اول وقت میں پڑھائی، تو پھر نماز باجماعت فرضی ہوگی اور پہلے پڑھی ہوئی نفلی ہوگی کیونکہ باجماعت نماز کو منفرد نماز پر ستائیس گنا برتری حاصل ہے اور اللہ تعالیٰ بندوں کے اجر میں کمی نہیں کرتا، اگر امام نماز پڑھانے میں تاخیر کرتا ہے تو پھر اول وقت میں پڑھی ہوئی نماز فرضی ہوگی اور امام کے ساتھ پڑھی ہوئی نفلی ہوگی، کیونکہ اللہ کے نزدیک محبوب ترین عمل نماز کو اول وقت پر پڑھنا ہے۔

فقہی احکام: (۱) ایک نماز کو دو دفعہ پڑھا جا سکتا ہے۔ (۲) عصر اور فجر کے بعد بھی نفل ہو سکتے ہیں۔ (۳) جماعت کو دیکھ کر اس میں شریک ہونا ضروری ہے۔ (۴) اکیلے کی نماز بھی ہو جاتی ہے تاہم ترک جماعت پر گناہ گار ہوگا۔

۴۰۰: وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضی اللہ عنہ قَالَ، قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ "إِنَّمَا جُعِلَ الْإِمَامُ لِيُؤْتَمَّ بِهِ, فَإِذَا كَبَّرَ فَكَبِّرُوا, وَلَا تُكَبِّرُوا حَتَّى يُكَبِّرَ, وَإِذَا رَكَعَ فَارْكَعُوا, وَلَا تَرْكَعُوا حَتَّى يَرْكَعَ, وَإِذَا قَالَ سَمِعَ اللَّهُ لِمَنْ حَمِدَهُ, فَقُولُوا، اللَّهُمَّ رَبَّنَا لَكَ الْحَمْدُ وَإِذَا سَجَدَ فَاسْجُدُوا, وَلَا تَسْجُدُوا حَتَّى يَسْجُدَ, وَإِذَا صَلَّى قَائِمًا فَصَلُّوا قِيَامًا, وَإِذَا صَلَّى قَاعِدًا فَصَلُّوا قُعُودًا أَجْمَعِينَ " رَوَاهُ أَبُو دَاوُدَ, وَهَذَا لَفْظُهُ وَأَصْلُهُ فِي الصَّحِيحَيْنِ.

ابو داود، کتاب الصلاة، باب الامام یصلی من قعود: ۶۰۳، البخاری: ۷۲۲، مسلم: ۴۱۴، النسائی: ۲/۱۹۶، ۲/۱۴۱، ابن ماجة: ۸۴۶، مسنداحمد: ۴۲۰/۲، ابن حبان: ۲۱۰۷، نصب الرایة: ۵۰/۲

تنبیہ: مؤلف رحمہ اللہ نے ابوداؤد کے حوالے سے "اجمعین" نقل کیا ہے جبکہ مطبوعہ ابوداؤد، صحیحین، ابن حبان اور مسند احمد میں "اجمعون" مذکور ہے۔ گرامر کے اعتبار سے اگرچہ دونوں درست ہیں تاہم مصادر اور مراجع میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث میں "اجمعون" ہے۔ (۲) صاحب سبل السلام اس لفظ کو نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں، هكذا بالنصب على الحال و هى رواية فى البخارى و اكثر الروايات على اجمعون...... (سبل السلام ۲/ ۲۲) امام بخاری حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی اس حدیث کو ھمام عن ابی ہریرہ اور الاعرج عن ابی ہریرہ کے طریق سے لائے ہیں اور دونوں طریق میں لفظ اجمعون ہی ہے، امام ترمذی اور امام مسلم نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے جو حدیث نقل کی ہے اس میں بھی اجمعون ہی ہے۔

۴۰۰: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "امام اسی لیے مقرر کیا گیا ہے کہ اس کی اقتدا کی جائے، جب وہ الله اكبر کہے تم الله اكبر کہو، اور تم اس وقت تک الله اكبر نہ کہو جب تک امام الله اكبر نہ کہہ لے، جب وہ رکوع کرے تب تم رکوع کرو، اور تم اس وقت تک رکوع نہ کرو جب تک امام رکوع میں نہ چلا جائے، اور جب امام سمع الله لمن حمده کہے تب تم اللهم ربنا لك الحمد کہو، اور جب وہ سجدہ کرے تب تم سجدہ کرو، اور تم اس وقت تک سجدہ نہ کرو جب تک امام سجدہ میں نہ چلا جائے، جب امام کھڑا ہو کر نماز پڑھے تب تم بھی کھڑے ہو کر نماز پڑھو، اور جب وہ بیٹھ کر نماز پڑھے تب تم سب بیٹھ کر نماز پڑھو۔" اسے ابوداؤد نے روایت کیا ہے اور مذکورہ الفاظ اسی کے ہیں اور اس کی اصل صحیحین میں ہے۔

لغوی تحقیق: ليؤتم: تاکہ اس کی اقتدا کی جائے۔ حتى يركع: یہاں تک کہ وہ رکوع میں چلا جائے۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

تشریح: زیر مطالعہ حدیث سے یہ واضح ہوا کہ مقتدیوں کے لیے امام کی اقتدا ضروری ہے، مقتدی حضرات نہ تو امام سے پہلے اور نہ اس کے ساتھ تکبیر تحریمہ یا تکبیر انتقال کہہ سکتے ہیں اور نہ کسی حالت میں منتقل ہو سکتے ہیں، لہٰذا مقتدی حضرات کے لیے لازم ہے کہ وہ تکبیر تحریمہ یا تکبیر انتقال اس وقت کہیں جب امام تکبیر تحریمہ یا تکبیر انتقال کہہ لے، اسی طرح رکوع وسجود اسی وقت کریں جب امام رکوع وسجود میں چلا جائے نیز وہ امام سے پہلے رکوع وسجود سے سر بھی نہ اٹھائیں، امام سے پہلے سر اٹھانے کی سخت وعید آئی ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: "وہ شخص جو امام سے پہلے سر اٹھاتا ہے، کیا وہ اس امر سے بے خوف ہے کہ اس کا سر گدھے کے سر کی مثل بنا دیا جائے؟"

اس حدیث سے دوسری بات یہ عیاں ہو رہی ہے، کہ امام کا وظیفہ **سمع الله لمن حمده** اور مقتدی کا وظیفہ **ربنا لک الحمد** ہے، امام ابوحنیفہ کی یہی رائے ہے۔ لیکن اہل حدیث، شوافع اور امام ابوحنیفہ کے تلمیذان خاص امام ابو یوسف اور امام محمد فرماتے ہیں کہ امام اور مقتدی دونوں کو **سمع الله لمن حمده** اور دونوں کو **ربنا ولک الحمد** کہنا ہوگا۔

امام شافعی حضرت ابن ابی اوفیٰ رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث سے حجت پکڑتے ہیں وہ فرماتے ہیں کہ آپ ﷺ جب رکوع سے سر اٹھاتے تو **سمع الله لمن حمده** اور **اللهم ربنا لک الحمد** کہتے تھے، اور آپ ﷺ کا ارشاد گرامی ہے کہ "نماز اس طرح پڑھو جس طرح تم مجھے نماز پڑھتے دیکھتے ہو۔"

امام ممدوح زیر بحث حدیث سے امام ابوحنیفہ کے استدلال کا رد کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ کسی چیز کا ذکر نہ ہونا اس کے غیر مشروع ہونے کی دلیل نہیں یعنی آپ ﷺ کا ارشاد گرامی **اذا قال الامام سمع الله لمن حمده** کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ آپ ﷺ **ربنا لک الحمد** نہیں کہتے تھے۔ امام شافعی کی موافقت امام عطاء اور امام ابن سیرین وغیرہما نے کی ہے۔

اس بارے میں ایک تیسرا مسلک بھی ہے ان حضرات کا کہنا ہے کہ امام اور منفرد تو **سمع الله لمن حمده** اور **ربنا لک الحمد** کہیں گے لیکن مقتدی فقط **ربنا لک الحمد** کہیں گے، یہ قول امام ثوری اور امام اوزاعی وغیرہما کا ہے۔

اس حدیث سے تیسری بات یہ مستنبط ہوتی ہے کہ امام اگر کھڑے ہو کر نماز پڑھائے تو سب کو کھڑے ہو کر نماز پڑھنی چاہیے اور اگر وہ بیٹھ کر نماز پڑھائے تو سب مقتدی حضرات بیٹھ کر نماز پڑھیں، مگر اس حدیث کے ناسخ یا منسوخ ہونے سے متعلق اہل علم میں اختلاف پایا جاتا ہے۔ امام شافعی وغیرہ کا کہنا ہے کہ یہ حدیث منسوخ ہو چکی ہے اور اس کی ناسخ وہ حدیث ہے جو محترمہ عائشہ صدیقہ سے مروی ہے، اس میں یہ صراحت ہے کہ نبی مکرم ﷺ نے مرض الموت کے دوران امام کی حیثیت سے نماز بیٹھ کر پڑھائی تھی جبکہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سمیت تمام صحابہ نے کھڑے ہو کر آپ ﷺ کی اقتدا میں نماز پڑھی تھی۔

امام ابن حبان کے نزدیک زیر مطالعہ حدیث منسوخ نہیں، وہ فرماتے ہیں کہ جب امام بیٹھ کر نماز پڑھائے تو مقتدیوں کو بھی بیٹھ کر نماز پڑھنی چاہیے کیونکہ نبی مکرم ﷺ کے چار صحابہ (جابر بن عبداللہ، ابو ہریرہ، اسید بن حضیر اور قیس) کا فتویٰ اسی حدیث کے موافق ہے، ہمارے نزدیک صحابہ کا اجماع ہی قابل اعتبار ہے کیونکہ وہ وحی کے نزول کے وقت موجود تھے اور تحریف وتبدل کرنے (کے ناپاک عمل) سے پاک تھے، انہیں کی بدولت اللہ تعالیٰ نے دین کو مسلمانوں کیلئے محفوظ رکھا، کسی بھی صحابی سے ان چاروں کے فتویٰ کے خلاف موصول یا منقطع سند سے کچھ بھی ثابت نہیں، گویا تمام صحابہ کا اس مسئلہ پر اتفاق ہے کہ جب امام بیٹھ کر نماز پڑھائے تو مقتدی حضرات بھی بیٹھ کر نماز پڑھیں۔ تابعین میں سے ابوشعثاء جابر بن زید کا بھی یہی فتویٰ ہے اور کسی تابعی سے بھی اس کے خلاف صحیح یا انتہائی ضعیف سند سے کچھ بھی ثابت نہیں، گویا تابعین کا بھی اسی پر اجماع ہے۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

امام ابن حبان حدیث عائشہ کا جواب یہ دیتے ہیں کہ حدیث عائشہ ہی میں یہ صراحت موجود ہے کہ آپ ﷺ اس نماز میں امام نہیں تھے بلکہ آپ ﷺ نے وہ نماز حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی اقتدا میں ادا فرمائی تھی، موصوف نے اپنے اس موقف کی تائید میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی دو طریق نقل کیے ہیں،

(۱) شعبة عن موسیٰ ابن ابی عائشة عن عبداللہ عن عائشة ان ابابکر صلی بالناس و رسول اللہ ﷺ فی الصف خلفه (صحیح ابن حبان: ۲۱۱۷) حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے لوگوں کو نماز پڑھائی اور رسول اللہ ﷺ نے صف میں ان کے پیچھے نماز ادا فرمائی۔

امام ابن حبان اس روایت کو نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں، متن حدیث کو نقل کرنے میں شعبہ نے زائد بن قدامہ کی مخالفت کی ہے، شعبہ نے آپ ﷺ کی اس نماز کو جو آپ ﷺ نے بیٹھ کر ادا فرمائی تھی اس میں آپ ﷺ کو مقتدی ظاہر کیا ہے، جبکہ قدامہ نے امام ظاہر کیا ہے اور دونوں اعلیٰ پائے کے ثقہ روای ہیں، دونوں کی روایت میں تضاد ہے، تو پھر قدامہ کی روایت کو بنیاد بنا کر اس حکم کو منسوخ کیسے قرار دیا جاسکتا ہے جو پہلے سے جاری تھا۔

(۲) شعبة عن نعیم بن ابی ھند عن ابی وائل عن مسروق عن عائشة قالت صلی رسول اللہ ﷺ فی مرضه الذی مات فیه خلف ابی بکر قاعدًا (ابن حبان: ۲۱۱۹) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے پیچھے بیٹھ کر نماز پڑھی اس بیماری میں جس میں آپ ﷺ رفیق اعلیٰ سے جا ملے۔

امام ابن حبان اس روایت کے ضمن میں فرماتے ہیں کہ نعیم بن ابی ہند نے یہ روایت نقل کرنے میں عاصم بن ابی النجو دکی مخالفت کی ہے، عاصم نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو ماموم ظاہر کیا ہے جبکہ نعیم بن ابی ہند نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو امام ظاہر کیا ہے۔ یہ دونوں زبردست قسم کے ثقہ راوی ہیں، چنانچہ ان دونوں میں سے کسی ایک کی خبر کو دوسرے کی خبر کے لیے کیونکر ناسخ قرار دیا جاسکتا ہے۔

امام احمد کے نزدیک بھی زیر مطالعہ حدیث منسوخ نہیں بلکہ اپنے حال پر باقی ہے وہ ان دونوں احادیث کے مابین مطابقت پیدا کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ امام کے عذر کے دور ہونے کی توقع نہ ہو تو اس وقت مقتدیوں کو امام کی اقتدا کرتے ہوئے بیٹھ کر نماز پڑھنی چاہیے، بشرطیکہ امام نے نماز کا آغاز بھی بیٹھ کر کیا ہو، اگر امام نے نماز کا آغاز کھڑے ہو کر کیا، لیکن بعد میں وہ بیٹھ گیا تو ایسی صورت میں مقتدیوں کو امام کے پیچھے کھڑے ہو کر نماز پڑھنی چاہیے۔ بعض اہل علم کا خیال ہے کہ یہاں امر وجوب کے لیے نہیں بلکہ ندب کے لیے ہے، یعنی اگر مقتدی کھڑے ہو کر پڑھنا چاہیں تو کھڑے ہو کر پڑھ لیں اور اگر بیٹھ کر پڑھنا چاہیں تو بیٹھ کر پڑھ لیں۔ مذکورہ بالا تمام اہل علم کا ایک بات پر اتفاق ہے کہ امام کسی عذر کی وجہ سے بیٹھ کر نماز پڑھ سکتا ہے۔ لیکن احناف کے نزدیک اس صورت میں نماز باطل ہو جائے گی۔

ابن حبان اس نظریہ کا رد کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ اس امت میں نماز کے باطل ہونے کا سب سے پہلے فتویٰ مغیرہ بن مقسم نے دیا، ان سے یہ نظریہ حماد بن ابی سلیمان نے اخذ کیا، پھر حماد سے یہ نظریہ ابوحنیفہ نے اخذ کیا، ان کے بعد ان کے تلامذہ نے اسی کو اختیار کیا، ان کے اس فتوے کا انحصار جس مضبوط ترین دلیل پر ہے، وہ جابر جعفی کے طریق سے شعبی سے مرسلاً مروی ہے وہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "میرے بعد کوئی شخص بھی بیٹھ کر امامت نہ کروائے۔" اگر اس روایت کی سند کو صحیح بھی تسلیم کر لیں تو بھی اس میں مرسل ہونے کی علت موجود ہے، ہمارے نزدیک مرسل روایت حجت نہیں کیونکہ اگر ہم تابعی کی مرسل کو حجت تسلیم کریں گے پھر تبع تابعین کی مرسل کو بھی لازماً حجت تسلیم کرنا ہوگا، جب تبع تابعین کی مرسل کو قبول کر لیں گے پھر ان سے نچلے طبقہ کی مرسل کو بھی ماننا ہوگا وعلی ھذا القیاس ہر اس شخص کی

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

بات حجت ماننا ہوگی جو یہ کہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایسے فرمایا ہے۔

ان لوگوں پر تعجب ہے جو اس قسم کی کمزور مرسل روایت کو حجت تسلیم کرتے ہیں کیونکہ جابر بن یزید پر خود ان کے امام نے کلام کیا ہے جیسا کہ ابو یحییٰ حمانی کہتے ہیں کہ میں نے ابوحنیفہ سے سنا وہ فرما رہے تھے، میں جن حضرات سے ملا ہوں، ان سب میں، میں نے افضل عطاء کو پایا ہے اور سب سے جھوٹا جابر جعفی کو پایا ہے۔ کیونکہ میں جب بھی کسی رائے کا اظہار کرتا تھا یہ اس کے موافق حدیث بیان کر دیتا تھا، ان کا یہ خیال ہے کہ اس کے پاس تقریباً ایک ہزار جھوٹی روایات موجود تھیں۔(ابن حبان: ۵/۷۴/۴)

امام حازمی نے اپنی معروف کتاب الناسخ و المنسوخ میں امام ابوحنیفہ کا وہی مسلک نقل کیا ہے جو امام شافعی کا تھا یعنی امام اگر بیٹھ کر نماز پڑھائے تو مقتدیوں کو اس کے پیچھے کھڑے ہو کر نماز پڑھنی چاہیے۔

امام بخاری نے حدیث نمبر ۶۸۹ کے بعد امام حمیدی کا یہ قول نقل کیا ہے کہ وہ فرماتے ہیں کہ نبی مکرم ﷺ کا یہ فرمان کہ "جب امام بیٹھ کر نماز پڑھے تو تم بیٹھ کر نماز پڑھو" یہ قدیم بیماری کا واقعہ ہے، اس واقعہ کے بعد آپ ﷺ نے بیٹھ کر نماز پڑھائی تھی جبکہ صحابہ نے آپ ﷺ کی اقتدا میں کھڑے ہو کر نماز پڑھی تھی، اس وقت آپ ﷺ نے صحابہ کو بیٹھ کر نماز پڑھنے کا حکم نہیں دیا تھا، لہٰذا آپ ﷺ کے آخری عمل کو اختیار کیا جائے گا۔(الناسخ و المنسوخ: ۱۵۹)

فقہی احکام: (۱) کسی عذر شرعی کی بنا پر امام بیٹھ کر نماز پڑھا سکتا ہے۔(۲) ایسی صورت میں مقتدیوں کو امام کے پیچھے کھڑے ہو کر نماز پڑھنا ہوگی۔(۳) امام سے پہلے تکبیر کہنا اور رکوع و سجود میں جانا یا اٹھنا ممنوع ہے۔(۴) ایسا کرنے والے کی شکل مسخ کی جاسکتی ہے۔ (۵) سمع اللہ لمن حمدہ اور ربنا لک الحمد، امام اور مقتدی دونوں کا وظیفہ ہے۔

۴۰۱: وَعَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ رضی اللہ عنہ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ رَأَى فِي أَصْحَابِهِ تَأَخُّرًا فَقَالَ "تَقَدَّمُوا فَائْتَمُّوا بِي, وَلْيَأْتَمَّ بِكُمْ مَنْ بَعْدَكُمْ" رَوَاهُ مُسْلِمٌ.

مسلم، کتاب الصلاۃ، باب تسویۃ الصفوف و اقامتها و فضل الاول فالاول منها: ۴۳۸، ابوداود: ۶۸۰، النسائی: ۸۳/۲، ابن ماجۃ: ۹۷۸، احمد: ۳۴/۳، البیہقی: ۱۰۳/۳، صحیح ابن خزیمۃ: ۱۵۹۸، الترمذی: ۲۸۱

۴۰۱: حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنے صحابہ کو پیچھے کھڑے دیکھ کر فرمایا: "آگے بڑھو! میری پیروی کرو، تمہارے بعد والے تمہاری پیروی کریں۔"(مسلم)

لغوی تحقیق: تأخرا: دور رہنا

تشریح: اس حدیث سے یہ واضح ہوا کہ ایک صف کا فاصلہ دوسرے صف سے زیادہ دور نہیں ہونا چاہیے، فقط اتنا فاصلہ ہو کہ نگاہ سجدہ کے مقام پر رکھنے کے باوجود آگے والی صف میں کھڑے ہوئے آدمی کے رکوع و سجود اور قیام وقعود میں جانے اور اٹھنے کا حال نظر آئے جیسا کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث میں صراحتاً مذکور ہے وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ جب رکوع سے سر اٹھاتے تو ہم اس وقت تک سیدھے کھڑے رہتے حتی کہ ہم آپ ﷺ کو حالت سجدہ میں دیکھ لیتے۔ حضرت براء رضی اللہ عنہ سے بھی اسی کی مثل منقول ہے۔

فقہی احکام: (۱) صفیں قریب قریب بنائیں جائیں۔(۲) نگاہ سجدہ کی جگہ پر رکھی جائے۔ (۳) ہر صف اپنے سے آگے والی صف کی پیروی کرے۔

۴۰۲: وَعَنْ زَيْدِ بْنِ ثَابِتٍ رضی اللہ عنہ قَالَ احْتَجَرَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ حُجْرَةً بِخَصَفَةٍ, فَصَلَّى فِيهَا, فَتَتَبَّعَ إِلَيْهِ رِجَالٌ, وَجَاءُوا

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

يُصَلُّونَ بِصَلَاتِهِ ......اَلْحَدِيثَ ,وَفِيهِ "أَفْضَلُ صَلَاةِ الْمَرْءِ فِي بَيْتِهِ إِلَّا الْمَكْتُوبَةَ" مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ .

البخاری، کتاب الآذان، باب صلاۃ اللیل: ۷۳۱، صحیح مسلم: ۷۸۱، ۷۸۲، ابوداود: ۱۰۴۴، الترمذی: ۴۵۰،

النسائی: ۱۹۸/۳، البیہقی: ۴۹۴/۲، ابن خزیمۃ: ۲۲۰۴، ۲۲۰۵، ۲۲۰۷

تنبیہ: بلوغ المرام کے بعض مطبوعہ نسخوں میں لفظ مخصفة ہے اور بعض میں بخصفة ہے راقم کے نزدیک مؤخر الذکر لفظ درست ہے کیونکہ مؤلف رحمۃ اللہ علیہ نے اس حدیث کو صحیحین کے حوالے سے درج کیا ہے، صحیح مسلم میں یہی مذکور ہے۔

۴۰۲: حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے چٹائی کا حجرہ بنایا اور اس میں نماز پڑھی، صحابہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھ کر آگے بڑھے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اقتدا میں نماز پڑھنے لگے مختصراً۔ اور اس حدیث میں یہ بھی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "سوائے فرض نماز کے دیگر نمازیں انسان کی اس کے گھر میں افضل ہیں۔" (بخاری و مسلم)

لغوی تحقیق: احتجر: خیمہ بنایا۔ مخصفة: چٹائی۔ فتبع: جستجو کی۔

تشریح: اس مضمون کی حدیث کو متعدد صحابہ نے بیان کیا ہے، حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث میں صراحت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ماہ رمضان میں چٹائی سے بنا ہوا خیمہ مسجد نبوی میں قائم کیا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس خیمہ میں چند راتوں تک قیام فرماتے رہتے تا آنکہ صحابہ کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے قیام کی خبر ہوئی اور انہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اقتدا میں قیام کرنا شروع کر دیا۔

حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث میں ہے کہ صحابہ نے پہلی بار تیئیسویں شب کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ قیام فرمایا پھر پچیسویں شب کو اور پھر ستائیسویں شب کو قیام فرمایا۔ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے مروی روایت میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تیئیسویں شب کو ہمیں رات کی پہلی تہائی میں نماز (تراویح) پڑھائی، پھر پچیسویں شب کو نصف اللیل کے وقت نماز (تراویح) پڑھائی، پھر ستائیسویں شب کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی ازواج مطہرات کو بھی جمع فرمایا اور رات کے آخری حصہ میں نماز (تراویح) پڑھائی۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی روایت میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نصف رات کے وقت باہر نکلے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسجد میں قیام اللیل کا آغاز فرمایا اور صحابہ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اقتدا میں قیام اللیل فرمایا، صبح کے وقت لوگوں نے اس بات کو عام کر دیا، اور جب تیسری رات آئی تو بہت سے صحابہ مسجد میں جمع ہو گئے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم (خیمہ) سے باہر تشریف لائے اور نماز کا آغاز فرمایا، صحابہ نے اس رات بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اقتدا میں نماز پڑھی، جب چوتھی رات آئی تو مسجد نبوی میں صحابہ بڑی کثرت میں جمع ہو گئے اور مسجد نبوی ان کے لیے کم پڑ گئی، اس رات آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے خیمہ سے باہر تشریف نہ لائے حالانکہ بعض صحابہ نماز کی ندا لگاتے رہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم صبح کے وقت نماز فجر کے لیے تشریف لائے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز فجر سے فارغ ہو کر فرمایا: "تمہاری حالت مجھ سے مخفی نہ تھی لیکن میں اس اندیشہ کے پیش نظر باہر نہیں آیا کہ یہ نماز کہیں تم پر فرض نہ ہو جائے۔"

حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ سے مروی روایت میں یہ صراحت بھی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے تشریف نہ لانے پر بعض صحابہ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دروازے پر کنکریاں بھی ماریں، جس پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم ناراض ہو کر اپنے حجرے سے باہر تشریف لائے اور فرمایا: "میں تمہارے احوال سے آگاہ ہوں لیکن مجھے خیال ہوا کہ کہیں تمہارے ذوق کی وجہ سے یہ نماز تم پر فرض نہ کر دی جائے، اس لیے میں باہر نہیں آیا، لہٰذا یہ نماز تم اپنے گھروں میں پڑھا کرو، کیونکہ نفلی نماز گھر میں پڑھنا بہتر ہے۔" حدیث کے ان حصوں کو ابن عمر، جابر، ابوہریرہ، عبداللہ بن سعد اور ابوموسیٰ رضی اللہ عنہم نے روایت کیا ہے۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی حدیث میں ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: "نماز کا کچھ حصہ (نفلی نماز) اپنے گھروں میں پڑھا کرو اور انہیں قبرستان مت بناؤ۔"

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث میں ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: "تم میں سے کوئی شخص جب مسجد میں نماز پڑھے تو اسے چاہیے کہ وہ کچھ نماز گھر میں پڑھنے کیلئے رکھ لے، کیونکہ گھر میں نماز پڑھنے کی وجہ سے اللہ تعالیٰ گھر میں خیر و برکت نازل فرمائے گا۔"

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث میں ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: "اپنے گھروں کو قبرستان مت بناؤ، جس گھر میں سورۃ بقرہ پڑھی جائے اس گھر سے شیطان بھاگ جاتا ہے۔" انہیں سے مروی ایک دوسری حدیث میں ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: "جس گھر میں اللہ کا ذکر کیا جائے وہ گھر زندہ انسان کی مثل ہے اور جس گھر میں اللہ کا ذکر نہ کیا جائے وہ مردہ انسان کے مثل ہے۔"

حضرت عبداللہ بن سعد رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث میں ہے کہ میں نے آپ ﷺ سے دریافت کیا کہ میرے لیے (نفلی) نماز گھر میں پڑھنا بہتر ہے یا مسجد میں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: "کیا آپ نہیں دیکھتے کہ میرا گھر مسجد سے کتنا قریب ہے لیکن مجھے نفلی نماز گھر میں پڑھنا زیادہ محبوب ہے۔"

ان تمام طرق سے یہ واضح ہوا کہ آپ ﷺ نے قیام اللیل کی امامت رمضان کے آخری عشرہ میں بھی فرمائی اور پہلے عشروں میں بھی، اعتکاف کے خیمہ میں کھڑے ہو کر بھی اور مسجد نبوی کے صحن میں کھڑے ہو کر بھی فرمائی ہے۔ ان طرق سے ان حضرات کا مؤقف غلط ثابت ہوتا ہے جو کہتے ہیں کہ آپ ﷺ نے قیام اللیل کی امامت فقط تین دن ہی فرمائی تھی۔

فقہی احکام: (۱) قیام اللیل ماہ رمضان میں باجماعت مسجد میں ادا کرنا افضل ہے۔ (۲) غیر رمضان میں قیام اللیل نیز دیگر نوافل گھر میں پڑھنا افضل ہیں۔ (۳) قیام اللیل ماہ رمضان میں رات کی تینوں تہائیوں میں کیا جا سکتا ہے۔ (۴) بوقت ضرورت مسجد میں خیمہ نصب کیا جا سکتا ہے۔ (۵) قبرستان میں نماز پڑھنا جائز نہیں۔

۴۰۳: وَعَنْ جَابِرٍ رضی اللہ عنہ قَالَ صَلَّى مُعَاذٌ بِأَصْحَابِهِ الْعِشَاءَ, فَطَوَّلَ عَلَيْهِمْ, فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ "أَتُرِيدُ أَنْ تَكُونَ يَا مُعَاذُ فَتَّانًا؟ إِذَا أَمَمْتَ النَّاسَ فَاقْرَأْ بِالشَّمْسِ وَضُحَاهَا, وَ سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْأَعْلَى, وَ اقْرَأْ بِاسْمِ رَبِّكَ, وَاللَّيْلِ إِذَا يَغْشَى" مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ, وَاللَّفْظُ لِمُسْلِمٍ.

صحیح مسلم، کتاب الصلاۃ، باب القرأۃ فی العشاء: ۱۷۹ / ۴۶۵، البخاری: ۷۰۱، ۷۰۵، ۶۱۰۶، ابوداود: ۷۹۰، احمد: ۲۹۹/۳، ۳۰۸، ابن ماجۃ: ۹۸۶، النسائی: ۹۷/۲، ۱۰۲، البیہقی: ۳۹۳/۲، کنز: ۱۹۶۷۰

تنبیہ: مؤلف رحمۃ اللہ علیہ نے اس حدیث کے الفاظ کو صحیح مسلم کے حوالے سے نقل کیا ہے، جبکہ صحیح مسلم کے مطبوعہ نسخوں میں "اتريد ان تكون فتانا يا معاذ!" ہے، نیز نسائی، ابن ماجہ، بیہقی اور کنز میں بھی انہیں الفاظ سے مذکور ہے۔

۴۰۳: حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت معاذ رضی اللہ عنہ نے اپنے ساتھیوں کو عشا کی نماز پڑھائی، اس میں انہوں نے طویل قیام فرمایا، نبی مکرم ﷺ نے ان سے فرمایا: "اے معاذ! کیا تم لوگوں کو فتنہ میں مبتلا کرنا چاہتے ہو؟ جب تم فرائض کی امامت کرو تو (الشمس اور الاعلی والشمس و ضحاها اور سبح اسم ربک الاعلی سورۃ العلق اور سورۃ اللیل اقرأ باسم و اللیل اذا یغشی) پڑھا کرو۔" اس حدیث کو بخاری و مسلم نے روایت کیا ہے مگر مذکورہ الفاظ مسلم کے ہیں۔

لغوی تحقیق: اصحابه: اپنے ساتھی یعنی مقتدی حضرات۔ فطول: طول دیا یعنی قرأت لمبی کی۔ فتانا: آزمائش میں مبتلا کرنے والا۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

امِمت: مخاطب کا صیغہ یعنی جب تم امامت کے فرائض انجام دو۔

تشریح: حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے یہ روایت متعدد طرق سے مروی ہے، ان تمام طرق کو جمع کریں تو حدیث کا مفہوم درج ذیل ہوگا۔حضرت معاذ رضی اللہ عنہ عشا کی نماز رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی اقتدا میں ادا کرنے کے بعد اپنے مقتدیوں کو ان کی جگہ پر جا کر پڑھایا کرتے تھے، ممدوح حسب معمول نماز عشا کی امامت فرمارہے تھے،اسی دوران ایک شخص کا ان کے قریب سے گزر ہوا،اس کے پاس دو اونٹنیاں تھیں،وہ دونوں اونٹنیوں کو چھوڑ کر نماز میں داخل ہوگیا،حضرت معاذ رضی اللہ عنہ نے طویل سورۃ کی تلاوت شروع کردی،وہ شخص طویل قرأت سے تنگ آگیا اور اس نے حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کی امامت ترک کر کے اپنی الگ سے نماز شروع کی اور نماز مکمل کرنے کے بعد اپنی راہ لی۔حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کو جب اس شخص کی اس حرکت کی خبر ہوئی تو انہوں نے اسے منافق قرار دیا،اس شخص کو جب حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کے تبصرہ کی اطلاع ہوئی تو وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور اس نے حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کی شکایت کی۔آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کو طلب کیا اور فرمایا:"اے معاذ! آپ کے پیچھے بوڑھے،ناتواں اور کام کاج والے لوگ ہوتے ہیں،کیا آپ طویل قرأت کر کے ان لوگوں کو عذاب یا آزمائش میں مبتلا کرنا چاہتے ہیں؟ تم عشا کی نماز میں سورۃ الشمس ،سورۃ الاعلیٰ،سورۃ العلق اور سورۃ اللیل پڑھا کرو۔"

اس حدیث سے یہ واضح ہوا کہ تخفیف قرأت، آداب امامت میں شامل ہے،اس سلسلے میں اور بھی صحابہ سے احادیث منقول ہیں، جن میں سے چند احادیث مؤلف رحمہ اللہ نے نقل فرمائی ہیں، مفصل تشریح آخری حدیث کے ذیل میں ذکر ہوگی۔(ان شاءاللہ)

مؤلف رحمہ اللہ نے اس حدیث کو نقل کر کے دو فقہی مسائل مستنبط کئے ہیں (۱) تخفیف قرأت،آداب امامت میں شامل ہے۔(۲) امام اور مقتدی کی نیت کا موافق ہونا ضروری نہیں۔

فقہی احکام: (۱) مقتدی حضرات کا خیال رکھنا آداب امامت میں شامل ہے۔(۲) امام کی شکایت کی جاسکتی ہے۔(۳) مسافر، بوڑھا اور ناتواں شخص کے لیے اگر امام کی طویل قرأت شاق ہو تو وہ امام کی اقتدا سے نکل کر اسی مقام پر اپنی نماز الگ سے پڑھ سکتا ہے، بشرطیکہ کسی بڑے فتنہ کا خطرہ نہ ہو۔(۴) امام اور مقتدی کی نیت کا باہم موافق ہونا ضروری نہیں،نوافل پڑھانے والے امام کے پیچھے فرائض اور فرائض پڑھانے والے امام کے پیچھے نوافل پڑھے جاسکتے ہیں۔(۵) عصر پڑھانے والے کے پیچھے ظہر اور اس کے برعکس بھی ادا کی جاسکتی ہے۔

۴۰۴: وَعَنْ عَائِشَةَ رضی اللہ عنہا فِي قِصَّةِ صَلَاةِ رَسُولِ اللَّهِ صلی اللہ علیہ وسلم بِالنَّاسِ ,وَهُوَ مَرِيضٌ قَالَتْ فَجَاءَ حَتَّى جَلَسَ عَنْ يَسَارِ أَبِي بَكْرٍ ,فَكَانَ يُصَلِّي بِالنَّاسِ جَالِسًا وَأَبُو بَكْرٍ قَائِمًا ,يَقْتَدِي أَبُو بَكْرٍ بِصَلَاةِ النَّبِيِّ صلی اللہ علیہ وسلم وَيَقْتَدِي النَّاسُ بِصَلَاةِ أَبِي بَكْرٍ .مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ.

البخاري، كتاب الآذان، باب الرجل يأتم بالامام و يأتم الناس بالمأموم: ۷۱۳، صحيح مسلم: ۴۱۸، النسائي: ۲/ ۹۹، ابن ماجة: ۱۲۳۲ ، البيهقي: ۳/۸۲، احمد: ۶/ ۹۶

تنبیہ: یہ روایت مؤلف رحمہ اللہ نے نہایت اختصار سے نقل کی ہے۔

۴۰۴: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی اس نماز کا ذکر کرتے ہوئے بیان فرماتی ہیں جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حالت بیماری میں پڑھائی تھی، رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم مسجد نبوی میں تشریف فرما ہوئے اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی بائیں طرف بیٹھ گئے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں کی امامت بیٹھے بیٹھے فرمارہے تھے، جبکہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پہلو میں کھڑے تھے، حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز کی اقتدا کررہے تھے جبکہ صحابہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ (کے اشارات) کی پیروی کررہے تھے۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

تشریح: یہ روایت حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے متعدد طرق منقول ہیں، مؤلف رحمۃ اللہ علیہ نے اس روایت کو مختصر نقل کر کے یہ ثابت کیا ہے کہ تخفیف صلاۃ فقط مقتدی حضرات کے پیش نظر ہی نہیں کی جا سکتی بلکہ امام اگر بیمار ہے تو وہ اپنے لیے بھی تخفیف نماز کر سکتا ہے جیسا کہ بیٹھ کر نماز پڑھنا بھی تخفیف نماز ہی کی قسم ہے۔

یہ روایت مفصل اس طرح ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم بیمار تھے، جب بیماری شدت اختیار کر گئی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو نماز پڑھانے کا حکم فرمایا، حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے نماز کا آغاز کر دیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو تھوڑا افاقہ ہوا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت عباس اور حضرت علی رضی اللہ عنہما کے سہارے مسجد میں تشریف فرما ہوئے، حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری کی اطلاع ہوئی تو وہ پیچھے ہٹنے لگے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں اپنی جگہ کھڑے رہنے کا اشارہ دیا اور خود آگے بڑھ کر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے بائیں طرف بیٹھ گئے، بیماری کی وجہ سے رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی آواز پست تھی اس لیے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ بلند آواز سے تکبیرات کہتے تھے، صحابہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی آواز سن کر ایک حالت سے دوسری حالت کی طرف منتقل ہوتے تھے۔

فقہی احکام: (۱) شدید بیماری کی حالت میں ترک جماعت کی جا سکتی ہے۔ (۲) اپنا جانشین مقرر کرنا امام کا حق ہے۔ (۳) امام اگر آنے میں تاخیر کرے تو مؤذن امام کو یاد دہانی کروا سکتا ہے۔ (۴) امام کو مقتدی کے بائیں طرف کھڑے ہونا چاہیے۔ (۵) امام اگر کسی عذر کی وجہ سے بیٹھ کر نماز پڑھے تو مقتدی حضرات کو کھڑا ہو کر ہی نماز پڑھنی چاہیے (۶) مریض کی تیمارداری بھی ترک جماعت کیلئے عذر شرعی ہے۔

۴۰۵: وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضی اللہ عنہ أَنَّ النَّبِيَّ صلی اللہ علیہ وسلم قَالَ "إِذَا أَمَّ أَحَدُكُمُ النَّاسَ فَلْيُخَفِّفْ, فَإِنَّ فِيهِمُ الصَّغِيرَ وَالْكَبِيرَ وَالضَّعِيفَ وَذَا الْحَاجَةِ, فَإِذَا صَلَّى وَحْدَهُ فَلْيُصَلِّ كَيْفَ شَاءَ" مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ.

البخاری، کتاب الآذان، باب اذا صلی لنفسه فلیطول ماشاء: ۷۰۳، ۷۰۴، ۷۰۷، ۷۰۸، ۷۰۹، مسلم: ۴۶۷، ابوداود: ۷۹۴، الترمذی: ۲۳۶، النسائی: ۲/۹۴، المطالب العالیة: ۴۷۱

۴۰۵: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "آپ میں سے کوئی ایک جب لوگوں کو نماز پڑھائے تو اسے چاہیے کہ وہ تخفیف سے کام لے کیونکہ مقتدی حضرات میں چھوٹے، بڑے، ناتواں اور کام کاج کرنے والے لوگ ہوتے ہیں، اور جب وہ تنہا نماز پڑھے تو پھر جیسے چاہے پڑھ لے۔" (بخاری ومسلم)

لغوی تحقیق: كيف شاء: یعنی جس قدر لمبی پڑھنی چاہے پڑھ لے۔

تشریح: یہ روایت حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے متعدد طرق سے منقول ہے نیز اسی مضمون کی اجازت حضرت ابو مسعود، حضرت ابو سعید خدری، حضرت ابوقتادہ، حضرت عثمان بن ابی العاص اور حضرت انس رضی اللہ عنہم سے بھی مروی ہے۔

حضرت ابو مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث میں ہے کہ ایک شخص نے عرض کیا، یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! میں فلاں آدمی کی وجہ سے صبح کی جماعت میں شریک نہیں ہوتا کیونکہ وہ بہت لمبی نماز پڑھاتے ہیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس دن نہایت غصہ میں خطبہ ارشاد فرماتے ہوئے فرمایا: "اے لوگو! تم لوگوں کو متنفر کرتے ہو، آپ میں سے جو امامت کے فرائض سرانجام دے اسے چاہیے کہ وہ اختصار سے کام لے کیونکہ اس کے پیچھے بوڑھے، ناتواں اور محنت ومشقت کرنے والے لوگ ہوتے ہیں۔"

حضرت عثمان بن ابی العاص رضی اللہ عنہ سے مروی روایت میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے وصیت فرمائی کہ میں ہلکی نماز پڑھاؤں۔

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فجر کی نماز میں انتہائی مختصر سورتوں کی تلاوت فرمائی، دریافت کرنے

www.KitaboSunnat.com

پر آپ ﷺ نے اختصار کا سبب یہ بتایا کہ "میں نے اپنے پیچھے بچے کے رونے کی آواز سنی تھی اس لیے میں نے چاہا کہ اس بچے کی ماں کا دل بے قرار نہ ہو۔"

حضرت ابوقتادہ رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث میں ہے کہ "میں اس کی ماں کو مشقت میں ڈالنا پسند نہیں کرتا تھا۔" حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث میں ہے کہ "میں اس کی ماں کو آزمائش میں مبتلا کرنا نہیں چاہتا تھا۔"

فقہی احکام: (۱) خواتین اپنے چھوٹے بچوں کے ساتھ جماعت میں شریک ہوسکتی ہیں۔ (۲) امام کو چاہیے کہ وہ بچے کے رونے کی آواز سن کر قرأت مختصر کر دے۔ (۳) مقتدیوں کی صحت، عمر اور کام کاج کا لحاظ رکھنا امامت کے آداب میں شامل ہے۔ (۴) تنہا نماز پڑھنے والا جس قدر لمبی نماز پڑھنا چاہے پڑھ سکتا ہے۔

۴۰۶: وَعَنْ عَمْرِو بْنِ سَلَمَةَ قَالَ، قَالَ أَبِي جِئْتُكُمْ مِنْ عِنْدِ النَّبِيِّ ﷺ حَقًّا قَالَ "فَإِذَا حَضَرَتِ الصَّلَاةُ فَلْيُؤَذِّنْ أَحَدُكُمْ, وَلْيَؤُمَّكُمْ أَكْثَرُكُمْ قُرْآنًا" قَالَ فَنَظَرُوا فَلَمْ يَكُنْ أَحَدٌ أَكْثَرَ قُرْآنًا مِنِّي, فَقَدَّمُونِي, وَأَنَا ابْنُ سِتٍّ أَوْ سَبْعِ سِنِينَ. رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ, وَأَبُو دَاوُدَ, وَالنَّسَائِيُّ.

البخاری، کتاب المغازی، باب: ۴۳۰۲، ابوداود: ۵۸۵، النسائی: ۸۱/۲، معرفۃ السنن و الآثار: ۱۴۹۰

۴۰۶: حضرت عمرو بن سلمہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میرے باپ نے کہا کہ میں تمہارے پاس نبی کریم ﷺ کی طرف سے حق لے کر آیا ہوں، آپ ﷺ کا ارشاد گرامی ہے کہ "جب نماز کا وقت ہو جائے تو آپ میں سے کوئی ایک اذان پڑھے لیکن امامت وہ کروائے جو آپ میں سب سے زیادہ قرآن کا علم رکھتا ہو۔" عمرو بن سلمہ کہتے ہیں کہ میری قوم نے ایسا شخص تلاش کیا اور انہوں نے مجھ سے زیادہ قرآن حکیم کا عالم کسی اور کو نہ پایا، چنانچہ انہوں نے مجھے امام بنا لیا، میری عمر اس وقت چھ یا سات برس تھی۔

تشریح: مؤلف رحمہ اللہ نے طویل حدیث کا مختصر حصہ نقل کر کے یہ ثابت کیا ہے کہ امامت کا حقدار وہ شخص ہے جو قرآن کا سب سے زیادہ علم رکھتا ہو، خواہ وہ عمر میں سب سے چھوٹا ہی کیوں نہ ہو بلکہ نابالغ بھی کیوں نہ ہو۔

اس حدیث کے راوی سلمہ ہیں جبکہ مکمل روایت کے راوی حضرت عمرو بن سلمہ رضی اللہ عنہ ہیں، امام بخاری اور امام بیہقی وغیرہما نے ان سے مفصل روایت نقل کی ہے، حضرت عمرو بن سلمہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہماری رہائش ایسے مقام پر تھی جہاں سے مدینہ منورہ سے آنے والے قافلے گزرتے تھے ہم ان سے آپ ﷺ اور آپ ﷺ کے ساتھ عرب کے رویے کے بارے میں سوال کرتے تھے، وہ بتاتے تھے کہ وہ اللہ کے نبی ہیں اور ان کا خیال ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں مبعوث فرمایا ہے اور ان کی طرف سے جو آیات تلاوت کی جاتی تھیں میں ان آیات کو ضبط کر لیا کرتا تھا، اہل عرب نے اپنے اسلام کو فتح مکہ تک مؤخر کر رکھا تھا، وہ اپنی قوم کو کہتے تھے کہ تم انتظار کرو اگر یہ اپنی قوم پر غالب آ گئے تو یقیناً اللہ تعالیٰ کے نبی ہوں گے، اس وقت تم اس کی تصدیق کر دینا، جب فتح مکہ ہو گیا تو عرب قبائل نے اسلام قبول کرنے میں پیش قدمی کی، عمرو کے والد سلمہ بھی آپ ﷺ کی خدمت میں اسلام قبول کرنے کے لیے حاضر ہوئے اور وہاں چند دن قیام کرنے کے بعد واپس آئے اور اپنی قوم سے کہا کہ میں تمہارے پاس اللہ کے رسول ﷺ کی طرف سے حق لے کر آیا ہوں، آپ ﷺ نے یہ نماز اس وقت اور یہ نماز اس وقت پڑھنے کا حکم فرمایا ہے۔ (نیز) فرمایا ہے کہ "جب نماز کا وقت ہو جائے تو تم میں سے کوئی ایک اذان پڑھ دے اور امامت وہ کروائے جو قرآن حکیم کا سب سے زیادہ علم رکھتا ہو۔" حضرت عمرو بن سلمہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میری قوم نے مجھے ہی قرآن حکیم کا سب سے زیادہ عالم پایا اس لیے انہوں نے مجھے امام بنا لیا۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

فقہی احکام: (۱) امامت کا اہل وہ ہے جو قرآن حکیم کا سب سے زیادہ علم رکھتا ہو۔ (۲) نابالغ لڑکا اگر اس معیار پر پورا اترتا ہو تو وہ فرائض ونوافل کی جماعت کرواسکتا ہے۔ (۳) اہل محلّہ امام کی خدمت کر سکتے ہیں۔ (۴) امامت کا منصب مؤذن کے منصب سے افضل ہے۔

۴۰۷: وَعَنْ أَبِی مَسْعُودٍ رضی اللہ عنہ قَالَ، قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم "يَؤُمُّ الْقَوْمَ أَقْرَؤُهُمْ لِكِتَابِ اللّٰهِ, فَإِنْ كَانُوا فِي الْقِرَاءَةِ سَوَاءً فَأَعْلَمُهُمْ بِالسُّنَّةِ, فَإِنْ كَانُوا فِي السُّنَّةِ سَوَاءً فَأَقْدَمُهُمْ هِجْرَةً, فَإِنْ كَانُوا فِي الْهِجْرَةِ سَوَاءً فَأَقْدَمُهُمْ سِلْمًا وَفِي رِوَايَةٍ: سِنًّا وَلَا يَؤُمَّنَّ الرَّجُلُ الرَّجُلَ فِي سُلْطَانِهِ, وَلَا يَقْعُدْ فِي بَيْتِهِ عَلَى تَكْرِمَتِهِ إِلَّا بِإِذْنِهِ" رَوَاهُ مُسْلِمٌ.

صحیح مسلم، کتاب المساجد و مواضع الصلاۃ، باب من احق بالامامۃ: ۶۷۲ ـ ۶۷۳، البخاری: ۶۹۲، ابو داود: ۵۸۲، ۵۸۸، الترمذی: ۲۳۵، النسائی: ۷۶/۲، ابن ماجۃ: ۹۸۰، الحاکم: ۳۷۰/۱، نصب الرایۃ: ۲۵/۲، مسند احمد: ۱۶۲/۳

۴۰۷: حضرت ابو مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "قوم کی امامت وہ شخص کروائے جوان میں سب سے زیادہ قرآن مجید کا علم رکھتا ہو، اگر وہ سب قرأۃ میں برابر ہوں تو پھر وہ امامت کا سب سے زیادہ اہل ہے جو سنت کا سب سے زیادہ علم رکھتا ہو، اگر سنت کے علم میں بھی سب برابر ہوں تو پھر امامت کا سب سے زیادہ اہل وہ ہے جو ہجرت کرنے میں مقدم ہو، اگر وہ سب اس وصف میں بھی برابر ہوں تو پھر امامت کا سب سے زیادہ اہل وہ ہے جو اسلام قبول کرنے میں مقدم ہو۔ "ایک روایت میں ہے" جو عمر میں زیادہ ہو، اور کوئی آدمی کسی دوسرے آدمی کے حلقہ اقتدار میں امامت نہ کرائے اور نہ کسی کے گھر میں اس کی عزت کی جگہ پر اس کی اجازت کے بغیر بیٹھے۔" (مسلم)

لغوی تحقیق: **اقرأهم لكتاب الله**: اسم تفضیل کا صیغہ ہے، ان سب میں سے زیادہ قرآن حکیم کا علم رکھتا ہو، یعنی اسے قرآن حکیم کا بہت سا حصہ مع مفہوم ومطالب کے یاد ہو۔ **اعلمهم بالسنة**: آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال واعمال کے بارے میں سب سے زیادہ معلومات رکھتا ہو۔ **سلما**: سین مکسور اور لام ساکن، اسلام قبول کرنے میں مقدم ہو۔ **سنا**: عمر میں زیادہ ہو۔ **سلطانه**: ایسی جگہ جہاں وہ امام مقرر ہو۔ **تكرمته**: کسی شخص کی کوئی خاص مسند۔

تشریح: زیر مطالعہ حدیث میں اوصاف امامت بیان کئے گئے ہیں، اسی طرح کی احادیث حضرت عائشہ، حضرت عبداللہ بن عمر، حضرت ابو ہریرہ، حضرت انس بن مالک، حضرت ابو سعید خدری، حضرت عقبہ بن عمرو اور حضرت مالک بن حویرث رضی اللہ عنہم سے بھی منقول ہیں، حضرت عبداللہ بن عمر اور حضرت انس رضی اللہ عنہم سے مروی احادیث میں اولیت قرآن حکیم کا علم رکھنے والے کو دی گئی ہے، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے امام مقرر فرمایا اور وہ سنت کا سب سے زیادہ علم رکھتے تھے۔

حضرت عقبہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "امامت کے فرائض وہ شخص سرانجام دے جو ہجرت کے اعتبار سے مقدم ہو، اگر ہجرت کے اعتبار سے سب برابر ہوئے تو پھر دین کو سب سے زیادہ سمجھتا ہو، اگر فہم دین میں بھی سب سے برابر ہوں تو پھر جو قرآن حکیم کا سب سے زیادہ علم رکھتا ہو۔"

یہ روایت چونکہ حجاج بن ارطاۃ کی وجہ سے ضعیف ہے، اس لیے اس روایت کو ان سے مروی زیر تشریح حدیث کے مقابلے میں پیش نہیں کیا جاسکتا۔ حضرت مالک بن حویرث رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث میں ہے کہ جب وہ اور ان کے ساتھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے دین کی تعلیم حاصل کرنے کے بعد اپنے وطن واپس جانے لگے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "تمہاری امامت وہ شخص کروائے جو تم میں عمر میں سب سے زیادہ ہو۔ یہ حدیث حضرت ابو مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث کے معارض نہیں کیونکہ حضرت مالک بن حویرث رضی اللہ عنہ اور ان کے ساتھیوں نے آپ

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ﷺ سے کتاب وسنت کا فیض ایک جیسا حاصل کیا تھا، یعنی کتاب وسنت کے علم میں وہ سب برابر تھے اس لیے آپ ﷺ نے ترجیح کے تیسرے وصف کو بیان فرمایا۔

درج بالا احادیث میں منصب امامت پر فائز ہونے والے شخص کی شرائط واہلیت بیان ہوئی ہیں یعنی امامت کے لئے ایسے شخص کو منتخب کیا جائے، جو قرآن حکیم کے مفہوم ومطالب سے خوب آگاہ ہو، سنت کا خاطر خواہ علم رکھتا ہو، دین کی خاطر ترک سکونت کی ہو اور اسلام قبول کرنے میں مقدم ہو، ان شرائط میں مقدم الذکر دونوں شرائط کا پایا جانا نہایت ضروری ہے جبکہ مؤخر الذکر دونوں شرائط کو ترجیحی بنیاد پر اختیار کیا جائے۔

۴۰۸: وَلِابْنِ مَاجَهْ مِنْ حَدِيثِ جَابِرٍ رضی اللہ عنہ " وَلَا تَؤُمَّنَّ امْرَأَةٌ رَجُلًا ,وَلَا أَعْرَابِيٌّ مُهَاجِرًا ,وَلَا فَاجِرٌ مُؤْمِنًا" وَإِسْنَادُهُ وَاهٍ

ابن ماجة، ابواب اقامةالصلوات ، باب فرض الجمعة: ۱۰۸۱ ، البیهقی: ۱۷۱/۳ ، المعجم الاوسط: ۱۲۸۳

۴۰۸: امام ابن ماجہ نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: " کوئی عورت کسی مرد کی امام نہ بنے، نہ کوئی دیہاتی کسی مہاجر کا امام بنے اور نہ کوئی فاجر مؤمن کی امامت کرائے۔" اس روایت کی سند نا قابل اعتبار ہے۔

لغوی تحقیق: واہ: جس سند میں کسی راوی یا رواۃ پر شدید جرح کی گئی ہو، اس سند کو محدثین واہ سے تعبیر کرتے ہیں۔

تشریح: یہ روایت قابل استدلال نہیں کیونکہ عبداللہ بن محمد نامی راوی کو امام بخاری اور امام ابوحاتم نے منکر الحدیث قرار دیا ہے جبکہ امام وکیع بن جراح فرماتے ہیں کہ یہ شخص خودساختہ روایات کو رسول اللہ ﷺ کی طرف منسوب کرتا تھا۔ اس روایت کا ایک دوسرا راوی علی بن زید بن جدعان بھی ضعیف ہے۔ طبرانی میں مزید یہ الفاظ بھی ہیں کہ فاجر سلطان کے پیچھے اس کی تلوار کے خوف کی وجہ سے نماز پڑھی جاسکتی ہے۔

۴۰۹: وَعَنْ أَنَسٍ رضی اللہ عنہ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ " رُصُّوا صُفُوفَكُمْ ,وَقَارِبُوا بَيْنَهَا ,وَحَاذُوا بِالْأَعْنَاقِ " رَوَاهُ أَبُو دَاوُدَ ,وَالنَّسَائِيُّ ,وَصَحَّحَهُ ابْنُ حِبَّانَ.

ابوداود، ابواب الصلاۃ، باب تسویة الصفوف: ۶۶۷، صحیح ابن حبان: ۲۱۶۶، النسائی: ۹۲/۲، ابن خزیمة: ۱۵۴۵، شرح السنة: ۸۱۳، البخاری: ۷۱۷، ۷۲۲، ۷۲۴، مسلم: ۴۳۶

۴۰۹: حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: "اپنی صفوں کو خوب اچھی طرح ملاؤ، انہیں قریب قریب قائم کرو اور گردنوں کو برابر رکھو۔" اسے ابوداؤد اور نسائی نے روایت کیا ہے اور ابن حبان نے صحیح کہا ہے۔

لغوی تحقیق: رصوا: راء مضموم اور صاد مشدد مضموم، باہم اس طرح مل جاؤ کہ درمیان میں کوئی خلا باقی نہ رہے۔ قاربوا بینھا: دوصفوں کے مابین مناسب فاصلہ رکھو یعنی ایک صف کو دوسری صف سے دور قائم نہ کرو۔ حاذوا: برابر رکھو۔ الاعناق: گردنیں۔

تشریح: صف بندی اخوت ومودت اور اتحاد ویگانگت کے قیام کا ایک اہم ترین ذریعہ ہے جبکہ اس کا ترک افتراق وانتشار کا پیش خیمہ ہے جیسا کہ رحمت عالم ﷺ کا ارشاد گرامی ہے کہ " تم اپنی صفوں کو سیدھا رکھو ورنہ اللہ تعالیٰ تمہارے رُخ ایک دوسرے سے موڑ دے گا۔" حضرت ابو مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث میں ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: "اپنی صفوں کو سیدھا رکھو ورنہ تمہارے دلوں میں اختلاف جنم لیں گے۔"

حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "اپنی صفوں کو خوب سیدھا رکھو، اس طرح

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

شیطان تمہارے درمیان نفرت کے بیج نہیں بو سکے گا۔" صف بندی جہاں بندوں کے مابین اتحاد و یگانگت کو فروغ دیتی ہے وہاں عابد اور معبود کے تعلقات کو بھی خوب مضبوط کرتی ہے اور نماز کے حسن میں دو چند اضافہ کر کے اسے تکمیل کے زیور سے آراستہ کرتی ہے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اقامت صف کو نماز کا حسن قرار دیا۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے صف بندی کو تکمیل نماز کا ایک اہم حصہ قرار دیا ہے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد صحابہ کرام صف بندی کا نہ صرف خود اہتمام فرماتے تھے بلکہ دوسروں پر بھی کڑی نظر رکھتے تھے، بشیر بن یسار انصاری فرماتے ہیں کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ مدینہ منورہ تشریف لائے، ان سے کہا گیا کہ آپ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا عہد پایا ہے آپ بتائیں کہ آپ ہمارے کس عمل سے کراہت محسوس کرتے ہو؟ انہوں نے فرمایا، تمہارے تمام اعمال عہد نبوی کے مطابق ہیں لیکن تمہارا صفوں کا سیدھا نہ کرنا قابل اعتراض عمل ہے۔

فقہی احکام: (۱) صف بندی نماز کا زیور اور اس کا ایک اہم جز ہے۔ (۲) صف بندی اتحاد و یگانگت کے قیام کا ایک اہم ذریعہ ہے۔ (۳) حالت قیام اور رکوع میں قدم کے ساتھ قدم اور کندھے کے ساتھ کندھا ملا ہونا چاہیے۔ (۴) پچھلی صف آگے والی صف سے متصل ہونی چاہیے۔ (۵) جب تک پہلی صف مکمل نہ ہو جائے اس وقت تک دوسری صف شروع نہ کی جائے۔

۴۱۰: عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضی اللہ عنہ قَالَ، قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صلی اللہ علیہ وسلم "خَيْرُ صُفُوفِ الرِّجَالِ أَوَّلُهَا, وَشَرُّهَا آخِرُهَا, وَخَيْرُ صُفُوفِ النِّسَاءِ آخِرُهَا, وَشَرُّهَا أَوَّلُهَا" رَوَاهُ مُسْلِمٌ.

صحیح مسلم، کتاب الصلاۃ، باب تسویۃ الصفوف و اقامتھاو فضل الاول: ۴۴۰، ابوداود: ۶۷۸، النسائی: ۲/۹۲، ۹۳، الترمذی: ۲۲۴، ابن خزیمۃ: ۱۵۶۱، ابن ماجۃ: ۹۹۹، ۱۰۰۰، صحیح ابن حبان: ۲۱۵۸ ـ ۲۱۶۱

۴۱۰: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "مردوں کی بہترین صف پہلی صف ہے اور بدترین صف آخری ہے، جبکہ عورتوں کی بہترین صف آخری ہے اور بدترین صف پہلے صف ہے۔" (مسلم)

تشریح: مردوں کی پہلی صف کے بہترین ہونے کے متعدد اسباب ہیں جو مختلف احادیث سے ثابت ہیں۔ حضرت عرباض بن ساریہ رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پہلی صف کے لیے تین بار استغفار فرمایا کرتے تھے اور دوسری صف کیلئے فقط ایک بار۔

حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "اللہ تعالیٰ اور اس کے فرشتے پہلی صف والوں پر رحمتیں بھیجتے ہیں۔" حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث میں ہے کہ نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "اگر تمہیں معلوم ہو جائے کہ پہلی صف کے لیے کیا کیا انعام واکرام ہیں تو تم پہلی صف میں کھڑے ہونے کیلئے باہم قرعہ اندازی کرو۔"

پہلی صف میں یقیناً انہیں لوگوں کو جگہ ملے گی جو مسجد میں پہلے آئیں گے، ظاہر ہے جو لوگ مسجد میں پہلے آئیں گے وہ دیر تک نماز کے انتظار میں رہیں گے۔ حدیث میں ہے کہ "جو شخص نماز کے انتظار میں بیٹھتا ہے وہ ایسے ہی ہے جیسے وہ نماز میں ہے۔"

مردوں کی آخری صف کے بدترین ہونے کے بھی متعدد اسباب ہیں، جن میں سے اہم سبب یہ ہے کہ عہد نبوی میں خواتین بھی نماز پڑھنے کے لئے مسجد میں آتی تھیں، ان کیلئے کوئی علیحدہ انتظام نہیں تھا، اس لیے مردوں کی آخری صف کے بعد ان کی صفیں ہوتی تھیں، چونکہ مردوں کی آخری صف کے متصل خواتین کی صف ہوتی تھی اس لیے بسا اوقات خواتین پر نظر بھی پڑ جاتی تھی، جس سے خشوع وخضوع بھی یقیناً متاثر ہوتا ہوگا، نیز مسجد میں دیر سے آنے کی وجہ سے ثواب میں بھی کمی واقع ہوتی ہوگی، خواتین کی پہلی صف کے بدترین ہونے کا

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

سبب یہ ہے کہ ان کی نظریں مردوں پر پڑتی ہوں گی جس کی وجہ سے خشوع وخضوع میں کمی واقع ہوتی ہوگی۔

فقہی احکام: (۱) خواتین مسجد میں نماز پنجگانہ ادا کرسکتی ہیں۔(۲) خواتین کی صفیں مردوں کی صفوں سے پیچھے بنائی جائیں۔(۳) خواتین کے لیے پیچھے کی طرف علیحدہ سے باپردہ جگہ کا انتظام ہونا چاہیے۔(۴) اگر معقول بندوبست نہ ہو تب بھی وہ مردوں کے پیچھے صف بنا سکتی ہیں۔(۵) مسجد میں پہلے پہنچنے کی کوشش کرنی چاہیے۔

۴۱۱: وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رضی اللہ عنہما قَالَ صَلَّيْتُ مَعَ رَسُولِ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم ذَاتَ لَيْلَةٍ, فَقُمْتُ عَنْ يَسَارِهِ, فَأَخَذَ رَسُولُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم بِرَأْسِي مِنْ وَرَائِي, فَجَعَلَنِي عَنْ يَمِينِهِ . مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ.

البخاری، کتاب الآذان، باب اذا قام الرجل عن یسار الامام و حوله الامام خلفه الی یمینه تمت صلاته: ۷۲۶، مسلم: ۷۶۳، ابوداود: ۶۱۰، الترمذی: ۲۳۲، النسائی: ۲/۸۷، ابن ماجة: ۹۷۳، احمد: ۱/۲۸۳، ابن خزیمة: ۳/۱۷، ابن حبان: ۲۱۹۶، عبدالرزاق: ۲/۴۰۳

۴۱۱: حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ میں نے ایک رات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نماز پڑھی، میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بائیں طرف کھڑا ہوگیا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے میرے پیچھے کی جانب سے میرا سر پکڑا اور مجھے اپنے دائیں طرف کرلیا۔ بخاری ومسلم۔

تشریح: اس حدیث سے یہ واضح ہوا کہ اگر کوئی شخص کسی شخص کو نماز پڑھتا دیکھے تو وہ بغیر اقامت کہے اسے اپنا امام بنا سکتا ہے۔ نیز اس سے یہ بھی واضح ہوا کہ اگر باجماعت نماز ادا کرنے والے فقط دو اشخاص ہی ہوں تو مقتدی کو امام کے دائیں طرف کھڑا ہونا چاہیے، اگر کوئی شخص لاعلمی کی بنا پر بائیں جانب کھڑا ہو جائے تو امام کو چاہیے کہ وہ اسے اپنے پیچھے سے گھما کر اپنے دائیں جانب کرلے۔

فقہی احکام: (۱) امام مقتدی کے لیے سترہ ہے۔(۲) مقتدی اگر تنہا ہے تو اسے امام کے دائیں جانب کھڑا ہونا چاہیے۔(۳) امام حالت نماز میں مقتدی کی ہاتھ سے رہنمائی کرسکتا ہے۔(۴) شرعی عذر کی بنا پر عمل کثیر کرنے سے نماز باطل نہیں ہوتی۔(۵) نفلی نماز بھی باجماعت ادا کی جاسکتی ہے۔

۴۱۲: وَعَنْ أَنَسٍ رضی اللہ عنہ قَالَ صَلَّى رَسُولُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم فَقُمْتُ وَيَتِيمٌ خَلْفَهُ, وَأُمُّ سُلَيْمٍ خَلْفَنَا. مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ, وَاللَّفْظُ لِلْبُخَارِيِّ

البخاری، کتاب الآذان، باب المرأة وحدها تکون صفا: ۷۲۷، مسلم: ۶۵۸، ابوداود: ۶۱۲، الترمذی: ۲۳۴، النسائی: ۲/۸۵، احمد: ۱/۲۸۴، ابن خزیمة: ۱۵۳۹، ابن حبان: ۲۲۰۵

تنبیہ: مؤلف رحمہ اللہ نے مذکورہ الفاظ کو صحیح بخاری کی طرف منسوب کیا ہے، امام بخاری اس روایت کو اپنی صحیح میں دو دفعہ لائے ہیں اور دونوں طرق میں سے کسی ایک طریق کے بھی یہ الفاظ نہیں ہیں۔

۴۱۲: حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز پڑھی، میں اور ایک یتیم لڑکا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے کھڑے ہوگئے اور اُم سلیم ہمارے پیچھے کھڑی ہوگئی۔ بخاری ومسلم، مذکورہ الفاظ بخاری کے ہیں۔

فقہی احکام: (۱) نفلی نماز باجماعت ادا کی جاسکتی ہے۔(۲) مقتدی جب دو ہوں تو وہ امام کے پیچھے صف بنائیں۔(۳) عورت تنہا صف بنا سکتی ہے۔(۴) خواتین اپنے بیٹوں کے ساتھ بھی صف میں کھڑی نہیں ہوسکتیں۔(۵) بوقت ضرورت والدہ کا نام بھی لیا جاسکتا ہے

۴۱۳: وَعَنْ أَبِي بَكْرَةَ رضی اللہ عنہ أَنَّهُ انْتَهَى إِلَى النَّبِيِّ صلی اللہ علیہ وسلم وَهُوَ رَاكِعٌ, فَرَكَعَ قَبْلَ أَنْ يَصِلَ إِلَى الصَّفِّ, فَقَالَ لَهُ النَّبِيُّ صلی اللہ علیہ وسلم

” محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ “

www.KitaboSunnat.com

"زَادَکَ اللّٰهُ حِرْصًا وَلَا تَعُدْ " رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ وَزَادَ أَبُو دَاوُدَ فِيهِ فَرَكَعَ دُونَ الصَّفِّ ,ثُمَّ مَشَى إِلَى الصَّفِّ.

البخاری، کتاب الآذان، باب اذا رکع دون الصف: ۷۸۳، ابو داود: ۶۸۳، النسائی: ۲/ ۱۱۸، احمد: ۳۹/۵،البیھقی: ۲/ ۹۰، ۹۱، معرفة السنن والآثار: ۱/ ۵۷۹، محلی ابن حزم مسئلہ: ۳۶۲، فتح الباری: ۲/ ۲۶۹، المعجم الاوسط للطبرانی: ۱۳۵۷

۴۱۳: حضرت ابوبکرہ رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ وہ نبی کریم ﷺ کے قریب اس وقت پہنچے جب آپ ﷺ رکوع فرما چکے تھے چنانچہ حضرت ابوبکرہ رضی اللہ عنہ نے صف تک پہنچنے سے قبل رکوع کر لیا، نبی مکرم ﷺ نے ان سے فرمایا: "اللہ تعالیٰ تیرے ذوق وشوق میں اضافہ فرمائے، آئندہ ایسا مت کرنا۔" بخاری، جبکہ ابوداؤد میں یہ الفاظ بھی ہیں کہ انہوں نے صف میں شامل ہونے سے پہلے رکوع کر لیا، پھر وہ حالت رکوع ہی میں چل کر صف میں شامل ہو گئے۔

لغوی تحقیق: **لاتعد:** عود سے ماخوذ ہے یعنی آئندہ ایسا مت کرنا۔

تشریح: اس حدیث کا شمار ان احادیث میں ہوتا ہے جن پر اہل علم نے بہت کچھ لکھا ہے۔ جس گروہ کا خیال ہے کہ تنہا آدمی صف بنا کر نماز پڑھ سکتا ہے، اس گروہ نے اس حدیث کو بطور دلیل اختیار کیا ہے، ان کا کہنا ہے کہ حضرت ابوبکرہ رضی اللہ عنہ نے اپنی نماز کا آغاز اپنی الگ صف سے کیا تھا جبکہ آپ ﷺ نے اسے وہ رکعت دوبارہ پڑھنے کا حکم نہیں دیا۔ اس حدیث سے یہ استدلال کئی اعتبار سے درست نہیں۔

(۱) ابوداؤد میں مروی روایت میں یہ صراحت ہے کہ حضرت ابوبکرہ رضی اللہ عنہ حالت نماز میں چل کر صف میں شامل ہوئے تھے، یہ گروہ حالت نماز میں اس طرح چلنے کو روا نہیں سمجھتا۔

(۲) یہ کہیں صراحت نہیں کہ حضرت ابوبکرہ رضی اللہ عنہ نے اس رکعت کو شمار کیا تھا۔

(۳) اگر یہ تسلیم بھی کر لیا جائے کہ حضرت ابوبکرہ رضی اللہ عنہ نے اس رکعت کو شمار کیا تھا اور آپ ﷺ نے اسے دوبارہ رکعت پڑھنے کا حکم نہیں دیا تو پھر اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ اب اس طرح کرنا درست ہے کیونکہ آپ ﷺ نے اسے آئندہ ایسا کرنے سے منع فرما دیا تھا۔

(۴) اس روایت سے زیادہ سے زیادہ یہ استدلال کیا جا سکتا ہے کہ نماز کے رکن کا بعض حصہ تنہا ادا کیا جا سکتا ہے کیونکہ حضرت ابوبکرہ رضی اللہ عنہ نے پوری رکعت تنہا ادا نہیں کی۔

(۵) صحیح حدیث سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ مرد آدمی تنہا صف نہیں بنا سکتا۔

اس روایت سے دوسرا استدلال یہ کیا گیا ہے کہ جس شخص نے امام کو رکوع میں پا لیا اس نے رکعت پالی۔ یہ استدلال بھی کئی اعتبار سے درست نہیں۔

(۱) یہ کہیں صراحت نہیں کہ حضرت ابوبکرہ رضی اللہ عنہ نے وہ رکعت دوبارہ نہیں پڑھی تھی۔

(۲) اگر یہ صراحت مل بھی جائے تب بھی اس سے یہ استدلال درست نہیں کیونکہ آپ ﷺ نے اسے آئندہ کرنے سے منع فرما دیا تھا

(۳) مدرک رکوع مدرک رکعت کے قائلین اس بات کے ہرگز قائل نہیں کہ حالت رکوع میں پیدل مارچ کیا جائے۔

اس مؤقف کی تائید اگرچہ عبداللہ بن مسعود سے مروی صحیح اثر سے ہوتی ہے تاہم صحیح حدیث میں یہ صراحت مذکور ہے کہ "ماادرکتم فصلوا وما فاتکم فأتموا" جو مل جائے وہ پڑھ لو اور جو رہ جائے وہ پوری کر لو۔

طبرانی میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی روایت کے آخر میں یہ الفاظ ہیں "صل ماادرکت و اقض ماسبقک" مدرک رکوع سے دو فرض (قیام اور قرأت فاتحہ) فوت ہوئے ہیں لہٰذا اس مرفوع حدیث کی روشنی میں ایسے شخص کو وہ رکعت دوبارہ پڑھنی چاہیے۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ایک گروہ نے اس حدیث سے فاتحہ کی عدم فرضیت پر بھی استدلال کیا ہے۔ان کا مؤقف بھی درست نہیں کیونکہ اس صورت میں تو قیام کی عدم فرضیت کو بھی تسلیم کرنا ہوگا جبکہ یہ گروہ قیام کی عدم فرضیت کا قائل نہیں۔

فقہی احکام: صف میں شامل ہونے سے پہلے نماز کا آغاز نہیں کرنا چاہیے۔

۴۱۴: وَعَنْ وَابِصَةَ بْنِ مَعْبَدٍ رضی اللہ عنہ أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم رَأَى رَجُلًا يُصَلِّي خَلْفَ الصَّفِّ وَحْدَهُ, فَأَمَرَهُ أَنْ يُعِيدَ الصَّلَاةَ. رَوَاهُ أَحْمَدُ, وَأَبُو دَاوُدَ, وَالتِّرْمِذِيُّ وَحَسَّنَهُ, وَصَحَّحَهُ اِبْنُ حِبَّانَ.

احمد: ۲۲۸/۴، ابو داود، کتاب الصلاۃ، باب الرجل يصلي وحده خلف الصف: ۶۸۲، الترمذی: ۲۳۰، ابن حبان: ۲۱۹۸، ۲۱۹۹، الطبرانی: ۲۲ (۳۷۲)، الدارمی: ۲۳۷/۱

۴۱۴: حضرت وابصہ بن معبد رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص کو صف کے پیچھے تنہا نماز پڑھتے ہوئے دیکھا اور اسے حکم دیا کہ وہ نماز دوبارہ پڑھے۔اسے احمد، ابوداؤد اور ترمذی نے روایت کیا ہے، ترمذی نے اسے حسن اور ابن حبان نے صحیح قرار دیا ہے۔

تشریح: اگر کوئی منفرد شخص امام کے پیچھے کھڑا ہو کر ایک رکعت یا اس سے زیادہ پڑھتا ہے تو ایسے شخص کی نماز ہوگی یا نہیں؟ اس بارے میں دوسری صدی ہجری سے اختلاف چلا آ رہا ہے، جیسا کہ امام ترمذی فرماتے ہیں وقد كره قوم...... وكيع، علما کے ایک گروہ کا کہنا ہے کہ جو شخص صف کے پیچھے تنہا نماز پڑھے اسے دوبارہ نماز پڑھنی چاہیے، امام احمد اور امام اسحاق کا یہی قول ہے، علما کے دوسرے گروہ کا کہنا ہے کہ ایسے شخص کی نماز ہو جائے گی، یہ قول سفیان ثوری، عبداللہ بن مبارک اور امام شافعی کا ہے، جبکہ اہل کوفہ کے علما کی ایک بڑی تعداد نے حضرت وابصہ رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث کی روشنی میں یہ کہا ہے کہ ایسے شخص کی نماز نہیں ہوگی لہٰذا اسے دوبارہ پڑھنی چاہیے، حماد بن سلیمان، ابن ابی لیلیٰ اور امام وکیع بن جراح کا شمار انہیں علما میں ہوتا ہے۔

امام ترمذی نے مجوزین صلاۃ میں اگرچہ امام ابوحنیفہ کا نام ذکر نہیں کیا تاہم صحیح یہی ہے کہ امام ابوحنیفہ اور ان کے تلامذہ کا یہ کہنا ہے کہ ایسے شخص کی نماز ہو جائے گی، امام طحاوی نے حنفی ہونے کے باوجود اس مسئلہ پر جو نفیس بحث کی ہے وہ قابل دید و سماعت ہے، موصوف فرماتے ہیں فذهب قوم...... عنه، ان آثار کی روشنی میں ایک گروہ کا کہنا ہے کہ جو شخص صف کے پیچھے تنہا نماز پڑھتا ہے اس کی نماز باطل ہے جبکہ دوسرے گروہ کا کہنا ہے کہ جو ایسا کرے گا وہ برا کرے گا تاہم اس کی نماز ہو جائے گی۔

یہ مسئلہ اگرچہ مختلف فیہ ہے تاہم تبع تابعین کی اکثریت اس طرف گئی ہے کہ صف کے پیچھے تنہا نماز پڑھنے والے کی نماز نہیں ہوتی بلکہ امام ابوبکر بن ابی شیبہ کے دور میں سوائے امام ابوحنیفہ اور ان کے تلامذہ کے دیگر تمام علمائے کوفہ اس مسئلہ پر متفق ہو گئے تھے جیسا کہ امام ابو بکر بن ابی شیبہ نے اپنی معروف کتاب مصنف ابن ابی شیبہ کے آخر میں کتاب الرد علی ابی حنیفة قائم کر کے اس کے تحت حضرت وابصہ بن معبد اور حضرت عثمان بن شیبان رضی اللہ عنہما سے مروی دو مرفوع احادیث نقل کی ہیں جن میں یہ صراحتاً مذکور ہے کہ امام کے پیچھے تنہا صف میں کھڑے ہو کر نماز پڑھنے والے کی نماز نہیں ہوتی، پھر امام ممدوح فرماتے ہیں کہ ابوحنیفہ اس کے برخلاف یہ فتویٰ دیتے ہیں کہ اس کی نماز ہو جائے گی۔

ان احادیث کی صحت یا عدم صحت سے قطع نظر امام ابوبکر بن ابی شیبہ کے انداز تحریر سے یہ حقیقت تو عیاں ہوتی ہے کہ امام ابوحنیفہ اور ان کے مقلدین کے علاوہ دیگر تمام علمائے کوفہ نے ان احادیث کی روشنی میں یہ تسلیم کر لیا تھا کہ صف کے پیچھے اکیلے نماز پڑھنے والے کی نماز نہیں ہوتی، اس وقت سے لے کر عصر حاضر تک تمام علمائے اصحاب الحدیث اس کے قائل و فاعل چلے آ رہے ہیں، البتہ عصر حاضر میں بعض

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

اصحاب الحدیث نے یہ کہنا شروع کر دیا ہے کہ یہ احادیث ضعیف ہیں اس لیے اگلی صف سے آدمی نہ کھینچا جائے کیونکہ اس صورت سے صف کا انقطاع لازم آتا ہے جو کہ ممنوع ہے لہٰذا مقتدی اکیلا صف کے پیچھے اپنی صف بنا کر نماز پڑھ لے یا پھر وہ امام کے ساتھ کھڑا ہو جائے۔

واضح رہے کہ امام اگر مرد ہے تو وہ تنہا ایک صف ہے، لہٰذا بغیر شرعی عذر کے مقتدی اس کے ساتھ کھڑا نہیں ہوسکتا۔اس حدیث پر نقد و جرح حضرت طلق بن علی رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث کے ضمن میں ملاحظہ فرمائیں۔

۴۱۵: وَلَهُ عَنْ طَلْقِ بن علی رضی اللہ عنہ " لَا صَلَاةَ لِمُنْفَرِدٍ خَلْفَ الصَّفِّ " وَزَادَ الطَّبَرَانِيُّ مِنْ حَدِيثِ وَابِصَةَ رضی اللہ عنہ " أَلَا دَخَلْتَ مَعَهُمْ أَوْ اِجْتَرَرْتَ رَجُلًا؟"

صحیح ابن حبان، کتاب الصلاة، باب فرض متابعة الامام: ۲۲۰۱ ـ ۲۲۰۳، ابن خزیمة: ۱۵۶۹، ابن ماجة: ۱۰۰۳، احمد: ۲۳/۴، ابن سعد: ۵۵۱/۵، شرح معانی الآثار: ۳۹۴/۱، المحلی: ۵۳/۴، مصباح الزجاجة: ۳۳۹/۱، الارواء: ۳۲۹/۲، التنقیح: ۱۳۸/۲، المعجم الکبیر للطبرانی: ۱۴۶/۲۲، البیهقی: ۱۰۵/۳، ابویعلی: ۱۶۲/۳

تنبیہ: المعجم الکبیر کے مطبوعہ نسخہ میں یہ عبارت اس طرح ہے الا تکون و صلت صفا فدخلت معهم او اجتررت رجلا الیک ان ضاق بک المکان

۴۱۵: ابن حبان نے طلق بن علی رضی اللہ عنہ کے حوالے سے نقل کیا ہے کہ " اکیلے آدمی کی صف کے پیچھے نماز نہیں ہوتی۔" امام طبرانی نے حضرت وابصہ رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث کے آخر میں مزید یہ الفاظ بھی نقل کئے ہیں کہ " تم ان کے ساتھ شامل کیوں نہیں ہوئے، یا ان میں سے کسی آدمی کو پیچھے کیوں نہیں کھینچا؟"

تشریح: یہ حدیث علی بن شیبان سے منقول ہے، ممدوح بنی حنیفہ کے اس وفد میں شامل تھے جو رحمت عالم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا تھا، یہ کہتے ہیں کہ ہم نے نبی کریم ﷺ کی اقتدا میں نماز ادا کی، آپ ﷺ نے نماز سے فارغ ہونے کے بعد ایک شخص کو صف کے پیچھے تنہا نماز پڑھتے ہوئے دیکھا تو آپ ﷺ اس کے قریب ٹھہر گئے جب وہ شخص نماز سے فارغ ہوا تو آپ ﷺ نے فرمایا: "نماز دوبارہ پڑھ کیونکہ اکیلے آدمی کی نماز نہیں ہوتی۔" امام بوصیری نے اس روایت کو مصباح الزجاجہ میں صحیح قرار دیا ہے، علامہ ناصر الدین البانی نے الارواء میں بوصیری کی تحقیق پر مہر تصدیق ثبت کی ہے، امام ابن حزم، ابوبکر بن ابی شیبہ اور ابن نمیر نے ملازم بن عمرو کو ثقہ قرار دیا ہے، عبداللہ بن بدر بالاتفاق ثقہ ہے جبکہ عبدالرحمٰن بن علی کو امام العجلی، امام ابن حبان اور امام ابن حزم وغیرہم نے ثقہ تسلیم کیا ہے۔

امام ابن خزیمہ اور امام ابن حبان نے اس روایت کو صحیح کہا ہے، جبکہ ابن عبدالهادی نے التنقیح میں اس حدیث کی سند کو قوی کہا ہے۔اس حدیث کا جواب دیتے ہوئے علامہ کوثری حنفی نے عبداللہ بن ادریس پر جرح نقل کی ہے لیکن یہ جرح مردود ہے کیونکہ عبداللہ بن ادریس صحاح ستہ کا راوی ہے اور اسے تمام نامور ماہرین فن نے ثقہ قرار دیا ہے، پھر حصین سے روایت کرنے میں اس کے متابع موجود ہیں۔مثلاً ابوالاحوص (ترمذی) ہشیم (صحیح ابن حبان ، المعجم الکبیر للطبرانی) جریر (للطبرانی) زهیر (للطبرانی) زائدہ (للطبرانی) الحسن بن صباح (للطبرانی) خالد (للطبرانی) شریک (للطبرانی) سفیان (الحمیدی) عبثر بن قاسم (الدارمی)۔علامہ کوثری نے حصین بن عبدالرحمٰن پر جرح کرتے ہوئے امام البزار کا یہ قول نقل کیا ہے۔

حصین لم یکن بالحافظ فلا یحتج بحدیثه فی حکم یعنی حصین حافظ نہیں تھے اس لیے ان سے مروی احادیث احکام میں حجت کا درجہ نہیں رکھتیں۔نیز امام بخاری، امام عقیلی اور امام ابن عدی نے انہیں ضعفاء میں شمار کیا ہے۔

حصین بن عبدالرحمٰن کو حافظ تسلیم نہ کرنا درست نہیں کیونکہ امام احمد بن حنبل فرماتے ہیں، حصین ثقة مامون من کبار اصحاب

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

الحدیث (تذکرۃ الحفاظ: ۱/ ۱۴۴) یعنی حصین قابل اعتبار ثقہ آدمی ہیں، آپ کا شمار بڑے بڑے محدثین میں ہوتا ہے، یہ کہنا درست نہیں کہ اس سے مروی احادیث کو بطور حجت نہ لیا جائے کیونکہ ابن ابی حاتم بیان کرتے ہیں سألت ابازرعة عن حصین بن عبدالرحمن فقال ثقه، قلت، یحتج بحدیثه؟ قال ای واللہ(الجرح و التعدیل: ۳/ ۱۹۳)

میں نے امام ابوزرعہ سے حصین بن عبدالرحمٰن کے بارے میں دریافت کیا، انہوں نے فرمایا کہ وہ ثقہ ہیں۔ میں نے کہا، کیا ان سے مروی حدیث کو بطور حجت لیا جا سکتا ہے؟ انہوں نے کہا، ہاں کیوں نہیں۔

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں متفق علیه الاحتجاج به(مقدمة فتح الباری : ۳۹۸)

جہاں تک حصین بن عبدالرحمٰن کے حافظہ کے متغیر ہونے کی بات ہے تو یہ درست ہے کہ آخری عمر میں ان کا حافظہ متغیر ہو گیا تھا لیکن اس سے ان کی اس حدیث پر کوئی اثر نہیں پڑتا کیونکہ ان سے یہ روایت ان کے کچھ ایسے تلامذہ نے بھی بیان کی ہے جنہوں نے ان سے تغیر حافظہ سے پہلے سنی ہے جیسا کہ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں، فاما شعبة، والثوری و زائدہ و ھشیم و خالد فسمعوا منه قبل تغیرہ (مقدمة فتح الباری: ۳۹۸) یعنی امام شعبہ، امام سفیان ثوری، امام زائدہ، امام ہشیم اور امام خالد نے ان سے احادیث ان کے حافظہ متغیر ہونے سے پہلے سنی ہیں۔

زیر مطالعہ حدیث، حصین بن عبدالرحمٰن سے ان کے کم از کم چار (ثوری، زائدہ، ہشیم، خالد) ایسے تلامذہ بیان کرتے ہیں جنہوں نے ان سے حافظہ متغیر ہونے سے پہلے سنی ہیں۔ لہٰذا متغیر حافظہ والی جرح غیر مؤثر ہے۔ پھر وہ یہ روایت ہلال بن یساف سے تنہا بیان نہیں کرتے بلکہ ان کے متابع بھی موجود ہیں جیسا کہ امام عبدالرزاق، ابن الجارود اور طبرانی نے ثوری عن معمر عن منصور عن ہلال بن یساف کے طریق سے نقل کیا ہے۔(المعجم الکبیر للطبرانی: ۲۲/ ۱۴۱، حدیث نمبر: ۳۷۵، مصنف عبدالرزاق، کتاب الصلاۃ، باب الرجل یقوم وحدہ فی الصف، ابن الجارود: ۳۱۹)

امام طبرانی، امام طحاوی، امام ترمذی، امام ابوداؤد اور امام بیہقی وغیرہم نے یہ حدیث شعبہ عن عمرو بن مرۃ عن ہلال بن یساف کے طریق سے نقل کی ہے۔(ترمذی، ابواب الصلاۃ، باب ماجاء فی الصلاۃخلف الصف وحدہ، المعجم الکبیر للطبرانی: ۲/ ۱۴۰) امام طبرانی اور امام احمد نے شمر بن عطیہ عن ہلال کے طریق سے بھی یہ روایت نقل کی ہے(المعجم الکبیر للبطرانی: ۲۲/ ۱۴۳، مسند احمد: ۴/ ۲۲۸)

ہلال بن یساف کے بارے میں کوثری حنفی نے لکھا ہے کہ ہلال نے وابصہ سے نہیں سنا، موصوف کا یہ کہنا درست نہیں کیونکہ امام ترمذی کی نقل کردہ روایت سے یہ عیاں ہو رہا ہے کہ ہلال نے وابصہ سے سنا ہے۔ الشیخ احمد شاکر تعلیق علی السنن الترمذی میں فرماتے ہیں، قوله والشیخ یسمع، جملة معترضة یرید به ان زیاداً حدثه بالحدیث عن وابصة بن معبد بحضرته و سمعه فلم ینکر علیه (تعلیق علی السنن الترمذی:۱/ ۴۴۵) الشیخ یسمع جملہ معترضہ ہے جس کے ذریعے ہلال بن یساف یہ واضح کرنا چاہتے ہیں کہ زیاد نے انہیں یہ حدیث وابصہ بن معبد کی مجلس میں سنائی اور حضرت وابصہ رضی اللہ عنہ نے ہلال کے الفاظ سنے اور اس پر کوئی نکیر نہیں فرمائی۔

کوثری حنفی نے اس حدیث پر چوتھا اعتراض یہ کیا ہے کہ یہ حدیث مضطرب الاسناد ہے۔ موصوف کا یہ کہنا بھی درست نہیں جیسا کہ امام ابن حبان فرماتے ہیں، قال ابوحاتم سمع هذا الخبر هلال بن یساف عمرو بن راشد عن وابصة بن معبد و سمعه

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

من زياد بن ابی الجعد عن وابصة و الطريقان جميعاً محفوظان (صحيح ابن حبان ، كتاب الصلاة ، باب فرض متابعة الامام : ۵/۵۷۸) یہ حدیث ہلال نے عمرو بن راشد کے واسطہ سے اور زیاد بن ابی الجعد کے واسطہ سے حضرت وابصۃ بن معبد رضی اللہ عنہ سے سنی ہے اور دونوں طرق محفوظ ہیں۔

اسی طرح اس روایت کا ایک تیسرا طریق بھی محفوظ ہے جسے ہلال بن یساف نے حضرت وابصۃ بن معبد رضی اللہ عنہ سے بلا واسطہ نقل کیا ہے، گویا یہ روایت حضرت وابصۃ رضی اللہ عنہ سے تین طرق سے مروی ہے اور تینوں محفوظ ہیں

اب وابصۃ بن معبد سے مروی حدیث کے بارے میں محدثین کے تبصرے پیش خدمت ہیں۔

امام ترمذی نے اس حدیث کو حسن اور امام ابن حبان نے صحیح قرار دیا ہے۔ علامہ احمد شاکر نے بھی اس حدیث کو صحیح کہا ہے۔ علامہ سندھی نے لکھا ہے کہ بوصیری حنفی نے اس حدیث کی سند کو صحیح اور اس کے رجال کو ثقہ کہا ہے، حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے امام اثرم کے توسط سے امام احمد سے اس حدیث کی تحسین نقل کی ہے۔

علامہ عبدالرحمٰن مبارکپوری نے تحفہ الاحوذی میں علامہ ابن سید الناس شارح ترمذی کے متعلق لکھا ہے کہ انہوں نے اس حدیث کے رواۃ کو معروف قرار دیا ہے، نیز انہوں نے لکھا ہے کہ حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے فتح الباری میں لکھا ہے کہ امام احمد اور امام خزیمہ وغیرہما نے حدیث وابصہ کو صحیح قرار دیا ہے۔ (تحفة الاحوذی : ۱/ ۱۹۴)

امام بخاری نے صحیح بخاری میں مذکورہ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث سے پہلے یہ باب قائم کیا ہے، "باب المرأة وحدها تكون صفاً" یعنی تنہا عورت ایک صف ہے۔ امام بخاری کے اس انداز سے یہ عیاں ہوتا ہے کہ وہ بھی اس بات کے قائل ہیں کہ مرد مقتدی تنہا صف نہیں ہوسکتا، کیونکہ اگر ایسا ہوتا تو وہ یقیناً اس حدیث کو ذکر کرنے سے پہلے اس طرح باب قائم کرتے باب المؤتم وحدہ یکون صفا یعنی تنہا مقتدی بھی ایک صف ہے۔

عصر حاضر کے محقق علامہ شعیب الارناؤط نے حضرت وابصہ بن معبد رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث کے دو طریق کو حسن اور ایک کو صحیح کہا ہے۔ (تعليق على ابن حبان : ۵/۵۷۸)

فقہی احکام: (۱) صف کے پیچھے اکیلے آدمی کی نماز نہیں ہوتی۔ (۲) اگلی صف سے آدمی کھینچا جا سکتا ہے۔

۴۱۶: وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضی اللہ عنہ عَنِ النَّبِيِّ صلی اللہ علیہ وسلم قَالَ " إِذَا سَمِعْتُمُ الْإِقَامَةَ فَامْشُوا إِلَى الصَّلَاةِ ,وَعَلَيْكُمُ السَّكِينَةُ وَالْوَقَارُ , وَلَا تُسْرِعُوا ,فَمَا أَدْرَكْتُمْ فَصَلُّوا ,وَمَا فَاتَكُمْ فَأَتِمُّوا " مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ ,وَاللَّفْظُ لِلْبُخَارِيِّ.

البخاری، کتاب الآذان، باب لا يسعى الى الصلاة و ليأت بالسكينة و الوقار: ۶۳۶، مسلم: ۶۰۲، ابوداود: ۵۷۲، الترمذی: ۳۲۷، النسائی: ۲/۱۱۴، احمد: ۲/۵۳۲، البیهقی: ۳/۹۳، ۹۵، ابن حبان: ۲۱۴۶۔۲۱۴۸

۴۱۶: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل کیا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "جب تم اقامت سنو تو نماز کی طرف سکون اور وقار سے چلو، جلد بازی کا مظاہرہ مت کرو، جو پالو وہ پڑھ لو اور جو نکل جائے وہ پوری کرلو۔" بخاری ومسلم، مذکورہ الفاظ بخاری کے ہیں۔

لغوی تحقیق: السكينة: یہ سکن سے ماخوذ ہے یعنی طمانیت۔ الوقار: یہ سکینۃ کے معنی میں بھی استعمال ہوتا ہے اور حلم کے معنی میں بھی مستعمل ہے۔

تشریح: تکبیر تحریمہ کے وقت نماز میں شریک ہونا بڑی فضیلت کا باعث ہے، بایں سبب حتیٰ المقدور اقامت شروع ہونے سے پہلے

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

مسجد میں پہنچنے کی کوشش کرنی چاہیے، تاہم کسی وجہ سے اگر کبھی تاخیر ہو جائے تو پھر تکبیر اولیٰ یا رکعت کو حاصل کرنے کے لیے دوڑ کر نماز مین شریک نہیں ہونا چاہیے، بلکہ معمول کے مطابق اطمینان سے شریفانہ چال چلتے ہوئے نماز میں شریک ہونا چاہیے، اور وہی ہیت اختیار کر لینی چاہیے جس حالت میں امام ہو، اگر نماز کی کوئی رکعت فوت ہو جائے تو وہ رکعت بعد میں ادا کر لی جائے، ان امور پر تمام فقہا کا اتفاق ہے۔

اگر قیام فوت ہو جائے تو پھر وہ رکعت دوبارہ پڑھنی چاہیے یا نہیں؟ اس بارے میں اختلاف ہے، لیکن درست بات یہی ہے کہ وہ رکعت دوبارہ پڑھی جائے، کیونکہ قیام کے فوت ہونے کی وجہ سے دو ارکان (قیام اور فاتحہ) کا فقدان لازم آتا ہے۔ نیز اس بارے میں بھی اختلاف پایا جاتا ہے کہ رکوع یا اس کے بعد نماز میں داخل ہونے والا شخص فقط تکبیر تحریمہ کہہ کر اس ہیت میں چلا جائے جس ہیت میں امام ہو یا اسے تکبیر انتقال بھی کہنا ہوگی؟ اس بارے میں تیسرا اختلاف یہ پایا جاتا ہے کہ مقتدی امام کے ساتھ پڑھی گئیں رکعات کو اپنی پہلی رکعات شمار کرے گا یا آخری رکعات؟

احناف اور بعض اہل حدیث علما کے نزدیک مقتدی کی آخری رکعات شمار ہوں گی، جبکہ شوافع اور جمہور اہل حدیث کے نزدیک پہلی رکعات شمار ہوں گی، مؤخر الذکر مؤقف کی تائید درج ذیل آثار سے ہوتی ہے۔ (۱) حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے وہ فرماتے ہیں کہ جو رکعت تم نے امام کے ساتھ پائی وہ تمہاری پہلی رکعت ہوگی۔ یہ روایت ابو اسحاق کے عنعنہ اور حارث کے ضعیف ہونے کی وجہ سے ضعیف ہے، البتہ اس اثر کو قتادہ سے مروی مرسل روایت کی تائید حاصل ہے۔

(۲) حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے بھی حضرت علی رضی اللہ عنہ کے قول کی طرح منقول ہے، لیکن یہ قول بھی ایوب کے عنعنہ کی وجہ سے ضعیف ہے۔

(۳) حضرت عمر بن خطاب اور حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہما سے بھی اسی طرح منقول ہے، لیکن یہ آثار بھی ضعیف ہیں کیونکہ اس روایت کی سند میں معروف مدلس ولید بن مسلم ہے، یہاں ولید بن مسلم نے اگرچہ اپنے شیخ اسماعیل سے سماع کی صراحت کی ہے لیکن وہ چونکہ تدلیس تسویہ کا ارتکاب کرتے تھے اس لیے ان کی محض اپنے شیخ سے سماع کی صراحت صحت روایت کے لیے ناکافی ہے۔

(۴) امام اوزاعی، سعید بن عبدالعزیز اور سعید بن مسیّب بھی اسی مؤقف کے حامی ہیں۔

جو حضرات مقدم الذکر مؤقف کے قائل ہیں وہ اپنے مؤقف کے مطابق عمل نہیں کرتے یعنی پہلی رکعت کا اختتام سجدوں پر ہوتا ہے، اس لیے اس مؤقف کے حاملین کو چاہیے کہ جب ان کی ایک رکعت فوت ہو جائے تو وہ اپنی نماز کا اختتام سجدوں پر کریں حالانکہ وہ ایسا نہیں کرتے، کیونکہ وہ بھی سجدوں کے بعد تشہد میں بیٹھتے ہیں، تشہد اور درود کے بعد سلام پھیرتے ہیں۔

فقہی احکام: (۱) نماز کیلئے وقار اور طمانیت کے ساتھ چل کر آنا چاہیے۔ (۲) نماز میں شامل ہوتے ہی امام کی متابعت اختیار کر لینی چاہیے۔ (۳) جو نماز رہ جائے اس کی ادائیگی بعد میں کر لی جائے۔ (۴) امام کے ساتھ ملنے والی رکعات کو پہلی رکعات شمار کیا جائے۔

۴۱۷: وَعَنْ أُبَيِّ بْنِ كَعْبٍ رضی اللہ عنہ قَالَ، قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صلی اللہ علیہ وسلم "صَلَاةُ الرَّجُلِ مَعَ الرَّجُلِ أَزْكَى مِنْ صَلَاتِهِ وَحْدَهُ, وَصَلَاتُهُ مَعَ الرَّجُلَيْنِ أَزْكَى مِنْ صَلَاتِهِ مَعَ الرَّجُلِ, وَمَا كَانَ أَكْثَرَ فَهُوَ أَحَبُّ إِلَى اللَّهِ عزوجل" رَوَاهُ أَبُو دَاوُدَ, وَالنَّسَائِيُّ, وَصَحَّحَهُ ابْنُ حِبَّانَ

ابوداود، ابواب الصلاة، باب فی فضل صلاة الجماعة: ۵۵۴، النسائی: ۲/۱۰۴، احمد: ۵/۱۴۰، ابن حبان: ۲۰۵۶، الدارمی: ۱/۲۳۵، ابن خزیمة: ۱۴۷۷، عبدالرزاق: ۲۰۰۴، الحاکم: ۱/۲۴۷، ۲۴۸

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

۴۱۷: حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "ایک شخص کا دوسرے شخص کے ساتھ مل کر نماز پڑھنا اس کے تنہا نماز پڑھنے سے کہیں زیادہ اجر و ثواب کا باعث ہے، اور اس کا دو آدمیوں کے ساتھ مل کر نماز پڑھنا اس کے ایک آدمی کے ساتھ مل کر نماز پڑھنے سے بہتر ہے، اسی طرح جتنے افراد زیادہ ہوں اتنا ہی وہ عمل اللہ کو زیادہ محبوب ہے۔" اسے ابوداؤد، نسائی اور ابن حبان نے روایت کیا ہے اور ابن حبان نے صحیح قرار دیا ہے۔

لغوی تحقیق: ازکی: زیادہ پاکیزہ یعنی زیادہ اجر و ثواب کا باعث۔

تشریح: اس حدیث سے یہ واضح ہوا کہ دو آدمی بھی مل کر جماعت کروا سکتے ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے ایسا عمل بھی ثابت ہے جیسا کہ حضرت عبداللہ بن عباس، حضرت انس اور حضرت جابر رضی اللہ عنہم سے مروی روایات میں مذکور ہے۔ اس حدیث سے دوسری بات یہ ثابت ہوئی کہ جس نماز کو جس قدر زیادہ آدمی مل کر ادا کریں گے وہ اس قدر زیادہ ثواب کی موجب ہوگی۔

۴۱۸: وَعَنْ أُمِّ وَرَقَةَ رضی اللہ عنہا عَنْهَا أَنَّ النَّبِيَّ صلی اللہ علیہ وسلم أَمَرَهَا أَنْ تَؤُمَّ أَهْلَ دَارِهَا. رَوَاهُ أَبُو دَاوُدَ, وَصَحَّحَهُ ابْنُ خُزَيْمَةَ.

ابن خزيمة، كتاب الصلاة، باب امامة المرأة النساء في الفريضة: ١٦٧٦، ابوداود: ٥٩١، ٥٩٢، الدارقطني: ١/ ٤٠٣، احمد: ٦/ ٤٠٥، الحاكم: ١/ ٣٢٠، البيهقي: ١/ ٤٠٨، ١٣١/٤، عبدالرزاق: ١٤٠/٣، ١٤١، مصنف ابن ابي شيبة: ١/ ٥٣٦، المحلى: ٢١٩/٤، المجموع: ١١٩/٤، الخلاصة: ٢/ ٤٨٠، بيان الوهم والايهام: ٢٢٥٨، معرفة السنن و الآثار: ٢/ ٤١٠، الطبراني: ١٣٥/٢٥

تنبیہ: امام زیلعی نے نصب الرایۃ میں لکھا ہے کہ ابن قطان نے ولید بن جمیع اور عبدالرحمٰن بن خلاد کو مجہول الحال لکھا ہے، جبکہ امام ابن قطان نے ولید کی دادی اور عبدالرحمٰن بن خلاد کو مجہول الحال لکھا ہے۔ حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے تہذیب التہذیب میں لکھا ہے کہ حدیث اُم ورقہ کو امام دارقطنی نے اپنی سنن میں حسن کہا ہے جبکہ دارقطنی کی سنن کے مطبوعہ نسخہ میں امام دارقطنی کی تحسین مذکور نہیں۔

۴۱۸: حضرت اُم ورقہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں اپنے گھر والوں کی امامت کرنے کا حکم فرمایا تھا۔ اسے ابوداؤد نے روایت کیا ہے اور ابن خزیمہ سے صحیح کہا ہے۔

لغوی تحقیق: تؤم: واحد مؤنث غائب کا صیغہ ہے یعنی وہ امامت کرائے۔ اھل دار: لفظ اہل، عزیز و اقارب اور بیوی وغیرہ کی لیے مستعمل ہے۔ اور لفظ دار گھر اور محلّہ دونوں پر دلالت کرتا ہے، اس لیے اس مرکب سے گھر اور محلے کے جملہ افراد مراد لیے جا سکتے ہیں مگر یہاں مراد گھر کی خواتین ہیں کیونکہ طبرانی میں یہ صراحت مذکور ہے کہ انہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے اپنے گھر میں نماز کے لیے ایک جگہ مختص کرنے کی اجازت طلب کی تھی جس پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں اجازت عنایت فرما دی۔

تشریح: حضرت اُم ورقہ رضی اللہ عنہا سے یہ روایت عبدالرحمٰن بن خلاد اور لیلیٰ بنت مالک نقل کرتے ہیں، امام ابن قطان ان دونوں کے بارے میں فرماتے ہیں" فان حال عبدالرحمن بن خلاد مجهول وهو كوفي و جدة الوليد كذالك لا تعرف اصلاً" عبدالرحمٰن بن خلاد مجہول ہے، اس طرح ولید بن عبداللہ بن جمیع کی دادی (لیلیٰ بنت مالک) بھی معروف نہیں ہے۔ اس روایت کا انحصار چونکہ ان دونوں پر ہی ہے یہ دونوں مجہول ہیں، لہٰذا یہ روایت ضعیف ہے۔ خواتین کی امامت سے متعلق روایات حضرت اسماء بنت ابی بکر، حضرت عائشہ، حضرت ام سلمہ اور حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہم سے بھی منقول ہے۔

حضرت اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "عورتوں کے لیے نہ تو اذان ہے اور نہ اقامت، نہ جمعہ

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ہے اور نہ جمعہ کے روز غسل اور نہ ان کی امام ان سے آگے کھڑی ہو سکتی ہے، البتہ صف کے درمیان میں کھڑی ہو کر امامت کے فرائض ادا کر سکتی ہے۔ یہ روایت حکم بن عبداللہ بن سعد کی وجہ سے موضوع کے قریب تر ہے۔ حضرت عطا کہتے ہیں کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اذان پڑھتی تھیں اور اقامت کہتی تھیں اور عورتوں کی امامت ان کی صف کے درمیان میں کھڑے ہو کر کراتی تھیں۔ اس روایت کی سند میں لیث سے مراد لیث بن ابی سلیم ہے جیسا کہ معرفۃ السنن میں صراحتاً مذکور ہے۔ لہٰذا یہ روایت لیث بن ابی سلیم کی وجہ سے ضعیف ہے۔

ریطہ حنفیہ بیان کرتی ہیں کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا خواتین کو فرض نماز پڑھاتیں اور وہ ان کی صف کے درمیان میں کھڑی ہوتی تھیں۔ یہ روایت سفیان ثوری کے عنعنہ اور ریطہ کے مجہولہ ہونے کی وجہ سے ضعیف ہے۔

امام عبدالرزاق نے یحییٰ بن سعید کے طریق سے نقل کیا ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا خواتین کی امامت نوافل میں ان کے ساتھ کھڑے ہو کر کراتی تھیں۔ اس روایت کو اگرچہ امام نووی نے صحیح الاسناد قرار دیا ہے مگر حقیقتاً ایسا نہیں ہے، کیونکہ عمار دھنی یہ روایت حجیرۃ بنت حصین سے نقل کرتے ہیں اور وہ مجہولہ ہیں۔ لہٰذا یہ روایت بھی ضعیف ہے۔

امام ابوبکر ابی شیبہ نے ام الحسن کے طرق سے نقل کیا ہے، وہ کہتی ہیں کہ انہوں نے حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کو دیکھا وہ خواتین کی امامت ان کی صف میں کھڑے ہو کر کراتی تھیں۔ یہ روایت منقطع ہے۔ البتہ امام ابن حزم نے اسے موصولاً نقل کیا ہے، مگر وہ طریق بھی ضعیف ہے، کیونکہ یحییٰ بن سعید اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے مابین زیاد بن لاحق کا واسطہ ہے اور وہ مجہول ہے۔

امام بیہقی اور امام عبدالرزاق وغیرہما نے عمار دھنی کے طریق سے حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے نقل کیا ہے کہ وہ خواتین کی امامت صف کے درمیان کھڑے ہو کر کراتی تھیں۔ امام نووی نے اس روایت کو صحیح قرار دیا ہے اور الشیخ خالد بن ضیف الشلاحی نے اس روایت کی سند کو سونے کی زنجیر کی مثل قرار دیا ہے مگر حقیقتاً ایسا نہیں ہے کیونکہ یہ روایت قتادہ کے عنعنہ کی وجہ سے ضعیف ہے۔

امام عبدالرزاق نے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کیا ہے، وہ کہتے ہیں کہ عورت خواتین کی امامت ان کی صف میں کھڑی ہو کر کرائے۔ یہ روایت ابراہیم بن محمد کی وجہ سے موضوع کے قریب تر ہے۔ درج بالا بیانات سے یہ واضح ہو کہ عورت کی امامت سے متعلق کوئی بھی مرفوع یا موقوف روایت ایسی نہیں جسے بطور حجت اختیار کیا جا سکے۔

۴۱۹: وَعَنْ أَنَسٍ رضی اللہ عنہ أَنَّ النَّبِيَّ صلی اللہ علیہ وسلم اِسْتَخْلَفَ اِبْنَ أُمِّ مَكْتُومٍ ,يَؤُمُّ النَّاسَ ,وَهُوَ أَعْمَى رَوَاهُ أَحْمَدُ ,وَأَبُو دَاوُدَ.

ابوداود، ابواب الصلاۃ، باب امامۃ الاعمیٰ: ۵۹۵، احمد: ۱۳۲/۳، البیہقی: ۸۸/۳، عبدالرزاق: ۳۸۲۸۔ ۳۸۳۰، معرفۃ السنن و الآثار: ۳۷۱/۲، صحیح ابن حبان: ۲۱۳۴، ۲۱۳۵

۴۱۹: حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ابن اُم مکتوم کو اپنا جانشین مقرر فرمایا اور وہ لوگوں کی امامت کراتے تھے جبکہ وہ بینائی سے محروم تھے۔ اسے احمد اور ابوداؤد نے روایت کیا ہے۔

تشریح: عمران بن داور القطان کے علاوہ اس روایت کے جملہ رواۃ ثقہ ہیں جبکہ عمران القطان مختلف فیہ ہے۔ عمران القطان کے مختلف فیہ ہونے کے ساتھ ساتھ اس روایت میں ایک اور علت بھی ہے، یعنی حضرت انس رضی اللہ عنہ سے یہ روایت فقط قتادہ نقل کرتے ہیں، موصوف اگرچہ ثقہ ہیں لیکن وہ چونکہ مدلس ہیں اور روایت عنعنہ ہے، اس لیے فی نفسہ یہ روایت ضعیف ہے۔

امام عبدالرزاق اور امام ابوبکر بن ابی شیبہ نے شعبی سے مرسلاً نقل کیا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عبداللہ بن اُم مکتوم رضی اللہ عنہ کو غزوۃ تبوک کے موقع پر مدینہ منورہ میں اپنا جانشین مقرر فرمایا تھا اور وہ نابینا ہونے کے باوجود لوگوں کو نماز پڑھاتے تھے۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

امام عبدالرزاق نے سعد بن ابراہیم کے طریق سے مرسلاً نقل کیا ہے کہ آپ ﷺ جب سفر پر جاتے تو عبداللہ بن ام مکتوم کو مدینہ میں اپنا نائب مقرر فرماتے۔حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے صحیح سند سے اسی کی مثل مروی ہے، لہٰذا اس روایت کی تقویت کی وجہ سے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث حسن درجہ سے کم نہیں رہی۔

فقہی احکام: (۱) بینائی سے محروم شخص کو نائب بنایا جا سکتا ہے۔(۲) بینائی سے محروم آدمی کی امامت درست ہے۔

۴۲۰: وَنَحْوُهُ لِابْنِ حِبَّانَ عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهَا.

ابن حبان، کتاب الصلاۃ، باب فرض متابعة الامام: ۲۱۳۴ ، ۲۱۳۵ ، بیھقی: ۸۸/۳، المعجم الاوسط: ۵، ۲۷۴۴، معرفة السنن و الآثار: ۱۴۸۴ـ ۱۴۸۶ ، البخاری: ۴۲۵، صحیح مسلم: ۴۵۵/۱، المجمع: ۶۵/۲

تنبیہ: علامہ ہیثمی نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی حدیث کو مجمع الزوائد ۶۸/۲ میں امام ابو یعلیٰ اور امام طبرانی کے حوالے سے نقل کرنے کے بعد لکھا ہے کہ رجال ابی یعلیٰ رجال صحیح ہیں۔حالانکہ رجال ابی یعلیٰ اور رجال طبرانی ایک ہی ہے۔

۴۲۰: امام ابن حبان نے اسی کی مثل حدیث حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے نقل کی ہے۔

تشریح: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی حدیث کو امام ابن حبان، امام بیہقی، امام ابو یعلیٰ اور امام طبرانی نے ایک ہی طریق سے نقل کیا ہے۔محترمہ فرماتی ہیں کہ نبی مکرم ﷺ نے حضرت عبداللہ بن ام مکتوم رضی اللہ عنہ کو مدینہ پر اپنا نائب مقرر فرمایا وہ لوگوں کو نماز پڑھاتے تھے۔یہ حدیث صحیحین کی شرط کے مطابق ہے، یعنی ہر قسم کے غبار سے پاک ہے۔اسی قسم کی احادیث حضرت محمود بن ربیع اور حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہم سے بھی منقول ہیں۔

حضرت محمود بن ربیع رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ عتبان بن مالک اپنی قوم کی امامت فرماتے تھے درآنحالیکہ وہ نابینا تھے۔اس حدیث کو امام بخاری اور امام مسلم نے بھی روایت کیا ہے۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت عبداللہ بن ام مکتوم رضی اللہ عنہ کو دوبار مدینہ میں اپنا نائب مقرر فرمایا، جبکہ وہ نابینا تھے اور لوگوں کو نماز پڑھاتے تھے۔

اس روایت کو حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے حسن قرار دیا ہے، اس روایت کا حسن ہونا اگر حدیث عائشہ کی وجہ سے ہے تو پھر بلا شبہ یہ روایت حسن ہے ورنہ یہ روایت دو علتوں کی وجہ سے ضعیف ہے۔پہلی علت یہ ہے کہ اس روایت کی سند میں عفیر بن معدان نامی راوی ہے جسے امام نسائی نے ضعیف قرار دیا ہے، اور خود حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے بھی تقریب میں اسے ضعیف کہا ہے۔دوسری علت یہ ہے کہ قتادہ نے عکرمہ سے یہ روایت عن سے نقل کی ہے اور قتادہ معروف مدلس ہے۔

فقہی احکام: وہی ہیں جو سابقہ حدیث سے مستنبط ہوتے ہیں۔

۴۲۱: وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا قَالَ، قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ " صَلُّوا عَلَى مَنْ قَالَ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ, وَصَلُّوا خَلْفَ مَنْ قَالَ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ " رَوَاهُ الدَّارَقُطْنِيُّ بِإِسْنَادٍ ضَعِيفٍ.

الدارقطنی، کتاب الصلاۃ، باب صفة من تجوز الصلاۃ معه و الصلاۃ علیه: ۲/ ۵۵ ــ ۵۷، ابو داود: ۵۹۴، ابن ماجة: ۱۵۲۵ ، الارواء: ۳۰۶/۲، العلل المتناھیة: ۴۷۷/۱، الجرح و التعدیل: ۱۵۷/۶ ، الضعفاء للعقیلی: ۲۶۰ ، ۲۶۱، میزان الاعتدال: ۱۷۷/۴ ، معرفة السنن و الآثار: ۴۰۰/۲

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

۴۲۱: حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "ہر کلمہ گو کی نماز جنازہ پڑھو اور ہر کلمہ گو کی اقتدا میں نماز پڑھو۔" اس روایت کو امام دار قطنی نے ضعیف سند سے روایت کیا ہے۔

تشریح: یہ روایت عبداللہ بن عمر سے متعدد طرق سے مروی ہے اور جمیع طرق سخت ترین ضعیف ہیں، مؤلف رحمۃ اللہ علیہ کے ذکر کردہ طریق میں عثمان بن عبدالرحمٰن نامی راوی ہے، جسے امام یحییٰ بن معین نے جھوٹا، امام ابوحاتم، امام حاکم اور امام بخاری نے متروک الحدیث کہا ہے، دوسرے طریق کا مرکزی راوی ابوالولید مخزومی ہے یہ بھی خود ساختہ روایات کو ثقہ رواۃ کی طرف منسوب کر کے بیان کرتا تھا تیسرے طریق کا مرکزی راوی وھب بن وھب ہے، یہ شخص بھی خود ساختہ روایات بیان کیا کرتا تھا۔

چوتھا طریق محمد بن فضل کے متروک ہونے کی وجہ سے ضعیف ہے۔ اسی طرح کی روایات حضرت ابوہریرہ، حضرت عبداللہ بن مسعود، حضرت علی، حضرت ابودرداء اور حضرت واثلہ بن اسقع رضی اللہ عنہم سے بھی منقول ہے۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی روایت میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "فرض نماز ہر مسلمان کے پیچھے پڑھنا ضروری ہے، خواہ وہ نیکوکار ہو یا فاجر، اگرچہ وہ کبائر کا ارتکاب بھی کرتا ہو۔" یہ روایت حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ اور مکحول کے مابین انقطاع کی وجہ سے ضعیف ہے۔ حضرت ابودرداء رضی اللہ عنہ سے مروی روایت میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "ہر امام کے پیچھے نماز پڑھو۔" یہ روایت ولید بن فضل، عبدالجبار بن حجاج اور مکرم بن حکیم کی وجہ سے ضعیف ہے، ولید جھوٹی روایات بیان کرتا تھا، عبدالجبار کو امام عقیلی نے ضعیف قرار دیا ہے اور مکرم بن حکیم کو امام ازدی نے متروک الحدیث کہا ہے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی روایت میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "اہل قبلہ میں سے جو شخص بھی فوت ہو جائے اس کی نماز جنازہ پڑھو۔" یہ روایت حارث اعور، فرات بن سلیمان، محمد بن علوان اور ابواسحاق کی وجہ سے ضعیف ترین ہے۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "ہر امام کے پیچھے نماز پڑھو، تیری نماز تیرے لیے ہے، اس کا گناہ اس پر ہے اور ہر میت کی نماز جنازہ پڑھو۔" یہ روایت عمر بن صبح کی وجہ سے موضوع کے قریب تر ہے۔

حضرت واثلہ رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "ہر میت کی نماز جنازہ پڑھو۔" یہ روایت حارث بن نبھان اور عتبہ بن یقظان کی وجہ سے ضعیف تر ہے۔

۴۲۲: وَعَنْ عَلِيٍّ رضی اللہ عنہ قَالَ، قَالَ النَّبِيُّ صلی اللہ علیہ وسلم "إِذَا أَتَى أَحَدُكُمُ الصَّلَاةَ وَالْإِمَامُ عَلَى حَالٍ فَلْيَصْنَعْ كَمَا يَصْنَعُ الْإِمَامُ" رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ بِإِسْنَادٍ ضَعِيفٍ.

الترمذی، ابواب الصلاۃ، باب الرجل یدرک الامام ساجداً کیف یصنع: ۵۹۶

۴۲۲: حضرت علی رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "جب تم میں سے کوئی ایک نماز پڑھنے کے لیے آئے تو وہ امام کو جس حال میں پائے (اسی حال میں امام کے ساتھ شامل ہو جائے) وہ وہی کچھ کرے جو کچھ امام کرے۔" امام ترمذی نے اسے ضعیف سند سے روایت کیا ہے۔

تشریح: یہ روایت حجاج بن ارطاۃ کی وجہ سے ضعیف ہے۔ یہ روایت اگرچہ ضعیف ہے مگر اسی مفہوم کی بہت سی صحیح احادیث بھی موجود ہیں، ان میں سے بعض تفصیلاً ذکر کر دی گئی ہیں۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

۱۱۔ بَابُ صَلاةِ الْمُسَافِرِ وَالْمَرِيْضِ مسافر اور مریض کی نماز کا بیان

۴۲۳: عَنْ عَائِشَةَ رضی اللہ عنہا قَالَتْ أَوَّلُ مَا فُرِضَتِ الصَّلَاةُ رَكْعَتَيْنِ ,فَأُقِرَّتْ صَلَاةُ السَّفَرِ وَأُتِمَّتْ صَلَاةُ الْحَضَرِ . مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ وَلِلْبُخَارِيِّ ، ثُمَّ هَاجَرَ ,فَفُرِضَتْ أَرْبَعًا ,وَأُقِرَّتْ صَلَاةُ السَّفَرِ عَلَى الْأَوَّلِ . زَادَ أَحْمَدُ، إِلَّا الْمَغْرِبَ فَإِنَّهَا وِتْرُ النَّهَارِ ,وَإِلَّا الصُّبْحَ ,فَإِنَّهَا تَطُولُ فِيهَا الْقِرَاءَةُ.

البخاری، کتاب تقصیر الصلاۃ، باب یقصر اذا خرج من موضعه: ۱۰۹۰، ۱۰۳۵، مسلم: ۶۸۵، مسند احمد: ۲۶۳۴۲، ۲۶۳۹۸، ابن حبان: ۲۷۳۸، ابن خزیمة: ۱/۱۵۷، شرح معانی الآثار: ۱/۴۱۵

تنبیہ: مؤلف رحمۃ اللہ علیہ نے مسند احمد کے حوالے سے تطول فيها القراءة نقل کیا ہے لیکن مسند احمد کے مطبوعہ نسخہ میں یطول فیھا القراۃ کے الفاظ ہیں۔

۴۲۳: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: آغاز میں تمام نمازوں کی دو دو رکعات فرض کی گئی تھیں (بعد میں) اس نماز کو سفر کی نماز کے طور پر رکھا گیا اور حضر کی نماز مکمل کر دی گئی۔ (بخاری و مسلم) بخاری میں ہے، پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہجرت فرمائی تو چار چار رکعات فرض کر دی گئیں اور پہلی نماز کو سفر کی نماز کے طور پر اختیار کر لیا گیا۔ امام احمد کی بیان کردہ روایت میں یہ الفاظ بھی ہیں ماسوا نماز مغرب کے، کیونکہ وہ دن کے وتر ہیں، اور ماسوا نماز فجر کے، کیونکہ اس میں قراءت طویل ہے۔

لغوی تحقیق: **اقرت**: برقرار رکھی گئی۔ **الحضر**: حاء اور ضاد دونوں مفتوح، یہ سفر کا متضاد ہے۔

تشریح: مؤلف رحمۃ اللہ علیہ نے مسئلہ میں نکھار پیدا کرنے کیلئے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی روایت کے تین طرق نقل کیے ہیں۔ پہلا طریق صحیحین کے حوالے سے نقل کیا گیا ہے، جس سے یہ واضح ہوا کہ آغاز میں تمام نمازوں کی دو دو رکعات فرض کی گئی تھیں۔ اس میں اگرچہ یہ صراحت نہیں کہ یہ فرض کس نے کی ہیں، لیکن یہ بات طے ہے کہ شریعت سازی کا اختیار اللہ تعالیٰ کے پاس ہے، ظاہر ہے کہ جس کے پاس یہ اختیار ہے اس نے فرض کی ہیں، جیسا کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں، سفر کی نماز دو رکعات ہیں یہ حکم آسمان سے نازل ہوا ہے۔ بخاری کے بیان کردہ طریق سے یہ واضح کیا گیا ہے کہ سفر اور حضر کی نماز کا فرق ہجرت نبوی کے بعد رونما ہوا۔ تیسرے طریق کے ذریعے یہ واضح کیا گیا ہے کہ مغرب اور فجر کی نمازیں پہلی حالت میں رہنے دی گئیں۔ یعنی مغرب کی نماز آغاز ہی میں تین رکعات فرض کی گئی تھیں اور بعد میں بھی تین ہی رہنے دی گئیں، کیونکہ یہ دن کی طاق نماز ہے۔ فجر کی نماز میں اضافہ اس لیے نہیں کیا گیا کہ اس میں قراءت طویل ہے۔

تیسرا طریق دونوں سے واضح ہے لیکن یہ طریق ضعیف ہے، کیونکہ امام شعبی کا حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے سماع ثابت نہیں، امام ابن خزیمہ کی بیان کردہ روایت میں اگرچہ یہ انقطاع نہیں ہے لیکن یہ طریق محفوظ نہیں ہے کیونکہ داؤد بن ابی ہند کے تمام ثقہ تلامذہ شعبی عن عائشہ کہتے ہیں جبکہ محبوب بن حسن **حدثنا داؤد عن شعبی عن مسروق عن عائشہ** کہتا ہے، اس کی یہ زیادت اس کی عدم ثقاہت کی وجہ سے مردود ہے، اسی طرح مرجا بن رجاء، داؤد عن شعبی عن مسروق عن عائشہ کہتا ہے، مرجا بن رجاء بھی راجح قول کے مطابق ضعیف ہے۔ نماز صبح کی استثنا کے بغیر یہ روایت حضرت عروۃ بن زبیر نے بھی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے نقل کی ہے اور یہ طریق ہر قسم کے غبار سے پاک ہے۔ لہٰذا متابعات اور کثرت طرق کی وجہ سے زیر مطالعہ روایت حسن درجہ کی ہے۔

سفر میں نماز کا قصر کرنا واجب ہے یا رخصت؟ اس بارے میں فقہا کے مابین اختلاف پایا جاتا ہے جنہوں نے فُرِضَتْ کو حقیقی معنی پر

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

محمول کیا ہے ان کے نزدیک سفر میں نماز کا قصر کرنا واجب ہے۔ جنہوں نے کہا ہے کہ یہاں فُرِضَتْ بمعنی قدرت ہے ان کے نزدیک سفر میں نماز کا قصر کرنا واجب نہیں بلکہ رخصت ہے۔ جو فقہاء رخصت کے قائل ہیں ان میں افضلیت کے بارے میں اختلاف پایا جاتا ہے، بعض کا خیال ہے کہ قصر کرنا افضل ہے جبکہ بعض کا خیال ہے کہ پوری پڑھنا افضل ہے۔

فقہی احکام: سفر میں نماز کا قصر کرنا واجب نہیں، مسنون یا رخصت ہے، البتہ قصر کرنا افضل ہے کیونکہ صحیح حدیث میں ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: "یہ صدقہ ہے، تم اللہ کے صدقہ کو قبول کرو۔"

۴۲۴۔۴۲۵: وَعَنْ عَائِشَةَ رضی اللہ عنہا أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ كَانَ يَقْصُرُ فِي السَّفَرِ وَيُتِمُّ, وَيَصُومُ وَيُفْطِرُ. رَوَاهُ الدَّارَقُطْنِيُّ, وَرُوَاتُهُ ثِقَاتٌ. إِلَّا أَنَّهُ مَعْلُولٌ وَالْمَحْفُوظُ عَنْ عَائِشَةَ مِنْ فِعْلِهَا, وَقَالَتْ إِنَّهُ لَا يَشُقُّ عَلَيَّ. أَخْرَجَهُ الْبَيْهَقِيُّ.

الدارقطني، كتاب الصيام، باب القبلة للصائم: ۱۸۹/۲، معرفة السنن و الآثار: ۱۵۹۲، البخاري: ۱۰۸۰، ۱۰۸۲، السنن الكبرى للبيهقي: ۱۴۱/۳، ۱۴۲، الارواء: ۷/۳، ۸، التنقيح: ۱۱۶۲/۲

۴۲۴۔۴۲۵: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ نبی کریم ﷺ سفر میں کبھی قصر فرماتے اور کبھی پوری پڑھتے، کبھی روزہ رکھتے اور کبھی ترک کرتے۔ اسے دارقطنی نے بیان کیا ہے، اس روایت کے جملہ رواۃ ثقہ ہیں تاہم یہ حدیث ضعیف ہے، محفوظ یہ ہے کہ ایسا حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا خود کرتی تھیں اور فرمایا کرتی تھیں (پوری نماز پڑھنا اور روزہ رکھنا) مجھ پر گراں نہیں، اسے بیہقی نے نقل کیا ہے۔

لغوی تحقیق: یقصر: کم کرتے یعنی قصر نماز پڑھتے۔ یتم: مکمل کرتے یعنی پوری نماز پڑھتے۔

تشریح: یہ حدیث عطا بن ابی رباح، عمرو بن سعید، طلحہ بن عمرو، دُلھم اور مغیرہ بن زیاد نقل کرتے ہیں، مؤخر الذکر تینوں رواۃ ضعیف ہیں، البتہ عمرو بن سعید سے مروی طریق کو امام دارقطنی نے صحیح قرار دیا ہے، امام بیہقی نے اس روایت کو نقل کرنے کے بعد امام دارقطنی کی تصحیح کا حوالہ دیا ہے۔ جبکہ مؤلف رحمۃ اللہ علیہ نے اس روایت کو معلول قرار دیا اور موقوف طریق کو محفوظ کہا ہے، علامہ ناصر الدین البانی نے بھی یہی مؤقف اختیار کیا ہے، علامہ ابن تیمیہ کا بھی یہی مؤقف ہے۔ علامہ ابن عبد الهادی نے بھی موقوف طریق کو صحیح کہا ہے۔

راقم کے نزدیک مذکورہ بالا اہل علم کے نزدیک اس روایت کے معلول ہونے کی تین علتیں یا ان میں سے کوئی ایک ہوسکتی ہے۔

(۱) حضرت عبداللہ بن مسعود، حضرت عبداللہ بن عمر، حضرت عبداللہ بن عباس اور حارثہ بن خزاعی رضی اللہ عنہم بیان کرتے ہیں کہ رحمت عالم ﷺ نے سفر حج میں تمام نمازیں قصر پڑھیں، یہ تمام احادیث صحیح بخاری کی ہیں۔

(۲) عطا بن ابی رباح سے عمرو بن ذر نے جو روایت نقل کی ہے اس میں یہ مذکور ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے سفر میں پوری نماز پڑھی

(۳) امام دارقطنی نے جس سند کو صحیح قرار دیا ہے، اس سند میں سعید بن محمد بن ثواب نامی راوی ہے، اس کی توثیق امام ابن حبان کے علاوہ کسی اور نے نہیں کی، انہوں نے اسے مستقیم الحدیث قرار دیا ہے، علامہ ناصر الدین البانی نے اسے مجہول الحال قرار دیا ہے۔

فقہی احکام: سفر میں پوری نماز بھی پڑھی جا سکتی ہے۔

۴۲۶: وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ رضی اللہ عنہما قَالَ، قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ " إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ أَنْ تُؤْتَى رُخَصُهُ كَمَا يَكْرَهُ أَنْ تُؤْتَى مَعْصِيَتُهُ " رَوَاهُ أَحْمَدُ, وَصَحَّحَهُ ابْنُ خُزَيْمَةَ, وَابْنُ حِبَّانَ وَفِي رِوَايَةٍ " كَمَا يُحِبُّ أَنْ تُؤْتَى عَزَائِمُهُ "

احمد: ۱۰۸/۲، ابن خزيمة، كتاب الصلاة، باب استحباب قصر الصلاة فى السفر......: ۹۵۰، ابن حبان: ۲۷۳۹، ۲۷۴۱، البزار: ۹۸۸، المعجم الاوسط للطبراني: ۲۶۰۲، ۴۹۲۴، ۵۲۹۸، ۸۰۲۸، المعجم الكبير: ۱۰۰۳۰، ۱۱۸۸۱

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

۴۲۶: حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "بلاشبہ اللہ تعالیٰ پسند کرتا ہے کہ اس کی دی ہوئی رخصتوں پر عمل کیا جائے جیسا کہ وہ معصیت والے کام ناپسند کرتا ہے۔" اسے احمد نے روایت کیا، ابن خزیمہ اور ابن حبان نے صحیح کہا ہے، ایک روایت میں ہے "جیسا کہ وہ پسند کرتا ہے کہ اس کے فرض کردہ امور کی سرانجام دہی کی جائے۔"

لغوی تحقیق: رخصة: راء مضموم، خاء مفتوح یعنی تخفیف شدہ امور۔ عزائمة: یہ نائب فاعل ہونے کی وجہ سے مرفوع ہے اور یہ عزیمة کی جمع ہے، نہایت ضروری احکامات یعنی فرائض وغیرہ۔

تشریح: اس روایت کی سند میں اگرچہ اختلاف پایا جاتا ہے تاہم اس روایت کو نامور ماہرین فن نے بطور حجت اختیار کیا ہے، نیز اس حدیث کی مؤید روایات حضرت عبداللہ بن مسعود، حضرت عبداللہ بن عباس اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہم سے بھی منقول ہیں۔ ان روایات پر اگرچہ کلام ہے تاہم انہیں بطور استشہاد نقل کیا جاسکتا ہے۔

فقہی احکام: سفر میں نماز قصر کرنا افضل ہے۔

۴۲۷: وَعَنْ أَنَسٍ رضی اللہ عنہ قَالَ كَانَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ إِذَا خَرَجَ مَسِيرَةَ ثَلَاثَةِ أَمْيَالٍ أَوْ فَرَاسِخَ, صَلَّى رَكْعَتَيْنِ. رَوَاهُ مُسْلِمٌ

صحیح مسلم، کتاب صلاة المسافرین و قصرها، باب صلاة المسافر و قصرها: ۶۹۱، ابوداود: ۱۲۰۱، ابوعوانة: ۲/۳۷۶، البیهقی: ۳/۱۴۶

۴۲۷: حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ جب تین میل یا تین فرسخ مسافت کے برابر سفر فرماتے تو دو رکعات پڑھتے تھے

لغوی تحقیق: امیال: میل کی جمع ہے، میل کی مسافت کے بارے میں اہل علم کے مختلف اقوال ہیں۔ پہلا قول یہ ہے کہ میل کی مقدار چھ ہزار ہاتھ کے برابر ہے، جبکہ ایک ہاتھ کی مقدار چوبیس انگشت کے عرض کے برابر ہے، ایک انگشت کی مقدار جو کے چھ دانوں کے عرض کے برابر ہے، دوسرا قول یہ ہے کہ میل کی مقدار چار ہزار ہاتھ کے برابر ہے، تیسرا قول یہ ہے کہ انسان کے بارہ ہزار قدموں کے برابر ہے، چوتھے قول کے مطابق اونٹ کے ایک ہزار قدموں کے برابر ہے۔ فراسخ: یہ فرسخ کی جمع ہے، تمام اہل علم کے نزدیک ایک فرسخ تین میل پر مشتمل ہوتا ہے۔

تشریح: اس حدیث میں تین میل یا تین فرسخ کا جو تذکرہ ہے وہ رحمت عالم ﷺ کی طرف سے بطور اختیار نہیں ہے، بلکہ یہ کسی راوی کے شک کی وجہ سے ہے، کہا جاتا ہے کہ یہ شک شعبہ کو لاحق ہوا ہے۔ یعنی شعبہ کو یہ شک ہے کہ اس کے شیخ یحیٰی بن یزید نے تین میل کہا یا تین فرسخ کہا؟ یہی شک اہل علم کے درمیان اختلاف کا سبب بنا، امام داؤد اور اس کے متبعین نے اسی روایت کی روشنی میں قصر کے لیے کم از کم مسافت تین میل متعین کی ہے۔ ابوسعید خدری سے مروی ہے کہ آپ ﷺ جب ایک فرسخ سفر کرتے تو قصر فرماتے، یہ روایت ابوہارون العبدی کی وجہ سے ضعیف ترین ہے۔

بعض کے نزدیک ایک میل پر بھی قصر درست ہے۔ وہ اپنی تائید میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کا قول پیش کرتے ہیں۔ اہل حدیث کے نزدیک کم از کم مسافت نو میل ہے کیونکہ زیر مطالعہ حدیث میں تین فرسخ یعنی نو میل کو اختیار کرنا احوط ہے۔

بعض کے نزدیک چوبیس میل، بعض کے نزدیک چھتیس اور بعض کے نزدیک چھیالیس اور بعض کے نزدیک اڑتالیس میل ہے۔ ان تمام اقوال کی بنیاد قیاس پر ہے کیونکہ کوئی صحیح حدیث ان کے مؤقف کی مؤید نہیں۔ اس بارے میں حافظ ابن قیم کا مؤقف نہایت مناسب

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

ہے، فرماتے ہیں کہ قصر نماز کے لیے کوئی مسافت متعین نہیں لہٰذا عرف عام میں جس مسافت کو سفر تصور کیا جائے اس میں نماز قصر کی جائے۔

فقہی احکام: عرف عام میں جس مسافت کو سفر تصور کیا جائے، اس میں نماز قصر کی جائے، اور اپنے شہر یا دیہات سے باہر نکلنے کے بعد جہاں بھی نماز کا وقت ہو جائے وہاں قصر کر لی جائے۔

۴۲۸: وَعَنْهُ قَالَ خَرَجْنَا مَعَ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ مِنَ الْمَدِينَةِ إِلَى مَكَّةَ، فَكَانَ يُصَلِّي رَكْعَتَيْنِ رَكْعَتَيْنِ حَتَّى رَجَعْنَا إِلَى الْمَدِينَةِ . مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ ,وَاللَّفْظُ لِلْبُخَارِيِّ.

البخاری، کتاب تقصیر الصلاۃ، باب ماجاء فی التقصیر و کم یقیم حتیٰ یقصر: ۱۰۸۱، مسلم: ۶۹۳، ابوداود: ۱۲۳۳،

الترمذی: ۵۴۸، النسائی: ۱۲۱/۲، ابن ماجۃ: ۱۰۷۷، احمد: ۱۹۰/۳، ابن خزیمۃ: ۹۵۶

تنبیہ: مؤلف رحمہ اللہ نے مذکورہ الفاظ کو بخاری کی طرف منسوب کیا ہے، امام بخاری یہ روایت صحیح بخاری میں دوبار لائے ہیں اور دونوں بار خرجنا مع النبی ﷺ ہے، جبکہ مؤلف رحمہ اللہ نے خرجنا مع رسول اللہ ﷺ کے الفاظ نقل کئے ہیں۔

۴۲۸: حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ہم رسول اللہ ﷺ کی معیت میں مدینہ سے مکہ کی طرف نکلے، آپ ﷺ مدینہ واپسی تک دو دو رکعات پڑھتے رہے۔ (بخاری و مسلم) مذکورہ الفاظ بخاری کے ہیں۔

تشریح: اس حدیث سے یہ واضح ہوا کہ اپنے شہر، قصبہ یا بستی کی حدود سے باہر نکلنے کے بعد قصر نماز شروع کر دینی چاہیے اور یہ تسلسل اپنے شہر، قصبہ یا دیہات کی حدود میں واپسی تک جاری رہنا چاہیے۔

۴۲۹: وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رضی اللہ عنہما قَالَ أَقَامَ النَّبِيُّ ﷺ تِسْعَةَ عَشَرَ يَقْصُرُ ، وَفِي لَفْظٍ ، بِمَكَّةَ تِسْعَةَ عَشَرَ يَوْمًا . رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ وَفِي رِوَايَةٍ لِأَبِي دَاوُدَ ، سَبْعَ عَشْرَةَ . وَفِي أُخْرَى ، خَمْسَ عَشْرَةَ.

البخاری، کتاب تقصیر الصلاۃ، باب ماجاء فی التقصیر: ۱۰۸۰، ابوداود: ۱۲۳۰، ۱۲۳۱، الترمذی: ۵۴۹، ابن ماجۃ: ۱۰۷۵،

البیہقی: ۱۴۹/۳، فتح الباری: ۵۶۲/۲

۴۲۹: حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی مکرم ﷺ نے انیس (دن قیام) فرمایا، اس دوران آپ ﷺ قصر فرماتے رہے، ایک روایت میں ہے کہ مکہ مکرمہ میں انیس روز قیام فرمایا۔ (بخاری) ابوداؤد کی روایت میں ہے سترہ روز، اور دوسری روایت میں ہے پندرہ روز۔

تشریح: ان روایات میں رحمت عالم ﷺ کے اس سفر کا ذکر ہے جو آپ ﷺ نے فتح مکہ کے موقع پر فرمایا تھا، اس سفر میں آپ ﷺ نے مکہ مکرمہ میں سترہ روز قیام فرمایا تھا، جن رواۃ نے انیس روز کا قیام نقل کیا ہے ان رواۃ نے اس میں مکہ میں ورود اور مکہ سے خروج کے دن بھی شامل کیے ہیں اور جنہوں نے سترہ ایام نقل کیے ہیں انہوں نے ورود اور خروج کے دو ایام شمار نہیں کیے، جس روایت میں پندرہ ایام کا ذکر ہے اس روایت کو اگرچہ امام نووی نے ضعیف کہا ہے تاہم وہ روایت بھی صحیح ہے کیونکہ اس روایت کے نقل کرنے میں ابن اسحاق منفرد نہیں ہے۔

البتہ اس روایت کی یہ تاویل کی جا سکتی ہے کہ راوی نے سترہ ایام والی روایت کو بنیاد بنا کر اس میں سے دخول اور خروج کے دو دن نکال دیے ہوں، مسند عبد بن حمید میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی حدیث میں بیس روز تک قیام فرمانے کا ذکر ہے، یہ روایت صحیح روایت کی معارض ہونے کی وجہ سے شاذ ہے۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ان روایات کو بنیاد بنا کر یہ کہنا درست نہیں کہ پندرہ، سترہ یا انیس روز تک نماز قصر کرنا درست ہے کیونکہ یہ واقعہ حالت جنگ کا ہے، حالت جنگ میں چونکہ کوئی یقینی صورت نہیں ہوتی اس لیے حالت جنگ میں جتنے دن بھی گزر جائیں قصر ہی کی جائے گی۔

فقہی احکام: (۱) میدان جنگ میں جتنے دن بھی بسر کیے جائیں وہاں نماز قصر ہی کی جائے۔ (۲) تردد اور تذبذب کی حالت میں قصر کی مدت متعین نہیں۔ (۳) عام حالات میں اگر تین دن سے زائد قیام کا ارادہ ہو تو پھر قصر نہ کی جائے۔

۴۳۰: وَلَهُ عَنْ عِمْرَانَ بْنِ حُصَيْنٍ رضی اللہ عنہ، ثَمَانِيَ عَشْرَةَ.

ابو داود، کتاب الصلاۃ، باب متی یتم المسافر: ۱۲۲۹، الترمذی: ۵۴۵، ابن ابی شیبۃ: ۳۴۰/۲، البیھقی: ۱۵۱/۳، نصب الرایۃ: ۱۸۴/۲

۴۳۰: ابوداؤد میں حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ سے مروی روایت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے (مکہ میں) اٹھارہ (راتیں) قیام فرمایا۔

تشریح: اس روایت کی اگرچہ امام ترمذی نے تحسین فرمائی ہے تاہم یہ روایت علی بن زید بن جدعان کی وجہ سے ضعیف ہے۔ اگر کسی اور طریق سے اس روایت کا حسن یا صحیح ہونا ثابت ہو جائے تو اس کی یہ تاویل کی جائے گی کہ راوی نے راتوں کو شمار کیا ہے اور یہ حقیقت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فتح مکہ کے سال مکہ مکرمہ میں اٹھارہ راتیں قیام فرمایا تھا، جن حضرات نے قیام کی مدت سترہ یا انیس ایام بتائی ہے انہوں نے دنوں کا اعتبار کیا ہے۔

۴۳۱: وَلَهُ عَنْ جَابِرٍ رضی اللہ عنہ أَقَامَ بِتَبُوكَ عِشْرِينَ يَوْمًا يَقْصُرُ الصَّلَاةَ، وَرُوَاتُهُ ثِقَاتٌ, إِلَّا أَنَّهُ اُخْتُلِفَ فِي وَصْلِهِ.

ابو داود، ابواب الصلاۃ، باب اذا قام بارض العدو یقصر: ۱۲۳۵، مسند احمد: ۲۹۵/۳، ابن حبان: ۲۷۴۹، البیھقی: ۱۵۲/۳، العلل الکبیر للترمذی: ۲۹۲/۱، ابن ابی شیبۃ: ۳۴۲/۲، المجموع: ۳۶۱/۴، التلخیص الحبیر: ۴۵/۲

۴۳۱: حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی روایت میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تبوک کے مقام پر بیس روز تک قیام فرمایا، اس دوران آپ صلی اللہ علیہ وسلم قصر فرماتے رہے۔ اس روایت کے جملہ رواۃ ثقہ ہیں، تاہم اس کے موصول ہونے میں اختلاف ہے۔

تشریح: امام ابوداؤد، امام احمد، امام ترمذی، امام ابن حبان اور امام بیہقی نے یہ روایت معمر بن راشد کے طریق سے موصولاً نقل کی ہے، جبکہ امام ابن ابی شیبہ وغیرہ نے علی بن مبارک کے طریق سے مرسل نقل کی ہے۔

امام ابوداؤد اور امام بیہقی نے یہ کہہ کر مرسل طریق کو راجح قرار دیا ہے کہ اس روایت کو موصولاً فقط معمر بن راشد نے بیان کیا ہے، امام نووی نے معمر کے تفرد کو تسلیم کرنے کے باوجود معمر کے طریق کو راجح قرار دیا ہے اور اس کے راجح ہونے کے دو اسباب بیان کیے ہیں۔

(۱) معمر جلیل القدر امام ہیں۔ (۲) جب کسی روایت کی مرسل یا مسند ہونے میں اختلاف پایا جائے تو مسند کو ترجیح ہوگی۔ کیونکہ ثقہ راوی کی زیادت مقبول ہوتی ہے۔ علامہ ناصر الدین البانی نے بھی مرفوع طریق کو صحیح قرار دیا ہے۔

راقم کے نزدیک ان محدثین کا موقف اقرب الی الصواب ہے، جنہوں نے مرسل طریق کو راجح قرار دیا ہے ترجیح کے اسباب درج ذیل ہیں۔

(۱) یحییٰ بن ابی کثیر سے مروی روایات میں علی بن مبارک کو معمر بن راشد پر برتری حاصل ہے۔ (۲) امام ابوحاتم فرماتے ہیں کہ وہ روایات جو معمر اپنے بصری شیوخ سے نقل کرتے ہیں، ان میں وہ اغالیط کا شکار ہوئے ہیں، یحییٰ بن ابی کثیر بصری ہیں۔ (۳) امام نووی کا یہ فرمان کہ جب مرسل اور مسند میں تعارض پایا جائے تو ہر حال میں مسند کو ترجیح ہوگی، یہ اصول ماہرین فن کے نزدیک مسلم نہیں۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

۴۳۲: وَعَنْ أَنَسٍ رضی اللہ عنہ كَانَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ إِذَا ارْتَحَلَ قَبْلَ أَنْ تَزِيغَ الشَّمْسُ أَخَّرَ الظُّهْرَ إِلَى وَقْتِ الْعَصْرِ, ثُمَّ نَزَلَ فَجَمَعَ بَيْنَهُمَا, فَإِنْ زَاغَتِ الشَّمْسُ قَبْلَ أَنْ يَرْتَحِلَ صَلَّى الظُّهْرَ, ثُمَّ رَكِبَ . مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ وَفِي رِوَايَةِ الْحَاكِمِ فِي الْأَرْبَعِينَ بِإِسْنَادِ الصَّحِيحِ ، صَلَّى الظُّهْرَ وَالْعَصْرَ, ثُمَّ رَكِبَ . وَلِأَبِي نُعَيْمٍ فِي مُسْتَخْرَجِ مُسْلِمٍ ، كَانَ إِذَا كَانَ فِي سَفَرٍ, فَزَالَتِ الشَّمْسُ صَلَّى الظُّهْرَ وَالْعَصْرَ جَمِيعًا, ثُمَّ ارْتَحَلَ.

البخاری، کتاب تقصیر الصلاۃ، باب یؤخر الظهر الی العصر اذا ارتحل قبل ان تزیغ الشمس: ۱۱۱۱، ۱۱۱۲، مسلم: ۷۰۴، ابوداود: ۱۲۱۸، النسائی: ۲۸۴/۱، مستخرج علی مسلم: ۲۹۴/۲، مجمع الزوائد: ۱۶۲/۲

۴۳۲: حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ جب زوال آفتاب سے قبل سفر کا آغاز فرماتے تو ظہر کو عصر تک مؤخر فرماتے، پھر پڑاؤ ڈالتے اور دونوں نمازیں اکٹھی کر کے پڑھتے ، اور اگر زوال آفتاب کے بعد سفر کا آغاز فرماتے تو پھر ظہر پڑھ کر سوار ہوتے۔(بخاری ومسلم) امام حاکم کی اربعین میں صحیح سند سے منقول ہے کہ آپ ﷺ نے ظہر اور عصر کی نماز ایک ساتھ پڑھی پھر آپ ﷺ سفر کے لیے سوار ہوئے۔ امام ابونعیم کی (مستخرج علی مسلم) میں ہے کہ جب آپ ﷺ سفر میں ہوتے، اگر اس دوران سورج ڈھل جاتا تو آپ ﷺ ظہر اور عصر اکٹھی پڑھ لیتے، پھر دوبارہ سفر کا آغاز فرماتے۔

لغوی تحقیق: ارتحل: ایک مقام سے دوسرے مقام کی طرف کوچ کرنا۔ تزیغ: مائل ہونا یعنی سورج کا نصف النہار کے وقت مغرب کی طرف مائل ہونا۔

تشریح: مؤلف رحمۃ اللہ علیہ نے تین روایات نقل کی ہیں پہلی روایت میں جمع صوری کا ذکر ہے جبکہ دوسری دونوں روایات میں جمع حقیقی کا ذکر ہے۔ مؤلف رحمۃ اللہ علیہ نے مؤخر الذکر دونوں روایات میں سے پہلی روایت کو بلوغ المرام میں جبکہ دوسری روایت کو تلخیص میں صحیح قرار دیا ہے، امام طبرانی نے المعجم الاوسط میں اپنی سند سے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے جمع صوری اور جمع حقیقی دونوں صورتیں نقل کی ہیں یہ روایت اگرچہ سند کے اعتبار سے صحیح نہیں تاہم اسے بطور استشہاد اختیار کیا جا سکتا ہے۔

فقہی احکام: ظہر وعصر اور مغرب وعشا کو جمع کر کے پڑھا جا سکتا ہے۔ خواہ جمع کی صورت حقیقی ہو یا صوری۔

۴۳۳: وَعَنْ مُعَاذٍ رضی اللہ عنہ قَالَ خَرَجْنَا مَعَ النَّبِيِّ ﷺ فِي غَزْوَةِ تَبُوكَ، فَكَانَ يُصَلِّي الظُّهْرَ وَالْعَصْرَ جَمِيعًا, وَالْمَغْرِبَ وَالْعِشَاءَ جَمِيعًا . رَوَاهُ مُسْلِمٌ.

مسلم، کتاب صلاۃ المسافرین و قصرها، باب الجمع بین الصلاتین فی الحضر: ۷۰۶، ابوداود: ۱۲۰۶، ۱۲۲۰، الترمذی: ۵۵۴، احمد: ۲۴۱/۵، ۳۶۸/۱، البیہقی: ۱۶۳/۳، المطالب العالیۃ: ۷۵۵

تنبیہ: بلوغ المرام کے مطبوعہ نسخوں میں ؛مع النبی ﷺ ؛ ہے، جبکہ صحیح مسلم کے مطبوعہ نسخہ میں ؛مع رسول اللہ ﷺ ؛ ہے۔

۴۳۳: حضرت معاذ رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ ہم رسول اللہ ﷺ کے ساتھ غزوہ تبوک کے لیے نکلے، اس (سفر میں) آپ ﷺ ظہر اور عصر، مغرب اور عشاء کو جمع کر کے پڑھتے تھے۔

تشریح: اس روایت میں اگرچہ جمع صوری یا حقیقی کا ذکر نہیں البتہ یہی روایت ابوداود، ترمذی، مسند احمد اور بیہقی میں بھی مذکور ہے اس میں یہ صراحت ہے کہ آپ ﷺ جب زوال آفتاب سے قبل سفر فرماتے تھے تو جمع صوری فرماتے لیکن جب زوال آفتاب کے بعد سفر فرماتے تھے تو جمع حقیقی فرماتے۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی روایت سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ آپ

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ﷺ جب زوال آفتاب کے بعد سفر کا آغاز فرماتے تو ظہر اور عصر کو ایک ساتھ پڑھ لیتے اور جب زوال آفتاب سے قبل سفر کا آغاز فرماتے تو پھر ظہر کو عصر کے وقت تک مؤخر فرماتے، پھر دونوں نمازیں ایک ساتھ پڑھ لیتے۔ یہ روایت اگرچہ حسین بن عبداللہ کی وجہ سے ضعیف ہے، لیکن بطور استشہاد نقل کی جاسکتی ہے، ان کی تائید ھزیل بن شرحبیل سے مروی مرسل روایت سے بھی ہوتی ہے۔

۴۳۴: وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رضی اللہ عنہما قَالَ، قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ "لَا تَقْصُرُوا الصَّلَاةَ فِي أَقَلَّ مِنْ أَرْبَعَةِ بُرُدٍ مِنْ مَكَّةَ إِلَى عُسْفَانَ" رَوَاهُ الدَّارَقُطْنِيُّ بِإِسْنَادٍ ضَعِيفٍ وَالصَّحِيحُ أَنَّهُ مَوْقُوفٌ، كَذَا أَخْرَجَهُ ابْنُ خُزَيْمَةَ.

الدارقطنی: ۱/۳۸۷، البیھقی: ۳/۱۳۷، التلخیص الحبیر: ۲/۴۶، معرفة السنن و الآثار: ۲/۴۲۱، المجموع: ۴/۳۲۸

۴۳۴: حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول مقبول ﷺ نے فرمایا: "چار برد سے کم فاصلہ پر قصر نہ کرو، مکہ سے عسفان تک چار برد کا فاصلہ ہے۔" اسے دارقطنی نے ضعیف سند سے روایت کیا ہے اور صحیح یہی ہے کہ یہ روایت موقوف ہے، ابن خزیمہ نے بھی اسی طرح روایت کیا ہے۔

لغوی تحقیق: برد: باء اور راء دونوں مضموم ہیں اور برید کی جمع ہے، ایک برد میں بارہ میل ہوتے ہیں

تشریح: یہ روایت سخت ضعیف ہے، اس کے سخت ضعیف ہونے کے درج ذیل اسباب ہیں۔

(۱) امام بیہقی فرماتے ہیں کہ اسماعیل بن عیاش کی مرویات کو بطور حجت نہیں لیا جاسکتا ہے۔

(۲) خاص کر اسماعیل کی وہ روایات جو وہ مشائخ حجاز سے نقل کرتے ہیں اس میں ہے وہ ضعیف ہے۔

(۳) عبدالوھاب کا اپنے والد سے سماع ثابت نہیں اس لیے یہ روایت منقطع بھی ہے۔

۴۳۵: وَعَنْ جَابِرٍ رضی اللہ عنہ قَالَ، قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ " خَيْرُ أُمَّتِي الَّذِينَ إِذَا أَسَاءُوا اسْتَغْفَرُوا ,وَإِذَا سَافَرُوا قَصَرُوا وَأَفْطَرُوا " أَخْرَجَهُ الطَّبَرَانِيُّ فِي الْأَوْسَطِ بِإِسْنَادٍ ضَعِيفٍ وَهُوَ فِي مُرْسَلِ سَعِيدِ بْنِ الْمُسَيَّبِ عِنْدَ الْبَيْهَقِيِّ مُخْتَصَرًا.

المعجم الاوسط: ۷/۲۸۶، (۶۵۵۴)، مسند شافعی: ۵۱۲، الام: ۱/۱۷۹، مصنف عبدالرزاق: ۴۴۸۰، معرفة السنن و الآثار: ۱۵۹۴

تنبیہ: (۱) طبرانی کی اس روایت میں "اذا احسنوا استبشروا" کے الفاظ بھی ہیں۔ (۲) مؤلف رحمہ اللہ نے مرسل سعید بن میسّب کو بیہقی کی طرف منسوب کیا ہے، یہ روایت بیہقی کی السنن الکبری میں تو نہیں لیکن ان کی معرفة السنن و الآثار میں ہے۔

۴۳۵: حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "میری اُمت کے بہترین لوگ وہ ہیں کہ جب برائیاں کرتے ہیں تو استغفار کرتے ہیں اور جب سفر کرتے ہیں تو نماز قصر کرتے ہیں اور روزے نہیں رکھتے۔" اس حدیث کو امام طبرانی نے الاوسط میں ضعیف سند سے نقل کیا ہے، امام بیہقی نے اسے مراسیل سعید بن میسّب میں مختصر نقل کیا ہے۔

تشریح: امام طبرانی نے اس روایت کو عبداللہ بن یحییٰ کے طریق سے نقل کیا ہے، امام صاحب اس روایت کو نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں کہ ابوزبیر سے یہ حدیث فقط ابن لھیعہ نے بیان کی ہے جبکہ ابن لھیعۃ سے فقط عبداللہ بن یحییٰ نے بیان کی ہے۔ مؤلف رحمہ اللہ نے اس روایت کی سند کو ضعیف قرار دیا ہے۔ یہ روایت تین علتوں کی وجہ سے ضعیف ہے۔

(۱) عبداللہ بن یحییٰ کا نسب اور نام اگرچہ معروف ہے مگر وہ مجہول الحال ہے۔

(۲) عبداللہ بن لھیعۃ ضعیف ہونے کے ساتھ ساتھ مدلس بھی ہے اور روایت معنعن ہے۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

(۳) ابوزبیر مدلس ہے، اس نے بھی یہ روایت حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے معنعن نقل کی ہے۔
اس روایت کو سعید بن میسّب نے مرسل نقل کیا ہے، یہ سند بھی ضعیف ہے کیونکہ اس میں امام شافعی کا شیخ ابراہیم بن محمد متروک ہے۔

۴۳۶: وَعَنْ عِمْرَانَ بْنِ حُصَيْنٍ رضی اللہ عنہما قَالَ كَانَتْ بِي بَوَاسِيرُ, فَسَأَلْتُ النَّبِيَّ صلی اللہ علیہ وسلم عَنِ الصَّلَاةِ؟ فَقَالَ "صَلِّ قَائِمًا, فَإِنْ لَمْ تَسْتَطِعْ فَقَاعِدًا, فَإِنْ لَمْ تَسْتَطِعْ فَعَلَى جَنْبٍ" رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ.

البخاری، کتاب تقصیر الصلاۃ، باب اذا لم یطق قاعداً صلی علی جنب: ۱۱۱۷، ابوداود: ۹۵۲، الترمذی: ۳۷۲، ابن ماجۃ: ۱۲۲۳، احمد: ۴۲۶/۴، البیہقی: ۳۰۴/۲

۴۳۶: حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ نے بتایا کہ مجھے بواسیر کا مرض تھا، میں نے نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے نماز پڑھنے کے بارے میں دریافت کیا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "نماز کھڑے ہو کر پڑھو، اگر تم کھڑے ہو کر پڑھنے کی طاقت نہیں رکھتے تو پھر بیٹھ کر پڑھ لو، اگر اس پر بھی قادر نہ ہو تو پھر پہلو کے بل لیٹ کر پڑھ لو۔" (بخاری)

تشریح: اس بارے میں اہل علم میں اختلاف پایا جاتا ہے کہ جب آدمی بیٹھ کر نماز پڑھے تو وہ قیام کی نیابت کس حالت میں بیٹھ کر کرے۔ ایک گروہ کا خیال ہے کہ اس طرح بیٹھے جس طرح تشہد وغیرہ میں بیٹھا جاتا ہے۔ جبکہ دوسرے گروہ کا خیال ہے کہ چارزانو ہو کر بیٹھے۔ (تفصیل حدیث عائشہ رقم: ۴۳۸ کے ضمن میں آئے گی)

فقہی احکام: بواسیر میں مبتلا شخص اگر یہ خیال کرکے بیٹھ کر نماز پڑھے کہ اس طرح اسے کچھ افاقہ ہے تو وہ بیٹھ کر نماز پڑھ سکتا ہے۔

۴۳۷: وَعَنْ جَابِرٍ رضی اللہ عنہ قَالَ عَادَ النَّبِيُّ صلی اللہ علیہ وسلم مَرِيضًا, فَرَآهُ يُصَلِّي عَلَى وِسَادَةٍ, فَرَمَى بِهَا, وَقَالَ "صَلِّ عَلَى الْأَرْضِ إِنِ اسْتَطَعْتَ, وَإِلَّا فَأَوْمِ إِيمَاءً, وَاجْعَلْ سُجُودَكَ أَخْفَضَ مِنْ رُكُوعِكَ" رَوَاهُ الْبَيْهَقِيُّ. وَصَحَّحَ أَبُو حَاتِمٍ وَقْفَهُ.

البیہقی: ۳۰۶/۲ (۳۶۷۹)، علل الحدیث لابن ابی حاتم: ۳۰۷

۴۳۷: حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مریض کی تیمارداری فرمائی اس دوران آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے تکیہ پر نماز پڑھتے ہوئے دیکھا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے وہ تکیہ پھینک دیا اور فرمایا: "اگر طاقت رکھتے ہو تو زمین پر نماز پڑھو بصورت دیگر اشارے سے کام لو، سجدہ کے لیے رکوع سے کچھ زیادہ جھکو۔" اسے بیہقی نے روایت کیا اور ابوحاتم نے اس کے موقوف ہونے کو صحیح کہا ہے۔

لغوی تحقیق: عاد: یہ عیادت سے ماخوذ ہے یعنی تیمارداری فرمائی۔ وسادۃ: تکیہ

تشریح: یہ حدیث اور اس سے متعلق تشریح پہلے گزر چکی ہے۔

۴۳۸: وَعَنْ عَائِشَةَ رضی اللہ عنہا قَالَتْ رَأَيْتُ النَّبِيَّ صلی اللہ علیہ وسلم يُصَلِّي مُتَرَبِّعًا. رَوَاهُ النَّسَائِيُّ وَصَحَّحَهُ الْحَاكِمُ.

النسائی، کتاب قیام اللیل، باب کیف صلاۃ القاعد: ۱۶۶۲، ابن خزیمۃ: ۲۳۶/۲، الحاکم: ۲۵۸/۱، البیہقی: ۳۰۵/۲، معرفۃ السنن والآثار: ۱۴۱/۲، ۱۴۲، البخاری: ۸۲۷، میزان الاعتدال: ۳۳۲/۲

۴۳۸: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ میں نے نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو چارزانو ہو کر نماز پڑھتے ہوئے دیکھا۔ اسے نسائی نے روایت کیا ہے اور حاکم نے صحیح کہا ہے۔

لغوی تحقیق: متربعا: دائیں پاؤں کو بائیں ران کے نیچے اور بائیں پاؤں کو دائیں ران کے نیچے رکھ کر بیٹھنا

تشریح: یہ حدیث ان حضرات کی دلیل ہے جن کا یہ کہنا ہے کہ بیٹھ کر نماز پڑھنے کی صورت میں قیام کی نیابت حالت تربع میں ہونی

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

چاہیے۔اس حدیث سے ان کا استدلال کئی اعتبار سے درست نہیں۔

(۱)اس حدیث میں یہ صراحت نہیں کہ آپ ﷺ چارزانو حالت قیام میں بیٹھے تھے،البتہ امام بیہقی نے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہما کا یہ قول نقل کیا ہے کہ انہوں نے فرمایا،نماز میں چارزانو بیٹھنے سے یہ بہتر ہے کہ میں گرم پتھر پر بیٹھ جاؤں پھرانہوں نے مذکورہ حدیث اوراس اثر کے مابین تعارض کو دور کرنے کے بعد لکھا ہے کہ ممکن ہے کہ عبداللہ بن مسعود نے دیگر مقامات پر اس طرح بیٹھنے کو نا پسند فرمایا ہو۔

(۲)اس حدیث کو امام نسائی نے ابوداؤد حفری کی خطا قرار دیا ہے۔

(۳)اس روایت کا مرکزی راوی حفص بن غیاث ہے۔یعقوب بن شیبہ اور محمد بن عمار نے اس کے حافظہ پر کلام کیا ہے،جبکہ داؤد بن رشید نے اسے کثیر الغلط کہا ہے۔

(۴) صحیح بخاری میں ہے کہ عبداللہ بن عبداللہ نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کو نماز میں چارزانو بیٹھے دیکھ کر خود بھی اس طرح بیٹھ کر نماز پڑھنا شروع کر دی،حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کو جب اس کی اطلاع ہوئی تو انہوں نے اسے یہ کہہ کر منع کر دیا کہ نماز میں بیٹھنے کا سنت طریقہ یہ ہے کہ آپ ﷺ اپنے دائیں پاؤں کو کھڑا کریں اور بائیں پاؤں کو بچھائیں،وہ کہتے ہیں میں نے عرض کیا،آپ ﷺ بھی تو ایسے ہی بیٹھتے ہیں،اس پر انہوں نے فرمایا،میرا پاؤں میرا وزن برداشت نہیں کرتا۔

فقہی احکام: اگر پاؤں وزن برداشت نہ کرے تو پھر نماز میں چارزانو بیٹھنا جائز ہے۔

۱۲۔ بَابُ صَلَاةِ الْجُمُعَةِ جمعہ کی نماز کا بیان

۴۳۹: عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ ,وَأَبِي هُرَيْرَةَ رضی اللہ عنہم أَنَّهُمَا سَمِعَا رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ يَقُولُ عَلَى أَعْوَادِ مِنْبَرِهِ "لَيَنْتَهِيَنَّ أَقْوَامٌ عَنْ وَدْعِهِمُ الْجُمُعَاتِ ,أَوْ لَيَخْتِمَنَّ اللّٰهُ عَلَى قُلُوبِهِمْ ,ثُمَّ لَيَكُونُنَّ مِنَ الْغَافِلِينَ" رَوَاهُ مُسْلِمٌ.

مسلم، کتاب الجمعة، باب التغليظ فی ترک الجمعة: ۸۶۵،النسائی:۳/۸۸،ابوداود: ۱۰۵۲،ابن ماجة: ۱۱۲۶،الترمذی: ۵۰۴

احمد: ۳/۴۲۴، ابن خزيمة: ۳/۱۷۶، ابن حبان: ۲۵۸

۴۳۹: حضرت عبداللہ بن عمر اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہم سے مروی ہے انہوں نے رسول اللہ ﷺ کو منبر کے زینوں پر یہ فرماتے ہوئے سنا کہ "لوگ جمعہ چھوڑنے سے باز آجائیں بصورت دیگر اللہ ان کے دلوں پر مہر لگادے گا،پھر وہ یقیناً غافل لوگوں میں شمار ہوں گے" مسلم

لغوی تحقیق: جمعة:جیم اور میم مضموم،میم کو مفتوح اور ساکن پڑھنا بھی درست ہے،لیکن فصیح قرأت مضموم ہی ہے۔اعواد:عود کی جمع ہے،لکڑی یعنی منبر کے زینے۔لينتهين:نون تاکید ثقیلہ،ضرور باز آجائیں گے۔ودع:ترک کرنا،چھوڑنا۔

تشریح: نماز جمعہ فرض ہے،اسے بغیر شرعی عذر ترک کرنے سے دل پر سیاہی کا آغاز ہو جاتا ہے اور حضرت جابر اور حضرت ابوالجعد ضمری رضی اللہ عنہما سے مروی احادیث میں ہے کہ تین جمعات ترک کرنے کی وجہ سے دل پر مہر نفاق لگادی جاتی ہے۔

۴۴۰: وَعَنْ سَلَمَةَ بْنِ الْأَكْوَعِ رضی اللہ عنہ قَالَ كُنَّا نُصَلِّي مَعَ رَسُولِ اللّٰهِ ﷺ الْجُمُعَةَ ,ثُمَّ نَنْصَرِفُ وَلَيْسَ لِلْحِيطَانِ ظِلٌّ نَسْتَظِلُّ بِهِ .مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ وَاللَّفْظُ لِلْبُخَارِيِّ وَفِي لَفْظٍ لِمُسْلِمٍ ، كُنَّا نُجَمِّعُ مَعَهُ إِذَا زَالَتِ الشَّمْسُ ثُمَّ نَرْجِعُ نَتَتَبَّعُ الْفَيْءَ

مسلم، کتاب الجمعة، باب صلاة الجمعة حين تزول الشمس: ۸۶۰، البخاری: ۴۱۶۸، ابوداود: ۱۰۸۵، النسائی:۳/۱۰۰،

الدارمی: ۱۵۵۴، احمد: ۴/۴۶، البيهقی: ۳/۱۹۰، ابن ماجة: ۱۱۰۰

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

۴۴۰: حضرت سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ہم رسول اللہ ﷺ کے ساتھ نماز جمعہ پڑھتے، پھر جب ہم گھروں کو واپس لوٹتے تو دیواروں کا سایہ اس وقت اتنا نہیں ہوتا تھا کہ ہم ان سے سایہ حاصل کر سکیں۔ (بخاری و مسلم) صحیح مسلم میں ہے کہ ہم زوال کے آغاز پر ہی نماز جمعہ ادا کر لیتے پھر ہم واپس ہوتے تو سایہ ڈھونڈتے۔

لغوی تحقیق: الحیطان: حائط کی جمع ہے یعنی دیواریں۔ ظل: ظاء مکسور اور لام مشدد، سایہ۔ نستظل: ہم سایہ تلاش کرتے۔ نجمع: نون مضموم، جیم مفتوح اور میم مشدد مکسور، ہم نماز جمعہ ادا کرتے۔ نتتبع: نون اور تائین مفتوح، باء مشدد مفتوح از باب تفعل، ہم تلاش کرتے تھے۔

تشریح: اس حدیث سے یہ ثابت ہوا کہ جمعہ کے خطبہ کا آغاز زوال آفتاب سے پہلے ہو سکتا ہے، لیکن جمعہ کی جماعت زوال آفتاب کے بعد ہونی چاہیے نیز اس سے یہ واضح ہوا کہ آپ ﷺ نماز جمعہ جلدی پڑھ لیا کرتے تھے۔

فقہی احکام: جمعہ کی نماز دیر سے پڑھنا غیر مسنون ہے۔

۴۴۱: وَعَنْ سَهْلِ بْنِ سَعْدٍ رضی اللہ عنہ قَالَ مَا كُنَّا نَقِيلُ وَلَا نَتَغَدَّى إِلَّا بَعْدَ الْجُمُعَةِ . مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ, وَاللَّفْظُ لِمُسْلِمٍ وَفِي رِوَايَةٍ ، فِي عَهْدِ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ.

البخاری، کتاب الجمعۃ، باب قول اللہ ......: ۹۳۹، مسلم: ۸۵۹، ابوداود: ۱۰۸۶، الترمذی: ۵۲۵، ابن ماجۃ: ۱۰۹۹، احمد: ۳۳۶/۵

تنبیہ: مؤلف رحمہ اللہ نے حدیث کے متن کو مسلم کی طرف منسوب کیا ہے، جبکہ بخاری میں بھی یہی متن ہے۔

۴۴۱: حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ہم جمعہ کے بعد ہی قیلولہ کرتے اور کھانا کھاتے تھے۔ (بخاری و مسلم) مذکورہ الفاظ مسلم کے ہیں، ایک روایت میں ہے کہ وہ ایسا عہد رسالت مآب میں کیا کرتے تھے۔

لغوی تحقیق: نقیل: ہم قیلولہ کرتے تھے یعنی دوپہر کے وقت تھوڑا آرام کرتے تھے۔ نتغدی: ہم دوپہر کا کھانا کھاتے تھے۔

فقہی احکام: (۱) نماز جمعہ کی ادائیگی میں تاخیر نہیں کرنی چاہیے۔ (۲) قیلولہ اور دوپہر کا کھانا نماز جمعہ سے فارغ ہو کر کھانا مسنون ہے۔

۴۴۲: وَعَنْ جَابِرٍ رضی اللہ عنہ أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ كَانَ يَخْطُبُ قَائِمًا, فَجَائَتْ عِيرٌ مِنَ الشَّامِ, فَانْفَتَلَ النَّاسُ إِلَيْهَا, حَتَّى لَمْ يَبْقَ إِلَّا اثْنَا عَشَرَ رَجُلًا. رَوَاهُ مُسْلِمٌ.

البخاری، کتاب الجمعۃ، باب اذا نفر الناس عن الامام......: ۹۳۶، مسلم: ۸۶۳، الترمذی: ۳۵۴۲، ابن خزیمۃ: ۱۸۲۳، البیہقی: ۱۹۷/۳، التلخیص: ۶۲۲ - ۶۲۶، کتاب الضعفاء الکبیر للعقیلی: ۲۴/۱، فتح الباری: ۴۲۴/۲، الدارقطنی: ۴/۲ - ۸، الکامل لابن عدی: ۱۳۵/۲، الاحکام الوسطی: ۱۰۴/۲

تنبیہ: مؤلف رحمہ اللہ نے اس حدیث کو فقط مسلم کی طرف منسوب کیا ہے جبکہ یہ حدیث بخاری میں بھی مذکور ہے۔

۴۴۲: حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ نبی مکرم ﷺ کھڑے ہو کر خطبہ ارشاد فرما رہے تھے، اس دوران شام سے ایک تجارتی قافلہ آ گیا، بارہ افراد کے علاوہ باقی سب لوگ خطبہ چھوڑ کر اس قافلے کی طرف چلے گئے۔ (مسلم)

لغوی تحقیق: عیر: عین مکسور، یاء ساکن، تجارتی قافلہ۔ انفتل: اس کی طرف پھر گیا۔

تشریح: یہ روایت حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے متعدد طرق سے منقول ہے، امام دارقطنی نے یہ روایت ان سے علی بن عاصم کے طریق سے

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

نقل کی ہے، اس میں ہے کہ چالیس افراد کے سوا باقی سب چلے گئے اور میں بھی ان چالیس افراد میں شامل تھا۔ حصین بن عبدالرحمٰن کے تلامذہ میں سے فقط علی بن عاصم ہی نے چالیس کی تعداد کا ذکر کی ہے، جبکہ دیگر نے بارہ کی تعداد ذکر کی ہے۔

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے **تلخیص** میں اس روایت کو ضعیف قرار دیتے ہوئے لکھا ہے کہ علی بن عاصم نے اس روایت کے بیان کرنے میں حصین کے دیگر تلامذہ کی مخالفت کی ہے۔ امام علی بن مدینی نے علی بن عاصم کو کثیر الغلط قرار دیا ہے۔

امام مسلم نے ھشیم کے طریق سے جو روایت نقل کی ہے، اس میں یہ صراحت ہے کہ مسجد میں موجود رہنے والے ان بارہ افراد میں حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما بھی شامل تھے۔ خالد کے طریق سے مروی روایت میں ہے کہ ان بارہ افراد میں جابر بھی موجود تھے۔

امام عقیلی نے ابومنذر کے طریق سے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے جو روایت نقل کی ہے اس میں بھی بارہ افراد کا ذکر ہے اور ان بارہ افراد کی تفصیل اس طرح ہے۔ ابوبکر، عمر، عثمان، علی، طلحہ، زبیر، سعد، سعید بن زید، عبدالرحمٰن بن عوف، بلال، ابن مسعود اور ابوعبیدہ بن جراح یا عمار بن یاسر تھے اور امام سھیلی نے اس روایت کی سند کو منقطع اور حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے متصل قرار دیا ہے۔ اس روایت کو اگر صحیح تسلیم کر لیں تب بھی یہ روایت درست نہیں کیونکہ اس روایت میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ کے بغیر بارہ افراد کا ذکر ہے جبکہ صحیح مسلم میں ہے کہ ان بارہ افراد میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ بھی شامل تھے۔ لہٰذا مسلم میں مروی روایت کے معارض ہونے کی وجہ سے یہ روایت مردود ہے۔

مؤلف رحمہ اللہ نے تفسیر طبری اور تفسیر ابن ابی حاتم کے حوالے سے ابوقتادہ کے طریق سے نقل کیا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا: "تم کتنے افراد ہو؟" انہوں نے شمار کیا تو بارہ مرد اور ایک عورت تھی۔

کم از کم کتنے افراد پر جمعہ فرض ہے؟ اس بارے میں اختلاف پایا جاتا ہے۔ مؤلف رحمہ اللہ نے **فتح الباری** میں اس بارے میں پندرہ اقوال نقل کیے ہیں، احناف کے نزدیک جمعہ کی فرضیت کے لیے شرط اول مصر جامع ہے۔ پھر تفصیل میں قدرا اختلاف ہے، صاحبین کے نزدیک اگر امام سمیت تین افراد ہوں تو ان پر جمعہ فرض ہے اور امام ابوحنیفہ کے نزدیک امام سمیت اگر چار افراد ہوں تو ان پر جمعہ فرض ہے۔

شوافع کے نزدیک کم از کم چالیس افراد ہوں تو جمعہ فرض ہے، بعض کے نزدیک بارہ افراد پر جمعہ فرض ہے۔ امام احمد کے نزدیک کم از کم پچاس افراد پر جمعہ فرض ہے۔ رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے اس بارے میں صحیح سند سے کچھ منقول نہیں۔

امام دارقطنی اور امام بیہقی نے حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما سے جو مرفوع روایت نقل کی ہے اس میں اگرچہ یہ صراحت ہے کہ جمعہ اور عیدین کے لیے کم از کم چالیس افراد کا ہونا ضروری ہے، تاہم وہ روایت سخت ترین ضعیف ہے، بلکہ موضوع کے قریب تر ہے۔

اس طرح امام ابوحنیفہ کے قول کے موافق بھی ایک مرفوع روایت موجود ہے مگر وہ بھی سخت ترین ضعیف ہے۔ جبکہ دوسری روایت موضوع کے قریب تر ہے۔ امام احمد کے قول کی بنیاد جس مرفوع روایت پر ہے وہ بھی سخت ترین ضعیف ہے، حافظ عبدالحق اشبیلی نے احکام الوسطیٰ میں لکھا ہے کہ اس سلسلے میں کوئی بھی عدد ثابت نہیں۔

فقہی احکام: (۱) جمعہ کا خطبہ کھڑے ہو کر دینا چاہیے۔ (۲) بغیر کسی شرعی عذر کے خطبہ چھوڑ کر جانا درست نہیں۔

(۳) جمعہ کے لیے کم از کم افراد کا تعین ثابت نہیں۔

۳۴۳: وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا قَالَ، قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم "مَنْ أَدْرَكَ رَكْعَةً مِنْ صَلَاةِ الْجُمُعَةِ وَغَيْرِهَا فَلْيُضِفْ إِلَيْهَا أُخْرَى, وَقَدْ تَمَّتْ صَلَاتُهُ" رَوَاهُ النَّسَائِيُّ, وَابْنُ مَاجَه, وَالدَّارَقُطْنِيُّ, وَاللَّفْظُ لَهُ, وَإِسْنَادُهُ صَحِيحٌ, لٰكِنْ قَوّٰى أَبُو

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

حَاتِمٍ إِرْسَالَهُ.

الدارقطني، كتاب الجمعة، باب فيمن يدرك من الجمعة ركعة اولم يدركها: ۲/ ۱۰ ـ ۱۲، النسائی: ۱۴۲۶، ابن ماجة: ۱۱۲۳، التلخيص: ۲/ ۵۸، البخاری: ۵۸۰، مسلم: ۱/ ۴۲۳، عبدالرزاق: ۳/ ۲۳۴ ـ ۲۳۶، الطبرانی: ۹/ ۳۰۸، المعجم الاوسط: ۴۲۰۰، البیهقی: ۵۸۳۱، ابن ابی شیبة: ۲/ ۱۲۸

۴۴۳: حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:"جس شخص نے جمعہ اور دیگر نمازوں میں سے کسی ایک کی ایک رکعت جماعت کے ساتھ پالی وہ دوسری رکعت اس کے ساتھ ملا لے، اس کی نماز مکمل ہو جائے گی۔" اس روایت کو نسائی، ابن ماجہ اور دارقطنی نے بیان کیا ہے، مذکورہ الفاظ دارقطنی کے ہیں، لیکن ابو حاتم نے اس روایت کے مرسل ہونے کو قوی کہا ہے۔

تشریح: امام نسائی، امام ابن ماجہ اور امام دارقطنی نے یہ روایت بقیہ بن ولید کے طریق سے نقل کی ہے۔ بقیہ اگرچہ ثقہ راوی ہے لیکن وہ تدلیس تسویہ کا ارتکاب کرتا ہے، جس روایت کی سند میں اس قسم کی تدلیس کرنے والا راوی پایا جائے اس روایت کی سند میں اس قسم کے راوی کے اوپر والے تمام واسطوں میں سماع یا تحدیث کی صراحت ضروری ہے، زیر مطالعہ روایت کی سند میں ایسا نہیں ہے، جیسا کہ مؤلف رحمہ اللہ **تلخیص** میں فرماتے ہیں، اگر یہ روایت بقیہ کے وہم سے محفوظ ہے تو بھی اس میں تدلیس تسویہ کی وجہ سے یہ علت موجود ہے، کیونکہ اس کے شیخ نے اپنے شیخ سے معنعن روایت نقل کی ہے۔

اس روایت میں دوسری علت یہ ہے کہ یہ روایت بقیہ کا شیخ یونس بن یزید امام زہری سے نقل کرتا ہے، امام احمد فرماتے ہیں کہ زہری سے اس کی مرویات منکر ہیں۔

امام طبرانی نے **الصغیر** میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے نقل کیا ہے وہ کہتے ہیں نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:"جس نے جمعہ کی ایک رکعت پالی اس نے جمعہ پالیا۔" امام طبرانی نے اس روایت کو نقل کرنے کے بعد لکھا ہے کہ یحییٰ بن سعید سے یہ روایت فقط عبدالعزیز ہی نے نقل کی ہے، امام طبرانی کا یہ بیان درست نہیں کیونکہ یحییٰ بن سعید سے یہ روایت عبداللہ بن عمر اور ابراہیم بن عطیہ نے بھی مرفوع ہی نقل کی ہے، البتہ یحییٰ القطان، زہیر بن معاویہ اور ہشیم نے موقوف نقل کی ہے۔ ابراہیم بن عطیہ چونکہ منکر الحدیث ہے اس لیے اس کی متابعت مفید نہیں، لہٰذا اصول حدیث کی روشنی میں اس روایت کا موقوف ہونا ہی راجح ہے۔

اس کی مؤید روایت حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے بھی منقول ہے، مگر اس میں لفظ جمعہ کی موجودگی شاذ ہے، کیونکہ امام بخاری نے امام مالک کے طریق سے جو حدیث نقل کی ہے اس میں لفظ جمعہ موجود نہیں۔

امام حاکم اور امام بیہقی نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی اس حدیث کو ایک دوسرے طریق سے نقل کیا ہے، اس میں لفظ جمعہ موجود ہے مگر وہ روایت فضل بن محمد اور یحییٰ بن ایوب کی وجہ سے ضعیف ہے۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ فقط جمعہ کی موجودگی کے بغیر یہ حدیث صحیح سند سے ثابت ہے، ظاہر ہے کہ اس عموم میں جمعہ بھی شامل ہے لہٰذا ثابت ہوا کہ جو شخص جمعہ کی ایک رکعت بھی امام کے ساتھ پالے اس نے جمعہ کا ثواب پالیا، اب رہا یہ مسئلہ کہ جو شخص امام کے ساتھ ایک رکعت بھی نہ پائے، اس کے لیے کیا حکم ہے؟ آیا وہ بھی دو رکعات ہی پڑھے یا چار رکعات پڑھے؟ اس بارے میں اہل علم میں اختلاف پایا جاتا ہے، اہل علم کے ایک گروہ کا کہنا ہے کہ تب بھی وہ دو رکعات ہی پڑھے گا کیونکہ نماز جمعہ ایک مستقل نماز ہے اور یہ دو رکعات ہی فرض ہیں، جبکہ دوسرے گروہ کا کہنا ہے کہ یہ ظہر کے قائم مقام ہے، اگر دونوں رکعات فوت ہو جائیں تو پھر چار رکعات پڑھی جائیں، یہ حضرات

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

درج ذیل روایات کو بطور دلیل نقل کرتے ہیں۔

(۱) امام دارقطنی نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے، وہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "جس شخص نے جمعہ کی ایک رکعت پالی وہ دوسری پڑھ لے اور اگر وہ امام کو تشہد وغیرہ میں پائے تو پھر وہ ظہر کی چار رکعات پڑھے۔" یہ طریق یاسین الزیات کے متروک ہونے کی وجہ سے ضعیف ہے۔ اس روایت کے بیان کرنے میں یاسین کی اگرچہ صالح بن ابی الاخضر نے متابعت کی ہے، لیکن وہ اس سے بھی زیادہ مجروح ہے۔ ان کی متابعت سلیمان بن ابی داؤد الحرانی نے بھی کی ہے مگر وہ بھی ضعیف ہے۔

(۲) امام عبدالرزاق نے عبداللہ بن مسعود کا اثر نقل کیا ہے، وہ فرماتے ہیں جس شخص کی دوسری رکعت بھی فوت ہو جائے وہ چار رکعات پڑھے۔ اس روایت کے اگرچہ جملہ رواۃ ثقہ ہیں تاہم یہ روایت ابو اسحاق سبیعی کی تدلیس کی وجہ سے ضعیف ہے۔ امام طبرانی، امام بیہقی اور امام ابن ابی شیبہ نے بھی یہ روایت نقل کی ہے، اس روایت کا مرکزی راوی ابو اسحاق ہی ہے اور اس نے یہ روایت معنعن نقل کی ہے

(۳) نافع کہتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا: "جس شخص نے جمعہ کی ایک رکعت پالی وہ دوسری بھی پڑھ لے اور اگر وہ انہیں تشہد وغیرہ میں پائے تو چار رکعات پڑھے۔" اس روایت کے جملہ رواۃ ثقہ ہیں، تاہم یہ واضح نہیں کہ اس سند میں موجود ایوب سے مراد ایوب بن ابی تمیمہ ہیں یا ایوب بن موسیٰ ہیں، اگر ایوب بن ابی تمیمہ ہیں تو وہ مدلس ہیں اور روایت معنعن ہے، لہٰذا یہ روایت بھی ضعیف ہے

۴۴۴: وَعَنْ جَابِرِ بْنِ سَمُرَةَ رضی اللہ عنہما أَنَّ النَّبِيَّ صلی اللہ علیہ وسلم كَانَ يَخْطُبُ قَائِمًا, ثُمَّ يَجْلِسُ, ثُمَّ يَقُومُ فَيَخْطُبُ قَائِمًا, فَمَنْ أَنْبَأَكَ أَنَّهُ كَانَ يَخْطُبُ جَالِسًا, فَقَدْ كَذَبَ. أَخْرَجَهُ مُسْلِمٌ.

مسلم، كتاب الجمعة، باب ذكر الخطبتين قبل الصلاة و ما فيهما من الجلسة: ۸۶۱، ۸۶۲، ۸۶۴، البخارى: ۹۲۰، ابوداود: ۱۰۹۳، النسائى: ۳/۱۱۰، ابن ماجة: ۱۱۰۵، ۱۱۰۶، احمد: ۵/۸۸، البيهقى: ۳/۲۰۷

۴۴۴: حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کھڑے ہو کر خطبہ ارشاد فرماتے، پھر بیٹھ جاتے، پھر کھڑے ہوتے اور خطبہ ارشاد فرماتے، اور جو تمہیں یہ خبر دے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم بیٹھ کر خطبہ ارشاد فرماتے تھے، اس نے جھوٹ بولا۔ (مسلم)

تشریح: اس حدیث میں اگرچہ جمعہ کے خطبہ کی صراحت نہیں ہے تاہم حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی حدیث میں یہ صراحت ہے وہ فرماتے ہیں کہ نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم جمعہ کا خطبہ کھڑے ہو کر ارشاد فرماتے تھے، پھر بیٹھتے اور پھر دوبارہ کھڑے ہوتے، جیسا کہ آج کل ہوتا ہے۔ صحابہ ایسے شخص کو سخت ناپسند فرماتے تھے جو جمعہ کا خطبہ بیٹھ کر دیتا تھا جیسا کہ ابو عبیدہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت کعب بن عجرہ رضی اللہ عنہ مسجد میں داخل ہوئے تو اس وقت عبدالرحمٰن بن ام الحکم خطبہ بیٹھ کر دے رہا ہے، انہوں نے فرمایا، اس خبیث کو دیکھو! یہ خطبہ بیٹھ کر دے رہا ہے...... (البیهقی)

فقہی احکام: (۱) جمعہ کے دو خطبے دینے چاہیے اور دونوں کھڑے ہو کر دینے چاہیے۔ (۲) دونوں کے درمیان تھوڑی دیر بیٹھنا چاہیے۔ (۳) خطیب اگر خلاف سنت عمل کرے تو اسے دوران خطبہ خبردار کیا جا سکتا ہے۔

۴۴۵: وَعَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ رضی اللہ عنہما قَالَ كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صلی اللہ علیہ وسلم إِذَا خَطَبَ, احْمَرَّتْ عَيْنَاهُ, وَعَلَا صَوْتُهُ, وَاشْتَدَّ غَضَبُهُ, حَتَّى كَأَنَّهُ مُنْذِرُ جَيْشٍ يَقُولُ صَبَّحَكُمْ وَمَسَّاكُمْ, وَيَقُولُ "أَمَّا بَعْدُ, فَإِنَّ خَيْرَ الْحَدِيثِ كِتَابُ اللَّهِ, وَخَيْرَ الْهَدْيِ هَدْيُ مُحَمَّدٍ, وَشَرَّ الْأُمُورِ مُحْدَثَاتُهَا, وَكُلَّ بِدْعَةٍ ضَلَالَةٌ" رَوَاهُ مُسْلِمٌ وَفِي رِوَايَةٍ لَهُ كَانَتْ خُطْبَةُ النَّبِيِّ صلی اللہ علیہ وسلم يَوْمَ الْجُمُعَةِ يَحْمَدُ اللَّهَ وَيُثْنِي عَلَيْهِ, ثُمَّ يَقُولُ عَلَى إِثْرِ ذَلِكَ, وَقَدْ عَلَا صَوْتُهُ. وَفِي رِوَايَةٍ لَهُ "مَنْ يَهْدِهِ اللَّهُ

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

فَلَا مُضِلَّ لَهُ ,وَمَنْ يُضْلِلْ فَلَا هَادِیَ لَهُ " وَلِلنَّسَائِیِّ " وَكُلَّ ضَلَالَةٍ فِی اَلنَّارِ "

مسلم، کتاب الجمعة، باب تخفیف الصلاۃ و الخطبة: ۸۶۷، النسائی: ۱۸۸/۳ ، ۱۸۹ ، ابن ماجة: ۴۵

تنبیہ: بلوغ المرام کے بعض مطبوعہ نسخوں میں من یھداللہ ہے جبکہ صحیح مسلم میں من یھدہ اللہ ہے۔

۴۴۵: حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب خطبہ ارشاد فرماتے تو آپ ﷺ کی آنکھیں سُرخ ہو جاتیں اور آواز بلند ہو جاتی اور آپ ﷺ پُر جوش ہو جاتے گویا کہ آپ ﷺ کسی کو خبردار کر رہے ہیں کہ دشمن کا لشکر صبح یا شام آ منے سامنے ہونے والا ہے، اور فرماتے حمد وثنا کے بعد، بہترین بات اللہ کی کتاب ہے اور بہترین راہنمائی محمد (ﷺ) کی راہنمائی ہے، بدترین امور بدعات ہیں اور ہر بدعت گمراہی ہے۔۔(مسلم)

مسلم ہی کی ایک روایت میں ہے کہ جمعہ کے روز نبی مکرم ﷺ کا خطبہ اس طرح ہوتا ہے کہ آپ ﷺ اللہ کی تعریف وثنا بیان فرماتے، پھر اس کے بعد پند ونصائح فرماتے، اس دوران آپ ﷺ کی آواز کبھی بلند بھی ہو جاتی۔

مسلم ہی کی ایک روایت میں ہے کہ (آپ ﷺ فرماتے)" اللہ تعالیٰ جس کی راہنمائی فرمائے اسے کوئی گمراہ کرنے والا نہیں اور جسے وہ گمراہ کر دے اسے کوئی راہ ہدایت دکھانے والا نہیں۔" اور نسائی میں یوں ہے "اور گمراہی ہی آگ میں ہے۔"

لغوی تحقیق: منذر جیش: اپنے لشکر کو خبردار کرنے والا۔ صبحکم: وہ صبح صبح تم پر حملہ آور ہونے والا ہے۔ مسأکم: تم پر شام کے وقت حملہ آور ہوگا۔ محدثات: محدثة کی جمع ہے یعنی بدعات۔ صوت: آواز۔ اثر: ہمزہ مکسور، ثاء ساکن یعنی پیچھے۔

تشریح: اس حدیث سے یہ واضح ہوا کہ خطیب کو چاہیے کہ وہ اپنی قوم کو خطرات سے خبردار کرتا رہے، معاشرے میں موجود خرابیوں کی نشاندہی کر کے ان کے بدانجام سے انہیں آگاہ کرتا رہے، قوم کو متحرک رکھنے کیلئے ان میں جوش اور ولولہ پیدا کرتا رہے اور انہیں خواب غفلت سے بیدار کرتا رہے، جس قوم کے خطبا اسوہ رسول کی روشنی میں خطبات دیتے رہیں گے وہ قوم بیدار رہے گی اس طرح خرابیوں کی اصلاح ہوتی رہے گی، لیکن جس قوم کے خطبا اصلاح احوال کی کوشش ترک کر کے قوم کو مسحور ومحظوظ کرنے کی روش اختیار کریں گے وہ قوم تباہی وبربادی کی راہ پر چل نکلے گی، دشمن کا لشکر بہت جلد انہیں عبرتناک داستان بنا دے گا۔

فقہی احکام: (۱) خطیب کو مصلح قوم کا کردار ادا کرنا چاہیے۔ (۲) معاشرے میں موجود برائیوں کے بد اثرات سے قوم کو آگاہ کرنا چاہیے۔ (۳) پرجوش انداز اختیار محاسن خطابت میں سے ہے۔ (۴) خطبہ کا آغاز اللہ کی حمد وثنا سے ہونا چاہیے۔

۴۴۶: وَعَنْ عَمَّارِ بْنِ یَاسِرٍ رضی اللہ عنہ قَالَ سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ یَقُولُ " إِنَّ طُولَ صَلَاةِ الرَّجُلِ ,وَقِصَرَ خُطْبَتِهِ مَئِنَّةٌ مِنْ فِقْهِهِ " رَوَاهُ مُسْلِمٌ.

صحیح مسلم، کتاب الجمعة، باب تخفیف الصلاۃ و الخطبة: ۸۶۹، احمد: ۲۶۳/۴، ابن خزیمة: ۱۷۸۲

۴۴۶: حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے سنا کہ " آدمی کی نماز لمبی اور خطبہ مختصر اس کی فقاہت کی علامت ہے۔" (مسلم)

لغوی تحقیق: مئنة: میم مفتوح، ہمزہ مکسور اور نون مشدد مفتوح، علامت۔ قصر: قاف مکسور اور صاد مفتوح یعنی مختصر۔

تشریح: اس حدیث سے یہ واضح ہو کہ نماز لمبی اور خطبہ مختصر ہونا چاہیے، خطبہ مختصر ہونے کے بہت سے فوائد ہے مثلاً

(۱) سامعین آسانی سے ذہن نشین کر لیتے ہیں۔ (۲) لوگ مسجد میں جلدی پہنچنے کی کوشش کرتے ہیں۔ (۳) لوگ نماز جمعہ کے بعد

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

قیلولہ کر سکتے ہیں۔ (۴) خطیب کو وقت پورا کرنے کے لیے من گھڑت قصے، ضعیف روایات اور شعر و شاعری کا سہارا لینے کی ضرورت نہیں رہتی۔ (۵) منتظمین پر خطبا کی بڑی بڑی تنخواہوں کا بوجھ نہیں پڑتا۔

۴۴۷: وَعَنْ أُمِّ هِشَامٍ بِنْتِ حَارِثَةَ رضی اللہ عنہا قَالَتْ مَا أَخَذْتُ "ق وَالْقُرْآنِ الْمَجِيدِ" إِلَّا عَنْ لِّسَانِ رَسُولِ اللّٰهِ ﷺ يَقْرَؤُهَا كُلَّ جُمُعَةٍ عَلَى الْمِنْبَرِ إِذَا خَطَبَ النَّاسَ. رَوَاهُ مُسْلِمٌ.

مسلم، کتاب الجمعة، باب تخفیف الصلاة و الخطبة: ۸۷۳، ابوداود: ۱۱۰۰۔۱۱۰۳، النسائی: ۱۴۱۲، احمد: ۴۳۵/۶، ۴۳۶، ابن خزیمة: ۱۷۸۹

۴۴۷: اُم ھشام بنت حارثہ رضی اللہ عنہا نے بیان کیا کہ میں نے سورۃ "ق" رسول اللہ ﷺ کی زبان مبارک سے سن کر یاد کر لی (کیونکہ) آپ ﷺ ہر جمعہ کا خطبہ دیتے وقت منبر پر اس کی تلاوت فرمایا کرتے تھے۔ (مسلم)

تشریح: خطاب کا اصل مقصد قوم کو پند و نصائح کرنا ہے، ویسے تو سارا قرآن ہی پند و نصائح پر مبنی ہے تاہم سورۃ ق میں اصلاح احوال کا کچھ زیادہ ہی سامان ہے، کیونکہ اس سورۃ میں موت، قیامت اور جنت و جہنم کا تذکرہ نہایت بلیغ انداز میں کیا گیا ہے۔ یقیناً اسی لیے آپ ﷺ خطبہ جمعہ میں اس سورۃ کی تلاوت فرماتے تھے، حضرت جابر بن سمرۃ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے وہ فرماتے ہیں کہ آپ ﷺ دو خطبے ارشاد فرماتے اور دونوں کے درمیان میں تھوڑی دیر بیٹھتے۔ خطبہ میں قرآن حکیم کی تلاوت فرماتے اور لوگوں کو پند و نصائح فرماتے۔

فقہی احکام: (۱) خطبات میں پند و نصائح کا اہتمام کیا جائے۔ (۲) لوگوں کو قرآن و حدیث سنایا جائے بے مقصد باتیں، من گھڑت واقعات اور شعر و شاعری سے اجتناب کیا جائے (۳) سورۃ ق کی کچھ آیات مع ترجمہ سنائی جائیں (۴) خطبہ اس زبان میں دیا جائے جس زبان کو لوگ سمجھتے ہوں۔

۴۴۸۔۴۴۹: وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رضی اللہ عنہما قَالَ، قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ "مَنْ تَكَلَّمَ يَوْمَ الْجُمُعَةِ وَالْإِمَامُ يَخْطُبُ فَهُوَ كَمَثَلِ الْحِمَارِ يَحْمِلُ أَسْفَارًا, وَالَّذِي يَقُولُ لَهُ أَنْصِتْ, لَيْسَتْ لَهُ جُمُعَةٌ" رَوَاهُ أَحْمَدُ, بِإِسْنَادٍ لَا بَأْسَ بِهِ وَهُوَ يُفَسِّرُ حَدِيثَ أَبِي هُرَيْرَةَ رضی اللہ عنہ فِي الصَّحِيحَيْنِ مَرْفُوعًا" إِذَا قُلْتَ لِصَاحِبِكَ أَنْصِتْ يَوْمَ الْجُمُعَةِ وَالْإِمَامُ يَخْطُبُ, فَقَدْ لَغَوْتَ "

مسند احمد: ۲۳۰/۱، مسند البزار: ۶۴۴، المعجم الاوسط للطبرانی: ۹۱۶۳، التنقیح لابن عبد الهادی: ۲۱۵/۲، ۱، البخاری: ۹۳۴، مسلم: ۸۵۱، ابوداود: ۱۱۱۲، النسائی: ۱۰۴/۳، الترمذی: ۵۱۷، ابن ماجة: ۱۱۱۰، الدارمی: ۳۰۲/۱

۴۴۸۔۴۴۹: حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "جس شخص نے جمعہ کے دن اس وقت بات کی جب امام خطبہ دے رہا ہو تو وہ شخص اس گدھے کی طرح ہے جو کتابوں کا بوجھ اُٹھاتا ہے، جس شخص نے ایسے شخص سے یہ کہا کہ خاموش ہو جاؤ، اس کا بھی جمعہ نہیں رہا۔" اس روایت کو احمد نے ایسی سند سے بیان کیا ہے جس میں کوئی کمزوری نہیں۔ یہ حدیث ابو ہریرہ سے مروی اس مرفوع حدیث کی وضاحت کرتی ہے جو صحیحین میں مذکور ہے (وہ حدیث اس طرح ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا) "جب تو نے اپنے ساتھی سے امام کے خطبہ کے دوران یہ کہا کہ خاموش ہو جاؤ تو تم نے لغو بات کی۔"

لغوی تحقیق: اسفار: ہمزہ مفتوح اور سین ساکن یہ سِفر کی جمع ہے یعنی کتابیں یا صحیفے۔ **لا بأس به:** اس اصطلاح کا شمار الفاظ تعدیل میں ہوتا ہے یعنی اس میں کوئی قباحت نہیں۔ **انصت:** ہمزہ مفتوح، نون ساکن اور صاد مکسور، باب افعال سے فعل امر ہے یعنی خاموش ہو جاؤ۔ **لغوت:** تاء مرفوعہ مفتوح یعنی تو نے لغویات کی یا اپنے جمعہ کو باطل کر لیا۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

تشریح: پہلی روایت کے بارے میں اگرچہ مؤلف رحمہ اللہ نے لا بأس بہ کہا ہے تاہم یہ روایت صحیح نہیں کیونکہ اس روایت کی سند میں مجاہد بن سعید نامی راوی ہے جو ضعیف ہے، امام نسائی نے اسے لیس بالقوی اور امام یحییٰ بن سعید نے ضعیف کہا ہے خود امام احمد بھی اس راوی کو اہمیت نہیں دیتے تھے۔ مؤلف رحمہ اللہ نے اس روایت کی اصل صحیحین کی حدیث کو قرار دیا ہے، یہ روایت چونکہ اس کی تفسیر ہے، اس لیے اس روایت کے ضعیف ہونے سے اس مضمون کی اہمیت میں کمی واقع نہیں ہوئی۔ یعنی یہ بات اپنی جگہ درست ہے کہ دوران خطبہ باتیں کرنے والے کو خاموش رہنے کا مشورہ دینے والے کا جمعہ بھی ضائع ہو جاتا ہے، یہی مفہوم لیست له جمعة کا ہے، جب یہ حقیقت ہے تو پھر باتیں کرنے والوں کا کیا حال ہوگا؟ اس کا اندازہ آپ خود کر سکتے ہیں۔ اس کے برعکس جو شخص غسل وغیرہ کر کے مسجد آتا ہے، جہاں جگہ ہو وہیں بیٹھ جاتا ہے، خطبہ خاموشی سے سنتا ہے اس کے ایک ہفتے کے گناہ معاف کر دیئے جاتے ہیں۔

فقہی احکام: (۱) خطبہ جمعہ نہایت توجہ سے سننا چاہیے۔ (۲) دوران خطبہ مصافحہ کرنا یا حال احوال کرنا درست نہیں، اس سے جمعہ کا ثواب برباد ہو جاتا ہے۔ (۳) اگر کوئی باتیں کر رہا ہو تو خطیب کا کام ہے اسے منع کرے، یا پھر خطیب کسی کو حکم دے کہ وہ اسے منع کرے، بصورت دیگر کسی کو اجازت نہیں کہ وہ دوسرے کو خاموش رہنے کا کہے۔

۴۵۰: وَعَنْ جَابِرٍ رضی اللہ عنہ قَالَ دَخَلَ رَجُلٌ يَوْمَ الْجُمُعَةِ ,وَالنَّبِيُّ صلی اللہ علیہ وسلم يَخْطُبُ فَقَالَ "صَلَّيْتَ؟" قَالَ لَا قَالَ "قُمْ فَصَلِّ رَكْعَتَيْنِ" مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ.

البخاری، کتاب الجمعة، باب اذا رای الامام رجلاً جاء و هو یخطب امره ان یصلی رکعتین: ۹۳۰، ۹۳۱، مسلم: ۸۷۵، ابوداود: ۱۱۱۵، الترمذی: ۵۱۴، النسائی: ۱۰۳/۳، ابن ماجة: ۱۱۱۲، احمد: ۲۹۷/۳، ابن الجارود: ۲۹۳

۴۵۰: حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص جمعہ کے روز اس وقت مسجد میں داخل ہوا جب نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم خطبہ ارشاد فرما رہے تھے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے دریافت فرمایا: "کیا تم نے (دو رکعات) نماز پڑھی ہے؟" اس نے کہا نہیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "اُٹھو، دو رکعات نماز پڑھو۔" (بخاری و مسلم)

تشریح: زیر مطالعہ حدیث حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے متعدد طرق سے مروی ہے اس طریق میں اگرچہ مسجد میں داخل ہونے والے صحابی کا نام مذکور نہیں، تاہم انہیں سے مروی دوسرے طریق میں یہ صراحت ہے کہ اس صحابی کا نام سلیک غطفانی تھا نیز اس طریق میں صلیت کی جگہ ارکعت رکعتین کے الفاظ ہیں یعنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے دریافت فرمایا: "کیا تم نے دو رکعات پڑھی ہیں؟"

فقہی احکام: (۱) خطیب دوران خطبہ اصل مضمون چھوڑ کر کسی مقتدی سے سوال و جواب کر سکتا ہے۔ (۲) مسجد میں داخل ہونے کے بعد مسجد میں اس وقت تک نہیں بیٹھنا چاہیے جب تک دو رکعات نہ پڑھ لی جائیں۔ (۳) یہ دو رکعات دوران خطبہ بھی پڑھی جا سکتی ہیں۔

۴۵۱: وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رضی اللہ عنہما أَنَّ النَّبِيَّ صلی اللہ علیہ وسلم كَانَ يَقْرَأُ فِي صَلَاةِ الْجُمُعَةِ سُورَةَ الْجُمُعَةِ ,وَالْمُنَافِقِينَ . رَوَاهُ مُسْلِمٌ.

صحیح مسلم، کتاب الجمعة، باب مایقرأ فی صلاة الجمعة و فی یوم الجمعة: ۸۷۷، ۸۷۹، ابوداود: ۱۰۷۵، الترمذی: ۵۲۴، النسائی: ۱۱۱/۳، ابن ماجة: ۷۹/۱، احمد: ۲۲۶/۱، ابن خزیمة: ۵۳۳

۴۵۱: حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم جمعہ کی نماز میں سورۃ جمعہ اور سورۃ منافقون تلاوت فرمایا کرتے تھے۔ (مسلم)

تشریح: اس حدیث سے یہ واضح ہوا کہ رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم جمعہ کی نماز میں سورۃ جمعہ اور سورۃ منافقون کی تلاوت فرمایا کرتے تھے،

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث بھی اس کی مؤید ہے، اس میں یہ صراحت بھی ہے کہ حضرت ابو ہریرہ اور حضرت علی رضی اللہ عنہما بھی نماز جمعہ میں انہیں سورتوں کی تلاوت فرمایا کرتے تھے، ہمیں بھی چاہیے کہ ہم اسوہ رسول کی پیروی کرتے ہوئے وہی سورتیں نماز جمعہ میں پڑھیں جو رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم پڑھا کرتے تھے۔

فقہی احکام: نماز جمعہ میں سورۃ جمعہ اور سورۃ منافقون کی تلاوت مسنون ہے تاہم دیگر سورتیں پڑھنے سے نماز فاسد نہیں ہوتی۔

۴۵۲: وَلَهُ عَنِ النُّعْمَانِ بْنِ بَشِيرٍ رضی اللہ عنہما كَانَ يَقْرَأُ فِي الْعِيدَيْنِ وَفِي الْجُمُعَةِ بِ﴿سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْأَعْلَى﴾ وَ ﴿هَلْ أَتَاكَ حَدِيثُ الْغَاشِيَةِ﴾

مسلم، كتاب الجمعة، باب مايقرأ في صلاة الجمعة: ۸۷۸، ابوداود: ۱۱۲۲ - ۱۱۲۵، الترمذي: ۵۳۳، النسائي: ۱۱۲/۳، الدارمي: ۱۵۷۴، البيهقي: ۲۰۱/۳، عبدالرزاق: ۱۸۱/۳

۴۵۲: مسلم ہی میں نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم عیدین اور جمعہ کی نمازوں میں سورۃ **سبح اسم ربک الاعلی** اور **هل اتاک حدیث الغاشیة** تلاوت فرمایا کرتے تھے۔

تشریح: اس حدیث سے یہ واضح ہوا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نماز جمعہ میں سورۃ الاعلیٰ اور سورۃ الغاشیہ بھی تلاوت فرمایا کرتے تھے۔ اس طرح حضرت جابر بن سمرۃ رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث میں بھی یہ صراحت مذکور ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نماز جمعہ میں مذکورہ سورتوں کی تلاوت فرمایا کرتے تھے، حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہما سے مروی حدیث میں بھی یہ صراحت ہے لیکن وہ روایت منقطع ہونے کی وجہ سے ضعیف ہے۔

درج بالا چاروں صحیح احادیث سے یہ واضح ہو کہ رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم نماز جمعہ میں کبھی سورۃ جمعہ اور سورۃ منافقون تلاوت فرمایا کرتے تھے اور کبھی سورۃ الاعلیٰ اور سورہ الغاشیہ تلاوت فرمایا کرتے تھے۔ اُمتی ہونے کے ناطے ہم پر بھی لازم ہے کہ ہم نماز جمعہ میں انہیں سورتوں کی باری باری تلاوت کیا کریں کیونکہ سنت پر عمل پیرا ہونے ہی میں ہم سب کی نجات ہے۔

فقہی احکام: (۱) سورۃ الاعلیٰ اور سورۃ الغاشیہ کو بھی نماز جمعہ میں پڑھنا مسنون ہے۔

(۲) مذکورہ بالا سورتیں نماز جمعہ میں باری باری پڑھی جاسکتی ہیں۔

۴۵۳: وَعَنْ زَيْدِ بْنِ أَرْقَمَ رضی اللہ عنہ قَالَ صَلَّى النَّبِيُّ صلی اللہ علیہ وسلم الْعِيدَ ,ثُمَّ رَخَّصَ فِي الْجُمُعَةِ, فَقَالَ "مَنْ شَاءَ أَنْ يُصَلِّيَ فَلْيُصَلِّ" رَوَاهُ الْخَمْسَةُ إِلَّا التِّرْمِذِيَّ، وَصَحَّحَهُ ابْنُ خُزَيْمَةَ.

ابوداود، تفريع ابواب الجمعة، باب اذا وافق يوم الجمعة يوم عيد: ۱۰۷۰، ۱۰۷۱، ۱۰۷۳، النسائي: ۱۹۴/۳، ابن ماجة: ۱۳۱۰ ـ ۱۳۱۲، احمد: ۳۷۲/۴، ابن خزيمة: ۳۵۹/۲، الحاكم: ۲۸۸/۱، البيهقي: ۳۱۷/۳، ۳۱۸، تقريب: ۵۸۷، التلخيص: ۶۹۷، بيان الوهم والايهام: ۲۰۳/۴، العلل المتناهية لابن جوزي: ۴۷۳/۱، البخاري: ۵۵۷۲، عبدالرزاق: ۳۰۵/۳

۴۵۳: حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے عید کی نماز پڑھی پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جمعہ کے بارے میں رخصت عنایت فرماتے ہوئے فرمایا: "جو (جمعہ) پڑھنا چاہے وہ پڑھ لے۔" ماسوا ترمذی کے اسے پانچوں نے روایت کیا ہے اور ابن خزیمہ نے اسے صحیح کہا ہے۔

تشریح: مؤلف رحمۃ اللہ علیہ نے اس روایت کے بارے میں امام ابن خزیمہ کی غیر مشروط تصحیح نقل کی ہے جبکہ امام ابن خزیمہ نے اس روایت پر بالجزم تصحیح کا حکم نہیں لگایا، امام صاحب نے اس روایت کو نقل کرنے سے پہلے ذکر کیا ہے کہ عید اور جمعہ اگر ایک دن آجائیں تو پھر

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

بعض لوگوں کے لیے جمعہ کی رخصت ہے بشرطیکہ یہ حدیث صحیح ہو کیونکہ ایاس بن ابی رملہ کے بارے میں مجھے جرح اور تعدیل کا کوئی علم نہیں۔ واضح رہے کہ ایاس بن ابی رملہ کو ابن منذر اور ابن قطان نے مجہول قرار دیا ہے، مؤلف رحمۃ اللہ علیہ نے بھی تقریب میں اسے بالجزم مجہول لکھا ہے۔

جب یہ واضح ہو گیا کہ ایاس بن ابی رملہ مجہول ہے تو پھر کسی محدث کی اس حدیث کے بارے میں تصحیح یا تحسین کیا معنی رکھتی ہے؟ البتہ اس روایت کی تائید بعض دیگر روایات سے بھی ہوتی ہے، جیسا کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "آج کے دن دو عیدین جمع ہو گئی ہیں، جو شخص جمعہ نہ پڑھنا چاہیے اس کیلئے عید کا پڑھ لینا ہی کافی ہے، تاہم ہم جمعہ پڑھیں گے اس روایت کا مرکزی راوی عبدالعزیز بن رفیع ہے، ان سے یہ روایت مرسل اور موصول دونوں طرح منقول ہے، امام دارقطنی اور امام احمد نے مرسل طریق کو راجح قرار دیا ہے۔

واضح رہے کہ اس روایت کو موصولاً فقط بقیہ بن ولید اور زیاد بن عبداللہ البکائی نے بیان کیا ہے بقیہ سے تدلیس تسویہ کا صدور رہا ہے، اس لیے ایسے راوی کی روایت اس وقت صحیح نہیں ہوگی جب تک اس سے اوپر کے تمام واسطوں میں سماع کی صراحت نہ ہو، یہاں چونکہ بقیہ نے امام شعبہ کا ان کے شیخ مغیرہ ضبی سے سماع نقل نہیں کیا، لہٰذا یہ روایت ضعیف ہے، زیاد بن عبداللہ البکائی کی متابعت بھی مفید نہیں، کیونکہ امام ابن قطان نے اس کے بارے میں لکھا ہے کہ وہ ضعیف ہے بلکہ بقول ان کے بعض محدثین کے نزدیک یہ شخص جھوٹا بھی ہے، نیز مغیرہ ضبی بھی مدلس ہے اور اس نے یہ روایت عبدالعزیز سے عن سے نقل کی ہے۔

امام ابن ماجہ نے یہی متن حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کے طریق سے بھی نقل کیا ہے۔ اگر یہ روایت ہر قسم کے وہم سے پاک ہو تو تب بھی یہ روایت ضعیف ہے، کیونکہ اس روایت کا مرکزی راوی بھی بقیہ بن ولید ہی ہے اس نے یہاں بھی اپنے شیخ مغیرہ کا ان کے شیخ عبدالعزیز سے سماع نقل نہیں کیا

امام ابن ماجہ نے اسی متن سے ملتا جلتا متن حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے بھی نقل کیا ہے، یہ روایت جبارہ بن مغلس اور مندل بن علی کی وجہ سے ضعیف ہے، البتہ حضرت عثمان، حضرت علی اور حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہم سے صحیح اسناد سے مذکور ہے کہ وہ اس کے قائل و فائل تھے کہ اگر جمعہ کے روز عید آ جائے تو پھر جمعہ کے خطبہ اور جماعت میں سب لوگوں کے لیے شریک ہونا ضروری نہیں۔

فقہی احکام: (۱) جمعہ بھی مسلمانوں کیلئے عید ہے۔ (۲) جمعہ اور عید کا ایک دن میں جمع ہونا باعث برکت ہے۔

(۳) جمعہ کے روز اگر عید آ جائے تو پھر خطبہ جمعہ اور جماعت میں شریک ہونا سب مسلمانوں کے لیے ضروری نہیں۔

۴۵۴: وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضي الله عنه قَالَ، قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صلى الله عليه وسلم " إِذَا صَلَّى أَحَدُكُمُ الْجُمُعَةَ فَلْيُصَلِّ بَعْدَهَا أَرْبَعًا " رَوَاهُ مُسْلِمٌ.

مسلم، کتاب الجمعة، باب الصلاة بعد الجمعة: ۸۸۱، البخاری: ۹۳۷، ابوداود: ۱۱۳۱، الترمذی: ۵۲۸، النسائی: ۱۱۳/۳، احمد: ۲۴۹/۲

۴۵۴: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "آپ میں سے کوئی ایک جب جمعہ پڑھے تو اس کے بعد چار رکعات پڑھے۔" (مسلم)

تشریح: زیر مطالعہ حدیث میں جمعہ کے فرائض کے بعد چار رکعات پڑھنے کی تعلیم دی گئی ہے، جبکہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی حدیث میں ہے کہ نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم جمعہ کی نماز کے بعد دو رکعات پڑھتے تھے، حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی حدیث میں

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ہے کہ رسول اللہ ﷺ جمعہ کے بعد چار رکعات ایک سلام کے ساتھ پڑھتے تھے، یہ روایت سخت ترین ضعیف ہے کیونکہ اس میں بہت سی علتیں موجود ہیں، مثلاً بقیہ مدلس ہے، حجاج بن ارطاۃ ضعیف اور مدلس ہے عطیہ العوفی ضعیف ہے اور مبشر بن عبید کی روایت کو امام احمد نے موضوع قرار دیا ہے۔

حضرت ابو ہریرہ اور حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہم سے مروی احادیث کے مابین اہل علم نے یہ تطبیق دی ہے کہ جمعہ کے بعد کے نوافل اگر مسجد میں پڑھنے کا ارادہ ہو تو پھر چار رکعات پڑھنی چاہئیں اور اگر گھر میں پڑھنے ہوں تو پھر دو پڑھنے چاہئیں۔

فقہی احکام: جمعہ کے بعد مسجد میں چار رکعات پڑھی جائیں اور گھر میں پڑھنی ہوں تو پھر دو رکعات پڑھیں۔

۴۵۵: وَعَنِ السَّائِبِ بْنِ يَزِيدَ رضی اللہ عنہ أَنَّ مُعَاوِيَةَ رضی اللہ عنہ قَالَ لَهُ إِذَا صَلَّيْتَ الْجُمُعَةَ فَلا تَصِلْهَا بِصَلَاةٍ ,حَتَّى تَتَكَلَّمَ أَوْ تَخْرُجَ ,فَإِنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ أَمَرَنَا بِذَلِكَ أَنْ لا نُوصِلَ صَلَاةً بِصَلَاةٍ حَتَّى نَتَكَلَّمَ أَوْ نَخْرُجَ. رَوَاهُ مُسْلِمٌ.

مسلم، كتاب الجمعة، باب الصلاة بعد الجمعة: ۸۸۳، البخاری: ۹۳۷، ابو داود: ۱۱۲۹

تنبیہ: بلوغ المرام کے بعض نسخوں میں ان لا نصل صلاۃ ہے اور بعض میں ان لا نوصل صلاۃ ہے جبکہ صحیح مسلم کے مطبوعہ نسخہ میں ان لا توصل صلاۃ ہے۔

۴۵۵: حضرت سائب بن یزید رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے اس سے کہا، جب تم جمعہ کی نماز پڑھ لو تو اس نماز کے ساتھ کوئی اور نماز اس وقت تک مت ملاؤ جب تک کسی سے بات نہ کر لو، یا جگہ تبدیل نہ کر لو، کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے ہمیں یہ حکم دیا تھا کہ " ہم ایک نماز (فرض نماز) کے ساتھ دوسری نماز (نفل نماز) کو نہ ملائیں، تاوقتیکہ ہم کلام نہ کر لیں یا وہاں سے نکل نہ جائیں۔"

تشریح: اس حدیث سے یہ واضح ہوا کہ جس جگہ پر جمعہ یا کوئی اور فرض نماز پڑھی جائے، اسی جگہ پر اس وقت تک نفل نماز ادا نہ کی جائے، جب تک کسی سے بات چیت نہ کر لی جائے یا پھر جگہ تبدیل نہ کر لی جائے۔ آپ ﷺ نے یہی تعلیم دی اور خود بھی اسی کے مطابق عمل کیا۔ جیسا کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ آپ ﷺ جمعہ کی نماز کے بعد اس وقت تک نوافل وغیرہ ادا نہیں کرتے تھے جب تک وہ جگہ نہیں چھوڑ دیتے تھے۔

فقہی احکام: جس جگہ پر فرض نماز ادا کی جائے، اس جگہ پر اس وقت تک نفل نماز ادا نہ کی جائے جب تک کسی سے بات چیت نہ کر لی جائے

۴۵۶: وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضی اللہ عنہ قَالَ، قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ " مَنِ اغْتَسَلَ ,ثُمَّ أَتَى الْجُمُعَةَ ,فَصَلَّى مَا قُدِّرَ لَهُ ,ثُمَّ أَنْصَتَ , حَتَّى يَفْرُغَ الْإِمَامُ مِنْ خُطْبَتِهِ ,ثُمَّ يُصَلِّي مَعَهُ: غُفِرَ لَهُ مَا بَيْنَهُ وَبَيْنَ الْجُمُعَةِ الْأُخْرَى ,وَفَضْلُ ثَلَاثَةِ أَيَّامٍ " رَوَاهُ مُسْلِمٌ.

مسلم، كتاب الجمعة، باب فضل من استمع و انصت في الخطبة: ۸۵۷، ابو داود: ۳۴۳، الترمذی: ۵۰۰، ابن ماجة: ۱۰۹۰

۴۵۶: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: " جو شخص غسل کر کے جمعہ کے لیے آیا پھر اس نے اس قدر نماز پڑھی جس قدر اس کے نصیب میں تھی، پھر وہ اس وقت تک خاموش رہا جب تک امام خطبہ سے فارغ نہیں ہوا پھر اس نے امام کی اقتدا میں نماز ادا کی تو اس کے وہ تمام گناہ جو دو جمعوں کے مابین تھے (سات دنوں کے) اور مزید تین دن کے (کل دس دنوں کے) معاف کر دیئے گئے۔" مسلم

لغوی تحقیق: ماقدر: یہ تقدیر سے فعل مجہول ہے یعنی جو اس کے مقدر میں لکھ دیا گیا تھا۔

تشریح: اس روایت سے یہ واضح ہوا کہ جمعہ کے روز غسل کر کے جمعہ کی نماز کے لیے آنا چاہیے تاہم اس حدیث سے جمعہ کے غسل کی فرضیت ثابت نہیں ہوتی، اس حدیث سے دوسری یہ بات ثابت ہوئی کہ خطیب کے منبر پر بیٹھنے سے لے کر منبر سے نیچے اترنے تک خاموشی سے بیٹھنا چاہیے، اس حدیث سے اس دوران خاموش رہنے کی فرضیت ثابت نہیں ہوتی تاہم دوسری احادیث سے خاموش رہنے کی فرضیت

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ثابت ہوتی ہے،اس بارے میں حضرت عبداللہ بن عباس اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہم سے مروی احادیث اسی باب میں گزر چکی ہیں۔

فقہی احکام: (۱) جمعہ کے روز غسل کرنا مسنون ہے۔(۲) دوران خطبہ بات چیت کرنا حرام ہے،اس سے جمعہ باطل ہوجاتا ہے۔

۴۵۷: وَعَنْهُ أَنَّ رَسُولَ اَللَّهِ ﷺ ذَكَرَ يَوْمَ الْجُمُعَةِ فَقَالَ " فِيهِ سَاعَةٌ لَا يُوَافِقُهَا عَبْدٌ مُسْلِمٌ وَهُوَ قَائِمٌ يُصَلِّي ,يَسْأَلُ اَللَّهَ عزوجل شَيْئًا إِلَّا أَعْطَاهُ إِيَّاهُ" وَأَشَارَ بِيَدِهِ يُقَلِّلُهَا . مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ وَفِي رِوَايَةٍ لِمُسْلِمٍ " وَهِيَ سَاعَةٌ خَفِيفَةٌ "

مسلم، كتاب الجمعة، باب فى الساعة التى فى يوم الجمعة: ۸۵۲، البخارى: ۹۳۵، النسائى: ۳/ ۱۱۵، مؤطا امام مالک: ۱۰۸/۱، اتحاف الخيرة : ۲/ ۲۱۲۱

۴۵۷: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ایک دن رسول اللہ ﷺ نے جمعہ کے دن کا تذکرہ کرتے ہوئے فرمایا:"اس میں ایک ایسی گھڑی ہے، اسے جو مسلمان حالت نماز میں پالے،اور وہ اس وقت اللہ تعالیٰ سے جو کچھ مانگ لے اللہ تعالیٰ اسے وہ کچھ ضرور عطا فرما دیتا ہے۔" پھر آپ ﷺ نے اس گھڑی کے نہایت مختصر ہونے کی صراحت اپنے دست مبارک کے اشارے سے فرمائی۔(بخاری ومسلم) مسلم کی ایک روایت میں ہے کہ آپ ﷺ نے اپنی زبان مبارک سے فرمایا:" وہ ساعت نہایت مختصر ہے۔"

لغوی تحقیق: **يقللها**:اسے کم کر کے دکھایا۔ **خفيفة**:قلیل یعنی نہایت مختصر۔

تشریح: امام مسلم نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے یہ حدیث متعدد طرق سے نقل کی ہے،امام اعرج نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے جو روایت نقل کی ہے اس میں ہے کہ اس خاص ساعت کا دورانیہ آپ ﷺ نے اپنے دست مبارک سے واضح فرمایا۔جبکہ محمد بن زیاد نے جو روایت نقل کی ہے اس سے یہ واضح ہوتا ہے کی آپ ﷺ نے زبان سے صراحت فرمائی۔ان دونوں روایات میں کوئی تعارض نہیں کیونکہ عین ممکن ہے کہ آپ ﷺ نے ہاتھ اور زبان سے ایک ساتھ صراحت فرما دی ہو۔

اس سے ملتی جلتی حدیث حضرت سعد بن عبادہ اور حضرت انس رضی اللہ عنہما سے بھی مروی ہے مگر ان دونوں میں سے کسی ایک میں بھی اس گھڑی کے دورانیہ کے بارے میں ہاتھ یا زبان کے ذریعہ وضاحت کرنے کا تذکرہ نہیں،البتہ حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث میں دعا کے قبول ہونے کو اس بات سے مشروط کر دیا گیا ہے کہ وہ دعا طلب گناہ یا قطع رحمی سے متعلق نہ ہو۔اس بات پر سب کا اتفاق ہے کہ وہ ساعت جمعہ کے روز ہے،لیکن دن کے کس حصہ میں ہے اس میں اختلاف پایا جاتا ہے(تفصیل آگے آرہی ہے)۔

۴۵۸: وَعَنْ أَبِي بُرْدَةَ عَنْ أَبِيهِ رضی اللہ عنہ قَالَ سَمِعْتُ رَسُولَ اَللَّهِ ﷺ يَقُولُ " هِيَ مَا بَيْنَ أَنْ يَجْلِسَ اَلْإِمَامُ إِلَى أَنْ تُقْضَى اَلصَّلَاةُ " رَوَاهُ مُسْلِمٌ ,وَرَجَّحَ اَلدَّارَقُطْنِيُّ أَنَّهُ مِنْ قَوْلِ أَبِي بُرْدَةَ.

مسلم، كتاب الجمعة، باب فى الساعة التى فى يوم الجمعة: ۸۵۳، ابوداود: ۱۰۴۹، البيهقى: ۶۰۹۳، ابن خزيمة: ۱۷۳۹

۴۵۸: حضرت ابو بردہ نے اپنے باپ سے نقل کیا ہے کہ ان کے والد نے کہا میں نے رسول اکرم ﷺ کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ "وہ گھڑی امام کے منبر پر بیٹھنے سے لے کر جماعت کے اختتام تک ہے۔" اسے مسلم نے روایت کیا ہے اور امام دار قطنی نے کہا کہ راجح یہی ہے کہ یہ ابو بردہ کا اپنا قول ہے۔

تشریح: اس روایت میں اس ساعت مبارکہ کی صراحتاً تعیین ہے،تاہم اس روایت کے مرفوع ہونے کے بارے میں اہل علم میں اختلاف پایا جاتا ہے،مؤلف رحمۃ اللہ علیہ کا کہنا ہے کہ اس میں دو علتیں پائی جاتی ہیں اس کا اظہار انہوں نے اپنی معروف کتاب فتح الباری میں کیا ہے،فرماتے ہیں،اس روایت میں انقطاع اور اضطراب ہے،انقطاع اس لیے کہ مخرمہ بن بکیر نے یہ روایت اپنے والد سے نہیں سنی،

www.KitaboSunnat.com

تاہم ان کے پاس ان کے والد کی کتابیں موجود تھیں۔اس روایت میں اضطراب یہ ہے کہ ابو بردہ سے یہ روایت ابو اسحاق، واصل اور معاویہ بن قرہ وغیرہم نے جو سنی ہے وہ بطور ابو بردہ کے قول کے سنی ہے، ابو بردہ کوفی ہیں اور مذکورہ بالا ان کے تلامذہ بھی کوفی ہیں جبکہ بکیر مدنی ہیں، لہٰذا امام دارقطنی کا اسے قول ابی بردہ قرار دینا درست ہے۔

راقم کے نزدیک یہ دونوں علتیں ایسی نہیں کہ جن کی بنیاد پر امام مسلم کی بیان کردہ روایت کو مرجوح قرار دیا جائے۔کیونکہ امام دارقطنی کا یہ خیال ہے کہ جو روایت مرفوع اور موقوف ہر دو طرح سے منقول ہو اسے موقوف سمجھا جائے، جبکہ امام بخاری و امام مسلم کے نزدیک اگر مرفوع طریق ثقات سے مروی ہے اور اس میں کوئی علت قادحہ نہ ہو تو اسے مرفوع سمجھا جائے۔

۴۵۹۔۴۶۰: وَفِي حَدِيثِ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ سَلَامٍ رضی اللہ عنہ عِنْدَ ابْنِ مَاجَةَ .وَ عن جَابِرٍ عِنْدَ أَبِي دَاوُدَ ,وَالنَّسَائِيِّ " أَنَّهَا مَا بَيْنَ صَلَاةِ الْعَصْرِ إِلَى غُرُوبِ الشَّمْسِ "وَقَدِ اخْتُلِفَ فِيهَا عَلَى أَكْثَرَ مِنْ أَرْبَعِينَ قَوْلًا ,أَمْلَيْتُهَا فِي شَرْحِ الْبُخَارِيِّ.

ابن ماجة، ابواب الجمعة، باب ماجاء فی الساعة التی ترجی فی الجمعة: ۱۱۳۹، احمد: ۵/ ۴۵۱، النسائی، کتاب الجمعة، باب وقت الجمعة: ۹۹/۳، ابو داود: ۱۰۴۸، الحاکم: ۲۷۹/۱، فتح الباری: ۴۱۶/۲۔ ۴۲۲

تنبیہ: ابوداؤد اور نسائی کے مطبوعہ نسخوں میں مؤلف رحمہ اللہ کے ذکر کردہ الفاظ نہیں ہیں۔

۴۵۹۔۴۶۰: حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث امام ابن ماجہ نے اور حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث امام ابوداؤد اور نسائی نے اس طرح نقل کی ہے کہ "وہ گھڑی نماز عصر سے غروب آفتاب تک ہے۔" اس بارے میں اہل علم کے چالیس اقوال ہیں جنہیں میں نے بخاری کی شرح (فتح الباری) میں تحریر کیا ہے۔

لغوی تحقیق: املیتھا: میں نے تحریر کیا ہے۔

تشریح: حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ کہتے ہیں میں نے رسول اللہ ﷺ کی موجودگی میں عرض کیا کہ ہم نے اللہ کی کتاب میں یہ پایا ہے کہ جمعہ کے دن ایک ایسی بابرکت گھڑی ہے، یہ گھڑی جس خوش قسمت کے موافق آجائے اور وہ اس وقت اللہ تعالیٰ سے جو مراد مانگ لے، وہ پوری کردی جائے گی، آپ ﷺ نے فرمایا: "ایک گھڑی کا کچھ حصہ۔" میں نے عرض کیا جناب نے درست فرمایا، پھر میں عرض کیا وہ گھڑی کونسی ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: "دن کی آخری گھڑیوں میں سے کوئی ایک گھڑی ہے۔" میں نے عرض کیا، وہ گھڑی تو پھر نماز کی گھڑی نہ ہوئی؟ آپ ﷺ نے فرمایا: "کیوں نہیں! بلاشبہ مؤمن جب ایک نماز سے فارغ ہو کر دوسری نماز کے انتظار میں بیٹھ جاتا ہے تو وہ نماز ہی میں ہوتا ہے۔" اس روایت کی سند صحیح ہے، اسی طرح حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث بھی صحیح ہے۔

حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث اور عبداللہ بن سلام اور جابر بن عبداللہ سے مروی احادیث میں بظاہر تضاد معلوم ہوتا ہے، لیکن درحقیقت ان میں کوئی تعارض نہیں، کیونکہ ممکن ہے کہ وہ برکت ساعت مختلف اوقات میں آتی ہو یعنی کبھی خطبہ و نماز جمعہ کے دوران اور کبھی عصر تا مغرب کے دورانیہ میں آتی ہو۔

۴۶۱: وَعَنْ جَابِرٍ رضی اللہ عنہ قَالَ مَضَتِ السُّنَّةُ أَنَّ فِي كُلِّ أَرْبَعِينَ فَصَاعِدًا جُمُعَةً .رَوَاهُ الدَّارَقُطْنِيُّ بِإِسْنَادٍ ضَعِيفٍ.

الدارقطنی: ۴/۲، البیھقی: ۵۷۰۲، معرفة السنن والآثار: ۴۶۳/۲

۴۶۱: حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ طریقہ نبوی ﷺ جاری رہا ہے کہ چالیس یا اس سے زیادہ افراد پر جمعہ ہے۔اسے دارقطنی نے ضعیف سند سے بیان کیا ہے۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

تشریح: یہ روایت امام شافعی کے مؤقف کی مؤید ہے تاہم یہ روایت سخت ضعیف ہے تفصیلاً بحث حدیث رقم: ۴۴۲ کے تحت گزر چکی ہے

۴۶۲: وَعَنْ سَمُرَةَ بِنِ جُنْدُبٍ رضی اللہ عنہ أَنَّ النَّبِيَّ صلی اللہ علیہ وسلم كَانَ يَسْتَغْفِرُ لِلْمُؤْمِنِينَ وَالْمُؤْمِنَاتِ كُلَّ جُمُعَةٍ .رَوَاهُ الْبَزَّارُ بِإِسْنَادٍ لَيِّنٍ

البزار: ۶۴۱، الطبرانی: ۲۶۴/۷، بیان الوهم والایهام: ۹۶۲/۳، ۱۱۱۰، ۱۱۱۶، التقریب: ۱۷۰۵

۴۶۲: حضرت سمرۃ بن جندب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہر جمعہ میں ایماندار خواتین وحضرات کے لیے دعائے استغفار فرمایا کرتے تھے۔اس روایت کو امام البزار نے کمزور سند سے نقل کیا ہے۔

لغوی تحقیق: لین: اس کے لغوی معنی نرم اور ملائم کے ہیں لیکن محدثین کی اصطلاح میں یہ کلمہ جرح ہے۔

تشریح: امام البزار اس روایت کو نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں کہ میرے علم کے مطابق یہ روایت آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے فقط اسی ایک سند سے مروی ہے،اس اکلوتی سند میں متعدد ضعیف اور مجہول رواۃ ہیں۔(۱) خالد بن یوسف ضعیف ہے۔(۲) خالد کے باپ یوسف پر جھوٹا ہونے کا الزام ہے بلکہ امام یحییٰ بن معین نے تو اسے برملا کذاب اور خبیث کہا ہے،امام بخاری نے اس پر سخت جرح فرمائی۔(۳) جعفر بن سعد کو علامہ ابن عبد البر نے لیس بالقوی کہا ہے۔(۴) خبیب اور سلیمان کو امام ذہبی اور حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے مجہول کہا ہے اور امام عبدالحق نے لیس بالقوی کہا ہے۔(۵) امام ابن قطان نے جعفر، اس کے شیخ خبیب اور اس کے شیخ سلیمان تینوں کو مجہول کہا ہے۔

۴۶۳: وَعَنْ جَابِرِ بْنِ سَمُرَةَ رضی اللہ عنہ أَنَّ النَّبِيَّ صلی اللہ علیہ وسلم كَانَ فِي الْخُطْبَةِ يَقْرَأُ آيَاتٍ مِنَ الْقُرْآنِ ,وَيُذَكِّرُ النَّاسَ. رَوَاهُ أَبُو دَاوُدَ وَأَصْلُهُ فِي مُسْلِمٍ.

ابوداود، تفریع ابواب الجمعة، باب الرجل یخطب علی قوس: ۱۱۰۱، مسلم: ۸۶۲، النسائی: ۱۰۹/۳، ابن ماجة: ۱۱۰۵، احمد: ۸۸/۵

۴۶۳: حضرت جابر بن سمرۃ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم خطبہ میں قرآن حکیم کی آیات تلاوت فرما کر لوگوں کو نصیحت فرمایا کرتے تھے۔(ابوداؤد) اس کی اصل مسلم میں ہے۔

تشریح: اس حدیث سے یہ واضح ہوا کہ خطبہ میں قرآن حکیم کی آیات کے ذریعے لوگوں کو نصیحت کی جائے ظاہر ہے کہ ایسا اسی صورت میں ممکن ہے جب دوران خطبہ قرآن وحدیث کا مفہوم ومطالب لوگوں کو ان کی زبان میں بتایا جائے،محض عربی خطبہ پڑھنے سے مقصد تذکیر پورا نہیں ہوسکتا۔

فقہی احکام: (۱) خطبہ میں قرآن وحدیث کا اہتمام کیا جائے (۲) آیات واحادیث کا مفہوم لوگوں کو ان کی زبان میں سمجھایا جائے۔

۴۶۴: وَعَنْ طَارِقِ بْنِ شِهَابٍ رضی اللہ عنہ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صلی اللہ علیہ وسلم قَالَ " الْجُمُعَةُ حَقٌّ وَاجِبٌ عَلَى كُلِّ مُسْلِمٍ فِي جَمَاعَةٍ إِلَّا أَرْبَعَةً مَمْلُوكٌ ,وَامْرَأَةٌ ,وَصَبِيٌّ ,وَمَرِيضٌ " رَوَاهُ أَبُو دَاوُدَ ,وَقَالَ لَمْ يَسْمَعْ طَارِقٌ مِنَ النَّبِيِّ صلی اللہ علیہ وسلم وَأَخْرَجَهُ الْحَاكِمُ مِنْ رِوَايَةِ طَارِقٍ الْمَذْكُورِ عَنْ أَبِي مُوسَى.

ابوداود، تفریع ابواب الجمعة، باب الجمعة للمملوک و المرأة: ۱۰۶۷، الحاکم: ۲۸۴/۱، الاصابة: ۲۸۱/۳، الخلاصة: ۷۵۷/۲، معالم السنن: ۹/۲

۴۶۴: حضرت طارق بن شہاب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: "جمعہ ہر مسلمان پر فرض ہے مگر چار قسم کے لوگ اس سے مستثنیٰ ہیں، غلام، عورت، بچہ اور بیمار۔" اسے ابوداؤد نے بیان کیا ہے اور امام ابوداؤد نے کہا کہ طارق بن شہاب نے براہ راست رسول

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

اللہ ﷺ سے کچھ نہیں سنا، امام حاکم نے مذکورہ روایت طارق عن ابی موسیٰ کے طریق سے نقل کی ہے۔

تشریح: طارق بن شہاب کے صحابی یا تابعی ہونے کے بارے میں اختلاف ہے، حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے ان کے صحابی ہونے کو راجح قرار دیا ہے، امام خطابی نے ان کا صحابی ہونا ثابت کیا ہے، امام ابوداؤد اور امام نووی کا کہنا ہے کہ انہوں نے نبی ﷺ کو دیکھا ہے مگر آپ ﷺ سے کچھ سنا نہیں۔

فقہی احکام: (۱) جمعہ باجماعت ادا کرنا فرض ہے۔ (۲) غلام، عورت، مریض اور بچے پر جمعہ باجماعت فرض نہیں۔

۴۶۵: وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ رضی اللہ عنہما قَالَ، قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ " لَيْسَ عَلَى مُسَافِرٍ جُمُعَةٌ " رَوَاهُ الطَّبَرَانِيُّ بِإِسْنَادٍ ضَعِيفٍ.

المعجم الاوسط للطبرانی: ۱/۴۵۴ (۸۲۲)، البیهقی: ۳/۱۸۳، ۱۸۴، المجروحین لابن حبان: ۲/۲۰، الاحکام الوسطی: ۲/۱۰۱، الدارقطنی: ۲/۳، بیان الوهم والایهام: ۳/۳۹۸

۴۶۵: حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: " مسافر پر جمعہ نہیں۔" امام طبرانی نے اسے ضعیف سند سے روایت کیا ہے۔

تشریح: یہ روایت امام طبرانی نے حضرت عبداللہ عمر رضی اللہ عنہما سے مرفوع نقل کی ہے اس روایت کا مرکزی راوی عبداللہ بن نافع ہے۔ امام طبرانی اس روایت کو نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں کہ نافع سے فقط اس کا بیٹا عبداللہ ہی بیان کرتا ہے۔ امام ابن حبان نے اسے منکر الحدیث قرار دیا ہے۔

امام بیہقی نے یہ روایت نافع سے ایک دوسرے طریق سے بھی مرفوع نقل کی ہے تاہم ان کا کہنا ہے کہ صحیح یہی ہے کہ مذکورہ الفاظ رحمت عالم ﷺ کے نہیں بلکہ عبداللہ بن عمر کا اپنا قول ہے۔

امام بیہقی نے اس کی مؤید روایت حضرت تمیم داری رضی اللہ عنہ سے بھی مرفوع نقل کی ہے، تاہم یہ روایت پہلی روایت سے بھی زیادہ کمزور ہے کیونکہ اس روایت کی سند میں ضعیف راویوں کی ایک زنجیر ہے۔ یعنی تمیم داری سے یہ روایت ابوعبداللہ شامی بیان کرتا ہے، امام ذہبی فرماتے ہیں یہ معروف نہیں۔ ابوعبداللہ سے یہ روایت ضرار بن عمرو نقل کرتا ہے، حافظ عبدالحق اشبیلی فرماتے ہیں اس کا کوئی متابع نہیں، ضرار سے یہ روایت غالباً حکم ابی عمرو عینی نقل کرتا ہے، موصوف تمام نامور ماہرین فن کے نزدیک ضعیف ہے۔

اس مضمون کی ایک روایت حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے بھی مروی ہے، وہ روایت عبداللہ بن لھیعہ اور اس کے شیخ معاذ بن محمد انصاری کی وجہ سے ضعیف ہے۔ نیز ابوزبیر نے یہ روایت حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے معنعن نقل کی ہے۔ اور ابوزبیر معروف مدلس ہے، لہٰذا یہ روایت تین علتوں کی وجہ سے ضعیف ہے۔ امام ابن قطان نے انہیں تین علل کی نشاندہی کی ہے۔

۴۶۶: وَعَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ مَسْعُودٍ رضی اللہ عنہ قَالَ كَانَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ إِذَا اسْتَوَى عَلَى الْمِنْبَرِ اسْتَقْبَلْنَاهُ بِوُجُوهِنَا. رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ ,بِإِسْنَادٍ ضَعِيفٍ.

الترمذی، ابواب الجمعة، باب فی استقبال الامام اذا خطب: ۵۱۳، میزان الاعتدال: ۶/۲۹۷

۴۶۶: حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ جب منبر پر کھڑے ہوتے تو ہم اپنے چہرے رُخ انور کی طرف کر لیتے۔ اسے ترمذی نے ضعیف سند سے روایت کیا ہے۔

تشریح: اس روایت کا انحصار محمد بن فضل بن عطیہ نامی راوی پر ہے، اسے امام ابن ابی شیبہ اور جوزجانی نے جھوٹا قرار دیا ہے، جبکہ دیگر

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

نامور ماہرین بن نے اسے ضعیف یا متروک قرار دیا ہے۔

۴۶۷: وَلَهُ شَاهِدٌ مِنْ حَدِيثِ الْبَرَاءِ عِنْدَ ابْنِ خُزَيْمَةَ.

البیھقی: ۱۹۸/۳

تنبیہ: مطبوعہ ابن خزیمہ میں یہ روایت نہیں ہے۔

۴۶۷: ابن خزیمہ میں حضرت براء رضی اللہ عنہ سے مروی روایت اس کی شاہد ہے۔

تشریح: عند ابن خزیمة سے مصنف رحمۃ اللہ علیہ کی اگر مراد امام ابن خزیمہ ہیں تو پھر اس بیان کے درست ہونے میں شک نہیں کیونکہ امام بیہقی نے امام ابن خزیمہ کے طریق سے یہ روایت نقل کی ہے اور اگر اس سے مراد صحیح ابن خزیمہ ہے تو پھر یہ بیان شاید درست نہیں کیونکہ راقم کو یہ روایت ابن خزیمہ سے نہیں ملی۔

امام بیہقی نے اس روایت کو جس سند سے نقل کیا ہے اس سند میں اسماعیل بن اسحاق نامی ایک راوی ہے۔ اگر یہ انصاری ہے تو پھر یہ منکر الحدیث ہے اور اگر کوئی اور ہے تو پھر اس کی روایت اس وقت تک قابل حجت نہیں جب تک یہ معلوم نہ ہو جائے کہ یہ کون ہے اور کیسا ہے؟ یہ روایت اگرچہ ضعیف ہے، تاہم اس مسئلہ پر امت کا اجماع ہے کہ سامعین کو دوران خطبہ امام کی طرف منہ کر کے بیٹھنا چاہیے۔

۴۶۸: وَعَنِ الْحَكَمِ بْنِ حَزْنٍ رضی اللہ عنہ قَالَ شَهِدْنَا الْجُمُعَةَ مَعَ النَّبِيِّ صلی اللہ علیہ وسلم فَقَامَ مُتَوَكِّئًا عَلَى عَصًا أَوْ قَوْسٍ. رَوَاهُ أَبُو دَاوُد.

ابو داود، تفریع ابواب الجمعة، باب الرجل یخطب علی القوس: ۱۰۹۶، ابن خزیمة: ۱۴۵۲، احمد: ۲۱۴/۳

۴۶۸: حضرت حکم بن حزن رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ ہم نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جمعہ میں حاضر تھے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم لاٹھی یا کمان کا سہارا لیے کھڑے تھے۔ (ابوداؤد)

تشریح: دوران خطبہ عصا یا کمان لے کر کھڑے ہونا مسنون ہے، اس عمل کا مسنون ہونا نہ صرف حکم بن حزن سے منقول ہے بلکہ بعض دوسرے صحابہ سے بھی اسی مضمون کی احادیث منقول ہیں۔

حضرت فاطمہ بنت قیس رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم خطبہ ارشاد فرما رہے تھے۔ اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ میں عصا تھا آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس کے ایک سرے کو زمین پر رکھ کر فرما رہے تھے: "یہ طیبہ ہے یہ طیبہ ہے۔" یعنی مدینہ شریف۔

(۲) حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے عید کے خطبہ کے دوران قوس پر ٹیک لگا رکھی تھی۔ اس مضمون کی بعض ضعیف روایات بھی منقول ہیں۔

فقہی احکام: (۱) جمعہ اور عیدین کا خطبہ کھڑے ہو کر دینا مسنون ہے۔ (۲) دوران خطبہ عصا یا قوس کا سہارا لینا مسنون ہے۔

۱۳۔ بَابُ صَلَاةِ الْخَوْفِ — نماز خوف کا بیان

۴۶۹: عَنْ صَالِحِ بْنِ خَوَّاتٍ عَمَّنْ صَلَّى مَعَ رَسُولِ اللَّهِ صلی اللہ علیہ وسلم يَوْمَ ذَاتِ الرِّقَاعِ صَلَاةَ الْخَوْفِ أَنَّ طَائِفَةً صَلَّتْ مَعَهُ وَطَائِفَةٌ وِجَاهَ الْعَدُوِّ، فَصَلَّى بِالَّذِينَ مَعَهُ رَكْعَةً، ثُمَّ ثَبَتَ قَائِمًا وَأَتَمُّوا لِأَنْفُسِهِمْ، ثُمَّ انْصَرَفُوا فَصَفُّوا وِجَاهَ الْعَدُوِّ، وَجَاءَتِ الطَّائِفَةُ الْأُخْرَى، فَصَلَّى بِهِمُ الرَّكْعَةَ الَّتِي بَقِيَتْ، ثُمَّ ثَبَتَ جَالِسًا وَأَتَمُّوا لِأَنْفُسِهِمْ، ثُمَّ سَلَّمَ بِهِمْ. مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ، وَهَذَا لَفْظُ مُسْلِمٍ وَوَقَعَ فِي الْمَعْرِفَةِ لِابْنِ مَنْدَهْ، عَنْ صَالِحِ بْنِ خَوَّاتٍ، عَنْ أَبِيهِ.

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

مسلم، کتاب الصلاۃ المسافرین و قصرھا، باب صلاۃ الخوف: ۸۴۲، البخاری: ۴۱۲۹، البیھقی: ۲۵۲/۳،معرفۃ السنن والآثار: ۱۸۲۸ ـ ۱۸۳۱، ابوداود: ۱۲۳۸، الترمذی: ۵۷۲، احمد: ۴۴۸/۳، الدارقطنی: ۶۰/۲، فتح الباری: ۴۲۲/۷، علل الحدیث لابن ابی حاتم: ۳۵۲، ابن خزیمۃ: ۲۹۹/۲

۴۶۹: صالح بن خوات نے اس صحابی سے روایت کیا ہے جس نے غزوہ ذات الرقاع میں رسول اللہ ﷺ کی اقتدا میں نماز خوف پڑھی تھی، (اس صحابی نے بیان کیا) آپ ﷺ کے جانثاروں کے ایک دستے نے آپ ﷺ کی اقتدا میں صف بنائی اور دوسرا دستہ دشمن کے سامنے صف آرا ہوا، وہ دستہ جو آپ ﷺ کے ساتھ تھا، آپ ﷺ نے اسے ایک رکعت نماز پڑھائی، پھر آپ ﷺ کھڑے رہے اور اس دستے نے اپنی نماز اپنے طور پر مکمل کی، اس کے بعد دشمن کے سامنے جا کر صف آرا ہو گئے، پھر دوسرا دستہ (آپ ﷺ کے پیچھے) آ گیا اور آپ ﷺ نے اسے وہ رکعت پڑھائی جو آپ ﷺ کی باقی تھی، پھر آپ ﷺ بیٹھے رہے اور اس دستے نے اپنے طور پر اپنی نماز مکمل کی، پھر آپ ﷺ نے ان کے ساتھ سلام پھیرا۔ (بخاری و مسلم) اور یہ الفاظ مسلم کے ہیں، ابن مندہ نے (اپنی معروف کتاب) المعرفۃ میں یہ روایت صالح بن خوات عن ابیہ کے طریق سے نقل کی ہے۔

لغوی تحقیق: **الرقاع**: راء مکسور اور قاف مخفف، ایک علاقہ کا نام جس میں یہ جنگ لڑی گئی تھی اس لیے اسے **غزوہ ذات الرقاع** کے نام سے یاد کیا جاتا ہے، نیز یہ **رقعۃ** کی جمع ہے، اس کے معنی پٹی کے ہیں، حق و باطل کے اس معرکہ میں داعیان حق کے جوتے پھٹ گئے تھے جس بنا پر داعیان حق کے اس قافلے نے اپنے پاؤں پر پٹیاں باندھ لی تھیں، ایک قول کے مطابق اسی مناسبت سے اسے غزوہ ذات الرقاع کے نام سے تعبیر کیا گیا ہے۔ **وجاہ**: واؤ مکسور اور جیم مخفف، یعنی روبرو، یا آمنے سامنے۔ **مندہ**: میم مفتوح اور نون غنہ۔

تشریح: صالح بن خوات سے یہ حدیث یزید بن رومان اور قاسم بن محمد نقل کرتے ہیں، ان دونوں بزرگوں میں سے ہر ایک سے یہ روایت دو دو طرق سے منقول ہیں۔ یزید بن رومان سے یہ روایت جب مالک نقل کرتے ہیں تو وہ اس واقعہ کے عینی شاہد کا نام ذکر نہیں کرتے، فقط یہ ذکر کرتے ہیں کہ صالح بن خوات نے یہ روایت غزوہ ذات الرقاع کے عینی شاہد سے بیان کی ہے، لیکن یزید بن رومان سے جب یہ روایت عبداللہ بن عامر اوسی نقل کرتے ہیں تو وہ صالح بن خوات عن ابیہ بیان کرتے ہیں۔ مؤلف رحمہ اللہ نے اس طریق سے مروی حدیث کو معرفۃ الصحابہ لابن مندہ کی طرف منسوب کیا ہے۔ قاسم بن محمد سے یہ روایت یحییٰ بن سعید انصاری، عبیداللہ بن عمر العمری اور عبدالرحمن بن قاسم وغیرہم نقل کرتے ہیں، یحییٰ بن سعید انصاری اور عبدالرحمن بن قاسم، صالح بن خوات عن سہل بن ابی حثمہ کے طریق سے نقل کرتے ہیں، ان طرق کو امام بخاری نے اپنی صحیح میں نقل کیا ہے۔

لیکن یہی روایت قاسم بن محمد سے جب عبیداللہ بن عمر العمری نقل کرتے ہیں تو وہ صالح بن خوات عن ابیہ بیان کرتے ہیں۔ صالح بن خوات نے یہ روایت یقیناً اپنے والد خوات بن جبیر اور سہل بن ابی حثمہ سے سنی ہوگی، لیکن اس میں اشکال یہ ہے کہ اس واقعہ کا عینی شاہد خوات بن جبیر ہے یا سہل بن ابی حثمہ ہے، یا دونوں ہیں؟

مؤلف رحمہ اللہ کا کہنا ہے کہ راجح یہی ہے کہ اس سے مراد خوات بن جبیر ہیں کیونکہ آپ ﷺ کے انتقال کے وقت سہل بن ابی حثمہ کی عمر آٹھ سال تھی، جبکہ امام ابن ابی حاتم کا کہنا ہے کہ سہل بن ابی حثمہ اصحاب شجرہ میں شامل تھے۔ مؤلف رحمہ اللہ کا مذکورہ قول فقط اسی صورت میں درست ہو سکتا ہے اگر وہ روایت جسے ابن مندہ نے اپنی سند سے معرفۃ الصحابہ میں نقل کیا ہے، اول تا آخر ثقات رواۃ پر مبنی ہو کیونکہ جس سند سے امام ابن خزیمہ اور امام بیہقی نے یہ روایت نقل کی ہے وہ طریق عبداللہ بن عمر العمری کی وجہ سے ضعیف ہے۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

رحمت عالم ﷺ نے موقع کی مناسبت سے مختلف مواقع پر مختلف طریقوں سے صلاۃ الخوف ادا فرمائی، زیر مطالعہ حدیث میں صلاۃ الخوف پڑھنے کا فقط ایک طریقہ منقول ہے اور یہ طریقہ اس وقت اختیار کیا جانا چاہیے، جب میدان کارزار پوری طرح گرم نہ ہو۔

فقہی احکام: (۱) طبل جنگ بجنے سے پہلے اگر نماز کا وقت ہو جائے تو میدان جنگ ہی میں نماز باجماعت کا اہتمام کیا جائے۔

(۲) میدان جنگ میں امام ضرورت کے تحت قیام اور تشہد کو لمبا کر سکتا ہے۔ (۳) عمل کثیر سے نماز باطل نہیں ہوتی۔

۴۷۰: وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ رضی اللہ عنہما قَالَ غَزَوْتُ مَعَ النَّبِيِّ ﷺ قِبَلَ نَجْدٍ ,فَوَازَيْنَا الْعَدُوَّ ,فَصَافَفْنَاهُمْ ,فَقَامَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ فَصَلّٰى بِنَا ,فَقَامَتْ طَائِفَةٌ مَعَهُ ,وَأَقْبَلَتْ طَائِفَةٌ عَلَى الْعَدُوِّ ,وَرَكَعَ بِمَنْ مَعَهُ ,وَسَجَدَ سَجْدَتَيْنِ ,ثُمَّ انْصَرَفُوا مَكَانَ الطَّائِفَةِ الَّتِي لَمْ تُصَلِّ فَجَاءُوْا ,فَرَكَعَ بِهِمْ رَكْعَةً ,وَسَجَدَ سَجْدَتَيْنِ ,ثُمَّ سَلَّمَ ,فَقَامَ كُلُّ وَاحِدٍ مِنْهُمْ ,فَرَكَعَ لِنَفْسِهِ رَكْعَةً ,وَسَجَدَ سَجْدَتَيْنِ. مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ، وَهٰذَا لَفْظُ الْبُخَارِيِّ.

البخاری، کتاب الخوف، باب صلاۃ الخوف: ۹۴۲، مسلم: ۸۳۹، ابوداود: ۱۲۴۳، الترمذی: ۵۶۹، النسائی: ۳/۱۷۱، ۱۷۲،

احمد: ۲/۱۵۵، ابن خزیمۃ: ۲/۲۹۸

تنبیہ: مؤلف رحمہ اللہ نے ذکر کردہ الفاظ کو صحیح بخاری کی طرف منسوب کیا ہے، لیکن مطبوعہ صحیح بخاری میں مذکورہ روایت کے الفاظ مؤلف رحمہ اللہ کے نقل کردہ الفاظ سے قدرے مختلف ہیں۔

۴۷۰: حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے بیان کیا کہ میں رسول اللہ ﷺ کی کمان میں نجد کی طرف لڑی گئی ایک لڑائی میں شریک ہوا، ہم دشمن کے مقابلہ میں صف آرا ہوئے، اس دوران آپ ﷺ نے ہمیں اس طرح نماز پڑھائی کہ ایک دستہ آپ ﷺ کی اقتدا میں اور دوسرا دستہ دشمن مقابلے میں کھڑا ہو گیا، جو دستہ آپ ﷺ کی اقتدا میں تھا، اس نے آپ ﷺ کے ساتھ ایک رکوع اور دو سجدے کیے، پھر یہ دستہ اس پوزیشن پر پہنچ گیا جس پوزیشن پر وہ دستہ کھڑا تھا جس نے ابھی تک نماز نہیں پڑھی تھی، وہ دستہ نماز کے لیے آیا آپ ﷺ نے اس دستہ کو بھی ایک رکوع اور دو سجدوں پر مشتمل نماز پڑھائی، پھر آپ ﷺ نے سلام پھر دیا جبکہ دونوں دستوں نے دوسری رکعت اپنی اپنی پڑھی۔ بخاری و مسلم، مذکورہ الفاظ بخاری کے ہیں۔

لغوی تحقیق: قبل: قاف مکسور، باء مفتوح، طرف یا جہت۔ نجد: بلاد عرب کا وہ علاقہ جو سطح مرتفع پر واقع ہے، یہ علاقہ حجاز سے مشرق کی طرف ہے۔ فوازینا: ہم مقابلے کے لیے آمنے سامنے آئے۔

تشریح: اس حدیث میں بھی یقیناً غزوہ ذات الرقاع کے موقع پر پڑھی گئی نماز کا تذکرہ ہے۔ کیونکہ غزوہ ذات الرقاع بھی نجد کے علاقہ میں ہوا تھا۔

۴۷۱: وَعَنْ جَابِرٍ رضی اللہ عنہ قَالَ شَهِدْتُ مَعَ رَسُولِ اللّٰهِ ﷺ صَلَاةَ الْخَوْفِ، فَصَفَّنَا صَفَّيْنِ: صَفٌّ خَلْفَ رَسُولِ اللّٰهِ ﷺ وَالْعَدُوُّ بَيْنَنَا وَبَيْنَ الْقِبْلَةِ ,فَكَبَّرَ النَّبِيُّ ﷺ وَكَبَّرْنَا جَمِيعًا ,ثُمَّ رَكَعَ وَرَكَعْنَا جَمِيعًا ,ثُمَّ رَفَعَ رَأْسَهُ مِنَ الرُّكُوعِ وَرَفَعْنَا جَمِيعًا ,ثُمَّ انْحَدَرَ بِالسُّجُودِ وَالصَّفُّ الَّذِي يَلِيهِ ,وَقَامَ الصَّفُّ الْمُؤَخَّرُ فِي نَحْرِ الْعَدُوِّ ,فَلَمَّا قَضَى السُّجُودَ, قَامَ الصَّفُّ الَّذِي يَلِيهِ... فَذَكَرَ الْحَدِيثَ وَفِي رِوَايَةٍ ، ثُمَّ سَجَدَ وَسَجَدَ مَعَهُ الصَّفُّ الْأَوَّلُ ,فَلَمَّا قَامُوا سَجَدَ الصَّفُّ الثَّانِي ,ثُمَّ تَأَخَّرَ الصَّفُّ الْأَوَّلُ وَتَقَدَّمَ الصَّفُّ الثَّانِي فَذَكَرَ مِثْلَهُ وَفِي آخِرِهِ ،ثُمَّ سَلَّمَ النَّبِيُّ ﷺ وَسَلَّمْنَا جَمِيعًا .رَوَاهُ مُسْلِمٌ

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

مسلم، کتاب صلاة المسافرین و قصرها، باب صلاة الخوف: ۸۴۰، النسائی: ۱۷۵/۳، ابن ماجة: ۱۲۶۰، احمد: ۳۱۹/۳، البیهقی: ۶۱۱۹

۴۷۱: حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ میں نماز خوف کے وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ موجود تھا، ہم نے دو صفیں بنائیں، ایک صف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے کھڑی ہوگئی، جبکہ دشمن قبلہ کی سمت ہمارے سامنے تھا، نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے تکبیر فرمائی تو سب نے ایک ساتھ تکبیر کہی، پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے رکوع کیا تو سب نے رکوع کیا، پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے رکوع سے سر اُٹھایا تو ہم سب نے رکوع سے سر اٹھایا، پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سجدہ فرمایا تو وہ صف سجدہ میں گئی جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے متصل پیچھے کھڑی تھی، جبکہ پچھلی دشمن کے مقابلے میں بدستور کھڑی رہی، جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دونوں سجدے مکمل کر لیے، تو وہ صف بھی کھڑی ہوگئی جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے تھی۔ پھر راوی نے پوری حدیث بیان کی۔ ایک روایت میں ہے کہ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سجدہ فرمایا تو پہلی صف نے بھی سجدہ کیا، جب یہ سب کھڑے ہوگئے تو پھر دوسری صف نے سجدہ کیا اور پہلی صف پیچھے ہٹ گئی اور دوسری صف آگے آگئی۔ آگے راوی نے سابقہ روایت کی طرح بیان کیا اور آخر میں اس طرح بیان کیا کہ پھر نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے سلام پھیرا اور ہم سب نے بھی سلام پھیرا۔ اسے مسلم نے بیان کیا ہے۔

تشریح: امام مسلم نے جابر سے مروی روایت دو طرق سے نقل کی ہے دوسرے طریق میں یہ صراحت ہے کہ یہ غزوہ جھینہ قبیلے سے ہوا تھا اور فریقین میں سخت مقابلہ ہوا تھا، جب میدان حرب ٹھنڈا ہوا تو مسلمانوں نے ایک ساتھ ظہر کی نماز پڑھی۔ مسلمان جب نماز سے فارغ ہوئے تو کفار نے آپس میں ایک دوسرے سے کہا اگر ہم ان پر ایک ساتھ حملہ کرتے تو مسلمانوں کا قلع قمع کر دیتے۔ جبریل نے کفار کے اس ارادے سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو آگاہ فرما دیا، جب عصر کی نماز کا وقت ہوا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مذکورہ طریقے کے مطابق نماز خوف ادا فرمائی۔ امام ابوداؤد نے ابوعیاش زرقی کے طریق سے جو روایت نقل کی ہے اس میں یہ صراحت ہے کہ غزوہ عسفان کے موقع پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مذکورہ طریقہ کے مطابق نماز خوف پڑھائی تھی۔ زیر مطالعہ حدیث میں نماز خوف پڑھنے کا جو طریقہ مذکور ہے وہ عبداللہ بن عمر اور صالح بن خوات کے بیان کردہ طریقہ سے مختلف ہے اور ایسا جنگی حالات کی مناسبت سے ہے۔

فقہی احکام: جنگی حالات میں امام کی اقتدا بعض ارکان میں اگر نہ بھی کی جاسکے تو بھی کوئی حرج نہیں۔

۴۷۲: وَلِأَبِي دَاوُدَ عَنْ أَبِي عَيَّاشٍ الزُّرَقِيِّ مِثْلُهُ, وَزَادَ أَنَّهَا كَانَتْ بِعُسْفَانَ.

ابوداود، تفریع ابواب صلاة السفر، باب صلاة الخوف: ۱۲۳۶، النسائی: ۱۷۷/۳، احمد: ۵۹/۴، معرفة السنن و الآثار: ۱۸۴۱، الدارقطنی: ۵۹/۲، البیهقی: ۲۵۶/۳، البخاری: ۴۱۲۵، ۴۱۲۶، ۴۱۳۰، فتح الباری: ۴۲۳/۷، المنهل العذب المورود: ۱۰۱/۷

۴۷۲: امام ابوداؤد نے حضرت ابوعیاش رضی اللہ عنہ سے اسی کہ مثل نقل کیا ہے اور مزید یہ بیان کیا ہے کہ یہ نماز مقام عسفان پر ادا کی گئی۔

لغوی تحقیق: عسفان: عین مضموم، یہ مکہ اور مدینہ کے مابین ایک مقام ہے، اسے آج کل مدرج عثمان کہا جاتا ہے۔

تشریح: مؤلف رحمہ اللہ نے فتح الباری میں یہ وضاحت کی ہے کہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی روایت میں جس نماز خوف کا ذکر ہے وہ وہی ہے جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مقام عسفان پر ادا فرمائی تھی۔ مؤلف رحمہ اللہ کی اس صراحت سے یہ واضح ہوا کہ اس وقت قصبہ عسفان میں قبیلہ جھینہ کے لوگ آباد تھے۔ حافظ صاحب کا نقل کردہ بیان اگر درست ہے تو پھر حضرت جابر اور حضرت ابوعیاش رضی اللہ عنہما سے مروی روایات کے مابین کوئی تعارض نہیں، البتہ حضرت ابوعیاش رضی اللہ عنہ سے مروی روایات باہم معارض ہیں، کیونکہ انہوں نے ایک روایت میں یہ واضح کیا

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ہے کہ آپ ﷺ نے غزوہ بنی سلیم کے موقع پر بھی اسی طرح نماز پڑھائی تھی، اس میں تعارض یہ ہے کہ غزوہ عسفان، غزوہ بنی قریظہ کے بعد ۶ھ میں پیش آیا، راوی کی صراحت کے مطابق صلاۃ الخوف سے متعلق آیت قصبہ عسفان میں ظہر اور عصر کے مابین نازل ہوئی۔ اور آپ ﷺ نے نماز عصر اسی حکم کی روشنی میں ادا فرمائی۔ جبکہ غزوہ بنی سلیم، غزوہ بدر کے بعد اور غزوہ احد سے پہلے، آپ ﷺ کی کمان میں ہوا تھا۔ اس غزوہ میں آپ ﷺ نے اسلامی لشکر کا پرچم حضرت علی رضی اللہ عنہ کے سپرد فرمایا تھا اور مدینہ منورہ میں اپنا نائب حضرت عبداللہ بن ام مکتوم رضی اللہ عنہ کو مقرر فرمایا تھا۔ ظاہر ہے کہ یہ واقعہ غزوہ عسفان سے بہت پہلے کا ہے۔

علامہ محمود الخطاب سبکی نے اس تعارض کو دور کرتے ہوئے لکھا ہے، ممکن ہے کہ بنو سلیم کے ساتھ مسلمانوں کا دو دفعہ معرکہ ہوا ہو، پہلی بار غزوہ بدر کے بعد اور دوسری بار غزوہ عسفان کے بعد، حضرت ابو عیاش رضی اللہ عنہ نے جس غزوہ بنی سلیم کا ذکر کیا ہے، وہ بعد والا ہے۔ (واللہ اعلم بالصواب)

امام بخاری نے نماز خوف سے متعلق حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی متعدد روایات نقل کی ہیں، ایک روایت میں ہے کہ آپ ﷺ نے ساتویں غزوے غزوہ الرقاع میں اپنے ساتھیوں کو نماز خوف پڑھائی۔ دوسری روایت میں ہے کہ آپ ﷺ نخل سے ذات الرقاع کی طرف چلے اور آپ ﷺ کا سامنا غطفان قبیلے کی ایک جماعت سے ہوا، لیکن آپ ﷺ اور ان کے درمیان قتال کی نوبت نہیں آئی، تاہم دونوں لشکر ایک دوسرے سے خوفزدہ رہے، چنانچہ آپ ﷺ نے وہاں نماز خوف پڑھی۔ تیسری روایت میں ہے کہ ہم آپ ﷺ کے ساتھ مقام نخل پر تھے۔ چوتھی روایت میں ہے کہ آپ ﷺ نے انہیں غزوہ محارب وثعلبہ میں نماز خوف پڑھائی۔

مؤلف رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ امام بخاری نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی مذکور روایات بیان کر کے یہ واضح کیا ہے یہ تینوں روایات غزوات الرقاع ہی سے متعلق ہیں، لیکن اس میں نظر ہے کیونکہ ہشام عن ابی زبیر کے طریق سے جو روایت مروی ہے (یعنی تیسری روایت) وہ اس بات پر دلالت کرتی ہے، کہ یہ واقعہ غزوہ ذات الرقاع کا نہیں بلکہ غزوہ عسفان کا ہے۔ یعنی حافظ صاحب کے بیان سے واضح ہو رہا ہے کہ ان کے نزدیک غزوہ جہینہ اور غزوہ عسفان ایک ہی غزوہ کے دو نام ہیں۔

اس مقام پر صلاۃ الخوف اس طرح ادا کی گئی کہ اسلامی لشکر کی دو صفیں بنا دیں گئیں اور دونوں صفیں آپ ﷺ کے پیچھے کھڑی ہو گئیں۔ دونوں صفوں نے تکبیر تحریمہ، قیام و رکوع اور قومہ ایک ساتھ آپ ﷺ کی اقتدا میں ادا کیا، مگر آپ ﷺ کے ساتھ سجدے فقط پہلی صف نے کیے، آپ ﷺ اور پہلی صف والے جب سجدے کر کے کھڑے ہو گئے تب دوسری صف نے سجدے کیے، جب وہ بھی سجدے کر کے فارغ ہو گئے تو وہ پہلی صف کی جگہ آ گئے اور پہلی صف ان کی جگہ پر چلی گئی، پھر دوسری رکعت بھی اسی طرح ادا کی گئی۔

۴۷۳: وَلِلنَّسَائِيِّ مِنْ وَجْهٍ آخَرَ عَنْ جَابِرٍ رضی اللہ عنہ أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ صَلَّى بِطَائِفَةٍ مِنْ أَصْحَابِهِ رَكْعَتَيْنِ, ثُمَّ سَلَّمَ, ثُمَّ صَلَّى بِآخَرِينَ أَيْضًا رَكْعَتَيْنِ, ثُمَّ سَلَّمَ.

النسائی، کتاب صلاۃ الخوف: ۱۵۵۳، الدارقطنی: ۲/ ۶۰، ۶۱، البیهقی: ۳/ ۲۵۹، مسلم: ۸۴۳، البخاری: ۴۱۳۶، ابن خزیمة: ۲/ ۲۹۷، ۲۹۸، التحقیق لابن جوزی: ۷۹۶، التنفیح لابن عبدالهادی: ۲/ ۵، معرفة السنن و الآثار: ۳/ ۱۷

۴۷۳: نسائی میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے ایک دوسرے طریق سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے اپنے ساتھیوں کے ایک دستہ کو دو رکعات پڑھا کر سلام پھیر دیا، پھر دوسرے لشکر کو بھی اسی طرح دو رکعات پڑھا کر سلام پھیر دیا۔

تشریح: امام نسائی نے یہ روایت جس سند سے نقل کی ہے، اس میں تین علتیں ہیں۔ (۱) حماد بن سلمہ مدلس ہے اس نے یہ روایت عن

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

سے نقل کی ہے۔(۲) قتادہ مدلس ہے اس نے بھی یہ روایت عن سے نقل کی ہے۔(۳) حسن بصری کا حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے سماع مشکوک ہے۔امام دارقطنی نے اس روایت کو جس طریق سے نقل کیا ہے،اس میں دو علتیں ہیں (۱) عنبسہ ضعیف ہے۔(۲) حسن بصری کا حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے سماع مشکوک ہے۔امام ابن خزیمہ نے یہ روایت جس طریق سے بیان کی ہے اس میں فقط آخری علت ہے۔لیکن صحیح مسلم میں یہ روایت صحیح سند سے مذکور ہے۔اس حدیث سے یہ واضح ہوا کہ اگر خطرہ کم ہو تو پھر امام اپنی سپاہ کو دو دستوں میں تقسیم کر کے ہر دستہ کو دو دو رکعات پڑھا دے۔

فقہی احکام: بوقت ضرورت امام ایک ہی نماز کی دو مرتبہ جماعت کرواسکتا ہے۔

۴۷۴: وَمِثْلُهُ لِأَبِي دَاوُدَ ,عَنْ أَبِي بَكْرَةَ.

ابو داود، تفریع ابواب صلاۃ السفر، باب من قال یصلی بکل طائفۃ رکعتین: ۱۲۴۸، النسائی: ۱۷۸/۳، احمد: ۳۹/۵، ابن حبان: ۲۸۸۱، ۲۸۸۲، الدارقطنی: ۶۱/۲، البیھقی: ۲۵۹/۳، معرفۃ السنن والآثار: ۱۷/۳

۴۷۴: ابوداؤد میں اسی طرح کی ایک روایت حضرت ابوبکرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔

تشریح: امام بیہقی فرماتے ہیں کہ ابوبکرہ سے حسن بصری کا سماع ثابت ہے۔اگر ایسا ہے تو پھر یہ روایت حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی روایت کو تقویت دیتی ہے۔

۴۷۵: وَعَنْ حُذَيْفَةَ رضی اللہ عنہ أَنَّ النَّبِيَّ صلی اللہ علیہ وسلم صَلَّى صَلَاةَ الْخَوْفِ بِهَؤُلَاءِ رَكْعَةً ,وَبِهَؤُلَاءِ رَكْعَةً ,وَلَمْ يَقْضُوا .رَوَاهُ أَحْمَدُ ,وَأَبُو دَاوُدَ ,وَالنَّسَائِيُّ ,وَصَحَّحَهُ ابْنُ حِبَّانَ.

ابو داود، تفریع ابواب صلاۃ السفر، باب من قال یصلی بکل طائفۃ رکعۃ ولا یقضون: ۱۲۴۶، ۱۲۴۷، النسائی: ۱۶۷/۳-۱۶۹، احمد: ۳۸۵/۵، ابن حبان: ۱۴۵۲، ۱۴۷۱، ۲۸۷۱، ابن خزیمۃ: ۲۹۳/۲، ۲۹۴، البیھقی: ۲۱۳۹، مسلم: ۶۸۷، ۶۷۹

۴۷۵: حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو نماز خوف ایک رکعت پڑھائی اور ان کو بھی ایک رکعت پڑھائی اور انہوں نے نماز کو پورا نہیں کیا۔اسے احمد،ابوداؤد اور نسائی نے روایت کیا ہے،ابن حبان نے صحیح کہا ہے۔

تشریح: اس حدیث سے یہ واضح ہوا کہ میدان کارزار کے حالات اگر زیادہ سنگین ہوں تو پھر امام اسلامی سپاہ کو دو دستوں میں منقسم کر دے،ایک دستہ امام کے پیچھے کھڑا ہو جائے اور دوسرا دستہ دشمن کے سامنے صف آرا ہو جائے،امام ہر دستہ کو ایک ایک رکعت پڑھا دے اور یہی ایک رکعت ہر دستے کے لیے کافی سمجھی جائے۔

حضرت حذیفہ،حضرت عبداللہ بن عباس،حضرت جابر بن عبداللہ،حضرت ابوہریرہ،حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہم ،امام سفیان ثوری،امام احمد اور امام اسحاق وغیرہ کا یہی مؤقف ہے۔ان حضرات کے مؤقف کو وہ حدیث بھی تقویت دیتی ہے،جو امام مسلم،امام ابن خزیمہ،امام ابن حبان اور امام نسائی نے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کی ہے،وہ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے تمہارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک کے ذریعے حضر کی چار اور سفر کی دو رکعات جبکہ خوف کی ایک رکعت فرض کی ہے۔

جمہور اہل علم کا کہنا ہے کہ سفر کی دو ہی رکعات ہیں خواہ خوف ہو یا امن ،یہ حضرات حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث کی تاویل کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ اس سے مراد یہ ہے کہ ان دونوں دستوں نے ایک ایک رکعت امام کے ساتھ پڑھی اور دوسری رکعت اپنی اپنی پڑھی۔اور لم یقضوا کا مطلب یہ ہے حالت جنگ میں اس طریقے پر پڑھی گئی نماز کو انہوں نے حالت امن میں دوبارہ نہیں لوٹایا۔جمہور

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

کی یہ تاویل حقائق سے بعید تر ہونے کی وجہ سے حجت نہیں۔

فقہی احکام: جنگی حالات اگر زیادہ خطرناک ہوں تو پھر اسلامی سپاہ کو ایک رکعت پڑھنے کی بھی اجازت ہے۔

۴۷۶: وَمِثْلُهُ عِنْدَ ابْنِ خُزَيْمَةَ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رضی اللہ عنہما.

صحیح ابن خزیمة، کتاب الصلاة، باب صلاة الخوف: ۱۳۴۴، النسائی: ۳/ ۱۶۹، ابن حبان: ۲۸۷۱، الحاکم: ۱/ ۴۸۵،

احمد: ۱/ ۲۳۲، البیهقی: ۳/ ۲۶۲

تنبیہ: مطبوعہ مسند احمد میں اس روایت کی سند میں ایک اندراج غلط ہوگیا ہے یعنی "عن ابی بکر بن ابی الجهم" کی جگہ "عن ابن ابی بکر بن ابی الجهم" درج ہو گیا ہے۔

۴۷۶: ابن خزیمہ میں اسی کی مثل حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے۔

تشریح: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ذوقرد نامی مقام پر نماز (خوف) پڑھائی، لشکر اسلام دو صفوں میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے اس طرح کھڑا ہوا کہ ایک دستہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اقتدا میں نماز پڑھنے لگا اور دوسرا دستہ دشمن کے سامنے صف آرا ہوا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلی صف کو ایک رکعت پڑھائی، یہ دستہ ایک رکعت پڑھ کر پیچھے والی صف کی جگہ چلا گیا اور پیچھے والی صف میں کھڑا ہوا دستہ آگے والی صف کی جگہ پر آ گیا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس دستہ کو بھی ایک رکعت پڑھائی اور ان دونوں دستوں نے دوسری رکعت نہیں پڑھی۔ یہ روایت صحیح مسلم کی شرائط کے مطابق ہے۔

۴۷۷: وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ رضی اللہ عنہما قَالَ، قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم " صَلَاةُ الْخَوْفِ رَكْعَةٌ عَلَى أَيِّ وَجْهٍ كَانَ" رَوَاهُ الْبَزَّارُ بِإِسْنَادٍ ضَعِيفٍ.

کشف الاستار: ۶۷۸، مجمع الزوائد: ۲/ ۱۹۹

۴۷۷: حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "نماز خوف ایک ہی رکعت ہے، خواہ وہ کسی طرح بھی ادا ہو جائے۔" اس روایت کو امام بزار نے ضعیف سند سے نقل کیا ہے۔

تشریح: اس روایت کا مرکزی راوی محمد بن عبدالرحمٰن البیلمانی سخت ضعیف ہے، کیونکہ امام بخاری اور امام نسائی نے اسے منکر الحدیث کہا ہے، امام ابن حبان فرماتے ہیں کہ یہ اپنے باپ سے ایک نسخہ روایت کرتا ہے جس میں تقریباً دوصد روایات ہیں وہ سب کی سب من گھڑت ہیں۔ ھیثمی نے اسے سخت ضعیف قرار دیا ہے۔

۴۷۸: وَعَنْهُ مَرْفُوعًا "لَيْسَ فِي صَلَاةِ الْخَوْفِ سَهْوٌ " أَخْرَجَهُ الدَّارَقُطْنِيُّ بِإِسْنَادٍ ضَعِيفٍ.

الدارقطنی: ۲/ ۵۸، الجرح و التعدیل: ۶/ ۱۴

۴۷۸: حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مرفوعاً مروی ہے کہ نماز خوف میں سجدہ سہو نہیں۔ اسے دارقطنی نے ضعیف سند سے روایت کیا ہے۔

تشریح: امام دارقطنی اس روایت کو نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں کہ یہ روایت فقط عبدالحمید بن سری نقل کرتا ہے اور وہ ضعیف ہے، جب کہ راقم کے نزدیک یہ روایت موضوع کے قریب تر ہے کیونکہ امام ابوحاتم کا کہنا ہے کہ عبدالحمید بن سری، عبیداللہ بن عمر العمری کی طرف من گھڑت روایات منسوب کر کے بیان کرتا تھا۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

۱۴۔ بَابُ صَلَاةِ الْعِيْدَيْن   عیدین کی نماز کا بیان

۴۷۹: عَنْ عَائِشَةَ رضی اللہ عنہا قَالَتْ، قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ "الْفِطْرُ يَوْمَ يُفْطِرُ النَّاسُ, وَالْأَضْحَى يَوْمَ يُضَحِّي النَّاسُ " رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ.

الترمذی، ابواب الصوم، باب الفطرو الاضحی متی یکون: ۸۰۲، الدارقطنی: ۲۲۵/۲، کتاب الام: ۲۳۰/۱

۴۷۹: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: " عیدالفطر اس دن ہے جس دن لوگ روزہ رکھنا ترک کرتے ہیں اور عیدالضحیٰ اس دن ہے جس دن لوگ قربانیاں کرتے ہیں۔" (ترمذی)

لغوی تحقیق: عیدین: یہ عید کا تثنیہ ہے، اس کا مادہ ع، و، د ہے، اس کے معنی غم، خوشی یا بیماری کے بار بار لوٹ کر آنے کے ہیں، عید کو عید بھی اسی لیے کہا جاتا ہے کہ یہ ہر سال فرحت و مسرت سے لبریز دامن کے ساتھ لوٹ کر آتی ہے، اس کی جمع افعال کے وزن پر " اعیاد" آتی ہے۔ یفطر: یاء مضموم، فا ساکن اور طا مکسور، یعنی روزہ نہیں رکھتے۔ الاضحی: یہ الاضحاۃ کی جمع ہے۔ یضحی: یہ تضحیۃ سے ماخوذ ہے، قربانی کے جانور کو ذبح کرنا۔

تشریح: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے یہ روایت عروہ بن زبیر کے طریق سے منقول ہے، لیکن یہ طریق ابراہیم بن محمد کے متروک ہونے کی وجہ سے ضعیف ہے، اسی طرح کی ایک روایت حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے بھی مروی ہے، مگر وہ روایت بھی ضعیف ہے، کیونکہ محمد بن المنکدر کا حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے سماع ولقا ثابت نہیں۔

اس حدیث سے یہ واضح ہوا کہ عید اجتماعی مظاہرہ کا نام ہے یعنی اگر کوئی شخص چاند دیکھ لیتا ہے تو اسے یہ ہرگز اجازت نہیں کہ وہ اپنی رؤیت کو بنیاد بنا کر تنہا عید منا لے، ایسے شخص کیلئے بھی یہ لازم ہے کہ وہ اکثریت کا احترام کرے، یعنی وہ شخص اسی روز عید منائے، جس دن دوسرے لوگ عید مناتے ہیں، اس حدیث سے یہ بھی واضح ہوا کہ عید مسلمانوں کے اتحاد کی علامت اور قوت کے اظہار کا بہترین ذریعہ ہے مگر افسوس عصر حاضر میں اس روح کا فقدان ہے کیونکہ تقریباً ہر ہر مسجد عیدگاہ بنی ہوئی ہے اور اکثر مسلمانوں نے عید کو لھو ولعب کے لیے مخصوص کر لیا ہے۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ عید اجتماعیت کے اظہار کا بہترین ذریعہ ہے لیکن اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ روئے زمین پر رہنے والے تمام مسلمان یا ایک ملک میں رہنے والے تمام مسلمان ایک دن ہی عید منائیں۔ جیسا کہ عبداللہ بن عباس سے منقول ہے کہ ان سے کریب نے کہا کہ اہل شام نے چاند دیکھ کر جمعہ کا روزہ رکھا، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا، ہم نے چونکہ ہفتہ کی شب کو چاند دیکھا تھا اس لیے ہم نے روزوں کا آغاز ہفتہ سے کیا ہے۔

۴۸۰: وَعَنْ أَبِي عُمَيْرِ بْنِ أَنَسٍ رضی اللہ عنہ, عَنْ عُمُومَةٍ لَهُ مِنَ الصَّحَابَةِ أَنَّ رَكْبًا جَاءُوا, فَشَهِدُوا أَنَّهُمْ رَأَوُا الْهِلَالَ بِالْأَمْسِ, فَأَمَرَهُمُ النَّبِيُّ ﷺ "أَنْ يُفْطِرُوا, وَإِذَا أَصْبَحُوا يَغْدُوا إِلَى مُصَلَّاهُمْ" رَوَاهُ أَحْمَدُ, وَأَبُو دَاوُدَ وَهَذَا لَفْظُهُ وَإِسْنَادُهُ صَحِيحٌ.

ابوداود، تفریع ابواب الجمعة، باب اذا لم یخرج الامام للعید من یومه یخرج من الغد: ۱۱۵۷، مسنداحمد: ۵۷/۵، النسائی: ۱۸۰/۳، ابن ماجة: ۱۶۵۳، الدارقطنی: ۱۷۰/۲

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

۴۸۰: ابوعمیر بن انس اپنے صحابی چچا سے نقل کرتے ہیں کہ آپ ﷺ کی خدمت میں چند سوار حاضر ہوئے اور انہوں نے شہادت دی کہ انہوں نے گزشتہ کل چاند دیکھا تھا، آپ ﷺ نے صحابہ کو حکم دیا کہ وہ روزہ (ابھی) افطار کر لیں لیکن عید منانے کے لیے کل صبح عید گاہ کی طرف جائیں۔ اس حدیث کو احمد اور ابوداؤد نے روایت کیا ہے، مذکورہ الفاظ ابوداؤد کے ہیں اور اس کی سند صحیح ہے۔

لغوی تحقیق: رکبا: دس یا اس سے کچھ زیادہ سواروں کا قافلہ۔ **الهلال**: یہ ھَلّ سے ماخوذ ہے یعنی ظاہر ہونا، پہلی رات کا چاند جب مطلع پر ظاہر ہوتا ہے تو اسے **الهلال** کہتے ہیں۔ **الامس**: گزشتہ کل۔ **یغدو**: دن کے اول حصہ میں چلیں گے۔

تشریح: اس حدیث سے یہ واضح ہوا کہ اگر رمضان کی انتیس تاریخ کو ایک ہی مطلع کے بعض مقامات پر چاند نظر آجائے اور بعض پر نہ آئے تو اس صورت میں اگر ان لوگوں کو جنہیں انتیس رمضان کو چاند نظر نہیں آیا تھا، دوسرے روز کسی معتبر ذرائع سے معلوم ہو جائے کہ آج یکم شوال ہے تو انہیں فوراً روزہ افطار کر دینا چاہیے اور یہ اطلاع اگر زوال آفتاب سے پہلے مل جائے تو عید بھی اس روز پڑھ لی جائے ورنہ عید دوسرے روز پڑھی جائے، نیز اس حدیث سے یہ بھی واضح ہوا کہ عید کی نماز عید گاہ میں پڑھنا مسنون ہے۔

فقہی احکام: (۱) انتیس رمضان کو اگر چاند نظر نہ آئے تو تیس روزے پورے کیے جائیں۔ (۲) تیسواں روزہ رکھنے کے بعد اگر معتبر ذرائع سے یہ اطلاع مل جائے کہ اسی مطلع میں رہنے والے کسی علاقہ کے لوگوں کو چاند نظر آ گیا ہے، تو پھر روزہ افطار کر دینا چاہیے۔ (۳) کسی شرعی عذر کی وجہ سے دو شوال کو بھی عید پڑھی جا سکتی ہے۔ (۴) حکومت کی طرف سے رؤیت ہلال کمیٹی کا اہتمام شرعی تقاضہ کے مطابق ہے۔ (۵) ایک مطلع کے لوگوں کو ایک ہی دن عید پڑھنی چاہیے۔ (۶) عید کی نماز عید گاہ میں پڑھنی چاہیے۔ (۷) چاند دیکھنے والے کسی ذمہ دار کے سامنے جا کر شہادت دیں۔

۴۸۱: وَعَنْ أَنَسٍ رضی اللہ عنہ قَالَ كَانَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ لَا يَغْدُو يَوْمَ الْفِطْرِ حَتَّى يَأْكُلَ تَمَرَاتٍ .أَخْرَجَهُ الْبُخَارِيُّ وَفِي رِوَايَةٍ مُعَلَّقَةٍ وَوَصَلَهَا أَحْمَدُ ، وَيَأْكُلُهُنَّ إِفْرَادًا.

البخاری، کتاب العیدین، باب الاکل یوم الفطر قبل الخروج: ۹۵۳، احمد: ۱۲۶/۳، ابن خزیمة: ۱۴۲۹، السنن الکبری للبیهقی: ۶۲۴۵، معرفة السنن والآثار: ۱۸۸۵، الترمذی: ۵۴۹، ابن ماجة: ۱۷۵۴، کشف الاستار: ۶۴۹، الطبرانی: ۲۰۳۹/۲

تنبیہ: (۱) شیخ خالد بن ضیف الشلاحی نے التبیان: ۲۲۳/۵ میں لکھا ہے کہ یاکلهن افرادا کے الفاظ مجھے نہ تو بخاری اور احمد سے ملے ہیں اور نہ کسی اور کتاب سے ملے ہیں۔ بخاری میں تو یقیناً نہیں ہیں لیکن احمد: ۱۲۲۷۰ میں یہ الفاظ موجود ہیں۔ (۲) مکتبہ دار السلام والوں نے مولانا عبدالوکیل علوی کے ترجمہ سے جو بلوغ المرام کی شرح شائع کی ہے اس میں بخاری کی موصولاً روایت میں یأکلهن و ترات کے الفاظ زائد درج کر دیئے ہیں (اردو ترجمہ بلوغ المرام: ۳۲۴/۱)

۴۸۱: حضرت انس رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ رسول اکرم ﷺ عید الفطر کی نماز کے لیے نکلنے سے پہلے چند کھجوریں تناول فرمایا کرتے تھے۔ (اسے بخاری نے بیان کیا ہے) بخاری کی تعلیقاً اور احمد کی موصولاً روایت میں ہے کہ آپ ﷺ طاق کھجوریں کھایا کرتے تھے۔

تشریح: زیر مطالعہ حدیث انس سے مختلف طرق سے منقول ہے۔ ھشیم کے طریق سے مروی روایت میں ہے کہ آپ ﷺ عید کی نماز کیلئے تشریف لے جانے سے قبل چند کھجوریں تناول فرماتے تھے۔ مرجی بن رجا کے طریق سے مروی روایت میں ہے، کہ آپ ﷺ طاق کھجوریں تناول فرمایا کرتے تھے، مرجی بن رجا چونکہ مختلف فیہ راوی ہے اس لیے امام بخاری نے اس سے مروی روایت کو تعلیقاً نقل کیا

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ہے۔امام احمد، امام ابن خزیمہ اور امام بیہقی نے اس روایت کو اپنی اپنی سند سے موصولاً نقل کیا ہے۔عتبہ سے مروی طریق میں ہے کہ آپ ﷺ عیدالفطر کے روز عید کی نماز کے لیے نکلنے سے پہلے تین، پانچ، سات یا کم وبیش کھجوریں طاق عدد میں تناول فرمایا کرتے تھے۔حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ سے مروی روایت میں فقط سات کھجوریں کھانے کا ذکر ہے لیکن یہ روایت ضعیف ہے۔

فقہی احکام: عیدالفطر کے روز عید کی نماز کیلئے نکلنے سے پہلے طاق عدد میں کھجوریں تناول فرمانی چاہئیں۔خواہ وہ کم ہوں یا زیادہ۔

۴۸۲: **وَعَنِ ابْنِ بُرَيْدَةَ ,عَنْ أَبِيهِ رضی اللہ عنہ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ ﷺ لَا يَخْرُجُ يَوْمَ الْفِطْرِ حَتَّى يَطْعَمَ ,وَلَا يَطْعَمُ يَوْمَ الْأَضْحَى حَتَّى يُصَلِّيَ. رَوَاهُ أَحْمَدُ ,وَالتِّرْمِذِيُّ ,وَصَحَّحَهُ ابْنُ حِبَّانَ.**

صحيح ابن حبان، كتاب الصلاة، باب العيدين: ۲۸۱۲، الترمذی، كتاب الصلاة، باب ماجاء فی الاكل يوم الفطر قبل الخروج: ۵۴۸، احمد: ۳۵۲/۵، ابن خزيمة: ۳۴۱/۲، الدارقطنی: ۴۵/۲، ابن ماجة: ۱۷۵۶، البيهقی: ۶۲۵۱، الدارمی: ۱۶۰۸

۴۸۲: حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ کچھ نہ کچھ کھائے بغیر عیدالفطر کے لیے نہیں نکلتے تھے اور عیدالاضحیٰ کی نماز سے قبل کچھ بھی تناول نہ فرماتے تھے۔اسے احمد اور ترمذی نے بیان کیا ہے۔اور ابن حبان نے صحیح کہا ہے۔

تشریح: احمد، دارمی، طبرانی اور امام بیہقی نے حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ سے جو روایت نقل کی ہے اس میں یہ صراحت ہے کہ آپ ﷺ عید الاضحیٰ کے روز کھانے کا آغاز قربانی کے گوشت سے فرماتے تھے، لیکن یہ روایت عبداللہ بن عقبہ الرفاعی کی وجہ سے ضعیف ہے۔امام ابن حبان نے حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ سے جو روایت نقل کی ہے، اس میں ہے کہ آپ ﷺ عیدالاضحیٰ کے روز نحر کرنے کے بعد کچھ تناول فرماتے تھے ، یہ روایت حسن درجہ کی ہے۔

فقہی احکام: (۱) عیدالفطر کی نماز سے قبل طاق کھجوریں کھانا مسنون ہے۔

(۲) عیدالاضحیٰ کے روز قربانی کرنے کے بعد بشرطیکہ قربانی ہو ورنہ واپس آ کر کھانا کھایا جا سکتا ہے۔

۴۸۳: **وَعَنْ أُمِّ عَطِيَّةَ رضی اللہ عنہا قَالَتْ أُمِرْنَا أَنْ نُخْرِجَ الْعَوَاتِقَ ,وَالْحُيَّضَ فِي الْعِيدَيْنِ ; يَشْهَدْنَ الْخَيْرَ وَدَعْوَةَ الْمُسْلِمِينَ , وَيَعْتَزِلُ الْحُيَّضُ الْمُصَلَّى. مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ.**

البخاری، كتاب العيدين، باب خروج النساء و الحيض الى المصلیٰ: ۹۷۴، صحيح مسلم: ۸۹۰، السنن الكبری للبيهقی: ۶۳۳۰ ـ ۶۳۳۲، معرفة السنن والآثار: ۱۹۳۵، ابو داود: ۱۱۳۶، ۱۱۳۸، ابن ماجة: ۱۳۰۸، النسائی: ۱۸۰/۳، احمد: ۸۴/۵، الترمذی: ۵۴۵

۴۸۳: حضرت اُم عطیہ رضی اللہ عنہا نے کہا کہ ہمیں حکم دیا گیا کہ ہم نوجوان اور حائضہ خواتین کو عیدین کے لیے عیدگاہ کی طرف لے کر چلیں تاکہ وہ بھی بھلائی اور مسلمانوں کی دعا میں شریک ہوں اور حائضہ خواتین عیدین گاہ سے باہر رہیں۔

لغوی تحقیق: امرنا: ہمزہ مضموم، میم مکسور اور راء ساکن، ہمیں حکم دیا گیا۔صحابہ یا صحابیات جب اس قسم کے الفاظ استعمال کرتے ہیں تو اس سے مراد اللہ اور اس کے رسول ﷺ ہی ہوتے ہیں۔**العواتق**: یہ عاتق کی جمع مکسر ہے، ایسی کنواری لڑکیاں جو بلوغت کے قریب پہنچ چکی ہوں، یا بالغ ہو چکی ہوں۔**الحیض**: حاء مضموم اور یاء مفتوح، یہ حائض کی جمع ہے، ایسی خواتین جو حالت حیض میں ہوں، خواہ کنواری ہوں یا شادی شدہ اور ایسی عورتیں بھی جنہیں ماہواری آتی ہو۔ **تعتزل**: صیغہ واحد مؤنث غائب ہے یعنی حائضہ عورتیں عیدگاہ سے باہر رہیں۔

تشریح: حضرت ام عطیہ رضی اللہ عنہا سے یہ روایت متعدد طرق سے مروی ہے۔زیادہ تر طرق میں صیغہ مجہول ہی استعمال ہوا ہے، البتہ امام

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

مسلم اور امام بخاری نے حماد کے طریق سے جو روایت حضرت ام عطیہ رضی اللہ عنہا سے نقل کی ہے۔ اس میں صیغہ معروف استعمال ہوا ہے۔ یعنی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں حکم دیا۔ اسی طرح امام بیہقی نے اپنی سند سے حضرت ام عطیہ رضی اللہ عنہا سے جو روایت نقل کی ہے اس میں ام عطیہ کہتی ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر میرے ماں باپ قربان ہوں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں حکم دیا، نیز اس روایت کے آخر میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا گیا ہے کہ جن خواتین کے پاس اوڑھنی نہ ہو، وہ عید کی نماز کیلئے کیسے جائیں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: " وہ اپنی کسی بہن کی اوڑھنی پہن کر چلی جائیں۔ "

فقہی احکام: (۱) عید کی نماز پڑھنے کیلئے تمام خواتین کو عید گاہ کی طرف جانا چاہیے۔ (۲) تمام خواتین کو عید کی تکبیرات پڑھنی چاہئیں۔ (۳) مسلمانوں کے ساتھ دعا میں شریک ہونا چاہیے۔ (۴) حائضہ عورتیں عید گاہ سے باہر رہیں اور نماز میں شریک نہ ہوں۔ (۵) عیدین کے موقع پر دعا کرنا مسنون ہے۔

۴۸۴: وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ رضی اللہ عنہما كَانَ اَلنَّبِيُّ صلی اللہ علیہ وسلم وَأَبُو بَكْرٍ ,وَعُمَرُ يُصَلُّونَ الْعِيدَيْنِ قَبْلَ اَلْخُطْبَةِ. مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ.

البخاری، کتاب العیدین، باب الخطبة بعد العیدین: ۹۶۲، ۹۶۳، مسلم: ۸۸۸، الترمذی: ۵۳۷، النسائی: ۱۸۳/۳، ابن ماجة: ۱۲۷۶، احمد: ۱۲/۲، عبدالرزاق: ۲۷۹/۳، ابوداود: ۱۱۵۵، ابن خزیمة: ۳۵۸/۲، البیهقی: ۶۲۹۱، الحاکم: ۴۳۴/۱، الدارقطنی: ۵۰/۲، معرفة السنن والآثار: ۴۵/۳

تنبیہ: بخاری میں کان رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم ہے۔

۴۸۴: حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما عید کی نماز خطبہ سے قبل پڑھتے تھے۔ (بخاری و مسلم)

تشریح: اس حدیث سے یہ ثابت ہوا کہ عید کا خطبہ عید کی نماز کے بعد دیا جائے، اسی طرح کی روایات بعض دیگر صحابہ سے بھی منقول ہیں۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی روایت میں ہے کہ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم، حضرت ابوبکر، حضرت عمر، حضرت عثمان رضی اللہ عنہم کے ساتھ نماز عید میں شریک ہوا، یہ سب حضرات، خطبہ سے پہلے نماز پڑھتے تھے۔ حضرت عبداللہ بن سائب رضی اللہ عنہما سے مروی روایت میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز سے فارغ ہو کر فرمایا: "ہم خطبہ دیں گے جو خطبہ سننا پسند کرتا ہے وہ بیٹھا رہے اور جو جانا چاہتا ہے وہ جا سکتا ہے۔"

فقہی احکام: (۱) عیدین کی نماز سے پہلے خطبہ (تقریر) دینا بدعت جبکہ بعد میں دینا مسنون ہے۔
(۲) عیدین کا خطبہ سننا افضل ہے فرض یا واجب نہیں۔

۴۸۵: وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رضی اللہ عنہما أَنَّ اَلنَّبِيَّ صلی اللہ علیہ وسلم صَلَّى يَوْمَ اَلْعِيدِ رَكْعَتَيْنِ ,لَمْ يُصَلِّ قَبْلَهَا وَلَا بَعْدَهَا. أَخْرَجَهُ اَلسَّبْعَةُ.

البخاری، کتاب العید، باب الخطبة بعد العید: ۹۶۴، مسلم: ۸۸۴، ابوداود: ۱۱۵۹، الترمذی: ۵۳۷، ۵۳۸، النسائی: ۱۹۳/۳، ابن ماجة: ۱۲۹۱، ۱۲۹۳، احمد: ۳۵۵/۱، ۵۷/۲، الدارمی: ۳۱۵/۱، ابن خزیمة: ۳۴۵/۲، الحاکم: ۴۳۵/۱، البیهقی: ۶۳۱۷، معرفة السنن والآثار: ۱۹۲۶۔۱۹۲۸

۴۸۵: حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے عید کے دن دو رکعتیں پڑھیں، ان سے پہلے یا بعد کوئی نماز نہیں پڑھی۔ اس حدیث کو ساتوں نے روایت کیا ہے۔

تشریح: اس حدیث کی مثل حضرت عبداللہ بن عمر، حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص، حضرت انس اور حضرت علی رضی اللہ عنہم سے بھی مروی

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ہے۔اور حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی روایت میں یہ الفاظ بھی ہیں کہ آپ ﷺ جب عید کی نماز پڑھ کر گھر تشریف لاتے تو دو رکعات پڑھتے۔

فقہی احکام: (۱)عیدگاہ میں عید کی نماز سے قبل یا بعد کوئی نفلی نماز پڑھنا غیر مسنون ہے۔

(۲)عید کی نماز سے فارغ ہو کر گھر لوٹنے کے بعد دو رکعات نفل پڑھنا مسنون ہے۔

۴۸۶: وَعَنْهُ أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ صَلَّى الْعِيدَ بِلا أَذَانٍ ,وَلا إِقَامَةٍ. أَخْرَجَهُ أَبُو دَاوُدَ وَأَصْلُهُ فِي الْبُخَارِيِّ.

ابوداود، تفریع ابواب الجمعة، باب ترک الآذان فی العید: ۱۱۴۷، ۱۱۴۸، البخاری: ۹۶۲، مسلم: ۸۸۶، ۸۸۷،السنن الکبری للبیهقی: ۶۲۵۸، ۶۲۵۹، معرفة السنن والآثار: ۳/۳۷، کشف الاستار: ۶۰۷

تنبیہ: ابوداود کے مطبوعہ نسخہ میں ان رسول اللہ ﷺ ہے۔

۴۸۶: حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے عید کی نماز بغیر اذان اور اقامت کے پڑھی۔اسے ابوداؤد نے روایت کیا ہے اور اس کی اصل بخاری میں ہے۔

تشریح: اسی مفہوم کی روایات حضرت جابر بن عبداللہ، حضرت جابر بن سمرہ، حضرت براء بن عازب اور حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہم سے منقول ہے۔البتہ حضرت سعد رضی اللہ عنہ سے مروی روایت عبداللہ بن شبیب کی وجہ سے سخت ضعیف ہے۔

فقہی احکام: (۱)عید کی نماز اذان اور اقامت کے بغیر پڑھی جائے۔(۲)عید کیلئے اذان دینا یا بار بار اعلان کرنا ((عید کی نماز کھڑی ہونے والی ہے)) درست نہیں بلکہ اسے اگر بدعت کا نام دیا جائے تو غلط نہ ہوگا۔

۴۸۷: وَعَنْ أَبِي سَعِيدٍ رضی اللہ عنہ قَالَ كَانَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ لا يُصَلِّي قَبْلَ الْعِيدِ شَيْئًا ,فَإِذَا رَجَعَ إِلَى مَنْزِلِهِ صَلَّى رَكْعَتَيْنِ. رَوَاهُ ابْنُ مَاجَهْ بِإِسْنَادٍ حَسَنٍ.

ابن ماجة، ابواب العیدین، باب ماجاء فی الصلاة قبل صلاة العید و بعدها: ۱/۹۳، احمد: ۳/۴۰، الحاکم: ۱/۴۳۷

۴۸۷: حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ عید کی نماز سے قبل کوئی نماز نہیں پڑھتے تھے لیکن جب واپس گھر تشریف لاتے تو دو رکعات نفل پڑھتے۔اسے ابن ماجہ نے حسن سند سے روایت کیا ہے۔

تشریح: اس کی تشریح اور فقہی احکام حدیث نمبر:۴۸۵ کے ضمن میں ملاحظہ فرمائیں۔

۴۸۸: وَعَنْهُ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ ﷺ يَخْرُجُ يَوْمَ الْفِطْرِ وَالْأَضْحَى إِلَى الْمُصَلَّى ,وَأَوَّلُ شَيْءٍ يَبْدَأُ بِهِ الصَّلَاةُ ,ثُمَّ يَنْصَرِفُ فَيَقُومُ مُقَابِلَ النَّاسِ وَالنَّاسُ عَلَى صُفُوفِهِمْ فَيَعِظُهُمْ وَيَأْمُرُهُمْ. مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ.

البخاری، کتاب العیدین، باب الخروج الی المصلیٰ: ۹۵۶، مسلم: ۸۸۹، النسائی: ۳/۱۸۷، احمد: ۳/۳۶

۴۸۸: حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ نے کہا کہ نبی اکرم ﷺ عیدالفطر اور عیدالاضحیٰ پڑھنے کے لیے عیدگاہ تشریف لے جاتے اور وہاں پہنچ کر سب سے پہلے نماز پڑھاتے، پھر رُخِ انور صحابہ کی طرف فرماتے اور کھڑے ہو جاتے اور صحابہ بدستور اپنی صفوں میں تشریف رکھتے اور آپ ﷺ انہیں نصیحت فرماتے اور انہیں نیکی کا حکم دیتے۔(بخاری و مسلم)

لغوی تحقیق: **المصلیٰ**: صلیٰ سے اسم ظرف ہے اور اس سے مراد عیدگاہ ہے۔ **فیعظھم**: صحابہ کو پندونصائح فرماتے۔

تشریح: حدیث نمبر:۴۸۴ کے تحت ملاحظہ فرمائیں۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

۴۸۹: وَعَنْ عَمْرِو بْنِ شُعَيْبٍ عَنْ أَبِيهِ عَنْ جَدِّهِ قَالَ، قَالَ نَبِيُّ اللَّهِ ﷺ "اَلتَّكْبِيرُ فِي الْفِطْرِ سَبْعٌ فِي الْأُولَى وَخَمْسٌ فِي الْآخِرَةِ ,وَالْقِرَائَةُ بَعْدَهُمَا كِلْتَيْهِمَا " أَخْرَجَهُ أَبُو دَاوُدَ ، وَنَقَلَ التِّرْمِذِيُّ عَنِ الْبُخَارِيِّ تَصْحِيحَهُ.

ابوداود، تفریع ابواب الجمعة، باب التکبیر فی العیدین: ۱۱۵۱ ، ۱۱۴۹ ، ابن ماجة: ۱۲۷۷ ، ۱۲۷۸ ، احمد: ۱۸۰/۲ ، ۳۵۶، الدارقطنی: ۴۸/۲ ، ۴۹، البیھقی: ۶۲۶۳ ـ ۶۲۷۶، الترمذی: ۵۴۲، ابن خزیمة: ۳۴۶/۲، العلل الکبیر: ۲۸۷/۱ ، ۲۸۸، معرفة السنن والآثار: ۳/۳۷ ـ ۴۱، الاحکام الوسطیٰ: ۴۵/۳، بیان الوھم والایھام: ۲۵۹/۲ ـ ۲۶۲، الحاکم: ۴۳۸/۱، مؤطا امام مالک: ۱۸۰/۱، الارواء: ۱۰۹/۳، الخلاصة للنووی: ۸۳۱/۲، کشف الاستار: ۶۵۵

۴۸۹: حضرت عمرو بن شعیب نے اپنے والد سے انہوں نے اپنے دادا سے نقل کیا کہ اللہ کے نبی ﷺ نے فرمایا:" عیدالفطر کی نماز کی پہلی رکعت میں سات اور دوسری میں پانچ تکبیرات ہیں، اور دونوں رکعات میں قرأت تکبیرات کے بعد ہے۔ اسے ابوداؤد نے روایت کیا ہے اور امام ترمذی نے امام بخاری کے حوالے سے اس کی تصحیح نقل کی ہے۔

تشریح: عیدین کی نماز میں زائد تکبیرات کتنی کہی جائیں اور کب کہی جائیں؟ اس بارے میں اہل علم میں اختلاف پایا جاتا ہے۔ اہل مدینہ، شوافع، حنابلہ اور اہل حدیث کے نزدیک پہلی رکعت میں قرأت سے پہلے سات اور دوسری رکعت میں قرأت سے پہلے پانچ تکبیرات کہنا راجح ہے۔ ان کے اس موقف کی بنیاد زیر مطالعہ حدیث اور بعض دوسری احادیث ہیں۔ زیر مطالعہ حدیث کے بارے میں محدثین نے کلام کیا ہے، اس پر پہلا اعتراض یہ ہے کہ اگر جدہ کی ضمیر سے مراد عمرو کا دادا محمد بن عبداللہ ہے تو پھر اس صورت میں یہ روایت مرسل ہے کیونکہ محمد بن عبداللہ تابعی ہے اور اگر اس ضمیر سے مراد شعیب کا دادا عبداللہ بن عمرو ہے تو پھر یہ روایت منقطع ہے کیونکہ شعیب کا اپنے دادا عبداللہ بن عمرو سے سماع ثابت نہیں۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ جدہ کی ضمیر کا مرجع شعیب کا دادا عبداللہ بن عمرو ہی ہیں اور شعیب کا اپنے دادا سے سماع ثابت ہے۔ اس روایت پر دوسرا اعتراض یہ کیا جاتا ہے کہ عمرو بن شعیب کا شاگرد عبداللہ بن عبدالرحمٰن الطائفی متکلم فیہ ہے۔ موصوف کو امام ابوحاتم نے لیس بالقوی اور لین الحدیث کہا ہے، امام نسائی نے لیس بالقوی کہا ہے، امام یحییٰ بن معین نے اسے صویلح، ضعیف اور لیس به بأس کہا ہے۔ یعنی امام یحیی بن معین کے اقوال باہم معارض ہیں۔ امام علی بن مدینی، امام دارقطنی، امام عجلی اور امام ابن حبان نے اسے ثقہ کہا ہے، جبکہ امام دارقطنی فرماتے ہیں کہ اس کا اعتبار کیا جائے گا۔ امام بوصیری حنفی نے بھی مصباح الزجاجة میں اسے ثقہ قرار دیا ہے۔

درج بالا بیانات سے یہ واضح ہوا کہ عبداللہ بن عبدالرحمٰن الطائفی کی روایات میں اگر کوئی اور علت نہیں تو وہ کم از کم حسن درجہ کی ہیں، اور اس کی جن مرویات کی تائید بعض دوسری روایات سے ہو جائے تو وہ صحیح کہلائیں گی۔ مؤلف رحمہ اللہ نے امام ترمذی کے حوالے سے لکھا ہے کہ امام بخاری نے اس حدیث کو صحیح کہا ہے۔ اسی مفہوم کی ایک مرفوع روایت عمرو بن عوف سے منقول ہے، امام ترمذی نے اسے بھی امام بخاری کے حوالے سے صحیح کہا ہے۔ امام ترمذی کے اس بیان کو امام بیہقی اور حافظ عبدالحق اشبیلی نے درج ذیل الفاظ میں نقل کیا ہے۔

سألت محمداً يعنى البخارى عن هذا الحديث فقال، ليس شيء فى هذا الباب اصح منه و به اقول وحديث عبدالله بن عبدالرحمن الطائفى ايضاً صحيح و الطائفى مقارب الحديث . امام ترمذی فرماتے ہیں کہ میں نے محمد بن اسماعیل بخاری سے عمرو بن عوف المزنی سے مروی حدیث کے بارے میں دریافت کیا تو انہوں نے فرمایا، نماز عید میں تکبیرات کے بارے میں سب سے زیادہ صحیح حدیث یہی ہے، میرا فتویٰ بھی اسی حدیث کی روشنی میں ہے، جبکہ عبداللہ بن عبدالرحمٰن الطائفی سے مروی حدیث بھی

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

صحیح ہے اور طائفی مقارب الحدیث ہے۔ امام ترمذی نے درج بالا عبارت اپنی معروف کتاب **العلل الکبیر** میں نقل کی ہے، امام بیہقی اور حافظ عبدالحق اشبیلی کے انداز تحریر سے یہ عیاں ہو رہا ہے کہ وہ **لیس شيء** سے لے کر **مقارب الحدیث** تک ساری عبارت کو امام بخاری کا بیان قرار دیتے ہیں لیکن امام ابن قطان، امام بیہقی اور امام حافظ عبدالحق اشبیلی کی اس رائے سے اتفاق نہیں کرتے، ان کا کہنا ہے کہ **لیس شيء** سے لے کر **اصح من ھذا** تک بلاشبہ امام بخاری کا مقولہ ہے، **وبہ اقول** میں دونوں احتمال ہیں یعنی یہ امام ترمذی کا مقولہ بھی ہو سکتا ہے اور امام بخاری کا بھی، اگر اس مقولہ کے قائل امام بخاری ہیں تو اس کا مطلب یہ ہے کہ میرا بھی فتوی یہی ہے کہ عید کی نماز میں اتنی ہی تکبیریں کہی جائیں اور اگر یہ مقولہ امام ترمذی کا ہے تو پھر اس کا مطلب یہ ہے کہ میں بھی یہی کہتا ہوں کہ اس مسئلہ میں سب سے زیادہ صحیح حدیث یہی ہے۔ اسی طرح "حدیث عبداللہ" سے لے کر آخر تک کے الفاظ بھی امام ترمذی ہی کا مقولہ ہے، کیونکہ ممدوح عمرو بن شعیب عن ابیہ عن جدہ کے طریق سے مروی ہر روایت کو صحیح قرار دیتے ہیں جو ان سے ثقہ راوی روایت کرتے ہیں۔

الغرض مذکورہ قول امام بخاری کا ہو یا امام ترمذی کا ہر دو حال میں اس کا یہ مفہوم نہیں کہ یہ حدیث صحیح ہے۔ کیونکہ اس قول کو درست تسلیم کر لینے سے یہ لازم آتا ہے کہ عمرو بن عوف المزنی سے مروی حدیث بہت اعلیٰ درجہ کی صحیح ہے، جبکہ ایسا نہیں ہے، کیونکہ عبداللہ بن عمرو سے یہ روایت فقط اس کا بیٹا کثیر بن عبداللہ نقل کرتا ہے، اسے امام احمد نے منکر الحدیث، امام یحییٰ بن معین نے **ضعیف الحدیث**، امام ابوداؤد نے احد الکذابین، امام ابوزرعہ نے **واھی الحدیث**، امام نسائی نے **متروک الحدیث** اور امام ابوحاتم نے **لیس بالمتین** کہا ہے ظاہر ہے کہ ایسے راوی سے مروی روایت اعلیٰ درجہ کی صحیح نہیں ہو سکتی، اور اگر یہ کہا جائے کہ **لیس شيء فی ھذا الباب اصح منہ** کا مطلب یہ ہے کہ عید کی نماز کی تکبیرات سے متعلق تمام روایات ضعیف ہیں، لیکن ان سب میں سب سے کم ضعف والی روایت یہ ہے تو پھر یہ قول معارض ہے۔

اس مفہوم کی ایک روایت حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے بھی مروی ہے لیکن یہ روایت بھی عبداللہ بن لھیعۃ کی وجہ سے ضعیف ہے جیسا کہ امام ترمذی نے **العلل الکبیر** میں لکھا ہے کہ میں نے اس روایت کے بارے میں امام بخاری سے دریافت کیا تو انہوں نے فرمایا کہ یہ روایت ضعیف ہے۔

اس مفہوم کی روایات حضرت عبداللہ بن عمر، حضرت ابوہریرہ اور سعد بن عائذ رضی اللہ عنہم سے بھی مروی ہیں، حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی روایت فرج بن فضالہ کی وجہ سے اور سعد بن عائذ سے مروی روایت عبدالرحمن بن سعد کی وجہ سے ضعیف ہے، البتہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی موقوفاً روایت صحیح ہے۔ درج بالا تمام روایات میں اگرچہ کوئی نہ کوئی علت ضرور ہے، تاہم تمام روایات کو جمع کیا جائے تو پھر یہ کہا جا سکتا ہے کہ عمرو بن شعیب سے مروی زیر مطالعہ حدیث صحیح ہے۔ علامہ البانی اور امام نووی نے یہی موقف اختیار کیا ہے۔

جو حضرات بارہ تکبیرات کے قائل ہیں ان میں سے بعض حضرات کا یہ کہنا ہے کہ پہلی رکعت میں تکبیر تحریمہ سمیت سات تکبیرات کہی جائیں، لیکن ان حضرات نے اپنے موقف کی تائید میں کوئی دلیل نقل نہیں کی، جبکہ امام بیہقی نے حضرت عمرو بن شعیب سے مروی یہی روایت اپنی سند سے نقل کی ہے اس میں یہ صراحتاً مذکور ہے کہ بارہ تکبیریں تکبیر تحریمہ اور تکبیر انتقال کے علاوہ ہیں۔ زیر مطالعہ حدیث میں یہ صراحت بھی ہے کہ زائد تکبیریں دونوں رکعات میں قرأت سے پہلے کہی جائیں، جبکہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی مرفوع روایت میں ہے کہ دوسری رکعت میں پانچ تکبیریں قرأت کے بعد کہی جائیں۔

یہ روایت دو طرق سے مروی ہے اور دونوں طرق ضعیف ہیں۔ ایک طریق عبداللہ بن لھیعہ کی وجہ سے، دوسرا طریق محمد بن سعید

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

الحلبی کی وجہ سے ضعیف ہے۔

حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ سے مروی روایت میں تیرہ تکبیرات کا ذکر ہے، یہ روایت حسن بن عمارہ کی وجہ سے موضوع کے قریب تر ہے۔ حضرت ابوموسیٰ اور حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہما سے مروی روایات میں دونوں رکعات میں چار چار تکبیرات کہنے کا ذکر ہے یہ روایات ثابت بن ثوبان کی وجہ سے ضعیف ہیں، اسی مفہوم کی ایک روایت حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہما سے موقوفا مروی ہے۔ اور یہ روایت ابواسحاق کے عنعنہ کی وجہ سے ضعیف ہے۔

فقہی احکام: (۱) عیدین کی نماز بارہ تکبیرات سے ادا کی جائیں۔ (۲) دونوں رکعات میں زائد تکبیرات قرأت سے پہلے کہی جائیں۔

۴۹۰: وَعَنْ أَبِي وَاقِدٍ اللَّيْثِيِّ رضی اللہ عنہ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ صلی اللہ علیہ وسلم يَقْرَأُ فِي الْأَضْحَى وَالْفِطْرِ بِ﴿ق﴾ وَ ﴿اقْتَرَبَتْ﴾ أَخْرَجَهُ مُسْلِمٌ.

مسلم، کتاب الصلاۃ العیدین، باب مایقرأبه فی صلاۃ الجمعة و فی صلاۃ العیدین: ۸۷۸، ۸۹۱، ابوداود: ۱۱۵۴، الترمذی: ۵۳۹ ـ ۵۴۱، النسائی: ۱/ ۱۸۳، ۱۸۴، ابن ماجة: ۱۲۸۱، ۱۲۸۲، مؤطا امام مالک: ۱/ ۱۸۰، البیهقی: ۲۹۳/۳، احمد: ۲۷۱/۴، عبدالرزاق: ۲۹۸/۳

تنبیہ: درج بالا روایت مؤلف رحمۃ اللہ علیہ نے بالمعنی نقل کی ہے۔

۴۹۰: حضرت ابوواقد لیثی رضی اللہ عنہ نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عیدالفطر اور عیدالاضحیٰ کی نماز میں سورۃ ق اور سورۃ اقتربت تلاوت فرماتے تھے۔ (مسلم)

تشریح: اس حدیث سے یہ واضح ہوا کہ عیدین کی نماز میں مذکورہ دونوں سورتیں پڑھنا مسنون ہیں تاہم آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہر سال عیدین کی نماز میں یہی سورتیں نہیں پڑھتے تھے کیونکہ عیدین کی نماز میں دیگر سورتیں پڑھنا بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے جیسا کہ صحیح مسلم میں حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث میں یہ صراحت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم عیدین کی نماز میں سورۃ الاعلیٰ اور سورۃ غاشیہ تلاوت فرماتے تھے اور جب عید جمعہ کے روز ہوتی تو اس وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم دونوں نمازوں میں بھی یہی دونوں سورتیں تلاوت فرماتے۔

۴۹۱: وَعَنْ جَابِرٍ رضی اللہ عنہ قَالَ كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صلی اللہ علیہ وسلم إِذَا كَانَ يَوْمُ الْعِيدِ خَالَفَ الطَّرِيقَ. أَخْرَجَهُ الْبُخَارِيُّ.

البخاری، کتاب العیدین، باب من خالف الطریق اذا رجع یوم العید: ۹۸۶

۴۹۱: حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عید کے روز عیدگاہ کی طرف آتے جاتے وقت راستہ تبدیل فرماتے تھے۔ اسے بخاری نے روایت کیا ہے۔

تشریح: اس حدیث سے یہ واضح ہوا کہ عید کی نماز کے لیے عیدگاہ کی طرف جس راستے کو اختیار کیا جائے واپسی کے لیے اس راستے کو اختیار نہ کیا جائے۔

۴۹۲: وَلِأَبِي دَاوُدَ عَنِ ابْنِ عُمَرَ, نَحْوُهُ.

ابوداود، تفریع ابواب الجمعة، باب الخروج الی العید فی طریق ویرجع فی طریق: ۱۱۵۶، المجموع: ۵/ ۱۱، ابن ماجة: ۱۲۹۹، احمد: ۱۰۹/۲

۴۹۲: اور ابوداؤد میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے بھی اسی طرح مروی ہے۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

تشریح: حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے علاوہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے بھی مروی ہے اور وہ روایت اس کے مقابلے میں قدرے صریح ہے کیونکہ اس میں صراحتاً مذکور ہے کہ آپ ﷺ عید کی نماز کے لیے کسی اور راستے سے جاتے اور واپس کسی دوسرے راستے سے آتے۔ ابن عمر سے مروی روایت عبداللہ بن عمر العمری کی وجہ سے ضعیف ہے۔ تاہم اسے بطور استشہاد بیان کیا جا سکتا ہے۔

۴۹۳: وَعَنْ أَنَسٍ رضی اللہ عنہ قَالَ قَدِمَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ اَلْمَدِينَةَ ,وَلَهُمْ يَوْمَانِ يَلْعَبُونَ فِيهِمَا .فَقَالَ "قَدْ أَبْدَلَكُمُ اللَّهُ بِهِمَا خَيْرًا مِنْهُمَا يَوْمَ الْأَضْحَى ,وَيَوْمَ الْفِطْرِ " أَخْرَجَهُ أَبُو دَاوُدَ ,وَالنَّسَائِيُّ بِإِسْنَادٍ صَحِيحٍ.

ابو داود، تفریع ابواب الجمعة، باب صلاة العیدین: ۱۱۳۴، النسائی: ۳/۱۷۹

۴۹۳: حضرت انس رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ مدینہ تشریف لائے تو اس وقت اہل مدینہ کے لیے دو دن کھیل کود کیلئے مختص تھے، آپ ﷺ نے فرمایا: "اللہ نے تمہارے لیے ان دونوں کے بدلہ میں دوسرے دو دن مختص کر دیے ہیں، اور وہ دن ان سے بہتر ہیں، ان میں سے ایک عید قربان کا دن، دوسرا عید الفطر کا دن ہے۔" اسے ابو داؤد اور نسائی نے صحیح سند سے روایت کیا ہے۔

لغوی تحقیق: یومان: یوم کا تثنیہ ہے، یعنی دو دن۔ یلعبون: کھیل کود کرتے تھے۔ ابدلکم: تمہیں بدلہ میں دے دیئے ہیں۔

تشریح: مدینہ منورہ میں آپ ﷺ کی تشریف آوری سے قبل اہل مدینہ کی اکثریت صدق دل سے اسلام قبول کر چکی تھی اور اسلام کے سفیر و معلم حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ ان کی اصلاح و فلاح کے لیے مدینہ منورہ میں موجود تھے، اس کے باوجود وہ سال میں دو میلے لگاتے تھے، ان میلوں میں فرحت و سرور کی محفلیں منعقد کرتے تھے، حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ کا انہیں منع نہ کرنا، اس بات کا واضح ثبوت ہے کہ کسی عالم یا فقیہ کو حلت و حرمت کا اختیار نہیں۔ نیز اسی حدیث سے یہ واضح ہوا کفار کے میلوں کی تعظیم حرام ہے۔ اہل اسلام کو عید الفطر اور عید الاضحیٰ کی شکل میں دو عیدوں کا تحفہ ہجرت نبوی کے اٹھارہ ماہ بعد ملا، اسلام میں سب سے پہلی عید ۲ھ میں عید الفطر منائی گئی۔

فقہی احکام: (۱) میلوں میں شرکت ممنوع ہے۔ (۲) علما و فقہا کو حلت و حرمت کا اختیار نہیں۔ (۳) ایسی کھیل کود کی اجازت ہے جو غیر اخلاقی نہ ہو اور عبادت کے اوقات میں نہ ہو۔ (۴) غیر مسلموں کے تہواروں کی تعظیم حرام ہے۔

۴۹۴: وَعَنْ عَلِيٍّ رضی اللہ عنہ قَالَ مِنَ السُّنَّةِ أَنْ يَخْرُجَ إِلَى الْعِيدِ مَاشِيًا. رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ ,وَحَسَّنَهُ.

الترمذی، ابواب العیدین، باب فی المشی یوم العید: ۵۳۶، عبدالرزاق: ۳/۲۸۹، البیہقی: ۳/۲۸۱، معرفة السنن والآثار: ۱۸۷۷، ابن ماجة: ۱۲۹۶، ۱۲۹۷، البحر الزخار: ۳/۳۲۰، اخبار المدینة: ۱/۱۳۵

۴۹۴: حضرت علی رضی اللہ عنہ نے کہا، عید کی نماز پڑھنے کے لیے پیدل چل کر جانا مسنون ہے۔ اسے ترمذی نے روایت کیا ہے اور اسے حسن کہا ہے

لغوی تحقیق: السنة: صحابی جب لفظ سنت علی الاطلاق استعمال کرے تو اس سے مراد رسول اللہ ﷺ کی سنت ہوتی ہے۔

ماشیا: پیدل چلنا۔

تشریح: امام ترمذی نے یہ روایت ابو اسحاق عن الحارث عن علی بن ابی طالب کے طریق سے نقل کی ہے۔ اور یہ روایت اس سند سے ضعیف ہے۔ کیونکہ اس روایت میں ضعف کی دو علتیں موجود ہیں۔ (۱) ابو اسحاق معروف مدلس ہے اور اس نے یہ روایت عن سے نقل کی ہے۔ (۲) الحارث کو امام شعبی اور امام علی بن مدینی نے جھوٹا اور جمہور محدثین نے ضعیف کہا ہے۔

امام ترمذی نے اس روایت پر حسن کا حکم شاید شواہد کی بنا پر لگایا ہے، کیونکہ اس کی شواہد روایات حضرت سعد بن ابی وقاص، حضرت عبداللہ بن عمر، حضرت سعد القرظ، حضرت ابو رافع اور حضرت عبدالرحمٰن بن حاطب رضی اللہ عنہم سے مروی ہیں۔ یہ تمام روایات اگرچہ ضعیف

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ہیں لیکن زیر مطالعہ حدیث کو تقویت دیتی ہیں۔

فقہی احکام: عیدگاہ کی طرف پیدل چل کر جانا مسنون ہے۔

۴۹۵: وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضی اللہ عنہ أَنَّهُمْ أَصَابَهُمْ مَطَرٌ فِي يَوْمِ عِيدٍ فَصَلَّى بِهِمُ النَّبِيُّ صلی اللہ علیہ وسلم صَلَاةَ الْعِيدِ فِي الْمَسْجِدِ. رَوَاهُ أَبُو دَاوُدَ بِإِسْنَادٍ لَيِّنٍ.

ابوداود، تفريع ابواب الجمعة، باب يصلى بالناس العيد في المسجد اذا كان يوم مطر: ۱۱۶۰، ابن ماجة: ۱۳۱۳، البيهقي: ۶۳۴۹، الحاكم: ۴۳۵/۱، الخلاصة: ۸۲۵/۲، بيان الوهم والايهام: ۲۳۸۷، معرفة السنن والآثار: ۱۹۴۰

تنبیہ: بلوغ المرام کے مطبوعہ نسخوں میں متن حدیث کا آغاز انهم سے ہے جبکہ ابوداؤد اور بیہقی کے مطبوعہ نسخوں میں انه ہے، تاہم معرفة السنن میں انهم ہے۔

۴۹۵: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ایک دفعہ عید کے دن مسلمانوں پر بارش برسی، جس وجہ سے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں عید کی نماز مسجد میں پڑھائی۔ اسے ابوداؤد نے کمزور سند سے بیان کیا ہے۔

لغوی تحقیق: لین: اس کے لغوی معنی نرم اور سہل کے ہیں لیکن محدثین نے اس لفظ کو بطور ہلکی جرح کے استعمال کیا ہے۔ **مطر**: میم اور طاء مفتوح، بارش

تشریح: اس روایت کو حاکم نے صحیح اور امام نووی نے حسن کہا ہے جبکہ مؤلف رحمۃ اللہ علیہ نے اسے ضعیف قرار دیا ہے، مؤلف رحمۃ اللہ علیہ کا بیان مبنی بر حقیقت ہے کیونکہ عیسیٰ بن عبدالاعلیٰ اور اس کا شیخ عبیداللہ تیمی دونوں مجہول ہیں، امام ابن قطان، عیسیٰ بن عبدالاعلیٰ کے بارے میں لکھتے ہیں، اس نام کا آدمی مجھے نہ تو کتب رجال سے ملا اور نہ اس سند کے علاوہ کہیں اور اس کا تذکرہ ہے اور عبیداللہ بن عبداللہ کو مجہول الحال کہا ہے۔ اس کی مؤید روایت حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے موقوفاً منقول ہے مگر یہ روایت محمد بن عبدالعزیز کے متروک ہونے کی وجہ سے ضعیف ہے۔ مذکورہ روایات اگرچہ ضعیف ہیں تاہم امت کا اس پر اجماع ہے کہ بارش وغیرہ کے عذر کی وجہ سے نماز عید مسجد میں پڑھنا درست ہے، بلکہ امام شافعی کے نزدیک تو مسجد میں نماز پڑھنا افضل ہے، بشرطیکہ مسجد کشادہ ہو۔

فقہی احکام: شرعی عذر کی وجہ سے مسجد میں نماز عید پڑھنا جائز ہے۔

۱۵۔ بَابُ صَلَاةِ الْكُسُوْفِ — نماز کسوف کا بیان

۴۹۶: عَنِ الْمُغِيرَةِ بْنِ شُعْبَةَ رضی اللہ عنہ قَالَ انْكَسَفَتِ الشَّمْسُ عَلَى عَهْدِ رَسُولِ اللَّهِ صلی اللہ علیہ وسلم يَوْمَ مَاتَ إِبْرَاهِيمُ, فَقَالَ النَّاسُ انْكَسَفَتِ الشَّمْسُ لِمَوْتِ إِبْرَاهِيمَ, فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صلی اللہ علیہ وسلم "إِنَّ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ آيَتَانِ مِنْ آيَاتِ اللَّهِ لَا يَنْكَسِفَانِ لِمَوْتِ أَحَدٍ وَلَا لِحَيَاتِهِ, فَإِذَا رَأَيْتُمُوهُمَا, فَادْعُوا اللَّهَ وَصَلُّوا, حَتَّى تَنْكَشِفَ" مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ وَفِي رِوَايَةٍ لِلْبُخَارِيِّ "حَتَّى تَنْجَلِيَ"

البخاري، كتاب الكسوف، باب الدعاء في الخسوف: ۱۰۶۰، مسلم: ۹۱۵، المعجم الاوسط: ۲۱۸۳، ۵۹۱۵، ۵۹۶۵

۴۹۶: حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ نے بیان کیا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد طیبہ میں سورج گرہن اس دن ہوا جس روز (رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے لخت جگر) حضرت ابراہیم رضی اللہ عنہ کا انتقال ہوا، لوگوں نے کہا کہ سورج گرہن موت ابراہیم کی وجہ سے ہوا ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: " آفتاب و مہتاب اللہ کی دو نشانیاں ہیں انہیں گرہن کسی کی موت و حیات کی وجہ سے نہیں لگتا، لہٰذا جب تم انہیں (اس حالت

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

میں) دیکھوتو اللہ تعالیٰ سے دعا کرو اور نماز پڑھتے رہو تاوقتیکہ سورج ظاہر نہ ہو جائے۔" (بخاری و مسلم) بخاری کی ایک روایت میں حتی تنکشف کی جگہ حتی تنجلی ہے۔صحیح مسلم میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی روایت میں بھی حتی تنجلی ہے۔

لغوی تحقیق: الکسوف: کاف اور سین مضموم، یہ لفظ سورج گرہن کے لیے استعمال ہوتا ہے، اس کا معنی سورج کا چھپ جانا اور اس کی روشنی غائب ہو جانا ہے۔تنکشف: کشف سے ماخوذ ہے یعنی ظاہر ہو جائے۔ تنجلی: یہ جلی سے ماخوذ ہے، اور سابقہ لفظ کا مترادف ہے۔

تشریح: اس حدیث سے یہ واضح ہوا کہ خورشید و جمشید اللہ تعالیٰ کی نشانیوں میں سے دو نشانیاں ہیں یہ اللہ تعالیٰ کی وحدانیت اور اس کے قادر مطلق ہونے پر دلالت کرتی ہیں، ان کا اپنے وقت پر طلوع و غروب اور بے نور ہونا کسی بھی شخص کی موت و حیات سے وابستہ نہیں، البتہ ان کا بے نور ہونا نوع انسانی کے لیے انتباہ کی حیثیت رکھتا ہے، لہٰذا ایسے مواقع پر قیام و قعود اور رکوع و سجود کی ہیئت اختیار کر کے مالک حقیقی کے حضور عجز و انکساری کا نذرانہ گرہن کے ختم ہونے تک پیش کرتے رہنا چاہیے۔

اسی مفہوم کی احادیث حضرت ابی بن کعب، حضرت بلال اور حضرت ابو مسعود رضی اللہ عنہم سے بھی مروی ہے۔

فقہی احکام: (۱) گرہن کے وقت نماز پڑھنا اور دعا کرنا مسنون ہے۔

(۲) یہ نماز ایک سے زائد رکوع کر کے دو رکعات ادا کی جائے اور قیام طویل کیا جائے۔

۴۹۷: وَلِلْبُخَارِيِّ مِنْ حَدِيثِ أَبِي بَكْرَةَ رضی اللہ عنہ "فَصَلُّوا وَادْعُوا حَتَّى يُكْشَفَ مَا بِكُمْ"

البخاری، کتاب الکسوف، باب الصلاۃ فی کسوف الشمس: ۱۰۴۰، و فی باب الذکر فی الکسوف: ۱۰۵۹، مسلم: ۹۱۲، النسائی: ۳/۱۴۶، احمد: ۵/۳۷

۴۹۷: صحیح بخاری میں حضرت ابوبکرہ رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "نماز پڑھو اور دعا کرو تاوقتیکہ وہ چیز زائل نہ کر دی جائے جس کا تمہیں سامنا ہے۔"

تشریح: حضرت ابوبکرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ہم رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر تھے اسی دوران سورج گرہن زدہ ہوا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نہایت عجلت میں اٹھے اور مسجد میں تشریف لے گئے، ہم بھی مسجد میں حاضر ہو گئے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں دو رکعات نماز پڑھائی۔ یہ دو رکعات اس قدر طویل تھیں کہ سورج گرہن تک جاری رہیں۔

حضرت ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ سے مروی روایت میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سورج گرہن دیکھ کر سخت گھبراہٹ کے عالم میں اٹھے اور مسجد تشریف لے گئے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز اس قدر طویل قیام و قعود اور رکوع و سجود کے ساتھ پڑھائی کہ میں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس قدر طویل نماز پڑھاتے کبھی نہیں دیکھا۔

فقہی احکام: طویل ترین قیام و قعود اور رکوع و سجود کے ساتھ دو رکعات نماز کسوف با جماعت ادا کی جائے۔

۴۹۸: وَعَنْ عَائِشَةَ رضی اللہ عنہا أَنَّ النَّبِيَّ صلی اللہ علیہ وسلم جَهَرَ فِي صَلَاةِ الْكُسُوفِ بِقِرَائَتِهِ, فَصَلَّى أَرْبَعَ رَكَعَاتٍ فِي رَكْعَتَيْنِ, وَأَرْبَعَ سَجَدَاتٍ. مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ, وَهَذَا لَفْظُ مُسْلِمٍ وَفِي رِوَايَةٍ لَهُ، فَبَعَثَ مُنَادِيًا يُنَادِي الصَّلَاةُ جَامِعَةٌ.

البخاری، کتاب الکسوف، باب صلاۃ الکسوف فی المسجد: ۱۰۵۶، ۱۰۵۸، مسلم: ۹۰۱، ۹۰۲، النسائی: ۳/۱۲۷، الترمذی: ۵۶۲، معرفۃ السنن والآثار: ۳/۷۱، ۷۵، ۷۶، ۷۹، ابن خزیمۃ: ۱۳۷۵

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

۴۹۸: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے گرہن کی نماز میں قرأت بلند آواز سے فرمائی، اور دو رکعات میں چار مرتبہ رکوع اور چار سجدے فرمائے۔ (بخاری و مسلم) مذکورہ الفاظ مسلم کے ہیں اور مسلم ہی کی ایک روایت میں ہے کہ آپ ﷺ نے منادی کرنے والے کو بھیجا جو منادی کرتا تھا، الصلاة جامعة۔

تشریح: امام شہاب زہری سے یہ حدیث متعدد طرق سے مروی ہے، امام اوزاعی اور ابوعمرو وغیرہما کے طریق سے مروی حدیث میں ہے کہ آپ ﷺ نے منادی کرنے والے کو یہ اعلان کرنے کے لیے بھیجا کہ "نماز جمع کرنے والی ہے" صحابہ منادی سن کر جمع ہو گئے تو آپ ﷺ نے دو رکعات میں چار مرتبہ رکوع فرمایا۔ یونس بن یزید سے مروی طریق میں ہے کہ آپ ﷺ نے طویل قرأت کے بعد طویل رکوع فرمایا، پھر سمع الله لمن حمده کہہ کر ربنا ولك الحمد کہا اور دوبارہ طویل قرأت فرمائی، لیکن اس مرتبہ قرأت پہلی قرأت سے قدر کم تھی، پھر الله اكبر کہہ کر پہلے سے کم طویل رکوع فرمایا۔ حضرت عبداللہ بن عباس، حضرت عبداللہ بن عمر، حضرت ابوموسیٰ اشعری، حضرت عبدالرحمٰن بن سمرۃ اور حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہم سے مروی احادیث میں بھی دو رکعات میں چار مرتبہ رکوع کرنے کا ذکر ہے۔

فقہی احکام: (۱) ہر رکعت میں دو مرتبہ رکوع کیا جائے اور ہر رکوع سے پہلے طویل قرأت کی جائے۔ (۲) قرأت بلند آواز سے کی جائے۔ (۳) سجدے ایک رکعت میں دو ہی کیے جائیں۔ (۴) اس نماز کا تعلق سورج یا چاند گرہن سے ہے لہٰذا جس وقت گرہن ہوگا اسی وقت یہ نماز پڑھی جائے گی خواہ وہ وقت زوال ہی کا کیوں نہ ہو۔ (۵) یہ نماز مسجد میں ہی ادا کی جائے۔ (۶) لوگوں کو اکٹھا کرنے کے لیے منادی کروائی جائے اور نماز ادا کی جائے۔

۴۹۹: وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رضی اللہ عنہما قَالَ انْخَسَفَتِ الشَّمْسُ عَلَى عَهْدِ النَّبِيِّ ﷺ فَصَلَّى, فَقَامَ قِيَامًا طَوِيلًا, نَحْوًا مِنْ قِرَائَةِ سُورَةِ الْبَقَرَةِ, ثُمَّ رَكَعَ رُكُوعًا طَوِيلًا, ثُمَّ رَفَعَ فَقَامَ قِيَامًا طَوِيلًا وَهُوَ دُونَ الْقِيَامِ الْأَوَّلِ, ثُمَّ رَكَعَ رُكُوعًا طَوِيلًا, وَهُوَ دُونَ الرُّكُوعِ الْأَوَّلِ, ثُمَّ سَجَدَ, ثُمَّ قَامَ قِيَامًا طَوِيلاً, وَهُوَ دُونَ الْقِيَامِ الْأَوَّلِ, ثُمَّ رَكَعَ رُكُوعًا طَوِيلًا, وَهُوَ دُونَ الرُّكُوعِ الْأَوَّلِ, ثُمَّ رَفَعَ, فَقَامَ قِيَامًا طَوِيلًا, وَهُوَ دُونَ الْقِيَامِ الْأَوَّلِ, ثُمَّ رَكَعَ رُكُوعًا طَوِيلاً, وَهُوَ دُونَ الرُّكُوعِ الْأَوَّلِ, ثُمَّ سَجَدَ, ثُمَّ انْصَرَفَ وَقَدْ تَجَلَّتِ الشَّمْسُ. فَخَطَبَ النَّاسَ. مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ, وَاللَّفْظُ لِلْبُخَارِيِّ.

البخاری، کتاب الکسوف، باب صلاة الكسوف جماعة: ۱۰۵۲، مسلم: ۹۰۱، ۹۰۲، ۹۰۷، ابوداود: ۱۱۸۱، ۱۱۸۹، النسائی: ۱۴۶/۳، مالک: ۱۸۶/۱، احمد: ۲۹۸/۱، البیهقی: ۳۲۱/۳

۴۹۹: حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا کہ عہد رسالت میں سورج گرہن ہوا، آپ ﷺ نے اس میں سورۃ بقرۃ کی تلاوت کے برابر قیام فرمایا، پھر آپ ﷺ نے طویل رکوع فرمایا، پھر کھڑے ہوئے اور پہلے قیام سے قدر کم مگر طویل قیام فرمایا، پھر پہلے رکوع سے قدر کم مگر طویل رکوع فرمایا، پھر سجدہ فرمایا، پھر کھڑے ہوئے اور پہلے قیام سے قدر کم مگر طویل قیام فرمایا، پھر پہلے رکوع سے قدر کم مگر طویل رکوع فرمایا، پھر کھڑے ہوئے اور پہلے قیام سے قدر کم مگر طویل قیام فرمایا، پھر پہلے رکوع سے کم مگر طویل رکوع فرمایا، پھر سجدہ فرمایا، پھر سلام پھیر دیا اور اس وقت سورج گرہن سے صاف ہو چکا تھا، پھر آپ ﷺ نے خطبہ ارشاد فرمایا۔ (بخاری و مسلم) مذکورہ الفاظ بخاری کے ہیں۔

تشریح: اس طریق میں اگرچہ ایک رکعت میں ایک سجدہ کرنے کا ذکر کیا گیا ہے تاہم عطا بن یسار سے ابن جریج نے جو روایت نقل کی ہے اس میں دو رکعات میں چار سجدے کرنے کا ذکر ہے، اسی طرح ابن عباس سے کثیر بن عباس نے جو روایت بیان کی ہے، اس میں

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

بھی دو رکعات میں چار سجدے کرنے کا ذکر ہے۔ اس روایت میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے آپ ﷺ کی قرأت کو سورۃ بقرۃ کی قرأت کے برابر قرار دیا ہے۔ اس سے امام شافعی نے نماز کسوف کے سری ہونے پر استدلال کیا ہے۔ نیز انہوں نے اس روایت کی تائید میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی روایت واقدی اور ابن لھیعہ کے طریق سے نقل کی ہے کہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ نماز پڑھی مگر میں نے آپ ﷺ سے ایک حرف بھی نہیں سنا۔ امام شافعی کا حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی روایت کو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی روایت کے معارض قرار دینا درست نہیں، کیونکہ ممکن ہے کہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما پچھلی صفوں میں کھڑے ہوں جہاں آواز نہ پہنچتی ہو۔

فقہی احکام: نماز کسوف کے بعد خطبہ دینا مسنون ہے۔

۵۰۰: وَفِي رِوَايَةٍ لِمُسْلِمٍ، صَلَّى حِينَ كَسَفَتِ الشَّمْسُ ثَمَانَ رَكَعَاتٍ فِي أَرْبَعِ سَجَدَاتٍ.

مسلم: ۹۰۸

۵۰۰: مسلم کی ایک روایت میں ہے کہ آپ ﷺ نے سورج گرہن کے موقع پر آٹھ رکوع اور چار سجدوں کے ساتھ نماز ادا فرمائی۔

۵۰۱: وَعَنْ عَلِيٍّ رضی اللہ عنہ مِثْلُ ذٰلِكَ.

مسلم: ۹۰۸

۵۰۱: حضرت علی رضی اللہ عنہ سے بھی اسی کی مثل مروی ہے۔

۵۰۲: وَلَهُ عَنْ جَابِرٍ رضی اللہ عنہ صَلَّى سِتَّ رَكَعَاتٍ بِأَرْبَعِ سَجَدَاتٍ.

مسلم: ۹۰۴/۱۰

۵۰۲: صحیح مسلم میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث میں ہے کہ آپ ﷺ نے چھ رکوع اور چار سجدوں سے نماز ادا فرمائی۔

۵۰۳: وَلِأَبِي دَاوُدَ عَنْ أُبَيِّ بْنِ كَعْبٍ رضی اللہ عنہ صَلَّى، فَرَكَعَ خَمْسَ رَكَعَاتٍ وَسَجَدَ سَجْدَتَيْنِ، وَفَعَلَ فِي الثَّانِيَةِ مِثْلَ ذٰلِكَ.

ابوداود، کتاب الصلوٰة، باب من قال اربع رکعات: ۱۱۸۲

۵۰۳: ابوداوٗد میں حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث میں ہے کہ آپ ﷺ نے نماز کسوف ادا فرمائی (پہلی رکعت میں) پانچ رکوع اور دو سجدے فرمائے، دوسری رکعت میں بھی آپ ﷺ نے ایسے ہی کیا۔

تشریح: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے جب حضرت عروۃ بن زبیر اور حضرت عمرۃ بنت عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہا نقل کرتے ہیں تو وہ ایک رکعت میں دو رکوع ذکر کرتے ہیں جبکہ عبید بن عمیر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے جب یہی روایت نقل کرتے ہیں تو ایک رکعت میں تین رکوع ذکر کرتے ہیں۔ اسی طرح حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے یہ روایت جب حضرت عطا نقل کرتے ہیں تو وہ دو رکعات میں چھ رکوع ذکر کرتے ہیں لیکن ابوزبیر جب ان سے یہی روایت بیان کرتے ہیں تو وہ دو رکعات میں چار رکوع ذکر کرتے ہیں۔ اسی طرح حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے یہ روایت جب عطاء اور کثیر بن عباس بیان کرتے ہیں تو وہ ایک رکعت میں دو رکوع ذکر کرتے ہیں لیکن جب ان سے طاؤس نقل کرتے ہیں تو وہ ایک رکعت میں چار رکوع ذکر کرتے ہیں۔ درج بالا تمام طرق سند کے اعتبار سے صحیح ہیں۔ اسی بنا پر بعض اہل علم نے یہ موقف اختیار کیا ہے کہ عہد رسالت مآب ﷺ میں سورج گرہن کا واقعہ تین بار پیش آیا اور آپ ﷺ نے ایک بار دو رکعات چار رکوع کے ساتھ، ایک بار

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

چھ رکوع کے ساتھ اور ایک بار آٹھ رکوع کے ساتھ ادا فرمائیں۔

امام شافعی اور بعض دیگر اہل علم نے ان احادیث کے مابین تعارض ختم کرنے کے لیے راجح و مرجوح کا طریقہ اختیار کیا ہے، امام شافعی کا کہنا ہے کہ عبید بن عمیر کے مقابلہ میں عروہ بن زبیر اور عمرہ بنت عبدالرحمٰن ہیں یہ دونوں تعداد میں زیادہ ہیں، نیز عبید بن عمیر نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا نام بالجزم ذکر نہیں کیا۔ امام شافعی نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ابوزبیر کے طریق کو راجح قرار دیا ہے، بقول ان کے اس طریق کا راوی ہشام دستوائی دوسرے طریق کے راوی عبدالملک سے مضبوط حافظے والا ہے۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی طرق میں سے عطاء اور کثیر بن عباس کے طرق کو حضرت طاؤس سے مروی طریق پر ترجیح دی ہے۔ جمہور اہل علم نے بھی انہیں روایات کو راجح قرار دیا ہے، جن میں یہ ذکر ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہر رکعت میں دو رکوع فرمائے۔

ان کے علاوہ دیگر طرق ضعیف ہیں مثلاً حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی طرق کو امام احمد اور امام بیہقی نے با سند نقل کیا ہے، ان طرق کا مرکزی راوی حنش بن ربیعہ ہے۔ اسے امام ابوداؤد نے ثقہ جبکہ دیگر محدثین نے اس پر کلام کیا ہے، نیز اس سے یہ روایت حکم بن عتیبہ نقل کرتے ہیں، موصوف اگرچہ ثقہ ہیں تاہم وہ مدلس ہیں اور یہ روایت معنعن ہے، اس وجہ سے یہ روایت ضعیف ہے، حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ سے مروی روایت جس میں ہر رکعت میں پانچ مرتبہ رکوع کرنے کا ذکر ہے وہ ابوجعفر رازی کے سیئ الحفظ ہونے کی وجہ سے ضعیف ہے

فقہی احکام: نماز کسوف دو رکعات چار رکوع کے ساتھ پڑھنا راجح ہے۔

۵۰۴: وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رضی اللہ عنہما قَالَ مَا هَبَّتْ رِيحٌ قَطُّ إِلَّا جَثَا النَّبِيُّ صلی اللہ علیہ وسلم عَلَى رُكْبَتَيْهِ, وَقَالَ "اَللّٰهُمَّ اجْعَلْهَا رَحْمَةً, وَلَا تَجْعَلْهَا عَذَابًا" رَوَاهُ الشَّافِعِيُّ وَالطَّبَرَانِيُّ.

كتاب الام: ۲۵۳/۱، المعجم الكبير للطبرانی، ۱۱۵۳۳، عمل اليوم و الليلة لابن سنی: ۲۹۹

۵۰۴: حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے بیان کیا کہ جب ہوا تند و تیز چلتی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے گھٹنوں کے بل بیٹھ جاتے اور فرماتے: "اے اللہ! اس ہوا کو رحمت بنا اور عذاب نہ بنا۔" اسے شافعی اور طبرانی نے روایت کیا ہے۔

لغوی تحقیق: هبت: اس کا مادہ ہ، ب، ب ہے اور آخر میں تاء مرفوعہ ہے اور بمعنی ھاج مستعمل ہے یعنی تند و تیز ہوا چلنا۔ الريح: ہوا۔
جثا: اس کا مادہ جثو ہے یعنی گھٹنوں کے بل بیٹھنا۔

تشریح: امام شافعی نے اس روایت کو ابراہیم بن ابی یحییٰ سے روایت کیا ہے اور موصوف متروک ہیں، امام طبرانی نے اسے حسین بن قیس الرجبی کے طریق سے نقل کیا ہے، محدثین اس کے ضعیف ہونے پر متفق ہیں، البتہ اسی مضمون کی احادیث حضرت عائشہ، حضرت ابوہریرہ اور حضرت سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہم سے صحیح اسناد سے منقول ہیں تاہم ان میں گھٹنوں کے بل بیٹھنے کا ذکر نہیں۔

فقہی احکام: آندھی کے وقت دعا کرنی چاہیے اور آندھی کو گالی وغیرہ دینے سے مکمل اجتناب کرنا چاہیے۔

۵۰۵: وَعَنْهُ، أَنَّهُ صَلَّى فِي زَلْزَلَةٍ سِتَّ رَكَعَاتٍ, وَأَرْبَعَ سَجَدَاتٍ, وَقَالَ هٰكَذَا صَلَاةُ الْآيَاتِ. رَوَاهُ الْبَيْهَقِيُّ.

السنن الكبرى للبيهقی: ۶۴۷۴، معرفة السنن والآثار: ۹۰/۳، عبدالرزاق: ۱۰۱/۳

۵۰۵: حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے منقول ہے کہ انہوں نے زلزلے کے وقت نماز چھ رکوع اور چار سجدوں کے ساتھ ادا کی پھر فرمایا، آیات الٰہی کے وقت نماز ایسے ہی پڑھی جاتی ہے۔

تشریح: اسی مفہوم کی روایت امام بیہقی نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے بھی نقل کی ہے۔ تاہم آپ سے ایسے حادثات پر باقاعدہ نماز پڑھنا

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ثابت نہیں۔

فقہی احکام: ناگہانی حادثات کے وقت نماز وغیرہ پڑھنا بہتر عمل ہے۔

۵۰۶: وَذَكَرَ الشَّافِعِيُّ عَنْ عَلِيٍّ رضی اللہ عنہ مِثْلَهُ دُونَ آخِرِهِ.

الام: ۲۰۲/۱، معرفة السنن والآثار، كتاب الكسوف، باب الصلاة فى الزلزلة: ۱۹۹۴، السنن الكبرى للبيهقى: ۶۴۷۳

۵۰۶: امام شافعی نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے اسی طرح کی ایک روایت نقل کی ہے، البتہ اس روایت کے آخری الفاظ اور ہیں۔

تشریح: یہ روایت منقطع ہے کیونکہ امام شافعی فرماتے ہیں کہ انہیں یہ خبر پہنچی ہے کہ عباد، عاصم احوال سے نقل کرتے ہیں، وہ قزعۃ سے اور وہ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے نقل کرتے ہیں، امام بیہقی اس روایت کے بارے میں فرماتے ہیں، اگر یہ اثر ثابت ہو جائے تو ہم اس پر عمل کرنے کا ضرور فتویٰ دیں گے جبکہ احناف جن روایات کو ثابت قرار دیتے ہیں ان کے مطابق عمل نہیں کرتے۔

۱۶۔ بَابُ صَلَاةِ الْاِسْتَسْقَاءِ طلب بارش کی دعا

۵۰۷: عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رضی اللہ عنہما قَالَ خَرَجَ النَّبِيُّ صلی اللہ علیہ وسلم مُتَوَاضِعًا ,مُتَبَذِّلًا ,مُتَخَشِّعًا ,مُتَرَسِّلًا ,مُتَضَرِّعًا ,فَصَلَّى رَكْعَتَيْنِ, كَمَا يُصَلِّي فِي الْعِيدِ ,لَمْ يَخْطُبْ خُطْبَتَكُمْ هَذِهِ . رَوَاهُ الْخَمْسَةُ ,وَصَحَّحَهُ التِّرْمِذِيُّ ,وَأَبُو عَوَانَةَ ,وَابْنُ حِبَّانَ.

ابو داود، جماع ابواب صلاة الاستسقاء و تفريعها: ۱۱۶۵، الترمذى: ۵۶۳ ، ۵۶۴، النسائى: ۱۶۳/۳، ابن ماجة: ۱۲۶۶، احمد: ۲۳۰/۱، ابن حبان: ۲۸۶۲، ابن خزيمة: ۱۴۰۵، الدارقطنى: ۶۸/۲، الطبرانى: ۱۰۸۱۸، البيهقى: ۶۴۷۸

۵۰۷: حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے بیان کیا کہ ایک دفعہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نہایت تواضع، سادگی، عجز وانکساری اور خشوع وتضرع کے عالم میں باہر تشریف لائے، اور اسی طرح دو رکعات ادا فرمائیں، جس طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم عید کی نماز پڑھا کرتے تھے، مگر تمہاری تقریر جیسی تقریر نہیں فرمائی۔ اسے پانچوں نے روایت کیا ہے، ترمذی، ابو عوانہ اور ابن حبان نے صحیح کہا ہے۔

لغوی تحقیق: **الاستسقاء:** خشک سالی کے وقت باران رحمت کا مطالبہ کرنا۔ **متواضعا:** عجز وانکساری کا مظاہرہ کرتے ہوئے۔ **متبذلا:** سادہ لباس زیب تن کیے ہوئے۔ **متخشعا:** نظر وگردن مین جھکاؤ اور آواز میں دھیمے پن کا اظہار۔ **مترسلا:** چال میں ٹھہراؤ اور متانت۔ **تضرعا:** طلب میں عاجزی کا نمایاں جوہر۔

تشریح: اس حدیث سے یہ ثابت ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز استسقاء کی دو رکعات اسی طرح ادا فرمائی تھیں جس طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم نماز عید پڑھا کرتے تھے یعنی نماز استسقاء بارہ تکبیرات کے ساتھ ادا فرمائی تھی اور نماز کے بعد مختصر خطبہ بھی ارشاد فرمایا تھا، نیز حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی بات سے یہ بھی واضح ہوتا ہے کہ نماز استسقاء عہد بنی امیہ میں بھی پڑھی جاتی تھی، البتہ حکام نے نماز کے بعد خطبہ کو طول دینا شروع کر دیا تھا جو کہ نامناسب عمل تھا۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے ان کے اس طرز عمل پر نہایت بلیغ انداز میں نقد فرمایا۔

فقہی احکام: (۱) قحط سالی کے موقع پر نماز استسقاء پڑھنا مسنون ہے۔

(۲) نماز استسقاء کی ادائیگی کے وقت تمام شرکاء کا لباس نہایت سادہ ہونا چاہیے۔ (۳) مختصر سی پند ونصیحت بھی کی جائے۔

۵۰۸: وَعَنْ عَائِشَةَ رضی اللہ عنہا قَالَتْ شَكَا النَّاسُ إِلَى رَسُولِ اللَّهِ صلی اللہ علیہ وسلم قُحُوطَ الْمَطَرِ ,فَأَمَرَ بِمِنْبَرٍ ,فَوُضِعَ لَهُ فِي الْمُصَلَّى , وَوَعَدَ النَّاسَ يَوْمًا يَخْرُجُونَ فِيهِ ,فَخَرَجَ حِينَ بَدَا حَاجِبُ الشَّمْسِ ,فَقَعَدَ عَلَى الْمِنْبَرِ ,فَكَبَّرَ وَحَمِدَ اللَّهَ ,ثُمَّ قَالَ

” محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ “

www.KitaboSunnat.com

"إِنَّكُمْ شَكَوْتُمْ جَدْبَ دِيَارِكُمْ, وَقَدْ أَمَرَكُمُ اللَّهُ أَنْ تَدْعُوهُ, وَوَعَدَكُمْ أَنْ يَسْتَجِيبَ لَكُمْ" ثُمَّ قَالَ "اَلْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ, اَلرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ, مَالِكِ يَوْمِ الدِّينِ, لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ يَفْعَلُ مَا يُرِيدُ, اَللَّهُمَّ أَنْتَ اللَّهُ, لَا إِلَهَ إِلَّا أَنْتَ, أَنْتَ الْغَنِيُّ وَنَحْنُ الْفُقَرَاءُ, أَنْزِلْ عَلَيْنَا الْغَيْثَ, وَاجْعَلْ مَا أَنْزَلْتَ قُوَّةً وَبَلَاغًا إِلَى حِينٍ" ثُمَّ رَفَعَ يَدَيْهِ, فَلَمْ يَزَلْ حَتَّى رُئِيَ بَيَاضُ إِبْطَيْهِ, ثُمَّ حَوَّلَ إِلَى النَّاسِ ظَهْرَهُ, وَقَلَبَ رِدَائَهُ, وَهُوَ رَافِعٌ يَدَيْهِ, ثُمَّ أَقْبَلَ عَلَى النَّاسِ وَنَزَلَ, وَصَلَّى رَكْعَتَيْنِ, فَأَنْشَأَ اللَّهُ سَحَابَةً, فَرَعَدَتْ, وَبَرَقَتْ, ثُمَّ أَمْطَرَتْ. رَوَاهُ أَبُو دَاوُدَ وَقَالَ: "غَرِيبٌ, وَإِسْنَادُهُ جَيِّدٌ.

ابوداود، جماع ابواب صلاۃ الاستسقاء و تفریعها، باب رفع الیدین فی الاستسقاء: ۱۱۷۳، البیهقی: ۳۴۹/۳، الحاکم: ۴۷۶/۱، الطحاوی: ۳۲۵/۱، معرفة السنن والآثار: ۹۵/۳ ـ ۱۰۱، ابن حبان: ۲۸۶۰

۵۰۸: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے بیان کیا ہے کہ لوگوں نے رسول اللہ ﷺ سے قحط سالی کی شکایت کی، آپ ﷺ نے منبر لے جانے کا حکم فرمایا اور اسے عیدگاہ میں رکھ دیا گیا اور لوگوں سے وعدہ کیا کہ ایک دن سب جمع ہو کر عیدگاہ کی طرف چلیں گے چنانچہ آپ ﷺ طلوع آفتاب کے فوراً بعد تشریف لائے اور منبر پر جلوہ فروز ہوئے، اللہ تعالیٰ کی کبریائی اور ستائش بیان کرنے کے بعد فرمایا: " آپ لوگوں نے اپنے علاقوں میں خشک سالی کی شکایت کی ہے، اللہ تعالیٰ تمہیں حکم دے چکا ہے کہ تم اس سے استدعا کرو اور وہ تم سے تمہاری دعائیں قبول کرنے کا وعدہ کر چکا ہے۔" پھر رحمت عالم ﷺ نے فرمایا: " ہر قسم کی ستائش اللہ تعالیٰ ہی کے لیے ہے، جو تمام جہانوں کی درجہ بدرجہ نشونما کرنے والا ہے، وہ بڑا مہربان نہایت رحم کرنے والا ہے، بدلے کے دن کا وہی مالک ہے، اس کے سوا کوئی معبود نہیں، وہ جو چاہے سو کرتا ہے، اے اللہ! تو ہی معبود حقیقی ہے، تیرے سوا کوئی معبود نہیں، تو غنی اور ہم محتاج ہیں، ہم پر باران رحمت نازل فرما، جو کچھ تو نے ہم پر نازل فرمایا ہے، اسے طاقت اور عرصہ دراز تک جاری رہنے کا وسیلہ بنا۔" پھر آپ ﷺ نے اپنے دونوں ہاتھ بلند فرمائے اور انہیں مزید بلند کرتے رہے، یہاں تک کہ آپ ﷺ کی بغلوں کی سفیدی دکھائی دینے لگی، پھر آپ ﷺ نے لوگوں کی طرف رُخ انور فرمایا، منبر سے نیچے تشریف لائے اور دو رکعت نماز پڑھی، اللہ تعالیٰ نے اسی وقت ایک بدلی پیدا فرمائی جو گرجی اور چمکی، پھر برس پڑی۔ اسے ابوداؤد نے روایت کیا ہے اور اس پر غریب کا حکم لگایا ہے، جبکہ اس کی سند جید ہے۔

لغوی تحقیق: قحوط: قاف اور حاء مضموم، اس مادے کا ثلاثی مجرد منع یمنع کے وزن پر استعمال ہوتا ہے، اس کا مصدر فعول کے وزن پر بھی آتا ہے، اس کا معنی ہے رُک جانا۔ المطر: میم اور طاء مفتوح یعنی وہ پانی جو بادلوں سے گرتا ہے۔ الحاجب: اس کے حقیقی معنی اس ہڈی کے ہیں جو آنکھ کے اوپر ابھری ہوئی ہوتی ہے جسے اردو میں ابرو کہا جاتا ہے، یہ ہڈی آنکھوں کو سورج کی روشنی کی شعاعوں سے محفوظ رکھتی ہے، اس وجہ سے اسے الحاجب سے تعبیر کیا گیا ہے اور جب اس کی نسبت سورج کی طرف ہوگی جیسا کہ زیر مطالعہ حدیث میں ہے پھر اس سے مراد سورج کا کنارہ ہوگا۔ جدب: جیم مفتوح، دال ساکن یعنی خشک ہونا۔ الغیث: بارش۔ قوۃ: ایسی غذا جس کے ذریعے انسانی بدن قائم رہتا ہے۔ الابط: ہمزہ اور باء مکسور، بغل۔ حول: یہ تحویل سے ماخوذ ہے یعنی پھرنا۔ قلب: تقلب سے ماخوذ ہے یعنی الٹانا۔ رداء: راء مکسور، چادر۔ سحابة: بادل کا ایک ٹکڑا۔

تشریح: اس حدیث سے یہ واضح ہوا کہ نماز استسقاء کی ادائیگی کے لیے عیدگاہ کی طرف منبر لے جانا مسنون ہے۔ نیز خطبہ استسقا نماز سے پہلے دینا مسنون ہے جبکہ نماز عید کے لیے منبر عیدگاہ کی طرف لے جانا اور نماز عید سے قبل خطبہ دینا درست نہیں، البتہ نماز استسقا کی

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ادائیگی کا مقام اور طریقہ کار نماز عید ہی کی طرح ہے۔ایک روایت میں ہے کہ آپ ﷺ نے نماز استسقا میں قرأت جہری فرمائی تھی، جعفر بن محمد سے مروی روایت میں ہے کہ نبی ﷺ اور ابوبکر و عمر جہری قرأت فرمایا کرتے تھے، سات اور پانچ تکبیرات کے ساتھ نماز پڑھا کرتے تھے، حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی روایت میں ہے کہ آپ ﷺ نے اُلٹے ہاتھ کر کے دعا فرمائی۔

فقہی احکام: (۱) خطبہ عید سے پہلے ہونا چاہیے۔(۲) خطبہ کا آغاز حمد سے ہونا چاہیے۔(۳) نماز استسقا کا اعلان اس کی ادائیگی سے ایک روز قبل ہونا چاہیے۔(۴) استسقا کا خطبہ بیٹھ کر دینا چاہیے۔(۵) نماز اذان اور تکبیر کے بغیر باجماعت ادا کرنی چاہیے۔(۶) نماز کے بعد خوب ہاتھ بلند کر کے دعا کرنی چاہیے۔(۷) عیدین کی نماز کی طرح بارہ تکبیرات سے ادا کرنی چاہیے۔

۵۰۹: وَقِصَّةُ التَّحْوِيلِ فِي الصَّحِيحِ مِنْ حَدِيثِ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ زَيْدٍ وَفِيهِ ، فَتَوَجَّهَ إِلَى الْقِبْلَةِ, يَدْعُو, ثُمَّ صَلَّى رَكْعَتَيْنِ, جَهَرَ فِيهِمَا بِالْقِرَاءَةِ.

البخاری، کتاب الاستسقاء، باب الجهر بالقرأة في الاستسقاء: ۱۰۲۴، مسلم: ۸۹۴، ابوداود: ۱۱۶۱، الترمذی: ۵۶۱، النسائی: ۱۵۷/۳، احمد: ۴۰/۴، البیهقی: ۳۴۸/۳، ابن خزیمة: ۳۳۹/۲، الدارقطنی: ۶۶/۲، ۶۷

۵۰۹: صحیح بخاری میں حضرت عبداللہ بن زید رضی اللہ عنہما سے مروی حدیث میں تحویل کا واقعہ اس طرح ہے، پھر آپ ﷺ نے رُخ انور قبلہ کی طرف کیا اور دعا فرمائی، پھر دو رکعت نماز ادا فرمائی اور دونوں رکعات میں قرأت بلند آواز سے فرمائی۔

تشریح: امام احمد نے حضرت عبداللہ بن زید رضی اللہ عنہما سے جو حدیث نقل کی ہے اس میں یہ صراحت ہے کہ صحابہ نے بھی اپنی چادریں الٹائیں، لیکن علامہ البانی نے اس اضافے کو شاذ قرار دیا ہے، شاید اس کا سبب یہ ہے کہ ابن اسحاق کے ساتھیوں نے ان الفاظ کے نقل کرنے میں ابن اسحاق کی متابعت نہیں کی۔اس روایت کو عبداللہ بن زید سے امام مسلم نے بھی روایت کیا ہے مگر انہوں نے جہری قرأت کا ذکر نہیں کیا، تاہم امام دارقطنی نے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے جو حدیث نقل کی ہے اس میں یہ صراحت ہے کہ آپ ﷺ نے پہلی رکعت میں سورۃ الاعلیٰ اور دوسری میں سورۃ الغاشیہ تلاوت فرمائی۔لیکن یہ حدیث محمد بن عبدالعزیز کے منکر الحدیث ہونے کی وجہ سے ضعیف ہے

فقہی احکام: نماز استسقا میں قرأت جہری ہونی چاہیے۔

۵۱۰: وَلِلدَّارَقُطْنِيِّ مِنْ مُرْسَلِ أَبِي جَعْفَرٍ الْبَاقِرِ ، وَحَوَّلَ رِدَاءَهُ لِيَتَحَوَّلَ الْقَحْطُ.

الدارقطنی: ۶۶/۲، الحاکم: ۴۷۳/۱، البیهقی: ۶۵۰۹، ۶۵۱۱

۵۱۰: امام دارقطنی نے حضرت ابوجعفر باقر سے جو مرسل روایت نقل کی ہے اس میں ہے کہ آپ ﷺ نے اپنی چادر اس لیے الٹائی تاکہ قحط سالی بھی اس طرح پلٹ جائے۔

تشریح: یہ روایت رجال کے اعتبار سے تو قوی ہے تاہم مرسل ہونے کی وجہ سے حجت قطعی نہیں ہے۔البتہ امام حاکم نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے یہی متن اسی سند سے مرفوع نقل کیا ہے۔امام دارقطنی اور امام بیہقی نے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے اسی سلسلے میں جو روایت نقل کی ہے اس میں چادر الٹانے کی کیفیت بیان کی گئی ہے، وہ فرماتے ہیں کہ آپ ﷺ نے چادر کے دائیں حصے کو بائیں طرف اور بائیں حصے کو دائیں طرف کر لیا۔

۵۱۱: وَعَنْ أَنَسٍ رضی اللہ عنہ أَنَّ رَجُلًا دَخَلَ الْمَسْجِدَ يَوْمَ الْجُمُعَةِ, وَالنَّبِيُّ ﷺ قَائِمٌ يَخْطُبُ فَقَالَ يَا رَسُولَ اللّٰهِ, هَلَكَتِ الْأَمْوَالُ, وَانْقَطَعَتِ السُّبُلُ, فَادْعُ اللّٰهَ عَزَّ وَجَلَّ يُغِيثُنَا, فَرَفَعَ يَدَيْهِ, ثُمَّ قَالَ "اَللّٰهُمَّ أَغِثْنَا, اَللّٰهُمَّ أَغِثْنَا" فَذَكَرَ

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

اَلْحَدِيث، وَفِيهِ الدُّعَاءُ بِإِمْسَاكِهَا . مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ.

البخاری، کتاب الاستسقاء، باب من اکتفیٰ بصلاۃ الجمعۃ فی الاستسقاء: ۱۰۱۶، مسلم: ۸۹۷، ابوداود: ۱۱۷۵، النسائی: ۱۵۴/۳، مؤطا: ۱۹۱/۱، ابن حبان: ۲۸۵۷، معرفۃ السنن والآثار: ۹۹/۳، البیهقی: ۳۴۳/۳

۵۱۱: حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک آدمی جمعہ کے روز مسجد میں داخل ہوا، نبی اکرم ﷺ اس وقت کھڑے خطبہ ارشاد فرما رہے تھے، اس نے کہا، اے اللہ کے رسول! مال ہلاک ہو گئے، راستے مسدود ہو گئے، آپ ﷺ اللہ تعالیٰ سے دعا فرمائیں کہ وہ ہم پر رحمت باراں نازل فرمائے، آپ ﷺ نے اپنے دونوں ہاتھ بلند کیے اور دعا فرمائی: " اے اللہ! باران رحمت سے ہماری فریاد رسی فرما، اے اللہ! باران رحمت سے ہماری فریاد رسی فرما۔" حضرت انس رضی اللہ عنہ نے پوری حدیث نقل فرمائی، اس میں بارش بند کروانے کی دعا بھی مذکور ہے۔

لغوی تحقیق: انقطعت: قطع سے ماخوذ ہے یعنی منقطع ہو گئے۔ السبل: سبیل کی جمع ہے یعنی راستے۔ اغثنا: اغاثۃ سے ماخوذ ہے یعنی ہم پر باران رحمت نازل فرما۔ امساک: روکنا، بند کرنا۔

تشریح: اس حدیث سے یہ واضح ہوا کہ مقتدی خطیب کو دوران خطبہ دعا کے لیے کہہ سکتا ہے، نیز یہ بھی واضح ہوا کہ قحط سالی کو دور کروانے کے لیے نماز استسقا ہی ضروری نہیں، موقع کی مناسبت سے فقط بارش کی دعا پر بھی انحصار کیا جا سکتا ہے، نیز اس حدیث سے یہ واضح ہوا کہ دعا کے لیے ہاتھ اٹھانا بھی ایک مسنون طریقہ ہے۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے یہ حدیث متعدد طرق سے منقول ہے ایک طریق میں ہے کہ آپ ﷺ نے اللھم اغثنا تین دفعہ کہا، جس سے یہ واضح ہوا کہ ایک ہی دعا کو بار بار دہرانا بھی مسنون ہے۔

فقہی احکام: (۱) خطیب کو دوران خطبہ دعا کے لیے کہا جا سکتا ہے۔ (۲) دوران خطبہ ہاتھ اٹھا کر دعا کی جا سکتی ہے۔ (۳) ایک دعا کو بار بار دہرایا جا سکتا ہے۔ (۴) خطیب خطبہ روک کر سائل کی بات سن سکتا ہے۔

۵۱۲: وَعَنْ أَنَسٍ رضی اللہ عنہ أَنَّ عُمَرَ رضی اللہ عنہ كَانَ إِذَا قَحَطُوا اِسْتَسْقَىٰ بِالْعَبَّاسِ بْنِ عَبْدِ الْمُطَّلِبِ وَقَالَ، اَللّٰهُمَّ إِنَّا كُنَّا نَسْتَسْقِي إِلَيْكَ بِنَبِيِّنَا فَتَسْقِينَا ,وَإِنَّا نَتَوَسَّلُ إِلَيْكَ بِعَمِّ نَبِيِّنَا فَاسْقِنَا، فَيُسْقَوْنَ. رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ.

البخاری، کتاب الاستسقاء، باب سوال الناس الامام الاستسقاء اذا قحطوا: ۱۰۱۰، ابن خزیمۃ: ۱۴۲۱، ابن حبان: ۲۸۶۱، تاریخ دمشق: ۱۱۳/۲

۵۱۲: حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں جب لوگ قحط میں مبتلا ہو جاتے تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ حضرت عباس رضی اللہ عنہ کو وسیلہ بنا کر بارش طلب کرتے اور اللہ کے حضور عرض کرتے، اے اللہ ! ہم تجھ سے تیرے نبی ﷺ کے وسیلہ سے بارش طلب کیا کرتے تھے اور تو ہمیں بارش سے نواز دیا کرتا تھا، اب ہم تیرے حضور تیرے نبی ﷺ کے چچا کو بطور وسیلہ لے کر پیش ہوئے ہیں لہٰذا تو ہمیں باران رحمت سے سیراب کر دے، چنانچہ انہیں باران رحمت سے سیراب کر دیا جاتا۔ (البخاری)

لغوی تحقیق: قحطوا: قاف اور حاء مفتوح، یعنی قحط میں مبتلا ہو گئے۔ نتوسل: وسیلہ سے ماخوذ ہے یعنی ہم بطور وسیلہ لائے ہیں۔

تشریح: اس روایت سے یہ واضح ہوا کہ کسی بھی فوت شدہ شخص کو وسیلہ بنانا درست نہیں کیونکہ اگر یہ درست ہوتا تو حضرت عمر اور دیگر صحابہ رضی اللہ عنہم قحط سالی کے وقت ہمیشہ رحمت عالم ﷺ کے وسیلہ سے باران رحمت طلب کیا کرتے۔ البتہ اس حدیث سے یہ واضح ہوا کہ کسی زندہ نیک شخص کو وسیلہ بنایا جا سکتا ہے، جیسا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت عباس رضی اللہ عنہ کو وسیلہ بنایا، اسی طرح کی ایک روایت حضرت

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

معاویہ رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت سے متعلق بھی ہے، جیسا کہ سلیم بن عامر کہتے ہیں کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں مسلمانوں کو قحط سالی کا سامنا ہو گیا، حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اہل دمشق کو ساتھ لے کر باہر نکلے، حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے مطلوبہ جگہ پر پہنچ کر منبر رکھوایا اور حضرت یزید بن اسود رضی اللہ عنہ کو منبر پر بٹھایا اور خود منبر کے نیچے ان کے پاؤں کے قریب بیٹھ گئے اور اللہ کے حضور عرض کیا، اے اللہ! ہم اپنے بہترین شخص یزید بن اسود کو سفارشی بنا کر لائے ہیں، حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے حضرت یزید بن اسود رضی اللہ عنہ سے درخواست کی کہ وہ بھی اللہ کے حضور ہاتھ اٹھا کر درخواست پیش کریں چنانچہ انہوں نے اور تمام شرکا نے ہاتھ اٹھا کر اللہ کے حضور درخواست پیش کی تو اللہ تعالیٰ نے اس دعا کو شرف قبولیت بخشا اور لوگوں کے اپنے گھروں تک واپس پہنچنے سے قبل ہی باران رحمت نازل ہو گئی۔

فقہی احکام: (۱) فوت شدہ شخصیات کو وسیلہ بنانا درست نہیں۔ (۲) زندہ نیک شخص کو وسیلہ بنایا جا سکتا ہے۔

۵۱۳: وَعَنْ أَنَسٍ رضی اللہ عنہ قَالَ أَصَابَنَا وَنَحْنُ مَعَ رَسُولِ اللّٰهِ ﷺ مَطَرٌ قَالَ فَحَسَرَ ثَوْبَهُ ,حَتّٰى أَصَابَهُ مِنَ الْمَطَرِ, وَقَالَ "إِنَّهُ حَدِيثُ عَهْدٍ بِرَبِّهِ" رَوَاهُ مُسْلِمٌ.

مسلم، کتاب الاستسقاء، باب الدعاء فی الاستسقاء: ۸۹۸، ابوداود: ۵۱۰۰، احمد: ۱۳۳/۳

تنبیہ: مؤلف رحمۃ اللہ علیہ نے اس حدیث کو مختصر کر کے تحریر کیا ہے۔

۵۱۳: حضرت انس رضی اللہ عنہ نے کہا کہ ہم رسول اللہ ﷺ کے ہمراہ تھے کہ اس دوران ہمیں بارش نے آ لیا، آپ ﷺ نے اپنے جسم مبارک سے کپڑا اٹھایا اور بارش آپ ﷺ کے جسم مبارک پر پڑنے لگی، آپ ﷺ نے فرمایا: "یہ اپنے رب کی طرف سے ایک نیا تحفہ ہے۔"

لغوی تحقیق: حسر: کھولا۔

تشریح: بارش باری تعالیٰ کی طرف سے ایک ایسا انمول تحفہ ہے جو سیراب کرنے کے ساتھ ساتھ شفا بھی ہے، اطبا حضرات بارش کے قطرات کو کسی صاف برتن میں محفوظ کر لیتے ہیں، پھر انہیں ادویات میں شامل کرتے ہیں، بارش میں نہانا گرمی دانوں کے لیے بہت مفید ہے، اور اس حدیث سے بارش میں نہانے کا ثبوت ملتا ہے۔

فقہی احکام: بارش میں نہانا مسنون ہے۔

۵۱۴: وَعَنْ عَائِشَةَ رضی اللہ عنہا أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ كَانَ إِذَا رَأَى الْمَطَرَ قَالَ " اَللّٰهُمَّ صَيِّبًا نَافِعًا " أَخْرَجَاهُ.

البخاری، کتاب الاستسقاء، باب مایقال اذا امطرت: ۱۰۳۲، مسلم، کتاب الاستسقاء، باب التعوذ عند رؤیة الریح و الغیم و الفرح بالمطر: ۸۹۹، ابوداود: ۵۰۹۹، النسائی: ۱۶۴/۳، احمد: ۴۱/۶، الطبرانی: ۱۱۵۳۳، ابن ماجة: ۳۸۸۹، البیہقی: ۳۶۱/۳، ۳۶۲، ابن حبان: ۹۹۳، ۹۹۴

۵۱۴: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ جب بارش دیکھتے تو فرماتے: " اے اللہ! نفع بخش بارش بنا دے" بخاری و مسلم

لغوی تحقیق: صیبا: فعل مقدر یعنی اجعله کا مفعول بہ ہونے کی وجہ سے منصوب ہے۔ نافعا: یہ صیبا کی صفت احترازی ہے، کیونکہ بارش نقصان دہ بھی ہو سکتی ہے اور سود مند بھی۔

تشریح: مؤلف رحمۃ اللہ علیہ نے بخاری کے ذکر کردہ الفاظ نقل کیے ہیں، بخاری میں صیبا نافعا کا فعل مقدر ہے، جبکہ امام نسائی نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے جو حدیث نقل کی ہے، اس میں فعل مذکور ہے یعنی آپ ﷺ نے فرمایا "اللهم اجعله صيبا نافعا اے اللہ! اس بارش کو نفع بخش بنا دے۔" امام مسلم نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی جو حدیث نقل کی ہے اس میں رحمۃً یعنی آپ ﷺ فرماتے، اے اللہ! اس

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

بارش کو باعث رحمت بنادے۔

امام طبرانی نے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی جو حدیث نقل کی ہے اس میں ہے کہ آپ ﷺ جب آندھی اٹھتی دیکھتے تو فرماتے، اے اللہ! اس ہوا کو رحمت بنانا، عذاب نہ بنانا۔ لیکن یہ روایت حسین بن قیس کی وجہ سے سخت ضعیف ہے۔

فقہی احکام: بارش کے آثار دیکھ کر متحیر ہونا چاہیے اور اللہ تعالیٰ سے یہ التجا کرنی چاہیے کہ اے اللہ! اس بارش کو نفع بخش بنادے۔

۵۱۵: وَعَنْ سَعْدٍ رضی اللہ عنہ أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ دَعَا فِي الاسْتِسْقَاءِ "اَللّٰهُمَّ جَلِّلْنَا سَحَابًا, كَثِيفًا, قَصِيفًا, دَلُوقًا, ضَحُوكًا, تُمْطِرُنَا مِنْهُ رَذَاذًا, قِطْقِطًا, سَجْلًا, يَا ذَا الْجَلَالِ وَالْإِكْرَامِ" رَوَاهُ أَبُو عَوَانَةَ فِي صَحِيحِهِ.

ابو عوانة: ۱۱۹/۲، تلخیص: ۹۹/۲، کنز: ۲۱۶۰۶، جمع الجوامع: ۱۰۰۲۲

۵۱۵: حضرت سعد رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے پانی طلب کرتے ہوئے یہ دعا مانگی: " اے اللہ! ہمیں ایسے بادل سے کثرت سے باریک بوندیں عنایت فرمادے جو ساری زمین پر چھایا ہوا ہو، خوب گہرا ہو، خوب گرج چمک کر برسنے والا ہو، اے بزرگی اور عزت کے مالک۔" امام ابوعوانہ نے اسے اپنی صحیح میں نقل کیا ہے۔

لغوی تحقیق: جلل: باب تفعیل سے فعل امر ہے یعنی ایسے بادل جس نے روئے زمین کو ڈھانپ رکھا ہو۔ سحابا: بادل۔ کثیفا: گاڑھا قصیفا: خوب گرجنے والا۔ دلوقا: خوب تیزی سے برسنے والا۔ ضحوکا: خوب چمکنے والا۔ رذاذاً: خوب باریک بوندیں۔ قطقطا: مسلسل گرنے والی باریک بوندیں۔ سجلا: پے در پے گرنے والے قطرات۔

تشریح: مؤلف رحمہ اللہ نے اس روایت کو تلخیص میں نقل کرنے کے بعد اس کی سند کو واہی قرار دیا ہے۔

۵۱۶: وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضی اللہ عنہ أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ "خَرَجَ سُلَيْمَانُ عَلَيْهِ السَّلَامُ يَسْتَسْقِي, فَرَأَى نَمْلَةً مُسْتَلْقِيَةً عَلَى ظَهْرِهَا رَافِعَةً قَوَائِمَهَا إِلَى السَّمَاءِ تَقُولُ اَللّٰهُمَّ إِنَّا خَلْقٌ مِنْ خَلْقِكَ, لَيْسَ بِنَا غِنًى عَنْ سُقْيَاكَ, فَقَالَ: ارْجِعُوا فَقَدْ سُقِيتُمْ بِدَعْوَةِ غَيْرِكُمْ" رَوَاهُ أَحْمَدُ وَصَحَّحَهُ الْحَاكِمُ.

الحاکم: ۴۷۳/۱، الدارقطنی: ۶۶/۲، مشکل الآثار للطحاوی: ۳۷۳/۱، الارواء: ۱۳۷/۳، التاریخ الکبیر: ۱۹۷/۱، ۱۶/۷، الجرح و التعدیل: ۳۸۶/۶، عبدالرزاق: ۹۴/۳-۹۶

تنبیہ: مؤلف رحمہ اللہ نے زیر مطالعہ حدیث کو بلوغ المرام اور التلخیص الحبیر میں احمد کی طرف منسوب کیا ہے، مگر یہ روایت مسند احمد میں نہیں البتہ کتاب الزھد میں ہے، (۲) حاکم اور دارقطنی میں نبی علیہ السلام کا نام مذکور نہیں، البتہ عبدالرزاق میں حضرت سلیمان اور حضرت عیسیٰ علیہما السلام کے نام مذکور ہیں۔

۵۱۶: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ: "حضرت سلیمان علیہ السلام طلب بارش کے لیے باہر نکلے تو ان کی نگاہ ایک ایسی چیونٹی پر پڑی جو کمر کے بل لیٹی ہوئی تھی اور اس نے اپنی ٹانگیں آسمان کی طرف بلند کر رکھی تھیں اور وہ کہہ رہی تھی، اے اللہ! ہم بھی تیری تخلیقات میں سے ایک مخلوق ہیں، اور ہم بھی تیری بارش سے بے نیاز نہیں۔ حضرت سلیمان علیہ السلام نے فرمایا، واپس چلو، کسی اور کی دعا کی وجہ سے تم پر یقیناً بارش برسادی جائے گی۔" اسے احمد نے روایت کیا ہے، حاکم نے صحیح کہا ہے۔

لغوی تحقیق: قوائم: یہ قائمة کی جمع ہے یعنی ٹانگیں۔ سقیا: سین مضموم اور قاف ساکن، بارش۔ سقیتم: سین مضموم اور قاف مکسور، فعل ماضی مجہول، جس خبر کا وقوع پزیر ہونا یقینی ہو اسے فعل ماضی سے ذکر کرنا درست ہے۔ اس قسم کی مثالیں قرآن حکیم میں بھی موجود ہیں۔

تشریح: امام حاکم نے اس حدیث کو نقل کرنے کے بعد لکھا ہے کہ یہ حدیث صحیح الاسناد ہے مگر اس کے باوجود شیخین نے اسے صحیحین

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

میں جگہ نہیں دی۔امام ذہبی نے امام حاکم کی تحقیق پر مہر تصدیق ثبت کی ہے،لیکن علامہ ناصر الدین ان بزرگوں سے اختلاف کرتے ہیں،وہ فرماتے ہیں کہ محمد بن عون اور اس کے باپ کے بارے میں میرے علم کے مطابق کسی نے تفصیل نقل نہیں کی،لہٰذا اس قسم کے رواۃ مجہول قرار پاتے ہیں۔

امام بخاری نے تاریخ کبیر میں محمد بن عون کا تذکرہ تو کیا ہے،مگر ان کے بارے میں جرح یا تعدیل نقل نہیں کی،لیکن امام احمد نے اسے معروف کہا ہے،اسی طرح امام ابن ابی حاتم نے عون کا ذکر تو کیا ہے مگر اس کے بارے میں جرح یا تعدیل نہیں کی،جبکہ امام ابن حبان نے اس کا تذکرہ کتاب الثقات میں کیا ہے۔اور امام بخاری نے امام زہری سے اس کی روایات کو منقطع قرار دیا ہے،مگر زیر مطالعہ روایت کے سیاق سے یہ واضح ہو رہا ہے کہ اس سند میں بظاہر کوئی انقطاع نہیں۔طحاوی نے اس روایت کو ایک دوسرے طریق سے بھی نقل کیا ہے مگر وہ طریق سلامۃ بن روح کے ضعیف ہونے کی وجہ سے ضعیف ہے،خصوصاً اس کی وہ روایات جو یہ عقیل بن خالد سے نقل کرتا ہے،تمام ماہرین فن کے نزدیک ضعیف ہیں۔

۵۱۷: وَعَنْ أَنَسٍ رضی اللہ عنہ أَنَّ النَّبِيَّ صلی اللہ علیہ وسلم اسْتَسْقَى فَأَشَارَ بِظَهْرِ كَفَّيْهِ إِلَى السَّمَاءِ. أَخْرَجَهُ مُسْلِمٌ.

مسلم، کتاب الاستسقاء، باب رفع الیدین بالدعاء فی الاستسقاء: ۸۹۵، البخاری: ۱۰۳۱

۵۱۷: حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بارش کے لیے دعا کرتے وقت الٹے ہاتھ کر کے دعا فرمائی۔(مسلم)

تشریح: امام بخاری نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے جو روایت نقل کی ہے اس میں ہاتھ الٹے کرنے کا ذکر نہیں،البتہ ہاتھوں کو خوب بلند کرنے کا ذکر ہے۔

فقہی احکام: (۱) بارش کے لیے دعا ہاتھ الٹے کر کے مانگی جائے۔(۲) دعا کرتے وقت ہاتھوں کو خوب بلند کیا جائے۔

۱۷۔ بَابُ اللِّبَاسِ — لباس کا بیان

۵۱۸: عَنْ أَبِي عَامِرٍ الْأَشْعَرِيِّ رضی اللہ عنہ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم "لَيَكُونَنَّ مِنْ أُمَّتِي أَقْوَامٌ يَسْتَحِلُّونَ الْحِرَ وَالْحَرِيرَ" رَوَاهُ أَبُو دَاوُدَ، وَأَصْلُهُ فِي الْبُخَارِيِّ.

ابو داود، کتاب اللباس، باب ماجاء فی الخز: ۴۰۳۹، البخاری: ۵۵۹۰، فتح الباری: ۱۰/ ۵۴، ۵۵، المحلی: ۹/ ۵۹، تغلیق التعلیق لابن حجر: ۵/ ۱۷۔۲۰، ابن حبان: ۶۷۵۴، البیہقی: ۳/ ۲۷۲، الطبرانی: ۳۴۱۷

۵۱۸: حضرت ابو عامر اشعری رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:"میری امت میں یقیناً ایسے گروہ ہوں گے جو زنا اور ریشم کو جائز خیال کریں گے۔" اسے ابوداؤد نے روایت کیا اور اس کی اصل بخاری میں ہے۔

لغوی تحقیق: الحر: حاء مکسور اور راء مفتوح،عورت کی شرمگاہ،بعض نے راء کو مشدد مفتوح قرار دیا ہے،مگر صحیح یہی ہے کہ راء مخفف ہے،یہ بھی کہا گیا ہے کہ یہ لفظ اصل میں حری تھا،یاء کو حذف کر دیا گیا،بعض کا خیال ہے کہ اس کی اصل حرح ہے۔ابوداؤد کے بعض نسخوں میں لفظ خز بھی استعمال ہوا ہے،ابن تین نے لفظ خز کو بخاری کی طرف بھی منسوب کیا ہے،جبکہ ابن العربی نے لفظ خز کو تصحیف قرار دیا ہے۔مؤلف رحمۃ اللہ علیہ نے بھی مقدم الذکر لفظ کو ہی راجح قرار دیا ہے۔ان کا کہنا ہے کہ الذھد لابن مبارک میں الحر کی جگہ فروج النساء کے الفاظ استعمال ہوئے ہیں،جو اس بات کی دلیل ہے کہ صحیح تلفظ حر ہی ہے۔اس لفظ کے راجح ہونے کی دوسری دلیل یہ ہے کہ لفظ خز ایسے

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

کپڑے کو کہا جاتا ہے جو ریشم اور اون سے تیار کیا جائے۔ اس قسم کے کپڑے زیب تن کرنا بعض جلیل القدر صحابہ سے ثابت ہے، ظاہر ہے کہ صحابہ واضح منہیات کا ارتکاب نہیں کر سکتے تھے۔ لہٰذا راجح یہی ہے کہ زیر مطالعہ حدیث میں مذکور لفظ حر ہی ہے۔

تشریح: اس حدیث سے یہ واضح ہوا کہ امت مسلمہ میں بھی بعض ایسے بد بخت انسان ہوں گے جو زنا جیسے قبیح فعل کو بھی حلال خیال کریں گے۔ عصر حاضر میں تحفظ حقوق نسواں کے نام پر فحاشی کی ترویج اس مساعی مذمومہ کی ایک کڑی ہے، کیونکہ اس کے ذریعے پاکستان میں زنا بالرضا کو دبے الفاظ میں قانونی تحفظ دے دیا گیا ہے۔

مؤلف رحمۃ اللہ علیہ نے زیر مطالعہ حدیث کو ابوداؤد کی طرف منسوب کیا ہے، نیز یہ کہا ہے کہ اس کی اصل صحیح بخاری میں ہے۔ امام بخاری نے اس حدیث کی سند کا آغاز حدثنا یا اخبرنا کے بجائے وقال هشام بن عمار سے کیا ہے۔ امام بخاری کے اس انداز سے امام ابن حزم کو اس حدیث کے منقطع ہونے کا شبہ ہوا ہے، بنا بریں بعض اہل علم نے ابن حزم کی تقلید میں اس حدیث کو معلق قرار دیا ہے۔

حالانکہ یہ حدیث موصولاً ہے کیونکہ ھشام بن عمار امام بخاری کے استاد ہیں، امام بخاری کا ان سے لقاء اور سماع صراحتاً ثابت ہے۔ بعض اہل علم کو مؤلف رحمۃ اللہ علیہ کے اس بیان سے کہ اس کی اصل صحیح بخاری میں ہے، سے بھی اس حدیث کے معلق ہونے کا شبہ ہوا ہے، لیکن یہ خیال بھی درست نہیں ہے۔ تاہم اس میں اشکال ضرور ہے یعنی یہ روایت اگر معلق نہیں تو پھر مؤلف رحمۃ اللہ علیہ نے اس حدیث کو براہ راست صحیح بخاری کی طرف منسوب کیوں نہیں کیا؟ جبکہ حدیث کے مذکورہ الفاظ قدرے اضافہ کے ساتھ صحیح بخاری میں بھی موجود ہیں۔

راقم کے نزدیک اس کا سبب یہ ہے کہ مؤلف رحمۃ اللہ علیہ نے چونکہ ابوداؤد کے بیان کردہ الفاظ نقل کیے ہیں اس لیے اس حدیث کو ابوداؤد کی طرف منسوب کر دیا ہے اور بخاری کی بیان کردہ حدیث کو اس کی اصل قرار دینے کی شاید وجہ یہ ہے، کہ مؤلف رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک راجح لفظ حر ہے جیسا کہ انہوں نے فتح الباری میں ذکر کیا ہے۔ صحیح بخاری میں یہ لفظ چونکہ بالجزم مذکور ہے جبکہ ابوداؤد کے کسی نسخہ میں لفظ خز اور کسی نسخہ میں لفظ حر ہے۔ امام بیہقی نے شعب الایمان میں حضرت معاذ رضی اللہ عنہ سے جو حدیث نقل کی ہے، اس میں لفظ حر کی بجائے لفظ الفروج بیان ہوا ہے۔ یہ بھی اس بات کی دلیل ہے کہ صحیح لفظ حر ہی ہے۔

فقہی احکام: اللہ اور اس کے رسول کی طرف سے حرام کردہ کسی فعل کو حلال سمجھ کر اس کا ارتکاب کرنا گناہ میں دوچند اضافہ کرتا ہے۔

۵۱۹: وَعَنْ حُذَيْفَةَ رضی اللہ عنہ قَالَ نَهَى النَّبِيُّ صلی اللہ علیہ وسلم أَنْ نَشْرَبَ فِي آنِيَةِ الذَّهَبِ وَالْفِضَّةِ, وَأَنْ نَأْكُلَ فِيهَا, وَعَنْ لُبْسِ الْحَرِيرِ وَالدِّيبَاجِ, وَأَنْ نَجْلِسَ عَلَيْهِ . رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ.

البخاری، کتاب اللباس، باب افتراش الحریر: ۵۸۳۷، مسلم: ۲۰۶۷، ابو داود: ۳۷۲۳، النسائی: ۱۹۸/۸، ابن ماجة: ۳۴۱۴، احمد: ۳۹۰/۵، الدارقطنی: ۲۹۳/۴

تنبیہ: صحیح بخاری مطبوعہ میں نهانا النبی صلی اللہ علیہ وسلم ہے۔

۵۱۹: حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں سونے چاند کے برتنوں میں کھانے پینے، عام اور گھاڑے ریشمی (کپڑے) پہننے اور ان پر بیٹھنے سے منع فرمایا۔

لغوی تحقیق: الدیباج: ریشم سے بنے ہوئے موٹے کپڑے۔

تشریح: اس حدیث کو امام مسلم نے متعدد طرق سے نقل کیا ہے جیسا کہ عبدالرحمٰن بن ابی لیلیٰ نقل کرتے ہیں کہ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کے پانی طلب کرنے پر ان کے ایک مجوسی غلام نے انہیں چاندی کے برتن میں پانی پیش کیا، اس پر حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں نے

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ "تم عام ریشمی کپڑے اور موٹے ریشمی کپڑے مت زیب تن کرو، چاندی اور سونے کے برتنوں میں مت کھاؤ پیو، کیونکہ ان (کافروں) کے لیے یہ چیزیں دنیا میں ہیں" صحیح بخاری میں ہے کہ "تمہارے لیے آخرت میں ہے۔"
اس حدیث سے یہ واضح ہوا کہ ریشمی لباس کا استعمال امت مسلمہ کے مرد حضرات کے لیے حرام ہے جبکہ سونے اور چاندی کے برتنوں میں کھانا پینا خواتین وحضرات دونوں کے لیے حرام ہے۔

فقہی احکام: (۱) مرد حضرات کے لیے ہر قسم کا ریشمی لباس ممنوع ہے۔

(۲) سونے اور چاندی کے برتنوں میں کھانا پینا امت مسلمہ کے تمام افراد کے لیے ممنوع ہے۔

۵۲۰: وَعَنْ عُمَرَ رضی اللہ عنہ قَالَ نَهَى النَّبِيُّ ﷺ عَنْ لُبْسِ الْحَرِيرِ إِلَّا مَوْضِعَ إِصْبَعَيْنِ, أَوْ ثَلَاثٍ, أَوْ أَرْبَعٍ. مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ, وَاللَّفْظُ لِمُسْلِمٍ.

مسلم، کتاب اللباس و الزینة، باب تحریم استعمال اناء الذهب و الفضة علی الرجال و النساء و خاتم الذهب و الحریر علی الرجل: ۲۰۶۹، البخاری: ۵۸۲۸، ابوداود: ۴۰۴۲، الترمذی: ۱۷۲۱، النسائی: ۲۰۲/۸، ابن ماجة: ۳۵۹۳، احمد: ۱۵/۱

۵۲۰: حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے دو، تین یا چار انگشت سے زیادہ ریشم زیب تن کرنے سے منع فرمایا۔ بخاری ومسلم، اور مذکورہ الفاظ مسلم کے ہیں۔

لغوی تحقیق: لبس: لام مضموم اور باء ساکن، پہننا۔

تشریح: حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے یہ حدیث متعدد طرق سے مروی ہے، ان طرق پر نظر ڈالنے سے یہ واضح ہوتا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ حکام کو غیر اسلامی لباس زیب تن کرنے سے گاہے گاہے خبردار کرتے رہتے تھے۔ ابوعثمان کہتے ہیں کہ ہم آذربیجان میں تھے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی طرف سے عتبہ بن فرقد کے نام مکتوب آیا، جس میں انہوں نے رسول اللہ ﷺ کا یہ فرمان تحریر فرمایا کہ ریشمی لباس وہی لوگ زیب تن کرتے ہیں جن کا آخرت میں کوئی حصہ نہیں۔ سوید بن غفلہ سے مروی ہے کہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے مقام جابیہ پر خطاب کرتے ہوئے فرمایا کہ اللہ کے نبی نے دو، تین یا چار انگشت سے زیادہ ریشمی کپڑا زیب تن کرنے سے منع فرمایا ہے۔

فقہی احکام: (۱) مردوں کے لیے ریشمی لباس زیب تن کرنا حرام ہے۔ (۲) زیادہ سے زیادہ چار انگشت کے برابر ریشمی کپڑا کا پیوند لگایا جاسکتا ہے۔ (۳) خلیفہ وقت پر لازم ہے کہ وہ اپنے عمال کے بودوباش پر نظر رکھے۔ (۴) ریشمی لباس زیب تن کرنے والوں کا آخرت میں کوئی حصہ نہیں۔

۵۲۱: وَعَنْ أَنَسٍ رضی اللہ عنہ أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ رَخَّصَ لِعَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ عَوْفٍ, وَالزُّبَيْرِ فِي قَمِيصِ الْحَرِيرِ, فِي سَفَرٍ, مِنْ حِكَّةٍ كَانَتْ بِهِمَا. مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ.

مسلم، کتاب اللباس، باب اباحة لبس الحریر للرجل اذا کان به حکة او نحوها: ۲۰۷۶، البخاری: ۲۹۱۹، ابوداود: ۴۰۵۶، الترمذی: ۱۷۲۲، النسائی: ۲۰۲/۸، ابن ماجة: ۳۵۹۲، احمد: ۱۲۷/۳

تنبیہ: مؤلف رحمہ اللہ نے زیر مطالعہ حدیث دو طرق جمع کرکے تحریر فرمائی ہے۔

۵۲۱: حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے عبدالرحمٰن بن عوف اور زبیر بن عوام کو دوران سفر ریشمی قمیص زیب تن کرنے کی اجازت مرحمت فرمائی تھی کیونکہ انہیں خارش کی بیماری لاحق تھی۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

لغوی تحقیق: حـــکة: حاء مکسور اور کاف مشدد منصوب، اس کے لفظی معنی کھرچنے، خارش کرنے کے ہیں، یہاں اس سے مراد خارش کی بیماری ہے۔

تشریح: حضرت انس رضی اللہ عنہ سے یہ روایت متعدد طرق سے مختلف الفاظ سے مروی ہے، ابو اسامہ از سعید بن عروبہ از قتادہ سے مروی طریق میں ہے کہ عبدالرحمٰن بن عوف اور زبیر بن عوام کو خارش یا کوئی اور تکلیف تھی، اس بنا پر انہیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سفر میں ریشمی قمیص پہننے کی رخصت عنایت فرمائی تھی، محمد بن بشر از سعید از قتادہ کے طریق میں سفر کی قید مذکور نہیں، شعبہ از قتادہ کے طریق میں خارش کا بالجزم ذکر ہے، جبکہ ہمام از قتادہ کے طریق میں ہے کہ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف اور حضرت زبیر بن عوام رضی اللہ عنہما نے جوؤں کی شکایت کی تھی جس پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں جہاد میں ریشمی قمیص زیب تن کرنے کی اجازت فرمائی تھی۔

فقہی احکام: ایسی بیماری جس میں عام کپڑا زیب تن کرنا تکلیف کا سبب بنتا ہو اس میں ریشمی لباس پہننے کی سفر و حضر میں اجازت ہے۔

۵۲۲: وَعَنْ عَلِيٍّ رضی اللہ عنہ قَالَ كَسَانِي النَّبِيُّ صلی اللہ علیہ وسلم حُلَّةً سِيَرَاءَ, فَخَرَجْتُ فِيهَا, فَرَأَيْتُ الْغَضَبَ فِي وَجْهِهِ, فَشَقَقْتُهَا بَيْنَ نِسَائِي. مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ , وَهَذَا لَفْظُ مُسْلِمٍ.

مسلم، کتاب اللباس و الزینة، باب تحریم استعمال اناء الذهب و الفضة علی الرجال و النساء و خاتم الذهب و الحریر علی الرجل و اباحته للنساء: ۲۰۷۱، ۲۰۷۲، البخاری: ۵۸۴۰، ابو داود: ۴۰۴۳، النسائی: ۱۹۷/۸، احمد: ۹۰/۱

۵۲۲: حضرت علی رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے سیراء کا ریشمی جوڑا عنایت فرمایا اور میں وہ جوڑا زیب تن کر کے باہر نکلا تو میں نے رُخِ انور پر ناراضگی کے آثار دیکھے، جس کی وجہ سے میں نے وہ دونوں چادریں کاٹ کاٹ کر اپنی خواتین میں تقسیم کر دیں۔ بخاری و مسلم، مذکورہ الفاظ مسلم کے ہیں۔

لغوی تحقیق: کســا: اس کا لغوی معنی عطا کرنا یا پہنانا ہے، یہاں اس کا معنی عطا کرنا ہے۔ کیونکہ ایک دوسرے طریق میں کســا کی جگہ اعطیٰ استعمال ہوا ہے۔ یعنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے عطا فرمایا۔ **حلة:** حاء مضموم اور لام مشدد مفتوح، ایک رنگ کی دونئی چادریں۔ سیراء: سین مکسور اور یاء مفتوح، ایسا کپڑا جس میں ریشم کا دھاگہ دھاریوں کی صورت میں استعمال ہوا ہو۔ فشققتھا: میں نے وہ کاٹ کر تقسیم کر دیا

تشریح: اکیدر دومہ کی طرف سے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک ریشمی کپڑا بطور ھدیہ موصول ہوا، وہ کپڑا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو بطور تحفہ عطا فرمایا، حضرت علی رضی اللہ عنہ نے سمجھا کہ یہ چادریں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں پہننے کے لیے عنایت فرمائیں ہیں، اس لیے انہوں نے زیب تن کر لیں، رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی نگاہ جب ان پر پڑی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرے پر غصہ کے آثار نمایاں ہو گئے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بدلے ہوئے تیور دیکھ کر حضرت علی رضی اللہ عنہ سمجھ گئے کہ ناراضگی کا سبب ان چادروں کو زیب تن کرنا ہے، چنانچہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے دریافت کرنے پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "میں نے یہ چادریں تمہیں پہننے کے لیے نہیں دیں، میں نے تو اس لیے دیں تھیں کہ آپ اپنی خواتین کے درمیان تقسیم کر دیں گے۔"

ایک طریق میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "جاؤ یہ چادریں فاطمہ نامی خواتین کے مابین تقسیم کر دو۔"

امام نووی نے شرح مسلم میں لکھا ہے کہ جمہور کے نزدیک حدیث میں مذکور الفواطم سے مراد فاطمہ نامی تین خواتین ہیں، یعنی رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی لختِ جگر، حضرت علی رضی اللہ عنہ کی زوجہ محترمہ (فاطمہ رضی اللہ عنہا) حضرت علی رضی اللہ عنہ کی والدہ فاطمہ بنت اسد رضی اللہ عنہا اور فاطمہ بنت حمزہ رضی اللہ عنہا بن عبدالمطلب ہیں۔ حافظ عبدالغنی اور علامہ ابن عبدالبر کا کہنا ہے کہ اس سے مراد فاطمہ نامی چار خواتین ہیں، قاضی عیاض فرماتے ہیں

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

کہ چوتھی فاطمہ نامی خاتون حضرت علی رضی اللہ عنہ کے بھائی عقیل رضی اللہ عنہ کی اہلیہ فاطمہ رضی اللہ عنہا بنت شیبہ ہیں۔صحیح مسلم میں ایک حدیث حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک ریشمی چادر بطور تحفہ ملی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے وہ چادر پہلے خود زیب تن فرمائی، لیکن بعد میں اتار کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو بطور تحفہ عنایت فرمادی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا گیا، اے اللہ کے رسول ! آپ نے یہ چادر کیوں اتار دی؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:" مجھے جبریل نے زیب تن کرنے سے روک دیا۔" حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو جب یہ خبر پہنچی تو روتے ہوئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا، اے اللہ کے رسول ! جو چیز آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے لیے ناپسند فرمائی، وہ مجھے کیوں عنایت فرمادی؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:"میں نے تمہیں زیب تن کرنے کے لیے نہیں دی، بلکہ اس لیے دی کہ آپ اسے فروخت کردیں۔" چنانچہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے وہ دو ہزار درہم میں فروخت کردی۔

فقہی احکام: (۱) کافر کا تحفہ قبول کیا جاسکتا ہے۔(۲) بطور تحفہ ملی ہوئی چیز کسی اور کو بطور تحفہ دی جاسکتی ہے۔(۳) ریشمی کپڑے کا استعمال مردوں کے لیے ممنوع اور خواتین کے لیے جائز ہے۔(۴) ریشم کی تجارت جائز ہے نیز یہ پاک ہے۔

۵۲۳: وَعَنْ أَبِي مُوسَى رضی اللہ عنہ أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم قَالَ "أُحِلَّ الذَّهَبُ وَالْحَرِيرُ لِإِنَاثِ أُمَّتِي, وَحُرِّمَ عَلَى ذُكُورِهِمْ" رَوَاهُ أَحْمَدُ, وَالنَّسَائِيُّ, وَالتِّرْمِذِيُّ وَصَحَّحَهُ.

احمد: ۳۹۴/۴، النسائی: ۱۶۱/۸، الترمذی، ابواب اللباس، باب الحریر و الذهب: ۱۷۲۰، جامع التحصیل: ۱۸۵، تقریب التهذیب: ۲۴۰۹

۵۲۳: حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:" سونا اور ریشم میری امت کی خواتین کے لیے حلال اور مردوں کے لیے حرام قرار دیا گیا ہے۔" اسے احمد، نسائی اور ترمذی نے روایت کیا ہے نیز امام ترمذی نے اسے صحیح کہا ہے۔

لغوی تحقیق: احل: ہمزہ مضموم اور حاء مکسور حلال قرار دیا گیا۔ حرم: حاء مضموم اور راء مکسور، حرام قرار دیا گیا۔

تشریح: زیر مطالعہ حدیث میں مذکور افعال احل اور حرم کا فاعل مذکور نہیں تاہم حدیث کے سیاق سے یہ عیاں ہے کہ ان افعال کا فاعل اللہ تعالیٰ ہی ہے کیونکہ حلت وحرمت کا اختیار اسی کے پاس ہے۔اس حدیث کو امام ترمذی نے صحیح قرار دیا ہے اور اس کے جملہ رواۃ بھی ثقہ ہیں لیکن یہ روایت منقطع ہونے کی وجہ سے ضعیف ہے کیونکہ سعید بن ابی ہند کی حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ سے ملاقات ثابت نہیں۔اس مفہوم کی دیگر احادیث چونکہ ثابت ہیں لہٰذا یہ حدیث مفہوماً صحیح ہے بنابریں اس سے استدلال لینا درست ہے۔

فقہی احکام: (۱) سونا اور ریشم کا استعمال بطور لباس یا زیور مسلمان مردوں کے لیے ممنوع اور خواتین کے لیے جائز ہے۔

۵۲۴: وَعَنْ عِمْرَانَ بْنِ حُصَيْنٍ رضی اللہ عنہ أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم قَالَ " إِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ إِذَا أَنْعَمَ عَلَى عَبْدٍ نِعْمَةً أَنْ يَرَى أَثَرَ نِعْمَتِهِ عَلَيْهِ " رَوَاهُ الْبَيْهَقِيُّ.

البیهقی، کتاب صلاة الخوف، باب الرخصة الرجال فی لبس الخز: ۲۱۸۷، ابوداود: ۴۰۶۳، احمد: ۴۷۳/۳، الطبرانی: ۵۳۰۸/۵

۵۲۴: حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:" اللہ تعالیٰ جب کسی بندے پر انعام فرماتا ہے تو وہ اس نعمت کے اثرات اس بندے پر دیکھنا چاہتا ہے۔" اسے بیہقی نے روایت کیا ہے۔

تشریح: یہ حدیث رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے متعدد صحابہ نے نقل کی ہے، حضرت مالک بن نضلہ رضی اللہ عنہ سے مروی روایت میں ہے کہ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں پراگندہ لباس میں حاضر ہوا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے دریافت کیا:" کیا تمہارے پاس کچھ مال ہے؟" میں نے

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

عرض کیا، میرے پاس اونٹ، غلام، گھوڑے اور بکریاں وغیرہ ہر قسم کا مال ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: "جب اللہ تعالیٰ نے تجھے یہ مال عطا کیا ہے تو وہ اس کے اثرات بھی تم پر دیکھنا چاہتا ہے۔"

حضرت زہیر بن ابی علقمہ رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث میں ہے کہ آپ ﷺ کے پاس ایک شخص پراگندہ حالت میں حاضر ہوا، آپ ﷺ نے اس سے پوچھا: "کیا تمہارے پاس کچھ مال ہے؟ اس نے عرض کیا میرے پاس ہر قسم کا مال ہے۔ اس پر آپ ﷺ نے مذکورہ فرمان جاری فرمایا۔ حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہم سے بھی اسی طرح کے الفاظ منقول ہیں۔

فقہی احکام: (۱) ارتکاز دولت سے مکمل اجتناب کیا جائے۔ (۲) دولت کو جائز مصارف میں بقدر ضرورت خرچ کیا جائے۔ (۳) نادار و محتاج حضرات وخواتین کی مدد کی جائے۔ (۴) اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ ذہنی، جسمانی صلاحیتوں کو استعمال کیا جائے۔

۵۲۵: وَعَنْ عَلِيٍّ رضی اللہ عنہ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ نَهَى عَنْ لُبْسِ الْقَسِّيِّ وَالْمُعَصْفَرِ. رَوَاهُ مُسْلِمٌ.

مسلم، کتاب اللباس و الزینة، باب النهی عن لبس الرجل الثوب المعصفر: ۲۰۷۸، ابوداود: ۴۰۴۴، الترمذی: ۱۷۹۵، النسائی: ۲۰۴/۸، احمد: ۹۲/۱

۵۲۵: حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے "قس" شہر کے بنے ہوئے کپڑے اور زرد رنگ کے کپڑے زیب تن کرنے سے منع فرمایا۔ (مسلم)

لغوی تحقیق: **قسی:** قاف مفتوح اور سین مشدد مکسور، اور آخر میں یا نسبتی مشدد ہے۔ **المعصفر:** عُصفر نامی ایک بوٹی ہے جس سے ریشم کو رنگ دیا جاتا ہے، اس بوٹی کے رنگے ہوئے کپڑے کو **معصفر** کہا جاتا ہے۔

تشریح: عہد رسالت مآب ﷺ میں قس نامی شہر میں ریشم کی ملاوٹ سے کپڑا تیار کیا جاتا تھا، اس لیے آپ ﷺ نے اس شہر کے بنے ہوئے کپڑوں کو ممنوع قرار دیا۔ معصفر کپڑے کی ممانعت کی وجہ حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما سے مروی حدیث میں مذکور ہے۔ یعنی اس میں یہ صراحت ہے کہ عہد رسالت مآب ﷺ میں کفار عصفر نامی بوٹی سے رنگے ہوئے کپڑے پہنتے تھے اس لیے مسلمانوں کو اس سے منع فرما دیا تاکہ مسلمانوں کا اسلامی تشخص برقرار رہے۔

فقہی احکام: (۱) ریشمی کپڑوں کا استعمال مرد حضرات کے لیے ممنوع ہے۔

(۲) ایسے رنگ اختیار کرنے سے اجتناب کیا جائے جو غیر مسلم حکمرانوں یا ان کے مذہبی پیشواؤں کا شعار ہیں۔

۵۲۶: وَعَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عَمْرٍو رضی اللہ عنہما قَالَ، رَأَى عَلَيَّ النَّبِيُّ ﷺ ثَوْبَيْنِ مُعَصْفَرَيْنِ، فَقَالَ "أُمُّكَ أَمَرَتْكَ بِهَذَا؟" رَوَاهُ مُسْلِمٌ.

مسلم، کتاب اللباس و الزینة، باب النهی عن لبس الرجل الثوب المعصفر: ۲۸/۲۰۷۷، ابوداود: ۴۰۶۶، احمد: ۱۶۲/۲

تنبیہ: بلوغ المرام کے مطبوعہ نسخوں میں امک سے پہلے ہمزہ استفہام حذف ہے، جبکہ صحیح مسلم میں مذکور ہے۔

۵۲۶: حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے مجھے زرد رنگ کے دو کپڑوں میں ملبوس دیکھ کر فرمایا: "کیا ایسے کپڑے پہننے کا حکم تجھے تیری ماں نے دیا ہے؟" (مسلم)

تشریح: اس حدیث میں مذکور رحمت عالم ﷺ کے فرمان کے دو مفہوم ہو سکتے ہیں۔ (۱) زرد کپڑے چونکہ خواتین پہنتی ہیں اس لیے تیری ماں نے تجھے یہ کپڑے پہنا دیئے ہوں گے؟۔ (۲) اس رنگ کے کپڑے پہننے کی اجازت میری طرف سے تو نہیں، تیری ماں نے

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

بھلے تجھے دی ہو؟۔اس صورت میں آپ ﷺ کا فرمان بطور توبیخ ہوگا یہی مفہوم راجح ہے کیونکہ حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما آپ ﷺ کا یہ فرمان سن کر گھر گئے اور ان کپڑوں کو جلتے ہوئے تنور میں ڈال کر راکھ کر دیا۔

۵۲۷: وَعَنْ أَسْمَاءَ بِنْتِ أَبِي بَكْرٍ رضی اللہ عنہما أَنَّهَا أَخْرَجَتْ جُبَّةَ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ مَكْفُوفَةَ الْجَيْبِ وَالْكُمَّيْنِ وَالْفَرْجَيْنِ بِالدِّيبَاجِ . رَوَاهُ أَبُو دَاوُدَ وَأَصْلُهُ فِي مُسْلِمٍ وَزَادَ ، كَانَتْ عِنْدَ عَائِشَةَ حَتَّى قُبِضَتْ ,فَقَبَضْتُهَا ,وَكَانَ النَّبِيُّ ﷺ يَلْبَسُهَا ,فَنَحْنُ نَغْسِلُهَا لِلْمَرْضَى نَسْتَشْفِي بِهَا، وَزَادَ الْبُخَارِيُّ فِي الْأَدَبِ الْمُفْرَدِ ، وَكَانَ يَلْبَسُهَا لِلْوَفْدِ وَالْجُمُعَةِ .

ابوداود، کتاب اللباس، باب الرخصة فی العلم و خیط الحریر: ۴۰۵۴، مسلم: ۲۰۶۹، الادب المفرد: ۳۴۸، احمد: ۳۴۸/۶

۵۲۷: حضرت عبداللہ مولیٰ اسماء بنت ابوبکر صدیق سے منقول ہے کہ حضرت اسماء رضی اللہ عنہا نے رسول اللہ ﷺ کا ایک چوغہ نکالا جس کے گریبان، آستینوں اور چاک پر دبیز ریشم کا حاشیہ تھا۔اسے ابوداؤد نے روایت کیا ہے اور اس کی اصل مسلم میں ہے اور اس میں مزید یہ وضاحت بھی ہے کہ یہ جبہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس ان کی وفات تک رہا اور جب حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا انتقال ہوا تو اسے میں نے اپنی تحویل میں لے لیا۔نبی کریم ﷺ اسے زیب تن فرمایا کرتے تھے،لیکن ہم اسے دھوکر بیماروں کو پلاتے ہیں اور اس کے ذریعے شفا حاصل کرتے ہیں۔امام بخاری نے الادب المفرد میں مزید یہ الفاظ بھی روایت کیے ہیں کہ آپ ﷺ اسے وفود سے ملاقات کرتے وقت اور جمعہ کے روز زیب تن فرماتے تھے۔

لغوی تحقیق: جبة: جیم مضموم اور باء مشدد مفتوح ،ایسے کپڑے جس کے بازو کشادہ ہوں اور اسے کپڑوں کے اوپر پہنا جائے ،اردو میں اسے چوغہ کہا جاتا ہے۔مکفوفة: یہ کفف سے اسم مفعول ہے،ایسا کپڑا جس کے اطراف وجوانب اور گریبان وغیرہ پر ریشم کی پٹی لگادی جائے۔الجیب :جیم مفتوح اور یاء ساکن ،گریبان۔الکمین: کاف مضموم اور میم مشدد مفتوح، یہ کم کا تثنیہ ہےیعنی دو بازوں۔الفرجین :فاء مفتوح ،راء ساکن اور جیم مفتوح، یہ فرج کا تثنیہ ہے،دو چیزوں کا درمیانی خلا یعنی دو پٹیاں جس پر بٹن لگائے جاتے ہیں اور کاج کیے جاتے ہیں۔

تشریح: مؤلف رحمۃ اللہ علیہ نے مذکورہ الفاظ ایک طویل روایت سے اخذ کر کے درج کیے ہیں،اس میں اس روایت کا شان ورود یہ بیان کیا گیا ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما ایسے کپڑے کو زیب تن کرنا ممنوع خیال کرتے تھے جس میں ریشم کا دھاگہ دھاریوں کی شکل میں استعمال ہوا ہو،ان کی دلیل وہ حدیث ہے جس میں قسی کپڑے کی ممانعت مذکور ہے نیز حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے مروی وہ حدیث ہے جس میں یہ مذکور ہے کہ ریشم وہ شخص پہنتا ہے جس کا آخرت میں کوئی حصہ نہیں۔حضرت اسما بنت ابی بکر رضی اللہ عنہما کا خیال تھا کہ ایسا کپڑا پہننا جائز ہے جس کے اطراف پر ریشم پٹیوں کی شکل میں لگایا گیا ہو،ان کی دلیل آپ ﷺ کا وہ جبہ ہے جو آپ ﷺ زیب تن فرماتے تھے۔

فقیر کے نزدیک ان احادیث میں کوئی تعارض نہیں، محض تفہیم کا فرق ہے،یعنی جن احادیث میں ریشم کی پٹیوں کی ممانعت ہے اس سے مراد وہ پٹیاں ہیں جو کپڑے کے تانے یا بانے میں شامل ہوں،جبکہ جو پٹیاں آپ ﷺ کے چوغہ پر لگی ہوئی تھیں وہ اس کپڑے کے تانے یا بانے میں شامل نہیں تھیں، بلکہ الگ سے ریشمی کپڑوں کو باریک پٹیوں میں کاٹ کر چوغہ کے اطراف پر لگایا گیا تھا۔

نیز حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث جس میں چار انگلیوں کی مقدار کے برابر ریشمی کپڑا زیب تن کرنے کی اجازت مذکور ہے، وہ ان دونوں احادیث کے مابین تعارض ختم کرنے کے لیے کافی ہے۔یعنی چار انگلیوں کے برابر چوڑے ریشمی کپڑے کو اکٹھا، یا باریک پٹیوں کی شکل میں کاٹ کر لباس کے مختلف مقامات پر چسپاں کر کے استعمال کرنا درست ہے۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

مؤلف رحمۃ اللہ علیہ نے اس حدیث کو براہ راست مسلم کی طرف منسوب اس لیے نہیں کیا کہ صحیح مسلم میں مکفوفة الجیب کی جگہ لها لبنة دیباج کے الفاظ استعمال ہوئے ہیں۔

فقہی احکام: (۱) چار انگلیوں کے برابر ریشمی کپڑے کی پٹی کو کپڑے کے عرض میں اکٹھا استعمال کیا جا سکتا ہے اور اسے باریک پٹیوں میں کاٹ کر کپڑے کے کناروں، گریبان اور کاج کے مقامات پر چسپاں کیا جا سکتا ہے۔ (۲) آپ ﷺ کے زیب تن کیے ہوئے کپڑوں کو بطور تبرک اور دوا استعمال کرنا جائز ہے۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

كِتَابُ الْجَنَائِزِ

جنازوں کے احکام ومسائل

لغوی تحقیق: جنائز: یہ جنازۃ کی جمع ہے، اس کی جیم کو مکسور اور مفتوح ہر دو طرح پڑھنا درست ہے، بعض نے ان میں فرق بھی کیا ہے، ایک گروہ کا کہنا ہے کہ جیم کو مکسور پڑھنے کی صورت میں میت مراد ہوگی جبکہ مفتوح پڑھنے کی صورت میں وہ چار پائی مراد ہوگی جس پر میت کو لٹا کر قبرستان کی طرف لیجایا جاتا ہے، بعض کا خیال ہے کہ مفتوح پڑھنے کی صورت میں میت اور مکسور پڑھنے کی صورت میں میت والی چار پائی مراد ہوگی۔

۵۲۸: عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضی اللہ عنہ قَالَ، قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم "أَكْثِرُوا ذِكْرَ هَاذِمِ اللَّذَّاتِ الْمَوْتِ" رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ, وَالنَّسَائِيُّ, وَصَحَّحَهُ ابْنُ حِبَّانَ.

الترمذی، ابواب الزھد، باب ماجاء فی ذکر الموت: ۲۴۲۳، النسائی، کتاب الجنائز، باب کثرۃ ذکر الموت: ۴/۴، ابن حبان، کتاب الجنائز، فصل فی ذکر الموت: ۲۹۹۲۔۲۹۹۵، ابن ماجۃ: ۴۲۵۸، الزھد لابن مبارک: ۱۴۶، مسند شھاب: ۴۴۹، ۶۷۱، احمد: ۲/۲۹۲، الحاکم: ۴/۳۵۷، المعجم الاوسط للطبرانی: ۶۹۵، ۵۷۷۶، ۶۴۸۴، المختارۃ للضیاء مقدسی: ۱/۵۲۱، الحلیۃ لابی نعیم: ۶/۳۵۵، ۹/۲۵۲

۵۲۸: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "لذتوں کو کاٹ دینے والی یعنی موت کو کثرت سے یاد کیا کرو۔" اسے ترمذی اور نسائی نے روایت کیا ہے اور ابن حبان نے اسے صحیح قرار دیا ہے۔

لغوی تحقیق: ھاذم: کاٹنے والی، بعض روایات میں ھاذم کی بجائے ھادم ذکر ہوا ہے، یعنی منہدم کر دینے والی، مؤلف رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک مؤخر الذکر لفظ راجح ہے۔

تشریح: زیر مطالعہ روایت حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے متعدد طرق سے مختلف الفاظ سے مروی ہے، دیلمی کی ذکر کردہ روایت میں ہے، "موت کو کثرت سے یاد کرو، جو آدمی اسے کثرت سے یاد کرے گا، اللہ تعالیٰ اس کے دل کو حیات ابدی عطا کرے گا، اور اس کی روح اور جسم کا رشتہ آسانی سے منقطع ہوگا۔" ابن حبان اور بیہقی کی ذکر کردہ روایت میں ہے، "لذتوں کی عمارت کو منہدم کرنے والی کو کثرت سے یاد کرو، جو بندہ اسے تنگ دستی کے وقت یاد کرے گا، اس کی تنگ دستی، تونگری میں تبدیل ہو جائے گی (یعنی وہ اپنی تنگ دستی ہی کو تونگری خیال کرنے لگے گا) اور جو اسے تونگری میں یاد کرے گا یہ اسے ناز ونخرے سے غافل کر دے گی۔"

زیر مطالعہ روایت اگرچہ بظاہر موصولا ہے لیکن امام دار قطنی اور امام احمد کا کہنا ہے کہ راجح یہی ہے کہ یہ روایت مرسل ہے، کیونکہ موصولاً فقط محمد بن عمرو نے روایت کیا ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ محمد بن عمرو فی نفسہ ثقہ ہے، لیکن اس سے مروی حدیث میں نظر ہے۔ تاہم اس کی مؤید روایات حضرت عبداللہ بن عمر اور عمر بن خطاب اور حضرت انس رضی اللہ عنہم سے مروی ہے۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "لذتوں کی عمارت کو منہدم کرنے والی کو خوب یاد کرو یعنی

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

موت کو، اگر اس کا تذکرہ کثرت لذات کے موقع پر ہو تو یہ اسے کم کر دے گی اور تنگ دستی کے وقت ہو تو یہ تھوڑے کو کافی خیال کرنے کا عادی بنا دے گی۔" اس روایت کے جملہ رواۃ ماسوا قاسم بن محمد اسدی کے ثقہ ہیں جبکہ قاسم مستور الحال ہے۔

انہیں سے مروی ایک دوسری روایت میں ہے کہ آپ ﷺ سے دریافت کیا گیا کہ سب سے زیادہ عقل مند انسان کون ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: "موت کو سب سے زیادہ یاد کرنے والا اور سب سے بڑھ کر موت کی تیاری کرنے والا۔"

حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "لذتوں کی عمارت کو منہدم کرنے والی کو خوب یاد کرو۔" ہم نے عرض کیا، اے اللہ کے رسول ﷺ! لذتوں کی عمارت کو منہدم کرنے والی چیز کونسی ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: "وہ موت ہے۔" یہ روایت عبدالملک بن یزید کی وجہ سے انتہائی کمزور ہے۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ کا گزر انصار کے لوگوں سے ہوا، وہ اس وقت مسکرا رہے تھے، آپ ﷺ نے فرمایا: "لذتوں کی عمارت کو منہدم کرنے والی کو یاد کرو۔" علامہ ناصر الدین البانی نے اگرچہ اسے مسلم کی شرط کے مطابق صحیح قرار دیا ہے، لیکن ایسا نہیں ہے، کیونکہ مؤمل بن اسماعیل سے امام مسلم نے روایت نہیں لی۔ مختصر یہ ہے کہ زیر مطالعہ حدیث جمیع طرق کے ساتھ صحیح لغیرہ ہے۔ اور عملی طور پر بھی ایسا ہی ہے کیونکہ موت کو کثرت سے یاد کرنے سے قیامت کی تیاری کا داعیہ پیدا ہوتا ہے اور انسان نیک اعمال کی طرف راغب ہو جاتا ہے۔

فقہی احکام: موت کو کثرت سے یاد کرنا چاہیے۔

۵۲۹: وَعَنْ أَنَسٍ رضی اللہ عنہ قَالَ، قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ " لَا يَتَمَنَّيَنَّ أَحَدُكُمُ الْمَوْتَ لِضُرٍّ يَنْزِلُ بِهِ ,فَإِنْ كَانَ لَا بُدَّ مُتَمَنِّيًا فَلْيَقُلْ، اَللّٰهُمَّ أَحْيِنِي مَا كَانَتِ الْحَيَاةُ خَيْرًا لِي ,وَتَوَفَّنِي إِذَا كَانَتِ الْوَفَاةُ خَيْرًا لِي " مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ.

البخاری، کتاب الدعوات، باب الدعاء بالموت و الحیاۃ: ۶۳۵۱، مسلم: ۲۶۸۰، ابوداود: ۳۱۰۸، النسائی: ۳/۴، ابن ماجة: ۴۲۶۵، احمد: ۳/۱۰۱، ابن حبان: ۹۶۹، البیهقی: ۳/۳۷۷

۵۲۹: حضرت انس رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "تم میں سے کوئی ایک کسی بھی تکلیف سے دوچار ہونے کی وجہ سے موت کی تمنا نہ کرے اور اگر وہ موت کی تمنا لازماً کرنا چاہتا ہے تو وہ ان الفاظ میں کرے، اے اللہ! جب تک میرا زندہ رہنا میرے لیے بہتر ہو، تب تک مجھے زندہ رکھنا اور جب موت میرے لیے بہتر ہو تب مجھے دیدینا۔" (بخاری و مسلم)

لغوی تحقیق: لایتمنین : تمنی سے ماخوذ ہے، شروع میں لائے نہی ہے اور آخر میں نون ثقیلہ مفید برائے تاکید ہے، یعنی موت کی تمنا قطعاً نہ کرے۔

تشریح: اس حدیث میں اس ممانعت کی علت مذکور نہیں تاہم حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث میں اس کی علت بھی مذکور ہے، یعنی مؤمن جب فوت ہو جاتا ہے، تو اس کے نیک اعمال کا سلسلہ منقطع ہو جاتا ہے۔ جبکہ زندگی مؤمن کی بھلائیوں میں اضافہ کرتی ہے اور گناہوں سے توبہ کرنے کے مواقع فراہم کرتی ہے۔ حضرت سعد بن عبید رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث میں ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: "تم میں سے کوئی شخص بھی موت کی آرزو مت کرے، کیونکہ اگر وہ نیک ہے تو پھر وہ یقیناً اپنی نیکیوں میں اضافہ کر لے گا اور اگر گناہ گار ہے تو توبہ کر لے گا۔"

ان احادیث سے یہ واضح ہوا کہ زندگی مؤمن کے لیے اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک ایسا انمول تحفہ ہے جو اس کی نیکیوں میں اضافہ کرتا

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ہے اور گناہوں کی سیاہی کو توبہ کے ریزر سے صاف کر دیتا ہے، لہٰذا مسلمانوں کو چاہیے کہ وہ مصائب و آلام کا صبر و استقلال سے سامنا کریں اوران کے سامنے کبھی بھی ہتھیار نہ ڈالیں، البتہ اللہ تعالیٰ سے ملاقات کا شوق ضرور رکھیں نیز اس ذات کی ملاقات کی مناسبت سے معقول تیاری بھی کریں۔

فقہی احکام: (۱) مرنے کی دعا کرنا درست نہیں۔ (۲) مصائب و آلام کا صبر و استقلال سے سامنا کرنا ضروری ہے۔

(۳) زندگی کی نعمت سے فائدہ اٹھاتے ہوئے نیکیوں میں اضافہ اور گناہوں سے برأت ضروری ہے۔

۵۳۰: وَعَنْ بُرَيْدَةَ رضی اللہ عنہ عَنِ النَّبِيِّ صلی اللہ علیہ وسلم قَالَ " اَلْمُؤْمِنُ يَمُوتُ بِعَرَقِ الْجَبِينِ " رَوَاهُ الثَّلَاثَةُ وَصَحَّحَهُ ابْنُ حِبَّانَ.

الترمذی: ۹۹۳، النسائی: ۶/۴، ابن ماجۃ: ۱۴۵۲، ابن حبان: ۳۰۱۱، الحاکم: ۱/ ۵۱۴، احمد: ۵/ ۳۵۷، الحلیۃ: ۵/ ۱۸۶، المطالب العالیۃ: ۸۰۴، المعجم الاوسط: ۱۵۳۰، اتحاف الخیرۃ: ۲۵۱۸

۵۳۰: حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: " مؤمن کی روح قبض ہوتے وقت اس کی پیشانی پر پسینہ نمودار ہوتا ہے۔" اسے تینوں نے روایت کیا ہے اور ابن حبان نے صحیح کہا ہے۔

لغوی تحقیق: عرق: عین اور راء مفتوح، وہ پانی جو جلد کے مساموں سے خارج ہوتا ہے یعنی پسینہ۔ الجبین: پیشانی۔

تشریح: موت کے وقت مؤمن کی پیشانی سے جو پسینہ نمودار ہوتا ہے، اس کے نمودار ہونے کے اسباب کسی صحیح مرفوع حدیث سے تو ثابت نہیں، البتہ حضرت واثلہ بن اسقع رضی اللہ عنہ سے مروی ضعیف حدیث میں یہ صراحت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: " ملک الموت کا مشاہدہ تلوار کے ہزار وار سے زیادہ تکلیف دہ ہوتا ہے۔" یہ روایت مکحول کے عنعنہ اور اسماعیل بن عیاش کے بصری شیخ سے روایت کرنے کی وجہ سے ضعیف ہے۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہما سے اس کا سبب موقوفاً منقول ہے، وہ فرماتے ہیں کہ مؤمن کی وہ خطائیں جو موت کے وقت تک موجود ہوتی ہیں، اللہ تعالیٰ اس کے اس پسینے کے ذریعے انہیں بہا دیتا ہے۔ اہل علم نے اس کی ایک اور علت بیان کی ہے کہ یہ پسینہ اس بات کا اشارہ دیتا ہے کہ اس نے طلب حلال، صوم و صلواۃ اور احکام شرعیہ کی ادائیگی میں نہایت مشقت کا مظاہرہ کیا تھا۔

زیر مطالعہ روایت کو اگرچہ امام ابن حبان نے صحیح کہا ہے اور امام حاکم نے اسے صحیحین کی شرط کے مطابق صحیح قرار دیا ہے اور امام ذہبی نے امام حاکم کے قول پر مہر تصدیق ثبت کی ہے، تاہم یہ روایت فی نفسہٖ ضعیف ہے، کیونکہ قتادہ نے یہ روایت عبداللہ بن بریدہ سے معنعن نقل کی ہے اور وہ معروف مدلس ہیں، نیز عبداللہ بن بریدہ سے ان کا سماع ثابت نہیں۔ البتہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہما سے بھی انہیں الفاظ کے ساتھ مرفوع حدیث صحیح سند سے مروی ہے۔

۵۳۱۔۵۳۲: وَعَنْ أَبِي سَعِيدٍ وَأَبِي هُرَيْرَةَ رضی اللہ عنہما قَالَا، قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صلی اللہ علیہ وسلم " لَقِّنُوا مَوْتَاكُمْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ " رَوَاهُ مُسْلِمٌ, وَالْأَرْبَعَةُ.

مسلم، کتاب الجنائز، باب تلقین الموتی لاالہ الااللہ: ۹۱۶، ۹۱۷، ابوداود: ۳۱۱۷، ابن ماجۃ: ۱۴۴۴، ۱۴۴۸، احمد: ۳/۳، النسائی: ۴/ ۵، البیہقی: ۳/ ۳۸۳، مجمع البحرین: ۲/ ۳۷۱، الحاکم: ۱/ ۵۰۲، الطبرانی: ۳۹۰، ۱۳۰۲۴، البخاری: ۱۳۵۶، ابن حبان: ۳۰۰۳، ۳۰۰۴، ترمذی: ۹۸۹

۵۳۱۔۵۳۲: حضرت ابوسعید اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہما نے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: " قریب المرگ آدمی کو؛ لاالہ الااللہ؛

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

کی تلقین کرو۔" اسے مسلم اور چاروں نے روایت کیا ہے۔

لغوی تحقیق: لقنوا: تلقین سے فعل امر ہے یعنی یاد دہانی کراؤ۔ موتی: میت کی جمع، یہاں اس سے مراد حقیقی مردے نہیں بلکہ قریب المرگ مریض ہیں۔

تشریح: اس مفہوم کے ساتھ یہ حدیث متعدد صحابہ سے مرفوعا منقول ہے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ ہی سے مروی ایک دوسرے طریق میں مزید الفاظ بھی ہیں کہ "جس نے مرنے سے قبل آخری نطق لا الہ الا اللہ کی صورت میں کیا وہ یقیناً جنت میں داخل ہو گیا اگرچہ اس نے اس سے پہلے کچھ بھی کیا ہو۔" انہیں سے مروی ایک دوسری روایت میں ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: "اپنے قریب المرگ مریضوں کو لا الہ الا اللہ کی تلقین کرو۔" نیز "الثبات" الثبات، الثبات و لا قوۃ الا باللہ" بھی کہو مگر یہ روایت سعید بن سلام کی وجہ سے سخت ضعیف ہے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی حدیث میں موتاکم کی بجائے **ھلکاکم** کے الفاظ مذکور ہیں۔

حضرت معاذ رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث میں ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: "جس نے موت سے قبل آخری کلام **لا الہ الا اللہ** کیا، وہ جنت میں داخل ہو گیا۔"

ان احادیث سے واضح ہوا کہ قریب المرگ مریض کے پاس بیٹھ کر لا الہ الا اللہ پڑھنا چاہیے۔ اب رہا یہ سوال کہ صرف یہی الفاظ ہی کہنے ہیں یا **محمد رسول اللہ** بھی کہنا چاہیے۔ صاحب سبل السلام کا کہنا ہے کہ **محمد رسول اللہ** ﷺ بھی کہنا چاہیے۔ کیونکہ اس کا ایک جز دوسرے جز کے بغیر مفید نہیں، ان کے اس مؤقف کو حضرت صفوان بن عسال رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث سے بھی تقویت ملتی ہے وہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ ایک یہودی لڑکے کی تیمارداری کے لیے تشریف لے گئے اور آپ ﷺ نے اسے فرمایا: "کیا تو اس بات کی شہادت دیتا ہے کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں۔" اس نے کہا، جی ہاں، آپ ﷺ نے فرمایا: "کیا تو اس بات کی شہادت دیتا ہے کہ محمد اللہ کے رسول ہیں۔" اس نے کہا، جی ہاں، یہ روایت مسیّب بن واضح کی وجہ سے ضعیف ہے مگر اس کی اصل صحیح بخاری میں ہے۔

فقہی احکام: (۱) قریب المرگ شخص اگر مکمل ہوش میں نہ ہو تو پھر اس کے قریب بیٹھ کر مکمل کلمہ وقفے وقفے سے پڑھنا چاہیے۔ (۲) اگر وہ ہوش میں ہو تو پھر اسے کلمہ پڑھنے کی ترغیب دی جائے۔ (۳) آخری وقت میں کلمہ پڑھنا نہایت مفید ہے۔

۵۳۳: وَعَنْ مَعْقِلِ بْنِ يَسَارٍ رضی اللہ عنہ أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ قَالَ " اقْرَؤُوا عَلَى مَوْتَاكُمْ يس " رَوَاهُ أَبُو دَاوُدَ، وَالنَّسَائِيُّ، وَصَحَّحَهُ ابْنُ حِبَّانَ

ابو داود، کتاب الجنائز، باب القرأۃ عند المیت: ۳۱۲۱، ابن ماجۃ: ۱۴۴۸، عمل الیوم و اللیلۃ للنسائی: ۱۰۷۴، احمد: ۲۶/۵، ابن حبان: ۳۰۰۲، البیھقی: ۲۸۳/۳، الحاکم: ۵۶۵/۱، الطیالسی: ۹۳۱، الطبرانی: ۵۱۱/۲۰، الفردوس: ۲۰۹۹، بیان الوھم والایھام: ۲۲۸۸

۵۳۳: حضرت معقل بن یسار رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: "اپنے قریب المرگ لوگوں کے پاس سورۃ یٰسین پڑھا کرو۔" اسے ابوداؤد اور نسائی نے روایت کیا ہے اور ابن حبان نے صحیح کہا ہے۔

تشریح: یہ روایت ابو عثمان کے مجہول ہونے کی وجہ سے ضعیف ہے، کیونکہ حضرت عبداللہ بن مبارک نے اس روایت کو باسند روایت کرتے ہوئے یہ صراحت فرمائی ہے کہ اس سند میں مذکور ابوعثمان سے مراد ابوعثمان نھدی نہیں ہے۔ حضرت العلام حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ اس روایت پر تبصرہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں **اعلہ ابن القطان بالاضطراب وبالوقف و بجھالۃ حال ابی عثمان وابیہ**

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

(التلخيص الحبیر : ۲/۱۰۴)

امام ابن قطان نے اس روایت کے ضعیف ہونے کے تین اسباب نقل کئے ہیں۔(۱) یہ روایت مضطرب ہے۔(۲) موقوف ہے۔ (۳) ابوعثمان اور اس کا والد دونوں مجہول ہیں۔امام بوصیری حنفی نے بھی اس روایت کو ضعیف قرار دیا ہے۔(اتحاف الخیر :۶/۱ ۳۰)

اس کی مؤید روایت حضرت ابودرداء رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، وہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:" جس قریب المرگ مریض کے پاس سورۃ یٰسین پڑھی جائے گی، اللہ تعالیٰ اس پر آسانی فرمائے گا۔"متن حدیث درج ذیل ہے۔

عن ابی الدرداء قال قال رسول اللہ ﷺ مامن میت یموت فیقرأ عندہ یٰسن الاھون اللہ علیہ (اتحاف الخیرہ ، کتاب الجنائز ، باب ماجاء فی حرارۃ المومن)

حارث نے اس روایت کو ضعیف سند سے بیان کیا ہے کیونکہ اس روایت کا ایک روای مروان بن سالم جزری ضعیف ہے۔

یہی روایت ایک دوسرے طریق سے اس طرح منقول ہے عن ابی الدرداء و ابی ذر قالا قال رسول اللہ ﷺ ما من میت یموت فیقرء عندہ یٰسن الاھون اللہ عزوجل (الفردوس: ۶۰۹۹) یعنی جس قریب المرگ مریض کے پاس سورۃ یٰسین پڑھی جائے اللہ تعالیٰ اس کے لیے آسانی فرمادیتے ہیں۔

اس روایت کا مرکزی روای بھی مروان بن سالم الجزری ہے۔قال احمد، منکر الحدیث . قال ابوعروبۃ الحرانی ،یضع الحدیث . قال النسائی ، متروک الحدیث . (میزان الاعتدال :۶/۳۹۸)

درج بالا جرح سے یہ معلوم ہوا کہ یہ روایت صرف ضعیف نہیں بلکہ سخت ترین ضعیف ہے کیونکہ امام نسائی اور امام عروبہ نے اس کے لیے نہایت سخت الفاظ استعمال کیے ہیں۔ابوعروبہ نے تو یہاں تک کہا ہے کہ یہ شخص جھوٹی روایات گھڑ لیتا تھا۔اس کی مؤید روایت حضرت ابوامامہ اور حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہما سے بھی منقول ہے۔

عن ابی امامۃ عن ابی بن کعب قال قال رسول اللہ ﷺ من قرأ یٰسن یریدبھا وجہ اللہ غفرلہ و من قرأیٰسن فکانما قرأ القرآن اثنتی عشرۃ مرۃ و من قرأ یٰسن وھو فی سکرات الموت جاءہ رضوان خازن الجنۃ بشربۃ من شراب الجنۃ حتی یسقیہ وھو علیٰ فراشہ حتی یموت ریان و یبعث ریان (اتحاف الخیرۃ: ۶/۳۰۱، المطالب العالیہ: ۳۷۰۲)

حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے بیان فرمایا:"جس شخص نے اللہ تعالیٰ کی رضا کی خاطر سورۃ یٰسین پڑھی اسے بخش دیا جائے گا اور جس شخص نے ایک دفعہ یٰسین پڑھی اس نے گویا بارہ دفعہ قرآن حکیم پڑھا اور جس نے موت کے سکرات میں یٰسین تلاوت کی اس کے پاس جنت کا دربان جنت کے مشروبات میں سے شربت لائے گا اور اسے پلا دے گا، اگر وہ اسی بیماری میں فوت ہوگیا تو وہ سیرابی کی حالت میں فوت ہوگا اور سیرابی کی حالت میں قیامت کے روز اٹھایا جائے گا۔یہ روایت ہارون بن کثیر نامی راوی کی وجہ سے ضعیف ہے۔

اس کا مؤید اثر حضرت صفوان رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔حدثناعبداللہ حدثنی ابی حدثناابو المغیرۃ حدثناصفوان حدثنی المشیخۃ انھم حضروا غضیف بن الحارث الثمالی حین اشتد سوقہ فقال ھل منکم احد یقرء یٰسن ؟ فقرأھاصالح بن شریح السکونی فلما بلغ اربعین منھا قبض قال فکان المشیخۃ یقولون اذا قرأت عند المیت

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

خفف عنه قال صفوان و قرأها عیسی بن المعتمر عند ابن معبد(مسند احمد: ۱۰۵/۴ ، رقم الحدیث ۱۶۹۶۶)

صفوان کہتے ہیں کہ مجھے بزرگوں نے بتایا کہ وہ حضرت غضیف بن حارث ثمالی کی تیمارداری کے لیے گئے تو اس وقت ان پر موت کے سخت دورے پڑ رہے تھے۔انہوں نے کہا تم میں سے کوئی ایک سورۃ یٰسین پڑھ سکتا ہے؟ صالح بن شریح سکونی نے سورۃ یٰسین کی تلاوت شروع کی جب وہ سورۃ یٰسین کی چالیس آیات پڑھ چکے تو ان کی روح پرواز کر گئی، بزرگ فرماتے ہیں کہ جس قریب المرگ مریض کے پاس سورۃ یٰسین پڑھی جائے اس کے لیے آسانی پیدا کر دی جاتی ہے،صفوان کہتے ہیں،عیسیٰ بن معتمر نے ابن معبد کے پاس سورۃ یٰسین تلاوت کی تھی۔حضرت احمد بن حنبل کے لخت جگر محترم عبداللہ بن احمد سے لے کر صفوان تک جملہ رواۃ ثقہ ہیں۔لیکن صفوان یہ روایت جن بزرگوں سے نقل کرتے ہیں ان میں سے صرف اس بزرگ کا حال معلوم ہے جس نے سورۃ یٰسین تلاوت کی تھی۔روایت کے سیاق سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ شخص ان تمام بزرگوں میں زیادہ اہم ہوگا۔لہٰذا ہم اسی کے بارے میں معلوم کرتے ہیں کہ ان کی استنادی حیثیت کیسی ہے؟۔

امام ابوحاتم فرماتے ہیں،

صالح بن شريح كاتب عبدالله بن قرط و كان عبدالله بن قرط اميرا، لابی عبيدة بن الجراح على حمص، روى عن ابى عبيدة بن الجراح والنعمان بن رازية، روى عنه عيسىٰ بن ادريس بن ابى رزين و ابنه محمد بن صالح سمعت ابى يقول ذالك قال ابو محمد روىٰ عن غضيف بن الحارث و روى عنه محمد بن زياد الالهانى. حدثناعبدالرحمن قال سألت اباززعة عنه فقال مجهول . (الجرح و التعديل: ۴۰۵/۴)

صالح بن شریح عبداللہ بن قرط کے منشی تھے جبکہ عبداللہ بن قرط حضرت ابوعبیدہ بن الجراح رضی اللہ عنہ کی طرف سے حمص کے حاکم تھے، یہ حضرت ابوعبیدہ بن الجراح اور نعمان بن رازیہ رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں جبکہ اس سے عیسیٰ بن ادریس بن ابی رزین اور اس کا بیٹا محمد روایت کرتا ہے۔امام ابوحاتم کے لخت جگر عبدالرحمٰن کہتے ہیں، میں نے ان کے بارے میں یہ باتیں اپنے والد صاحب سے سنی ہیں۔ابو محمد کہتے ہیں کہ صالح،غضیف بن حارث سے روایت کرتے ہیں اور ان سے محمد بن زیاد الھانی نقل کرتے ہیں۔عبدالرحمٰن کہتے ہیں کہ میں نے امام ابوزرعہ رازی سے ان کے بارے میں دریافت کیا تو انہوں نے فرمایا کہ وہ مجہول ہے۔

غور فرمائیں،جب اس واقعہ کے رواۃ میں سب سے زیادہ قابل شخص مجہول تو باقی حضرات کا کیا حال ہوگا؟۔

اس طرح کی ایک روایت حضرت علی رضی اللہ عنہ سے منقول ہے۔

عن على قال لى رسول الله ﷺ ، يا على! اقرأ يٰسن فان فى يٰسن عشر بركات ماقرأها جائع الاشبع، ولاظمآن الاروى ، ولا عار الااكتسى ، ولاعزب الاتزوج ، ولاخائف الاامن ، ولامسجون الاخرج، ولامسافر الااعين على سفره ، ولامن ضلت ضلالته الاوجدها ولامريض الابرئ، ولاقرئت عندميت الا خففت عنه .

(المطالب العاليه ، كتاب التفسير ، باب سورة يٰسن)

حضرت علی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے مجھے فرمایا:"اے علی! سورۃ یٰسین کی تلاوت کریں کیونکہ اس میں دس برکات ہیں، بھوکا اس کے پڑھنے سے سیر اور تشنہ سیراب ہو جائے گا، برہنہ ملبوس ہو جائے گا، غیر شادی شدہ، شادی شدہ بن جائے گا،مرعوب، محفوظ اور قیدی رہا ہو جائے گا،مسافر کی اس کے سفر میں اعانت کی جائے گی،گمشدہ چیز اس کے مالک کو مل جائے گی، مریض تندرست اور میت کے لیے آسانی پیدا کر دی جائے گی۔"

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے اسی سند سے ایک روایت کتاب الطہارۃ میں نقل کی ہے، وہاں وہ فرماتے ہیں، ھذا حدیث ضعیف جداً: یہ روایت سخت ضعیف ہے۔اس روایت کے سخت ضعیف ہونے کی درج ذیل علتیں ہیں،

حارث یہ روایت عبدالرحیم بن واقد سے نقل کرتے ہیں، امام ذہبی فرماتے ہیں، شیخ خراسانی حدث عنده الحارث بن ابی اسامه ......قال الخطیب فی حدیثه مناکیر لانھاعن ضعفاء و مجاھیل (میزان الاعتدال: ۴/۳۳۹) امام ذہبی فرماتے ہیں، حارث بن ابی اسامہ اس کی مرویات نقل کرتے ہیں، علامہ خطیب فرماتے ہیں، اس کی روایات میں مناکیر ہیں، کیونکہ یہ ضعفاء اور مجہول حضرات سے روایات نقل کرتا ہے۔

عبدالرحیم یہ روایت حماد بن عمرو سے نقل کرتا ہے، استاد شاگرد سے بھی زیادہ مجروح ہے، جوزجانی اسے کذاب کہتے ہیں، ابن حبان فرماتے ہیں، یہ خودساختہ روایات بیان کرتا تھا، امام بخاری اسے منکرالحدیث کہتے ہیں اورامام نسائی فرماتے ہیں، یہ متروک الحدیث ہے۔ (میزان الاعتدال: ۲/۳۶۸)

محمد بن علی کی اپنے دادا حضرت حسین رضی اللہ عنہ سے ملاقات نہیں ہے اور اس طرح یہ روایت منقطع بھی ہے۔

حفص بن غیاث عن المجالد عن الشعبی قال کانت الانصار یقرؤون عند المیت بسورة البقرة (ابن ابی شیبة، کتاب الجنائز ، باب مایقال عندالمریض اذا حضر: ۳/۱۲۳)

امام شعبی کہتے ہیں کہ انصار میت کے پاس سورۃ بقرۃ کی تلاوت کرتے تھے۔ یہ روایت مجالد بن سعید کی وجہ سے ضعیف ہے۔

قال الذهبی روی عن قیس بن ابی حازم و الشعبی ......قال ابن معین وغیره لا یحتج به ، قال النسائی لیس بالقوی ، قال الدارقطنی ضعیف وقال البخاری ، کان یحیٰ بن سعید یضعفه و کان ابن مهدی لایروی عنه.
(میزان الاعتدال: ۶/۲۳)

امام ذہبی فرماتے ہیں کہ مجالد، قیس بن ابی حازم اور شعبی سے روایت نقل کرتا ہے، امام یحیٰ بن معین کہتے ہیں، اس کی مرویات کو بطور حجت اختیار نہ کیا جائے، امام نسائی فرماتے ہیں، یہ قوی نہیں، امام دارقطنی فرماتے ہیں، یہ ضعیف ہے، امام بخاری فرماتے ہیں کہ یحیٰ بن سعید اسے ضعیف قرار دیتے تھے، امام عبدالرحمٰن بن مھدی اس کی مرویات نہیں لیتے تھے۔

مختصر یہ ہے کہ اس روایت کے جمیع طرق ضعیف ہیں جبکہ قریب المرگ مریض کے پاس لاالہ الااللہ پڑھنے کا حکم صحیح حدیث سے ثابت ہے لہٰذا بہتر یہی ہے کہ قریب المرگ مریض کے پاس لاالہ الااللہ ہی کثرت سے پڑھتے رہنا چاہیے۔

۵۳۴:وَعَنْ أُمِّ سَلَمَةَ رضی اللہ عنہا قَالَتْ دَخَلَ رَسُولُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم عَلَى أَبِي سَلَمَةَ رضی اللہ عنہ وَقَدْ شُقَّ بَصَرُهُ فَأَغْمَضَهُ ,ثُمَّ قَالَ "إِنَّ الرُّوحَ إِذَا قُبِضَ ,اتَّبَعَهُ الْبَصَرُ " فَضَجَّ نَاسٌ مِنْ أَهْلِهِ ,فَقَالَ "لَا تَدْعُوا عَلَى أَنْفُسِكُمْ إِلَّا بِخَيْرٍ .فَإِنَّ الْمَلَائِكَةَ تُؤَمِّنُ عَلَى مَا تَقُولُونَ " ثُمَّ قَالَ "اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لِأَبِي سَلَمَةَ ,وَارْفَعْ دَرَجَتَهُ فِي الْمَهْدِيِّينَ ,وَافْسَحْ لَهُ فِي قَبْرِهِ ,وَنَوِّرْ لَهُ فِيهِ , وَاخْلُفْهُ فِي عَقِبِهِ "رَوَاهُ مُسْلِمٌ.

مسلم،کتاب الجنائز،باب فی اغماض المیت والدعاء له اذا حضر: ۹۲۰،ابوداود:۳۱۱۸،ابن ماجة:۱۴۵۴،احمد: ۶/۲۹۷، البیهقی: ۳/۳۸۴

۵۳۴: حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ابوسلمہ کی موت کے وقت تشریف لائے ،اس وقت ان کی آنکھ کھلی ہوئی تھی،

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

آپ ﷺ نے اسے بند کر دیا، پھر فرمایا: "جب روح قبض کر لی جاتی ہے تو آنکھ اس کا پیچھا کرتی ہے۔" ادھر اہل خانہ آہ و بکا کرنے لگے، تو آپ ﷺ نے فرمایا: "اپنے لیے بہتر دعا کیا کرو کیونکہ تم جو کچھ کہتے ہو، فرشتے اس پر آمین کہتے ہیں۔" پھر آپ ﷺ نے فرمایا: "اے اللہ! ابو سلمہ کی مغفرت فرما دے، اس کا درجہ ہدایت یافتہ لوگوں میں بلند کر دے، اس کی قبر کشادہ اور منور فرما دے اور اس کے لواحقین کے لیے اس کی نیابت فرما۔" (مسلم)

لغوی تحقیق: ضج: چیخ چیخ کر رونا۔ عقبه: عین مفتوح اور کاف مکسور، اس کے لواحقین۔

تشریح: اس حدیث میں درج ذیل باتیں ثابت ہوئیں۔

(۱) مرنے والے کی آنکھیں روح کا پیچھا کرتی ہیں۔ (۲) لواحقین کو چاہیے کہ آنکھیں فوراً بند کر دیں۔ (۳) آہ بکاہ کرنے سے اجتناب کرنا لازم ہے البتہ آنسوں بہانا مسنون ہے۔ (۴) میت کے لیے کلمات خیر کہے جائیں۔ (۵) فرشتے ہماری دعاؤں پر آمین کہتے ہیں۔ (۶) میت کو غسل دینے سے قبل میت کے لیے انفرادی طور پر دعائے مغفرت کرنا مسنون ہے۔

۵۳۵: وَعَنْ عَائِشَةَ رضي الله عنها أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ حِينَ تُوُفِّيَ سُجِّيَ بِبُرْدٍ حِبَرَةٍ . مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ.

البخاری، کتاب اللباس، باب البرود و الحبر و الشملة: ۵۸۱۴، مسلم: ۹۴۲، ابوداود: ۳۱۲۰، البیهقی: ۳۸۵/۳

۵۳۵: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ کا جب انتقال ہوا تو آپ ﷺ کو ایک دھاری دار چادر سے ڈھانپ دیا گیا۔ (بخاری و مسلم)

لغوی تحقیق: سجی: سین مضموم اور جیم مشدد مکسور، یہ باب تفعیل سے فعل ماضی مجہول ہے، یعنی ڈھانپ دیا گیا۔ برد: باء مضموم اور راء ساکن، دھاری دار چادر جو کپڑوں پر پہنی جاتی ہے۔ حبرة: حاء کو مفتوح اور مکسور ہر دو طرح سے پڑھنا درست ہے۔ دھاری دار بڑی چادر جسے خواتین گھر سے باہر نکلتے وقت اوڑھتی ہیں۔

تشریح: اس حدیث سے عقیدہ حیاۃ النبی کا رد ہوتا ہے۔ یعنی حضرت عائشہ یا صحابہ رضی اللہ عنہم نے نبی اکرم ﷺ کے جسد خاکی کو چادر سے ڈھانپ کر آپ ﷺ کی موت کی تصدیق کر دی۔ قرآنی آیات سے بھی آپ ﷺ کی موت کے اشارے ملتے ہیں۔ ان واضح نصوص کی موجودگی میں یہ کہنا کہ آپ ﷺ پر موت واقع نہیں ہوئی، کتاب سنت کی صریح خلاف ورزی ہے۔

فقہی احکام: میت کو تجہیز و تکفین سے پہلے ایک بڑی چادر سے ڈھانپ دینا چاہیے۔

۵۳۶: وَعَنْهَا أَنَّ أَبَا بَكْرٍ الصِّدِّيقَ رضي الله عنه قَبَّلَ النَّبِيَّ ﷺ بَعْدَ مَوْتِهِ . رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ.

البخاری، کتاب الطب، باب اللدود: ۵۷۰۹، النسائی: ۱۱/۴، ابن ماجة: ۱۶۲۷، احمد: ۳۱/۶

۵۳۶: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے نبی کریم ﷺ کی وفات کے بعد ان کا بوسہ لیا۔ (بخاری)

لغوی تحقیق: قبل: قاف مفتوح اور باء مشدد مفتوح، بوسہ لیا۔

تشریح: زیر مطالعہ حدیث حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے متعدد طرق سے منقول ہے، ابن ماجہ میں مروی روایت میں ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے آپ ﷺ کے آنکھوں کے درمیانی حصہ کا بوسہ لیا، مسند احمد میں ہے کہ انہوں نے اپنے دونوں ہاتھ آپ ﷺ کی کنپٹیوں پر رکھے اور منہ آپ ﷺ کی دونوں آنکھوں کے درمیان رکھا، حضرت عامر بن ربیعہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آپ ﷺ نے حضرت عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ کی وفات کے بعد ان کا بوسہ لیا تھا، لیکن یہ روایت عبداللہ بن عمر العمری کی وجہ سے ضعیف ہے۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

فقہی احکام: (۱) آپ ﷺ فوت ہو چکے ہیں۔(۲) میت کا بوسہ لیا جا سکتا ہے۔(۳) پیشانی کا بوسہ لینا درست ہے۔

۵۳۷: وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضی اللہ عنہ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ " نَفْسُ الْمُؤْمِنِ مُعَلَّقَةٌ بِدَيْنِهِ , حَتَّى يُقْضَى عَنْهُ " رَوَاهُ أَحْمَدُ , وَالتِّرْمِذِيُّ وَحَسَّنَهُ .

الترمذی، ابواب الجنائز، باب ماجاء ان نفس المؤمن...... : ۱۰۹۰، احمد: ۴۴۰/۲، الدارمی: ۲۶۳/۲، ابن ماجة: ۲۴۱۳، ۲۴۱۴، الحاکم: ۳۲/۲، البیهقی: ۴۹/۶، البخاری: ۲۲۸۹ ، ۶۷۳۱، المعجم الاوسط: ۳۴۹۳، مسلم: ۱۵۰۲/۳، ابن حبان: ۳۰۵۹-۳۰۶۱

۵۳۷: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:" مؤمن کی روح مقروض ہونے کی وجہ سے اس وقت تک معلق (لٹکی) رہتی ہے، جب تک اس کی طرف سے قرض ادا نہ کر دیا جائے۔" (اسے احمد نے بیان کیا اور ترمذی نے حسن کہا ہے)۔

لغوی تحقیق: دین: دال مفتوح اور یاء ساکن، قرض۔ یقضی: یاء مضموم، قاف ساکن اور ضاد مقصور (قرض) ادا کر دیا جائے۔

تشریح: قرض کا تعلق حقوق العباد سے ہے، حقوق العباد اس وقت تک معاف نہیں ہوتے، جب تک حق سلب کرنے والا یا اس کی طرف سے کوئی دوسرا، متاثرہ شخص کو ادا نہ کر دے، یا متاثرہ شخص معاف نہ کر دے۔ رحمت عالم ﷺ کو جب کسی شخص کی نماز جنازہ پڑھانے کی دعوت دی جاتی، تو آپ ﷺ اس کے بارے میں سب سے پہلے یہ سوال کرتے، یہ شخص کہیں مقروض تو نہیں؟ اگر جواب اثبات میں ہوتا تو آپ ﷺ اس کی نماز جنازہ پڑھانے سے انکار فرما دیتے۔ جیسا کہ حضرت سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، وہ فرماتے ہیں کہ ہم رسالت مآب ﷺ کی خدمت میں حاضر تھے، اسی دوران ایک جنازہ لایا گیا اور رحمت عالم ﷺ کو جنازہ پڑھانے کی دعوت دی گئی تو آپ ﷺ نے فرمایا:" کیا اس کے ذمہ قرض ہے؟" صحابہ نے عرض کیا، جی ہاں، تین دینار ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا:" کیا اس نے کوئی ترکہ چھوڑا ہے؟" عرض کیا گیا نہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا:" تم ہی اپنے ساتھی کی نماز جنازہ پڑھ لو۔" یہ سن کر حضرت ابوقتادہ رضی اللہ عنہ نے عرض کیا، یا رسول اللہ! آپ ﷺ نماز جنازہ پڑھائیں، اس کا قرض میرے ذمہ ہے۔ چنانچہ آپ ﷺ نے اس کی نماز جنازہ پڑھا دی۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ آپ ﷺ کو ایک شخص کی نماز جنازہ پڑھانے کی دعوت دی گئی تو آپ ﷺ نے دریافت فرمایا:" کیا تمہارے اس ساتھی کے ذمہ قرض ہے؟" انہوں نے عرض کیا، یا رسول اللہ ﷺ! اس پر دو دینار قرض ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا:" آپ اپنے ساتھی کی نماز پڑھو۔" میت کے عزیزوں میں سے کسی ایک شخص نے کہا، یا رسول اللہ ﷺ! اس کا قرض میں اپنے ذمہ لیتا ہوں۔ آپ ﷺ نے فرمایا:" اب میت اس سے بری الذمہ ہے اور اس کی ادائیگی آپ پر لازم ہے۔" چند دن بعد آپ ﷺ سے اس کی ملاقات ہوئی تو آپ ﷺ نے اس سے پوچھا،" کیا تم اپنی اس ذمہ داری سے عہدہ برا ہو چکے ہو؟" اس نے عرض کیا، تا حال نہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا:" اپنے ساتھی کو ٹھنڈک پہنچائیں۔" اس نے اس کے بعد فوراً قرض ادا کر دیا اور آپ ﷺ سے ملاقات کر کے عرض کیا، اللہ کے رسول! میں نے اس کا قرض ادا کر دیا ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا:" اب تو نے اپنے ساتھی کو ٹھنڈک پہنچائی ہے۔"

مقروض میت کے ساتھ آپ ﷺ کا یہ معاملہ اس وقت تک رہا، جب تک تنگ دستی تھی اور جب اللہ تعالیٰ نے وسعت پیدا فرمائی، تو آپ ﷺ مقروض میت کا قرض خود ادا فرمانے لگے۔ جیسا کہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے منقول ہے، وہ فرماتے ہیں کہ جب فتوحات کا

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

سلسلہ شروع ہو گیا تو آپ ﷺ نے یہ اعلان فرمادیا کہ "میں مؤمنوں کا ان کے عزیز و اقارب سے زیادہ حقدار ہوں، اب آئندہ جو بھی شخص مقروض فوت ہوگا اس کا قرض میں ادا کروں گا، جبکہ اس کا ترکہ اس کے ورثا باہم تقسیم کریں گے۔"

قرض کی ادائیگی ایک ایسا فریضہ ہے جو شہید سے بھی ساقط نہیں ہوتا، جیسا کہ فرمان نبوی ہے کہ "قرض کے علاوہ شہید کے تمام گناہ معاف کر دیے جاتے ہیں۔" قرض کی معافی تلافی اگر دنیا میں نہ کی گئی تو قیامت کے روز مقروض، قرض خواہ کو قرض کے بدلے اپنی نیکیاں دے گا، نیکیوں کی عدم موجودگی میں قرض خواہ کے گناہوں کا بوجھ اٹھائے گا۔

فقہی احکام: (۱) میت کے ذمہ اگر قرض ہے تو پھر اس کے ترکہ سے سب سے پہلے اس کا قرض ادا کیا جائے۔ (۲) اگر اس نے ترکہ نہیں چھوڑا یا قرض سے کم چھوڑا ہے تو پھر میت کے ورثا اس کا قرض ادا کریں۔ (۳) اگر ورثا مفلس ہوں تو پھر ریاست اس کا قرض ادا کرے۔

۵۳۸: وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رضی اللہ عنہما أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ قَالَ فِي الَّذِي سَقَطَ عَنْ رَاحِلَتِهِ فَمَاتَ " اغْسِلُوهُ بِمَاءٍ وَسِدْرٍ, وَكَفِّنُوهُ فِي ثَوْبَيْنِ " مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ.

البخاری، کتاب الجنائز، باب الحنوط للمیت: ۱۲۶۶، مسلم: ۱۲۰۶، ابوداود: ۳۲۳۸، الترمذی: ۹۵۱، النسائی: ۱۹۵/۵، ابن ماجة: ۳۰۸۴، احمد: ۳۳۳/۱، البیهقی: ۳۹۱/۳، الدارقطنی: ۲۹۶/۲، الدارمی: ۸۵۲، ابن حبان: ۳۹۵۷۔ ۳۹۶۰

۵۳۸: حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ اس صحابی کے بارے میں جو اپنی سواری سے گر کر شہید ہو گیا تھا فرمایا: "اسے پانی اور بیری کے پتوں سے غسل دو، اور اسے اس کے دو کپڑوں میں کفن دو۔" (بخاری و مسلم)

لغوی تحقیق: سدر: سین مکسور اور راء ساکن، بیری۔

تشریح: مؤلف رحمۃ اللہ علیہ نے رسول اللہ ﷺ کا یہ فرمان ایک مفصل روایت سے اخذ کر کے نقل کیا ہے، اس کی تفصیل اس طرح ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے ایک صحابی میدان عرفات میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ تھے، اس دوران وہ اپنے اونٹ سے گر پڑے جس کی وجہ سے ان کی گردن ٹوٹ گئی، جس پر آپ ﷺ نے فرمایا: "کہ انہیں بیری اور پانی کے ساتھ غسل دو اور انہیں (ان کی انہیں) دو چادروں میں کفن دو، انہیں خوشبو مت لگاؤ اور ان کا سر ننگا رہنے دو، (یہ خوش نصیب) قیامت کے روز تلبیہ کہتے ہوئے اٹھے گا۔"

فقہی احکام: (۱) میدان عرفات میں حاضری سواری پر بھی دی جا سکتی ہے۔ (۲) حالت احرام میں جو فوت ہو جائے اسے صرف دو چادروں میں کفن دیا جائے۔ (۳) میت کو پانی اور بیری کے پتوں سے غسل دینا مسنون ہے۔ (۴) اس کا سر ننگا رکھا جائے۔

۵۳۹: وَعَنْ عَائِشَةَ رضی اللہ عنہا قَالَتْ لَمَّا أَرَادُوا غَسْلَ النَّبِيِّ ﷺ قَالُوا وَاللَّهِ مَا نَدْرِي, نُجَرِّدُ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ كَمَا نُجَرِّدُ مَوْتَانَا, أَمْ لَا؟ اَلْحَدِيثَ، رَوَاهُ أَحْمَدُ, وَأَبُو دَاوُدَ.

ابوداود، کتاب الجنائز، باب ستر المیت عند غسله: ۳۱۴۱، احمد: ۲۶۰/۱، ۲۶۷/۶، ابن ماجة: ۱۴۶۴، الحاکم: ۶۱/۳، ابن حبان: ۶۶۲۷، ۶۶۲۸، البیهقی: ۳۸۷/۳، المنتقی لابن جارود: ۵۱۷

۵۳۹: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے بیان کیا کہ صحابہ کرام نے جب رسول اللہ ﷺ کو غسل دینے کا ارادہ فرمایا تو انہوں نے کہا، اللہ کی قسم! ہمیں معلوم نہیں کہ ہم رسول اللہ ﷺ کو کپڑوں سمیت غسل دیں یا پھر اسی طرح کپڑے اتار کر دیں جس طرح ہم اپنے مُردوں کو غسل دیتے ہیں؟ مختصراً۔ (احمد، ابوداود)

تشریح: صحابہ کرام اسی تذبذب میں تھے کہ اللہ تعالیٰ نے تمام حاضرین پر غنودگی کی کیفیت طاری فرمادی، اسی حالت میں گھر کے

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ایک کونے سے نامعلوم شخص کی آواز سنائی دی کہ رسول اللہ ﷺ کو کپڑوں ہی میں غسل دیا جائے۔ چنانچہ حضرت علی، حضرت عباس، حضرت فضل، حضرت قثم اور حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہم نے رسول اللہ ﷺ کو غسل دیا۔ حضرت عباس اوران کے صاحبزادے فضل اور قثم رضی اللہ عنہم آپ ﷺ کے پہلو تبدیل کرتے تھے، حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما آپ ﷺ پر پانی ڈالتے تھے جبکہ حضرت علی رضی اللہ عنہ قمیص کے اوپر سے جسد اطہر کو ملتے تھے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں، جو آواز بعد میں سنائی دی اگر پہلے سنائی دیتی تو پھر آپ ﷺ کی ازواج مطہرات ہی آپ ﷺ کو غسل دیتیں۔

فقہی احکام: (۱) بیوی بوقت ضرورت شوہر کو غسل دے سکتی ہے، اسی طرح شوہر بھی بیوی کو بوقت ضرورت غسل دے سکتا ہے۔ (۲) بیوی شوہر کا اور شوہر بیوی کا چہرہ دیکھنے کے مجاز ہیں۔ (۳) شوہر بیوی کی میت کو کندھا دے سکتا ہے اور قبر میں بھی اتار سکتا ہے۔

۵۴۰: وَعَنْ أُمِّ عَطِيَّةَ رضی اللہ عنہا قَالَتْ دَخَلَ عَلَيْنَا النَّبِيُّ ﷺ وَنَحْنُ نُغَسِّلُ ابْنَتَهُ، فَقَالَ "اغْسِلْنَهَا ثَلَاثًا ,أَوْ خَمْسًا ,أَوْ أَكْثَرَ مِنْ ذَلِكَ، إِنْ رَأَيْتُنَّ ذَلِكَ ,بِمَاءٍ وَسِدْرٍ ,وَاجْعَلْنَ فِي الْآخِرَةِ كَافُورًا ,أَوْ شَيْئًا مِنْ كَافُورٍ" فَلَمَّا فَرَغْنَا آذَنَّاهُ ,فَأَلْقَى إِلَيْنَا حِقْوَهُ فَقَالَ "أَشْعِرْنَهَا إِيَّاهُ" مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ وَفِي رِوَايَةٍ "ابْدَأْنَ بِمَيَامِنِهَا وَمَوَاضِعِ الْوُضُوءِ مِنْهَا" وَفِي لَفْظٍ لِلْبُخَارِيِّ، فَضَفَّرْنَا شَعْرَهَا ثَلَاثَةَ قُرُونٍ ,فَأَلْقَيْنَاهُ خَلْفَهَا.

البخاری، کتاب الجنائز، باب غسل المیت و وضوئه بالماء والسدر: ۱۲۵۳، باب یبدأ بمیامن المیت: ۱۲۵۵، باب یلقیٰ شعر المرأة خلفها: ۱۲۶۳، مسلم: ۳۶، ۴۳ / ۹۳۹، ابوداود: ۳۱۴۲، ۳۱۴۵، الترمذی: ۱۰۰۷، النسائی: ۳۱/۴، ابن ماجة: ۱۴۵۸، البیهقی: ۳۸۹/۳، احمد: ۸۴/۵

۵۴۰: حضرت ام عطیہ رضی اللہ عنہا نے بیان کیا کہ نبی کریم ﷺ ہمارے پاس اس وقت تشریف لائے، جب ہم آپ ﷺ کی لخت جگر کو غسل دے رہی تھیں، آپ ﷺ نے فرمایا: "اسے تین یا پانچ یا اس سے بھی زیادہ بار غسل دو، بشرطیکہ تم ضرورت محسوس کرو اور غسل پانی اور بیری کے پتوں سے دو، اور آخر میں کافور یا کافور سے بنی ہوئی کوئی چیز استعمال کرلو۔" جب ہم غسل دے کر فارغ ہوئیں تو ہم نے آپ ﷺ کا آگاہ فرمایا، چنانچہ آپ ﷺ نے وہ چادر بھیج دی جو آپ ﷺ بطور تہبند استعمال فرماتے تھے، آپ ﷺ نے فرمایا: "اس چادر کو اس کے جسم کے ساتھ لپیٹ دو۔" (البخاری و مسلم) ایک روایت میں ہے کہ "غسل کا آغاز دائیں طرف سے کرنا اور سب سے پہلے وضو کے اعضاء دھونا" بخاری کی ایک روایت کے الفاظ اس طرح ہیں کہ ہم نے اس کے سر کے بالوں کی تین مینڈھیاں بنا کر ان کی پشت پر ڈال دیا۔

لغوی تحقیق: حقوة: حاء کو مکسور اور مفتوح ہر دو طرح پڑھنا درست ہے جبکہ قاف ساکن ہے، وہ چادر جو بطور تہبند استعمال ہوتی ہو۔

اشعرنها: یہ **اشعار** سے ماخوذ ہے یعنی اس چادر کو بطور شعار استعمال کرو، شعار اس کپڑے کو کہتے ہیں جو جلد کے ساتھ مس کر رہا ہو۔

ابدأن: **بدأ** سے مشتق ہے یعنی آغاز کریں۔ **ضفرنها:** بالوں کی تین لڑیوں کو بٹ دے کر مینڈھی کی شکل دینا۔ **قرون:** قرن کی جمع ہے یہ لفظ متعدد معانی میں استعمال ہوتا ہے۔ مثلاً سینگ، سر کی ایک جانب، تلوار کی دھار، سورج کی ٹکی، پہاڑوں اور ٹیلوں کی چوٹی، لوبیا کی پھلی، ملائم پتھر، ایک صدی، یہاں اس سے مراد مینڈھی ہے۔

تشریح: یہ روایت ام عطیہ سے متعدد طرق سے مروی ہے، ایک طریق میں ہے کہ تین، پانچ، سات یا اس سے بھی زیادہ بار غسل دیں۔ ایک طریق میں ہے کہ طاق عدد میں غسل دیں، جبکہ عاصم احوال کے طریق سے مروی روایت میں آپ ﷺ کی اس صاحبزادی کا نام حضرت زینب رضی اللہ عنہا بنت رسول اللہ ﷺ مذکور ہے۔ مؤلف رحمۃ اللہ علیہ نے **فتح الباری** میں لکھا ہے کہ مشہور روایت کے مطابق حضرت

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

زینب رضی اللہ عنہا ہیں۔ اور بعض کا خیال ہے کہ اس سے مراد حضرت ام کلثوم رضی اللہ عنہا بنت رسول اللہ ﷺ ہیں۔

لیکن بلوغ المرام میں مؤلف رحمہ اللہ کی نقل کردہ روایت سے اگر چہ یہ واضح نہیں ہوتا کہ یہ آپ ﷺ کی کون سی صاحبزادی تھی، مگر اس سے یہ ضرور واضح ہوتا ہے کہ غسل کا آغاز دائیں جانب سے ہونا چاہیے اور سب سے پہلے اعضائے وضو کو دھونا چاہیے اور غسل کم از کم تین بار دیا جائے۔ بوقت ضرورت پانچ سے زیادہ بار بھی غسل دیا جا سکتا ہے۔ آخر میں جسم پر خالص کافور ملا جائے یا کافور کو پانی میں ڈال کر اس پانی سے آخری بار غسل دیا جائے۔

فقہی احکام: (۱) خاتون میت کو خواتین غسل دیں۔ (۲) غسل کم از کم تین بار دیا جائے۔ (۳) غسل کا آغاز دائیں جانب سے کیا جائے۔ (۴) سب سے پہلے اعضائے وضو دھوئے جائیں۔ (۵) عورتوں کے بالوں کی تین مینڈھیاں کر کے انہیں ان کی کمر پر ڈال دیا جائے۔ (۶) استعمال شدہ کپڑا اگر پاک ہو تو اس میں بھی میت کو کفنایا جا سکتا ہے۔

۵۴۱: وَعَنْ عَائِشَةَ رضی اللہ عنہا قَالَتْ كُفِّنَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ فِي ثَلَاثَةِ أَثْوَابٍ بِيضٍ سَحُولِيَّةٍ مِنْ كُرْسُفٍ، لَيْسَ فِيهَا قَمِيصٌ وَلَا عِمَامَةٌ. مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ.

البخاری، کتاب الجنائز، باب الثیاب البیض للکفن: ۱۲۶۴، مسلم: ۹۴۱، الترمذی: ۱۰۰۷، النسائی: ۴/ ۳۱، ابن ماجة: ۱۴۶۹، معرفة السنن والآثار: ۲۰۸۰، ابوداود: ۳۱۵۱، المعجم الاوسط للطبرانی: ۲۱۳۹، عبدالرزاق: ۶۱۶۸، ۶۱۷۰، احمد: ۱/ ۹۴، ۶/ ۲۳۲، ابن حبان: ۶۶۲۹، الطبرانی: ۱۲۱۴۶

۵۴۱: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ کو سحول قصبہ کے بنے ہوئے تین سفید سوتی کپڑوں میں کفن دیا گیا، ان تین کپڑوں میں قمیص اور پگڑی نہیں تھی۔

لغوی تحقیق: سحولية: سین اور حاء مضموم، سحول یمن کے ایک قصبہ کا نام ہے، اس قصبہ میں تیار ہونے والے کپڑے کو سحولية کہا جاتا تھا۔ کرسف: کاف مضموم، راء ساکن اور سین مضموم یعنی روئی۔

تشریح: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ایک طریق میں سحولية کی جگہ يمانية ذکر ہوا ہے۔ اس میں کوئی تعارض نہیں ہے، کیونکہ سحول یمن ہی کا قصبہ ہے۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی روایت میں بھی تین کپڑوں کا ذکر ہے، البتہ اس میں سحولية کی جگہ لفظ نجرانية اور انبجانية ہے نیز اس میں یہ بھی صراحت ہے کہ ان تین کپڑوں میں ایک وہ قمیص تھی جو آپ ﷺ نے وفات سے قبل زیب تن کر رکھی تھی اور دو چادریں تھیں، مگر یہ روایت یزید بن ابی زیاد کی وجہ سے ضعیف ہے۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی روایت میں بھی قمیص کا ذکر ہے، یہ روایت حمید الطّویل کے عنعنہ اور حماد بن سلمہ کے اختلاط کی وجہ سے ضعیف ہے۔ ابراہیم نخعی سے مروی مرسل روایت میں حلہ یمانیہ اور قمیص کا ذکر ہے، یہ روایت مرسل ہونے کی وجہ سے ضعیف ہے، حضرت حسن رضی اللہ عنہ سے مروی مرسل روایت میں دو چادروں اور ایک قمیص کا ذکر ہے۔ یہ روایت بھی مرسل ہونے کی وجہ سے ضعیف ہے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی روایت میں سات کپڑوں کا ذکر ہے۔ یہ روایت عبداللہ بن محمد بن عقیل کی یادداشت کمزور ہونے کی وجہ سے ضعیف ہے۔

فقہی احکام: (۱) مرد کو تین کپڑوں میں کفن دیا جائے۔ (۲) پگڑی نہ پہنائی جائے۔

۵۴۲: وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ رضی اللہ عنہما قَالَ لَمَّا تُوُفِّيَ عَبْدُ اللّٰهِ بْنِ أُبَيٍّ جَاءَ ابْنُهُ إِلَى رَسُولِ اللّٰهِ ﷺ فَقَالَ أَعْطِنِي قَمِيصَكَ أُكَفِّنْهُ فِيهِ، فَأَعْطَاهُ إِيَّاهُ. مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ.

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

البخاری، کتاب الجنائز، باب الکفن فی القمیص: ۱۲۶۹، ۱۲۷۰، کتاب الجهاد، باب الکسوة للاساری: ۳۰۰۸، مسلم: ۲۷۷۴، النسائی: ۳۶/۴، ابن ماجة: ۱۵۲۳، احمد: ۱۸/۲، البیهقی: ۶۷۸۷، معرفة السنن والآثار: ۲۰۸۳، فتح الباری: ۱۳۹/۳

۵۴۲: حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے بیان کیا کہ جب عبداللہ بن اُبی (علیہ ما علیہ) فوت ہوا تو اس کا بیٹا رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا (یا رسول اللہ ﷺ) مجھے اپنی قمیص عنایت فرما دیں تا کہ میں اسے اس میں کفن دے دوں، آپ ﷺ نے اپنی قمیص اسے عنایت فرما دی۔

تشریح: عبداللہ بن ابی ابن سلول رئیس المنافقین تھا جبکہ اس کا بیٹا عبداللہ بن عبداللہ راسخ العقیدہ مسلمان اور جانثار رسول تھا، رئیس المنافقین عبداللہ بن ابی ابن سلول علیہ ما علیہ جب فوت ہوا تو اس کے بیٹے عبداللہ بن عبداللہ نے رسول اللہ ﷺ سے درخواست کی کہ آپ ﷺ مجھے اپنی قمیص دیں تا کہ میں اسے اس میں کفن دوں، آپ ﷺ نے اسے قمیص عنایت فرما دی، پھر اس نے اس کی نماز جنازہ پڑھانے کی درخواست کی۔ آپ ﷺ جب نماز جنازہ پڑھانے کے لیے آگے بڑھے تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے آپ ﷺ کو اپنی طرف کھینچتے ہوئے عرض کیا، کیا اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو منافقین کی نماز جنازہ پڑھنے سے منع نہیں فرمایا؟ آپ ﷺ نے فرمایا: "مجھے منع نہیں فرمایا، بلکہ استغفار کرنے یا نہ کرنے کا اختیار دیا ہے۔" چنانچہ آپ ﷺ نے جب اس کی نماز جنازہ پڑھا دی تو پھر یہ حکم نازل ہوا "ان میں سے کوئی بھی مر جائے آپ ﷺ اس کی نماز جنازہ مت پڑھائیں؟"

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی روایت میں ہے کہ آپ ﷺ (قبرستان) اس وقت پہنچے جب عبداللہ بن ابی کو دفن کر دیا گیا تھا۔ آپ ﷺ نے اسے قبر سے نکلوایا، اس کے منہ میں اپنا لعاب دھن مبارک ڈالا اور اسے اپنی قمیص پہنائی۔ مذکورہ بالا دونوں روایات میں قمیص کے بارے میں بظاہر تعارض موجود ہے یعنی حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی روایت سے عیاں ہو رہا ہے کہ آپ ﷺ نے اس کی نماز جنازہ پڑھانے سے پہلے اپنی قمیص عبداللہ بن ابی کے بیٹے کو عنایت کر دی تھی جبکہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی روایت سے ظاہر ہو رہا ہے کہ آپ ﷺ نے اسے قبر سے نکلوا کر پھر قمیص پہنائی تھی۔

مؤلف رحمہ اللہ نے اس تعارض کو ختم کرنے کے لیے دو نہایت مناسب جواب دیئے ہیں۔ (۱) عبداللہ بن ابی کے رشتہ داروں نے رسول اللہ ﷺ کے قبرستان پہنچنے سے پہلے ہی اس کی تجہیز و تکفین اور تدفین کر دی ہو، لہٰذا آپ ﷺ نے اسے قبر سے نکلوا کر اسے اپنی قمیص پہنائی اور نماز جنازہ پڑھا۔ (۲) حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی روایت میں مذکور واؤ ترتیب کے لیے نہ ہو، بلکہ محض جمع کے لیے ہو۔ کتاب وسنت میں ایسی مثالیں متعدد ہیں۔

رسول اللہ ﷺ نے اپنی قمیص عبداللہ بن ابی کو کیوں پہنائی؟ اہل علم نے اس کی مختلف وجوہ نقل کی ہیں، ان میں سے ایک وجہ تو وہ ہے، جو حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی روایت میں ہے یعنی عبداللہ بن ابی کے بیٹے عبداللہ رضی اللہ عنہ کا شمار بدری صحابہ میں ہوتا تھا، بدری صحابہ کی اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے نزدیک بڑی اہمیت تھی۔ عبداللہ رضی اللہ عنہ نے چونکہ آپ ﷺ سے درخواست کی تھی اس لیے آپ ﷺ نے عنایت فرما دی۔ (۲) عبداللہ بن ابی نے اپنی مرض الموت میں رسول اللہ ﷺ سے اپنی قمیص دینے کا وعدہ لیا تھا، جسے پورا کرنے کے لیے آپ ﷺ نے اس کے بیٹے کو اپنی قمیص عطا فرما دی۔ (۳) حضرت عباس رضی اللہ عنہ جب بدر میں قیدی بنا کر لائے گئے تھے تو اس وقت ان پر کپڑا نہیں تھا، آپ ﷺ نے عبداللہ بن ابی سے قمیص لے کر اپنے چچا حضرت عباس رضی اللہ عنہ کو پہنائی تھی کیونکہ اس کی قمیص ان کو پوری تھی۔ آپ ﷺ نے اس قمیص کا بدلہ چکانے کے لیے اپنی قمیص اسے پہنا دی۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

فقہی احکام: (۱) نبی ﷺ کا کپڑا متبرک ہے مگر منافق کے لیے سود مند نہیں۔ (۲) فاسق و فاجر کے احسان کا بدلہ دنیا میں دے دینا چاہیے۔ (۳) مُردے کو دفن کرنے کے بعد بوقت ضرورت باہر نکالا جا سکتا ہے۔ (۴) کفن کے کپڑوں میں قمیص بھی شامل کی جا سکتی ہے۔

۵۴۳: وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رضی اللہ عنہما أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ قَالَ "اِلْبَسُوا مِنْ ثِيَابِكُمُ الْبَيَاضَ, فَإِنَّهَا مِنْ خَيْرِ ثِيَابِكُمْ, وَكَفِّنُوا فِيهَا مَوْتَاكُمْ" رَوَاهُ الْخَمْسَةُ إِلَّا النَّسَائِيَّ, وَصَحَّحَهُ التِّرْمِذِيُّ.

ابو داود، كتاب الطب، باب في الامر بالكحل: ۳۸۷۸، الترمذی: ۱۰۰۵، ابن ماجة: ۱۴۷۲، احمد: ۱/۲۴۷، الطبرانی: ۱۲/۵۲، الحاكم: ۱/۵۰۶، البيهقی: ۲۹۲/۶، ابن حبان: ۵۴۲۳

۵۴۳: حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: "تم سفید لباس زیب تن کیا کرو، کیونکہ یہ تمہارے لیے بہترین ملبوسات میں سے ہے، اور اپنے مُردوں کو اسی میں کفن دیا کرو۔" اسے پانچوں میں سے نسائی نے روایت نہیں کیا ہے اور ترمذی نے صحیح کہا ہے۔

تشریح: حضرت سمرۃ بن جندب رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث میں بھی مذکور ہے کہ تم اپنے مُردوں کو سفید کپڑوں میں کفنایا کرو۔ اس حدیث کو امام حاکم نے صحیحین کی شرط کے مطابق قرار دیا ہے۔

فقہی احکام: (۱) میت کو سفید کفن دینا مسنون ہے۔ (۲) زندوں کے لیے سفید لباس زیب تن کرنا مستحب ہے۔

۵۴۴: وَعَنْ جَابِرٍ رضی اللہ عنہ قَالَ، قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ "إِذَا كَفَّنَ أَحَدُكُمْ أَخَاهُ فَلْيُحْسِنْ كَفَنَهُ" رَوَاهُ مُسْلِمٌ.

صحيح مسلم، كتاب الجنائز، باب في تحسين كفن الميت: ۹۴۳، ابو داود: ۳۱۴۸، النسائی: ۳۳/۴، البيهقی: ۴۰۳/۳، الحاكم: ۵۲۳/۱، احمد: ۲۹۶/۳، ۳۴۹

۵۴۴: حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "جب تم میں سے کوئی ایک اپنے بھائی کو کفن دے تو اسے چاہیے کہ وہ اسے اچھا کفن دے۔" (مسلم)

تشریح: اس فرمان کی تفصیل اس طرح ہے کہ کسی صحابی کا رات کو انتقال ہو گیا، صحابہ نے اسے مختصر کفن دے کر رات ہی میں دفن کر دیا۔ آپ ﷺ کو جب اطلاع ہوئی تو آپ ﷺ نے صحابہ کی سرزنش کرتے ہوئے فرمایا: "بلا کسی مجبوری کے میت کو رات کے وقت دفن نہ کیا جائے اور اسے اچھا کفن دیا جائے۔" حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے ہی یہ روایت ایک اور طریق سے بھی مروی ہے جس میں یہ ہے کہ رات اور دن میں دفن کرنا برابر ہے مگر یہ روایت عبداللہ بن لھیعہ کی وجہ سے ضعیف ہے۔

فقہی احکام: (۱) بلا کسی معقول عذر کے میت کو رات کے وقت دفن کرنے سے گریز کیا جائے۔
(۲) میت کو حسب استطاعت اچھا کفن دیا جائے

۵۴۵: وَعَنْهُ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ ﷺ يَجْمَعُ بَيْنَ الرَّجُلَيْنِ مِنْ قَتْلَى أُحُدٍ فِي ثَوْبٍ وَاحِدٍ, ثُمَّ يَقُولُ "أَيُّهُمْ أَكْثَرُ أَخْذًا لِلْقُرْآنِ؟" فَيُقَدِّمُهُ فِي اللَّحْدِ, وَلَمْ يُغَسَّلُوا, وَلَمْ يُصَلِّ عَلَيْهِمْ. رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ.

البخاری، كتاب الجنائز، باب الصلاة على الشهيد: ۱۳۴۳، ۱۳۴۴، ابو داود: ۳۱۳۸، الترمذی: ۱۰۳۶، ابن ماجة: ۱۵۱۴، النسائی: ۶۲/۴، البيهقی: ۱۰/۴، معرفة السنن والآثار: ۱۴۰/۳-۱۴۸

۵۴۵: حضرت جابر رضی اللہ عنہ ہی نے بیان کیا کہ نبی کریم ﷺ غزوہ احد میں شہید ہونے والے دو دو صحابہ کو ایک ایک چادر میں کفن دیتے تھے

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

اور پوچھتے تھے "ان میں سے قرآن حکیم کا زیادہ حصہ کسے یاد ہے؟" پھر اسے لحد میں پہلے اتارتے (جابر بیان کرتے ہیں) انہیں نہ غسل دیا گیا اور نہ ان کی نماز جنازہ پڑھی گئی۔ اسے بخاری نے روایت کیا ہے۔

لغوی تحقیق: **قتلی**: یہ قتیل کی جمع ہے، قتیل بروزن فعیل ہے، فعیل کبھی بمعنی فاعل اور کبھی بمعنی مفعول استعمال ہوتا ہے، یہاں بمعنی مفعول استعمال ہوا ہے۔ یعنی مقتول۔ **احد**: ہمزہ اور حاء مضموم، یہ ایک مشہور پہاڑ ہے جو مدینہ کے شمال میں واقع ہے۔ **اخذ القرآن**: اس میں دو احتمال ہیں۔ (۱) جو قرآن حکیم کی کثرت سے تلاوت کرتا ہو۔ (۲) جسے قرآن حکیم کا زیادہ حصہ یاد ہو۔

تشریح: اس بات پر تو تمام اہل علم کا اتفاق ہے کہ شہید کو غسل نہیں دیا جائے گا۔ شاید اس کی علت وہ ہے جو حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "جس شخص کو اللہ کی راہ میں زخم پہنچا وہ قیامت کے روز جب اللہ کے دربار میں پیش ہوگا تو اس کے زخموں سے خون بہہ رہا ہوگا، اس خون کا رنگ دنیاوی خون کے رنگ جیسا ہوگا، لیکن اس کی خوشبو کستوری کی خوشبو کی مثل ہوگی۔

شہید کی نماز جنازہ کے بارے میں اہل علم میں اختلاف پایا جاتا ہے۔ بعض کا خیال ہے کہ ان کی نماز جنازہ نہیں پڑھی جائے گی، زیر مطالعہ حدیث ان کے مؤقف کی مضبوط ترین دلیل ہے۔ ایک گروہ کا خیال ہے کہ شہداء کی نماز جنازہ بھی پڑھی جائے گی۔

یہ حضرات درج ذیل روایات سے دلیل لیتے ہیں۔

(۱) امام شعبی اور ابو مالک سے مروی روایات میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کی ستر بار نماز جنازہ پڑھی۔

یہ روایت سنداً اور درایۃً دونوں طرح قابل اعتبار نہیں۔ سنداً تو اس لیے نہیں کہ یہ منقطع ہیں اور درایۃً اس لیے نہیں کہ خود اسی روایت میں ستر دفعہ نماز جنازہ پڑھنے کی تفصیل اس طرح ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم دس صحابہ کی نماز جنازہ ایک ساتھ پڑھاتے ہیں۔ ان میں سے نو صحابہ کی میتیں نماز جنازہ پڑھنے کے بعد اٹھالی جاتی تھیں اور حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کی میت وہیں رہنے دی جاتی تھی۔

واضح رہے کہ غزوہ احد میں بہتر صحابہ شہید ہوئے تھے۔ اس روایت کی روشنی میں ان کی نماز جنازہ زیادہ سے زیادہ آٹھ بار ہو سکتی ہے۔ اگر صلاۃ سے مراد تکبیرات لی جائیں تو پھر چار تکبیرات کے حساب سے بتیس اور پانچ کے حساب سے چالیس ہوں گی، اگر یزید بن ابی زیاد سے مروی روایت کا اعتبار کیا جائے تو پھر بہتر تکبیرات ہوں گی کیونکہ اس میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کی نماز جنازہ نو تکبیرات سے ادا کی تھی۔ یہ روایت یزید بن ابی زیاد کی وجہ سے بھی ضعیف ہے۔

محمد بن اسحاق سے مروی روایت میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کی میت پر بہتر تکبیرات کہیں، یہ روایت اگرچہ درایۃً صحیح ہے لیکن روایۃً انتہائی کمزور ہے کیونکہ محمد بن اسحاق نے اپنے شیخ کا نام ظاہر نہیں کیا۔ موصوف ضعفا اور مجہولین سے روایت کرنے میں معروف ہیں۔

(۲) حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم آٹھ سال بعد شہداء احد کی قبروں پر گئے اور ان کی نماز جنازہ اسی طرح پڑھی جس طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم میت کی نماز جنازہ پڑھتے تھے۔

یہ حدیث صحیح ہے۔ لیکن مانعین کا کہنا ہے کہ اس سے مراد دعائے استغفار ہے۔ مانعین کا یہ قول بے وزن ہے کیونکہ اس میں صراحت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی نماز جنازہ اسی طرح پڑھی جس طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم میت کی نماز جنازہ پڑھتے تھے۔

(۳) حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو غسل بھی دیا گیا اور ان کی نماز جنازہ بھی پڑھی گئی۔

قائلین کا اس روایت سے استدلال درست نہیں کیونکہ شہید کو غسل دینے کے وہ بھی قائل نہیں لہٰذا اس روایت کا جواب یہ ہے کہ

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی شہادت میدان کارزار میں نہیں ہوئی تھی۔یہی جواب ان روایات کا ہے جن میں حضرت عثمان، حضرت علی رضی اللہ عنہما کی نماز جنازہ پڑھنے کا ذکر ہے۔

فقہی احکام: (۱)شہدا کو غسل نہیں دینا چاہیے البتہ ان کی نماز جنازہ پڑھنی چاہیے۔(۲)شہدا کی غائبانہ نماز جنازہ پڑھنا کسی مرفوع یا موقوف روایت سے ثابت نہیں لہٰذا ان کی غائبانہ نماز جنازہ پڑھنا غیر مشروع ہے۔

۵۴۶: وَعَنْ عَلِيٍّ رضی اللہ عنہ قَالَ سَمِعْتُ النَّبِيَّ ﷺ يَقُولُ "لَا تَغَالَوْا فِي الْكَفَنِ, فَإِنَّهُ يُسْلَبُ سَرِيعًا" رَوَاهُ أَبُو دَاوُدَ.

ابوداود، کتاب الجنائز، باب کراهية المغالاة فی الکفن: ۳۱۵۴؛ البیهقی: ۴۰۳/۳، بیان الوهم والایهام: ۵۰/۵

۵۴۶: حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں نے نبی مکرم ﷺ سے سنا آپ ﷺ فرمارہے تھے:"زیادہ قیمتی کفن مت دو کیونکہ کفن تو بہت جلد بوسیدہ کردیا جائے گا۔"اسے ابوداؤد نے روایت کیا ہے۔

لغوی تحقیق: **لاتغالوا:** زیادہ قیمتی مت دو۔ **یسلب:** علامت مضارع مضموم اور لام مفتوح،اس کا لفظی معنی ہے چھین لیا جائے گا،یعنی کپڑا بہت جلد ختم ہوجائے گا۔

تشریح: یہ روایت عمرو بن ہشام کی وجہ سے ضعیف ہے نیز یہ روایت منقطع بھی ہے۔کیونکہ امام شعبی نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے فقط ایک ہی حدیث سنی ہے اور وہ حدیث زیر مطالعہ نہیں ہے۔

یہ روایت حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث کی معارض قرار نہیں دی جاسکتی کیونکہ یہ ضعیف ہے اور وہ صحیح ہے۔

۵۴۷: وَعَنْ عَائِشَةَ رضی اللہ عنہا أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ قَالَ لَهَا "لَوْ مُتِّ قَبْلِي فَغَسَّلْتُكِ" اَلْحَدِيثَ رَوَاهُ أَحْمَدُ, وَابْنُ مَاجَهْ, وَصَحَّحَهُ ابْنُ حِبَّانَ.

ابن ماجة، کتاب الجنائز، باب ماجاء فی غسل الرجل امرأته وغسل المرأة زوجها: ۱۴۶۵، احمد: ۲۲۸/۶، صحیح ابن حبان، کتاب التاریخ، باب مرض النبی ﷺ، ۶۵۸۶، السنن الکبری للبیهقی: ۳۹۶/۳،عبدالرزاق:۹۷۵۴،الدلائل للبیهقی:۱۶۸/۷، ۱۶۹،الارواء:۱۶۰/۳، ۱۶۱

تنبیہ: بلوغ المرام کے زیادہ تر مطبوعہ نسخوں میں یہ حدیث ان الفاظ لو مت قبلی لغسلتک سے درج ہے جبکہ مصادر میں یہ حدیث ان الفاظ سے درج ہے لو مت قبلی فغسلتک پہلی صورت میں لفظ لو معنی شرط اور دوسری صورت میں بمعنی تمنی ہے۔

۵۴۷: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ان سے فرمایا:"اگر تم مجھ سے پہلے فوت ہوگئی تو میں تمہیں غسل دوں گا۔" مختصراً۔اسے احمد،ابن ماجہ اور ابن حبان نے روایت کیا ہے،اور ابن حبان نے اسے صحیح قرار دیا ہے۔

لغوی تحقیق: **لو مت:** یہ موت سے ماخوذ ہے،اس کا عین کلمہ واؤ التقائے ساکنین کی وجہ سے ساقط ہے،پہلی تاء نفس کلمہ کی ہے اور دوسری تاء مخاطبہ ہے۔ اگر تم فوت ہو جاؤ۔

تشریح: بعض اہل علم نے اس روایت پر محمد بن اسحاق کی وجہ سے کلام کیا ہے۔ان کا یہ کلام بے وزن ہے،کیونکہ محمد بن اسحاق فی نفسہ ثقہ ہے،اس میں فقط تدلیس کی علت ہے،زیر مطالعہ روایت جس طریق سے احمد،ابن ماجہ،دارمی،ابن حبان اور بیہقی نے السنن الکبریٰ میں درج کی ہے،اس میں محمد بن اسحاق اپنے شیخ یعقوب بن عتبہ سے معنعن نقل کرتے ہیں،لیکن امام بیہقی نے دلائل میں ابن اسحاق سے جو روایت نقل کی ہے اس میں تحدیث کی صراحت ہے،اور علامہ البانی کا کہنا ہے کہ ابن اسحاق نے السیرۃ میں تحدیث کی صراحت کی ہے،

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

لہٰذا اس سے شبہ تدلیس زائل ہو گیا، پھر صالح بن کیسان نے ابن اسحاق کی متابعت بھی کی ہے نیز اس کی اصل بخاری میں موجود ہے۔ پھر تعامل صحابہ سے بھی شوہر کا بیوی کو اور بیوی کا شوہر کو غسل دینا ثابت ہے۔ زیر مطالعہ حدیث کا شمار ان احادیث میں ہوتا ہے جو رحمت عالم ﷺ نے اپنی آخر عمر میں ارشاد فرمائی ہیں۔

فقہی احکام: خاوند اور بیوی ایک دوسرے کو غسل دے سکتے ہیں۔

۵۴۸: وَعَنْ أَسْمَاءَ بِنْتِ عُمَيْسٍ رضی اللہ عنہا أَنَّ فَاطِمَةَ رضی اللہ عنہا أَوْصَتْ أَنْ يُغَسِّلَهَا عَلِيٌّ رضی اللہ عنہ عَنْهُ . رَوَاهُ الدَّارَقُطْنِيُّ.

الدارقطنی: ۲/۷۹، البیھقی: ۳/۳۹۷، ابن ابی شیبة: ۳/۱۳۷، معرفة السنن والآثار: ۳/۱۳۱، مسندشافعی: ۵۷۱

۵۴۸: حضرت اسما بنت عمیس رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے یہ وصیت کی کہ انہیں حضرت علی رضی اللہ عنہ خود غسل دیں۔ (دارقطنی)

تشریح: یہ روایت عبداللہ بن نافع کے متکلم فیہ، عون بن محمد اور ان کی والدہ ام جعفر کے مستور الحال ہونے کی وجہ سے ضعیف ہے، تاہم یہ مسئلہ اپنی جگہ درست ہے کہ شوہر اور بیوی ایک دوسرے کو غسل دے سکتے ہیں۔ جیسا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی حدیث میں صراحتاً مذکور ہے۔ نیز یہ روایت ایک دوسرے طریق سے بھی مروی ہے، جس میں مذکورہ بالا تینوں رواۃ نہیں ہیں۔

اس روایت کو بعض دوسری روایات سے تقویت بھی حاصل ہے۔ مثلاً

(۱) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی روایت میں ہے کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے وصیت کی تھی کہ انہیں ان کی زوجہ اسماء غسل دیں۔ یہ روایت محمد بن عمر الواقدی کی وجہ سے ضعیف ترین ہے۔ امام بیہقی نے یہی روایت ایک دوسرے طریق سے نقل کی ہے مگر اس طریق کو بھی انہوں نے ضعیف قرار دیا ہے۔

(۲) حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے منقول ہے کہ انہوں نے کہا کہ شوہر کو غسل دینے کی سب سے زیادہ حق دار اس کی اہلیہ ہے، یہ روایت حجاج بن ارطاۃ کی وجہ سے ضعیف ہے۔

(۳) ابراہیم بن مہاجر کا کہنا ہے کہ حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کو ان کی زوجہ محترمہ نے غسل دیا تھا، یہ روایت بھی ضعیف ہے کیونکہ ابراہیم بن مہاجر نے حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کا زمانہ نہیں پایا۔ یہی روایت ابراہیم نخعی کے طریق سے بھی مروی ہے مگر یہ طریق بھی منقطع ہے کیونکہ ابراہیم نخعی کا ابوموسیٰ سے لقا تو بہت دور کی بات ان کا تابعی ہونا بھی محل نظر ہے۔

(۴) عبدالرحمٰن بن اسود کا کہنا ہے کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہما کی بیوی نے انہیں غسل دیا تھا۔ یہ روایت اسماعیل بن ابراہیم کی وجہ سے ضعیف ہے۔ یہ تمام آثار اگرچہ ضعیف ہیں تاہم ایک دوسرے کو تقویت ضرور دیتے ہیں۔ نیز حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی دو صحیح احادیث اس مسئلہ کے ثبوت کے لیے کافی ہے۔

۵۴۹: وَعَنْ بُرَيْدَةَ رضی اللہ عنہ فِي قِصَّةِ الْغَامِدِيَّةِ الَّتِي أَمَرَ النَّبِيُّ ﷺ بِرَجْمِهَا فِي الزِّنَا قَالَ " ثُمَّ أَمَرَ بِهَا فَصُلِّيَ عَلَيْهَا وَدُفِنَتْ " رَوَاهُ مُسْلِمٌ.

مسلم، کتاب الحدود، باب من اعترف علی نفسه بالزنا: ۱۶۹۵، ۱۶۹۶، الدارقطنی: ۳/۹۲، البیھقی: ۴/۱۹

۵۴۹: حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ سے غامدیہ خاندان سے تعلق رکھنے والی اس صحابیہ کے واقعہ میں منقول ہے جسے رسول اللہ ﷺ نے اس کے زنا کے جرم میں رجم کرنے کی سزا سنائی تھی۔ آپ ﷺ نے بعد از رجم اس کی نماز جنازہ پڑھنے کا حکم دیا، چنانچہ اس کی نماز جنازہ پڑھائی گئی اور اسے دفن کیا گیا۔ مسلم

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

لغوی تحقیق: غامدیة: غامد قبیلہ جہینہ کی ایک شاخ ہے۔

تشریح: اس عورت نے ازخود بار بار اعتراف جرم کیا اور خود کو پاک کرنے کا مطالبہ کیا تھا، چنانچہ آپ ﷺ نے پہلے وضع حمل تک اور بعد میں دودھ چھڑانے تک اس کی سزا کو مؤخر کر دیا تھا۔ جب یہ مدت پوری ہوگئی تو رسول اللہ ﷺ نے اسے رجم کرنے کا حکم دیا۔ جب اسے رجم کر کے میت لائی گئی تو رحمت عالم ﷺ اس کی نماز جنازہ پڑھانے کے لیے آگے بڑھے، عین اسی وقت حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا، یا رسول اللہ! آپ ﷺ اس زانیہ کی نماز جنازہ پڑھائیں گے؟ رحمت عالم ﷺ نے فرمایا:"اس نیک بخت نے ایسی توبہ کی ہے کہ اس کی توبہ مدینہ کے ستر افراد کے مابین تقسیم کردی جائے تو ان سب کے لیے کافی ہوگی۔" جبکہ ماعز رضی اللہ عنہ کیلئے فرمایا:"اس کی توبہ ایک مخصوص امت کیلئے کافی ہے۔"

فقہی احکام: کبیرہ گناہوں کا ارتکاب کر کے توبہ کرنے والوں کی نماز جنازہ میں بھرپور طریقہ سے شرکت کرنی چاہیے۔

۵۵۰: وَعَنْ جَابِرِ بْنِ سَمُرَةَ رضی اللہ عنہ قَالَ أُتِيَ النَّبِيُّ ﷺ بِرَجُلٍ قَتَلَ نَفْسَهُ بِمَشَاقِصَ ,فَلَمْ يُصَلِّ عَلَيْهِ. رَوَاهُ مُسْلِمٌ.

مسلم، کتاب الجنائز، باب ترک الصلاة علی القاتل نفسه: ۹۷۸، ابوداود: ۳۱۸۵، النسائی: ۶۶/۴، احمد: ۸۷/۵، ۹۱، ۹۲، البیهقی: ۱۹/۴، الترمذی: ۱۰۸۰

۵۵۰: حضرت جابر بن سمرۃ رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ نبی کریم ﷺ کی خدمت میں ایک شخص کی میت لائی گئی جس نے تیر سے خود کو ہلاک کر لیا تھا، آپ ﷺ نے اس کی نماز جنازہ نہیں پڑھی۔ (مسلم)

لغوی تحقیق: مشاقص: مشقص کی جمع ہے، لمبے چوڑے نیزے کو مشقص کہا جاتا ہے

تشریح: خودکشی کرنے والے کی نماز جنازہ پڑھنے کے بارے میں اہل علم میں اختلاف پایا جاتا ہے، بعض کے نزدیک اس کی نماز پڑھی جائے گی اور بعض کے نزدیک نہیں پڑھی جائے گی۔ امام ابوداؤد اور امام نسائی کے طریق سے مروی روایت سے پہلے گروہ کا مؤقف قوی معلوم ہوتا ہے۔ تاہم وقت کی مناسبت سے کوئی بھی طریقہ اختیار کیا جانا چاہیے۔ یعنی اگر لوگوں میں خودکشی کا رجحان بڑھ رہا ہو تو پھر اس رجحان کی حوصلہ شکنی کرنے کے لیے ایسے لوگوں کی نماز جنازہ نہ پڑھی جائے۔

فقہی احکام: (۱) معاشرے میں اگر خودکشی کا رجحان زیادہ ہو تو پھر ایسے لوگوں کی نماز جنازہ نہ پڑھی جائے۔

(۲) ایسے شخص کی نماز جنازہ معروف عالم دین نہ پڑھائے۔

۵۵۱: وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضی اللہ عنہ فِي قِصَّةِ الْمَرْأَةِ الَّتِي كَانَتْ تَقُمُّ الْمَسْجِدَ قَالَ فَسَأَلَ عَنْهَا النَّبِيُّ ﷺ فَقَالُوا مَاتَتْ ,فَقَالَ "أَفَلَا كُنْتُمْ آذَنْتُمُونِي؟" فَكَأَنَّهُمْ صَغَّرُوا أَمْرَهَا فَقَالَ "دُلُّونِي عَلَى قَبْرِهَا" فَدَلُّوهُ ,فَصَلَّى عَلَيْهَا. مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ وَزَادَ مُسْلِمٌ ,ثُمَّ قَالَ "إِنَّ هَذِهِ الْقُبُورَ مَمْلُوئَةٌ ظُلْمَةً عَلَى أَهْلِهَا ,وَإِنَّ اللَّهَ يُنَوِّرُهَا لَهُمْ بِصَلَاتِي عَلَيْهِمْ"

صحیح مسلم، کتاب الجنائز، باب الصلاة علی القبر: ۹۵۶، البخاری: ۱۳۳۷، ۱۳۴۰، ابوداود: ۳۲۰۳، ابن ماجة: ۱۵۲۷، احمد: ۳۸۸/۲، البیهقی: ۴۷/۴، معرفة السنن والآثار: ۱۷۵/۳، ۱۷۶

۵۵۱: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے اس عورت کے واقعہ کے بارے میں جو مسجد نبوی کی صفائی کیا کرتی تھی بیان کیا کہ نبی کریم ﷺ نے اس کے بارے میں دریافت فرمایا تو صحابہ نے عرض کیا کہ وہ وفات پا چکی ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا:"تم نے مجھے مطلع کیوں نہیں کیا؟" گویا انہوں نے اس کے معاملے کو معمولی تصور کیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا:" چلو! مجھے اس کی قبر بتاؤ۔" انہوں نے اس کی قبر بتائی تو آپ

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ﷺ نے اس کی نماز جنازہ پڑھی۔ (بخاری و مسلم) مسلم میں مزید الفاظ بھی ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا:" قبریں قبر والوں کے لیے اندھیروں سے پُر ہیں، اور بلاشبہ اللہ تعالیٰ میری نماز کی وجہ سے انہیں منور فرما دیتا ہے۔"

لغوی تحقیق: تقم: علامت مضارع مفتوح، قاف مضموم اور میم مشدد مضموم، جھاڑو دیا کرتی تھی۔ **دلونی**: دال اور لام مضموم، مجھے بتلاؤ۔

تشریح: مؤلف رحمہ اللہ نے یہ حدیث مختصر نقل کی ہے، مفصل روایت میں یہ صراحت ہے کہ وہ عورت سیاہ رنگ کی تھی۔ اکثر طرق میں راوی نے عورت یا مرد کہہ کر تردد کا اظہار بھی کیا ہے۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی روایت میں نماز جنازہ پڑھنے کی کیفیت بھی بیان ہوئی ہے، وہ فرماتے ہیں کہ آپ ﷺ نے اس کی قبر پر اس کی نماز جنازہ چار تکبیرات سے ادا فرمائی۔ صحیح بخاری میں ہے کہ اس کا انتقال رات کے وقت ہوا تھا اور رات ہی صحابہ نے اس کی نماز جنازہ پڑھ کر اسے دفن کر دیا تھا۔ دار قطنی میں ہے کہ آپ ﷺ نے اس کی نماز جنازہ تین یوم بعد پڑھی تھی، ایک روایت میں ہے کہ ایک ماہ بعد پڑھی تھی۔ مؤلف رحمہ اللہ نے فتح الباری میں ان دونوں روایات کو شاذ قرار دیا ہے۔

بعض حضرات کا کہنا ہے کہ قبر پر نماز جنازہ پڑھنا رسول اللہ ﷺ کے خصائص میں سے ہے، ان کا قول تعامل صحابہ کے خلاف ہے، امام بیہقی نے **معرفة السنن و الآثار** میں نقل کیا ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے اپنے بھائی عاصم بن عمر کی نماز جنازہ اس کی قبر پر تین دن بعد پڑھی تھی۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے حضرت سہل بن حنیف رضی اللہ عنہ کی قبر پر نماز جنازہ پڑھنے کا حکم دیا تھا۔

فقہی احکام: (۱) قبر پر کھڑے ہو کر بھی نماز جنازہ پڑھی جا سکتی ہے۔ (۲) مسجد کی صفائی ایک عظیم خدمت ہے۔ (۳) میت کو بوقت ضرورت رات کے وقت بھی دفن کیا جا سکتا ہے۔

۵۵۲: وَعَنْ حُذَيْفَةَ رضی اللہ عنہ أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ كَانَ يَنْهَى عَنِ النَّعْيِ. رَوَاهُ أَحْمَدُ ,وَالتِّرْمِذِيُّ وَحَسَّنَهُ.

الترمذی، ابواب الجنائز، باب ماجاء فی کراهية النعی: ۹۹۵ ـ ۹۹۷، احمد: ۳۸۵/۵، ابن ماجة: ۱۴۷۶، الاحکام الوسطیٰ: ۱۲۱/۲، العلل للدارقطنی: ۷۹۶/۵

۵۵۲: حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ موت کی کھلے عام منادی کرنے سے منع فرماتے تھے۔ اسے ترمذی نے روایت کیا ہے اور ترمذی نے اسے حسن قرار دیا ہے۔

لغوی تحقیق: النعی: موت کی خبر کی تشہیر کرنا

تشریح: اس روایت کے جملہ رواۃ ثقہ ہیں۔ درج ذیل روایت اس کی شاہد بھی ہے۔

(۱) حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ آپ ﷺ نے موت کی خبر کی تشہیر سے منع فرمایا اور اس طریقہ کار کو جاہلیت کی رسم قرار دیا۔ یہ روایت محمد بن حمید اور ابو حمزہ الاعور کی وجہ سے ضعیف ہے، حافظ عبدالحق اشبیلی **الاحکام الوسطی** میں فرماتے ہیں کہ یہ روایت حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہما سے موقوفاً بھی منقول ہے وہ اس کے مقابلے میں زیادہ صحیح ہے، امام دار قطنی نے بھی اس کے موقوف طریق کو صحیح کہا ہے۔

یہ روایات بظاہر اس روایت کے معارض ہیں جو حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے نجاشی کی موت کی بابت مروی ہے، لیکن حقیقت میں ان روایات کے درمیان کوئی تعارض نہیں۔ جیسا کہ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ موت کی خبر دینا علی الاطلاق منع نہیں البتہ اس طرح منع ہے جس طرح زمانہ جاہلیت میں کیا جاتا تھا، وہ منادی کرنے والے کو بھیجتے اور وہ محلوں اور بازاروں میں جا کر موت کا اعلان کرتا تھا۔ امام

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

بخاری کے ترجمۃ الباب اور مؤلف رحمہ اللہ کی تشریح سے یہ واضح ہوا کہ میت کے قریبی رشتہ داروں کو یا ایک آدھ بار محلے کی مسجد میں اعلان کرنا مسنون ہے جبکہ دوسرے محلے کی مساجد میں یا اپنے محلے کی مسجد میں بار بار اعلان کرنا، یا اس کے لیے اشتہار شائع کرنا درست نہیں۔

فقہی احکام: بار بار اعلانات، یا اشتہارات کے ذریعے موت کی خبر دینا درست نہیں۔

۵۵۳:وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضی اللہ عنہ أَنَّ النَّبِيَّ صلی اللہ علیہ وسلم نَعَى النَّجَاشِيَّ فِي الْيَوْمِ الَّذِي مَاتَ فِيهِ ,وَخَرَجَ بِهِمْ إِلَى الْمُصَلَّى، فَصَفَّ بِهِمْ ,وَكَبَّرَ عَلَيْهِ أَرْبَعًا. مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ.

البخاری، کتاب الجنائز، باب التکبیر علی الجنازة اربعاً: ۱۳۳۳، مسلم: ۹۵۱، البیهقی: ۴/ ۵۰، احمد: ۴/ ۷، ۳/ ۴۰۰، ابن ماجة: ۱۵۳۵، ۱۵۳۷، معرفة السنن والآثار: ۳/ ۱۷۷، ۱۷۸

تنبیہ: مؤلف رحمہ اللہ نے صحیحین کے حوالے سے جو الفاظ نقل کیے ہیں وہ اول تا کَبَّرَ علیه تک روایت ابی ہریرہ کے ہیں اور اربعاً روایت جابر سے ہے۔ کیونکہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے منقول الفاظ اربع تکبیرات ہیں۔

۵۵۳: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے نجاشی کی موت کی اطلاع اسی دن دی جس دن وہ فوت ہوئے تھے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ کو لے کر جنازہ گاہ گئے، صحابہ کی صفیں درست کروائیں اور چار تکبیرات سے اس کی نماز جنازہ پڑھی۔ (بخاری و مسلم)

تشریح: یہ روایت متعدد صحابہ سے منقول ہے۔ حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما سے مروی روایت میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "آج اللہ کا ایک نیک بندہ اصحمۃ فوت ہو گیا ہے۔" بخاری کی نقل کردہ طریق میں ہے کہ "حبش کا رہنے والا ایک عظیم آدمی فوت ہو گیا ہے، چلو اس کی نماز جنازہ پڑھیں۔"

حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ سے مروی روایت میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "تمہارا بھائی فوت ہو گیا ہے، اُٹھو! اس کی نماز جنازہ پڑھو۔"

حضرت حذیفہ بن اسید رضی اللہ عنہ سے مروی روایت میں ہے کہ "تمہارا وہ بھائی جو تمہارے علاقے میں فوت نہیں ہوا، اس کی نماز جنازہ پڑھو۔" صحابہ نے عرض کیا کہ وہ کون ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "وہ نجاشی ہے۔"

حضرت مجمع بن جاریہ رضی اللہ عنہ سے مروی روایت میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "تمہارا بھائی نجاشی فوت ہو گیا ہے، اس کی نماز جنازہ پڑھنے کے لیے اٹھو۔" ہم نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے دو صفیں بنائیں۔ امام بوصیری حنفی نے اس حدیث کو صحیح قرار دیا ہے۔ مگر صحیح یہ ہے کہ یہ روایت ضعیف ہے۔

اس حدیث سے یہ ثابت ہوا کہ غائبانہ نماز جنازہ پڑھنا مسنون ہے۔ البتہ احناف اور مالکی علما اسے خصائص نبوی میں شمار کرتے ہیں جبکہ شوافع اور حنابلہ نے اس کو عام رکھا ہے، اس اختلاف سے قطع نظر اس امر پر سب کا اتفاق ہے کہ نماز جنازہ دعا ہے اور اس بات پر بھی سب کا اتفاق ہے کہ قبر پر دعا کی جا سکتی ہے۔ امام شافعی مانعین کا رد کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ قبر پر کھڑے ہو کر جب دعا کی جاتی ہے تو حقیقت میں اس وقت بھی میت غائب ہوتی ہے، تو پھر غائبانہ نماز جنازہ نہ ہونے کی کیا وجہ ہے؟

فقہی احکام: غائبانہ نماز جنازہ پڑھی جا سکتی ہے۔

۵۵۴:وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رضی اللہ عنہما سَمِعْتُ النَّبِيَّ صلی اللہ علیہ وسلم يَقُولُ "مَا مِنْ رَجُلٍ مُسْلِمٍ يَمُوتُ ,فَيَقُومُ عَلَى جَنَازَتِهِ أَرْبَعُونَ رَجُلًا, لَا يُشْرِكُونَ بِاللَّهِ شَيْئًا ,إِلَّا شَفَّعَهُمُ اللَّهُ فِيهِ "رَوَاهُ مُسْلِمٌ.

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

مسلم، کتاب الجنائز، باب من صلی علیه اربعون شفعوا فیه: ۹۴۷، ۹۴۸، ابوداود: ۳۱۷۰، الترمذی: ۱۰۴۰، احمد: ۷۹/۴،
ابن ماجة: ۱۴۹۰، الحاکم: ۵۱۶/۱

تنبیہ: مؤلف رحمۃ اللہ علیہ نے صحیح مسلم کے حوالے سے سمعت النبی صلی اللہ علیہ وسلم کے الفاظ نقل کیے ہیں جبکہ صحیح مسلم میں سمعت رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم کے الفاظ ہیں۔

۵۵۴: حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے بیان کیا کہ میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرما رہے تھے" جس فوت شدہ مسلمان کی نماز جنازہ میں ایسے چالیس آدمی شریک ہو جائیں جو اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہراتے ہوں، اللہ تعالیٰ اس کے حق میں ان کی سفارش قبول فرما لیتے ہیں۔"(مسلم)

تشریح: زیر مطالعہ حدیث میں چالیس موحدین کی سفارش کے قبول ہونے کا ذکر ہے، جبکہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی حدیث میں سو مسلمانوں کے شریک ہونے کا ذکر ہے، حضرت مالک بن ھبیرہ رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث میں تین صفوں کا ذکر ہے۔ امام حاکم نے اس حدیث کو مسلم کی شرط کے مطابق صحیح قرار دیا ہے، جبکہ امام ذہبی نے اس پر مہر تصدیق ثبت کی ہے، مگر حقیقت یہ ہے کہ یہ روایت محمد بن اسحاق کے عنعنہ کی وجہ سے ضعیف ہے۔

فقہی احکام: موحدین کی سفارش میت کے حق میں قبول ہوتی ہے اس لیے میت کے لیے زیادہ سے زیادہ دعائیں کی جائیں

۵۵۵: وَعَنْ سَمُرَةَ بْنِ جُنْدُبٍ رضی اللہ عنہ قَالَ صَلَّيْتُ وَرَاءَ النَّبِيِّ صلی اللہ علیہ وسلم عَلَى امْرَأَةٍ مَاتَتْ فِي نِفَاسِهَا ,فَقَامَ وَسَطَهَا. مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ

البخاری، کتاب الجنائز، باب این یقوم من المرأة و الرجل: ۱۳۳۲، مسلم: ۹۶۴، ابوداود: ۳۱۹۵، الترمذی: ۱۰۴۵، ۱۰۴۶، النسائی: ۷۰/۴، ابن ماجة: ۱۴۹۳، احمد: ۱۴/۵، البیہقی: ۳۳/۴-۳۵، معرفة السنن والآثار: ۱۸۲/۳

۵۵۵: حضرت سمرہ بن جندب رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اقتدا میں ایک ایسی عورت کی نماز جنازہ پڑھی جو حالت نفاس میں فوت ہو گئی تھی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس (کی چارپائی) کے درمیان میں کھڑے ہوئے۔

لغوی تحقیق: نفاس: نون مکسور، وہ مدت جس میں وضع حمل کے بعد رحم سے مواد بہتا رہتا ہے، یہ مدت تقریباً چھ ہفتوں پر مشتمل ہوتی ہے

تشریح: مؤلف رحمۃ اللہ علیہ نے المطالب العالیه میں مسند احمد بن منیع کے حوالے سے اسی مفہوم کی ایک روایت عمران بن حصین کے طریق سے نقل کی ہے، اس میں اس روایت کو عمران بن حصین کی طرف نسبت کو غیر محفوظ قرار دیا ہے۔ صحیح مسلم میں اس خاتون کا نام ام کریب ذکر ہوا ہے۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ نے ایک قریشی عورت کی نماز جنازہ وسط میں کھڑے ہو کر پڑھائی، تو ان سے علا بن زیاد نے پوچھا، کیا آپ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اسی (درمیان) جگہ پر کھڑے ہو کر عورت کی نماز جنازہ پڑھاتے دیکھا ہے؟ انہوں نے فرمایا، ہاں۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی اس حدیث سے یہ واضح ہو کہ حضرت سمرة بن جندب رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث میں نفاس کی قید اتفاقی ہے۔ یعنی عورت خواہ کسی بھی حالت میں ہو اس کی نماز جنازہ وسط میں کھڑے ہو کر پڑھانی چاہیے۔

فقہی احکام: عورت کی نماز جنازہ چارپائی کے وسط میں کھڑے ہو کر پڑھانی چاہیے۔

۵۵۶: وَعَنْ عَائِشَةَ رضی اللہ عنہا قَالَتْ وَاللّٰهِ لَقَدْ صَلَّى رَسُولُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم عَلَى ابْنَيْ بَيْضَاءَ فِي الْمَسْجِدِ. رَوَاهُ مُسْلِمٌ.

مسلم، کتاب الجنائز، باب الصلاة علی الجنازة فی المسجد: ۹۷۳، ابوداود: ۳۱۹۱، ۳۱۹۷، ابن ماجة: ۱۵۱۸، مؤطا امام مالک: ۲۳۰/۱، البیہقی: ۵۱/۴، معرفة السنن والآثار: ۱۷۸/۳-۱۸۲، الحاکم: ۶۲/۲، التنقیح لابن عبدالهادی: ۱۴۴/۲

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

الخلاصہ للنووی: ۲/۹۶۶، التھذیب لابن حجر: ۴/ ۳۵۶، شرح السنة: ۳۵۲/۵، تمھید لابن عبد البر: ۲۱/ ۲۲۱، المجروحین: ۳۶۲/۱

۵۵۶: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے بیان کیا کہ اللہ کی قسم! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیضاء کے دونوں بیٹوں کی نماز جنازہ مسجد میں ادا فرمائی تھی۔ (مسلم)

تشریح: عہد رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم میں جنازہ گاہ مسجد نبوی کے قریب ہی تھی اور اکثر جنازے جنازہ گاہ ہی میں پڑھے جاتے تھے جبکہ بیضاء کے دونوں بیٹوں کی نماز جنازہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسجد ہی میں پڑھائی تھی۔

(۱) اس میں کوئی شک نہیں کہ نماز جنازہ کا جنازہ گاہ میں پڑھنا بہتر ہے لیکن مسجد میں نماز جنازہ پڑھائی جاسکتی ہے یا نہیں؟ اس میں اختلاف پایا جاتا ہے، اہل حدیث، شوافع اور حنابلہ کے نزدیک مسجد میں نماز جنازہ پڑھائی جاسکتی ہے۔ زیر مطالعہ حدیث ان کے مؤقف کے صحیح ہونے کی مضبوط ترین دلیل ہے۔

(۲) حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی نماز جنازہ حضرت صہیب رضی اللہ عنہ نے مسجد ہی میں پڑھائی تھی، یہ روایت مؤطا امام مالک میں بھی موجود ہے اور سنداً بھی صحیح ہے، معلوم نہیں مالکی حضرات اس کے باوجود مسجد میں نماز جنازہ پڑھنے کو ناپسند کیوں کرتے ہیں؟۔

(۳) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی نماز جنازہ بھی مسجد میں پڑھی گئی، یہ روایت اسماعیل غنوی کے متروک الحدیث ہونے کی وجہ سے سخت ضعیف ہے، لیکن امام ابوبکر بن ابی شیبہ نے اپنے طریق سے یہی اثر حفص بن غیاث کے طریق سے بھی نقل کیا ہے یعنی حفص بن غیاث، اسماعیل غنوی کا متابع موجود ہے، لہٰذا اسماعیل کے ضعف سے کوئی فرق نہیں پڑا۔

(۴) حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی روایت میں ہے کہ ایک صحابی فوت ہوگیا، ہم نے غسل اور کفن دینے کے بعد وہاں رکھ دیا جہاں جنازے رکھے جاتے تھے اور یہ وہ جگہ ہے جہاں جبریل نے کھڑے ہو کر امامت کروائی تھی، یہ روایت عبداللہ بن محمد بن عقیل کی وجہ سے اگرچہ ضعیف ہے تاہم پہلی روایات کی شاہد ضرور ہے۔

مانعین میں احناف اور مالکی حضرات ہیں۔ ان کے پاس جو دلائل ہیں ان میں سے ایک روایت وہ ہے جو حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، وہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "جس نے مسجد میں نماز جنازہ پڑھی اس کے لیے کچھ نہیں۔"

اس روایت کا مرکزی راوی صالح بن نبھان مولی التوامہ ہے، اسے اگرچہ بعض ماہرین فن نے صدوق کہا ہے تاہم اس کی زیر مطالعہ روایت کو نامور ماہرین فن نے ضعیف کہا ہے۔ (۱) امام احمد فرماتے ہیں، یہ روایت صالح مولی التوامہ کے تفرد کی وجہ سے ضعیف ہے۔

(۲) اس روایت میں اضطراب بھی ہے، یعنی ابن ماجہ میں لا شیء لہ (اس آدمی کے لیے کچھ نہیں) جبکہ ابوداؤد میں ہے لا شیء علیہ (مسجد میں نماز جنازہ پڑھنے والے پر کوئی گناہ نہیں) ہے، لا شیء لہ اور لا شیء علیہ میں کھلا تعارض ہے۔

(۳) اگر ان دونوں لفظوں کو جمع کرنے کی کوئی تدبیر نکالی جائے تو پھر یہ روایت مجوزین کی دلیل بن جائے گی کیونکہ کبھی لہ بمعنی علیہ بھی استعمال ہوتا ہے جیسا کہ قرآن میں ہے۔ وان أسأتم فلھا یہاں بالاتفاق لھا بمعنی علیھا ہے۔

(۴) امام ابن حبان فرماتے ہیں، یہ خبر باطل ہے کیونکہ یہ کیسے ممکن ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خود ہی فرمائیں کہ مسجد میں جنازہ پڑھنے والے کو ثواب نہیں ملتا اور خود ہی سہیل بن بیضاء کا جنازہ مسجد میں پڑھائیں؟

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

(۵) امام ترمذی فرماتے ہیں، میں نے امام بخاری سے صالح مولیٰ التوامہ کے بارے میں سوال کیا تو انہوں نے فرمایا کہ امام احمد فرماتے ہیں، جن رواۃ کا ان سے سماع قدیم ہے وہ بہتر ہے اور جنہوں نے ان سے آخر میں سنا ہے، ان کا سماع درست نہیں۔ واضح رہے کہ ابن ابی ذئب کا ان سے سماع کے بارے میں محدثین میں اختلاف پایا جاتا ہے۔

(۶) یہ روایت صحیح حدیث کے معارض ہونے کی وجہ سے مردود ہے، جیسا کہ امام احمد فرماتے ہیں کہ جو شخص اس حدیث کو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی حدیث کے مقابلے میں پیش کرتا ہے وہ ظلم کرتا ہے۔

مانعین کے پاس دوسری دلیل یہ ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے حضرت سعد رضی اللہ عنہ کا جنازہ جب مسجد میں پڑھانے کو کہا تو لوگوں نے اسے معیوب جانا، اس سے ثابت ہوا کہ صحابہ مسجد میں نماز جنازہ پڑھنے کو معیوب جانتے تھے۔

اس بارے میں عرض یہ ہے کہ یہاں معیوب جاننے والوں سے مراد صحابہ نہیں ہیں کیونکہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ ان لوگوں نے اسے معیوب جانا جن کے پاس علم نہیں ہے، اسی بنا پر انہوں نے ہمارے اس مطالبے (حضرت سعد رضی اللہ عنہ کا جنازہ مسجد میں پڑھایا جائے) کو معیوب گردانا ہے، حالانکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سہیل بن بیضاء کی نماز جنازہ مسجد کے وسط میں پڑھائی تھی، یہ موقف ازواج مطہرات میں سے صرف حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا ہی کا نہیں بلکہ بعض دیگر ازواج مطہرات سے بھی صراحتاً یہی ثابت ہے جیسا کہ حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ مجھے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اور بعض دیگر ازواج مطہرات نے کہا کہ جاؤ سعد بن مالک کا نماز جنازہ مسجد میں لے آؤ، چنانچہ ان کا جسد خاکی مسجد میں حجروں کے بالمقابل رکھا اور ازواج مطہرات ان جنازہ میں شریک ہوئیں پھر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو یہ معلوم ہوا کہ بعض لوگوں نے اسے معیوب جانا ہے۔ اس روایت سے یہ واضح ہو کہ صحابہ مسجد میں نماز جنازہ پڑھنے کے قائل تھے۔

فقہی احکام: (۱) مسجد میں نماز جنازہ پڑھایا جا سکتا ہے۔ (۲) خواتین بھی نماز جنازہ پڑھ سکتی ہیں۔ (۳) خواتین اپنے گھروں میں رہ کر مسجد میں نماز پڑھانے والے امام کی اقتدا کر سکتی ہیں بشرطیکہ مسجد ان کے گھروں کے آگے ہو۔

۵۵۷: وَعَنْ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ أَبِي لَيْلَى قَالَ كَانَ زَيْدُ بْنُ أَرْقَمَ يُكَبِّرُ عَلَى جَنَائِزِنَا أَرْبَعًا ,وَإِنَّهُ كَبَّرَ عَلَى جَنَازَةٍ خَمْسًا , فَسَأَلْتُهُ فَقَالَ كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صلی اللہ علیہ وسلم يُكَبِّرُهَا . رَوَاهُ مُسْلِمٌ وَالْأَرْبَعَةُ.

مسلم، كتاب الجنائز، باب الصلاة على القبر: ۹۵۷، ابو داود: ۳۱۹۷، الترمذی: ۱۰۳۴، النسائی: ۴/ ۷۲، ابن ماجة: ۱۵۰۵، البيهقی: ۴/ ۳۶

۵۵۷: حضرت عبدالرحمٰن بن ابی لیلیٰ نے بیان کیا کہ حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ ہمارے جنازوں پر چار تکبیرات کہا کرتے تھے، اور ایک مرتبہ انہوں نے پانچ تکبیرات کہہ دیں، میں نے ان سے دریافت کیا تو انہوں نے فرمایا: " رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (کبھی) پانچ تکبیریں کہا کرتے تھے۔" اسے مسلم اور چاروں نے روایت کیا ہے۔

فقہی احکام: نماز جنازہ پانچ تکبیروں سے بھی پڑھی جا سکتی ہے۔

۵۵۸: وَعَنْ عَلِيٍّ رضی اللہ عنہ أَنَّهُ كَبَّرَ عَلَى سَهْلِ بْنِ حُنَيْفٍ سِتًّا ,وَقَالَ إِنَّهُ بَدْرِيٌّ. رَوَاهُ سَعِيدُ بْنُ مَنْصُورٍ وَأَصْلُهُ فِي الْبُخَارِيِّ

البخاری: ۴۰۰۴، عبدالرزاق: ۳/ ۴۸۰، معرفة السنن والآثار: ۳/ ۱۶۵، ۱۶۶، الدارقطنی: ۲/ ۷۳، الطبرانی: ۱۱/ ۱۳۹، ۱۴۰، الطحاوی: ۱/ ۴۹۵، ابن ابی شيبة: ۳/ ۱۸۵، بيهقی: ۴/ ۳۷

۵۵۸: حضرت علی رضی اللہ عنہ نے حضرت سہل بن حنیف رضی اللہ عنہ کی نماز جنازہ چھ تکبیرات کے ساتھ ادا فرمائی اور فرمایا یہ اس لیے کہ وہ بدری تھے۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

اسے سعید بن منصور نے روایت کیا ہے،اس کی اصل صحیح بخاری میں ہے۔

تشریح: رحمت عالم ﷺ نے اگرچہ زیادہ تر جنازوں پر چار تکبیرات ہی فرمائی ہیں مگر بعض جنازے چار سے زیادہ تکبیرات سے بھی پڑھائے ہیں، جیسا کہ حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ سے مروی ہے اور یہ روایت ہر قسم کے غبار سے پاک ہے۔ زیر مطالعہ روایت میں چھ تکبیرات کا ذکر ہے، یہ روایت حضرت علی رضی اللہ عنہ سے عبداللہ بن مقعل ،عمیر بن سعید اور عبد خیر نقل کرتے ہیں، عبداللہ بن مقعل سے یزید بن ابی زیاد نقل کرتے ہیں، موصوف کو ماہرین فن نے ضعیف قرار دیا ہے۔ جبکہ عمیر بن سعید سے اعمش نقل کرتے ہیں، اعمش اگرچہ ثقہ ہیں مگر مدلس ہیں اور موصوف عن سے بیان کررہے ہیں۔ لہٰذا یہ طریق بھی ضعیف ہے۔ مگر دونوں طرق ایک دوسرے کو تقویت ضرور دیتے ہیں۔

عبد خیر کہتے ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ بدری صحابہ کی نماز جنازہ چھ تکبیرات سے، دیگر صحابہ کی نماز جنازہ پانچ تکبیرات سے اور عام مسلمانوں کی نماز جنازہ چار تکبیرات سے ادا کرتے تھے۔ مؤلف رحمہ اللہ نے اس روایت کو سنن سعید بن منصور کی طرف منسوب کرنے کے بعد اصله فی بخاری اس لیے کہا ہے کہ صحیح بخاری میں بھی یہ روایت موجود ہے مگر اس میں یہ صراحت نہیں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے حضرت سہیل بن حنیف رضی اللہ عنہ کی نماز جنازہ کتنی تکبیرات سے ادا فرمائی تھی۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے شہداء احد کی نماز جنازہ نو نو تکبیرات سے ادا فرمائی، پھر سات سات تکبیرات کہتے رہے پھر چار تکبیرات فرمایا کرتے تھے حتیٰ کہ آپ ﷺ اللہ تعالیٰ سے جا ملے۔

اس روایت کی سند کو اگرچہ علامہ ہیثمی نے حسن قرار دیا ہے تاہم صحیح یہی ہے کہ یہ روایت نہایت کمزور ہے کیونکہ قاضی ابو یوسف کے بارے میں امام بخاری فرماتے ہیں، ترکوہ، یہ امام بخاری کی طرف سے سخت ترین جرح ہے۔ ابن عباس سے یہ روایت ایک دوسرے طریق سے بھی مروی ہے، وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ بدری صحابہ کی نماز جنازہ سات تکبیرات سے، بنو ہاشم کی پانچ تکبیرات سے پڑھایا کرتے تھے، لیکن آپ ﷺ نے آخری نماز جنازہ چار تکبیرات سے پڑھائی تھی۔

یہ روایت سابقہ روایت سے بھی زیادہ کمزور ہے کیونکہ ابو ہرمز کو یحییٰ بن معین نے جھوٹا اور ابو حاتم نے متروک کہا ہے۔

سعید بن مسیّب سے مروی ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے چار تکبیرات کہنے کا حکم فرمایا تھا، اس روایت کے اگر جملہ رواۃ ثقہ ہیں تاہم سعید بن مسیّب کا حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے سماع ثابت نہیں۔

فقہی احکام: نماز جنازہ پانچ یا چھ تکبیرات سے بھی ادا کی جا سکتی ہے۔

۵۵۹: وَعَنْ جَابِرٍ رضی اللہ عنہ قَالَ كَانَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ يُكَبِّرُ عَلَى جَنَائِزِنَا أَرْبَعًا وَيَقْرَأُ بِفَاتِحَةِ الْكِتَابِ فِي التَّكْبِيرَةِ الْأُولَى. رَوَاهُ الشَّافِعِيُّ بِإِسْنَادٍ ضَعِيفٍ.

السنن الکبری للبیهقی، کتاب الجنائز، باب القرأة فی صلاة الجنازة: ۷۰۵۸، معرفة السنن و الآثار: ۲۱۴۵، کتاب الام: ۱/۲۷۰، مسند شافعی، کتاب الجنائز و الحدود: ۳۵۸

۵۵۹: حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ ہمارے جنازوں پر چار تکبیرات کہا کرتے تھے اور پہلی تکبیر کے بعد سورۃ فاتحہ پڑھا کرتے تھے۔ اسے شافعی نے ضعیف سند سے روایت کیا ہے۔

تشریح: امام بیہقی نے معرفه السنن میں امام شافعی سے جو روایت مرسل نقل کی ہے اس میں یقرأ فی الاولیٰ بام القرآن مذکور ہے، لیکن انہوں نے امام شافعی کی سند سے جو موصولاً روایت نقل کی ہے اس میں و قرأ بام القرآن بعد تکبیرة الاولیٰ کے الفاظ ہیں

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

اور کتاب الام اور مسند شافعی میں بھی یہی الفاظ ہیں، حدیث کا ترجمہ انہیں الفاظ کو پیش نظر رکھتے ہوئے کیا گیا ہے، یہ روایت اگر چہ متن کے اعتبار سے صحیح ہے لیکن سند کے اعتبار سے نہایت کمزور ہے، کیونکہ امام شافعی کے شیخ ابراہیم بن محمد تقریباً تمام ماہرین فن کے نزدیک ضعیف ہیں، جبکہ عبداللہ بن محمد بن عقیل مختلف فیہ ہے۔

۵۶۰: وَعَنْ طَلْحَةَ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَوْفٍ قَالَ صَلَّيْتُ خَلْفَ ابْنِ عَبَّاسٍ عَلَى جَنَازَةٍ, فَقَرَأَ فَاتِحَةَ الْكِتَابِ فَقَالَ ، لِتَعْلَمُوا أَنَّهَا سُنَّةٌ. رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ.

البخاری، کتاب الجنائز، باب قرأة فاتحة الکتاب علی الجنازة: ۱۳۳۵، ابوداود: ۳۱۹۸، الترمذی: ۱۰۳۸، النسائی: ۷۴/۴، کتاب الام: ۲۷۰/۱، البیہقی: ۳۸/۴، ۴۲، المجموع: ۲۳۴/۵، ابن ماجة: ۱۴۹۵، معرفة السنن والآثار: ۲۱۴۶

۵۶۰: حضرت طلحہ بن عبداللہ بن عوف رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ میں نے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کے پیچھے نماز جنازہ پڑھی اس میں انہوں نے سورۃ فاتحہ کی تلاوت فرمائی، پھر فرمایا، تاکہ تمہیں معلوم ہو جائے کہ یہ سنت ہے۔ (بخاری)

تشریح: یہ روایت حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے متعدد طرق سے مروی ہے، شرحبیل بن سعد سے مروی طریق میں ہے کہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے تکبیر کہی پھر بلند آواز سے ام القرآن پڑھی۔ سعید بن ابی سعید سے مروی طریق میں ہے کہ انہوں نے سورۃ الحمد پڑھی اور بعد میں فرمایا، میں نے بلند آواز میں تلاوت اس لیے کی تاکہ تمہیں معلوم ہو جائے کہ یہ سنت ہے۔

ابراہیم بن سعد سے مروی طریق میں ہے کہ سورۃ فاتحہ کے بعد ایک اور سورۃ بھی پڑھی، اس سند کے جملہ رواۃ ثقہ ہیں، بنابریں امام نووی نے اس کی سند کو صحیح قرار دیا ہے مگر امام بخاری نے اس روایت کو نقل نہیں کیا، جس میں سورۃ فاتحہ کے ساتھ دوسری سورۃ ملانے کا ذکر ہے، امام بخاری کا یہ اعراض اس میں موجود کسی مخفی علت کی طرف مشیر ہے۔ مقسم نے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے جو روایت نقل کی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز جنازہ میں سورۃ فاتحہ پڑھی۔ یہ روایت ابراہیم بن عثمان کی وجہ سے سخت ضعیف ہے، اس میں دوسری علت یہ ہے کہ حکم نے مقسم سے یہ حدیث نہیں سنی۔

فقہی احکام: (۱) نماز جنازہ میں پہلی تکبیر کے بعد سورۃ فاتحہ پڑھنا مسنون ہے۔ نیز سورۃ فاتحہ کے بعد کوئی دوسری سورت بھی پڑھی جا سکتی ہے۔ (۲) بلند آواز سے نماز جنازہ پڑھنا بھی مسنون ہے۔

۵۶۱: وَعَنْ عَوْفِ بْنِ مَالِكٍ رضی اللہ عنہ قَالَ صَلَّى رَسُولُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم عَلَى جَنَازَةٍ، فَحَفِظْتُ مِنْ دُعَائِهِ "اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لَهُ, وَارْحَمْهُ وَعَافِهِ, وَاعْفُ عَنْهُ, وَأَكْرِمْ نُزُلَهُ, وَوَسِّعْ مُدْخَلَهُ, وَاغْسِلْهُ بِالْمَاءِ وَالثَّلْجِ وَالْبَرَدِ, وَنَقِّهِ مِنَ الْخَطَايَا كَمَا نَقَّيْتَ الثَّوْبَ الْأَبْيَضَ مِنَ الدَّنَسِ, وَأَبْدِلْهُ دَارًا خَيْرًا مِنْ دَارِهِ, وَأَهْلًا خَيْرًا مِنْ أَهْلِهِ, وَأَدْخِلْهُ الْجَنَّةَ, وَقِهِ فِتْنَةَ الْقَبْرِ وَعَذَابَ النَّارِ "رَوَاهُ مُسْلِمٌ.

مسلم، کتاب الجنائز، باب الدعاء للمیت فی الصلاة: ۹۶۳، النسائی: ۷۳/۴، ابن ماجة: ۱۵۰۰، الطبرانی: ۷۶/۸-۷۹، البغوی: ۱۴۹۵، احمد: ۲۳/۶، الترمذی: ۱۰۳۶، ابن حبان: ۳۰۷۵، البیہقی: ۷۰۶۴

۵۶۱: حضرت عوف بن مالک رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز جنازہ پڑھائی، میں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ان دعاؤں میں سے یہ دعا یاد رکھی " اے اللہ! اس کی مغفرت فرما، اور اس پر رحم فرما، اسے عافیت عطا فرما اور اس سے درگزر فرما، اس کی مہمان نوازی اچھی فرما، اس کی قبر کشادہ فرما، اسے پانی، برف اور ژالوں سے صاف وشفاف فرما، اسے گناہوں سے ایسے صاف فرما جیسے تو نے سفید کپڑے کو میل

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

کچیل سے صاف کیا ہے، اسے دنیاوی گھر سے بہتر گھر اور دنیاوی اہل سے بہتر اہل عطا فرما، اسے جنت میں داخل فرما، اسے قبر کے فتنوں اور آگ کے عذاب سے محفوظ فرما۔" (مسلم)

لغوی تحقیق: من دعائه: یہاں من تبعیض کے لیے، یعنی رحمت عالم ﷺ نے نماز جنازہ میں بہت سی دعائیں پڑھیں، ان دعاؤں میں سے ایک دعا میں نے یاد رکھی۔ عافه: فاء مکسور، اسے عافیت عطا فرما۔ نزله: نون اور زاء مضموم، مہمان نوازی۔ مدخله: میم مضموم اور دال ساکن، قبر۔ الدنس: دال اور نون مفتوح، میل کچیل۔ قه: قاف اور ھاء مکسور، اسے بچا۔

تشریح: امام مسلم نے یہ حدیث چار طرق سے نقل کی ہے، تین طرق میں "نقيت الثوب الابيض" مذکور ہے جبکہ ایک طریق میں "ينقى الثوب الابيض" مذکور ہے۔ اسی طرح بلوغ المرام کے بعض نسخوں میں مقدم الذکر اور بعض میں مؤخر الذکر الفاظ مذکور ہیں، نسائی اور ابن حبان وغیرہما بھی مؤخر الذکر الفاظ ہیں۔ اس حدیث سے یہ واضح ہوا کہ آپ ﷺ نماز جنازہ میں بہت سی دعائیں پڑھتے تھے، ان میں سے بعض دعائیں عمومی ہوتی تھی اور بعض میت کے لیے خصوصی ہوتی تھیں۔

فقہی احکام: (۱) نماز جنازہ میں اس قدر دعائیں کی جائیں کہ باشعور زندہ حضرات انہیں سن کر یہ تمنا کریں کہ یہی دعائیں ہم پر بھی پڑھی جائیں۔ (۲) نماز جنازہ بلند آواز سے بھی پڑھی جاسکتی ہے۔

۵۶۲: وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضی اللہ عنہ قَالَ كَانَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ إِذَا صَلَّى عَلَى جَنَازَةٍ يَقُولُ "اَللَّهُمَّ اغْفِرْ لِحَيِّنَا ,وَمَيِّتِنَا, وَشَاهِدِنَا ,وَغَائِبِنَا ,وَصَغِيرِنَا ,وَكَبِيرِنَا ,وَذَكَرِنَا ,وَأُنْثَانَا ,اَللَّهُمَّ مَنْ أَحْيَيْتَهُ مِنَّا فَأَحْيِهِ عَلَى الْإِسْلَامِ ,وَمَنْ تَوَفَّيْتَهُ مِنَّا فَتَوَفَّهُ عَلَى الْإِيمَانِ ,اَللَّهُمَّ لَا تَحْرِمْنَا أَجْرَهُ ,وَلَا تُضِلَّنَا بَعْدَهُ" رَوَاهُ مُسْلِمٌ ,وَالْأَرْبَعَةُ.

الترمذی، ابواب الجنائز، باب مایقول فی الصلاۃ علی الجنازۃ: ۱۰۲۵، ابوداود: ۳۲۰۱، ابن ماجۃ: ۱۴۹۸، ابن حبان: ۳۰۷۰، الحاکم: ۱/۵۱۱، البیھقی: ۴/۴۱، المنتقی: ۴/۶۳، النسائی: ۴/۷۴، احمد: ۲/۳۶۸، الطبرانی فی الاوسط: ۵۹۰۹، الطبرانی فی الکبیر: ۱۲۶۸۰

تنبیہ: (۱) بلوغ المرام میں اس حدیث کو مسلم کی طرف منسوب کیا گیا ہے جبکہ مسلم میں یہ حدیث نہیں ہے، یہ وہم یقیناً کسی ناسخ کو ہوا ہے۔ (۲) اس حدیث کی نسبت نسائی کی طرف بھی درست نہیں کیونکہ نسائی میں یہ حدیث حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے نہیں بلکہ الاشھلی صحابی سے مروی ہے نیز اس میں نصف اول ہے۔ (۳) بلوغ المرام کے زیادہ تر مطبوعہ نسخوں میں لا تضلنا ہے لیکن فضیلۃ الشیخ صفی الرحمن مبارکپوری کی تعلیق سے بلوغ المرام کا جو نسخہ شائع ہوا ہے اس میں لا تضلنا کی جگہ لا تفتنا ہے۔ یہ لفظ امام ابن حبان نے نقل کیا ہے۔

۵۶۲: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ جب نماز جنازہ پڑھاتے تو یہ دعا مانگتے: " اے اللہ! ہمارے زندوں اور مُردوں، ہمارے موجود اور غائب، ہمارے چھوٹوں اور بڑوں، ہمارے مردوں اور خواتین کی بخشش فرما دے۔ اے اللہ! ہم میں سے جسے آپ زندہ رکھے، اسے حالت اسلام پر زندہ رکھنا اور جسے موت دے، اسے حالت ایمان پر موت دینا۔ اسے اللہ! ہمیں اس کے اجر سے محروم نہ رکھنا، اس کے بعد ہمیں آزمائش میں مبتلا نہ کرنا، اور اس کے بعد ہمیں گمراہ نہ کرنا۔" اسے مسلم اور چاروں نے روایت کیا ہے۔

لغوی تحقیق: لاتحرمنا: تا مفتوح، حاء ساکن اور راء مکسور، فعل نہی ہے جبکہ نا مفعول بہ ہے۔ ہمیں محروم مت رکھنا۔ اجره: اس کے اجر سے یعنی ہم نے اس کی موت پر صبر کیا ہے، اس صبر کے اجر سے ہمیں محروم نہ رکھنا۔ لا تضلنا: تاء مضموم، ضاد مکسور، ہمیں اس کی موت کے بعد گمراہ نہ کرنا۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

تشریح: یہ حدیث حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے متعدد طرق سے مروی ہے۔امام ترمذی اورامام ابن حبان وغیرہما نے **علی الایمان** تک الفاظ نقل کیے ہیں،امام ترمذی کی روایت میں **علی الایمان** جبکہ ابن حبان کی روایت میں **علی الاسلام** مؤخر ہے۔امام ابن ماجہ اورامام ابوداؤد نے جوروایت نقل کی ہے اس میں دوالفاظ مزید ہیں یعنی **و لا تضلنابعدہ** تک ہے علامہ ابن تیمیہ اس حدیث کو **المنتقیٰ** میں نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں اسے احمداورترمذی نے نقل کیا جبکہ ابوداؤداورابن ماجہ نے مزید یہ الفاظ بھی نقل کیے ہیں۔**اللھم لا تحرمنااجرہ و لا تضلنابعدہ۔**

امام احاکم اورامام بیہقی نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے جو حدیث نقل کی ہے اس میں یہ دعا علی الایمان تک ہے۔اس روایت کواگرچہ امام حاکم نے شیخین کی شرط کے مطابق قرار دیا ہے تاہم یہ روایت ضعیف ہے کیونکہ امام احمد،امام ابوزرعہ،امام ابوداؤد اورامام نسائی نے عکرمہ بن عمار کی ان روایات کو مضطرب،مناکیراوراغالیط قرار دیا ہے جو وہ یحییٰ بن ابی کثیر سے نقل کرتے ہیں،حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی یہ روایت موصوف نے یحییٰ بن ابی کثیر سے ہی نقل کی ہے۔

حضرت ابوقتادہ رضی اللہ عنہ نے یہ دعا **انثانا** تک روایت کی ہے۔امام نسائی نے ابوابراہیم اشہلی عن ابیہ کے طریق سے بھی اتنے ہی الفاظ نقل کیے ہیں البتہ اس میں تقدیم وتاخیر ہے یعنی **ذکرنا و انثانا** پہلے اور **صغیرنا و کبیرنا** بعد میں ہے۔جبکہ حضرت ابوقتادہ رضی اللہ عنہ سے مروی وہ حدیث جسے ابوسلمہ بن عبدالرحمٰن نے نقل کیا ہے اس میں یہ دعا **علی الایمان** تک ہے۔

امام طبرانی نے یہ دعا حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مرفوعاً نقل کی ہے اس میں **علی الایمان** کے بعد **اللھم عفوک عفوک** کے الفاظ بھی ہیں،اس روایت کو علامہ ہیثمی نے حسن کہا ہے۔حضرت الحارث رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث میں **و احیاء نا و امواتنا** کے الفاظ ہیں۔یہ روایت لیث بن ابی سلیم کی وجہ سے ضعیف ہے۔

فقہی احکام: (۱) نماز جنازہ میں ایک سے زیادہ دعائیں پڑھنا مسنون ہے۔(۲) کبھی کوئی دعا اور کبھی کوئی دعا بھی پڑھی جاسکتی ہے۔

۵۶۳: وَعَنْهُ أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ قَالَ " إِذَا صَلَّيْتُم عَلَى الْمَيِّتِ فَأَخْلِصُوا لَهُ الدُّعَاءَ "رَوَاهُ أَبُو دَاوُد, وَصَحَّحَهُ ابْنُ حِبَّان.

ابوداود، کتاب الجنائز، باب الدعاء للمیت: ۳۱۹۹، ابن حبان: ۳۰۷۶، ۳۰۷۷، ابن ماجۃ: ۱۴۹۷، البیھقی: ۴/۴۰، عبدالرزاق: ۶۴۲۸، ابن الجارود: ۵۴۱

تنبیہ: صحیح ابن حبان میں مروی روایت میں محمد بن اسحاق نے اپنے شیخ محمد بن ابراہیم سے تحدیث کی صراحت کی ہے۔

۵۶۳: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:" جب تم کسی میت کی نماز پڑھو تو اس کے لیے خلوص سے دعا کرو۔" ابوداؤد نے روایت کیا ہے اورابن حبان نے صحیح کہا ہے۔

تشریح: ایک مسلمان کے دوسرے مسلمان پر جو چھ حقوق ہیں،ان میں سے ایک حق اپنے مسلمان بھائی کا جنازہ پڑھنا بھی ہے۔ظاہر ہے کہ یہ حق فقط اسی صورت میں ادا ہوسکتا ہے جب نماز پڑھنے والے میت کے لیے نہایت خلوص سے دعا کریں،مگر اس وقت مسلم معاشرے کی یہ بدقسمتی ہے کہ نماز جنازہ پڑھنے والوں کی اکثریت نماز جنازہ کی دعاؤں سے ناآشنا ہے،اوراگر کسی کو یاد بھی ہو تو وہ بھی اسے بارِگراں خیال کرتے ہوئے اپنے سر سے اتارنے کی جلدی میں ہوتا ہے،اکثر یہ دیکھا گیا ہے کہ نماز جنازہ ایک منٹ یا ایک منٹ اور چند سیکنڈ میں پڑھادی جاتی ہے۔

مسلم معاشرے کا میت کے ساتھ یہ ناروا سلوک انتہائی قابل مذمت ہے۔آپ ﷺ نے نماز جنازہ پڑھنے کی باقاعدہ عملی تربیت

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

دی ہے، جیسا کہ حضرت سعید بن مسیّب سے مروی مرسل روایت میں ہے کہ پہلے قرأۃ کی جائے پھر نبی کریم ﷺ پر درود بھیجا جائے اور پھر میت کے لیے اخلاص سے دعا کی جائے۔

فقہی احکام: (۱) میت کا مسلم معاشرے کے افراد پر حق ہے کہ وہ اس کے لیے دعائے مغفرت نہایت خلوص سے کریں۔
(۲) دعائیں نماز جنازہ کے اندر کی جائیں۔

۵۶۴: وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضی اللہ عنہ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ" أَسْرِعُوا بِالْجَنَازَةِ ,فَإِنْ تَكُ صَالِحَةً فَخَيْرٌ تُقَدِّمُونَهَا إِلَيْهِ ,وَإِنْ تَكُ سِوَى ذَلِكَ فَشَرٌّ تَضَعُونَهُ عَنْ رِقَابِكُم " مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ.

البخاری، کتاب الجنائز، باب السرعة بالجنازة: ۱۳۱۵، ۱۳۱۶، مسلم: ۹۴۴، ابوداود: ۳۱۸۱، ۳۱۸۳، الترمذی: ۱۰۲۶، النسائی: ۴۲/۴، ابن ماجة: ۱۴۷۷، احمد: ۲۴۰/۲، البیهقی: ۲۱/۴

۵۶۴: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:" جنازہ لیکر جانے میں جلدی کیا کرو، کیونکہ اگر مرنے والا نیک ہے تو پھر اس کے لیے یہ بہتر ہے کہ تم اسے اس کے بہتر مقام تک جلدی پہنچاؤ، اور اگر وہ ایسا نہیں ہے تو پھر وہ شر ہے، لہٰذا تم اس شر کو اپنی گردنوں سے جلدی نیچے رکھو۔"

لغوی تحقیق: اسرعوا: باب افعال ہونے کی وجہ سے ہمزہ قطعی مفتوح، سین ساکن اور راء مکسور ہے، جلدی لیکر چلو۔ تضعونه: اسے نیچے رکھو۔ رقاب: رقبة کی جمع ہونے کی وجہ سے راء مکسور ہے۔

تشریح: یہ حدیث حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کے علاوہ بعض دوسرے صحابہ سے بھی مروی ہے، حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث میں ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا:"میت کو جب کندھوں پر اٹھالیا جاتا ہے تو اگر وہ نیک ہوتی ہے تو کہتی ہے، مجھے جلدی لیکر چلو اور اگر وہ بد ہوتی ہے تو پھر کہتی ہے، تم پر افسوس! تم مجھے کہاں لیکر جارہے ہو، اس کی یہ آواز (جن اور) انسان کے علاوہ باقی ساری مخلوق سنتی ہے، اگر اس کی آواز انسان سن لے تو وہ اپنے حواس کھودے۔"

حضرت عثمان بن ابی العاص رضی اللہ عنہ سے مروی روایت میں ہے کہ ہم ایک جنازے کو آہستہ آہستہ لیکر چل رہے تھے، حضرت ابوبکرہ رضی اللہ عنہ نے کوڑا لہراتے ہوئے فرمایا، ہم رسول اللہ ﷺ کی معیت میں جنازہ لیکر نہایت تیز چلتے تھے۔

فقہی احکام: (۱) تجہیز وتکفین اور تدفین میں غیر ضروری تاخیر درست نہیں۔ (۲) جنازہ اٹھا کر قدرے تیز چلنا چاہیے۔
(۳) چارپائی پر لیٹی ہوئی میت اخروی زندگی میں داخل ہوچکی ہوتی ہے۔

۵۶۵: وَعَنْهُ قَالَ، قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ "مَنْ شَهِدَ الْجَنَازَةَ حَتَّى يُصَلَّى عَلَيْهَا فَلَهُ قِيرَاطٌ ,وَمَنْ شَهِدَهَا حَتَّى تُدْفَنَ فَلَهُ قِيرَاطَانِ " قِيلَ وَمَا الْقِيرَاطَانِ؟ قَالَ "مِثْلُ الْجَبَلَيْنِ الْعَظِيمَيْنِ " مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ وَلِمُسْلِمٍ "حَتَّى تُوضَعَ فِي اللَّحْدِ " وَلِلْبُخَارِيِّ "مَنْ تَبِعَ جَنَازَةَ مُسْلِمٍ إِيمَانًا وَاحْتِسَابًا ,وَكَانَ مَعَهُ حَتَّى يُصَلَّى عَلَيْهَا وَيُفْرَغَ مِنْ دَفْنِهَا فَإِنَّهُ يَرْجِعُ بِقِيرَاطَيْنِ ,كُلُّ قِيرَاطٍ مِثْلُ أُحُدٍ "

البخاری، کتاب الجنائز، باب من انتظر حتی تدفن: ۱۳۲۵، مسلم: ۹۴۵، ۹۴۶، ابوداود: ۳۱۶۸، النسائی: ۷۶/۴، ابن ماجة: ۱۵۳۹، ابن حبان: ۳۰۷۸، البیهقی: ۴۱۲/۳، احمد: ۴۰۱/۲، ۲۷/۳، مجمع البحرین: ۴۱۵/۲، ابن جارود: ۵۲۶

۵۶۵: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:" جو شخص جنازے کے ساتھ جائے اور نماز جنازہ پڑھنے تک

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

جنازے کے ساتھ رہے، اس کے لیے ایک قیراط ہے اور جو تدفین تک ساتھ رہے، اس کے لیے دو قیراط ہیں۔" (آپ ﷺ سے) دریافت کیا گیا کہ دو قیراط سے کیا مراد ہے، (آپ ﷺ نے فرمایا):" دو قیراط دو بڑے پہاڑوں کے برابر ہیں۔" (بخاری ومسلم) اور صحیح مسلم میں ہے،" یہاں تک کہ میت کو لحد میں رکھ دیا جائے۔" اور صحیح بخاری میں ہے،" جو مسلمان شخص حالت ایمان میں حصول ثواب کی نیت سے جنازے کے پیچھے چلتا ہے، نماز جنازہ اور تدفین میں شریک رہتا ہے، وہ دو قیراط ثواب لیکر واپس لوٹتا ہے، ہر قیراط احد پہاڑ کے برابر ہے۔"

لغوی تحقیق: **قیراط:** وزن کرنے کا ایک پیمانہ ہے، مختلف زمانوں میں مختلف مقداروں پر دلالت کرتا رہا ہے، آج کل اس کا وزن گندم کے چار دانوں کے برابر تصور کیا جاتا ہے، رسول اللہ ﷺ کے عہد میں بھی یقیناً یہ مختلف مقداروں کو ظاہر کرتا ہوگا، تبھی صحابہ نے رسول اللہ ﷺ سے اس کی وضاحت چاہی، **ایماناً:** نماز جنازہ میں شریک ہونے والا شخص مؤمن موحد ہو یعنی اگر وہ مشرک ہوگا تو پھر وہ اس عظیم بشارت سے محروم رہے گا۔ **احتساباً:** جنازے میں شریک ہونے والا اجر ثواب کا طالب ہو، یعنی فقط چہرہ دیکھانے کیلئے نہ آیا ہو۔ **اللحد:** کا لغوی معنی راستے سے ہٹنا ہے، شرعی اصطلاح میں قبر کی اس شکل کو لحد کہا جاتا ہے جو بغلی کی صورت میں ہو۔

تشریح: مسلمان کے مسلمان پر جو چھ حقوق ہیں ان میں سے ایک یہ بھی ہے کہ اس کی نماز جنازہ میں شرکت کی جائے۔ اس حدیث میں اس حق کی ادائیگی کا معاوضہ بیان کیا گیا ہے، یعنی یہ بتایا گیا ہے کہ جو مسلمان اپنے کسی مسلمان بھائی کی نماز جنازہ میں شریک ہوتا ہے وہ خوش نصیب ایک طرف تو اپنے فرض کی ادائیگی سے عہدہ برا ہوتا ہے اور دوسری طرف اجر عظیم کا مستحق قرار پاتا ہے، قیراط اگرچہ انسانوں کے نزدیک ایک نہایت معمولی مقدار کو تولنے کا پیمانہ ہے لیکن اللہ تعالیٰ کے نزدیک یہ اتنا بڑا پیمانہ ہے جس کے ذریعے احد پہاڑ جیسے وزنی پہاڑ کا وزن کیا جا سکتا ہے۔

یہ حدیث آپ ﷺ سے متعدد صحابہ نے بیان کی ہے، حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ اس حدیث کو اکثر بیان کیا کرتے تھے۔ ایک دفعہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے حضرت خباب رضی اللہ عنہ کو اس حدیث کی تصدیق کے سلسلہ میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس بھیجا، تو انہوں نے کہا، حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ درست کہتے ہیں۔ ان کے علاوہ یہ حدیث حضرت ابوسعید خدری، حضرت ثوبان رضی اللہ عنہما مولی رسول اللہ ﷺ اور حضرت انس رضی اللہ عنہ سے بھی مروی ہے، اور ان سب میں قیراط کا وزن بھی مذکور ہے۔

فقہی احکام: (۱) مسلمان بھائی کی نماز جنازہ میں شریک ہونے کا ثواب احد پہاڑ کے برابر ہے۔

(۲) تدفین میں شریک ہونے کا ثواب بھی احد پہاڑ کے برابر ہے۔ (۳) جنازے میں شرکت ایمان کا تقاضا ہے۔

۵۶۶: وَعَنْ سَالِمٍ ,عَنْ أَبِيهِ رضی اللہ عنہ أَنَّهُ رَأَى النَّبِيَّ ﷺ وَأَبَا بَكْرٍ وَعُمَرَ ,يَمْشُونَ أَمَامَ الْجَنَازَةِ. رَوَاهُ الْخَمْسَةُ، وَصَحَّحَهُ ابْنُ حِبَّانَ ,وَأَعَلَّهُ النَّسَائِيُّ وَطَائِفَةٌ بِالْإِرْسَالِ.

ابو داود، کتاب الجنائز، باب المشی امام الجنازة: ۳۱۷۹، ۳۱۸۰، الترمذی: ۱۰۱۸، ۱۰۲۰، النسائی: ۵۶/۴، ابن ماجة: ۱۴۸۲، احمد: ۸/۲، ۱۲۲/۲، ۲۴۶/۴، الدارقطنی: ۷۰/۲، البیهقی: ۲۳/۴، ابن حبان، کتاب الجنائز، مایستحب للمرء اذا شهد جنازة: ۳۰۴۵۔ ۳۰۴۹، الطیالسی: ۱۸۱۷، ابن ابی شیبة: ۲۷۷/۳، الطبرانی: ۱۳۱۳۴/۱۲، ۱۳۱۳۳، عبدالرزاق: ۶۲۵۹، الطحاوی: ۴۸۰/۴، التحقیق لابن جوزی: ۹۴۴، ۹۴۹، الاحکام الوسطی: ۱۳۷/۲، الارواء: ۱۸۷/۳، ۱۹۱، الخلاصة للنووی: ۹۹۶/۲، ۹۹۷، مسائل احمد: ۱۹۲۰، معرفة السنن والآثار: ۱۵۰/۳۔ ۱۵۵

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

۵۶۶: حضرت سالم اپنے والد حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے نبی کریم ﷺ، حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما کو جنازے کے آگے چلتے دیکھا ہے۔ اسے پانچوں نے بیان کیا ہے، ابن حبان نے اسے صحیح میں روایت کیا ہے، امام نسائی اور بعض نے اسے مرسل قرار دیا ہے۔

لغوی تحقیق: الارسال: اس سے مراد یہ ہے کہ یہ روایت مرسل ہے، مرسل اس روایت کو کہتے ہیں، جسے تابعی یا تبع تابعی براہ راست رسول اللہ ﷺ سے نقل کرے، ایسی روایت اس وقت تک حجت نہیں ہوتی جب تک اسے مرفوع روایت کی تائید حاصل نہ ہو۔

تشریح: اس حدیث کے مرکزی راوی امام زہری ہیں، ان سے یہ حدیث ابن جریج، زیاد بن سعد اور سفیان وغیرہم موصولاً نقل کرتے ہیں، جبکہ امام مالک، معمر اور یونس بن یزید ایلی نے مرسل روایت کی ہے۔

اس حدیث کو امام نسائی، عبداللہ بن مبارک، امام احمد بن حنبل اور امام ابن جوزی اور حافظ عبدالحق اشبیلی نے مرسل قرار دیا ہے۔

علامہ ناصر الدین البانی نے اس حدیث کو مرفوع قرار دیا ہے۔ اور ابن عیینہ کے متعدد ساتھیوں مثلاً منصور بن المعتمر، زیاد بن سعد، بکر بن وائل، محمد بن عبداللہ بن مسلم، یونس بن عبید، عقیل بن خالد، عباس بن حسن، محمد بن عبدالرحمٰن، موسیٰ بن عقبہ اور شعیب بن ابی حمزہ نے ان کی متابعت کی ہے۔ یہ متابعت سر آنکھوں پر، لیکن اس حقیقت سے انکار نہیں جس کا اظہار محدثین نے کیا ہے، کیونکہ ماہرین ہی اپنے شعبے کی باریکیوں سے آگاہ ہوتے ہیں۔ یہ بات ایک عجوبہ سے کم نہیں کہ ایک روایت کو سفیان بن عیینہ جیسا عظیم محدث نقل کرے اور اس کی متابعت کم از کم اس کے دس ساتھی کریں لیکن نامور ماہرین فن پھر بھی اس حدیث کو مرسل قرار دیں۔

یونس بن یزید ایلی نے امام زہری کے طریق سے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے بھی یہ روایت نقل کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ حضرت ابوبکر، حضرت عمر اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہم جنازے کے آگے چلتے تھے۔

یہ روایت اگرچہ بظاہر صحیح معلوم ہوتی ہے، لیکن یہ بھی معلول ہے کیونکہ اس روایت میں تین علتیں موجود ہیں۔

(۱) یہ مضطرب ہے کیونکہ ابوزرعہ نے یونس بن یزید سے اسی سند سے یہ روایت نقل کی ہے، مگر اس میں یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ، ابوبکر، عمر اور عثمان جنازے کے پیچھے چلتے تھے۔ (۲) امام بخاری نے اس حدیث کو مرسل قرار دیا ہے اور موصولاً نقل کرنے میں ابوبکر برسانی کی خطا قرار دیا ہے، جبکہ امام احمد نے اسے یونس بن یزید کا وہم قرار دیا ہے۔ (۳) علامہ ناصر الدین البانی فرماتے ہیں کہ امام زہری نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے نہیں سنا۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی روایت میں ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: "جنازے کے ساتھ خاموشی سے چلا جائے، آگ ساتھ نہ ہو اور نہ جنازے کے آگے چلا جائے۔" اس روایت کی سند میں باب بن عمیر اور اس کا استاد دونوں مجہول ہیں۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہما سے مروی روایت میں ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: "جو جنازے کے آگے چلتا ہے وہ ہم میں سے نہیں۔" یہ روایت ابوماجد کے مجہول اور یحییٰ بن عبداللہ کے ضعیف ہونے کی وجہ سے معلول ہے۔ حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث میں ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: "سوار جنازے کے پیچھے چلیں جبکہ پیدل چلنے والوں کو اختیار ہے (وہ آگے چلیں یا پیچھے)۔

فقہی احکام: (۱) موٹر سائیکلوں اور گاڑیوں پر بیٹھنے والوں کو جنازے کے پیچھے چلنا چاہیے (۲) پیدل چلنے والے آگے اور پیچھے چل سکتے ہیں

۵۶۷: وَعَنْ أُمِّ عَطِيَّةَ رضی اللہ عنہا قَالَتْ ، نُهِينَا عَنِ اتِّبَاعِ الْجَنَائِزِ ,وَلَمْ يُعْزَمْ عَلَيْنَا. مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ.

البخاری، کتاب الجنائز، باب اتباع النساء الجنائز: ۱۲۷۸، مسلم: ۹۳۸، ابوداؤد: ۳۱۶۷، ابن ماجۃ: ۱۵۷۷، ۱۵۷۸،

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

احمد: ۶/ ۴۰۹، البیھقی: ۴/ ۷۷، عبدالرزاق: ۳/ ۴۵۴، المقصد العلیٰ لابن یعلیٰ: ۴۵۰، الحاکم: ۱/ ۵۳۰، المعجم الاوسط للطبرانی: ۸۴۰۵

۵۶۷: حضرت ام عطیہ رضی اللہ عنہا نے بیان کیا کہ ہمیں جنازوں میں شریک ہونے سے منع کر دیا گیا تھا، لیکن ممانعت لازمی قرار نہیں دی تھی۔ بخاری و مسلم

تشریح: اس حدیث سے یہ واضح ہوا کہ خواتین کو چاہیے کہ وہ جنازوں میں شریک ہونے سے گریز کریں، البتہ اگر نماز جنازہ مسجد یا کسی ایسی جگہ میں پڑھایا جائے جہاں خواتین آسانی سے شریک ہو سکتی ہوں تو وہ اس میں شرکت کر سکتی ہیں۔ یقیناً ایسا کرنے پر وہ عنداللہ ماجور ہوں گی۔ واضح رہے کہ جن روایات میں یہ مذکور ہے کہ خواتین کو نماز جنازہ میں شریک ہونے پر کچھ ثواب نہیں ملتا، وہ سب ضعیف ہیں۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی روایت حارث بن زیاد، حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی روایت اسماعیل بن سلیمان، حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما سے مروی روایت ربیعہ بن سیف اور عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی روایت سلیمان بن ربیع، صہیب بن محمد اور عباد بن صہیب کی وجہ سے ضعیف ہیں۔

فقہی احکام: خواتین جنازے میں شریک ہو سکتی ہیں۔

۵۶۸: وَعَنْ أَبِي سَعِيدٍ رضی اللہ عنہ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ قَالَ " إِذَا رَأَيْتُمُ الْجَنَازَةَ فَقُومُوا ,فَمَنْ تَبِعَهَا فَلَا يَجْلِسْ حَتَّى تُوضَعَ " مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ

البخاری، کتاب الجنائز، باب من تبع جنازۃ فلا یقعد حتی توضع: ۱۳۱۰، ۱۳۱۱، مسلم: ۹۵۹، ۹۶۲، ابوداود: ۳۱۷۳، الترمذی: ۱۰۵۳، ابن ماجۃ: ۱۵۶۳، النسائی: ۴/ ۴۵، ۴۷، معرفۃ السنن و الآثار: ۳/ ۱۵۵ ـ ۱۱۵۸

۵۶۸: حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "جب تم جنازہ دیکھو تو کھڑے ہو جاؤ، اور جو جنازے کے ہمراہ چلے وہ جنازہ زمین پر رکھنے سے پہلے مت بیٹھے۔ (بخاری و مسلم)

تشریح: اس مفہوم کی احادیث دیگر صحابہ سے مروی ہیں۔

حضرت عامر بن ربیعہ رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "اگر تم جنازے کے ساتھ نہیں جا سکتے تو پھر جنازے کو دیکھ کر اس وقت تک کھڑے رہو، جب تک وہ آگے نہ گزر جائے یا اسے زمین پر رکھ نہ دیا جائے۔"

حضرت جابر اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہما سے مروی حدیث میں کھڑے ہونے کی علت بھی مذکور ہے۔ وہ کہتے ہیں ایک جنازہ گزرا جسے دیکھ کر رسول اللہ ﷺ کھڑے ہو گئے اور ہم بھی آپ ﷺ کے ساتھ کھڑے ہو گئے پھر ہم نے عرض کیا، اللہ کے رسول ﷺ! یہ میت تو ایک یہودی عورت کی تھی؟ آپ ﷺ نے فرمایا: "موت انسان کیلئے باعث اضطراب ہے، لہٰذا تم جب بھی جنازہ دیکھو تو کھڑے ہو جاؤ"

حضرت سہل بن حنیف رضی اللہ عنہ سے مروی روایت میں ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: "کیا یہودی انسان نہیں؟ " حضرت عائشہ اور حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہما کے نزدیک کھڑے ہونے کی ایک دوسری علت ہے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا کہنا ہے کہ آپ ﷺ نے یہ ناپسند فرمایا کہ یہودی کی میت آپ ﷺ کے سر مبارک سے بلند ہو۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی روایت میں، آپ ﷺ کے کھڑے ہونے کی ایک تیسری علت بیان ہوئی ہے، وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کے قریب سے ایک جنازہ گزرا آپ ﷺ اسے دیکھ کر کھڑے ہو گئے تو آپ ﷺ سے کہا گیا کہ یہ میت یہودی کی ہے،

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

آپ ﷺ نے فرمایا: "ہم تو فرشتوں کے لیے کھڑے ہوئے ہیں۔" اس روایت کو اگرچہ امام نووی نے مسلم کی شرط کے مطابق صحیح قرار دیا ہے تاہم یہ روایت حماد بن سلمہ اور قتادہ کے عنعنہ کی وجہ سے ضعیف ہے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی روایت سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ حکم منسوخ ہو چکا ہے، وہ فرماتے ہیں کہ پہلے رسول اللہ ﷺ کھڑے ہوا کرتے تھے، لیکن بعد میں بیٹھے رہتے تھے، امام بیہقی کے طریق سے مروی روایت میں ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ کھڑے ہوئے تھے اور ہمیں بھی کھڑے ہونے کا حکم فرمایا تھا، مگر بعد میں آپ ﷺ بیٹھنے لگے اور ہمیں بھی بیٹھے رہنے کا حکم دیا۔

فقہی احکام: یہ حدیث منسوخ ہے اس لئے اس سے کوئی حکم مستنبط نہیں ہوتا۔

۵۶۹: وَعَنْ أَبِي إِسْحَاقَ ,أَنَّ عَبْدَ اللّٰهِ بْنَ يَزِيدَ رضی اللہ عنہ أَدْخَلَ الْمَيِّتَ مِنْ قِبَلِ رِجْلَيِ الْقَبْرِ، وَقَالَ هٰذَا مِنَ السُّنَّةِ. أَخْرَجَهُ أَبُو دَاوُدَ.

ابو داود، کتاب الجنائز، باب فی المیت یدخل من قبل رجلیه: ۳۲۱۱، البیهقی: ۵۴/۴، معرفة السنن و الآثار: ۲۱۷۵-۲۱۷۸، ابن ماجة: ۱۵۵۲

۵۶۹: حضرت ابو اسحاق بیان کرتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن یزید رضی اللہ عنہ نے میت کو اس کے پاؤں کی طرف سے قبر میں داخل کیا اور فرمایا، مسنون طریقہ یہی ہے۔ (ابوداؤد)

تشریح: ابو اسحاق اگرچہ مدلس ہے لیکن امام شعبہ چونکہ مدلس راوی سے روایت اس وقت تک نہیں لیتے تھے، جب تک وہ سماعت کی صراحت سے آگاہ نہیں ہو جاتے تھے۔ یہ روایت چونکہ امام شعبہ نے ابو اسحاق سے نقل کی ہے، اس لیے معنعن ہونے کے باوجود سماع پر محمول ہوگی۔ اس روایت کے معارض دو طرح کی روایات ہیں۔ بعض میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ کو دفن کرتے وقت آپ ﷺ کا پہلے سر داخل کیا گیا، اور بعض میں ہے کہ آپ ﷺ کے جسد اطہر کو ایک ساتھ قبر میں داخل کیا گیا۔ یہ دونوں روایات ضعیف ہیں۔

فقہی احکام: میت کو قبر میں داخل کرتے وقت پہلے اس کے پاؤں قبر میں داخل کیے جائیں۔

۵۷۰: وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ رضی اللہ عنہما ,عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ " إِذَا وَضَعْتُمْ مَوْتَاكُمْ فِي الْقُبُورِ ,فَقُولُوا ، بِسْمِ اللّٰهِ ,وَعَلَى مِلَّةِ رَسُولِ اللّٰهِ ﷺ. أَخْرَجَهُ أَحْمَدُ ,وَأَبُو دَاوُدَ ,وَالنَّسَائِيُّ ,وَصَحَّحَهُ ابْنُ حِبَّانَ ,وَأَعَلَّهُ الدَّارَقُطْنِيُّ بِالْوَقْفِ.

ابو داود، کتاب الجنائز، باب الدعاء للمیت اذا وضع فی قبره: ۳۲۱۳، احمد: ۲۷/۲، الترمذی: ۱۰۵۷، ابن ماجة: ۱۵۵۰، البیهقی: ۵۵/۴، الدارقطنی: ۷۶/۲، ابن حبان: ۳۱۰۹، ۳۱۱۰، معرفة السنن و الآثار: ۱۸۶/۳، النسائی فی الکبری: ۲۶۸/۶

۵۷۰: حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: "جب تم اپنے مُردوں کو قبر میں اتارو تو بسم اللہ وعلی ملۃ رسول اللہ پڑھو۔" اسے احمد، ابوداؤد اور نسائی نے روایت کیا ہے اور ابن حبان نے اسے صحیح کہا ہے، امام دارقطنی نے اسے موقوف قرار دیا ہے۔

تشریح: یہ روایت حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے متعدد طرق سے مروی ہے۔ ہمام بن یحییٰ نے یہ روایت قتادہ سے مرفوعاً نقل کی ہے، اور ہشام دستوائی نے قتادہ سے موقوفاً نقل کی ہے، جبکہ امام شعبہ نے قتادہ سے موقوفاً اور مرفوعاً ہر دو طرح سے نقل کی ہے، حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے یہ روایت ابو صدیق ناجی کے علاوہ نافع اور سعید بن مسیّب نے بھی نقل کی ہے، مگر یہ دونوں طرق ضعیف ہیں۔ نافع سے مروی طریق حجاج اور لیث بن ابی سلیم کی وجہ سے ضعیف ہے، جبکہ سعید بن مسیّب سے مروی طریق حماد بن عبدالرحمٰن کی وجہ سے ضعیف ہے۔

امام حاکم نے اس روایت کو صحیح قرار دیا ہے۔ اور امام ذہبی نے اس پر مہر تصدیق ثبت کی ہے۔ جبکہ امام بیہقی اور امام دارقطنی نے

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

مرفوع روایت کو ہمام بن یحیٰی کا تفرد قرار دیتے ہوئے موقوف طریق کو راجح قرار دیا ہے۔ان آئمہ کی رفعت شان اپنی جگہ پر مگر حقیقت یہ ہے کہ اس روایت کو مرفوع بیان کرنے میں ہمام بن یحیٰی منفرد نہیں کیونکہ امام شعبہ نے ان کی متابعت کی ہے جیسا کہ صحیح ابن حبان میں امام شعبہ کے طریق سے یہ حدیث مرفوعاً مذکور ہے۔

فقہی احکام: میت کو دفن کرتے وقت مذکورہ الفاظ پڑھنے مسنون ہے۔

۵۷۱: وَعَنْ عَائِشَةَ رضی اللہ عنہا: أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ قَالَ " كَسْرُ عَظْمِ الْمَيِّتِ كَكَسْرِهِ حَيًّا " رَوَاهُ أَبُو دَاوُدَ بِإِسْنَادٍ عَلَى شَرْطِ مُسْلِمٍ

ابوداود، کتاب الجنائز، باب فی الحفار یجد العظم هل یتنکب ذالک المکان: ۳۲۰۷، احمد: ۵۸/۶، ابن ماجة: ۱۶۱۶، الدارقطنی: ۱۸۸/۳، الارواء: ۲۱۴/۳، بیان الوهم والایهام: ۲۱۲/۴، ابن حبان: ۳۱۶۷، مشکل الآثار: ۱۰۸/۲، المؤطا: ۲۳۹/۱، المجموع للنووی: ۳۰۰/۵

۵۷۱: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: " مردہ انسان کی ہڈی توڑنے کا گناہ اتنا ہی ہے جتنا کہ زندہ انسان کی ہڈی توڑنے کا ہے۔" یہ روایت امام ابوداؤد نے امام مسلم کی شرط کے مطابق نقل کی ہے۔

تشریح: اس حدیث کو امام نووی اور علامہ ناصر الدین نے صحیح قرار دیا ہے۔جبکہ امام ابن قطان نے اسے حسن کہا ہے۔حسن کہنے کی وجہ یہ بیان کی ہے کہ عمرۃ بنت عبدالرحمٰن سے یہ روایت سعد بن سعید نقل کرتے ہیں اور وہ مختلف فیہ ہیں، کیونکہ انہیں امام مسلم اور امام عجلی نے ثقہ اور امام ابن معین نے صالح کہا ہے۔جبکہ امام احمد نے ضعیف اور امام نسائی نے لیس بالقوی کہا ہے۔راقم کے نزدیک اس حدیث کا صحیح لغیرہ ہونا راجح ہے۔کیونکہ سعد بن سعید کی متابعت ان کے متعدد معاصرین نے کی ہے۔

فقہی احکام: اس حدیث سے یہ واضح ہوا کہ میت کے اعضا نکال کر ان کی پیوند کاری کرنا درست نہیں، البتہ علاج ومعالجہ کی خاطر آپریشن اور تحقیق وتفتیش کیلئے پوسٹ مارٹم کرنا درست ہے۔

۵۷۲: وَزَادَ ابْنُ مَاجَةَ مِنْ حَدِيثِ أُمِّ سَلَمَةَ رضی اللہ عنہا " فِي الْإِثْمِ "

ابن ماجة، ابواب ماجاء فی الجنائز، باب فی النهی عن کسر عظام المیت: ۱۶۱۷

۵۷۲: امام ابن ماجہ نے حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے جو حدیث نقل کی ہے اس میں فی الاثم مزید مذکور ہے۔

تشریح: امام بوصیری نے اس روایت کے ایک راوی عبداللہ بن زیاد کو مجہول قرار دیا ہے۔واضح رہے کہ اس نام کے کئی راوی ہیں۔ معلوم نہیں کہ اس سے مراد کونسا عبداللہ بن زیاد ہے۔

۵۷۳: وَعَنْ سَعْدِ بْنِ أَبِي وَقَّاصٍ رضی اللہ عنہ قَالَ أَلْحِدُوا لِي لَحْدًا, وَانْصِبُوا عَلَيَّ اللَّبِنَ نَصْبًا, كَمَا صُنِعَ بِرَسُولِ اللَّهِ ﷺ. رَوَاهُ مُسْلِمٌ.

مسلم، کتاب الجنائز، باب فی اللحد ونصب اللبن علی المیت: ۹۶۶، النسائی: ۸۰/۴، ابن ماجة: ۱۵۵۵، ۱۵۵۶، احمد: ۱۶۹/۱، البیهقی: ۴۰۷/۴، عبدالرزاق: ۴۷۷/۳، الترمذی: ۱۰۵۶، ابوداود: ۳۲۰۸، ابن حبان: ۶۶۳۵

۵۷۳: حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ نے کہا، میرے لیے بغلی والی قبر بنانا اور مجھ پر کچی اینٹیں چننا، جیسا کہ رسول اللہ ﷺ کے لیے کیا گیا تھا۔مسلم

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

لغوی تحقیق: اللبن: لام مفتوح اور باء مکسور، کچی اینٹ۔

تشریح: قبر دو طرح کی ہوتی ہے جو گھڑے کے وسط میں بنائی جاتی ہے اسے "شق" اور جو قبلہ رُخ کی طرف دیوار کے نیچے کھودی جاتی ہے اسے "لحد" کہتے ہیں۔ اگرچہ شق کی صورت میں قبر بنانا جائز ہے تاہم لحد کی صورت میں قبر بنانا افضل ہے۔ اور جن روایات میں شق کی صورت میں قبر بنانے کی ممانعت مذکور ہے، وہ سب ضعیف ہیں۔

حضرت جریر بن عبداللہ بجلی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "لحد ہمارے لیے ہے جبکہ شق اہل کتاب کیلئے ہے۔" یہ روایت عثمان بن عمیر اور ابو جناب کی وجہ سے ضعیف ہے۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی روایت میں ہے کہ "لحد ہمارے لیے اور شق ہمارے غیر کے لیے ہے۔" یہ روایت علی بن عبدالاعلیٰ کی وجہ سے ضعیف ہے۔ حضرت عائشہ اور حضرت جابر رضی اللہ عنہما سے مروی روایات میں بھی یہ صراحت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کیلئے لحد بنائی گئی اور لحد پر کچی اینٹیں چنی گئیں۔

فقہی احکام: (۱) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کیلئے لحد بنائی گئی تھی، بنا بریں لحد بنانا افضل ہے۔

(۲) قبر میں کچی اینٹ کا استعمال مسنون ہے اور پکی اینٹوں کے استعمال سے گریز کرنا چاہیے۔

۵۷۴: وَلِلْبَيْهَقِيِّ عَنْ جَابِرٍ نَحْوُهُ ,وَزَادَ ، وَرُفِعَ قَبْرُهُ عَنِ الْأَرْضِ قَدْرَ شِبْرٍ. وَصَحَّحَهُ ابْنُ حِبَّانَ.

ابن حبان، کتاب التاریخ، باب وفاته: ۶۶۳۵، البیهقی: ۶۸۳۵

۵۷۴: امام بیہقی نے اسی طرح کی ایک حدیث حضرت جابر رضی اللہ عنہ کے طریق سے نقل کی ہے، اس میں یہ الفاظ بھی ہیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر زمین سے ایک بالشت کے برابر اونچی بنائی گئی تھی، اسے ابن حبان نے صحیح کہا ہے۔

تشریح: اس روایت سے واضح ہوا کہ قبر کو ایک بالشت تک زمین سے بلند کیا جا سکتا ہے۔

۵۷۵: وَلِمُسْلِمٍ عَنْهُ ، نَهَى رَسُولُ اللَّهِ صلی اللہ علیہ وسلم أَنْ يُجَصَّصَ الْقَبْرُ ,وَأَنْ يُقْعَدَ عَلَيْهِ ,وَأَنْ يُبْنَى عَلَيْهِ.

مسلم، کتاب الجنائز، باب النهی عن تجصیص القبر و البناء علیه: ۹۷۰، النهی عن الجلوس علی القبر و الصلاة علیه: ۹۷۱، ۹۷۲،

ابن ماجة: ۱۵۶۲ - ۱۵۶۴، التلخیص: ۲/ ۱۳۲

۵۷۵: امام مسلم نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قبر کے پختہ کرنے، اس پر بیٹھنے اور اس پر عمارت تعمیر کرنے سے منع فرمایا ہے۔

لغوی تحقیق: یجصص: یاء مضموم، جیم اور صاد مفتوح یعنی چونا گچ کی جائے۔

تشریح: ابن ماجہ میں یہ بھی مذکور ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قبر پر کتبہ لگانے سے بھی منع فرمایا، علامہ ناصر الدین البانی نے ان الفاظ کو صحیح قرار دیا ہے۔ حضرت ابو مرثد غنوی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے قبروں پر بیٹھنے اور ان کی طرف منہ کر کے نماز پڑھنے سے منع فرمایا ہے۔ حضرت ابو سعید رضی اللہ عنہ سے مروی روایت میں ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے قبروں پر عمارت تعمیر کرنے سے منع فرمایا ہے۔

فقہی احکام: قبروں کو پختہ کرنا، ان پر بیٹھنا، کتبہ لگانا، عمارت تعمیر کرنا اور ان کی طرف منہ کر کے نماز پڑھنا منع ہے۔

۵۷۶: وَعَنْ عَامِرِ بْنِ رَبِيعَةَ رضی اللہ عنہ أَنَّ النَّبِيَّ صلی اللہ علیہ وسلم صَلَّى عَلَى عُثْمَانَ بْنِ مَظْعُونٍ ,وَأَتَى الْقَبْرَ ,فَحَثَى عَلَيْهِ ثَلَاثَ حَثَيَاتٍ , وَهُوَ قَائِمٌ. رَوَاهُ الدَّارَقُطْنِيُّ.

الدارقطنی: ۲/ ۷۶، ابن ماجة: ۱۵۶۵، الاوراء: ۳/ ۲۰۰

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

۵۷۶: حضرت عامر بن ربیعہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ کی نماز جنازہ پڑھی، پھر اس کی قبر پر تشریف لائے اور اس پر تین لپ مٹی ڈالی۔ (دارقطنی)

لغوی تحقیق: حثیات : حثیة کی جمع ہے، یعنی لپ۔

تشریح: قاسم بن عبداللہ العمری اور عاصم بن عبید اللہ دونوں حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کی اولاد سے ہیں۔ اور دونوں محدثین کے نزدیک سخت مجروح ہیں۔ اس وجہ سے یہ روایت ضعیف ترین ہے۔ لیکن متن کے اعتبار سے یہ روایت صحیح ہے کیونکہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک میت کی نماز جنازہ پڑھی پھر اس کی قبر پر تشریف لائے اور اس کے سر کی جانب سے اس پر تین لپ مٹی ڈالی۔ اس روایت کے جملہ رواۃ ثقہ ہیں اور علامہ ناصرالدین نے اس سند کو صحیح قرار دیا ہے۔

فقہی احکام: قبر پر تین لپ مٹی ڈالنا مسنون ہے۔

۵۷۷: وَعَنْ عُثْمَانَ رضی اللہ عنہ قَالَ كَانَ رَسُولُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم إِذَا فَرَغَ مِنْ دَفْنِ الْمَيِّتِ وَقَفَ عَلَيْهِ وَقَالَ "اِسْتَغْفِرُوا لِأَخِيكُمْ وَسَلُوا لَهُ التَّثْبِيتَ, فَإِنَّهُ الْآنَ يُسْأَلُ" رَوَاهُ أَبُو دَاوُدَ, وَصَحَّحَهُ الْحَاكِمُ.

ابوداود، کتاب الجنائز، باب الاستغفار عند القبر للمیت: ۳۲۲۱، الحاکم: ۵۲۶/۱، البیهقی: ۵۶/۴، التلخیص: ۱۳۵/۲

۵۷۷: حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب میت کو دفن کر کے فارغ ہوتے تو قریب سے قریب تر کھڑے ہو کر فرماتے: " اپنے بھائی کے لیے بخشش طلب کرو، اور اس کے لیے ثابت قدمی کی دعا کرو، کیونکہ اس وقت اس سے باز پرس ہو رہی ہے۔" اسے ابوداؤد نے روایت کیا ہے، اور حاکم نے صحیح کہا ہے۔

لغوی تحقیق: التثبیت: باب تفعیل سے مصدر ہے، یعنی ثابت قدم رہنا۔

تشریح: موت کے بعد قبر وہ پہلا مقام ہے، جہاں انسان کو اپنی کارکردگی کی کاروائی فرشتوں کے سامنے پیش کرنا ہوتی ہے۔ اگر انسان اس مرحلہ کو بخیر وخوبی سرانجام دے لے تو پھر وہ یقیناً جنت میں داخلے تک تمام مراحل طے کرنے میں کامیاب ہو جائے گا۔ محترم ہانی مولیٰ عثمان بیان کرتے ہیں کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ جب قبر پر کھڑے ہوتے تو ان کی آنکھیں اشک بار ہو جاتیں، جس سے ان کی داڑھی تر ہو جاتی، ان سے عرض کیا گیا کہ جب آپ جنت وجہنم کا تذکرہ کرتے ہو تو اس وقت آپ اس قدر نہیں روتے جس قدر قبر کے ذکر پر روتے ہو؟ انہوں نے فرمایا، قبر آخرت کے مراحل میں سے پہلا مرحلہ ہے، اگر انسان اس سے با حفاظت گزر گیا تو باقی مراحل اس کیلئے آسان تر ہونگے، اور اگر وہ اس میں ناکام رہا، تو پھر بعد والے مراحل اس کیلئے سخت تر ہونگے۔ یہ روایت عبداللہ بن بجیر کی وجہ سے عمدہ نہیں البتہ زیر تشریح روایت کو امام حاکم نے صحیح قرار دیا ہے۔ امام ذہبی نے اس پر مہر تصدیق ثبت کی ہے۔

فقہی احکام: (۱) قبر میں جواب طلبی ہوتی ہے۔ (۲) جواب طلبی کا یہ عمل اسی وقت شروع ہو جاتا ہے، جب اس کی تدفین کا عمل مکمل ہو جاتا ہے۔ قبر پر کھڑے ہو کر اور مدفون کیلئے دعائے استغفار کرنا مسنون ہے۔

۵۷۸: وَعَنْ ضَمْرَةَ بْنِ حَبِيبٍ أَحَدِ التَّابِعِينَ قَالَ، كَانُوا يَسْتَحِبُّونَ إِذَا سُوِّيَ عَلَى الْمَيِّتِ قَبْرُهُ, وَانْصَرَفَ النَّاسُ عَنْهُ, أَنْ يُقَالَ عِنْدَ قَبْرِهِ، يَا فُلَانُ! قُلْ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ ثَلَاثَ مَرَّاتٍ, يَا فُلَانُ! قُلْ رَبِّيَ اللّٰهُ, وَدِينِيَ الْإِسْلَامُ, وَنَبِيِّي مُحَمَّدٌ صلی اللہ علیہ وسلم. رَوَاهُ سَعِيدُ بْنُ مَنْصُورٍ مَوْقُوفًا.

التخلیص: ۱۳۶/۲

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

۵۷۸: ضمرۃ بن حبیب تابعی کا قول ہے کہ جب لوگ تدفین سے فارغ ہو کر واپس ہونے لگتے تو یہ الفاظ کہنے کو مستحب خیال کرتے تھے کہ فلاں ! لاالٰہ الااللہ کہہ دو، وہ ایسا تین مرتبہ کہتے پھر کہتے، اے فلاں کہہ دو، میرا رب اللہ ہے، میرا دین اسلام ہے، اور میرے نبی محمد ﷺ ہیں۔ اسے سعید بن منصور نے موقوف بیان کیا ہے۔

تشریح: ضمرۃ بن حبیب تابعی ہیں۔ تابعی کا قول حجت شرعیہ میں سے نہیں ہے، لہٰذا یہ قابل عمل نہیں جبکہ صحیح حدیث میں میت کی تدفین کے بعد اس کیلئے ثابت قدم رہنے کی دعا کرنا مذکور ہے۔

۵۷۹: وَلِلطَّبَرَانِيِّ نَحْوُهُ مِنْ حَدِيثِ أَبِي أُمَامَةَ مَرْفُوعًا مُطَوَّلًا .

المعجم الكبير للطبراني: ۷۹۷۹، تخريج الاحياء للعراقي: ۴/۴۹۲، شرح الاحياء: ۱۰/۳۶۸، زاد المعاد: ۱/۵۲۳، تهذيب سنن ابي داؤد: ۱۳/۲۹۳، شرح الاذكار: ۴/۱۹۶، المجموع: ۵/۳۰۴، الآلى المنثورة: ۹۵، التلخيص الحبير: ۲/۱۳۵، ۱۳۶، مجمع: ۳/۳۸

۵۷۹: طبرانی میں اس کی مثل حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ سے مرفوع روایت مفصل مذکور ہے۔

تشریح: یہ روایت حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ سے سعید بن عبداللہ اور جابر بن سعید ازدی نقل کرتے ہیں۔ ان میں سے ہر ایک یہ کہتا ہے کہ میں حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ کے پاس اس وقت پہنچا جب وہ نزاع کے عالم میں تھے۔ پھر یہ دونوں ایک ہی طرح کی مفصل روایت نقل کرتے ہیں۔ اس روایت کے دونوں طرق باطل اور سخت ضعیف ہیں، کیونکہ دونوں اسناد میں ایسے راویوں کی قطاریں ہیں جن میں سے بعض مجہول، کچھ ضعیف اور ایک آدھ فتنہ وضع الحدیث میں بھی مبتلا رہا ہے۔

اسی سند میں رواۃ کی ایک ایسی جماعت ہے جن کے تراجم راقم کو نہیں مل سکے۔ اس روایت کا پہلا راوی سعید بن عبداللہ اودی ہے۔ اگر یہ ابن ضرار ہے تو پھر یہ ضعیف ہے ورنہ مجہول ہے، اس سے یہ روایت عبداللہ بن محمد نقل کرتا ہے یہ بھی مجہول ہے اس سے یہ روایت اسماعیل بن عیاش سے نقل کرتے ہیں، اسماعیل بن عیاش اپنے شامی شیوخ میں ثقہ اور غیر شامی شیوخ میں ضعیف ہے۔ عبداللہ بن محمد بظاہر غیر شامی محسوس ہو رہا ہے۔ اسماعیل سے یہ روایت محمد بن ابراہیم بن علا نقل کرتا ہے اس پر ابن موسیٰ نے کلام نقل کیا ہے۔ اس سے یہ روایت امام طبرانی کا شیخ ابوعقیل نقل کرتا ہے یہ بھی مجہول ہے۔ دوسری سند کا حال بھی ایسا ہی ہے۔ اس روایت کو تقریباً تمام نامور ماہرین فن نے ضعیف قرار دیا ہے۔ امام عراقی نے تخریج الاحیاء میں اس کی سند کو ضعیف کہا ہے۔ امام نووی، علامہ ابن تیمیہ، ابن صلاح اور زرکشی نے اسے ضعیف کہا ہے، حافظ ابن قیم فرماتے ہیں، اس روایت کے ضعیف ہونے پر اتفاق ہے۔ اس سند کو فقط الضیاء نے قوی قرار دیا ہے جبکہ حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ اس میں تردد کا شکار ہیں کیونکہ انہوں نے تلخیص میں اس کی سند کو صالح کہا ہے۔ اور شیخ حمدی عبدالمجید السلفی نے لکھا ہے کہ حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے **تخريج احاديث الاذكار** میں اس روایت کے دونوں طرق کو ضعیف کہا ہے، معلوم ہوتا ہے کہ حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ کے مقدم الذکر قول کی بنیاد الضیاء کی تحقیق ہے، جیسا کہ خود حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ الضیاء نے اسے قوی کہا ہے۔

حافظ ابن قیم نے اسے موضوع قرار دیا ہے۔ صاحب سبل السلام فرماتے ہیں، یہ عمل بدعت ہے۔

۵۸۰: وَعَنْ بُرَيْدَةَ بْنِ الْحَصِيبِ الْأَسْلَمِيِّ رضی اللہ عنہ قَالَ، قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ "كُنْتُ نَهَيْتُكُمْ عَنْ زِيَارَةِ الْقُبُورِ فَزُورُوهَا" رَوَاهُ مُسْلِمٌ . زَادَ التِّرْمِذِيُّ "فَإِنَّهَا تُذَكِّرُ الْآخِرَةَ"

مسلم، كتاب الجنائز، باب استئذان النبي ﷺ ربه عزوجل في زيارة قبر امه: ۹۷۶، ابوداود: ۳۲۳۵، النسائي: ۴/۸۹،

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

الترمذی: ۱۰۶۶، الحاکم: ۵۳۲/۱، البیھقی: ۷۶/۴، ابن حبان: ۳۱۶۸، احمد: ۳۵۰/۵

۵۸۰: حضرت بریدہ بن حصیب اسلمی رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "میں نے تمہیں قبروں کی زیارت کرنے سے منع کیا تھا، اب تم ان کی زیارت کیا کرو۔" اسے مسلم نے روایت کیا ہے اور ترمذی نے یہ اضافہ بھی ذکر کیا ہے کہ " قبروں کی زیارت آخرت کی یاد دہانی کرواتی ہے۔"

فقہی احکام: (۱) رسول اللہ ﷺ کا ایک حکم دوسرے حکم کو منسوخ کر سکتا ہے۔ (۲) قبروں کی زیارت کرنے کی اجازت ہے۔ (۳) قبروں کی زیارت کا مسنون طریقہ یہ ہے کہ ان کیلئے دعائے مغفرت کی جائے۔ (۴) قبروں کی زیارت سے موت یاد آنی چاہیے۔ (۵) قبروں پر میلے، کھیل کود اور نذرو نیاز وغیرہ غیر اسلامی کام ہیں۔

۵۸۱: زَادَ ابْنُ مَاجَة مِنْ حَدِيثِ ابْنِ مَسْعُودٍ رضی اللہ عنہما "وَتُزَهِّدُ فِي الدُّنيَا"

ابن ماجة، ابواب ماجاء فی الجنائز، باب ماجاء فی زیارة القبور: ۱۵۷۱، الحاکم: ۵۳۱/۱

۵۸۱: امام ابن ماجہ نے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہما سے روایت بیان کی ہے۔ اس میں یہ الفاظ بھی ہیں کہ " قبروں کی زیارت دنیاوی جاہ و حشمت سے عدم دلچسپی پیدا کرتی ہے۔"

۵۸۲: وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضی اللہ عنہ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ لَعَنَ زَائِرَاتِ الْقُبُورِ . أَخْرَجَهُ التِّرمِذِيُّ ,وَصَحَّحَهُ ابْنُ حِبَّانَ.

صحیح ابن حبان، کتاب الجنائز، فصل فی زیارة القبور، باب لعن المصطفیٰ المتخذات المساجد: ۳۱۷۸، ۳۱۸۰، الترمذی، ابواب الجنائز، باب کرھیة زیارة القبور للنساء: ۱۰۶۷، ابن ماجة: ۱۵۷۶، احمد: ۳۳۷/۲، البیھقی: ۷۸/۴، النسائی: ۹۴/۴، ۹۵، ابوداود: ۳۲۳۶، الحاکم: ۵۳۰/۱، الاحکام الوسطی: ۱۵۱/۲، السلسلة الضعیفة: ۳۹۴/۱، الارواء، ۲۱۲/۳، تقریب: ۳۸۱۷، الکاشف: ۳۱۵۵

۵۸۲: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے قبروں کی زیارت کرنے والی عورتوں پر لعنت فرمائی ہے۔ اسے ترمذی نے روایت کیا ہے۔ ابن حبان نے صحیح کہا ہے۔

تشریح: مرد حضرات کے بارے میں تو یہ صراحتاً مذکور ہے کہ انہیں پہلے قبروں کی زیارت کی اجازت نہیں تھی، لیکن بعد میں انہیں اجازت دیدی گئی، مگر خواتین کیلئے اس قسم کی صراحت نہیں ہے۔ البتہ ان کے بارے میں جواز اور عدم جواز دونوں طرح کی روایات موجود ہیں۔ زیر مطالعہ روایت کو امام ترمذی اور امام ابن حبان نے صحیح جبکہ حافظ عبدالحق اشبیلی نے ضعیف کہا ہے۔

اسی طرح کی ایک روایت حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے بھی مروی ہے وہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ایسی خواتین پر لعنت فرمائی، جو قبروں پر جا کر چراغاں کرتی ہیں۔ اور وہاں بیٹھ کر عبادت کرتی ہیں، یہ روایت بھی مختلف فیہ ہے۔ کیونکہ ابو صالح کو امام عجلی نے ثقہ اور امام نسائی وغیرہ نے غیر ثقہ کہا ہے۔

حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ان خواتین پر لعنت فرمائی جو قبروں کی زیارت کثرت سے کرتی رہتی ہیں۔ علامہ بوصیری حنفی نے اس روایت کی سند کو صحیح کہا ہے۔ مگر راجح یہی ہے کہ یہ روایت بھی مختلف فیہ ہے کیونکہ عبداللہ بن عثمان اور اس کا شیخ عبدالرحمٰن بن بہمان دونوں مختلف فیہ ہیں۔ بعض روایت سے سے خواتین کیلئے قبروں کی زیارت کے اشارے بھی ملتے ہیں، اس لیے اہل علم نے ان روایات کے مابین جمع و تطبیق کا راستہ اختیار کیا ہے۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

فقہی احکام: (۱) خواتین کثرت سے قبرستان کی زیارت نہیں کرسکتیں، البتہ گاہے گاہے کرسکتی ہیں۔

(۲) قبروں پر چراغاں کرنا، وہاں بیٹھ کر عبادت کرنا اور چیخنا چلانا منع ہے۔

۵۸۳: وَعَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ رضی اللہ عنہ قَالَ لَعَنَ رَسُولُ اللَّهِ صلی اللہ علیہ وسلم اَلنَّائِحَةَ ,وَالْمُسْتَمِعَةَ. أَخْرَجَهُ أَبُو دَاوُدَ.

ابوداود، كتاب الجنائز، باب في النوح: ۳۱۲۸، احمد: ۶۵/۳، شرح السنة: ۴۳۹/۵، البيهقي: ۶۴/۴

۵۸۳: حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسی خواتین پر لعنت فرمائی جو نوحہ کرتی اور نوحہ سنتی ہیں۔ (ابوداؤد)

تشریح: یہ روایت ایک ہی خاندان کے تین افراد سے مروی ہے یعنی عطیہ عوفی، اس کا بیٹا اور اس کا پوتا اور یہ تینوں ضعیف ہیں۔

ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی حدیث **المعجم الكبير للطبراني** میں ہے، اس میں الصباح ابوعبداللہ ہے جس کا ترجمہ مرقوم نہیں، ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی روایت **المعجم الكبير للطبراني** میں ہے، یہ روایت حسن بن عطیہ کی وجہ سے ضعیف ہے، ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی روایت **السنن الكبرى للبيهقي : ۷۲۱۵** میں ہے وہ عفیر بن معدان کی وجہ سے ضعیف ہے۔ یہ متن حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے کچھ اضافہ کے ساتھ بھی منقول ہے، اسے ابن عدی نے الکامل میں ذکر کیا ہے اس میں عمر بن یزید الازدی منکر الحدیث ہے۔

۵۸۴: وَعَنْ أُمِّ عَطِيَّةَ رضی اللہ عنہا قَالَتْ أَخَذَ عَلَيْنَا رَسُولُ اللَّهِ صلی اللہ علیہ وسلم أَنْ لَا نَنُوحَ. مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ.

البخاري، كتاب الجنائز، باب ما ينهى من النوح و البكاء و الزجر عن ذالك: ۱۳۰۶، مسلم: ۹۳۶، ابوداود: ۳۱۲۷، النسائي: ۱۴۹/۷، البيهقي: ۶۲/۴

۵۸۴: حضرت ام عطیہ رضی اللہ عنہا نے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم سے یہ عہد لیا کہ ہم نوحہ نہیں کریں گی۔

تشریح: اس حدیث سے یہ واضح ہوا کہ اسلام میں نوحہ کرنے کی اجازت نہیں اور دیگر روایات سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ نوحہ شیطانی عمل اور رسم جاہلیت ہے۔ حضرت اُم درداء رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ رسول اللہ نے فرمایا: " گریبان چاک کرنا، نوحہ کرنا اور کسی کے نسب میں طعن کرنا یہ تینوں چیزیں کفر ہیں۔" رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی سخت وعید کے باوجود یہ رسوم بد مسلمان خواتین میں بڑی کثرت سے پائی جاتی ہیں

فقہی احکام: (۱) نوحہ خوانی رسم جاہلیت، شیطانی عمل اور علامت کفر ہے، اس لئے اس سے اجتناب اشد ضروری ہے۔

(۲) اپنے نسب پر فخر کرنا اور دوسرے کے نسب پر لعنت کرنا نہایت قبیح جرم ہے۔

۵۸۵: وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ رضی اللہ عنہ عَنِ النَّبِيِّ صلی اللہ علیہ وسلم قَالَ "اَلْمَيِّتُ يُعَذَّبُ فِي قَبْرِهِ بِمَا نِيحَ عَلَيْهِ " مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ.

البخاري، كتاب الجنائز، باب قول النبي صلی اللہ علیہ وسلم يعذب الميت ببعض بكاء اهله عليه ......: ۱۲۹۰، مسلم ۹۳۲

تنبیہ: بلوغ المرام کے اکثر مطبوعہ نسخوں میں عن ابن عمر عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم مذکور ہے جبکہ صحیحین میں عن ابن عمر عن عمر عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم ہے۔ التلخیص میں بھی عن عمر عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم ہے، جس سے یہ معلوم ہوا کہ یہ یہاں کسی نساخ سے تسامح ہوا ہے۔ (واللہ اعلم)

۵۸۵: حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: " میت کو قبر میں اس پر نوحہ کیے جانے کی وجہ سے عذاب دیا جاتا ہے۔"

فقہی احکام: مرنے والا اگر اس عمل کو پسند کرتا تھا یا اس نے مرنے سے پہلے نوحہ کرنے کی وصیت کی تو ہر دو صورتوں میں نوحہ کرنے کی وجہ سے اس کے عذاب میں اضافہ ہوگا۔

۵۸۶: وَلَهُمَا نَحْوُهُ عَنِ الْمُغِيرَةِ بْنِ شُعْبَةَ رضی اللہ عنہ.

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

البخاری، کتاب الجنائز، باب مایکرہ من النیاحۃ علی المیت: ۱۲۹۱، مسلم: ۹۳۳، البیہقی: ۷۲/۴

۵۸۶: صحیحین میں اس کی مثل حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔

۵۸۷: وَعَنْ أَنَسٍ رضی اللہ عنہ قَالَ شَهِدْتُ بِنْتًا لِلنَّبِيِّ صلی اللہ علیہ وسلم تُدْفَنُ ,وَرَسُولُ اللَّهِ صلی اللہ علیہ وسلم جَالِسٌ عِنْدَ الْقَبْرِ، فَرَأَيْتُ عَيْنَيْهِ تَدْمَعَانِ. رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ.

البخاری، کتاب الجنائز، باب قول النبی یعذب المیت ببعض بکاء اہلہ: ۱۲۸۵، باب قول النبی انابک لمحزونون: ۱۳۰۳، باب البکاء عند المریض: ۱۳۰۴

تنبیہ: موؤلف نے اس حدیث کو بخاری کی طرف منسوب کیا ہے، امام بخاری اس حدیث کو تین مرتبہ لائے اور تینوں میں سے کسی ایک مقام پر بھی لفظ تدفن نہیں ہے اس طرح النبی کی جگہ صحیح بخاری میں لرسول اللہ اور شہدت کی جگہ شہدنا ہے۔

۵۸۷: حضرت انس رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادی کی تدفین کے وقت وہاں موجود تھا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس کی قبر کے قریب بیٹھے ہوئے تھے، میں نے دیکھا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی آنکھوں میں آنسو جاری تھے۔ (بخاری)

لغوی تحقیق: تد معان: تاء مفتوح، دال ساکن اور میم مفتوح دونوں آنکھوں سے آنسو جاری تھے۔

تشریح: سابقہ احادیث میں نوحہ خوانی کی مذمت کی گئی ہے جبکہ اس حدیث میں رونے کی رخصت کا ثبوت ملتا ہے۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت عبدالرحمٰن بن عوف، حضرت سعد بن ابی وقاص اور حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہم، حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ کی تیمارداری کے لئے تشریف لے گئے، جب وہاں پہنچے تو ان پر موت کی غشی طاری تھی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم انہیں دیکھ کر رو پڑے، جب صحابہ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا تو وہ بھی رو پڑے، اس موقع پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "خوب غور سے سنو! میت پر آنسو بہانے اور کبیدہ خاطر ہونے سے اسے عذاب نہیں دیا جاتا، لیکن اسے اس وقت عذاب دیا جاتا ہے جب رونے کے ساتھ زبان بھی استعمال ہو یعنی نوحہ کیا جائے۔"

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے لخت جگر حضرت ابراہیم رضی اللہ عنہ کی وفات پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے آنسو جاری تھے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس وقت فرمایا: "آنکھ اشک بار اور دل غمگین ہے، مگر ہماری زبان سے وہی کلمہ نکلے گا جو میرے رب کے نزدیک پسندیدہ ہے۔" اسی طرح بعض اور مواقع پر بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا آنسو بہانا ثابت ہے۔ زیر مطالعہ روایت میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی جس لخت جگر کا ذکر ہے وہ حضرت ام کلثوم رضی اللہ عنہا زوجہ عثمان ابن عفان ہیں۔

فقہی احکام: (۱) میت کے قریب بیٹھ کر رونا جائز ہے۔ (۲) میت پر آنسو بہانا اور کبیدہ خاطر ہونا مسنون ہے۔

۵۸۸: وَعَنْ جَابِرٍ رضی اللہ عنہ أَنَّ النَّبِيَّ صلی اللہ علیہ وسلم قَالَ "لَا تَدْفِنُوا مَوْتَاكُمْ بِاللَّيْلِ إِلَّا أَنْ تُضْطَرُّوا إِلَيْهِ" أَخْرَجَهُ ابْنُ مَاجَه وَأَصْلُهُ فِي مُسْلِمٍ ,لَكِنْ قَالَ، زَجَرَ أَنْ يُقْبَرَ الرَّجُلُ بِاللَّيْلِ ,حَتَّى يُصَلَّى عَلَيْهِ.

ابن ماجۃ، ابواب ماجاء فی الجنائز، باب فی الاوقات التی لا یصلی فیہا علی المیت ولا یدفن: ۱۵۲۱، مسلم: ۹۴۳، البخاری: ۱۲۸۳، فتح الباری: ۲۰۸/۴، عبدالرزاق: ۵۲۰/۳، ۵۲۱، ابن ابی شیبۃ: ۲۲۶/۳

۵۸۸: حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "اپنے مُردوں کو رات کے وقت مت دفن کیا کرو، الا یہ کہ تم اس کے لیے مجبور ہو جاؤ۔" اسے ابن ماجہ نے روایت کیا ہے اور اس کی اصل مسلم میں ہے اور اس میں یہ بھی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے رات کے

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

وقت دفن کرنے پڑ ڈانٹا، الا یہ کہ نماز جنازہ پڑھ لی جائے۔

تشریح: یہ روایت ابراہیم بن یزید کی وجہ سے ضعیف ہے۔ مؤلف رحمۃ اللہ علیہ نے **و اصلہ فی مسلم** کہہ کر جس روایت کی طرف اشارہ کیا ہے اس روایت کو مؤلف رحمۃ اللہ علیہ اسی باب میں مختصر نقل کر چکے ہیں۔ یہاں مؤلف رحمۃ اللہ علیہ نے اس کی طرف اشارہ اس لئے کیا ہے کہ اس حدیث میں رات کے وقت دفن کرنے کی ممانعت صراحت سے مذکور نہیں۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی حدیث سے یہ واضح ہوتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی رات کے وقت دفن کیا گیا تھا۔ حسن بن محمد بن حنفیہ اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا کہنا ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو رات کے وقت دفن کیا تھا۔ ان احادیث میں کوئی تعارض نہیں، کیونکہ زیر مطالعہ حدیث میں مُردوں کو رات کے وقت بلا عذر دفن کرنے سے منع کیا گیا ہے، جبکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو رات کے وقت یقیناً کسی عذر کی وجہ سے دفن کیا گیا ہوگا۔

فقہی احکام: میت کو رات کے وقت دفن کرنے سے گریز کرنا چاہیے البتہ کسی عذر کی وجہ سے رات کے وقت دفن کیا جا سکتا ہے۔

۵۸۹: وَعَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ جَعْفَرٍ رضی اللہ عنہما قَالَ لَمَّا جَاءَ نَعْيُ جَعْفَرٍ حِينَ قُتِلَ قَالَ رسول اللّٰه صلی اللہ علیہ وسلم "اِصْنَعُوا لِآلِ جَعْفَرٍ طَعَامًا ,فَقَدْ أَتَاهُمْ مَا يَشْغَلُهُمْ" أَخْرَجَهُ الْخَمْسَةُ ,إِلَّا النَّسَائِيَّ.

ابوداود، کتاب الجنائز، باب صنعة الطعام لاهل الميت: ۳۱۳۲، الترمذی: ۱۰۰۹، ابن ماجة: ۱۶۱۰، ۱۶۱۱، احمد: ۱/۲۰۵، الحاکم: ۱/۵۲۷، الدارقطنی: ۲/۷۹، البیهقی: ۴/۶۱، التلخیص الحبیر: ۲/۱۳۸، الاحکام الوسطی: ۳/۱۴۰، بیان الوهم والایهام: ۳/۴۰۵، الجرح والتعدیل: ۳/۳۳۵، التاریخ الکبیر: ۳/۱۵۳، تهذیب التهذیب: ۳/۸۲، تقریب: ۸۷۵۰، ۸۷۵۴

۵۸۹: حضرت عبداللہ بن جعفر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ جب جعفر رضی اللہ عنہ کی شہادت کی خبر ملی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "جعفر کے گھر والوں کے لیے کھانا تیار کرو، کیونکہ انہیں جو اطلاع ملی ہے وہ انہیں کھانا پکانے سے مشغول رکھے گی۔" اسے پانچوں میں سے نسائی نے روایت نہیں کیا ہے۔

تشریح: امام ترمذی نے اس روایت کو نقل کرنے کے بعد اسے حسن کہا ہے۔ امام حاکم نے اسے صحیح الاسناد کہا ہے اور امام ذہبی نے اس پر مہر تصدیق ثبت کی ہے۔ مؤلف رحمۃ اللہ علیہ نے **تلخیص** میں لکھا ہے کہ امام ابن سکن نے اس حدیث کو صحیح کہا ہے۔ حافظ عبدالحق اشبیلی اس حدیث کو **الاحکام الوسطی** میں نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں کہ جعفر (بن خالد) ثقہ ہے اور ترمذی نے اسے حسن کہا ہے۔ امام ابن قطان ان کے تعاقب میں لکھتے ہیں کہ انہوں (عبدالحق) نے یہ وجہ نہیں بتائی کہ امام ترمذی نے اس حدیث کو صحیح کیوں نہیں کہا۔ پھر خود اس کی علت بتاتے ہیں کہ خالد بن سارۃ کا حال معلوم نہیں، لیکن امام بخاری نے کہا کہ اس سے اس کا بیٹا جعفر اور عطا بن ابی رباح روایت کرتے ہیں۔ امام حاتم نے خالد بن سارۃ کا تذکرہ کرتے وقت لکھا ہے کہ اس سے اس کا بیٹا جعفر روایت کرتا ہے، امام بخاری نے بھی **تاریخ کبیر** میں اس سے فقط اس کے بیٹے کا روایت کرنا ذکر کیا ہے۔ البتہ حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے تہذیب التہذیب میں اور امام ذہبی نے میزان میں لکھا ہے کہ اس سے اس کا بیٹا جعفر اور عطاء نے روایت کی ہے۔

اس طرح کی ایک روایت اسماء بنت عمیس سے منقول ہے مگر یہ روایت ام عیسی الجزار اور ام عون کی وجہ سے ضعیف ہے۔

حضرت عروۃ سے مروی ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے عزیزوں میں کوئی فوت ہوگیا، خواتین تعزیت کیلئے جمع ہوئیں، جب وہ تعزیت کر کے چلیں گئیں اور گھر میں فقط اہل خانہ اور خواص رہ گئے تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے انہیں کھانا کھلایا۔ تعامل امت بھی یہی ہے مگر عصر حاضر

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

میں جنازے کے اختتام پر جو اعلان کیا جاتا ہے کہ سب لوگ کھانا کھا کر جائیں، یہ بدعت ہے۔

فقہی احکام: (۱) میت کے گھر والوں اور ان کے خاص مہمانوں کو کھانا دینا درست ہے،

(۲) اہل محلّہ اور تدفین میں شریک ہونے والوں کو کھانا کھلانا بدعت ہے۔

۵۹۰: وَعَنْ سُلَيْمَانَ بْنِ بُرَيْدَةَ عَنْ أَبِيهِ قَالَ كَانَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ يُعَلِّمُهُمْ إِذَا خَرَجُوا إِلَى الْمَقَابِرِ "اَلسَّلَامُ عَلَى أَهْلِ الدِّيَارِ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ وَالْمُسْلِمِينَ, وَإِنَّا إِنْ شَاءَ اللَّهُ بِكُمْ لَلَاحِقُونَ, أَسْأَلُ اللَّهَ لَنَا وَلَكُمُ الْعَافِيَةَ" رَوَاهُ مُسْلِمٌ.

مسلم، کتاب الجنائز، باب مایقال عند دخول القبور و الدعاء لاهلها: ۹۷۵، النسائی: ۹۴/۴، ابن ماجة: ۱۵۴۷، احمد: ۳۵۳/۵، البیهقی: ۷۹/۴

تنبیہ: مسلم میں حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ سے مروی روایت میں "بکم" نہیں ہے، البتہ ابن حبان (۳۱۷۳) نے "بکم" نقل کیا ہے۔

۵۹۰: حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ صحابہ جب قبرستان جاتے تو رسول اللہ ﷺ انہیں سکھاتے کہ تم یہ دعا پڑھو، " اے مؤمنوں اور مسلمانوں سے تعلق رکھنے والے گھر والو! تم پر سلام ہو، اور بلا شبہ ہم بھی ان شاء اللہ تمہارے ساتھ ملنے والے ہیں، ہم اپنے اور تمہارے لیے اللہ تعالیٰ سے عافیت کے طلبگار رہیں۔" (مسلم)

لغوی تحقیق: اهل الدیار: دیار محلے کو کہا جاتا ہے، مگر یہاں قبرستان مراد ہے۔ یعنی اے قبروں میں پڑے ہوئے لوگو!۔ من المؤمنین والمسلمین: میں من بیانیہ ہے یعنی یہ سلامتی کی دعا فقط ان کیلئے ہے جو ایماندار مسلمان ہیں۔

تشریح: اس حدیث کی تشریح اور فقہی احکام اس سے بعد والی حدیث کے ضمن میں ملاحظہ فرمائیں۔

۵۹۱: وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رضی اللہ عنہما قَالَ مَرَّ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ بِقُبُورِ الْمَدِينَةِ, فَأَقْبَلَ عَلَيْهِمْ بِوَجْهِهِ فَقَالَ "اَلسَّلَامُ عَلَيْكُمْ يَا أَهْلَ الْقُبُورِ, يَغْفِرُ اللَّهُ لَنَا وَلَكُمْ, أَنْتُمْ سَلَفُنَا وَنَحْنُ بِالْأَثَرِ" رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ, وَقَالَ حَسَنٌ.

الترمذی، ابواب الجنائز، باب مایقول الرجل اذا دخل المقابر: ۱۰۶۵، ابن حبان: ۳۱۷۱، ۳۱۷۲

۵۹۱: حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ کا گزر مدینہ کے قبرستان کے قریب سے ہوا، آپ ﷺ نے قبروں کی طرف رُخ انور پھیرتے ہوئے فرمایا:" اے قبرستان والو! تم پر سلام ہو، اللہ ہماری اور تمہاری مغفرت فرمائے، تم ہمارے پیش رو ہو، اور ہم تمہارے پیچھے آنے والے ہیں۔" اسے ترمذی نے روایت کرنے کے بعد حسن کہا ہے۔

لغوی تحقیق: سلفنا: سین اور لام مفتوح، پہلے فوت ہونے والے، پہلے گزرنے والے۔

تشریح: یہ اور سابقہ حدیث دونوں کو ملانے سے یہ واضح ہوا کہ رسول اللہ ﷺ خود بھی قبرستان میں داخل ہوتے وقت یہ دعا پڑھتے تھے اور صحابہ کو بھی یہ دعا سکھانے کے ساتھ ساتھ انہیں پڑھنے کی رغبت بھی فرماتے تھے۔ اسی مفہوم کی احادیث حضرت ابو ہریرہ اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہما سے بھی منقول ہیں۔ آپ ﷺ سے قبرستان میں داخل ہونے کی دعا کے الفاظ صحابہ سے مختلف منقول ہیں۔

ان تمام احادیث کے مطالعہ سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ کبھی آپ ﷺ کوئی دعا پڑھتے تھے کبھی کوئی دعا پڑھتے تھے اور صحابہ کو بھی آپ ﷺ نے مختلف دعائیں سکھا رکھی تھیں۔ تاہم مذکورہ روایت قابوس بن ابی ظبیان کی وجہ سے ضعیف ہے جبکہ اس سے پہلے والی صحیح ہے۔

فقہی احکام: (۱) قبرستان میں داخل ہوتے وقت کوئی بھی مسنون دعا پڑھی جا سکتی ہے۔ (۲) کسی کیلئے دعا کرنا مسنون ہے۔

(۳) کسی کیلئے دعا کرتے وقت اپنے لئے دعا کرنا بھی مسنون ہے۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

۵۹۲: وَعَنْ عَائِشَةَ رضی اللہ عنہا قَالَتْ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صلی اللہ علیہ وسلم " لا تَسُبُّوا الْأَمْوَاتَ ,فَإِنَّهُمْ قَدْ أَفْضَوْا إِلَى مَا قَدَّمُوا "رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ

البخاری، کتاب الجنائز، باب ماینھی من سب الاموات: ۱۳۹۳، النسائی: ۵۳/۳، احمد: ۱۸۰/۶، البیھقی: ۷۵/۴، الطیالسی: ۳۴۹۴، الدارمی: ۲۳۹/۲، الحاکم: ۵۴۲/۱، ابن حبان: ۳۰۲۱

۵۹۲: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: " مُردوں کو گالی مت دو، کیونکہ انہوں نے جو آگے بھیجا ہے وہ پالیا ہے۔" (بخاری)

تشریح: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے یہ حدیث متعدد طرق سے مروی ہے زیر مطالعہ حدیث مجاہد کے طریق سے ہے جبکہ عروہ بن زبیر کے طریق سے مروی روایت میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "تم میں سے کوئی ایک جب فوت ہو جائے تو اسے چھوڑ دو اور اس کے بارے میں ناشائستہ زبان مت استعمال کرو۔" حضرت عطا سے مروی طریق میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "فوت شدگان مسلمانوں کا ذکر اچھے الفاظ سے ہی کرو۔" حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "مسلمان کی خوبیاں بیان کرو اور ان کی برائیاں بیان کرنے سے اجتناب کرو۔"

فقہی احکام: (۱) فوت شدگان کو گالی دینا سخت منع ہے۔ (۲) فوت شدگان کی تعریف کرنا جائز ہے۔

۵۹۳: وَرَوَى التِّرْمِذِيُّ عَنِ الْمُغِيرَةِ رضی اللہ عنہ نَحْوَهُ ,لَكِنْ قَالَ " فَتُؤْذُوا الْأَحْيَاءَ "

الترمذی، ابواب البر و الصلة، باب ماجاء فی الشتم: ۲۰۶۵، النسائی: ۳۳/۸، المعجم الکبیر للطبرانی: ۲۷۸/۸، ابن حبان: ۳۰۲۲

۵۹۳: ترمذی نے حضرت مغیرہ رضی اللہ عنہ سے اس کی مثل روایت ذکر کی ہے، لیکن اس میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "(مُردوں کو گالی دیکر تم زندہ لوگوں کو تکلیف دیتے ہو۔"

تشریح: اس مضمون کی ایک روایت حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مفصل مروی ہے وہ کہتے ہیں کہ کسی شخص نے ہمارے آباؤ اجداد میں سے کسی ایک کو گالی دی، حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے اسے طمانچہ مار دیا، اس کی قوم والے اسلحہ سے مسلح ہو کر آئے اور کہنے لگے ہم عباس کو اسی طرح طمانچہ ماریں گے جس طرح اس نے ہمارے آدمی کو مارا ہے، یہ بات جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم منبر پر تشریف لے گئے اور ارشاد فرمایا: "اے لوگو! اے زمین والو! کیا تمہیں معلوم ہے کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب سے زیادہ عزت والا کون ہے؟" انہوں نے عرض کیا، اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم آپ ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "عباس مجھ سے ہیں اور میں عباس سے ہوں، تم ہمارے فوت شدگان کو گالی دیکر ہمیں تکلیف پہنچاتے ہو۔" وہ لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور انہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے معافی کی درخواست کی۔ یہ روایت اگرچہ ضعیف ہے تاہم حضرت مغیرہ بن شعبہ اور صخر بن وداعہ رضی اللہ عنہما سے مروی روایت اس کی مؤید ہیں۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

كِتَابُ الزَّكَاةِ

زکوٰۃ کے مسائل کا بیان

۱۔ بَابُ أَنْوَاعِ الزَّكَاةِ　　زکوٰۃ کی اقسام کا بیان

۵۹۴: عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رضی اللہ عنہما أَنَّ النَّبِيَّ صلی اللہ علیہ وسلم بَعَثَ مُعَاذًا رضی اللہ عنہ إِلَى الْيَمَنِ ...فَذَكَرَ الْحَدِيثَ ,وَفِيهِ "أَنَّ اللَّهَ قَدِ افْتَرَضَ عَلَيْهِمْ صَدَقَةً فِي أَمْوَالِهِمْ ,تُؤْخَذُ مِنْ أَغْنِيَائِهِمْ ,فَتُرَدُّ فِي فُقَرَائِهِمْ" مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ ,وَاللَّفْظُ لِلْبُخَارِيِّ.

البخاری، کتاب الزکاۃ، باب وجوب الزکاۃ: ۱۳۹۵ ، ۱۳۹۹ ، مسلم: ۱۹ ، ابوداود: ۱۵۸۴ ، الترمذی: ۶۲۷ ، النسائی: ۲/۵ ، ابن ماجۃ: ۱۷۸۳ - ۱۷۸۵ ، احمد: ۲۳۳/۱ ، الدارقطنی: ۱۳۶/۲ ، البیہقی: ۱۰۱/۴ ،ابن خزیمۃ: ۱۹/۴ ،۵۸ ،ابن الجارود: ۱۲۳

۵۹۴: حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کو یمن بھیجا (پھر حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے) مکمل حدیث بیان کی اور اس میں یہ بھی بیان کیا" بلاشبہ اللہ تعالیٰ نے ان کے اموال میں ان پر زکوٰۃ فرض کی ہے، زکوٰۃ ان کے مالدار لوگوں سے وصول کی جائے اور انہیں کے غریب لوگوں پر تقسیم کی جائے۔" (بخاری و مسلم) مذکورہ الفاظ بخاری کے ہیں۔

لغوی تحقیق: زکوۃ: اس کے لفظی معانی بڑھنے اور پاکیزہ ہونے کے ہیں، شرعی اصطلاح میں اس سے مراد وہ مال ہے جو شارع نے نصاب قرار دیا ہے، اس میں سے متعین حصہ اللہ تعالیٰ کی رضا کی خاطر ایسے نادار اور محتاج لوگوں (جو زکوۃ دینے والے کے نہ تو زیر کفالت ہوں، نہ اس کی ملکیت میں ہوں اور نہ ہاشمی ہوں) کے یا ان کے نائب یعنی زکوۃ جمع کرنے والے کے سپرد کر دینا ہے۔ مگر اس لفظ کا اطلاق کبھی نفلی اور واجب صدقات بھی ہوتا ہے۔ یہ بالاتفاق اسلام کا بنیادی رکن ہے، البتہ اس کی فرضیت کے آغاز کے بارے میں اہل علم میں اختلاف پایا جاتا ہے۔ جمہور کا موقف ہے کہ یہ ہجرت کے دوسرے سال روزوں کی فرضیت سے پہلے فرض ہوئی۔

تشریح: حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کو یمن کی طرف کب روانہ کیا گیا؟ اس بارے میں اہل علم کی مختلف آراء ہیں، بعض کا خیال ہے کہ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم غزوہ تبوک سے واپس تشریف لائے، تب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں روانہ فرمایا، بعض کا خیال ہے کہ آٹھ ہجری میں فتح مکہ کے بعد روانہ فرمایا، ایک گروہ کا کہنا ہے کہ دس ہجری میں حجۃ الوداع سے قبل روانہ فرمایا، امام بخاری نے اسی کو راجح قرار دیا ہے، جبکہ قرائن سے بھی اسی کا راجح ہونا ثابت ہو رہا ہے

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کو جب یمن کی طرف روانہ فرمایا، اس وقت یمن کی اکثریت (غیر مسلم) اہل کتاب تھی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت معاذ رضی اللہ عنہ سے فرمایا،" آپ ایسی قوم کے پاس جا رہے ہیں جو اہل کتاب ہے، آپ انہیں سب سے پہلے فقط ایک اللہ کی عبادت کی دعوت دینا، جب وہ اللہ تعالیٰ کو حقیقی طور پر پہچان لیں، پھر انہیں بتانا کہ اللہ تعالیٰ نے ان پر رات دن میں پانچ نمازیں فرض کی ہیں، جب وہ نمازیں پڑھ لیں پھر انہیں بتانا کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے اموال پر زکوۃ فرض فرمائی ہے، زکوٰۃ ان کے مالدار لوگوں سے لیکر ان کے محتاج و نادار لوگوں میں تقسیم کر دی جائے، جب وہ یہ

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

بھی تسلیم کرلیں، تب ان کے عمدہ مال لینے سے گریز کرنا۔" فرضیت زکوۃ کے بارے میں حضرت ابوہریرہ، حضرت ابوذر، حضرت عبداللہ بن عمر، حضرت عبداللہ بن مسعود اور حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہم سے بھی احادیث مروی ہیں۔

فقہی احکام: (۱) صاحب نصاب پر زکوۃ فرض ہے۔ (۲) زکوۃ کی وصولی اور اس کی تقسیم مسلم حکومت کی سرپرستی میں ہونی چاہیے بشرطیکہ وہ دیانت دار ہو۔ (۳) زکوۃ جس علاقے سے وصول کی جائے وہاں کے نادار و محتاج لوگوں میں تقسیم کی جائے۔ (۴) بچت کی صورت میں مرکز کی طرف روانہ کی جائے۔ (۵) لوگوں کے اچھے مال لینے سے گریز کیا جائے۔

۵۹۵: وَعَنْ أَنَسٍ رضی اللہ عنہ أَنَّ أَبَا بَكْرٍ الصِّدِّيقَ رضی اللہ عنہ كَتَبَ لَهُ هَذِهِ فَرِيضَةَ الصَّدَقَةِ الَّتِي فَرَضَهَا رَسُولُ اللَّهِ صلی اللہ علیہ وسلم عَلَى الْمُسْلِمِينَ ,وَالَّتِي أَمَرَ اللَّهُ بِهَا رَسُولَهُ " فِي أَرْبَعٍ وَعِشْرِينَ مِنَ الْإِبِلِ فَمَا دُونَهَا الْغَنَمُ فِي كُلِّ خَمْسٍ شَاةٌ ,فَإِذَا بَلَغَتْ خَمْسًا وَعِشْرِينَ إِلَى خَمْسٍ وَثَلَاثِينَ فَفِيهَا بِنْتُ مَخَاضٍ أُنْثَى فَإِنْ لَمْ تَكُنْ فَابْنُ لَبُونٍ ذَكَرٍ فَإِذَا بَلَغَتْ سِتًّا وَثَلَاثِينَ إِلَى خَمْسٍ وَأَرْبَعِينَ فَفِيهَا بِنْتُ لَبُونٍ أُنْثَى ,فَإِذَا بَلَغَتْ سِتًّا وَأَرْبَعِينَ إِلَى سِتِّينَ فَفِيهَا حِقَّةٌ طَرُوقَةُ الْجَمَلِ فَإِذَا بَلَغَتْ وَاحِدَةً وَسِتِّينَ إِلَى خَمْسٍ وَسَبْعِينَ فَفِيهَا جَذَعَةٌ فَإِذَا بَلَغَتْ سِتًّا وَسَبْعِينَ إِلَى تِسْعِينَ فَفِيهَا بِنْتَا لَبُونٍ , فَإِذَا بَلَغَتْ إِحْدَى وَتِسْعِينَ إِلَى عِشْرِينَ وَمِائَةٍ فَفِيهَا حِقَّتَانِ طَرُوقَتَا الْجَمَلِ ,فَإِذَا زَادَتْ عَلَى عِشْرِينَ وَمِائَةٍ فَفِي كُلِّ أَرْبَعِينَ بِنْتُ لَبُونٍ ,وَفِي كُلِّ خَمْسِينَ حِقَّةٌ ,وَمَنْ لَمْ يَكُنْ مَعَهُ إِلَّا أَرْبَعٌ مِنَ الْإِبِلِ فَلَيْسَ فِيهَا صَدَقَةٌ إِلَّا أَنْ يَشَاءَ رَبُّهَا وَفِي صَدَقَةِ الْغَنَمِ فِي سَائِمَتِهَا إِذَا كَانَتْ أَرْبَعِينَ إِلَى عِشْرِينَ وَمِائَةِ شَاةٍ شَاةٌ ,فَإِذَا زَادَتْ عَلَى عِشْرِينَ وَمِائَةٍ إِلَى مِائَتَيْنِ فَفِيهَا شَاتَانِ ,فَإِذَا زَادَتْ عَلَى مِائَتَيْنِ إِلَى ثَلَاثِمِائَةٍ فَفِيهَا ثَلَاثُ شِيَاهٍ فَإِذَا زَادَتْ عَلَى ثَلَاثِمِائَةٍ فَفِي كُلِّ مِائَةٍ شَاةٌ، فَإِذَا كَانَتْ سَائِمَةُ الرَّجُلِ نَاقِصَةً مِنْ أَرْبَعِينَ شَاةٍ شَاةً وَاحِدَةً فَلَيْسَ فِيهَا صَدَقَةٌ ,إِلَّا أَنْ يَشَاءَ رَبُّهَا وَلَا يُجْمَعُ بَيْنَ مُتَفَرِّقٍ وَلَا يُفَرَّقُ بَيْنَ مُجْتَمِعٍ خَشْيَةَ الصَّدَقَةِ ,وَمَا كَانَ مِنْ خَلِيطَيْنِ فَإِنَّهُمَا يَتَرَاجَعَانِ بَيْنَهُمَا بِالسَّوِيَّةِ ,وَلَا يُخْرَجُ فِي الصَّدَقَةِ هَرِمَةٌ وَلَا ذَاتُ عَوَارٍ وَلَا تَيْسٌ ,إِلَّا أَنْ يَشَاءَ الْمُصَدِّقُ، وَفِي الرِّقَةِ رُبُعُ الْعُشْرِ ,فَإِنْ لَمْ تَكُنْ إِلَّا تِسْعِينَ وَمِائَةً فَلَيْسَ فِيهَا صَدَقَةٌ إِلَّا أَنْ يَشَاءَ رَبُّهَا ,وَمَنْ بَلَغَتْ عِنْدَهُ مِنَ الْإِبِلِ صَدَقَةُ الْجَذَعَةِ وَلَيْسَتْ عِنْدَهُ جَذَعَةٌ وَعِنْدَهُ حِقَّةٌ ,فَإِنَّهَا تُقْبَلُ مِنْهُ الْحِقَّةُ ,وَيَجْعَلُ مَعَهَا شَاتَيْنِ إِنِ اسْتَيْسَرَتَا لَهُ ,أَوْ عِشْرِينَ دِرْهَمًا ,وَمَنْ بَلَغَتْ عِنْدَهُ صَدَقَةُ الْحِقَّةِ وَلَيْسَتْ عِنْدَهُ الْحِقَّةُ ,وَعِنْدَهُ الْجَذَعَةُ ,فَإِنَّهَا تُقْبَلُ مِنْهُ الْجَذَعَةُ ,وَيُعْطِيهِ الْمُصَدِّقُ عِشْرِينَ دِرْهَمًا أَوْ شَاتَيْنِ " رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ

البخاری، کتاب الزکاۃ، باب زکوٰۃ الغنم: ۱۴۵۴، ۱۴۵۵، ابن ماجۃ: ۱۸۰۰، ابن خزیمۃ: ۲۷/۴، ۵۸، الدارقطنی: ۱۱۳/۲، ۱۱۴، ابن حبان: ۳۲۶۶، النسائی: ۱۸/۵، البیہقی: ۸۶/۴، الحاکم: ۵۴۸/۱، ابوداود: ۱۵۶۷، احمد: ۱۱/۱، ۱۲، الجواھر النقی: ۸۹/۴، فتح الباری: ۳۱۸/۳، معرفۃ السنن والآثار: ۲۱۴/۳۔۲۱۸

۵۹۵: حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے انہیں یہ تحریر لکھ کر دی، زکوۃ وہ فریضہ ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں پر فرض فرمایا ہے، (آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے وہی کچھ فرض کیا) جس کا اللہ تعالیٰ نے انہیں حکم دیا تھا۔ چوبیس یا اس سے کم اونٹوں پر بکریاں ہیں۔ ہر پانچ اونٹوں پر ایک بکری ہے، جب اونٹوں کی تعداد پچیس سے پینتیس تک ہو، تب ان میں ایک سالہ اونٹنی، اگر یہ ممکن نہ ہو تو پھر دو سالہ اونٹ، جب اونٹوں کی تعداد چھتیس سے پنتالیس تک ہو، تو پھر ان میں دو سالہ اونٹنی ہے، جب اونٹوں کی تعداد چھیالیس سے

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ساٹھ تک ہو،تو پھران میں تین سالہ ایسی جوان اونٹنی ہے جو جفتی کے قابل ہو، جب ان کی تعداد اکسٹھ سے پچھتر تک ہوتو ان میں چار سالہ اونٹ ،اور جب چھہتر سے نوے تک ہو،تب ان میں دوسالہ دواونٹنیاں ، جب ان کی تعداد نوے سے ایک سوبیس تک ہو،تب ان میں تین سالہ دوایسی جوان اونٹنیاں ہیں جو جفتی کے قابل ہوں اور جب ان کی تعداد ایک سوبیس سے بڑھ جائے تو پھر ہر چالیس پر دوسالہ اونٹنی ہے اور ہر پچاس پر تین سالہ اونٹنی ہے،جس کے پاس فقط چار اونٹ ہوں اس پر زکوۃ فرض نہیں ،البتہ وہ اپنی خوشی سے کچھ دینا چاہےتو دے سکتا ہے، بکریوں کی زکوۃ کے بارے میں فرمایا، جو بکریاں باہر چرنے جاتی ہیں جب ان کی تعداد چالیس سے ایک سوبیس تک ہوتب ان میں ایک بکری ہے جب ان کی تعداد ایک سوبیس سے بڑھ کر دوسو تک پہنچ جائے تب ان میں دوبکریاں ہیں، جب دوسوسے بڑھ کر تین سو تک پہنچ جائیں تب ان میں تین بکریاں ہیں، جب تین سو سے بڑھ جائیں تب ہر سو پر ایک بکری ہے،جس آدمی کے پاس باہر چرنے والی بکریاں چالیس سے کم ہوں، اس پر زکوۃ فرض نہیں، البتہ ان کا مالک اپنی خوشی سے جو دینا چاہے وہ دے سکتا ہے، زکوۃ کے خوف سے غیر مشترک بکریوں کو مشترک نہ کیا جائے اور نہ مشترک کو غیر مشترک کیا جائے اور مشترکہ ریوڑ کی زکوۃ اپنے اپنے حصہ کے تناسب سے ادا کی جائے، زکوۃ کی مد میں بوڑھا اور یک چشم قطعاً بطور زکوۃ نہ دیا جائے اور سانڈ زکوۃ دینے والے کی رضا کے بغیر نہ لیا جائے (یا اس کا ترجمہ اس طرح ہوگا) بوڑھا، یک چشم اور سانڈ بطور زکوۃ نہ دیا جائے البتہ زکوۃ جمع کرنے والا اگر مناسب خیال کرے تو لے سکتا ہے، چاندی جب دوسو درہم (یا ان کے مساوی ہو) تو ان میں سے چالیسواں حصہ (2.5%) بطور زکوۃ دیا جائے ، اگر ایک سونوے درہم (یا ان کے مساوی چاندی) ہوتو پھر اس میں زکوۃ نہیں، البتہ اگر مالک خوشی سے دینا چاہے تو دے سکتا ہے، جس پر چار سالہ اونٹ بطور زکوۃ دینا فرض ہو مگر اس کے پاس تین سالہ اونٹنی ہو تو اس سے تین سالہ جفتی کے قابل اونٹنی اور دو بکریاں وصول کی جائیں، بشرطیکہ بکریاں آسانی سے دستیاب ہوں، بصورت دیگر اس سے بیس درہم وصول کیے جائیں، جس پر تین سالہ جفتی کے قابل اونٹنی بطور زکوۃ فرض ہو،لیکن اس کے پاس (تین سالہ اونٹنی نہ ہو بلکہ) چار سالہ اونٹ ہو، اس سے چار سالہ اونٹ وصول کیا جائے اور زکوۃ جمع کرنے والا اسے بیس درہم یا دو بکریاں اس کے بدلے میں واپس کرے۔(بخاری)

لغوی تحقیق: فمادونها: مذکور تعداد سے کم۔ مخاض: اونٹنی کی وہ بچی جو عمر کے دوسرے سال میں قدم رکھ چکی ہے۔ ابن لبون: اونٹنی کا وہ بچہ جو عمر کے تیسرے سال میں قدم رکھ چکا ہو۔ بنت لبون: اونٹنی کی وہ بچی جو تیسرے سال میں قدم رکھ چکی ہو۔ حقة: حاء مکسور اور قاف مشدد مفتوح، وہ اونٹنی جو چوتھے سال میں قدم رکھ چکی ہو۔ طروقة الجمل: ایسی اونٹنی جو جسمانی طور پر جفتی کے قابل ہو۔ جزعة: جیم اور ذال دونوں مفتوح، یہ لفظ اگر مرد سے متعلق ہوتو اس کا معنی نوجوان مرد ہوگا، اگر یہ اونٹ سے متعلق ہوتو پھر ایسا اونٹ جو پانچویں سال میں قدم رکھ چکا ہو، اگر گھوڑا، گائے اور بھینس سے متعلق ہو، پھر اس سے مراد وہ ہونگے جو تیسرے سال میں قدم رکھ چکے ہوں، اگر بھیڑ یا بکری سے متعلق ہوتو پھر سال کے قریب تر۔ سائمة: ایسی بکری جو باہر چرنے جاتی ہو۔ لایفرق : الگ الگ نہ کی جائیں، یعنی دو حصے داروں کی چالیس بکریاں مشترکہ ہیں، اس عدد پر چونکہ زکوۃ ہے، حصہ دار زکوۃ کے ڈر سے اپنا حصہ الگ الگ نہیں کر سکتے۔ لایجمع: اکٹھی نہ کی جائیں، یعنی دو آدمیوں کے پاس پچاس پچاس بکریاں ہیں اور ان کا آپس میں اشتراک نہیں، لیکن وہ اس خوف سے کہ اگر وہ الگ الگ رہے تو ان میں سے ہر کو ایک بکری دینا ہوگی اور اگر اشتراک کر لیں تو پھر دونوں کو فقط ایک دینا ہوگی، لہٰذا وہ زکوۃ کے خوف سے اشتراک نہیں کر سکتے۔ خلیطتین: یہ خلیطة کا تثنیہ ہے، بکریوں کے ریوڑ کے ایسے مالک جن کی بکریاں ایک ساتھ چراگاہوں میں چرتی ہیں اور ایک ساتھ پانی پیتی ہیں۔ بالسوية: برابر یعنی وہ اپنی بکریوں کی تعداد کے تناسب سے زکوۃ دیں گے، مثلاً دونوں کی مشترکہ بکریاں سو ہیں

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ان میں سے ایک کی ساٹھ اور دوسرے کی چالیس بکریاں ہیں یہ بطور زکوٰۃ ایک بکری دیں گے، اور اس قیمت کی ۳:۲ کے تناسب سے لیں یا دیں گے۔ **هـــريـمة**: ہاء مفتوح اور راء مکسور، ایسی بوڑھی جس کے دانت گر چکے ہوں۔ **عــوار** : عین کو مفتوح اور مضموم دونوں طرح پڑھنا درست ہے، معیوب، یعنی عیب دار، بعض نے ضمہ اور فتحہ کے استعمال میں معنوی فرق ملحوظ خاطر بھی رکھا ہے یعنی عین کو مضموم پڑھنے کی صورت میں اس سے مراد یک چشم ہونا ہے، جبکہ فتحہ کی صورت میں مطلق عیب دار ہونا ہے۔ **تیـــس** : تاء مفتوح اور یاء ساکن، کم از کم ایک سال کا بکرا یا مینڈھا یا وہ نر جو ریوڑ میں اس لئے چھوڑا جاتا ہے تا کہ وہ بھیڑ، بکری، گائے بھینس اور اونٹنی کے ساتھ جفتی کرے۔ **الـمـصـدق** : صاد کو مخفف اور مشدد ہر دو طرح پڑھا جاتا ہے، مشدد پڑھنے کی صورت میں اس کی اصل متصدق ہے، تاء کو صاد میں تبدیل کیا پھر صاد کو صاد میں مدغم کر دیا، اس صورت میں اس کا معنی زکوٰۃ دینے والا ہوگا، اہل علم کے ایک گروہ نے یہی معنی مراد لیا ہے، اس صورت میں استثناء فقط تیس کی طرف راجع ہے اور تیس کرائم مال میں شمار ہوگا، یعنی صدقہ لینے والا اپنی مرضی سے سانڈ نہیں لے سکتا، البتہ مالک رضامند ہو تو پھر لے سکتا ہے، یعنی اس صورت میں رضامندی کا مرکز مالک ہے، مخفف پڑھنے کی صورت میں اس سے مراد صدقہ لینے والا ہے (جمہور محدثین نے اس لفظ کو اسی طرح ضبط کیا ہے اس صورت میں تیس کا شمار معیوب اموال میں ہوگا، یعنی بوڑھی، یک چشم اور سانڈ تینوں چیزیں بطور زکوٰۃ ادا نہ کرے البتہ زکوٰۃ جمع کرنے والا یہ خیال کرتا ہے کہ یہ جانور بظاہر اگرچہ معیوب ہیں لیکن موٹے تازے ہیں اور نادار محتاج لوگوں کو گوشت مطلوب ہے، لہٰذا ان کی منفعت کی خاطر اگر وہ ایسے جانور قبول کرنے کیلئے رضامند ہو جائے تو پھر اسے ایسا کرنے کا اختیار ہے۔ **الرقة** : راء مکسور اور قاف مخفف مفتوح، خالص چاندی، خواہ وہ کرنسی کی شکل میں ہو یا کسی دوسری شکل میں بعض کا کہنا ہے کہ اس کی اصل ورق ہے، واؤ کو حذف کر کے اس کے بدلے میں آخر میں ہاء کا اضافہ کر دیا گیا۔ بعض کا کہنا ہے کہ ورق کا اطلاق فقط چاندی پر ہوتا ہے، جبکہ **الـرقة** کا اطلاق سونے اور چاندی دونوں پر ہوتا ہے، امام زہری کا کہنا ہے کہ نقدی کی صورت میں چاندی کا نصاب معتبر ہوگا، اگر سونے کے سکے خالص چاندی کے دوسو درہم کے برابر ہو جائیں تو ان پر %2.5 زکوٰۃ فرض ہو جاتی ہے، یہ قول جمہور اہل علم کے خلاف ہے۔ **الاتسـعين و مائة**: اس کا معنی اگرچہ ایک سو نوے ہے، مگر اس سے مراد ایک سو ننانوے ہے، اہل عرب دہائیوں میں جاتے ہیں تو پھر وہ اکائیوں کا اعتبار نہیں کرتے، چونکہ دوسو سے قبل دہائی ایک سو نوے ہے اس لئے ایک سو نوے کہا گیا ہے۔

تشریح: اس حدیث کا شمار صحیح بخاری کی ان احادیث میں ہوتا ہے، جنہیں بعض اہل علم نے معلول قرار دیا ہے، ابن ترکمانی حنفی اور عینی حنفی نے اس حدیث پر اعتراض کرتے ہوئے لکھا ہے کہ دارقطنی نے اپنی کتاب **التتبع علی الصحیحین** میں لکھا ہے کہ ثمامہ بن عبداللہ نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے نہیں سنا اور عبداللہ بن مثنیٰ نے ثمامہ سے نہیں سنا، اور مقدسی نے اطراف میں لکھا ہے کہ یحییٰ بن معین سے پوچھا گیا کہ زکوٰۃ سے متعلق وہ حدیث جو ثمامہ، انس سے نقل کرتے ہیں، کیسی ہے؟ انہوں نے کہا، یہ حدیث صحیح نہیں، ابن ترکمانی کہتے ہیں میں کہتا ہوں کہ اس میں عبداللہ بن مثنیٰ بھی متکلم فیہ ہے، امام ساجی نے اسے ضعیف اور منکر الحدیث کہا ہے، جبکہ امام ابوداؤد فرماتے ہیں، میں اسکی روایت نہیں لیتا۔

امام دارقطنی نے **التتبع علی الصحیحین** میں یہ ضرور لکھا ہے، لیکن انہوں نے **ثمامة عن انس** سے مروی طریق کو صحیح بھی تسلیم کیا ہے جبکہ یحییٰ بن معین، عبداللہ بن مثنیٰ کے بارے میں تردد کا شکار ہیں کیونکہ کبھی وہ انہیں صالح اور کبھی **لیس بشيء** کہتے ہیں۔ امام ابوداؤد، امام نسائی اور ساجی نے ان پر نہایت معمولی جرح کی ہے۔ جبکہ امام بخاری، امام ابن خزیمہ، امام ابن حبان نے انہیں ثقہ کہا ہے، امام بیہقی **معرفة السنن و الآثار** میں لکھتے ہیں کہ امام احمد نے فرمایا، حماد بن سلمہ عن ثمامہ بن عبداللہ عن انس بن مالک کے طریق سے مروی

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

حدیث صحیح اور موصولاً ہے، البتہ بعض رواۃ نے اس کی تقصیر کی ہے، یعنی انہوں نے اسے امام ابوداؤد کی سند سے نقل کیا ہے۔

امام بیہقی فرماتے ہیں کہ کچھ لوگ جن کا یہ دعویٰ ہے کہ وہ آثار سے معرفت رکھتے ہیں، انہوں نے اس حدیث کے متعلق لکھا ہے کہ (حماد بن سلمہ کے طریق سے مروی) حدیث منقطع ہے اور تم لوگ (یعنی محدثین) منقطع روایت کو بطور حجت اختیار نہیں کرتے، اس حدیث کو موصولاً فقط عبداللہ بن مثنیٰ نے ثمامہ کے طریق سے نقل کیا ہے اور تم لوگ (محدثین) عبداللہ بن مثنیٰ (کی مرویات) کو بطور حجت نہیں لیتے ان اعتراضات کا خلاصہ یہ ہے کہ یہ روایت دو طرق سے مروی ہے، دونوں معلول ہیں، ایک منقطع ہونے کی وجہ سے اور دوسرے طریق میں، عبداللہ بن مثنیٰ متکلم فیہ ہے، اس کا کوئی متابع نہیں ہے۔

امام بیہقی نے معترضین کے اعتراضات کا مفصل جواب دیا ہے، جس کا خلاصہ یہ ہے کہ اس حدیث کے بیان کرنے میں حماد بن سلمہ نے عبداللہ بن مثنیٰ کی متابعت کی ہے، حماد بن سلمہ سے یہ حدیث موصولاً فقط یونس بن محمد المؤدب ہی نقل نہیں کرتے، بلکہ ان کی متابعت سریج بن نعمان اور نضر بن شمیل نے بھی کر رکھی ہے، نضر بن شمیل ایسے راوی ہیں جن کا عدل و اتقان جملہ اہل فن کے نزدیک مسلم ہے اس پر مستزاد یہ ہے کہ انہیں حماد بن سلمہ کے تمام تلامذہ پر شرف تقدم حاصل ہے، نضر بن شمیل کہتے ہیں کہ ہمیں حماد بن سلمہ نے بتایا کہ ہم نے ثمامہ بن عبداللہ سے یہ کتاب لی اور وہ اس کتاب کو حضرت انس رضی اللہ عنہ سے بیان کرتے ہیں۔ اس روایت کو نقل کرنے کے بعد امام بیہقی فرماتے ہیں کہ امام دارقطنی نے اس سند کو صحیح قرار دیا ہے اور اس کے جملہ رواۃ کو ثقہ قرار دیا ہے۔

امام بیہقی نے درج بالا بیانات کے ذریعے معترضین کے دونوں اعتراضات کو بے وزن ثابت کر دیا ہے یعنی ان کا یہ کہنا بھی درست نہیں کہ یہ روایت منقطع ہے، کیونکہ نضر بن شمیل کے طریق سے یہ واضح ہوا کہ یہ کتاب حماد بن سلمہ نے ثمامہ بن عبداللہ سے فقط حاصل نہیں کی بلکہ اس سے سنی بھی ہے، لہٰذا انقطاع کا دعویٰ باطل ہوا، نیز اس طریق سے یہ اعتراض بھی باطل ہو گیا کہ عبداللہ بن مثنیٰ کی مطابعت کسی نے نہیں کی۔ امام دارقطنی کے اس طریق کو صحیح کہنے سے خود امام دارقطنی کا یہ قول بھی باطل ہو گیا کہ ثمامہ بن عبداللہ نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے نہیں سنا۔

اس حدیث کو امام بخاری، امام بیہقی، امام ابن حبان، حافظ ابن حجر، امام حاکم، امام ابن حزم نے صحیح قرار دیا ہے، اور امام احمد بن حنبل نے بھی اس حدیث کی صحت سے اتفاق کیا ہے، جیسا کہ امام بیہقی لکھتے ہیں کہ امام احمد بن حنبل فرماتے ہیں کہ محدثین میں سے رجال کی چھان پھٹک جس قدر امام بخاری نے کی، ہمارے علم کے مطابق اتنی چھان پھٹک کسی اور نے نہیں کی، انہیں معرفت رجال و علل میں تقدم حاصل تھا، اس کے باوجود انہوں نے اس مسئلہ میں عبداللہ بن مثنیٰ عن ثمامہ عن انس کے طریق پر اعتماد کرتے ہوئے اسے اپنی صحیح میں درج کیا ہے۔

فقہی احکام: (۱) زکوٰۃ فرض ہے۔ (۲) خلیفہ پر یہ لازم ہے کہ وہ زکوٰۃ کی وصولی اور تقسیم کا بندوبست کرے۔ (۳) زکوٰۃ کی وصولی اور تقسیم کیلئے باصلاحیت دیانت دار لوگوں کا انتخاب کرے۔ (۴) زکوٰۃ کم از کم چالیس بکریوں، پانچ اونٹ اور چاندی کے دوسو درہم پر ہے۔ (۵) زکوٰۃ کے موسم میں مشترکہ اموال کو الگ الگ نہ کیا جائے، اور نہ غیر مشترکہ کو مشترکہ بنایا جائے، نقدی اور مال تجارت کی زکوٰۃ کی شرح 2.5% ہے۔ (۶) عیب دار جانور زکوٰۃ میں نہ دیا جائے۔ (۷) اونٹوں میں اگر مطلوبہ جانور نہ ہو تو پھر اس سے ادنیٰ یا اعلیٰ وصول کیا جاسکتا ہے۔ کمی وبیشی نقدی یا بکریوں کی صورت میں پوری کی جاسکتی ہے۔ (۸) بکریوں اور اونٹوں میں بطور زکوٰۃ مادہ دی جائیں۔ (۹) زکوٰۃ جمع کرنے والا دیانت داری سے بعض مواقع پر صوابدیدی اختیار استعمال کرسکتا ہے۔ (۱۰) زکوٰۃ جن علاقوں سے جمع

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

کی جائے پہلے انہیں علاقوں میں تقسیم کی جائے۔(۱۱) نقدی اور سامان تجارت میں چاندی کے نصاب کو بنیاد بنایا جائے۔

۵۹۶: وَعَنْ مُعَاذِ بْنِ جَبَلٍ رضی اللہ عنہ أَنَّ النَّبِيَّ صلی اللہ علیہ وسلم بَعَثَهُ إِلَى الْيَمَنِ, فَأَمَرَهُ أَنْ يَأْخُذَ مِنْ كُلِّ ثَلَاثِينَ بَقَرَةً تَبِيعًا أَوْ تَبِيعَةً, وَمِنْ كُلِّ أَرْبَعِينَ مُسِنَّةً, وَمِنْ كُلِّ حَالِمٍ دِينَارًا أَوْ عَدْلَهُ مُعَافِرَ. رَوَاهُ الْخَمْسَةُ, وَاللَّفْظُ لِأَحْمَدَ, وَحَسَّنَهُ التِّرْمِذِيُّ وَأَشَارَ إِلَى اخْتِلَافٍ فِي وَصْلِهِ, وَصَحَّحَهُ ابْنُ حِبَّانَ, وَالْحَاكِمُ.

ابوداود، کتاب الزکاة، باب الزکاةالسائمة: ۱۵۷۶، ۱۵۷۷، احمد: ۵/ ۲۳۰، المنهل العذب المورود: ۹/ ۱۷۴، النسائی: ۵/ ۲۵، الترمذی: ۶۲۷، ابن ماجة: ۱۸۰۳، ابن حبان: ۱۵۶، الحاکم: ۱/ ۵۵۵، ابن خزیمة: ۴/ ۱۹، الارواء: ۳/ ۲۶۹، البیهقی: ۴/ ۹۸، ۹۹، الاحکام الوسطی: ۲/ ۱۶۳، بیان الوهم والایهام: ۲/ ۲۰۶، ۳/ ۱۰۹، الدارقطنی: ۲/ ۱۰۳، معرفة السنن والآثار: ۲/ ۲۳۱۔ ۲۳۳

تنبیہ: مؤلف رحمہ اللہ نے مذکورہ الفاظ کو احمد کی منسوب کیا ہے مسند احمد (مطبوعہ) میں بعینہ ان الفاظ کے ساتھ یہ حدیث نہیں، البتہ دیگر مصادر کے مقابلے میں مسند احمد کے الفاظ مؤلف رحمہ اللہ کے نقل کردہ الفاظ کے قریب تر ہیں۔

۵۹۶: حضرت معاذ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ انہیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یمن کی طرف (عامل بنا کر) بھیجا اور انہیں حکم دیا کہ وہ تیس گائے پر ایک سالہ بچھڑا یا بچھڑی وصول کرے اور چالیس گائے پر دو دانت والا بچھڑا یا بچھڑی وصول کرے اور ہر بالغ شخص سے ایک دینار یا اس کے مساوی معافری کپڑا وصول کرے۔ اسے پانچوں نے بیان کیا ہے، مذکورہ الفاظ احمد کے ہیں، امام ترمذی نے اسے حسن کہا ہے اور اس کے موصول ہونے کے بارے میں اختلاف رائے کا اشارہ دیا ہے، نیز اسے ابن حبان اور حاکم نے صحیح کہا ہے۔

لغوی تحقیق: تبیعا او تبیعة: اس کا لغوی معنی ہے پیچھے چلنے والا، پیچھے چلنے والی، خادم پر بھی تبیع کا اطلاق ہوتا ہے اور گائے کے بچے کو بھی تبیع کہا جاتا ہے، زیر مطالعہ حدیث میں تبیع بمعنی جزع یا جزعة ہے۔ امام احمد نے ہارون بن معروف کے طریق سے یہی روایت حضرت معاذ رضی اللہ عنہ سے نقل کی ہے اس میں ہارون کہتے ہیں کہ تبیع سے مراد جزع اور جزعة ہے، امام بیہقی نے حضرت عبداللہ بن عباس سے جو روایت نقل کی ہے اس میں تبیعا اور تبیعة جزع اور جزعة کے الفاظ ہیں یعنی اس میں بھی تبیعا اور تبیعة کی تفسیر جزع او جزعة سے کی گئی ہے۔ امام بیہقی نے معرفة السنن والآثار میں ابوبکر بن محمد بن عمرو بن حزم کے طریق سے جو روایت نقل کی ہے اس میں تبیع جزع او جزعة کے الفاظ ہیں۔ امام نسائی نے حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے یہ حدیث محمد بن اسحاق کے طریق سے نقل کی ہے، اس میں عجل تابع جزع او جزعة کے الفاظ ہیں۔

ان بیانات سے یہ واضح ہوا کہ یہاں تبیع سے مراد ایک سال کا بچھڑا ہے۔ مسنة: بھیڑ، بکری، گائے اور اونٹ وغیرہ کا وہ بچہ جس کے دودھ کے دو دانت ٹوٹ چکے ہوں، امام نسائی نے حضرت معاذ رضی اللہ عنہ سے مروی یہی حدیث یعلیٰ بن عبید کے طریق سے نقل کی ہے۔ اس میں مسنة کی جگہ ثنیة استعمال ہوا ہے۔ اہل زبان سامنے والے دانت کو ثنیة کہتے ہیں، قرأ حضرات سامنے کے اوپر والے دانتوں کو ثنایا علیا اور نچلے والے دو دانتوں کو ثنایا سفلیٰ کہتے ہیں۔ بھیڑ، بکری، گائے، بھینس اور اونٹ وغیرہ کے دونوں دانت اکٹھے یا پھر دو چار دن کے وقفے سے گرتے ہیں اسی مناسبت سے ایسے جانور کو مسنة یا ثنیة کہا گیا ہے۔ حالم: بالغ، بالغ صرف محتلم کو نہیں کہتے، کیونکہ محتلم بلوغت کے اوصاف میں سے ایک وصف ہے۔ دینارا: سونے کا ایک سکہ تھا۔ عدلة: اسکے برابر یعنی غیر مسلم جو اسلامی ریاست کے زیر سایہ زندگی گزار رہے ہیں، ان سے زکوۃ کی جگہ ان کی حفاظت کا ٹیکس دینار یا دینار کے مساوی معافری کپڑے کی صورت میں وصول کیا جائے۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

تشریح: گائے کے نصاب زکوٰۃ سے متعلق احادیث آپ ﷺ سے متعدد صحابہ بیان کرتے ہیں۔ مؤلف رحمۃ اللہ علیہ نے ان میں سے حضرت معاذ رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث کو منتخب کیا ہے۔ حضرت معاذ رضی اللہ عنہ سے یہ حدیث مسروق، یحییٰ بن حکم اور طاؤس نقل کرتے ہیں۔ مسروق کے طریق سے مروی روایت کا مرکزی راوی سلیمان بن مہران الاعمش ہے، موصوف معروف مدلس ہیں اور وہ یہ روایت اپنے شیخ ابووائل سے معنعن نقل کرتے ہیں، اس علت کی وجہ سے یہ روایت ضعیف ہونی چاہیے تھی۔ لیکن اس روایت کو چونکہ امام ابن خزیمہ نے اپنی صحیح میں جگہ دی ہے، امام صاحب نے اپنی صحیح میں مدلس کی اس روایت کو جگہ نہیں دی جس کے سماع سے وہ باخبر نہیں اور اگر ایسی روایات نقل کی بھی ہیں تو ان کے ذکر کرنے کے بعد یہ صراحت کردی ہے کہ میں اس کے سماع سے آگاہ نہیں۔

اس روایت کے بعد انہوں نے اس قسم کا اظہار نہیں کیا، لہٰذا یہ حدیث اس علت کی وجہ سے ضعیف نہیں۔ نیز امام ابوداؤد نے سنن ابی ابوداؤد میں لکھا ہے کہ اعمش سے یہ روایت شعبہ (بھی) نقل کرتے ہیں، یہ مسلم ہے کہ شعبہ کی مدلسین رواۃ سے روایت سماع پر محمول ہوتی ہے۔

اعمش سے یہ روایت ان کے اکثر تلامذہ مرسل نقل کرتے ہیں۔ جبکہ یعلیٰ بن معمر موصولاً نقل کرتے ہیں۔ ان کی روایت میں دوسرا اختلاف یہ ہے کہ ان کے بعض تلامذہ تبیعا او تبیعة نقل کرتے ہیں اور بعض فقط تبیعا نقل کرتے ہیں۔

جیسا کہ امام بیہقی نے اپنے طریق سے جو روایت حضرت معاذ رضی اللہ عنہ سے نقل کی ہے اس میں فقط تبیعـــــا مذکور ہے، حضرت معاذ رضی اللہ عنہ سے یحییٰ بن الحکم نے جو روایت نقل کی ہے اس میں بھی فقط التبیع مذکور ہے، حضرت معاذ رضی اللہ عنہ سے طاؤس نے جو روایت نقل کی ہے اس میں فقط تبیع مذکور ہے، حضرت عمرو بن حزم رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث میں بھی فقط تبیع مذکور ہے، حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث میں بھی تبیع مذکور ہے۔

راوی کو شک ہو یا دونوں الفاظ رسول اللہ ﷺ سے مروی ہوں تاہم ہر دو صورتوں میں یہ مسلم ہے کہ گائے کے سلسلہ میں زکوٰۃ دینے والے کو اختیار ہے کہ بطور زکوٰۃ بچھڑا یا بچھڑی دے سکتا ہے کیونکہ اہل زبان کے نزدیک تبیع اور مسنة کا اطلاق دونوں پر ہوتا ہے۔

امام نسائی اور دارقطنی نے اس حدیث کے مرسل ہونے کو صائب کہا ہے جبکہ امام ابن خزیمہ، امام ابن حبان اور امام حاکم نے اس حدیث کے مرفوع ہونے کو صائب قرار دیا ہے۔ علامہ البانی نے امام ابن خزیمہ وغیرہ کے موقف کو صائب قرار دیا ہے، کیونکہ طاؤس اور یحییٰ بن حکم سے مروی روایات بھی اس موقف کی مؤید ہیں، اگرچہ فی نفسہ وہ دونوں روایتیں ضعیف ہیں۔

یہ حدیث حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہما سے بھی مرفوعاً مروی ہے، مگر یہ روایت خصیف کے سیئی الحفظ اور ابوعبیدہ کے اپنے والد سے عدم سماع کی وجہ سے ضعیف ہے، حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ سے اسی مفہوم کی دوسری روایت مسعودی کے اختلاط، بقیہ اور حسن بن عمارہ کے ضعیف اور حکم کے عنعنہ کی وجہ سے ضعیف ہے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث دو علتوں کی وجہ سے ضعیف ہے۔

(۱) زہیر نے ابواسحاق سے ان کے اختلاط کے بعد سنا ہے۔ (۲) ابواسحاق نے یہ روایت معنعن نقل کی ہے۔

فقہی احکام: (۱) تیس سے کم گائے پر زکوٰۃ فرض نہیں۔ (۲) اونٹوں کی طرح گائے کی زکوٰۃ میں مادہ دینا ضروری نہیں۔

(۳) مسنة کا معنی دو دانت والا ہے۔ (۴) مسنة کا اطلاق نر اور مادہ دونوں پر ہوتا ہے (۵) ذمی پر زکوٰۃ کے بدلے ٹیکس ہے۔

۵۹۷: وَعَنْ عَمْرِو بْنِ شُعَيْبٍ, عَنْ أَبِيهِ, عَنْ جَدِّهِ قَالَ، قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ "تُؤْخَذُ صَدَقَاتُ الْمُسْلِمِينَ عَلَى مِيَاهِهِمْ" رَوَاهُ أَحْمَدُ وَلِأَبِي دَاوُدَ "وَلَا تُؤْخَذُ صَدَقَاتُهُمْ إِلَّا فِي دُورِهِمْ"

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

احمد، ۲/۲۱۵، ابو داود، کتاب الزکاة، باب این تصدق الاموال: ۱۵۹۱، البیہقی: ۴/۱۱۰، ابن ماجۃ: ۱۸۰۶

۵۹۷: حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما نے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "مسلمانوں سے زکوٰۃ ان کے چشموں، تالابوں اور کنوؤں پر جا کر وصول کی جائے۔" (احمد) ابو داؤد میں ہے " مسلمانوں سے صدقات ان کے محلوں اور ڈیروں پر جا کر وصول کئے جائیں۔"

لغوی تحقیق: میاہ: ماء کی جمع ہے، ماء کی جمع میاہ اور امواہ ہر دو طرح مستعمل ہے، یعنی وہ چشمے، تالاب اور کنویں جہاں لوگ اپنے جانوروں کو پانی پلاتے ہیں۔ دور: یہ دار کی جمع ہے، یہاں اس سے مراد ڈیرے اور حویلیاں ہیں جہاں جانور رکھیں جاتے ہیں۔

تشریح: امام ابو داؤد اور امام احمد نے یہ حدیث محمد بن اسحاق کے طریق سے نقل کی ہے، ان کتابوں میں اگرچہ یہ حدیث ابن اسحاق نے معنعن نقل کی ہے، لیکن بیہقی میں تحدیثاً منقول ہے، جبکہ عبدالرحمٰن بن حارث اور اسامہ بن زید نے ان کی متابعت بھی کی ہے، نیز یہ حدیث حضرت عائشہ، حضرت عبداللہ بن عمر اور حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہم بھی نبی کریم سے روایت کرتے ہیں، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی حدیث حسن درجہ کی ہے، جبکہ عبداللہ بن عمر اور عمران بن حصین رضی اللہ عنہم سے مروی احادیث اگرچہ مختلف فیھا ہیں تاہم صائب یہی ہے کہ ان میں ایک حسن اور ایک صحیح ہے، ان احادیث کا مفہوم یہ ہے کہ عامل کو چاہیے کہ وہ لوگوں کی سہولت کا خیال رکھتے ہوئے ان کے ڈیروں تک جائے اور لوگوں کو چاہیے کہ وہ بھی عامل کی آمد کے موقع پر اپنا مال اپنے ڈیروں پر رکھیں تا کہ اسے حساب کرنے میں آسانی ہو اور اس کا وقت بھی ضائع نہ ہو۔

فقہی احکام: (۱) راعی اور رعایہ کو ایک دوسرے کا ہمدرد ہونا چاہیے۔ (۲) زکوٰۃ لوگوں کے ڈیروں پر جا کر وصول کی جائے۔
(۳) زکوٰۃ دینے والے موسم زکوٰۃ میں اپنی تیاری مکمل رکھیں۔

۵۹۸: وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضی اللہ عنہ قَالَ، قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صلی اللہ علیہ وسلم " لَيْسَ عَلَى الْمُسْلِمِ فِي عَبْدِهِ وَلَا فِي فَرَسِهِ صَدَقَةٌ " رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ وَلِمُسْلِمٍ " لَيْسَ فِي الْعَبْدِ صَدَقَةٌ إِلَّا صَدَقَةُ الْفِطْرِ "

البخاری، کتاب الزکاۃ، باب لیس علی المسلم فی عبدہ صدقۃ: ۱۴۶۴، مسلم: ۹۸۲، ۸۱۰، ابو داود: ۱۵۹۴، ۱۵۹۵، الترمذی: ۶۳۲، النسائی: ۵/۳۵، ابن ماجۃ: ۱۸۱۲، احمد: ۲/۲۴۹، مالک: ۱/۲۷۷، الدارمی: ۱/۳۲۲، ابن خزیمۃ: ۴/۲۹، البیہقی: ۴/۱۱۷، ابن حبان: ۳۲۷۱، عبدالرزاق: ۴/۳۴، التلخیص: ۲/۱۸۴

تنبیہ: مؤلف رحمہ اللہ کو چاہیے تھا کہ پہلی حدیث کو فقط بخاری کی طرف منسوب کرنے کی بجائے بخاری و مسلم دونوں کی طرف منسوب کرتے، جیسا کہ انہوں نے تلخیص میں دونوں کی طرف منسوب کیا ہے، جبکہ دوسری روایت شروع کرتے وقت و فی روایۃ لمسلم فرماتے تو زیادہ مناسب ہوتا۔

۵۹۸: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "مسلم پر نہ تو اس کے غلام میں زکوٰۃ ہے اور نہ اس کے گھوڑے میں۔" (بخاری) اور مسلم میں ہے کہ "غلام پر زکوٰۃ تو نہیں مگر صدقۃ الفطر ہے۔"

لغوی تحقیق: صدقۃ: قرآن میں لفظ صدقہ بمعنی زکوٰۃ بھی استعمال ہوا ہے، یہاں بھی صدقہ سے مراد زکوٰۃ ہی ہے۔

تشریح: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے یہ حدیث متعدد طرق سے منقول ہے، بعض طرق کے الفاظ بھی ایک دوسرے مختلف ہیں، جیسا کہ مؤلف رحمہ اللہ نے حدیث مسلم نقل کر کے اس طرف اشارہ فرمایا ہے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے طریق سے جو روایت امام دارقطنی نے نقل کی ہے، اس میں عبدہ کے بجائے الرقیق اور فرسہ کے بجائے الخیل استعمال ہوا ہے، مگر اس کا مفہوم وہی جو مسلم سے مروی طریق

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

کا ہے، اسی مفہوم کی حدیث حضرت علی رضی اللہ عنہ سے بھی منقول ہے، وہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "میں نے تمہارے لئے گھوڑے اور غلام کی زکوٰۃ معاف کر دی ہے، البتہ جس کے پاس چاندی کے دوسو درہم ہوں وہ چالیسواں (2.5%) حصہ بطور زکوٰۃ ادا کرے۔ اس حدیث سے یہ واضح ہوا کہ وہ سواری جو اپنی ذاتی استعمال کیلئے ہے اس پر زکوٰۃ نہیں، اسی طرح خادم پر بھی زکوٰۃ نہیں، خواہ وہ کتنی مالیت ہی کا کیوں نہ ہو۔

فقہی احکام: ذاتی استعمال کی اشیاء پر زکوٰۃ نہیں خواہ ان کی قیمت کتنی ہی زیادہ کیوں نہ ہو۔

۵۹۹: وَعَنْ بَهْزِ بْنِ حَكِيمٍ, عَنْ أَبِيهِ, عَنْ جَدِّهِ قَالَ، قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ " فِي كُلِّ سَائِمَةِ إِبِلٍ فِي أَرْبَعِينَ بِنْتُ لَبُونٍ, لَا تُفَرَّقُ إِبِلٌ عَنْ حِسَابِهَا, مَنْ أَعْطَاهَا مُؤْتَجِرًا بِهَا فَلَهُ أَجْرُهَا, وَمَنْ مَنَعَهَا فَإِنَّا آخِذُوهَا وَشَطْرَ مَالِهِ, عَزْمَةً مِنْ عَزَمَاتِ رَبِّنَا, لَا يَحِلُّ لِآلِ مُحَمَّدٍ مِنْهَا شَيْءٌ " رَوَاهُ أَحْمَدُ, وَأَبُو دَاوُدَ, وَالنَّسَائِيُّ, وَصَحَّحَهُ الْحَاكِمُ, وَعَلَّقَ الشَّافِعِيُّ الْقَوْلَ بِهِ عَلَى ثُبُوتِهِ.

ابوداود، کتاب الزکاۃ، باب زکاۃ السائمۃ: ۱۵۷۵ ،احمد: ۲۰۰۳٦ ،النسائی: ۲۵/۵ ، الحاکم: ۱ /۵۵۴، ابن خزیمۃ: ۱۸/۴ ، الدارمی: ۱٦۸۴

۵۹۹: حضرت بہز بن حکیم اپنے والد سے اور اس نے اپنے دادا سے نقل کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "چرنے والے ہر چالیس اونٹوں پر ایک دو سالہ اونٹنی ہے اور اونٹوں کو (زکوٰۃ کے خوف سے) الگ الگ نہ کیا جائے، جو شخص حصول ثواب کی نیت سے زکوٰۃ ادا کرے گا، اسے اس کا ثواب یقیناً ملے گا، اور جس نے زکوٰۃ دینے سے انکار کیا ہم اس سے بزور قوت لیں گے، نیز اس سے زکوٰۃ کے علاوہ کچھ جرمانہ بھی وصول کریں گے، کیونکہ زکوٰۃ ہمارے رب کے مقرر کردہ فرائض میں سے ایک فریضہ ہے، زکوٰۃ میں سے کوئی چیز بھی آل محمد کیلئے جائز نہیں۔" اسے احمد، ابوداؤد اور نسائی نے نقل کیا ہے، اور حاکم نے اسے صحیح کہا ہے۔ امام شافعی نے اپنا قول اس روایت کے ثابت ہونے سے مشروط کر رکھا ہے۔

لغوی تحقیق: **لا تفرق ابل عن حسابها:** یعنی اگر دو یا دو سے زیادہ افراد کے پاس مشترکہ چالیس یا اس سے زائد اونٹ ہوں جبکہ ان میں سے ہر ایک کے اونٹ نصاب سے کم ہیں تو وہ حضرات زکوٰۃ کے خوف سے اپنے اونٹوں کو الگ الگ کرنے کے مجاز نہیں۔ **منع:** روک لے یعنی زکوٰۃ دینے سے انکار کر دے۔ **انا آخذوها:** ہم اس سے زبردستی سے وصول کریں گے۔ **شطر:** یہ لفظ بمعنی حصہ یا بمعنی نصف مستعمل ہے۔ **عزمة:** فرض، آل: یہ لفظ متعدد معانی میں استعمال ہوتا ہے، یہاں اس سے مراد بنو ہاشم اور ازواج مطہرات ہیں۔

تشریح: اس روایت کے صحیح اور ضعیف ہونے کے بارے میں محدثین میں اختلاف پایا جاتا ہے، اس اختلاف کا سبب بہز بن حکیم کی شخصیت ہے، اسے امام یحییٰ بن معین، امام نسائی، امام ابوداؤد اور ابن عدی نے ثقہ کہا ہے۔ امام ابوحاتم اور امام شافعی فرماتے ہیں اس کی مرویات بطور حجت اختیار کرنا درست نہیں۔ امام ابوزرعہ نے اسے صالح کہا ہے، امام ابن حبان فرماتے ہیں کہ موصوف بہت ساری غلطیاں کرتے ہیں۔

امام بیہقی نے امام شافعی سے باسند نقل کیا ہے وہ فرماتے ہیں، اہل علم اس حدیث کو صحیح نہیں سمجھتے، اگر یہ حدیث ثابت ہو جائے تو ہمارا قول اسی کے موافق ہوگا۔ واضح رہے کہ یہ حدیث دو اجزاء پر مشتمل ہے، پہلا حصہ تو دیگر صحیح احادیث سے بھی ثابت ہے۔ اور دوسرے حصے یعنی ایسے شخص سے زکوٰۃ کے ساتھ ساتھ جرمانہ بھی وصول کیا جائے گا، اس بارے میں اختلاف ہے۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

فقہی احکام: زکوٰۃ نہ دینے والے سے زکوٰۃ کے علاوہ تاوان بھی لیا جا سکتا ہے۔

٦٠٠: وَعَنْ عَلِيٍّ رضی اللہ عنہ قَالَ،قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم "إِذَا كَانَتْ لَكَ مِائَتَا دِرْهَمٍ –وَحَالَ عَلَيْهَا الْحَوْلُ– فَفِيهَا خَمْسَةُ دَرَاهِمَ ,وَلَيْسَ عَلَيْكَ شَيْءٌ حَتَّى يَكُونَ لَكَ عِشْرُونَ دِينَارًا ,وَحَالَ عَلَيْهَا الْحَوْلُ ,فَفِيهَا نِصْفُ دِينَارٍ ,فَمَا زَادَ فَبِحِسَابِ ذٰلِكَ ,وَلَيْسَ فِي مَالٍ زَكَاةٌ حَتَّى يَحُولَ عَلَيْهِ الْحَوْلُ" رَوَاهُ أَبُو دَاوُدَ ,وَهُوَ حَسَنٌ ,وَقَدِ اخْتُلِفَ فِي رَفْعِهِ

ابو داود، کتاب الزکاة، باب زکوۃالسائمة: ١٥٧٣، الترمذی: ٦٢٤، النسائی: ٣٧/٥، ابن ماجة: ١٧٩٠، احمد: ١٤٨/١، ابن خزیمة: ٣٤/٤، التلخیص: ١٧٤/٢، نصب الرایة: ٣٢٨/٢، الاحکام الوسطی: ١٦٧/٢، ١٦٨، الدارقطنی: ٩٠/٢-٩٢، معرفة السنن والآثار: ٢٩٢/٣، بیان الوھم والایھام: ٤٤٨/٥-٤٥٠

٦٠٠: حضرت علی رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "جب تمہارے پاس دوسو درہم ہوں اور ان پر سال گزر جائے تو ان پر پانچ درہم زکوٰۃ ہے، اس وقت تک تم پر کچھ نہیں حتی کہ تمہارے پاس بیس دینار ہوں، اور ان پر سال گزر جائے تو پھر نصف دینار ہے، زیادہ پر زکوٰۃ کا تناسب یہی ہوگا، اور جب تک تمہارے پاس کسی مال پر سال گزر نہ جائے اس وقت تک تم پر زکوٰۃ نہیں۔" اسے ابوداؤد نے روایت کیا ہے اور یہ حسن ہے، البتہ اس کے مرفوع ہونے میں اختلاف ہے۔

تشریح: اس روایت کے مرفوع اور موقوف ہونے کے بارے میں اختلاف پایا جاتا ہے، جیسا کہ مؤلف رحمہ اللہ نے اشارہ فرمایا ہے، اختلاف کی بنیاد یہ ہے کہ ابواسحاق یہ روایت عاصم بن ضمرۃ اور حارث الاعور سے نقل کرتے ہیں، حارث اس روایت کو مرفوع نقل کرتا ہے جبکہ عاصم موقوف، ابن حزم کی تحقیق بھی یہی ہے، لیکن مؤلف رحمہ اللہ کو اس سے اختلاف ہے وہ فرماتے ہیں کہ ترمذی نے حدیث ابوعوانہ عن ابی اسحاق کے طریق سے عاصم سے جو روایت نقل کی ہے، وہ بھی مرفوع ہے۔ راقم کو یہ حدیث ترمذی سے نہیں ملی، اسی طرح امام ابن قطان نے بھی اس روایت کو ابوعوانہ کی طرف منسوب کیا ہے لیکن انہوں نے نہیں بتایا کہ یہ روایت کہاں ہے۔ البتہ جریر بن حازم نے مذکورہ متن دونوں کی طرف منسوب کیا ہے، حافظ عبدالحق اشبیلی فرماتے ہیں کہ ابن حزم نے اسے معلول قرار دیتے ہوئے لکھا ہے کہ جریر نے حارث اور عاصم کی روایات کو ملا دیا ہے۔ پھر وہ کہتے ہیں کہ دیگر اہل علم کا کہنا ہے کہ ایسا نہیں ہے، کیونکہ جریر نے اپنے دونوں اساتذہ سے اس حدیث کو مرفوع نقل کیا ہے اور وہ ثقہ ہیں۔

راقم کے نزدیک اس روایت میں اس کے علاوہ بھی ایک اور علت ہے، اور وہ ہے، ابواسحاق کا مدلس ہونا اور روایت کو معنعن نقل کرنا، البتہ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے تلخیص میں لکھا ہے کہ امام بخاری نے ان دونوں طرق کو صحیح قرار دیا ہے، لہٰذا اس بات کا احتمال ہے کہ ابواسحاق نے یہ حدیث اپنے دونوں اساتذہ سے سنی ہو، امام بخاری کا یہ قول راقم کو نہیں ملا، اگر ایسا ہی جیسا کہ مؤلف رحمہ اللہ نے لکھا ہے تو پھر یقیناً ابو اسحاق نے یہ حدیث عاصم اور حارث سے سنی ہوگی۔ جہاں تک امام زیلعی کا اس حدیث کو حسن کہنا اور امام نووی کا اسے حسن صحیح کہانا ہے تو یہ بات باعث تعجب نہیں کیونکہ یہ دونوں صاحبان تدلیس اور وقف کو علت نہیں گردانتے۔

واضح رہے کہ چند ضعیف روایات اس کی شاہد بھی ہیں۔

(١) حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی مرفوع روایت، حسان بن سیاہ کی وجہ سے ضعیف ہے۔

(٢) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی مرفوع روایت حارثہ بن محمد کی وجہ سے ضعیف ہے، جبکہ ثوری نے یہ موقوف بیان کی ہے۔

(٣) حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی مرفوع روایت عبدالرحمٰن بن زید بن اسلم کی وجہ سے ضعیف ہے جبکہ ثقہ رواۃ نے اس

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

روایت کو نافع سے موقوف نقل کیا ہے۔

(۴) حضرت عبداللہ بن عمر اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہم سے ایک ساتھ مروی روایت ابراہیم بن اسماعیل بن مجمع کی وجہ سے ضعیف ہے ان احادیث سے یہ واضح ہوا کہ سونے کے بیس دینار پر زکوٰۃ فرض ہے، ایک دینار ایک مثقال کے برابر ہے، بیس مثقال 93.60 گرام بنتے ہیں یہ تقریباً ساڑھے سات تولے وزن بنتا ہے۔

فقہی احکام: سونے کا نصاب ساڑھے سات تولے یا 93.60 گرام ہے، اس پر امام شافعی نے امت کا اجماع نقل کیا ہے۔

۶۰۱: وَلِلتِّرمِذِیِّ عَنِ ابْنِ عُمَرَ رضی اللہ عنہما مَنِ اسْتَفَادَ مَالًا ,فَلا زَكَاةَ عَلَيْهِ حَتَّى يَحُولَ الْحَوْلُ. وَالرَّاجِحُ وَقْفُهُ.

الترمذی، ابواب الزکاۃ، باب لا زکوٰۃ علی المال المستفاد: ۶۳۵، ۶۳۴، الدارقطنی: ۲/ ۹۰، ۹۱، مؤطا: ۱/ ۲۴۶، البیہقی: ۱۰۴/۴، التنقیح: ۲/۱۷۷، الاحکام الوسطی: ۲/۱۷۲، ابن ماجۃ: ۱۷۹۲، المعجم الکبیر: ۱۳۷/۲۵

۶۰۱: امام ترمذی نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے نقل کیا ہے کہ جو مال سال کے دوران حاصل ہو اس پر سال گزرنے سے پہلے زکوٰۃ نہیں ہے۔ لیکن راجح یہ ہے کہ یہ روایت موقوف ہے۔

تشریح: یہ روایت حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مرفوع اور موقوف ہر دو طرق سے مروی ہے مرفوع طریق عبدالرحمٰن بن زید بن اسلم کی وجہ سے ضعیف ہونے کی وجہ سے معلول ہے، جبکہ مالک عن نافع عن ابن عمر طریق سنداً صحیح ہے لیکن وہ موقوف ہے۔ اسی بنا پر دارقطنی، حافظ ابن عبدالھادی، حافظ عبدالحق اشبیلی اور مؤلف رحمھم اللہ نے موقوف طریق کو راجح قرار دیا ہے۔ مرفوع روایت کی مؤید بعض دیگر روایات بھی ہیں۔

جیسا کی حضرت عائشہ، حضرت انس اور حضرت ام سعد رضی اللہ عنہم سے منقول ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: "اس مال پر زکوٰۃ نہیں جس پر سال نہیں گزرتا۔" لیکن یہ تینوں روایات بھی ضعیف ہیں، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی روایت حارثہ بن محمد کی وجہ سے، حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی روایت حسان بن سیاہ کی وجہ سے اور حضرت ام سعد رضی اللہ عنہا سے مروی روایت عنبسہ بن عبدالرحمٰن کی وجہ سے ضعیف ہے۔ ایک سال کی قید سے متعلق اگرچہ تمام مرفوع روایات ضعیف ہیں تاہم حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے منقول موقوف روایت صحیح ہے۔ اس مسئلہ میں چونکہ اجتہاد کو کوئی دخل نہیں لہٰذا یہی تصور کیا جائے گا کہ یہ حدیث حکماً مرفوع ہے۔

فقہی احکام: (۱) زکوٰۃ سال میں ایک بار فرض ہے۔ (۲) زکوٰۃ اس مال پر فرض ہوتی ہے جس پر ایک مکمل سال گزر جائے۔

۶۰۲: وَعَنْ عَلِيٍّ رضی اللہ عنہ قَالَ لَيْسَ فِي الْبَقَرِ الْعَوَامِلِ صَدَقَةٌ. رَوَاهُ أَبُو دَاوُدَ ,وَالدَّارَقُطْنِيُّ ,وَالرَّاجِحُ وَقْفُهُ أَيْضًا.

ابوداود، کتاب الزکاۃ، باب زکاۃ السائمۃ: ۱۵۷۳، الدارقطنی: ۱۰۳/۲، البیہقی: ۱۱۶/۴، عبدالرزاق: ۶۸۷۲

تنبیہ: ابوداؤد میں مروی الفاظ اس طرح ہیں ؛ وَ لَيْسَ عَلَى الْعَوَامِلِ شَيْئٌ ؛

۶۰۲: حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ کام میں استعمال ہونے والے بیلوں پر زکوٰۃ نہیں۔ اسے ابوداؤد اور دارقطنی نے روایت کیا ہے، اس روایت کا بھی موقوف ہونا ہی راجح ہے۔

لغوی تحقیق: البقر: گائے اور بیل دونوں کیلئے استعمال ہوتا ہے۔ العوامل: یہ عاملۃ کی جمع ہے یعنی ایسے بیل جو کھیتی باڑی کیلئے استعمال ہوتے ہیں۔

تشریح: یہ روایت حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مرفوع اور موقوف ہر دو طرح منقول ہے، اور دونوں طرق ابواسحاق سے منقول ہیں، ابواسحاق

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

مدلس اور مختلط ہے، تاہم امام سفیان ثوری کا اس سے سماع اختلاط سے پہلے ہے، اس لئے یہ علت تو زائل ہوگئی، مگر تدلیس والی علت ہنوز باقی ہے۔ اس بنا پر اس روایت کے دونوں طرق ضعیف ہیں۔ البتہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے موقوف مروی روایت صحیح ہے۔

فقہی احکام: کاروبار میں استعمال ہونے والے جانوروں میں زکوۃ نہیں۔

۶۰۳: وَعَنْ عَمْرِو بْنِ شُعَيْبٍ ,عَنْ أَبِيهِ ,عَنْ جَدِّهِ; عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عَمْرٍو أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ قَالَ " مَنْ وَلِيَ يَتِيمًا لَهُ مَالٌ ,فَلْيَتَّجِرْ لَهُ ,وَلَا يَتْرُكْهُ حَتَّى تَأْكُلَهُ اَلصَّدَقَةُ " رَوَاهُ اَلتِّرْمِذِيُّ ,وَالدَّارَقُطْنِيُّ ,وَإِسْنَادُهُ ضَعِيفٌ . وَلَهُ شَاهِدٌ مُرْسَلٌ عِنْدَ اَلشَّافِعِيِّ.

الترمذی، ابواب الزکاۃ، باب الزکاۃ مال الیتیم: ۶۴۴، الدارقطنی: ۲/ ۱۰۹، ۱۱۰، البیہقی: ۴/ ۱۵۷، الاحکام الوسطی: ۲/ ۱۸۰، مسند شافعی: ۹۲، المعجم الاوسط: ۴/ ۲۶۴، اللسان: ۲/ ۴۳۲، ابن ابی شیبۃ: ۳/ ۱۴، مجمع الزوائد: ۳/ ۷۰

۶۰۳: حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "جو شخص کسی یتیم کا سرپرست بنے اسے چاہیے کہ وہ یتیم کے مال کو پڑا نہ رہنے دے، بلکہ کاروبار میں لگائے، ورنہ اس مال کو زکوۃ ختم کر دے گی۔ اسے ترمذی اور دارقطنی نے روایت کیا ہے، لیکن اس کی سند ضعیف ہے۔ اس روایت کی شاہد ایک مرسل روایت ہے، جو شافعی نے بیان کی ہے۔

لغوی تحقیق: ولی: واؤ مفتوح اور لام مکسور یعنی سرپرست بنے۔ فلیتجر: فعل امر ہے، یعنی کاروبار میں لگائے۔ تاکل: کھا جائے گی، یعنی ختم کر دے گی۔

تشریح: امام ترمذی نے اس روایت کو نقل کرنے کے بعد لکھا ہے کہ یہ روایت فقط اسی ایک طریق سے مروی ہے۔ اور اس طریق کا ایک راوی مثنیٰ بن صباح ضعیف ہے۔ اس راوی کو تقریباً تمام نامور محدثین نے ضعیف کہا ہے۔ اس مفہوم کی ایک روایت حضرت عمرو بن شعیب سے ابو اسحاق شیبانی کے واسطے سے مندل بن علی سے بھی بیان کی ہے، مندل بن علی بھی ضعیف ہے۔

مؤلف رحمہ اللہ نے امام شافعی کی بیان کردہ جس روایت کی طرف اشارہ کیا ہے وہ مرسل ہونے کے ساتھ ساتھ ابن جریج کے مدلس ہونے کی وجہ سے بھی ضعیف ہے۔ اس کی مؤید روایت حضرت انس رضی اللہ عنہ سے بھی مروی ہے، اس روایت کو علامہ ہیثمی نے اپنے شیخ کے حوالے سے صحیح الاسناد کہا ہے حالانکہ یہ روایت سابقہ روایت سے بھی زیادہ کمزور ہے، کیونکہ فرات بن محمد قیروانی پر جھوٹے ہونے کا الزام ہے۔ اسی مضمون کی موقوف روایات بھی مروی ہیں، ان میں سے حضرت علی، حضرت عائشہ اور حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہم سے مروی روایات صحیح ہیں۔

فقہی احکام: (۱) یتیم کے مال پر بھی زکوۃ ہے۔ (۲) یتیم کے مال کی زکوۃ یتیم کا کفیل اس کی طرف سے ادا کرے گا۔
(۳) یتیم کے مال کو تجارت میں لگانا فرض نہیں البتہ مستحب ہے۔

۶۰۴: وَعَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ أَبِي أَوْفَى رضی اللہ عنہ قَالَ كَانَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ إِذَا أَتَاهُ قَوْمٌ بِصَدَقَتِهِمْ قَالَ "اَللَّهُمَّ صَلِّ عَلَيْهِمْ" مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ.

مسلم، کتاب الزکاۃ، باب الدعاء لمن اتی بصدقۃ: ۱۰۷۸، البخاری: ۴/ ۲۶۱، ابوداود: ۱۵۹۰، النسائی: ۵/ ۳۱، ابن ماجۃ: ۱۷۹۶، احمد: ۴/ ۳۵۳، البیہقی: ۴/ ۱۵۷، معرفۃ السنن والآثار: ۳/ ۳۱۷، ابن خزیمۃ: ۲۲۷۴

۶۰۴: حضرت عبداللہ بن ابی اوفی رضی اللہ عنہ نے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں جب لوگ زکوۃ لیکر پیش ہوتے تو آپ ﷺ

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

دعا فرماتے: "اے اللہ! ان پر رحمتیں نازل فرما۔" (بخاری ومسلم)

لغوی تحقیق: صل: یہ لفظ متعدد معنی میں مستعمل ہے، یہاں اس سے مراد دعائے رحمت ہے۔

تشریح: حضرت وائل بن حجر رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث میں ہے کہ ایک شخص ایک خوبصورت اونٹنی لیکر آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا، آپ ﷺ نے فرمایا: "اے اللہ! اس شخص میں اور اس کے اونٹ میں برکت عطا فرما۔"

فقہی احکام: (۱) مخیّر حضرات کو چاہیے کہ وہ اپنی زکوٰۃ خود مناسب مقام تک پہنچائیں۔ (۲) حاکم یا امیر کو چاہیے کہ وہ صدقات وخیرات لیکر آنے والوں کیلئے خیر وبرکت کی دعائیں کرے۔ (۳) صرف لفظ شکریہ بولنے پر اکتفا نہ کرے۔

۶۰۵: وَعَنْ عَلِيٍّ رضی اللہ عنہ أَنَّ الْعَبَّاسَ رضی اللہ عنہ سَأَلَ النَّبِيَّ ﷺ فِي تَعْجِيلِ صَدَقَتِهِ قَبْلَ أَنْ تَحِلَّ, فَرَخَّصَ لَهُ فِي ذٰلِكَ. رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ, وَالْحَاكِمُ.

الترمذی، ابواب الزکاۃ، باب تعجیل الزکاۃ: ۶۸۱، ابو داود: ۱۶۲۴، الدارقطنی: ۱۲۳/۲، الحاکم: ۳۷۵/۳، البیھقی: ۱۱۱/۴، ابن خزیمۃ: ۴۹/۴، ابن ماجۃ: ۱۷۹۵، احمد: ۱۰۴/۱، الدارمی: ۱۶۴۳

۶۰۵: حضرت علی رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ ﷺ سے قبل از وقت زکوٰۃ دینے کے بارے میں دریافت کیا تو آپ ﷺ نے انہیں ایسا کرنے کی اجازت فرمائی۔ اسے ترمذی اور حاکم نے روایت کیا ہے۔

تشریح: قبل از وقت زکوٰۃ ادا کرنا جائز ہے یا نہیں؟ اس بارے میں اہل علم میں اختلاف پایا جاتا ہے۔ امام سفیان ثوری وغیرہ کا کہنا ہے کہ درست نہیں، جبکہ جمہور اہل علم جواز کے قائل ہیں۔ اس اختلاف کا سبب یقیناً زیر مطالعہ روایت کی صحت اور عدم صحت کی وجہ ہے، جیسا کہ امام شافعی فرماتے ہیں کہ مجھے معلوم نہیں کہ یہ حدیث ثابت ہے یا نہیں۔ زیر مطالعہ حدیث موصولاً اور مرسلاً ہر دو طرح منقول ہے، امام حاکم نے موصولاً روایت کو صحیح قرار دیا ہے، اور امام ذہبی نے اس پر مہر تصدیق ثبت کی ہے، لیکن امام بیہقی نے مرسل طریق کو صحیح قرار دیا ہے، راقم کے نزدیک امام حاکم اور امام ذہبی کا موقف راجح ہے۔ کیونکہ اس روایت کی اسی سند سے امام ابن خزیمہ نے بھی موصولاً روایت کیا ہے اس روایت پر زیادہ سے زیادہ یہ اعتراض کیا جاسکتا ہے کہ حکم بن عتیبہ مدلس ہے اور روایت معنعن ہے۔ راقم کے نزدیک ابن خزیمہ کی ایسی روایات سماع پر محمول ہونی چاہیے، کیونکہ موصوف مدلسین کی جب روایات کے سماع سے آگاہ نہیں ہوتے ان کے بارے میں عدم سماع کا خدشہ ظاہر کردیتے ہیں، یہاں امام صاحب نے عدم سماع کا خدشہ ظاہر نہیں فرمایا، لہٰذا امام ابن خزیمہ یقیناً سماع سے آگاہ ہونگے، نیز امام ترمذی نے یہ روایت حکم بن جحل سے نقل کی ہے۔ حکم بن جحل ثقہ راوی ہیں۔

فقہی احکام: قبل از وقت زکوٰۃ دینا درست ہے۔

۶۰۶: وَعَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ رضی اللہ عنہ عَنْ رَسُولِ اللّٰهِ ﷺ قَالَ "لَيْسَ فِيمَا دُونَ خَمْسِ أَوَاقٍ مِنَ الْوَرِقِ صَدَقَةٌ, وَلَيْسَ فِيمَا دُونَ خَمْسِ ذَوْدٍ مِنَ الْإِبِلِ صَدَقَةٌ, وَلَيْسَ فِيمَا دُونَ خَمْسَةِ أَوْسُقٍ مِنَ التَّمْرِ صَدَقَةٌ" رَوَاهُ مُسْلِمٌ.

مسلم، کتاب الزکاۃ: ۹۸۰، ابن خزیمۃ: ۲۳۰۳، ابن ماجۃ: ۱۷۹۴، احمد: ۲۹۶/۳

تنبیہ: بلوغ المرام کے بعض مطبوعہ نسخوں میں عن جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ اور بعض میں فقط عن جابر رضی اللہ عنہ ہے، جبکہ صحیح مسلم میں جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ ہے۔

۶۰۶: حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "پانچ اوقیہ سے کم چاندی پر زکوٰۃ نہیں، اور پانچ سے کم اونٹوں پر زکوٰۃ نہیں، اور پانچ وسق سے کم کھجوروں پر زکوٰۃ نہیں۔" اسے مسلم نے روایت کیا ہے۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

لغوی تحقیق: اواق: یہ اوقیۃ کی جمع ہے۔ اوقیۃ: ہمزہ مضموم اور یا مشدد مفتوح، رطل کے بارہویں حصے یا چالیس درہم کو اوقیہ کہا جاتا ہے۔اس طرح پانچ اوقیوں میں دوسو درہم ہوئے۔الورق: واؤ مفتوح اور راء مکسور یعنی چاندی۔

تشریح: اس حدیث میں چاندی، اونٹ اور کھجوروں کا نصاب زکوٰۃ بیان ہوا ہے۔مذکورہ اشیا جب مذکورہ وزن یا تعداد کو پہنچ جائیں تو ان پر سال گزرنے کے بعد زکوٰۃ فرض ہو جائے گی، اس حدیث میں اگرچہ یہ مذکور نہیں کہ مذکورہ مقدار پر کتنی زکوٰۃ فرض ہوگی لیکن دیگر احادیث میں یہ صراحت موجود ہے۔تفصیل کیلئے حدیث رقم ۵۹۵ اور ۶۰۰ کا مطالعہ فرمائیں البتہ کھجوروں کی مقدار سابقہ احادیث میں بیان نہیں ہوئی، اس کی تفصیل حدیث رقم ۶۰۸ میں آئے گی۔(ان شاءاللہ)

۶۰۷: وَلَهُ مِنْ حَدِيثِ أَبِي سَعِيدٍ ، لَيْسَ فِيمَا دُونَ خَمْسَةِ أَوْسَاقٍ مِنْ تَمْرٍ وَلَا حَبٍّ صَدَقَةٌ . وَأَصْلُ حَدِيثِ أَبِي سَعِيدٍ. مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ.

مسلم، کتاب الزکاۃ: ۹۷۹، البخاری: ۱۴۵۹، الترمذی: ۶۳۰، ابو داود: ۱۵۵۸، احمد: ۶/۳، الدارقطنی: ۹۳/۲، البیھقی: ۷۵۱۹

۶۰۷: مسلم میں حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث میں ہے کہ "پانچ وسق سے کم کھجوروں یا اناج میں زکوٰۃ نہیں ہے۔" ابوسعید سے مروی روایت صحیحین میں ہے اور وہ روایت اس کی اصل ہے۔

تشریح: مؤلف رحمہ اللہ نے مذکورہ الفاظ کو صحیح مسلم کی طرف منسوب کرنے کے بعد اس کی اصل کو صحیحین کی طرف منسوب کیا ہے۔اس کا سبب یہ ہے کہ امام بخاری نے حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے جو روایت نقل کی ہے اس میں "و لا حبَّ" نہیں ہے جبکہ مسلم میں ہے۔

فقہی احکام: پھل اور اناج کا نصاب زکوٰۃ ایک ہی ہے یعنی بیس من۔

۶۰۸: وَعَنْ سَالِمِ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ ,عَنْ أَبِيهِ ,عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ " فِيمَا سَقَتِ السَّمَاءُ وَالْعُيُونُ ,أَوْ كَانَ عَثَرِيًّا: الْعُشْرُ , وَفِيمَا سُقِيَ بِالنَّضْحِ نِصْفُ الْعُشْرِ "رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ وَلِأَبِي دَاوُدَ " أَوْ كَانَ بَعْلًا الْعُشْرُ ,وَفِيمَا سُقِيَ بِالسَّوَانِي أَوِ النَّضْحِ نِصْفُ الْعُشْرِ "

البخاری، کتاب الزکاۃ، باب العشر فیمایسقی من السماء و بالماء الجاری: ۱۴۸۳، ابوداود: ۱۵۹۶، ۱۵۹۷، الترمذی: ۶۴۳، النسائی: ۴۱/۵، ابن ماجۃ: ۱۸۱۷، ۱۸۱۸، ابن خزیمۃ: ۳۷/۴، الدارقطنی: ۱۲۹/۲، البیھقی: ۱۳۰/۴، معرفۃ السنن والآثار: ۲۸۵/۳

۶۰۸: حضرت سالم بن عبداللہ اپنے والد حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے نقل کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: "وہ زمین جسے آسمان اور قدرتی چشمے سیراب کرتے ہیں یا وہ نمدار ہے، اس میں دسواں حصہ ہے اور وہ زمین جسے پانی کھینچ کر سیراب کیا جاتا ہے، اس میں بیسواں حصہ ہے۔" اسے بخاری نے روایت کیا ہے اور ابوداؤد میں ہے "از خود سیراب ہونے والی فصل میں دسواں حصہ ہے اور جسے جانوروں کے ذریعے یا ڈول سے پانی کھینچ کر سیراب کیا جاتا ہے اس میں بیسواں حصہ ہے۔"

لغوی تحقیق: سقت: سین اور قاف مفتوح اور تاء ساکن ہے۔صیغہ واحد مؤنث غائب ہے، اس کا فاعل السماء ہے یعنی جسے آسمان (بارش، برف، شبنم وغیرہ کے ذریعے) سیراب کرتا ہے۔العیون: عین اور یاء مضموم، یہ عین کی جمع ہے، چشمے۔ عثریا: عین اور ثاء مفتوح، راء مکسور اور یاء مشدد منصوب، اس کا لغوی معنی بے کار رہنا ہے، لیکن یہاں اس سے مراد ساحلی زمین ہے۔النضح: نون مفتوح اور ضاد ساکن، اس کا لفظی معنی چھڑکاؤ کرنا ہے، جب اس مادہ کے فعل کا فاعل السماء (آسمان) ہو تو پھر اس کا معنی بارش برسانا ہے، جب اس کا

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

مفعول الزرع ہوتو پھر اس کا معنی کھیت کو سیراب کرنا ہے، یہاں اس سے یہی مقصود ہے۔ **العشر** : عین مضموم اور شین ساکن، دسواں حصہ۔ **بعلا** : امام ابوداؤد نے عثریا کے بدلے میں لفظ بعل استعمال کیا ہے، بعل کے لفظی معنی شوہر اور ایسی بلند زمین کے ہیں جو فقط بارش، اولوں یا برف وغیرہ ہی سے سیراب ہوسکتی ہے اور ایسی کھیتیوں کو بھی بعل کہتے ہیں، جس پانی دینے کی ضرورت نہیں پڑتی، کیونکہ وہ پانی خود حاصل کر لیتی ہے۔ یہاں یہی معنی مقصود ہے۔ **السوانی** : سانیة کی جمع ہے ایسے جانور جو پانی لانے کیلئے استعمال ہوتے ہیں۔

تشریح: امام بخاری، امام نسائی، امام ترمذی، امام ابن خزیمہ اور امام دارقطنی وغیرہم نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے جو حدیث نقل کی ہے اس میں عثریا نقل کیا ہے جبکہ ابوداؤد اور ابن ماجہ نے **بعلا** نقل کیا ہے، امام مسلم نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے جو روایت نقل کی ہے اس میں ہے کہ وہ زمین جسے سیلاب کے ذریعے پانی ملتا ہے۔ اس کی پیداوار میں بھی دسواں حصہ ہے، بیہقی اور ابن ماجہ نے حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کے طریق سے جو حدیث نقل کی ہے اس میں بھی **بعلا** مذکور ہے۔ ان طرق سے یہ واضح ہوا کہ **عثریا** اور **بعلا** مترادف الفاظ ہیں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی موقع پر کوئی لفظ استعمال فرمایا اور کسی پر کوئی۔

فقہی احکام: (۱) چشموں، نہروں، سیلابوں، بارش، شبنم اور اولوں وغیرہم سے سیراب ہونے والی زمین کی پیداوار میں دسواں حصہ زکوٰۃ دینا لازم ہے۔ (۲) ٹیوب ویل، تالابوں، کنوؤں وغیرہ سے سیراب ہونے والی زمین کی پیداوار میں بیسواں حصہ بطور زکوٰۃ دینا لازم ہے۔

۶۰۹: وَعَنْ أَبِي مُوسَى الْأَشْعَرِيِّ ; وَمُعَاذٍ رضی اللہ عنہما ; أَنَّ النَّبِيَّ صلی اللہ علیہ وسلم قَالَ لَهُمَا " لَا تَأْخُذَا فِي الصَّدَقَةِ إِلَّا مِنْ هَذِهِ الْأَصْنَافِ الْأَرْبَعَةِ الشَّعِيرِ, وَالْحِنْطَةِ, وَالزَّبِيبِ, وَالتَّمْرِ " رَوَاهُ الطَّبَرَانِيُّ, وَالْحَاكِمُ.

احمد: ۲۲۸/۵، الطبرانی: ۱۵۱/۲۰، الدارقطنی: ۹۸/۲، الحاکم: ۵۵۸/۱، البیہقی: ۷۵۴۱، فقه السنن والآثار: ۲۸۳/۳، مجمع الزوائد: ۷۸/۳

تنبیہ: بلوغ المرام کے مطبوعہ نسخوں میں اس روایت کو طبرانی اور حاکم کی طرف منسوب کیا گیا ہے، جبکہ مؤلف رحمۃ اللہ علیہ نے تلخیص میں اس روایت کو حاکم اور بیہقی کی طرف منسوب کیا ہے۔ علامہ ہیثمی نے اس حدیث کو طبرانی کے حوالے سے نقل کرنے کے بعد اس کے رجال کو رجال صحیح قرار دیا ہے۔

۶۰۹: حضرت ابوموسیٰ اشعری اور حضرت معاذ رضی اللہ عنہما سے منقول ہے کہ بلاشبہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان دونوں سے فرمایا: "جو، گندم، منقی اور کھجور کے علاوہ کسی اور پیداوار پر زکوٰۃ وصول مت کرنا۔" اسے حاکم اور طبرانی نے روایت کیا ہے۔

لغوی تحقیق: **الشعیر** : جو۔ **الحنطة** : حاء مکسور اور نون ساکن، گندم۔ **الزبیب** : کشمش اور منقیٰ۔

تشریح: زیر مطالعہ حدیث میں جو حصر ہے وہ حقیقی ہے یا اضافی ہے؟ اس بارے میں اہل علم میں اختلاف پایا جاتا ہے، صاحب سبل السلام نے حسن بصری، حسن بن صالح، ثوری، شعبی اور ابن سیرین کے بارے میں لکھا ہے کہ وہ فقط مذکورہ اجناس ہی میں زکوٰۃ کے قائل ہیں، جبکہ دوسرے گروہ کا کہنا ہے کہ زیر مطالعہ حدیث میں مذکورہ حصر اضافی ہے، کیونکہ اس دور میں یمن میں یہی اجناس پائی جاتی تھیں، لہٰذا ہر اس جنس پر زکوٰۃ فرض ہے جو ان کی طرح ذخیرہ ہوسکتی ہے۔ حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما سے مروی حدیث میں ان چاروں کے ساتھ مکئی کا بھی ذکر ہے۔ لیکن وہ روایت محمد بن عبیداللہ کی وجہ سے ضعیف ہے۔

۶۱۰: وَلِلدَّارَقُطْنِيِّ, عَنْ مُعَاذٍ، فَأَمَّا الْقِثَّاءُ, وَالْبِطِّيخُ, وَالرُّمَّانُ, وَالْقَصَبُ, فَقَدْ عَفَا عَنْهُ رَسُولُ اللَّهِ صلی اللہ علیہ وسلم . وَإِسْنَادُهُ ضَعِيفٌ.

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

الدارقطنی: ۲/۹۷، الحاکم: ۱/۵۵۸، التلخیص: ۲/۱۶۵، الطبرانی: ۲۰/۱۵۱

۶۱۰: دار قطنی میں حضرت معاذ رضی اللہ عنہ سے مروی روایت میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے (خیارین) کھیرا اور ککڑی، تربوز، انار اور گنے میں زکوۃ معاف فرمائی ہے۔اس کی سند ضعیف ہے۔

لغوی تحقیق: القثا: قاف مکسور اور ثاء مشدد مفتوح، کھیرا/ککڑی۔ البطیخ: باء مکسور اور طاء مشدد مفتوح، تربوز۔ الرمان: راء مضموم اور میم مشدد مفتوح، آنار۔ القصب: قاف اور صاد دونوں مفتوح، گنا۔

تشریح: یہ روایت اسحاق بن یحییٰ کی وجہ سے ضعیف ہے، موصوف کو تقریباً تمام ماہرین فن نے ضعیف قرار دیا ہے۔ مؤلف رحمۃ اللہ علیہ نے تلخیص میں امام ترمذی کے حوالے سے نقل کیا ہے کہ اس بارے میں کوئی بھی روایت صحیح نہیں۔

۶۱۱: وَعَنْ سَهْلِ بْنِ أَبِي حَثْمَةَ رضي الله عنه قَالَ أَمَرَنَا رَسُولُ اللَّهِ صلى الله عليه وسلم "إِذَا خَرَصْتُمْ, فَخُذُوا, وَدَعُوا الثُّلُثَ, فَإِنْ لَمْ تَدَعُوا الثُّلُثَ, فَدَعُوا الرُّبُعَ" رَوَاهُ الْخَمْسَةُ إِلَّا ابْنَ مَاجَة, وَصَحَّحَهُ ابْنُ حِبَّانَ, وَالْحَاكِمُ.

ابوداود، کتاب الزکاۃ، باب فی الخرص: ۱۶۰۵، ۱۶۰۶، الترمذی: ۶۴۶، النسائی: ۵/۴۲، ابن حبان: ۳۲۸۰، الحاکم: ۱/۵۶۰، ابن خزیمۃ: ۴/۴۲، البیہقی: ۴/۲۳، بیان الوہم والایہام: ۵/۵۴۹، الدارقطنی: ۲/۱۳۴، احمد: ۳/۴۴۸، تہذیب: ۶/۲۴۲

۶۱۱: حضرت سہل بن ابی حثمہ رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں حکم دیا کہ "جب تم اجناس کا اندازہ لگاؤ تو ایک تہائی چھوڑ دیا کرو اور اگر ایک تہائی نہیں چھوڑتے تو پھر چوتھا حصہ ضرور چھوڑ دیا کرو۔" اس روایت کو ابوداود، ترمذی، نسائی اور احمد نے روایت کیا ہے، ابن حبان اور حاکم نے صحیح کہا ہے۔

لغوی تحقیق: خرصتم: یہ لفظ متعدد معنی میں مستعمل ہے یہاں بمعنی اندازہ لگانا ہے۔ خصوصاً انگور اور کھجور کی فصل کا درختوں پر اندازہ لگانا ہے، جیسا کہ دوسری حدیث میں مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کھجور اور انگور کے بارے میں تخمینہ لگانے کا حکم فرمایا۔ الثلث: ثاء اور لام مضموم ہے، ایک تہائی۔ الربع: راء اور باء مضموم، چوتھا حصہ۔

تشریح: اس روایت کی صحت اور عدم صحت کا انحصار عبدالرحمٰن بن مسعود پر ہے، اسے امام ابن حبان نے ثقات میں ذکر کیا ہے، لیکن امام ابن قطان کا کہنا ہے کہ یہ مجہول الحال ہے۔ حضرت سہل بن ابی حثمہ رضی اللہ عنہ سے اسی مفہوم کی روایت ان کے بیٹے یحییٰ بن سہل نے نقل کی ہے۔ لیکن یہ روایت عبداللہ بن شبیب کے متہم ہونے کی وجہ سے موضوع سے قریب تر ہے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی روایت میں ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ کو یہود کی طرف بھیجا کرتے تھے، اور وہ کھجوروں کا اس وقت تخمینہ لگاتے تھے جب وہ پکنے کے قریب ہوتی تھیں، یہ روایت منقطع ہے۔

فقہی احکام: (۱) پکنے کے قریب کھڑی فصل کا تخمینہ لگانا جائز ہے۔ (۲) عاملین زکوۃ کیلئے ضروری ہے کہ وہ تخمینہ لگاتے وقت کم از کم پچیس فیصد تخمینہ کم لگائیں پھر اس کے مطابق زکوۃ وصول کریں۔

۶۱۲: وَعَنْ عَتَّابِ بْنِ أُسَيْدٍ رضي الله عنه قَالَ أَمَرَ رَسُولُ اللَّهِ صلى الله عليه وسلم "أَنْ يُخْرَصَ الْعِنَبُ كَمَا يُخْرَصُ النَّخْلُ, وَتُؤْخَذَ زَكَاتُهُ زَبِيبًا" رَوَاهُ الْخَمْسَةُ, وَفِيهِ انْقِطَاعٌ.

ابوداود، کتاب الزکاۃ، باب فی خرص العنب: ۱۶۰۳، ۱۶۰۴، الترمذی: ۶۴۷، ابن ماجۃ: ۱۸۱۹، النسائی: ۵/۱۰۹، البیہقی: ۷۵۲۳، ابن خزیمۃ: ۴/۴۱، التلخیص: ۲/۱۷۱، شرح المہذب: ۵/۴۷۹، الحاکم: ۱/۵۶۰

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

۶۱۲: حضرت عتاب بن اسید رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے ہمیں حکم دیا کہ ہم انگوروں کا تخمینہ بھی اسی طرح لگائیں جس طرح کھجوروں کا تخمینہ لگایا جاتا ہے اور اس کی زکوۃ کشمش کی صورت میں وصول کی جائے۔ اسے پانچوں نے روایت کیا ہے مگر اس کی سند میں انقطاع ہے۔

لغوی تحقیق: العنب: عین مکسور اور نون مفتوح، انگور۔ زبیباً: منقیٰ، کشمش۔

تشریح: یہ روایت سعید بن میبّب، حضرت عتاب بن اسید رضی اللہ عنہ سے نقل کرتے ہیں۔ امام ابوداؤد فرماتے ہیں کہ سعید نے حضرت عتاب رضی اللہ عنہ سے کچھ نہیں سنا۔ ابن نافع کہتے ہیں کہ سعید نے حضرت عتاب رضی اللہ عنہ کا عہد ہی نہیں پایا، امام عبدالرزاق نے یہ روایت سعید بن میبّب کے طریق سے مرسل نقل کی ہے۔ جبکہ امام دارقطنی نے سعید بن میبّب اور عتاب بن اسید کے درمیان مسور بن مخرمہ کا واسطہ بھی نقل کیا ہے، یہ طریق واقدی کی وجہ سے سخت ضعیف ہے۔

امام حاکم اور امام بیہقی وغیرہما نے حضرت سہل ابی حثمہ رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کی ہے، وہ کہتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ انہیں کھجوروں کا تخمینہ لگانے کیلئے بھیجتے وقت کہا کرتے تھے، کہ تخمینہ لگاتے وقت اتنی مقدار چھوڑ دینا جتنی وہ پکنے تک کھا جائیں گے۔ یہ اثر صحیح ہے۔ امام نووی فرماتے ہیں کہ ائمہ کا فتویٰ بھی اسی پر ہے۔

۶۱۳: وَعَنْ عَمْرِو بْنِ شُعَيْبٍ ,عَنْ أَبِيهِ ,عَنْ جَدِّهِ أَنَّ اِمْرَأَةً أَتَتِ اَلنَّبِيَّ ﷺ وَمَعَهَا اِبْنَةٌ لَهَا ,وَفِي يَدِ اِبْنَتِهَا مِسْكَتَانِ مِنْ ذَهَبٍ ,فَقَالَ لَهَا "أَتُعْطِينَ زَكَاةَ هَذَا؟" قَالَتْ لَا قَالَ "أَيَسُرُّكِ أَنْ يُسَوِّرَكِ اَللَّهُ بِهِمَا يَوْمَ اَلْقِيَامَةِ سِوَارَيْنِ مِنْ نَارٍ؟" فَأَلْقَتْهُمَا. رَوَاهُ اَلثَّلَاثَةُ ,وَإِسْنَادُهُ قَوِيٌّ.

ابوداود، کتاب الزکاۃ، باب الکنز ماھو ؟ و زکاۃ الحلی: ۱۵۶۳، النسائی: ۳۸/۵، الترمذی: ۶۴۰، البیھقی: ۱۴۰/۴

۶۱۳: حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما سے منقول ہے کہ ایک عورت نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئی، اس کے ساتھ اس کی بیٹی بھی تھی، اس کی بیٹی کے ہاتھ میں سونے کے دو کنگن تھے، آپ ﷺ نے اس سے دریافت فرمایا: "کیا تم ان کی زکوۃ ادا کرتی ہو؟" اس نے عرض کیا، نہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: "کیا تم یہ پسند کرتی ہو کہ قیامت کے روز تمہیں ان کنگنوں کے بدلے آگ کے دو کنگن پہنائے جائیں؟" اس خاتون نے وہ دونوں کنگن پھینک دیے۔ اسے تینوں نے بیان کیا ہے اور اس کی سند قوی ہے۔

لغوی تحقیق: مسکتان: یہ مسکة کا تثنیہ ہے اور یہ کنگن اور پازیب ہر دو کیلئے مستعمل ہے۔

تشریح: یہ روایت خالد بن حارث نے مرفوع جبکہ معتمر بن سلیمان نے مرسل نقل کی ہے۔ امام نسائی نے خالد کو معتمر سے اثبت قرار دیا ہے۔ نیز محمد بنا براہیم بن ابی عدی نے خالد کی متابعت کی ہے۔ اس روایت کو امام ابن قطان نے صحیح الاسناد کہا ہے۔ اور امام ترمذی فرماتے ہیں کہ اس سند پر کوئی کلام نہیں ہے۔ زیور میں زکوۃ ہے یا نہیں؟ یہ مسئلہ فقہا کے نزدیک مختلف فیہ ہے۔ تاہم اس حدیث سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ زیور میں زکوۃ ہے۔

فقہی احکام: زیور میں زکوۃ ہے۔

۶۱۴: وَصَحَّحَهُ اَلْحَاكِمُ مِنْ حَدِيثِ عَائِشَةَ.

الحاکم: ۵۴۷/۱، البیھقی: ۱۳۹/۴، ابوداود: ۱۵۶۵، التلخیص: ۱۷۶/۲، درایۃ: ۲۵۹/۱، الارواء: ۲۹۷/۲

۶۱۴: امام حاکم نے اس مضمون کی روایت حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے نقل کی ہے اور اسے صحیح قرار دیا ہے۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

تشریح: اس حدیث کو امام حاکم کے علاوہ امام ذہبی، حافظ ابن حجر، امام دقیق العید اور علامہ البانی نے بھی صحیح قرار دیا ہے۔

فقہی احکام: اس حدیث سے بھی یہ واضح ہوتا ہے کہ زیورات میں بھی زکوۃ ہے۔

۶۱۵: وَعَنْ أُمِّ سَلَمَةَ رضی اللہ عنہا أَنَّهَا كَانَتْ تَلْبَسُ أَوْضَاحًا مِنْ ذَهَبٍ فَقَالَتْ يَا رَسُولَ اللَّهِ! أَكَنْزٌ هُوَ؟ فَقَالَ "إِذَا أَدَّيْتِ زَكَاتَهُ, فَلَيْسَ بِكَنْزٍ" رَوَاهُ أَبُو دَاوُدَ, وَالدَّارَقُطْنِيُّ, وَصَحَّحَهُ الْحَاكِمُ.

ابوداود، کتاب الزکاۃ، باب الکنز ماھو و زکوۃ الحلی: ۱۵۶۴، الدارقطنی: ۱۰۵/۲، البیھقی: ۸۳/۴، الحاکم: ۵۴۷/۱

۶۱۵: حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے منقول ہے کہ وہ سونے کا زیور پہنا کرتی تھیں انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا، اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم! کیا یہ کنز ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "جب تم اس کی زکوۃ ادا کرو گی، تب یہ کنز نہیں ہوگا۔" اسے ابوداؤد اور دارقطنی نے روایت کیا ہے اور حاکم نے صحیح قرار دیا ہے۔

لغوی تحقیق: اوضاحا: یہ وضح کی جمع ہے، بعض پازیب۔ کنز: وہ مال جس پر زکوۃ نہ دی جائے

تشریح: یہ روایت عطا بن ابی رباح اور حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے مابین انقطاع ہونے کی وجہ سے ضعیف ہے۔ لیکن صحیح روایات چونکہ اس کی مؤید ہیں اس لئے اس کا منقطع ہونا مضر نہیں۔

۶۱۶: وَعَنْ سَمُرَةَ بْنِ جُنْدُبٍ رضی اللہ عنہ قَالَ كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صلی اللہ علیہ وسلم يَأْمُرُنَا; أَنْ نُخْرِجَ الصَّدَقَةَ مِنَ الَّذِي نُعِدُّهُ لِلْبَيْعِ. رَوَاهُ أَبُو دَاوُدَ, وَإِسْنَادُهُ لَيِّنٌ.

ابوداود، کتاب الزکاۃ، باب العروض اذا کان للتجارۃ: ۱۵۶۲، البیھقی: ۱۴۶/۴، الدارقطنی: ۱۲۷/۲، المعجم الکبیر للطبرانی: ۲۵۳/۷

۶۱۶: حضرت سمرۃ بن جندب رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمیں مال تجارت میں زکوۃ دینے کا حکم فرماتے تھے۔ اسے ابوداؤد نے کمزور سند سے روایت کیا ہے۔

تشریح: یہ روایت جعفر بن سعد، خبیب بن سلیمان اور سلیمان بن سمرۃ کے مجہول ہونے کی وجہ ضعیف ہے۔ تاہم چند موقوف روایات اس کی مؤید ہیں۔ حضرت نافع بیان کرتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا ایسے غلام، چوپائے اور کپڑے جو تجارت کیلئے ہوں ان پر سال میں ایک بار زکوۃ ہے۔ مؤلف رحمہ اللہ نے درایۃ میں اس روایت کی سند کو صحیح قرار دیا ہے۔ امام شافعی نے اس طرح کی روایت حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے موقوفا نقل کی ہے، مگر یہ روایت ابوعمرو بن حماس کے مجہول ہونے کی وجہ سے ضعیف ہے۔

امام مالک نے حضرت عمر بن عبدالعزیز کے بارے میں نقل کیا ہے کہ وہ مال تجارت سے ڈھائی فیصد زکوۃ وصول کرتے تھے، یہ روایت بھی صحیح ہے۔ ابن منذر نے اس پر اجماع کا دعویٰ کیا ہے۔ فقہائے سبعہ کا فتویٰ بھی اسی کے مطابق ہے۔

فقہی احکام: مال تجارت میں سال میں ایک بار ڈھائی فیصد کے حساب سے زکوۃ فرض ہے۔

۶۱۷: وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضی اللہ عنہ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صلی اللہ علیہ وسلم قَالَ "وَفِي الرِّكَازِ الْخُمُسُ" مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ.

البخاری، کتاب الزکاۃ، باب فی الرکاز الخمس: ۱۴۹۹، مسلم: ۱۷۱۰، ابوداود: ۳۰۸۵، الترمذی: ۶۴۲، النسائی: ۴۵/۵، ابن ماجۃ: ۲۶۷۳، احمد: ۲۲۸/۲، ابن حبان: ۶۰۰۵-۶۰۰۷

۶۱۷: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "مدفون خزانوں میں خمس ہے" (یعنی بیس فیصد ہے) بخاری و مسلم

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

لغوی تحقیق: الرکاز: راء مکسور اور آخر میں زاء ہے، اس کی تفسیر کے بارے میں دو رائے ہیں۔ اہل علم کے ایک گروہ کا کہنا ہے کہ اس سے مراد زمانہ جاہلیت کا مدفون خزانہ ہے۔ امام بخاری کے نزدیک یہی راجح ہے۔ دوسرے گروہ کا کہنا ہے کہ اس سے مراد معدنیات ہیں۔ **الخمس:** خاء اور میم دونوں مضموم ہیں، پانچواں حصہ یعنی بیس فیصد۔

تشریح: اس حدیث سے یہ واضح ہوا کہ مال مدفون اور معدنیات سے پانچواں حصہ بیت المال میں شامل کیا جائے۔

فقہی احکام: معدنیات اور مدفون خزانوں پر بیس فیصد زکوۃ ہے۔

۶۱۸: وَعَنْ عَمْرِو بْنِ شُعَيْبٍ ,عَنْ أَبِيهِ ,عَنْ جَدِّهِ أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ قَالَ فِي كَنْزٍ وَجَدَهُ رَجُلٌ فِي خَرِبَةٍ "إِنْ وَجَدْتَهُ فِي قَرْيَةٍ مَسْكُونَةٍ فَعَرِّفْهُ وَإِنْ وَجَدْتَهُ فِي قَرْيَةٍ غَيْرِ مَسْكُونَةٍ فَفِيهِ وَفِي الرِّكَازِ: اَلْخُمُسُ" أَخْرَجَهُ ابْنُ مَاجَهْ بِإِسْنَادٍ حَسَنٍ

مسند شافعی: ۹۶، البیهقی: ۱۷۷۴، الحاکم: ۲/۷۴، معرفة السنن والآثار: ۳/۳۱۵، التلخیص: ۲/۱۸۲

تنبیہ: راقم کو یہ حدیث ابن ماجہ میں سے دستیاب نہیں ہوئی۔

۶۱۸: حضرت عمرو بن شعیب اپنے والد سے وہ اپنے دادا سے نقل کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے اس خزانے کے بارے میں جو کسی آدمی کو غیر آباد علاقے سے ملے، فرمایا: "اگر تم اسے کسی آباد علاقے میں پاؤ تو اس کا اعلان کر، اور اگر کسی غیر آباد علاقے میں پاؤ تو پھر اس میں اور معدنیات میں بیس فیصد ہے۔" اسے ابن ماجہ نے حسن سند سے روایت کیا ہے۔

لغوی تحقیق: خربة: خاء مفتوح اور راء مکسور، ویرانہ۔ **فعرفه:** عین مفتوح اور راء مشدد مکسور اور فاء مجزوم، اعلان کرو۔ **مسکونة:** رہائشی علاقہ

تشریح: زیر مطالعہ روایت ابن ماجہ کی طرف منسوب کی گئی ہے جبکہ یہ روایت ابن ماجہ میں نہیں ہے، مؤلف رحمہ اللہ نے تلخیص میں اس روایت کو امام شافعی کی طرف منسوب کیا ہے۔ امام بیہقی نے بھی یہ روایت امام شافعی کے طریق سے ہی نقل کی ہے۔ اس روایت میں بھی صراحت ہے کہ رہائشی علاقے میں ملی چیز کا اعلان ایک سال تک کیا جائے، اگر سال کے دوران اس چیز کا مالک آجائے تو اسے واپس کر دی جائے، اس کے بعد اسے استعمال کیا جا سکتا ہے۔

فقہی احکام: (۱) آباد علاقے میں ملی ہوئی چیز کا ایک سال تک گاہے گاہے اعلان کیا جائے۔ (۲) سال کے بعد اس چیز کو استعمال میں لایا جا سکتا ہے۔ (۳) غیر آباد علاقے سے ملی چیز سے بیس فیصد زکوۃ ادا کی جائے۔

۶۱۹: وَعَنْ بِلَالِ بْنِ الْحَارِثِ رضی اللہ عنہ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ أَخَذَ مِنَ الْمَعَادِنِ الْقَبَلِيَّةِ الصَّدَقَةَ. رَوَاهُ أَبُو دَاوُد.

ابو داود، کتاب الوصایا، باب فی اقطاع الارضین: ۳۰۶۱، البیهقی: ۴/۱۵۲، مؤطا: ۱/۲۴۸، معرفة السنن والآثار: ۱/۳۰۷، الارواء: ۳/۳۱۲

۶۱۹: حضرت بلال بن حارث رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے قبل نامی جگہ میں واقع کانوں سے زکوۃ وصول فرمائی۔ ابو داود

لغوی تحقیق: معادن: معدن کی جمع یعنی کانیں۔ قبلیة: قاف اور باء مفتوح، یہ قبل نامی جگہ کی طرف منسوب ہے، قبل ایک مقام ہے جو فرع کے نواح میں واقع ہے۔

تشریح: یہ روایت حضرت بلال بن حارث رضی اللہ عنہ سے متعدد طرق سے منقول ہے اور کوئی بھی طریق علت سے خالی نہیں، یہی وجہ ہے کہ امام شافعی اس روایت کو نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں کہ اہل حدیث اس روایت کو صحیح قرار نہیں دیتے، علامہ البانی فرماتے ہیں کہ اس حدیث کے جملہ طرق کو جمع کرنے سے یہ تو ثابت ہوتا ہے کہ آپ ﷺ نے زمین کا وہ ٹکڑا حضرت بلال بن حارث رضی اللہ عنہ کو عطا فرمایا تھا

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

لیکن اس سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ معدنیات میں زکوٰۃ ہے۔

اہل علم میں اس بارے میں اختلاف پایا جاتا ہے کہ معدنیات میں زکوٰۃ بیس فیصد ہے یا ڈھائی فیصد ہے؟ جن حضرات نے معدنیات اور رکاز کو ایک ہی چیز خیال کیا ہے، ان کے نزدیک تو دونوں میں خمس ہے کیونکہ رکاز میں خمس کا ہونا صحیح حدیث سے ثابت ہے۔ نیز یہ لوگ حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے مروی موقوف روایت کو بھی بطور دلیل نقل کرتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ مکحول سے مروی ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے معادن کو رکاز کا مترادف قرار دیتے ہوئے اس میں خمس مقرر فرمایا تھا۔ یہ روایت منقطع ہے کیونکہ مکحول نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا زمانہ نہیں پایا۔

اہل علم کا جو طبقہ معادن اور رکاز کو الگ الگ قرار دیتا ہے، ان کے نزدیک معادن میں زکوٰۃ ہے۔ امام شافعی بھی اگرچہ معادن اور رکاز کو الگ الگ قرار دیتے ہیں مگر وہ معدنیات میں ڈھائی فیصد زکوٰۃ کے قائل نہیں، کیونکہ وہ کہتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ ثابت نہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کانوں کی آمدنی پر ڈھائی فیصد زکوٰۃ مقرر فرمائی ہے۔

فقہی احکام: کانوں کی پیداوار میں بھی خمس یعنی بیس فیصد ہے۔

٢۔ بَابُ صَدَقَةِ الْفِطْرِ صدقہ فطر کا بیان

٦٢٠: عَنِ ابْنِ عُمَرَ رضی اللہ عنہما قَالَ فَرَضَ رَسُولُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم زَكَاةَ الْفِطْرِ, صَاعًا مِنْ تَمْرٍ, أَوْ صَاعًا مِنْ شَعِيرٍ عَلَى الْعَبْدِ وَالْحُرِّ, وَالذَّكَرِ, وَالْأُنْثَى, وَالصَّغِيرِ, وَالْكَبِيرِ, مِنَ الْمُسْلِمِينَ, وَأَمَرَ بِهَا أَنْ تُؤَدَّى قَبْلَ خُرُوجِ النَّاسِ إِلَى الصَّلَاةِ. مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ.

البخاری، کتاب الزکاۃ، باب فرض صدقۃ الفطر: ١٥٠٣، مسلم: ٩٨٤، ابوداود: ١٦١١، ١٦١٣، الترمذی: ٦٧٦۔ ٦٧٩، النسائی: ٤٨/٥، ابن ماجۃ: ١٨٢٥، ١٨٢٦، الدارمی: ٣٢٩/١، ابن خزیمۃ: ٨٠/٤، الدارقطنی: ١٣٩/٢، البیہقی: ١٦٤/٤

٦٢٠: حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہر مسلمان غلام، آزاد، مرد وزن اور چھوٹے بڑے پر ایک صاع صدقہ فطر فرض کیا ہے، خواہ وہ صاع کھجور سے ہو یا جو سے، نیز اس کے متعلق حکم فرمایا کہ یہ صدقہ عید کی نماز کے لیے نکلنے سے پہلے ادا کیا جائے۔ (بخاری ومسلم)

لغوی تحقیق: صاع: یہ ایک پیمانہ ہے جو 5.33 رطل کے برابر ہے۔ جدید حساب کے مطابق تقریباً 2.5 کلو وزن بنتا ہے۔

تشریح: صدقۃ الفطر کی فرضیت کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے متعدد صحابہ نے روایات نقل کی ہیں۔ ان روایات کے الفاظ اگرچہ ایک دوسرے سے قدر مختلف ہیں تاہم چند باتیں سب میں مشترک ہیں۔

(١) صدقۃ الفطر ہر مسلمان پر فرض ہے، خواہ وہ غلام ہو یا آزاد، مرد ہو یا عورت، بڑا ہو یا چھوٹا۔ (٢) صدقۃ الفطر اجناس کی صورت میں فرض ہے، یعنی جو لوگ جونسی اجناس کھاتے ہیں وہ صدقۃ الفطر کے طور پر وہی ادا کریں۔ (٣) صدقۃ الفطر ہر فرد پر ایک صاع فرض ہے۔ (٤) عید کی نماز کیلئے نکلنے سے پہلے مستحق افراد تک پہنچانا ضروری ہے، تاکہ وہ لوگ بھی دیگر مسلمانوں کے ساتھ عید کی خوشیوں اور مسرتوں میں شریک ہو جائیں۔ (٥) ایک روایت میں ہے کہ اس کی ادائیگی عید کی نماز سے پہلے پہلے ضروری ہے، ورنہ اس کا شمار عام صدقات میں ہوگا۔ (٦) صدقۃ الفطر کی ادائیگی گھر کے سربراہ کے ذمہ ہے۔ (٧) یتیم بچوں کے پاس اگر مال ہے تو ان کا صدقہ ان کے

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

مال سے دیا جائے گا بصورت دیگر جوان کی کفالت کرتا ہے وہ ان کا صدقہ ادا کرے گا۔(۸) اس کیلئے صاحب نصاب ہونے کا تذکرہ کسی صحیح یا حسن حدیث سے ثابت نہیں۔ان احادیث سے یہ بھی عیاں ہوتا ہے کہ صدقہ الفطر ہر گھر کا سربراہ اپنے طور پر کسی مستحق کو دینے کا مجاز ہے، یعنی زکوٰۃ کی طرح اس کا حکومت کے کارندوں کو جمع کروانا لازم نہیں۔

تنبیہ: عصر حاضر میں صدقہ الفطر کی ادائیگی کا ایک نا مناسب طریقہ رائج ہو چکا ہے۔یعنی لوگ صدقہ الفطر گھر سے نکلنے سے پہلے ادا نہیں کرتے بلکہ عیدگاہ پہنچ کر ادا کرتے ہیں، نیز اجناس کی شکل میں ادا کرنے کی بجائے نقدی کی صورت میں ادا کرتے ہیں، یہ دونوں عمل رسول اللہ ﷺ کی تعلیمات سے ثابت نہیں، اس لئے ان کی حوصلہ شکنی ضروری ہے

۶۲۱: وَلِابْنِ عَدِيٍّ وَالدَّارَقُطْنِيِّ بِإِسْنَادٍ ضَعِيف "اغْنُوهُمْ عَنِ الطَّوَافِ فِي هَذَا الْيَوْمِ"

الکامل لابن عدی: ۷/۵۵، الدارقطنی: ۲/۱۵۳، البیھقی: ۴/۱۷۵(۷۸۳۲)

تنبیہ: دارقطنی میں عن الطواف مذکور نہیں البتہ بیہقی میں ہے۔

۶۲۱: ابن عدی اور دارقطنی میں ضعیف سند سے منقول ہے کہ اس روز نادار لوگوں کو گھر گھر مانگنے سے بے نیاز کر دو۔

تشریح: زیر مطالعہ حدیث حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے متعدد طرق سے مفصل منقول ہے، اس حدیث کا پہلا حصہ صحیح اسناد سے بھی مروی ہے البتہ آخری حصہ جو مؤلف رحمۃ اللہ علیہ نے نقل کیا ہے اس کی تائید کسی صحیح سند سے نہیں ہوتی جبکہ یہ سند ابو معشر نجیح بن عبدالرحمٰن کی وجہ سے ضعیف ہے۔کیونکہ اسے امام بخاری نے منکر الحدیث قرار دیا ہے۔

۶۲۲: وَعَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ رضی اللہ عنہ قَالَ كُنَّا نُعْطِيهَا فِي زَمَانِ النَّبِيِّ ﷺ صَاعًا مِنْ طَعَامٍ ,أَوْ صَاعًا مِنْ تَمْرٍ ,أَوْ صَاعًا مِنْ شَعِيرٍ ,أَوْ صَاعًا مِنْ زَبِيبٍ . مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ. وَفِي رِوَايَةٍ، أَوْ صَاعًا مِنْ أَقِطٍ. قَالَ أَبُو سَعِيدٍ، أَمَّا أَنَا فَلَا أَزَالُ أُخْرِجُهُ كَمَا كُنْتُ أُخْرِجُهُ فِي زَمَنِ رَسُولِ اللَّهِ . وَلِأَبِي دَاوُدَ، لَا أُخْرِجُ أَبَدًا إِلَّا صَاعًا.

البخاری، کتاب الزکاۃ، باب صاع من زبیب: ۱۵۰۸، باب الصدقۃ قبل العید: ۱۵۱۰، مسلم: ۹۸۵، ابوداود: ۱۶۱۶-۱۶۱۸، الترمذی: ۶۷۳، النسائی: ۵/۵۱، ابن ماجۃ: ۱۸۲۹، احمد: ۳/۲۳، الدارمی: ۱/۳۲۹، ابن خزیمۃ: ۴/۸۹، الدارقطنی: ۲/۱۴۶، فتح الباری: ۳/۳۷۳، البیھقی: ۷۸۰۳، ۷۸۰۴، ۷۸۱۸، معرفۃ السنن والآثار: ۳/۳۲۵-۳۲۹

۶۲۲: حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ نبی کریم ﷺ کے عہد میں ایک صاع کھانے کا، ایک صاع کھجور کا، ایک صاع جو کا اور ایک صاع کشمش/منقی کا دیا کرتے تھے۔(بخاری و مسلم) اور ایک روایت میں ہے کہ ایک صاع پنیر دیا کرتے تھے، حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ نے فرمایا، لیکن میں تو ہمیشہ وہی مقدار نکالتا رہوں گا جو میں عہد رسالت مآب ﷺ میں نکالا کرتا تھا۔ابوداؤد میں مروی روایت میں ہے کہ میں تو ہمیشہ ایک صاع ہی دیا کروں گا۔

لغوی تحقیق: الطعام: اس سے یہاں ہر قسم کا کھانا مراد ہے یا گندم؟ اس بارے میں اہل علم میں اختلاف پایا جاتا ہے۔امام خطابی وغیرہ کا کہنا ہے کہ یہاں اس سے مراد گندم ہے، کیونکہ جب یہ لفظ علی الاطلاق استعمال ہوتا ہے تو گندم پر دلالت کرتا ہے۔مثلاً اگر یہ کہا جائے اذھب الی سوق الطعام یعنی گندم کی منڈی ہی مراد ہوگی جبکہ ابن منذر وغیرہ کا کہنا ہے کہ حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ نے پہلے لفظ مجمل استعمال کیا اور بعد میں اس کی تفصیل بیان کر دی، جیسا کہ عیاض بن عبداللہ بن سعد سے مروی طریق میں ہے کہ حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ نے کہا کہ ہم عہد رسالت مآب ﷺ میں صدقہ الفطر کے طور پر ایک صاع کھانے کا دیتے تھے اور اس وقت ہمارا کھانا جو، کشمش، پنیر اور کھجور تھی۔جبکہ عیاض بن عبداللہ سے مروی ایک طریق میں حنطۃ بھی مذکور ہے۔امام بیہقی فرماتے ہیں، اگر یہ لفظ محفوظ ہے تو پھر طعام

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

سے مراد گندم ہے، ورنہ لفظ طعام مجمل ہے اور بعد کے الفاظ اس کی تفسیر ہیں۔

تشریح: حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے یہ حدیث متعدد طرق سے منقول ہے، بعض طرق میں یہ بھی صراحت ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ جب اپنے عہد خلافت میں حج یا عمرہ کرنے آئے تو لوگوں نے ان سے گندم سے متعلق بات کی تو انہوں نے کہا، میرا خیال ہے کہ شام کی گندم کا نصف صاع (قیمت کے اعتبار سے) کھجور کے ایک صاع کے برابر ہے۔

اس پر حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ نے درج بالا حدیث بیان کر کے اپنے ردعمل کا اظہار فرمایا۔ بعض احادیث میں لفظ البر، القمع، حنطة، اور دقیق بھی مذکور ہے، ان میں سے کسی میں گندم کے نصف صاع کا ذکر ہے اور کسی میں مکمل صاع کا ذکر ہے، عجیب اتفاق ہے کہ ان میں سے کوئی بھی روایت آپ ﷺ سے موصولاً ثابت نہیں۔

فقہی احکام: (۱) صدقۃ الفطر ہر مسلمان پر ایک صاع فرض ہے۔ (۲) صدقۃ الفطر میں قیمت کا اعتبار درست نہیں۔ (۳) جب قیمت کا اعتبار درست نہیں تو پھر نقدی کی صورت میں صدقۃ الفطر ادا کرنا باولیٰ درست نہیں۔ (۴) صحابی کے اجتہاد سے اختلاف کیا جا سکتا ہے۔

۶۲۳: وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رضی اللہ عنہما قَالَ فَرَضَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ زَكَاةَ الْفِطْرِ؛ طُهْرَةً لِلصَّائِمِ مِنَ اللَّغْوِ، وَالرَّفَثِ، وَطُعْمَةً لِلْمَسَاكِينِ، فَمَنْ أَدَّاهَا قَبْلَ الصَّلَاةِ فَهِيَ زَكَاةٌ مَقْبُولَةٌ، وَمَنْ أَدَّاهَا بَعْدَ الصَّلَاةِ فَهِيَ صَدَقَةٌ مِنَ الصَّدَقَاتِ. رَوَاهُ أَبُو دَاوُدَ، وَابْنُ مَاجَهْ، وَصَحَّحَهُ الْحَاكِمُ.

ابو داود، کتاب الزکاۃ، باب زکاۃ الفطر: ۱۶۰۹، ابن ماجۃ: ۱۸۲۷، الحاکم: ۵۶۸/۱، البیہقی: ۱۶۲/۴، الدارقطنی: ۱۳۸/۲

۶۲۳: حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے روزے دار کو اس کی لغویات سے پاک کرنے اور مساکین کو کھانا فراہم کرنے کے لیے صدقۃ الفطر فرض فرمایا جو شخص صدقۃ الفطر نماز عید سے قبل ادا کر دے تو اس کا صدقہ (بحیثیت صدقۃ الفطر) منظور کر لیا جاتا ہے اور جو عید کی نماز کے بعد ادا کرے تو اس کی حیثیت عام صدقات میں سے کسی ایک صدقہ کی طرح ہے۔ اسے ابوداؤد اور ابن ماجہ نے بیان کیا ہے اور حاکم نے اسے صحیح کہا ہے۔

لغوی تحقیق: **طھرۃ:** طاء مضموم اور ھاء ساکن، یہ مفعول لہ ہونے کی وجہ سے نصبی حالت میں ہے یعنی صدقۃ الفطر کے فرض ہونے کا سبب یہ ہے کہ اس کے ذریعے روزے دار کے تسامحات معاف کر دیے جائیں۔ **اللغو:** ایسا کام جو معقولیت سے خالی ہو۔ **الرفث:** یہ ذو معنی لفظ ہے مگر یہاں اس سے مراد فحش گوئی ہے۔ **طعمۃ:** طاء مضموم اور عین ساکن، مفعول لہ ہونے کی وجہ سے منسوب واقع ہے۔ صدقۃ الفطر کے فرض ہونے کا دوسرا سبب مساکین کو خوراک مہیا کرنا ہے۔

تشریح: اس حدیث کے جملہ رواۃ ثقہ ہیں جیسا کہ امام دارقطنی اس روایت کو نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں کہ ان رواۃ میں سے کوئی بھی راوی مجروح نہیں۔ امام مقدسی فرماتے ہیں کہ یہ سند حسن ہے۔

اس حدیث میں چونکہ لفظ مساکین استعمال ہوا ہے اس لیے اہل علم کی ایک جماعت کا کہنا ہے کہ صدقۃ الفطر کا فقط ایک ہی مصرف ہے۔ جبکہ دوسرے گروہ کا کہنا ہے کہ زکوٰۃ کی طرح اس کے بھی آٹھ مصارف ہیں۔

فقہی احکام: (۱) صدقۃ الفطر مساکین کا حق ہے۔ (۲) صدقۃ الفطر طعام کی صورت میں ادا کرنا ضروری ہے۔

(۳) اس کی ادائیگی کا آخری وقت عید کی نماز تک ہے اور ایک دو روز پہلے بھی ادا کیا جا سکتا ہے۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

۳۔ بَابُ صَدَقَةِ التَّطَوُّعِ   خیرات کا بیان

۶۲۴: عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضی اللہ عنہ عَنِ النَّبِيِّ صلی اللہ علیہ وسلم قَالَ " سَبْعَةٌ يُظِلُّهُمُ اللّٰهُ فِي ظِلِّهِ يَوْمَ لَا ظِلَّ إِلَّا ظِلُّهُ " فَذَكَرَ الْحَدِيثَ وَفِيهِ " وَرَجُلٌ تَصَدَّقَ بِصَدَقَةٍ فَأَخْفَاهَا حَتَّى لَا تَعْلَمَ شِمَالُهُ مَا تُنْفِقُ يَمِينُهُ" مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ.

البخاری، کتاب الآذان، باب من جلس فی المسجد ینتظر الصلاۃ: ۶۶۰، مسلم: ۱۰۳۱، الترمذی: ۲۵۱۳، النسائی: ۸/ ۲۲۲، احمد: ۴۳۹/۲، ابن خزیمۃ: ۱۸۵/۱، فتح الباری: ۱۴۶/۲، المعجم الاوسط: ۶۳۲۰، ابن حبان: ۴۴۸۶

تنبیہ: صحیح مسلم میں لا تعلم یمینه ماتنفق شماله ہے۔ظاہر ہے کہ یہ کسی راوی کے وہم کا نتیجہ ہے۔

۶۲۴: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:" سات قسم کے انسانوں کو اللہ تعالیٰ اپنے سائے میں جگہ دے گا، اس دن اللہ کے سائے کے سوا کوئی اور سایہ نہیں ہوگا۔" پھر ساری حدیث بیان کی اور اس کے آخر میں ہے کہ "ان میں سے ایک قسم کے انسان وہ ہونگے جو اس قدر مخفی طریقے سے خیرات کریں گے کہ ان کے بائیں ہاتھ کو بھی معلوم نہیں ہوگا کہ ان کے دائیں ہاتھ نے کیا خرچ کیا ہے۔"

لغوی تحقیق: ظل: سایہ۔

تشریح: زیر مطالعہ حدیث میں سات قسم کے انسانوں کو قیامت کے روز اللہ تعالیٰ کا سایہ میسر آنے کی نوید مسرت سنائی گئی ہے، آیا قیامت کے روز اس حدیث میں مذکور انہی سات قسم کے لوگوں کو اللہ تعالیٰ کا سایہ میسر آئے گا یا ان کے علاوہ کچھ اور خوش نصیب انسان بھی ہیں جنہیں یہ سایہ میسر آئے گا۔

مؤلف رحمہ اللہ نے فتح الباری میں ابن حبان، احمد، حاکم اور شرح السنه کے حوالے سے بعض دوسرے خوش نصیب لوگوں کا بھی ذکر کیا ہے، ان میں غازی، مجاہدین کے ساتھ تعاون کرنے والے، قرض کی وصولی کے سلسلے میں تنگ دست کو مہلت دینے والے اور قرض معاف کرنے والے، وہ غلام جو آزادی حاصل کرنے کیلئے اپنے آقا سے تحریری معاہدہ کر چکا ہے۔ اس کے ساتھ تعاون کرنے والے، راست گوئی اور دیانت داری سے تجارت کرنے والے، ضامن اور تاوان زدہ آدمی کے ساتھ تعاون وغیرہ کرنے والے۔

اس حدیث میں دوسری بات جو اہل علم کے نزدیک زیر بحث ہے وہ اللہ تعالیٰ کا سایہ ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ کے سائے سے کیا مراد ہے؟ ایک گروہ کا کہنا ہے کہ اس سے مراد اللہ تعالیٰ کے عرش کا سایہ ہے۔ مؤلف رحمہ اللہ نے اس سلسلے میں اس گروہ کی اس دلیل کی طرف اشارہ کیا جو حضرت سلمان رضی اللہ عنہ سے مروی ہے اس میں فی ظل عرشه کے الفاظ ہیں۔ یعنی انہیں اللہ تعالیٰ اپنے عرش کے سائے کے نیچے جگہ دے گا، مؤلف رحمہ اللہ نے اس روایت کی سند کو حسن قرار دیا ہے۔ امام طبرانی نے ابوصالح کے طریق سے جو حدیث حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے نقل کی ہے اس میں بھی ظل عرشہ ہی مذکور ہے۔

امام طبرانی نے اس روایت کو نقل کرنے کے بعد لکھا ہے کہ یہ حدیث حفص بن عاصم از ابوہریرہ کے طریق سے معروف ہے، قاضی عیاض کا کہنا ہے کہ اس سے مراد اللہ تعالیٰ کی بادشاہت کا سایہ ہے، ان دونوں صورتوں میں اضافت تشریفیہ ہوگی۔ جبکہ عیسیٰ بن دینار وغیرہ کا کہنا ہے کہ اس سے مراد اللہ تعالیٰ کی حمایت وحفاظت ہے۔ راقم کے نزدیک ان تکلفات کی ضرورت نہیں کیونکہ فی ظلہ اور فی ظل عرشہ میں کوئی تعارض نہیں، چونکہ عین ممکن ہے کہ اس دن اللہ تعالیٰ کا سایہ بھی ہو اور اس کے عرش کا سایہ بھی ہو، صحیح احادیث میں سورۃ بقرۃ اور سورۃ

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

آلِ عمران کے سائے کا بھی ذکر ہے اور حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ سے مروی روایت میں صدقہ کے سایہ کا بھی ذکر ہے۔

فقہی احکام: (۱) خیرات چھپا کر اور گنے بغیر دینا زیادہ افضل ہے۔

(۲) بعض نیک اعمال کے صلے میں ایمان والوں کو اللہ تعالیٰ یا اس کے عرش کا سایہ میسر آئے گا۔

۶۲۵: وَعَنْ عُقْبَةَ بْنِ عَامِرٍ رضی اللہ عنہ قَالَ سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صلی اللہ علیہ وسلم يَقُولُ "كُلُّ امْرِءٍ فِي ظِلِّ صَدَقَتِهِ حَتَّى يُفْصَلَ بَيْنَ النَّاسِ" رَوَاهُ ابْنُ حِبَّانَ وَالْحَاكِمُ.

ابن حبان، کتاب الزکاة، باب ذکر البیان بان ظل کل امرء فی القیامة یکون صدقته: ۳۳۱۰، الحاکم: ۵۷۶/۱، احمد: ۱۴۷/۴، الحلیة: ۱۸۱/۸، الزهد لابن مبارک: ۶۴۵، ابو یعلیٰ: ۱۷۶۶، ابن خزیمة: ۲۴۳۱، المعجم الکبیر للطبرانی: ۲۸۰/۱۷

۶۲۵: حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ میں نے رسول اللہ سے سنا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرمارہے تھے "ہر شخص اپنے صدقہ کے سائے میں اس وقت تک رہے گا یہاں تک کہ تمام لوگوں کا فیصلہ ہوجائے۔" (ابن حبان، حاکم)

تشریح: سابقہ حدیث میں تو محض خیرات کی فضیلت بیان ہوئی تھی لیکن اس حدیث میں ہر قسم کے صدقہ کی فضیلت بیان ہوئی ہے۔ یعنی خیرات کرنے والا قیامت کے روز اپنے صدقہ کے سائے میں رہے گا جس کی وجہ سے روز قیامت کی گرمی اس پر اثر انداز نہیں ہوگی

فقہی احکام: (۱) قیامت کے روز خیرات کا بھی سایہ ہوگا۔ (۲) خیرات کرنے والا اپنے صدقات کے سائے میں ہوگا۔

۶۲۶: وَعَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ رضی اللہ عنہ, عَنِ النَّبِيِّ صلی اللہ علیہ وسلم قَالَ "أَيُّمَا مُسْلِمٍ كَسَا مُسْلِمًا ثَوْبًا عَلَى عُرْيٍ كَسَاهُ اللَّهُ مِنْ خُضْرِ الْجَنَّةِ وَأَيُّمَا مُسْلِمٍ أَطْعَمَ مُسْلِمًا عَلَى جُوعٍ أَطْعَمَهُ اللَّهُ مِنْ ثِمَارِ الْجَنَّةِ وَأَيُّمَا مُسْلِمٍ سَقَى مُسْلِمًا عَلَى ظَمَإٍ سَقَاهُ اللَّهُ مِنَ الرَّحِيقِ الْمَخْتُومِ" رَوَاهُ أَبُو دَاوُدَ وَفِي إِسْنَادِهِ لِينٌ.

ابو داود، کتاب الزکاة، باب فی فضل سقی الماء: ۱۶۸۲، الترمذی: ۲۴۴۹، احمد: ۱۳/۳

۶۲۶: حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "جو مسلم کسی برہنہ مسلم کو لباس پہنائے گا، اللہ تعالیٰ اس مسلمان کو جنت کا سبز ریشمی لباس پہنائے گا، اور جو مسلمان کسی بھوکے مسلمان کو کھانا کھلائے گا اللہ تعالیٰ اس مسلمان کو جنت کے سیل بند مشروب پلائے گا۔" اسے ابوداؤد نے روایت کیا ہے اور اس کی سند ضعیف ہے۔

لغوی تحقیق: عری: عین مضموم اور راء ساکن، یعنی ایسا شخص جو لباس سے محروم ہو۔ خضر: خاء مضموم، ضاد ساکن، یہ اخضر کی جمع ہے یعنی جنت کا سبز ریشمی لباس۔ ظماً: ظاء اور میم مفتوح اور آخر میں ہمزہ، یعنی پیاس۔ الرحیق: نشے سے پاک مشروب۔ المختوم: سیل بند

تشریح: مؤلف رحمہ اللہ نے اس روایت کو ضعیف ہونے کا اشارہ دیا ہے۔ اس روایت کے ضعیف ہونے کا سبب ابوخالد دولانی اور اس کا شاگرد ابوبدر ہیں یا پھر دونوں میں سے کوئی ایک ہے۔ ابوخالد دولانی کو امام ابوحاتم اور امام حاکم نے ثقہ کہا ہے۔ جبکہ امام احمد نے اس کے بارے میں لابأس به کہا ہے۔ ابن سعد نے اسے منکر الحدیث، امام ابن حبان نے ضعیف اور علامہ ابن عبدالبر نے لیس بحجة کہا ہے۔ ابوبدر شجاع بن ولید کو امام احمد اور امام عجلی نے ثقہ جبکہ امام ابوحاتم نے لیس بالمتین کہا ہے۔

فقہی احکام: پیشہ ور لوگوں کو خیرات دینے سے احتراز کرنا چاہیے اور جو ضرورت مند ہوں انہیں خوب دینی چاہیے۔

۶۲۷: وَعَنْ حَكِيمِ بْنِ حِزَامٍ رضی اللہ عنہ عَنِ النَّبِيِّ صلی اللہ علیہ وسلم قَالَ "الْيَدُ الْعُلْيَا خَيْرٌ مِنَ الْيَدِ السُّفْلَى, وَابْدَأْ بِمَنْ تَعُولُ, وَخَيْرُ الصَّدَقَةِ عَنْ ظَهْرِ غِنًى, وَمَنْ يَسْتَعْفِفْ يُعِفَّهُ اللَّهُ, وَمَنْ يَسْتَغْنِ يُغْنِهِ اللَّهُ" مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ, وَاللَّفْظُ لِلْبُخَارِيِّ.

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

البخاری، کتاب الزکاۃ، باب لا صدقۃ الا عن ظھر غنی: ۱۴۲۷۔ ۱۴۲۹، مسلم: ۱۰۳۴، النسائی: ۶۹/۵، احمد: ۴۰۲/۳، الدارمی: ۱۶۵۹، المعجم الاوسط: ۳۰۱۶، ۷۲۴۷، ۹۴۸۲، فتح الباری: ۲۹۷/۳، البیھقی: ۷۷/۴

۶۲۷: حضرت حکیم بن حزام رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: "اوپر والا ہاتھ نیچے والے ہاتھ سے بہتر ہے اور آغاز ان سے کر جن کی تو کفالت کرتا ہے اور بہترین خیرات وہ ہے جو اپنی ضرورت پوری کرنے کے بعد دی جائے اور جو شخص دست سوال دراز کرنے سے بچتا ہے، اللہ تعالیٰ اسے سوال کرنے سے بچا لیتا ہے اور جو بے نیازی اختیار کرتا ہے، اللہ تعالیٰ اسے بے نیاز کر دیتا ہے۔" بخاری و مسلم، مذکورہ الفاظ بخاری کے ہیں۔

لغوی تحقیق: **الید العلیا:** اوپر والا ہاتھ، یعنی جو خیرات کرتا ہے۔ **الید السفلی:** نیچے والا ہاتھ یعنی دست سوال۔

ظھر غنی: ضرورت سے زائد اشیاء۔

تشریح: اس مفہوم کی حدیث رحمت عالم ﷺ سے متعدد صحابہ نے نقل کی ہے۔ حکیم بن حزام، ابو ہریرہ اور عبداللہ بن عمر سے مروی احادیث میں، **الید العلیا** اور **الید السفلی** کی تفسیر بھی مذکور ہے، نور الحسن خاں نے مسند اسحاق کے حوالے سے لکھا ہے کہ حضرت حکیم بن حزام رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ ﷺ سے دریافت کیا کہ اے اللہ کے رسول ﷺ! اوپر والے ہاتھ سے کیا مراد ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: "اس سے مراد دینے والا ہاتھ ہے۔"

مؤلف رحمہ اللہ نے **فتح الباری** میں طبرانی کے حوالے سے لکھا ہے کہ حکیم بن حزام رضی اللہ عنہ نبی کریم ﷺ سے نقل کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا: "اللہ کا ہاتھ دینے والے کے ہاتھ کے اوپر ہے اور دینے والے کا ہاتھ لینے والے کے ہاتھ سے اوپر ہے۔"

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ اوپر والے ہاتھ سے مراد خرچ کرنے والا ہاتھ ہے اور نیچے والے ہاتھ سے مراد دست سوال ہے، حضرت عطیہ سعدی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ دینے والا ہاتھ نیچے والے ہاتھ سے بہتر ہے۔ حضرت طارق محاربی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: "دینے والا ہاتھ ہی اوپر والا ہاتھ ہے۔"

فقہی احکام: (۱) سوال کرنے سے حتی المقدور احتراز کیا جائے۔ (۲) جو سوال کرنے سے بچتا ہے، اللہ تعالیٰ اسکی ضرورت غیب کے خزانوں سے پوری کر دیتا ہے۔ (۳) ہر آدمی کیلئے پہلا مصرف اس کی اپنی ذات اور اس کے زیر کفالت افراد ہیں۔ (۴) ضرورت سے زیادہ اشیا خیرات کر دینا نہایت پسندیدہ عمل ہے۔

۶۲۸: وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضی اللہ عنہ قَالَ قِيلَ يَا رَسُولَ اللَّهِ أَيُّ الصَّدَقَةِ أَفْضَلُ؟ قَالَ "جُهْدُ الْمُقِلِّ, وَابْدَأْ بِمَنْ تَعُولُ" أَخْرَجَهُ أَحْمَدُ, وَأَبُو دَاوُدَ, وَصَحَّحَهُ اِبْنُ خُزَيْمَةَ, وَابْنُ حِبَّانَ, وَالْحَاكِمُ.

ابوداود، کتاب الزکاۃ، باب الرخصۃ فی ذالک: ۱۶۷۷، احمد: ۳۵۸/۲، الحاکم: ۵۷۴/۱، ابن خزیمۃ: ۱۰۲/۴، ابن حبان: ۳۳۴۶، البیھقی: ۱۸۰/۴

تنبیہ: بلوغ المرام کے بعض مطبوعہ نسخوں میں اس حدیث کو ابن خزیمہ کی طرف منسوب کیا گیا ہے، اور بعض میں نہیں۔

۶۲۸: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ سے دریافت کیا گیا کہ کونسا صدقہ افضل ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: "کم آمدنی والے کا خیرات کرنا اور صدقہ کی ابتدا ان سے کر جن کی تو کفالت کرتا ہے۔" اسے احمد و ابوداؤد نے روایت کیا ہے، ابن خزیمہ، ابن حبان اور حاکم نے صحیح کہا ہے

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

لغوی تحقیق: جهد: جیم مضموم اور ہاء ساکن، ہمت۔ المقل: میم مضموم اور قاف مکسور، کم آمدنی والا شخص، یعنی کم آمدنی والے شخص کا اپنی طاقت کے مطابق خرچ کرنا۔

فقہی احکام: (۱) کم آمدنی والے افراد کا اپنی طاقت کے مطابق صدقہ کرنا سب سے بہتر خیرات شمار ہوتا ہے۔ (۲) کم آمدنی والا، صدقہ کا آغاز اپنے زیر کفالت افراد سے کرے، اگر اس کی ساری آمدنی اسی میں ختم ہو جائے تو اس کا ایسا کرنا اس کیلئے بہترین خیرات شمار ہو گا۔ (۳) اگر زیر کفالت افراد کی ضرورت سے بڑھ جائے اور وہ اسے نادار لوگوں کی فلاح و بہبود پر خرچ کر دے تو یہ دونوں صورتیں اس کیلئے بہترین خیرات کی ہیں۔

۶۲۹: وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ "تَصَدَّقُوا" فَقَالَ رَجُلٌ يَا رَسُولَ اللّٰهِ, عِنْدِي دِينَارٌ؟ قَالَ "تَصَدَّقْ بِهِ عَلَى نَفْسِكَ" قَالَ عِنْدِي آخَرُ, قَالَ "تَصَدَّقْ بِهِ عَلَى وَلَدِكَ" قَالَ عِنْدِي آخَرُ, قَالَ "تَصَدَّقْ بِهِ عَلَى زَوْجَتِكَ" قَالَ عِنْدِي آخَرُ, قَالَ "تَصَدَّقْ بِهِ عَلَى خَادِمِكَ" قَالَ عِنْدِي آخَرُ, قَالَ "أَنْتَ أَبْصَرُ بِهِ" رَوَاهُ أَبُو دَاوُدَ وَالنَّسَائِيُّ, وَصَحَّحَهُ اِبْنُ حِبَّانَ وَالْحَاكِمُ.

ابو داود، کتاب الزکاۃ، باب فی صلۃ الرحم: ۱۶۹۱، النسائی: ۵ /۶۲، احمد: ۲/ ۲۵۱، ابن حبان: ۳۳۳۷۔ ۳۳۳۹، الحاکم: ۱/۵۷۵، المعجم الاوسط: ۸۰۵۶، ۸۹۴۱، البیہقی: ۴۶۶/۷، کشف الاستار: ۱۸۸۷

۶۲۹: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "صدقہ کرو۔" اس پر ایک آدمی نے عرض کیا، اللہ کے رسول ﷺ! میرے پاس ایک دینار ہو؟ آپ ﷺ نے فرمایا: "اسے اپنی ذات پر صدقہ کرو۔" اس نے عرض کیا، میرے پاس ایک اور بھی ہو؟ آپ ﷺ نے فرمایا: "اپنی اولاد پر صدقہ کر۔" اس نے عرض کیا، میرے پاس ایک اور بھی ہو؟ آپ ﷺ نے فرمایا: "اسے اپنی اہلیہ پر صدقہ کر۔" اس نے عرض کیا، میرے پاس ایک اور بھی ہو؟ آپ ﷺ نے فرمایا: "اسے اپنے خادم پر صدقہ کر۔" اس نے عرض کیا، میرے پاس ایک اور بھی ہو؟ آپ ﷺ نے فرمایا: "تجھے خوب سمجھ بوجھ ہے، اپنی سمجھ بوجھ کے مطابق خرچ کر۔" اسے ابوداؤد اور نسائی نے روایت کیا ہے۔ ابن حبان اور حاکم نے اسے صحیح قرار دیا ہے۔

تشریح: اس حدیث سے یہ واضح ہوا کہ انسان دولت کو تجوری بند کر کے نہ رکھے بلکہ اسے گردش میں لائے، دولت کو گردش میں رکھنا بھی صدقہ ہے، اگر چہ اسے اپنی ذات اور اپنے زیر کفالت افراد کی فلاح و بہبود کیلئے ہی کیوں نہ خرچ کیا جائے، کیونکہ دولت کو گردش میں رکھنے کی وجہ سے بہت سے لوگوں کو روزگار ملتا ہے۔ مثلا ایک شخص اپنی اور اپنے زیر کفالت افراد کی ضروریات پوری کرنے کیلئے اشیاء خوردونوش اور اشیاء تصرف خریدتا ہے تو اس سے ان اشیاء کے بنانے والوں، تجارت کرنے والوں اور ذرائع حمل و نقل رکھنے والوں کو روزگار ملتا ہے۔ بایں سبب اہل وعیال پر خرچ کرنے کو صدقہ کرنے سے تعبیر کیا گیا ہے۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث میں والدین اور قرابت داروں پر خرچ کرنے کو بھی صدقہ سے تعبیر کیا گیا ہے۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہما سے مروی حدیث میں بہن بھائیوں پر خرچ کرنے کا بھی ذکر ہے۔

۶۳۰: وَعَنْ عَائِشَةَ رضی اللہ عنہا قَالَتْ قَالَ النَّبِيُّ ﷺ "إِذَا أَنْفَقَتِ الْمَرْأَةُ مِنْ طَعَامِ بَيْتِهَا, غَيْرَ مُفْسِدَةٍ, كَانَ لَهَا أَجْرُهَا بِمَا أَنْفَقَتْ وَلِزَوْجِهَا أَجْرُهُ بِمَا اِكْتَسَبَ وَلِلْخَازِنِ مِثْلُ ذَلِكَ, لَا يَنْقُصُ بَعْضُهُمْ أَجْرَ بَعْضٍ شَيْئًا" مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ.

البخاری، کتاب البیوع، باب قول اللہ تعالیٰ: ۲۰۶۵، مسلم: ۱۰۲۴، ابوداود: ۱۶۸۵، الترمذی: ۶۷۴، النسائی: ۶۵/۵، ابن

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ماجة: ۲۲۹۴، احمد: ۶/۴۴

۶۳۰: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "جب عورت اپنے گھر کے طعام کو فضول خرچی سے احتراز کرتی ہوئی خرچ کرتی ہے تو اسے اس کے سلیقے سے خرچ کرنے کی وجہ سے اجر وثواب ملتا ہے، جبکہ اس کے شوہر کو اس مال کے کمانے کی وجہ سے اجر وثواب ملتا ہے، خزانچی کے لیے بھی اسی طرح اجر وثواب ہے اور یہ ثواب ان سب کو ایک دوسرے کے ثواب کو کم کیے بغیر ملتا ہے۔" (بخاری ومسلم)

لغوی تحقیق: غیر مفسدۃ: خراب کرنے والی نہ ہو، یعنی فضول خرچی سے احتراز کرنے والی ہو۔

تشریح: اس حدیث سے یہ واضح ہو کہ شوہر کے مال میں عورت تصرف کا حق رکھتی ہے لیکن یہ حق معروف طریقے کے مطابق ہے۔ یعنی وہ شوہر کے ذرائع آمدنی کو سامنے رکھتے ہوئے خرچ کرے گی اور وہ بھی اسے اعتماد میں لینے کے بعد، البتہ معمولی امور میں اس کی اجازت کے بغیر بھی خرچ کرنے کا اختیار رکھتی ہے، اور اس صورت میں بھی اسے اجر ملے گا، لیکن غیر معمولی امور میں اگر وہ اپنے شوہر کو اعتماد میں لیے بغیر خرچ کرے گی تو یہ مفسد طریق میں شمار ہوگا۔

فقہی احکام: (۱) غیر معمولی امور میں بیوی شوہر کو اعتماد میں لیے بغیر خرچ نہیں کر سکتی۔ (۲) سلیقے سے اخراجات کرنے پر عورت کو شوہر کے برابر اجر وثواب ملتا ہے۔ (۳) خزانچی کو مال کی دیانت داری کے ساتھ حفاظت کرنے پر روزینہ کے ساتھ ساتھ اجر وثواب بھی صاحب مال کے برابر ملتا ہے۔

۶۳۱: وَعَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ رضی اللہ عنہ قَالَ جَائَتْ زَيْنَبُ امْرَأَةُ ابْنِ مَسْعُودٍ, فَقَالَتْ يَا رَسُولَ اللّٰهِ, إِنَّكَ أَمَرْتَ الْيَوْمَ بِالصَّدَقَةِ, وَكَانَ عِنْدِي حُلِيٌّ لِي, فَأَرَدْتُ أَنْ أَتَصَدَّقَ بِهِ, فَزَعَمَ ابْنُ مَسْعُودٍ أَنَّهُ وَوَلَدُهُ أَحَقُّ مَنْ تَصَدَّقْتُ بِهِ عَلَيْهِمْ, فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ "صَدَقَ ابْنُ مَسْعُودٍ, زَوْجُكِ وَوَلَدُكِ أَحَقُّ مَنْ تَصَدَّقْتِ بِهِ عَلَيْهِمْ" رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ.

البخاری، کتاب الزکاۃ، باب الزکاۃ علی الاقارب: ۱۴۶۲، باب الزکاۃ علی الزوج: ۱۴۶۶، النسائی: ۵/۹۲

۶۳۱: حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں زینب زوجہ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہما نے حاضر ہو کر عرض کیا، اے اللہ کے رسول ﷺ! آپ ﷺ نے آج صدقہ کرنے کا حکم فرمایا ہے، میرے پاس میرا ذاتی زیور ہے اور میں اسے صدقہ کرنا چاہتی ہوں، عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہما کا خیال ہے کہ وہ اور ان کی اولاد اس بات کی زیادہ حق دار ہیں کہ میں ان پر صدقہ کروں۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: "عبداللہ بن مسعود کا خیال درست ہے، تیرا شوہر اور اس کی اولاد تیرے صدقہ کے زیادہ مستحق ہیں۔" (بخاری)

تشریح: اس حدیث میں مذکور صدقہ سے مراد نفلی صدقہ ہے یا فرضی صدقہ؟ اس کی تعین کرنا خاصا مشکل کام ہے، کیونکہ اس حدیث میں یہ صراحتاً مذکور ہے کہ آپ ﷺ نے عیدالاضحیٰ یا عیدالفطر کے روز صحابہ کرام سے فرمایا "صدقہ کرو کیونکہ میں نے جہنم میں خواتین کی کثرت دیکھی ہے" رحمت عالم ﷺ کے اس وعظ سے متاثر ہو کر حضرت زینب زوجہ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہم نے صدقہ کرنے کے ارادے کا اظہار کیا تو عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہما نے انہیں کہا کہ میں اور میری اولاد تیرے صدقہ کی زیادہ مستحق ہیں۔ انہوں نے یہ دریافت کرنے کیلئے کہ بیوی کا صدقہ اپنے شوہر اور اس کی اولاد پر لگتا ہے یا نہیں؟ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضری دی، اور آپ ﷺ نے عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہما کے قول کی تصدیق فرمائی، ایک روایت میں ہے کہ انہوں نے خود حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہما سے کہا مگر ابن مسعود نے اسے کہا کہ وہ خود رسول اللہ ﷺ کے پاس جائے۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

اس حدیث سے یہ واضح ہوا کہ صدقہ خواہ فرضی ہو یا نفلی بیوی اپنے شوہر اور اپنے بچوں پر خرچ کر سکتی ہے۔ کیونکہ شوہر اور بچوں کی کفالت بیوی کے فرائض منصبی میں شامل نہیں۔

فقہی احکام: ان خواتین وحضرات کو نفلی یا فرضی صدقہ دیا جا سکتا ہے جن کی کفالت صدقہ کرنے والے کے ذمہ نہ ہو، اور وہ مستحق بھی ہوں، یعنی بیوی شوہر کو زکوٰۃ دے سکتی ہے لیکن شوہر بیوی کو زکوٰۃ نہیں دے سکتا۔

۶۳۲: وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ رضی اللہ عنہما قَالَ قَالَ النَّبِيُّ صلی اللہ علیہ وسلم " مَا يَزَالُ الرَّجُلُ يَسْأَلُ النَّاسَ حَتَّى يَأْتِيَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ لَيْسَ فِي وَجْهِهِ مُزْعَةُ لَحْمٍ " مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ.

البخاری، کتاب الزکاۃ، باب من سأل الناس تکثراً: ۱۴۷۴، مسلم: ۱۰۴۰، النسائی: ۹۴/۵، احمد: ۱۵/۲

تنبیہ: بلوغ المرام کے متداول مطبوعہ نسخوں اور صحیحین میں لفظ مــــزعة ہے لیکن مکتبہ دارالسلام والوں نے فضیلۃ الشیخ صفی الرحمٰن مبارکپوری کی تحقیق سے جو نسخہ شائع کیا ہے اس میں مضغة ہے فاضل مؤلف رحمہ اللہ نے تعلیق میں لکھا ہے کہ ایک نسخہ میں مزعة ہے۔ اسی طرح بعض مطبوعہ نسخوں میں ؛النبی ؛ کی جگہ ؛رسول الله ؛ ہے۔

۶۳۲: حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "ہمیشہ گداگری کرنے والا شخص قیامت کے روز اس حال میں آئے گا کہ اس کے چہرے پر گوشت نہیں ہوگا۔" (بخاری ومسلم)

لغوی تحقیق: مزعة: میم مضموم اور زاء ساکن، ٹکڑا۔

تشریح: اس حدیث سے یہ واضح ہوا کہ گداگری کو بطور پیشہ اختیار کرنا نہایت قبیح عمل ہے، ایسا بدنصیب شخص جب قیامت کے روز اللہ کے دربار میں حاضر ہوگا تو اس کا چہرہ گوشت سے خالی ہوگا، اور ہڈیوں کا ڈھانچہ لئے بدنما صورت میں اللہ تعالیٰ کے روبرو پیش ہوگا۔

فقہی احکام: گداگری کو بطور پیشہ اختیار کرنا جرم ہے۔

۶۳۳: وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضی اللہ عنہ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صلی اللہ علیہ وسلم " مَنْ سَأَلَ النَّاسَ أَمْوَالَهُمْ تَكَثُّرًا ,فَإِنَّمَا يَسْأَلُ جَمْرًا ,فَلْيَسْتَقِلَّ أَوْ لِيَسْتَكْثِرْ " رَوَاهُ مُسْلِمٌ.

مسلم، کتاب الزکاۃ، باب کراهة المسألة للناس: ۱۰۴۱، ابن ماجة: ۱۸۳۸، احمد: ۲۳۱/۲، البیهقی: ۱۹۶/۴

۶۳۳: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "جو شخص مال بڑھانے کی غرض سے لوگوں سے بھیک مانگتا ہے وہ ان سے انگاروں کا سوال کرتا ہے خواہ وہ کم کرلے یا زیادہ۔" (مسلم)

لغوی تحقیق: تکثرا: یہ تفعل سے مصدر ہے، اس کے لغوی معنی تفاخر کے ہیں لیکن یہاں مقصود غیر طیب طریقے سے دولت میں اضافہ کرنا ہے۔ جمرا: جیم مفتوح اور میم ساکن، جمرة کی جمع ہے یعنی انگارے۔

تشریح: اس حدیث سے یہ واضح ہوا کہ دولت میں اضافہ کرنے کی غرض سے لوگوں سے سوال کرنا حصول دولت کا ناجائز طریقہ ہے، اور اس طریقے سے حاصل کیا ہوا مال اس طرح حرام ہے، جس طرح یتیم کا مال ظالمانہ طریقے سے حاصل کرنا حرام ہے۔ کیونکہ ان دونوں طریقوں سے حاصل کی ہوئی دولت کو آگ سے تشبیہ دی گئی ہے۔ نیز اس حدیث میں یہ بھی واضح کیا گیا ہے کہ مال میں اضافہ کرنے کی غرض سے مانگنا ناجائز ہے خواہ کم مانگا جائے یا زیادہ، جس قدر مانگا جائے گا اسی قدر جہنم کے انگارے اس کا استقبال کریں گے۔

فقہی احکام: دولت جمع کرنے کیلئے گداگری کرنا آگ جمع کرنے کے مترادف ہے، یہ دولت قیامت کے روز انگاروں کی شکل اختیار کر لے گی۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

۶۳۴: وَعَنِ الزُّبَيْرِ بْنِ الْعَوَّامِ رضی اللہ عنہ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ " لَأَنْ يَأْخُذَ أَحَدُكُمْ حَبْلَهُ, فَيَأْتِي بِحُزْمَةِ الْحَطَبِ عَلَى ظَهْرِهِ, فَيَبِيعَهَا, فَيَكُفَّ اللّٰهُ بِهَا وَجْهَهُ, خَيْرٌ لَهُ مِنْ أَنْ يَسْأَلَ النَّاسَ أَعْطَوْهُ أَوْ مَنَعُوهُ " رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ.

البخاری، کتاب الزکاة، باب الاستعفاف عن المسألة: ۱۴۷۱، ابن ماجة: ۱۸۳۶، احمد: ۱/ ۱۶۴، الترمذی: ۶۸۳، المعجم الاوسط: ۷۱۸۹

تنبیہ: بلوغ المرام کے بعض مطبوعہ بعض نسخوں میں فیکف کا فاعل ظاہر نہیں جبکہ صحیح بخاری میں لفظ اللہ مذکور ہے، معلوم ہوتا ہے کہ یہ تسامح کسی ناسخ سے ہوا ہے۔

۶۳۴: حضرت زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: "تم میں سے کسی ایک کا رسی لیکر جانا اور لکڑیوں کا گٹھا اپنی کمر پر اٹھا کر لانا، اسے فروخت کرنا اور اللہ تعالیٰ کا اس کے ذریعے اس کے چہرے کو محفوظ رکھنا، لوگوں سے بھیک مانگنے سے بہت بہتر ہے خواہ وہ اسے کچھ دیں یا صاف منع کر دیں۔" (بخاری)

تشریح: گداگری کے مقابلے میں کم اجرت اور زیادہ مشقت والی محنت بھی مفید تر ہے، کیونکہ اس کے ذریعے اللہ تعالیٰ اس کے چہرے کو دنیا میں لوگوں کے سامنے رسوا ہونے اور آخرت کے روز بدنما ہونے سے محفوظ رکھے گا۔ اسی مفہوم کی ایک حدیث حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے بھی متعدد طرق سے منقول ہے۔

۶۳۵: وَعَنْ سَمُرَةَ بْنِ جُنْدُبٍ رضی اللہ عنہ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ " اَلْمَسْأَلَةُ كَدٌّ يَكُدُّ بِهَا الرَّجُلُ وَجْهَهُ, إِلَّا أَنْ يَسْأَلَ الرَّجُلُ سُلْطَانًا, أَوْ فِي أَمْرٍ لَا بُدَّ مِنْهُ. رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَصَحَّحَهُ.

الترمذی، ابواب الزکاة، باب ماجاء فی النهی عن المسألة: ۶۸۹، ابوداود: ۱۶۳۹، النسائی: ۵/ ۱۰۰، احمد: ۵/ ۱۰، ابن حبان: ۳۳۸۶

۶۳۵: حضرت سمرہ بن جندب رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "سوال کرنا ایک زخم ہے، جس سے انسان اپنے چہرے کو زخمی کرتا ہے، ماسوا اس سوال کے جو وہ حاکم وقت سے کرتا ہے یا وہ کسی مجبوری کی وجہ سے کرتا ہے۔" اسے ترمذی نے روایت کیا ہے اور صحیح قرار دیا ہے۔

لغوی تحقیق: کد: زخم۔

تشریح: ابن حبان میں یہ الفاظ بھی ہیں کہ جو شخص اپنے چہرے کو زخمی رکھنا چاہتا ہے وہ گداگری کا پیشہ اختیار کرے اور جو شخص اسے زخموں سے محفوظ رکھنا چاہتا ہے، وہ گداگری ترک کر دے۔

فقہی احکام: (۱) بھیک مانگنا کوئی اچھا عمل نہیں۔ (۲) البتہ مجبوری کی حالت میں اس کی محدود اجازت ہے۔ (۳) سربراہ مملکت سے مطالبہ کرنا درست ہے کیونکہ بیت المال پر حاجت مندوں کا حق ہے۔

۴۔ بَابُ قَسْمِ الصَّدَقَاتِ — خیرات کی تقسیم کا بیان

۶۳۶: عَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ رضی اللہ عنہ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ " لَا تَحِلُّ الصَّدَقَةُ لِغَنِيٍّ إِلَّا لِخَمْسَةٍ: لِعَامِلٍ عَلَيْهَا, أَوْ رَجُلٍ اشْتَرَاهَا بِمَالِهِ, أَوْ غَارِمٍ, أَوْ غَازٍ فِي سَبِيلِ اللّٰهِ, أَوْ مِسْكِينٍ تُصُدِّقَ عَلَيْهِ مِنْهَا, فَأَهْدَى مِنْهَا لِغَنِيٍّ " رَوَاهُ أَحْمَدُ, وَأَبُو دَاوُدَ, وَابْنُ مَاجَةَ, وَصَحَّحَهُ الْحَاكِمُ, وَأُعِلَّ بِالْإِرْسَالِ.

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ابوداود، کتاب الزکاۃ، باب من یجوز له أخذ الصدقة و هو غنی: ۱۶۳۶، ابن ماجة: ۱۸۴۱، احمد: ۵۶/۳، الدارقطنی: ۱۲۱/۲، الحاکم: ۵۶۶/۱، العلل للدارقطنی: ۲۲۷۹/۱۱، مؤطا امام مالک: ۲۶۸/۱، البیہقی: ۱۵/۷ (۱۳۴۳۹)

۶۳۶: حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "مالدار کیلئے خیرات میں سے لینا فقط پانچ صورتوں میں حلال ہے۔ وہ شخص جو زکوۃ جمع کرنے پر مامور ہے۔ وہ شخص جو صدقات کی چیز خرید لے، مقروض، اللہ کی راہ میں جہاد کرنے والا اور ایسا مسکین جس پر صدقہ کیا گیا ہو وہ اس میں سے کچھ کسی مالدار کو تحفہ دیدے۔" اسے احمد، ابوداؤد اور ابن ماجہ نے بیان کیا ہے اور حاکم نے صحیح کہا ہے نیز اسے مرسل بھی کہا گیا ہے۔

لغوی تحقیق: عامل: اس کا لغوی معنی کام کرنے والا ہے، مگر یہاں اس سے مراد وہ شخص ہے جو زکوۃ جمع کرنے اور تقسیم کرنے پر مامور ہو۔

غارم: مقروض اور تاوان زدہ افراد۔

تشریح: اس حدیث سے یہ واضح ہوا کہ جس شخص کی آمدنی اس کے جائز اخراجات سے زیادہ یا اس کے برابر ہے اس کیلئے زکوۃ میں سے کچھ لینا درست نہیں، البتہ پانچ صورتوں میں ایسا شخص مال زکوۃ میں لے سکتا ہے۔ (۱) وہ لوگ جو محکمہ زکوۃ میں خدمات سرانجام دیتے ہیں وہ اپنی خدمات کا معاوضہ مال زکوۃ سے لے سکتے ہیں۔ (۲) راس المال خرچ کر کے زکوۃ کی اشیا مالدار شخص خرید کر اپنے استعمال میں لاسکتا ہے (۳) ایسا مقروض جو اپنے مال سے قرض ادا کرنے کی طاقت نہیں رکھتا یا ایسا شخص جس پر ناجائز تاوان ڈال دیا گیا ہو یا اس نے اپنے ذمہ کسی کا بوجھ لے لیا ہو، وہ مال زکوۃ سے اس قدر لے سکتا ہے جس سے اس کا قرض یا تاوان ادا ہوسکتا ہے۔ (۴) مجاہدین آلات حرب خریدنے، سفری اور گھریلو اخراجات کیلئے زکوۃ لے سکتے ہیں۔ (۵) غریب شخص اس زکوۃ میں سے کسی مالدار کو کچھ تحفہ دے سکتا ہے جو اسے کسی اور شخص نے دی ہو۔

اس روایت کے جملہ رواۃ ثقہ ہیں۔ البتہ زید بن اسلم اس روایت کو عطاء بن یسار کے واسطے سے کبھی مرفوع اور کبھی مرسل بیان کرتے ہیں۔ امام مالک اور امام ابن عیینہ نے یہ روایت زید بن اسلم سے مرسل نقل کی ہے۔ اور معمر، زید بن اسلم سے مرفوع نقل کرتے ہیں، جبکہ سفیان ثوری دونوں طرح نقل کرتے ہیں۔ امام دارقطنی نے مرسل طریق کو راجح قرار دیا ہے۔ مؤلف رحمہ اللہ نے صیغہ تمریض استعمال کر کے امام دارقطنی کے موقف کے کمزور ہونے کا عندیہ دیا ہے۔

فقہی احکام: (۱) محکمہ زکوۃ میں کام کرنے والے لوگ مال زکوۃ سے تنخواہ لے سکتے ہیں۔ (۲) اشیاء زکوۃ کی تجارت درست ہے۔ (۳) مسکین مالدار کو تحفہ دے سکتا ہے۔

۶۳۷: وَعَنْ عُبَيْدِ اللَّهِ بْنِ عَدِيِّ بْنِ الْخِيَارِ أَنَّ رَجُلَيْنِ حَدَّثَاهُ أَنَّهُمَا أَتَيَا رَسُولَ اللَّهِ ﷺ يَسْأَلَانِهِ مِنَ الصَّدَقَةِ، فَقَلَّبَ فِيهِمَا الْبَصَرَ, فَرَآهُمَا جَلْدَيْنِ, فَقَالَ "إِنْ شِئْتُمَا اَعْطَيْتُكُمَا , وَلَا حَظَّ فِيهَا لِغَنِيٍّ , وَلَا لِقَوِيٍّ مُكْتَسِبٍ" رَوَاهُ أَحْمَدُ وَقَوَّاهُ , وَأَبُو دَاوُدَ , وَالنَّسَائِيُّ.

ابوداود، کتاب الزکاۃ، باب من یعطی من صدقة وحد الغنی: ۱۶۳۳، النسائی: ۹۹/۵، ۱۰۰، احمد: ۲۲۴/۴، الدارقطنی: ۱۱۹/۲، البیہقی: ۱۴/۷، شرح معانی الآثار: ۳۰۳/۱

۶۳۷: حضرت عبیداللہ بن عدی بن خیار رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ دو شخصوں نے انہیں بیان کیا کہ وہ دونوں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور دونوں نے آپ ﷺ سے صدقہ طلب کیا، آپ ﷺ نے ان دونوں کو خوب غور سے دیکھا اور انہیں طاقت ور پایا تو ان

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

دونوں کو مخاطب کر کے فرمایا:"اگر تم چاہتے ہو تو میں تمہیں صدقہ دے دیتا ہوں لیکن (یاد رکھو) مالدار اور کمائی کرنے والے طاقتور کیلئے صدقہ میں کوئی حصہ نہیں ہے۔" اسے احمد نے روایت کیا ہے، ابوداؤد اور نسائی نے اسے قوی قرار دیا ہے۔

لغوی تحقیق: فقلب: اس کا لغوی معنی اوپر والے حصے کو نیچے اور دائیں حصے کو بائیں طرف پھیر دینا ہے۔ یہاں اس سے مراد اوپر سے نیچے تک خوب غور سے دیکھا ہے۔

فقہی احکام: (۱) خیرات دینے والے کو چاہیے کہ وہ سائل کو خوب غور سے دیکھے اگر وہ مستحق نہ ہو تو اسے نصیحت کرے۔

(۲) مالدار اور طاقت ور کیلئے زکوٰۃ، خیرات لینا جائز نہیں۔

۶۳۸: وَعَنْ قَبِيصَةَ بْنِ مُخَارِقٍ الْهِلَالِيِّ رضی اللہ عنہ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم " إِنَّ الْمَسْأَلَةَ لَا تَحِلُّ إِلَّا لِأَحَدِ ثَلَاثَةٍ رَجُلٌ تَحَمَّلَ حَمَالَةً, فَحَلَّتْ لَهُ الْمَسْأَلَةُ حَتَّى يُصِيبَهَا, ثُمَّ يُمْسِكُ، وَرَجُلٌ أَصَابَتْهُ جَائِحَةٌ, اِجْتَاحَتْ مَالَهُ, فَحَلَّتْ لَهُ الْمَسْأَلَةُ حَتَّى يُصِيبَ قِوَامًا مِنْ عَيْشٍ, وَرَجُلٌ أَصَابَتْهُ فَاقَةٌ حَتَّى يَقُومَ ثَلَاثَةٌ مِنْ ذَوِي الْحِجَى مِنْ قَوْمِهِ: لَقَدْ أَصَابَتْ فُلَانًا فَاقَةٌ ; فَحَلَّتْ لَهُ الْمَسْأَلَةُ حَتَّى يُصِيبَ قِوَامًا مِنْ عَيْشٍ, فَمَا سِوَاهُنَّ مِنَ الْمَسْأَلَةِ يَا قَبِيصَةُ سُحْتٌ يَأْكُلُهَا صَاحِبُهَا سُحْتًا " رَوَاهُ مُسْلِمٌ, وَأَبُو دَاوُدَ, وَابْنُ خُزَيْمَةَ, وَابْنُ حِبَّانَ.

مسلم، کتاب الزکاۃ، باب من تحل له المسألة: ۱۰۴۴، ابوداود: ۱۶۴۰، ابن خزیمة: ۲۳۵۹ـ ۲۳۶۱، ۲۳۷۵، ابن حبان: ۳۳۹۵، النسائی: ۸۹/۸، البیہقی: ۲۱/۷، الدارقطنی: ۱۲۰/۲

۶۳۸: حضرت قبیصہ بن مخارق ہلالی رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:"سوال کرنا صرف تین قسم کے لوگوں کیلئے درست ہے، ان میں سے ایک آدمی وہ ہے جس نے کسی دوسرے کا قرض اپنے سر لیا، اسے قرض کی ادائیگی کی مقدار کے برابر سوال کرنے کی اجازت ہے، اس کے بعد وہ سوال کرنا ترک کر دے، دوسرا وہ شخص جو کسی ناگہانی مصیبت میں مبتلا ہو جائے، تیسرا وہ شخص جسے فاقہ کشی کا سامنا ہو، اور اس کی قوم کے تین افراد یہ گواہی دیں کہ اسے حقیقی طور پر فاقہ کشی کا سامنا ہے، اسے بھی گزر اوقات کی حد تک سوال کرنے کی اجازت ہے۔" (پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا)"اے قبیصہ! ان افراد کے علاوہ باقی سب کیلئے سوال کرنا حرام ہے اور سوال کرنے والا حرام کھاتا ہے۔" اسے مسلم، ابوداؤد، ابن خزیمہ اور ابن حبان نے روایت کیا ہے۔

لغوی تحقیق: تحمل: باب تفعیل سے فعل ماضی ہے، قرض کی ادائیگی کی ضمانت دینا۔ حمالة: کسی دوسرے کا قرض اپنے ذمہ لینا۔ جائحة: ناگہانی آفت۔ اجتاحت: تباہ کر دے۔ قوام: قاف مکسور، ضرورت کا پورا ہو جانا۔ الحجا: حاء مکسور، عقل و شعور۔ سحت: سین مضموم اور حاء ساکن، حرام۔

تشریح: امام ابن حبان نے معمر عن هارون بن رئاب عن كنانه کے طریق سے مفصل روایت نقل کی ہے۔ کنانہ کہتے ہیں کہ میں حضرت قبیصہ رضی اللہ عنہ کے پاس بیٹھا ہوا تھا، ان کے پاس ان کی قوم کے چند افراد آئے اور انہوں نے ایک آدمی کے نکاح کے سلسلہ میں ان سے مالی تعاون کی درخواست کی، حضرت قبیصہ رضی اللہ عنہ نے ان کی مالی مدد کرنے سے صاف انکار کر دیا، کنانہ کہتے ہیں، میں نے ان سے کہا، آپ قوم کے سردار ہیں، اس کے باوجود آپ نے کوئی تعاون نہیں کیا، اس پر انہوں نے یہ حدیث بیان کی۔ اس حدیث سے یہ واضح ہوا کہ اپنی ذات کیلئے صرف تین قسم کے انسانوں کو سوال کرنے کی اجازت ہے، ان میں سے پہلا شخص وہ ہے جو قرض خواہ اور مقروض کے تنازع کو ختم کرنے کیلئے مقروض کی ضمانت دیتا ہے، اور اس کے نتیجہ میں قرض کی ادائیگی اس کے ذمہ لازم ہو جاتی ہے، ایسی صورت میں

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ایسے شخص کو قرض کی مقدار کے مطابق سوال کرنے کی اجازت ہے، دوسرا شخص وہ ہے جس کا مال ناگہانی آفت میں تباہ ہو جائے، اس کیلئے فقط گزر اوقات کیلئے سوال کرنے کی اجازت ہے، ان دونوں قسم کے افراد کی مدد معاشرے کے ذمہ لازمی ہے جبکہ فاقہ کشی میں مبتلا ہونے والے شخص کی مدد معاشرے پر فقط اس صورت میں لازم ہے جب اس شخص کی قوم کے تین اہل دانش اس کے حق میں گواہی دیں۔ ان تین قسم کے افراد کے علاوہ دیگر تمام افراد کیلئے بھیک مانگنا حرام ہے۔ اور بھیک کی صورت میں حاصل ہونے والی آمدنی حرام ہے۔

فقہی احکام: (۱) مقروض کی ضمانت دینا درست ہے۔ (۲) ضامن کی مدد کی جاسکتی ہے۔

(۳) مال جمع کرنے کی غرض سے بھیک مانگنا حرام ہے۔ (۴) لڑکیوں کو جہیز وغیرہ دینے کیلئے مانگنا ممنوع ہے۔

۶۳۹: وَعَنْ عَبْدِ الْمُطَّلِبِ بْنِ رَبِيعَةَ بْنِ الْحَارِثِ رضی اللہ عنہ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم "إِنَّ الصَّدَقَةَ لَا تَنْبَغِي لِآلِ مُحَمَّدٍ, إِنَّمَا هِيَ أَوْسَاخُ النَّاسِ " وَفِي رِوَايَةٍ " وَإِنَّهَا لَا تَحِلُّ لِمُحَمَّدٍ وَلَا لِآلِ مُحَمَّدٍ " رَوَاهُ مُسْلِمٌ.

مسلم، کتاب الزکاة، باب ترک استعمال آل النبی صلی اللہ علیہ وسلم علی الصدقة: ۱۰۷۲، ابوداود: ۲۹۸۵، النسائی: ۵/ ۱۰۵، احمد: ۱۶۶/۴، البیهقی: ۷/ ۳۱، ابن خزیمة: ۲۳۴۲

۶۳۹: حضرت عبدالمطلب بن ربیعہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "صدقہ آل محمد صلی اللہ علیہ وسلم کیلئے مناسب نہیں، کیونکہ یہ تو لوگوں کی میل کچیل ہے۔" اور ایک روایت میں ہے کہ "صدقہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کی آل کیلئے حلال نہیں۔" (مسلم)

تشریح: امام مسلم نے یہ روایت تفصیلا بیان کی ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ حضرت ربیعہ بن حارث اور حضرت عباس بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہما نے یہ مشورہ کیا کہ ہم اپنے بیٹوں عبدالمطلب بن ربیعہ اور فضل بن عباس سے یہ کہیں کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کریں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اور لوگوں کو صدقات جمع کرنے کیلئے بھیجتے ہیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہمیں بھی اس کام کیلئے مامور فرمادیں، وہ دونوں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا، یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! ہم نکاح کی عمر کو پہنچ گئے ہیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہمیں بھی دوسروں کی طرح صدقات جمع کرنے پر مامور فرمادیں اور جو کچھ آپ صلی اللہ علیہ وسلم دوسروں کو دیتے ہیں ہمیں بھی دیدینا، یہ سن کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم تھوڑی دیر خاموش رہے، پھر فرمایا: "صدقہ آل محمد کیلئے مناسب نہیں، کیونکہ یہ لوگوں کی میل کچیل ہے۔" پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے محمیۃ اور نوفل بن حارث کو طلب کیا اور محمیۃ سے فرمایا: "آپ اپنی بیٹی کا نکاح فضل بن عباس سے کردیں" اور نوفل بن حارث سے فرمایا "آپ اپنی بیٹی کا نکاح عبدالمطلب بن ربیعہ سے کردیں" اور محمیۃ سے کہا "ان دونوں کے حق مہر کی رقم خمس سے ادا کردیں۔"

وہ آل محمد جن پر صدقہ حرام ہے اس میں کون کون شامل ہیں، اس بارے میں رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے صراحتاً ثابت نہیں۔ البتہ زید بن ارقم کا کہنا ہے کہ اس میں آل عباس، آل علی، آل جعفر اور آل مطلب شامل ہیں۔ زید بن ارقم کی اگر اس سے مراد یہ ہے کہ اس میں فقط مذکورہ چار گھرانے ہی شامل ہے تو ان کا یہ موقف اس حدیث سے مسترد ہوتا ہے کیونکہ اس روایت میں ان چاروں گھرانوں کے علاوہ ربیعہ بن حارث کے گھرانے کو بھی شامل کیا گیا ہے، امام شافعی کے نزدیک بنو ہاشم اور بنو مطلب ہیں امام ابوحنیفہ کے نزدیک بنو ہاشم ہیں۔

فقہی احکام: (۱) نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی آل پر صدقہ حرام ہے۔ (۲) ان کے لیے محکمہ عشر وزکوۃ میں کام کرنے کی اجرت بھی صدقات سے لینا حرام ہے۔ (۳) خاندان ربیعہ بن حارث بھی آل نبی میں شامل ہیں۔

۶۴۰: وَعَنْ جُبَيْرِ بْنِ مُطْعِمٍ رضی اللہ عنہ قَالَ مَشَيْتُ أَنَا وَعُثْمَانُ بْنُ عَفَّانَ رضی اللہ عنہ إِلَى النَّبِيِّ صلی اللہ علیہ وسلم فَقُلْنَا ، يَا رَسُولَ اللّٰهِ, أَعْطَيْتَ بَنِي الْمُطَّلِبِ مِنْ خُمُسِ خَيْبَرَ وَتَرَكْتَنَا , وَنَحْنُ وَهُمْ بِمَنْزِلَةٍ وَاحِدَةٍ , فَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ "إِنَّمَا بَنُو الْمُطَّلِبِ وَبَنُو هَاشِمٍ

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

شَیْءٌ وَاحِدٌ" رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ.

البخاری، کتاب فرض الخمس، باب و من الدلیل علی ان الخمس للامام: ۳۱۴۰، ابو داود: ۲۹۷۸ ـ ۲۹۸۰، النسائی: ۱۳۰/۴،

احمد: ۸۵/۴، البیهقی: ۳۴۱/۶، ابن حبان: ۳۲۹۷، بیہقی: ۳۴۲/۶

تنبیہ: بلوغ المرام کے مطبوعہ نسخوں میں نحن وهم بمنزلة واحدة ہے جبکہ صحیح بخاری میں لفظ منک بھی ہے۔

۶۴۰: حضرت جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ میں اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا، یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ! آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے خیبر کے خمس میں سے اولاد مطلب کو حصہ عنایت فرمایا اور ہمیں نظر انداز کر دیا، جبکہ ہم اور وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے قرابت میں برابر ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "اولاد ہاشم اور اولاد مطلب ایک ہی سطح پر ہیں۔" (بخاری)

تشریح: آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے جد امجد عبد مناف کے چار بیٹے تھے۔ یعنی مطلب، عبد شمس، نوفل اور ہاشم، حضرت جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ نوفل کی اولاد سے تھے۔ جبکہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ عبد شمس کی اولاد میں سے تھے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے خیبر کے خمس سے جب اپنے قرابت داروں کو عطیات عنایت فرماتے تو بنو ہاشم اور بنو مطلب کو عطا فرمائے، جبکہ بنو نوفل اور بنو عبد شمس کو نظر انداز کر دیا۔ اس پر حضرت عثمان اور جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہما نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس خیال کا اظہار کیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے رشتہ داری کے اعتبار سے ہم اور بنو مطلب برابر ہیں، اس پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں فرمایا کہ فقط قرابت داری کا لحاظ نہیں رکھا گیا بلکہ باہمی نصرت و تعاون کو بھی پیش نظر رکھا گیا ہے۔ یعنی قریش نے جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا مقاطعہ کیا تو بنو ہاشم (ماسوا ابولہب کے) اور بنو مطلب بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ شعب ابی طالب میں محصور ہو گئے تھے۔ جبکہ بنو عبد شمس اور بنو نوفل قریش کے دیگر قبائل کے ساتھ تھے۔

اس حدیث سے یہ واضح ہوا کہ وہ آل نبی صلی اللہ علیہ وسلم جن پر صدقہ حرام ہے اس میں بنو مطلب بھی شامل ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جن پر صدقہ حرام قرار فرمایا تھا انہیں خمس میں شامل فرمایا تا کہ ایک طرف کی کمی دوسری طرف سے پوری ہو جائے۔

فقہی احکام: (۱) قرابت داروں میں سب سے زیادہ قریبی وہ ہے جو مشکل حالات میں مدد و معاون ہو۔

(۲) بنو ابی لہب قرابت داری کے باوجود آل نبی سے خارج ہیں، کیونکہ مقاطعہ کے وقت انہوں نے قریش کا ساتھ دیا تھا۔

۶۴۱: **وَعَنْ أَبِي رَافِعٍ رضی اللہ عنہ أَنَّ النَّبِيَّ صلی اللہ علیہ وسلم بَعَثَ رَجُلًا عَلَى الصَّدَقَةِ مِنْ بَنِي مَخْزُومٍ, فَقَالَ لِأَبِي رَافِعٍ اِصْحَبْنِي, فَإِنَّكَ تُصِيبُ مِنْهَا, قَالَ حَتَّى آتِيَ النَّبِيَّ صلی اللہ علیہ وسلم فَأَسْأَلَهُ فَأَتَاهُ فَسَأَلَهُ, فَقَالَ " مَوْلَى الْقَوْمِ مِنْ أَنْفُسِهِمْ, وَإِنَّا لَا تَحِلُّ لَنَا الصَّدَقَةُ " رَوَاهُ أَحْمَدُ, وَالثَّلَاثَةُ, وَابْنُ خُزَيْمَةَ, وَابْنُ حِبَّانَ.**

ابوداود، کتاب الزکاة، باب الصدقة علی بنی هاشم: ۱۶۵۰، الترمذی: ۶۶۰، النسائی: ۱۰۷/۵، احمد: ۱۰/۶، ابن خزیمة: ۲۳۴۴، ابن حبان: ۳۲۹۳، الحاکم: ۵۶۲/۱

۶۴۱: حضرت ابورافع رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بنو مخزوم کے ایک آدمی کو زکوۃ جمع کرنے پر مامور فرمایا، اس نے حضرت ابورافع رضی اللہ عنہ سے کہا کہ تم بھی میرے ساتھ چلو، تمہیں بھی حصہ ملے گا، اس نے کہا، میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھے بغیر نہیں جاؤں گا، چنانچہ اس نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "قوم کا غلام بھی انہیں میں شمار ہوتا ہے اور ہمارے لیے صدقہ حلال نہیں۔" اسے احمد، ابوداؤد، نسائی، ترمذی، ابن خزیمہ اور ابن حبان نے روایت کیا ہے۔

فقہی احکام: (۱) قوم کا غلام انہیں میں شامل ہوتا ہے۔ (۲) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے غلام بھی آل نبی میں شامل ہیں۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

(۳) غلام کو اپنے آقا کی اجازت کے بغیر سفر کرنے کی اجازت نہیں۔

۶۴۲: وَعَنْ سَالِمِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ ,عَنْ أَبِيهِ أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ كَانَ يُعْطِي عُمَرَ الْعَطَاءَ ,فَيَقُولُ ، أَعْطِهِ أَفْقَرَ مِنِّي ,فَيَقُولُ "خُذْهُ فَتَمَوَّلْهُ ,أَوْ تَصَدَّقْ بِهِ ,وَمَا جَائَكَ مِنْ هَذَا الْمَالِ ,وَأَنْتَ غَيْرُ مُشْرِفٍ وَلَا سَائِلٍ فَخُذْهُ ,وَمَا لَا فَلَا تُتْبِعْهُ نَفْسَكَ" رَوَاهُ مُسْلِمٌ.

مسلم، کتاب الزکاة ، باب اباحة الاخذ لمن اعطی من غیر مسئلة ولااِشراف: ۱۰۴۵ ، البخاری: ۱۴۷۳ ، النسائی: ۱۰۵/۵ ، احمد: ۱۷/۱

۶۴۲: حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے منقول ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو کوئی چیز عطا فرمائی تو انہوں نے عرض کیا کہ جو لوگ مجھ سے غریب ہیں یہ چیز آپ ﷺ انہیں عطا فرما دیں، آپ ﷺ نے فرمایا: "اسے رکھ لیں اور اس کے ذریعے اپنے مال میں اضافہ کر لیں یا اسے صدقہ کر دیں، اور سنو! جو مال تمہیں بغیر سوال اور طمع کے مل جائے وہ لے لیا کرو اور جو اس طرح نہ ملے اس کا پیچھا مت کرو۔" (مسلم)

لغوی تحقیق: **العطاء:** اس کا استعمال اجرت اور عطیات ہر دو کیلئے ہوتا ہے، مگر یہاں اس سے مراد اجرت ہے۔ **افقر:** ہمزہ مفتوح اور فاء ساکن، اسم تفضیل، یعنی جو مجھ سے زیادہ کمزور ہیں۔ **مشرف:** میم مضموم اور شین ساکن، کسی چیز کی طمع کرنا یا اس کے حصول کیلئے کوشش کرنا۔

تشریح: حضرت عبداللہ بن السعدی رضی اللہ عنہ سے مروی روایت میں یہ صراحت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو کسی خدمت کے صلہ میں وہ چیز عطا فرمائی تھی، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ایثار کا مظاہرہ کرتے ہوئے فرمایا، یہ مال اسے عنایت فرما دیں جو مجھ سے زیادہ ضرورت مند ہے، اس روایت سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ایثار اور دنیاوی مال سے بے رغبتی کا اظہار ہوتا ہے۔

فقہی احکام: (۱) دینی خدمات کا معاوضہ لینا درست ہے۔ (۲) دینی خدمات کا معاوضہ جس قدر مل جائے اس پر قناعت کرنی چاہیے۔
(۳) زیادہ لینے پر اصرار کرنا درست نہیں۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

كِتَابُ الصِّيَامِ

روزوں کا بیان

١۔ بَابُ صَوْمِ رَمْضَانَ وَ اِحْكَامِهِ رمضان کے روزے اور اس کے مسائل

٦٤٣: عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضی اللہ عنہ قَالَ قَالَ رَسُولُ اَللَّهِ ﷺ "لَا تَقَدَّمُوا رَمَضَانَ بِصَوْمِ يَوْمٍ وَلَا يَوْمَيْنِ, إِلَّا رَجُلٌ كَانَ يَصُومُ صَوْمًا, فَلْيَصُمْهُ" مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ.

البخاری، کتاب الصیام، باب لایتقدم رمضان بصوم یوم ولا یومین: ١٩١٤، مسلم: ١٠٨٢، ابوداود: ٢٣٣٥، الترمذی: ٦٨٧، النسائی: ١٤٩/٤، ابن ماجة: ١٦٥٠، احمد: ٢٣٤/٣، الدارمی: ١٦٩٦، الدارقطنی: ١٥٩/٢، ١٦٠، البیهقی: ٢٠٧/٤، ابن حبان: ٣٥٨٦

٦٤٣: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "رمضان سے ایک یا دو یوم قبل روزہ مت رکھو، البتہ وہ شخص ان دنوں کے روزہ رکھ سکتا ہے جو پہلے سے چاند کی آخری تاریخوں کا روزہ رکھتا ہے۔" (بخاری و مسلم)

لغوی تحقیق: الصیام: کے لغوی معنی رُک جانے کے ہیں۔ جبکہ شرعی اصطلاح میں صبح صادق سے لیکر غروب آفتاب تک خورد ونوش، عمل زوجیت، فسق وفجور اور لغویات سے باز رہنے کا نام روزہ ہے۔ لا تقدموا: تاء اور قاف دونوں مفتوح ہیں، کیونکہ یہ باب تفعل سے فعل امر ہے، اس کی ایک تاء تخفیف کی وجہ سے حذف ہے۔

تشریح: اس حدیث سے یہ واضح ہوا کہ استقبال رمضان کے لیے رمضان سے ایک یا دو روز قبل روزہ رکھنا ممنوع ہے، جبکہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی دوسری روایت میں ہے کہ شعبان کے نفلی روزے نصف شعبان کے بعد رکھنے منع ہیں۔ البتہ ایسے شخص کو ان ایام میں روزے رکھنے کی اجازت ہے، جو دیگر مہینوں کی ان تاریخوں کے روزے رکھتا رہا ہے یا اس نے ان تاریخوں کے روزے رکھنے کی نذر مانی تھی

فقہی احکام: (١) استقبال رمضان کیلئے یا شعبان کے نفلی روزے کی نیت سے رمضان سے ایک یا دو روز قبل روزے رکھنا منع ہے۔

(٢) ان دنوں میں نذر اور قضاء کے روزے رکھے جا سکتے ہیں۔

٦٤٤: وَعَنْ عَمَّارِ بْنِ يَاسِرٍ رضی اللہ عنہ قَالَ مَنْ صَامَ الْيَوْمَ الَّذِي يُشَكُّ فِيهِ فَقَدْ عَصَى أَبَا الْقَاسِمِ ﷺ وَذَكَرَهُ الْبُخَارِيُّ تَعْلِيقًا, وَوَصَلَهُ الْخَمْسَةُ, وَصَحَّحَهُ ابْنُ خُزَيْمَةَ, وَابْنُ حِبَّانَ.

البخاری، کتاب الصیام، باب قول النبی ﷺ اذا رایتم الھلال فصوموا......، ابوداود، باب کراھیة صوم یوم الشک: ٢٣٣٤، الترمذی: ٦٨٩، النسائی: ١٥٣/٤، ابن ماجة: ١٦٤٥، ابن خزیمة: ١٩١٤، ابن حبان: ٣٥٨٥۔٣٥٩٥، الدارمی: ١٦٨٩، الدارقطنی: ١٥٧/٢، الحاکم: ٥٨٥/١، البیهقی: ٢٠٨/٤، معرفة السنن والآثار: ٣٥٢/٣

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

۶۴۴: حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ جس شخص نے مشکوک دن کا روزہ رکھا اس نے ابوالقاسم کی نافرمائی کی ۔اس روایت امام بخاری نے تعلیقاً اور پانچوں نے موصولاً بیان کیا ہے جبکہ ابن خزیمہ اور ابن حبان نے اسے صحیح قرار دیا ہے۔

لغوی تحقیق: یشک: یا مضموم اور شین مفتوح ،مشکوک۔

تشریح: مشکوک دن سے مراد وہ دن ہے جس کے بارے میں یقین سے کہنا مشکل ہو کہ وہ شعبان کا تیسواں دن ہے یا رمضان کا پہلا روز۔ یہ صورت عموماً اس وقت پیدا ہوتی ہے جب شعبان کی انتیس تاریخ کو مطلع ابر آلود ہو جائے ۔رحمت عالم ﷺ نے اس تردد کو ختم کرنے کیلئے امت مرحومہ کو یہ ضابطہ عنایت فرمایا کہ وہ رمضان کا آغاز و اختتام چاند دیکھ کر کیا کریں ،اگر مطلع ابر آلود ہو تو پھر تیس دن کی گنتی پوری کریں۔

حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ نے اسی فرمان نبوی کی روشنی میں مذکورۃ فتوی صادر فرمایا۔امام بخاری نے اس فتوی کو صلہ بن زفر کے طریق سے تعلیقاً نقل کیا ہے جبکہ ابوداؤد، ترمذی، نسائی، ابن ماجہ، ابن خزیمہ، ابن حبان، دارمی، دار قطنی، حاکم اور بیہقی نے موصولاً نقل کیا ہے ۔اس روایت کے جملہ رواۃ ثقہ ہیں اور اس میں بظاہر کوئی علت نظر نہیں آتی، نیز اس روایت کے شواہد و متابعات بھی موجود ہیں ۔امام ابن ابی شیبہ نے یہ روایت منصور عن عمار کے طریق سے نقل کی ہے ۔امام عبدالرزاق نے منصور عن ربعی بن حراش عن عمار کے طریق سے نقل کی ہے ۔اس روایت کو امام ابن خزیمہ، امام ابن حبان، امام حاکم، امام بیہقی اور حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے صحیح قرار دیا ہے۔

فقہی احکام: (۱) مشکوک دن کا روزہ رکھنا ممنوع ہے۔ (۲) مطلع ابر آلود ہونے کی صورت میں تیس دن کی گنتی پوری کی جائے۔

۶۴۵: وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ رضی اللہ عنہما قَالَ سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ يَقُولُ "إِذَا رَأَيْتُمُوهُ فَصُومُوا ,وَإِذَا رَأَيْتُمُوهُ فَأَفْطِرُوا ,فَإِنْ غُمَّ عَلَيْكُمْ فَاقْدُرُوا لَهُ "مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ وَلِمُسْلِمٍ "فَإِنْ أُغْمِيَ عَلَيْكُمْ فَاقْدُرُوا لَهُ ثَلَاثِينَ "وَلِلْبُخَارِيِّ "فَأَكْمِلُوا الْعِدَّةَ ثَلَاثِينَ"

البخاری، كتاب الصيام، هل يقال رمضان او شهر رمضان: ۱۹۰۰ ، باب قول النبی ﷺ اذا رایتم الهلال فصوموا: ۱۹۰۶ ، ۱۹۰۷ ، مسلم: ۱۰۸۰ ، النسائی: ۱۳۴/۴ ، ابن ماجة: ۱۶۵۴ ، احمد: ۱۴۵/۲ ، مالك: ۲۸۶/۱ ، البيهقی: ۲۰۴/۴ ، الدارقطنی: ۱۶۱/۲ ، معرفة السنن والآثار: ۲۴۴۶ ، ابن حبان: ۳۴۴۱

۶۴۵: حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے بیان کیا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے سنا کہ "جب چاند دیکھو تب روزہ رکھو اور جب عید کا چاند دیکھو، تب روزہ رکھنا ترک کرو، پس اگر مطلع ابر آلود ہو تو پھر اس کیلئے (تیس دن) متعین کرو۔" (بخاری و مسلم) صحیح مسلم میں اس طرح بھی ہے " تیس دن کی گنتی کا اندازہ لگاؤ۔" صحیح بخاری میں اس طرح ہے" تیس ایام کی گنتی مکمل کرو۔"

تشریح: حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے یہ حدیث متعدد طرق سے مروی ہے، مالک عن نافع عن ابن عمر، ایوب عن نافع عن ابن عمر اور ابن شہاب عن سالم عن ابن عمر سے مروی طرق میں؛ فاقدروله ؛ ہے جبکہ مالک عن عبداللہ بن دینار عن عبداللہ بن عمر، شافعی عن مالک عن نافع عن ابن عمر سے مروی طریق میں؛ فاكملوا العدة ثلاثين ؛ ہے۔امام بیہقی ان طرق کو نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں کہ امام مالک سے دونوں طریق محفوظ ہیں، ممکن ہے کہ امام مالک نے دونوں طرح کے الفاظ استعمال کیے ہوں، اس سے یہ واضح ہوا کہ؛ فاقدروا له؛ سے مراد تیس تک گنتی کا پورا کرنا ہے۔

فقہی احکام: مطلع ابر آلود ہونے کی صورت میں جاری ماہ کو تیس دن شمار کرنا ہے۔

۶۴۶: وَلَهُ فِي حَدِيثِ أَبِي هُرَيْرَةَ رضی اللہ عنہ " فَأَكْمِلُوا عِدَّةَ شَعْبَانَ ثَلَاثِينَ "

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

البخاری، کتاب الصیام، باب قول النبی ﷺ اذا رایتم الهلال فصوموا ......: ۱۹۰۹، مسلم: ۱۰۸۱، النسائی: ۱۳۳/۴،

الدارقطنی: ۱۶۲/۲، البیهقی: ۲۰۵/۴، الدارمی: ۳/۲، ابن حبان: ۳۴۴۲، ۳۴۵۷، احمد: ۴۵۴/۲، ۳۲۹/۳، ۲۳/۴،

المعجم الاوسط للطبرانی: ۶۳۲۷، ابن خزیمة: ۲۰۳/۳، السنن الکبریٰ للنسائی: ۷۱/۲، الارواء: ۷/۴

۶۴۶: بخاری ہی میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ شعبان کے تیس دن پورے کرو۔

تشریح: اس حدیث سے یہ بھی واضح ہوا کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے منقول یہ الفاظ؛ فاقدروا لہ؛ سے مراد تیس دن گنتی پورے کرنے کے ہیں، اسی مفہوم کی احادیث حضرت عائشہ، حضرت عبداللہ بن عباس، حضرت عمر، حضرت جابر، حضرت حذیفہ اور حضرت طلق بن علی رضی اللہ عنہم سے بھی منقول ہیں۔ حضرت عبداللہ بن عباس، حضرت عمر، حضرت جابر، حضرت طلق بن علی رضی اللہ عنہم سے مروی احادیث میں ہے "کہ اگر تم پر مطلع ابر آلود ہو جائے تو پھر تم تیس کی گنتی پوری کرو۔"

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی روایت میں ہے کہ آپ ﷺ جس قدر شعبان کی تواریخ کا خیال رکھتے تھے اس قدر دیگر مہینوں کی تواریخ کا خیال نہیں رکھتے تھے، رمضان کے روزے چاند دیکھ کر شروع فرماتے، اگر مطلع ابر آلود ہوتا تو پھر آپ ﷺ گنتی مکمل فرماتے۔ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "چاند دیکھے بغیر یا گنتی مکمل کیے بغیر کسی ماہ کا آغاز مت کرو۔" حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: "تم چاند دیکھ کر روزہ رکھو اور چاند دیکھ کر عید مناؤ اور اگر مطلع ابر آلود ہو تو تیس دن شمار کرو۔"

۶۴۷: وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ رضی اللہ عنہما قَالَ تَرَاءَى النَّاسُ الْهِلَالَ, فَأَخْبَرْتُ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ أَنِّي رَأَيْتُهُ, فَصَامَ, وَأَمَرَ النَّاسَ بِصِيَامِهِ . رَوَاهُ أَبُو دَاوُدَ, وَصَحَّحَهُ الْحَاكِمُ وَابْنُ حِبَّانَ.

ابو داود، کتاب الصیام، باب فی شهادة الواحد علی رؤیة هلال رمضان: ۲۳۴۲، ابن حبان: ۳۴۴۷، البیهقی: ۲۱۲/۴، معرفة السنن والآثار: ۳۵۷/۳، الحاکم: ۵۸۵/۱، الدارقطنی: ۱۵۶/۲، المحلیٰ: ۲۳۶/۶، الارواء: ۱۶/۴

۶۴۷: حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے بیان کیا کہ لوگوں نے چاند دیکھنا شروع کیا چنانچہ میں نے نبی کریم ﷺ کو خبر دی کہ میں نے چاند دیکھا لیا ہے۔ اس پر نبی کریم ﷺ نے خود بھی روزہ رکھا اور لوگوں کو بھی روزہ رکھنے کا حکم فرمایا۔ اسے ابوداؤد نے روایت کیا ہے جبکہ حاکم اور ابن حبان نے اسے صحیح قرار دیا ہے۔

لغوی تحقیق: الهلال: ہا مکسور، یہ هل سے ماخوذ ہے، هل کا لغوی معنی ظاہر ہونا ہے، چاند جب مطلع سے مکمل طور پر غائب ہونے کے بعد دوبارہ مطلع پر ظاہر ہوتا ہے تو اسے الهلال کہتے ہیں۔

تشریح: اس روایت کو ابن حبان، حاکم، ابن حزم، ذہبی اور البانی نے صحیح کہا ہے، البتہ امام دارقطنی کا کہنا ہے کہ یہ روایت عبداللہ بن وہب سے فقط مروان بن محمد نے نقل کی ہے۔ امام ممدوح کا یہ کہنا درست نہیں کیونکہ امام حاکم نے مستدرک میں یہ روایت ہارون بن سعید عن عبداللہ بن وہب کے طریق سے بھی نقل کی ہے۔

فقہی احکام: (۱) رویت رمضان کے لیے ایک شہادت کافی ہے۔ (۲) خبر واحد حجت ہے بشرطیکہ خبر دینے والا ثقہ ہو۔

۶۴۸: وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رضی اللہ عنہما أَنَّ أَعْرَابِيًّا جَاءَ إِلَى النَّبِيِّ ﷺ فَقَالَ إِنِّي رَأَيْتُ الْهِلَالَ, فَقَالَ" أَتَشْهَدُ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ؟ " قَالَ نَعَمْ قَالَ" أَتَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا رَسُولُ اللَّهِ؟" قَالَ نَعَمْ قَالَ" فَأَذِّنْ فِي النَّاسِ يَا بِلَالُ أَنْ يَصُومُوا غَدًا" رَوَاهُ الْخَمْسَةُ, وَصَحَّحَهُ ابْنُ خُزَيْمَةَ, وَابْنُ حِبَّانَ وَرَجَّحَ النَّسَائِيُّ إِرْسَالَهُ.

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ابو داود، کتاب الصیام، باب فی شهادة الواحد علی رؤیة الهلال: ۲۳۴۰، الترمذی: ۶۹۵، النسائی: ۱۳۲/۴، ابن ماجة: ۱۶۵۲، ابن خزیمة: ۱۹۲۴، ابن حبان: ۳۴۴۶، البیهقی: ۲۱۲/۴، الدارقطنی: ۱۵۸/۲، الدارمی: ۱۶۹۹، الحاکم: ۵۸۶/۱، التلخیص الحبیر: ۱۸۷/۲، المجموع: ۲۸۲/۶، معرفة السنن والآثار: ۳۵۶/۳

تنبیہ: بلوغ المرام کے مطبوعہ نسخوں میں اس روایت کو احمد کی طرف منسوب کیا گیا ہے جبکہ مؤلف رحمہ اللہ نے التلخیص الحبیر میں اس روایت کو احمد کی طرف منسوب نہیں کیا، اور راقم کو بھی یہ روایت مسند احمد سے نہیں ملی۔

۶۴۸: حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے منقول ہے کہ ایک دیہاتی نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ میں نے چاند دیکھا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "کیا تو گواہی دیتا ہے کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں۔" اس نے عرض کیا، جی ہاں! آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "کیا تو گواہی دیتا ہے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے رسول ہیں۔" اس نے عرض کیا، جی ہاں! آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت بلال رضی اللہ عنہ سے فرمایا: "اے بلال! لوگوں میں منادی کر دو کہ وہ کل روزہ رکھیں۔" اسے پانچوں نے روایت کیا ہے ابن خزیمہ، ابن حبان نے صحیح کہا ہے، جبکہ نسائی نے اس کے مرسل ہونے کو راجح قرار دیا ہے۔

لغوی تحقیق: فأذن: امر کا صیغہ ہے یعنی منادی کر دیں۔

تشریح: اس روایت کو سماک بن حرب کے بعض تلامذہ یعنی زائدہ بن قدامہ، الولید بن ابی ثور اور حازم بن ابراہیم نے موصولاً بیان کیا ہے، جبکہ سفیان ثوری نے ان سے مرسل اور موصول ہر دو طرح سے نقل کیا ہے۔ سماک نے یہ روایت عکرمہ سے نقل کی ہے۔ واضح رہے کہ سماک بن حرب، عکرمہ سے مروی روایات میں اضطراب کا شکار ہیں، بنا بریں اہل علم میں اس روایت کے مرسل یا موصول ہونے میں اختلاف پایا جاتا ہے۔ امام نسائی کے نزدیک اس روایت کا مرسل ہونا راجح ہے، جبکہ امام نووی نے اس کے موصول ہونے کو ترجیح دی ہے۔ اس روایت کو اگر مرسل بھی مان لیا جائے تب بھی یہ حجت ہے کیونکہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی مرفوع حدیث اس کی اصل ہے۔

فقہی احکام: رؤیت ہلال رمضان کے لیے ایک عادل مسلمان کی شہادت کافی ہے۔

۶۴۹: وَعَنْ حَفْصَةَ أُمِّ الْمُؤْمِنِينَ رضی اللہ عنہا, عَنِ النَّبِيِّ صلی اللہ علیہ وسلم قَالَ "مَنْ لَمْ يُبَيِّتِ الصِّيَامَ قَبْلَ الْفَجْرِ فَلَا صِيَامَ لَهُ" رَوَاهُ الْخَمْسَةُ, وَمَالَ النَّسَائِيُّ وَالتِّرْمِذِيُّ إِلَى تَرْجِيحِ وَقْفِهِ, وَصَحَّحَهُ مَرْفُوعًا ابْنُ خُزَيْمَةَ وَابْنُ حِبَّانَ وَلِلدَّارَقُطْنِيِّ "لَا صِيَامَ لِمَنْ لَمْ يَفْرِضْهُ مِنَ اللَّيْلِ"

ابو داود، کتاب الصوم، باب النیة فی الصیام: ۲۴۵۴، الترمذی: ۷۳۳، النسائی: ۱۹۶/۴، ابن ماجة: ۱۷۰۰، احمد: ۲۸۷/۶، الدارمی: ۱۷۰۵، ابن خزیمة: ۱۹۳۳، الدارقطنی: ۱۷۱/۲ ـ ۱۷۳، البیهقی: ۲۰۲/۴، ۲۰۳، العلل لابن ابی حاتم: ۶۵۴، التنقیح: ۲۸۰/۲ التلخیص الحبیر: ۱۸۸/۲، المجروحین لابن حبان: ۴۶/۲

تنبیہ: بلوغ المرام کے مطبوعہ نسخوں میں اس روایت کو ابن حبان کی طرف منسوب کیا گیا ہے، جبکہ مؤلف رحمہ اللہ نے تلخیص میں اس روایت کو ابن حبان کی طرف منسوب نہیں کیا۔ راقم کو یہ روایت صحیح ابن حبان میں نہیں ملی۔

۶۴۹: ام المؤمنین حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "جس شخص نے طلوع فجر سے قبل روزے کی نیت نہیں کی اس کا روزہ نہیں۔" اسے پانچوں نے روایت کیا ہے۔ امام نسائی اور امام ترمذی کا میلان اس روایت کے موقوف ہونے کی طرف ہے، جبکہ ابن خزیمہ اور ابن حبان نے اس روایت کے مرفوع طریق کو صحیح قرار دیا ہے۔ دارقطنی میں مروی روایت میں ہے کہ اس شخص کا کوئی روزہ

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

نہیں جس نے رات کے وقت روزے کو اپنے لئے لازم قرار نہیں دیا۔

لغوی تحقیق: یبیت : رات نہیں گزاری یعنی رات کے وقت روزے کی نیت نہیں کی۔

تشریح: یہ حدیث مرفوع اور موقوف ہر دو طرح سے سالم بن عبداللہ سے منقول ہے۔ امام ترمذی، امام نسائی، امام بخاری، امام ابوحاتم اور امام احمد بن حنبل کے نزدیک اس کا موقوف ہونا صحیح ہے۔

امام دارقطنی نے انہیں الفاظ کے ساتھ ایک روایت حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مرفوع نقل کی ہے اور اسے نقل کرنے کے بعد اگرچہ عبداللہ بن عباد کا تفرد ذکر کیا ہے تاہم اس کے جملہ رواۃ کو ثقہ قرار دیا ہے، مگر حافظ ابن عبدالہادی اور دیگر اہل علم، امام دارقطنی کے اس بیان سے اتفاق نہیں کرتے، ان کا کہنا ہے کہ امام ابن حبان نے عبداللہ بن حماد کے بارے میں لکھا ہے کہ وہ روایت کو الٹ پلٹ کر دیا کرتا تھا اور یہاں بھی اس نے ایسا ہی کیا ہے، کیونکہ اس روایت کی سند اصل میں اس طرح ہے، یحییٰ بن ایوب عن عبداللہ بن ابی بکر عن الزہری عن سالم عن ابیہ عن حفصہ ہے۔ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے امام دارقطنی کے اس قول پر نقد کرتے ہوئے لکھا ہے کہ عبداللہ بن عباد مجہول ہے۔

البتہ امام مالک نے اس روایت کو ابن شہاب کے طریق سے حضرت عائشہ اور حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا سے نقل کیا ہے، مگر یہ روایت منقطع ہے کیونکہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے ابن شہاب کا سماع ثابت نہیں۔ امام دارقطنی نے اپنے موقف کو مضبوط کرنے کیلئے حضرت میمونہ بنت سعد رضی اللہ عنہا سے بھی اسی مفہوم کی ایک روایت مرفوع نقل کی ہے لیکن یہ روایت واقدی کی وجہ سے ضعیف ہے، زیر مطالعہ روایت کا اگرچہ مرفوع ہونا ثابت نہیں تاہم ائمہ کی ایک جماعت کا اسی حدیث کے مطابق عمل اور فتوی ہے۔

فقہی احکام: (۱) فرضی روزے کی نیت غروب آفتاب سے لیکر طلوع فجر تک کرنا ضروری ہے۔

(۲) نیت کا تعلق خالصتاً دل سے ہے، اس لئے زبان کے ساتھ اس کی ادائیگی بدعت ہے۔

۶۵۰: وَعَنْ عَائِشَةَ رضی اللہ عنہا قَالَتْ دَخَلَ عَلَيَّ النَّبِيُّ صلی اللہ علیہ وسلم ذَاتَ يَوْمٍ فَقَالَ " هَلْ عِنْدَكُمْ شَيْءٌ؟ " قُلْنَا لَا قَالَ " فَإِنِّي إِذًا صَائِمٌ " ثُمَّ أَتَانَا يَوْمًا آخَرَ، فَقُلْنَا أُهْدِيَ لَنَا حَيْسٌ، فَقَالَ " أَرِينِيهِ، فَلَقَدْ أَصْبَحْتُ صَائِمًا " فَأَكَلَ. رَوَاهُ مُسْلِمٌ.

مسلم، کتاب الصیام، باب جواز صوم النافلة بنية من النهار: ۱۱۵۴، ابوداود: ۲۴۵۵، النسائی: ۱۹۵/۴، الترمذی: ۷۳۴، ابن ماجة: ۱۷۰۱، الدارقطنی: ۲/ ۱۷۵، البیهقی: ۲۰۳/۴، احمد: ۶/ ۴۹، البخاری، ۱۹۲۸، المعجم الاوسط: ۱۶۳۵، ابن خزیمة: ۲۱۴۳

۶۵۰: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے بیان کیا ہے کہ ایک روز نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم میرے پاس تشریف لائے اور فرمایا: "کیا تمہارے پاس کوئی چیز ہے؟" ہم نے عرض کیا، نہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "تب میں روزہ رکھ لیتا ہوں پھر کسی اور دن ہمارے پاس تشریف لائے تو ہم نے عرض کیا، ہمیں حلوہ بطور تحفہ ملا ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "مجھے دکھاؤ، بلاشبہ میں روزے سے ہوں" یعنی میں نے صبح سے کچھ نہیں کھایا، پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے وہ تناول فرمایا۔ (مسلم)

لغوی تحقیق: حیس: حاء مفتوح اور یاء ساکن، کھجور، پنیر اور گھی سے تیار کیا ہوا کھانا۔

تشریح: امام مسلم نے یہ حدیث حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے دو طرق سے نقل کی ہے، دونوں طرق کے الفاظ سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ یہ دو الگ الگ واقعات ہیں اور حسن اتفاق سے دونوں میں حلوے ہی کا تذکرہ ہے۔ یہ حدیث بظاہر سابقہ حدیث کے معارض ہے، کیونکہ سابقہ حدیث میں یہ صراحتاً ہے، جو شخص طلوع فجر سے قبل روزے کی نیت نہیں کرتا اس کا روزہ درست نہیں، جبکہ اس حدیث میں ہے کہ آپ

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ﷺ نے طلوع فجر کے بعد روزے کی نیت فرمائی۔ اہل علم نے اس تعارض کو اس طرح دور کیا ہے کہ فرضی روزے کیلئے طلوع فجر سے پہلے نیت کرنا ضروری ہے، جبکہ نفلی روزے کی نیت کسی وقت بھی کی جاسکتی ہے، اسی طرح نفلی روزہ نیت کرنے کے بعد چھوڑا بھی جا سکتا ہے۔ امام مسلم نے صحیح مسلم میں ذکر کیا ہے کہ طلحہ بن یحیٰی نے ابن عباس کے تلمیذ رشید حضرت مجاہد سے اس حدیث کا ذکر کیا تو انہوں نے فرمایا کہ نفلی روزہ نفلی صدقہ کی مثل ہے، نفلی صدقہ کرنے والا نیت کرنے کے بعد صدقہ دے بھی سکتا ہے اور دینے سے رک بھی سکتا ہے۔

امام ابوداؤد اور امام نسائی وغیرھما نے یہی بات مجاہد کے طریق سے مرفوعاً بھی نقل کی ہے اور اس میں نفلی روزے کی صراحت بھی ہے، لیکن اہل علم میں اس بارے میں اختلاف رائے پایا جاتا ہے کہ مجاہد کا حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے سماع ثابت ہے یا نہیں؟ امام ابن قطان فرماتے ہیں کہ اہل حدیث کے نزدیک یہ روایت منقطع ہے، کیونکہ امام شعبہ، امام یحیٰی بن سعید اور امام احمد بن حنبل کے نزدیک سماع ثابت نہیں۔ مؤلف رحمہ اللہ فتح الباری میں فرماتے ہیں کہ علی بن مدینی نے سماع تسلیم کیا ہے۔ امام بخاری نے ابو جحیفہ کے طریق حضرت سلمان اور حضرت ابودرداء رضی اللہ عنہما کا جو واقعہ نقل کیا ہے، اس میں بھی صراحتاً مذکور ہے کہ حضرت ابودرداء رضی اللہ عنہ نے حضرت سلمان رضی اللہ عنہ کے کہنے پر نفلی روزہ قبل از وقت افطار کر لیا تھا اور آپ ﷺ کو جب اس واقعہ کی اطلاع ہوئی تو آپ نے حضرت سلمان رضی اللہ عنہ کے موقف کو درست قرار دیا۔ حضرت ام ھانی بنت ابی طالب رضی اللہ عنہا سے بھی نفلی روزے کو قبل از وقت افطار کرنے سے متعلق ایک مرفوع روایت منقول ہے مگر وہ روایت ایک سے زائد علل کی وجہ سے ضعیف ہے۔

فقہی احکام: (۱) نفلی روزے کی نیت صبح صادق کے بعد بھی کی جاسکتی ہے۔ (۲) نفلی روزہ قبل از وقت چھوڑا بھی کیا جاسکتا ہے۔

۶۵۱: وَعَنْ سَهْلِ بْنِ سَعْدٍ رضی اللہ عنہ, أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ قَالَ "لَا يَزَالُ النَّاسُ بِخَيْرٍ مَا عَجَّلُوا الْفِطْرَ" مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ.

البخاری، کتاب الصوم، باب تعجیل الافطار: ۱۹۵۷، مسلم: ۱۰۹۸، الترمذی: ۷۰۳، ابن ماجۃ: ۱۶۹۷، احمد: ۳۳۴/۵، الدارمی: ۱۷۰۶، البیھقی: ۲۳۷/۴، ابن خزیمۃ: ۲۰۵۹، ۲۰۶۱، الحاکم: ۵۹۹/۱، ابن حبان: ۳۵۱۰

تنبیہ: جناب مصطفی الاعظمی نے تعلیق ابن خزیمہ میں علامہ ناصر الدین البانی کے حوالے سے لکھا ہے کہ ابن حبان نے بھی یہ حدیث ابن خزیمہ کی سند سے نقل کی ہے۔ اور اس میں مدرج کلام نہیں ہے۔ مذکورہ دعوی درست نہیں، کیونکہ ابن حبان میں بھی مدرج کلام مذکورہ ہے۔

۶۵۱: حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "لوگ اس وقت تک بھلائی پر رہیں گے جب تک وہ روزہ افطار کرنے میں جلدی کریں گے۔" (بخاری ومسلم)

تشریح: حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ سے یہ حدیث متعدد طرق سے مروی ہے، امام ابن خزیمہ سے مروی طریق میں یہ تفصیل ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "میری امت اس وقت تک میرے طریق پر رہے گی جب تک وہ روزہ افطار کرنے میں ستاروں کے طلوع ہونے کا انتظار نہیں کرے گی۔" اس روایت کے آخر میں یہ الفاظ بھی ہیں کہ آپ ﷺ نے ایک آدمی سورج غروب ہونے کی اطلاع دینے پر مامور فرمایا تھا، جب وہ کہتا کہ سورج غروب ہو گیا ہے تو آپ ﷺ روزہ افطار کر لیتے۔ اہل علم نے اس اضافے کو مدرج قرار دیا ہے۔ اس طریق سے یہ واضح ہوا کہ روزہ جلدی افطار کرنے سے مراد بروقت روزہ افطار کرنا ہے۔ واضح رہے کہ روزہ افطار کرنے کا صحیح وقت غروب آفتاب ہے۔

فقہی احکام: (۱) غروب آفتاب کا جب یقینی علم ہو جائے تو فوراً روزہ افطار کر لیا جائے۔ (۲) سحری اور افطاری کے اوقات پر مبنی جو کیلنڈر شائع کیے جاتے ہیں ان کے شائع کرنے والوں کیلئے لازم ہے کہ وہ مکمل علم حاصل کرنے کے بعد اوقات کا صحیح تعین کریں۔ اس میں ایک

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

منٹ بھی تقدیم وتاخیر نہ ہونے دیں، تاکہ دن رات میں اور رات دن میں داخل نہ ہو سکے۔

۶۵۲: وَلِلتِّرمِذِيِّ مِنْ حَدِيثِ أَبِي هُرَيْرَةَ رضی اللہ عنہ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ "قَالَ اللَّهُ عزوجل أَحَبُّ عِبَادِي إِلَيَّ أَعْجَلُهُمْ فِطْرًا "

الترمذی، ابواب الصوم، باب ماجاء فی تعجیل الافطار: ۷۰۴، ابن خزیمۃ: ۲۰۶۲، احمد: ۳۲۹/۲، ابن حبان: ۳۵۰۸

۶۵۲: ترمذی میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: "اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے کہ مجھے میرے وہ بندے محبوب ہیں جو روزہ افطار کرنے میں جلدی کرتے ہیں۔"

تشریح: اس روایت کا مرکزی راوی قرۃ بن عبدالرحمٰن ہے اور وہ اپنے حافظے کے اعتبار سے ضعیف ہے۔

۶۵۳: وَعَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ رضی اللہ عنہ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ "تَسَحَّرُوا فَإِنَّ فِي السَّحُورِ بَرَكَةً " مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ.

مسلم، کتاب الصیام، باب فضل السحور: ۱۰۹۵، البخاری: ۱۹۲۳، الترمذی: ۷۱۱، النسائی: ۱۴۱/۴، ابن ماجۃ: ۱۶۹۲، الدارمی: ۱۷۰۳، ابن خزیمۃ: ۱۹۳۷، ابوداود: ۲۳۴۳، الکامل لابن عدی: ۹۸/۶، المسند البزار: ۴۱۴/۱، التقریب: ۱۰۰۰، احمد: ۲۲۹/۳

۶۵۳: حضرت انس رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "سحری کھایا کرو کیونکہ اس میں خیر و برکت ہے۔" (بخاری و مسلم)

لغوی تحقیق: تسحروا: یہ باب تفعل سے امر کا صیغہ ہے یعنی سحری کھایا کرو۔ السحور: سین مفتوح اور حاء مضموم، سحری کے وقت کھانا

تشریح: اس حدیث سے یہ واضح ہوا کہ سحری کھانا باعث خیر و برکت ہے، جیسا کہ حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ہمارے اور اہل کتاب کے روزں کے مابین فرق، سحری تناول کرنے کا ہے، یعنی اہل کتاب کو اللہ تعالیٰ نے سحری کھانے کی برکت سے محروم رکھا تھا جبکہ ہمیں اس سے نوازہ ہے۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث میں سحری کا بہترین کھانا کھجور قرار دیا گیا ہے، مگر یہ روایت محمد بن عبید اللہ کی وجہ سے ضعیف ہے۔ ایک نامعلوم صحابی سے مروی، حدیث میں ہے کہ سحری کا کھانا کھانے والوں پر رحمتوں کی بارش کی جاتی ہے۔ یہ روایت حاتم بن ابی نصر کے مجہول ہونے کی وجہ سے ضعیف ہے۔ یہی الفاظ حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث میں بھی ہیں، مگر وہ روایت عبدالرحمٰن بن زید بن اسلم کی وجہ سے ضعیف ہے۔

فقہی احکام: (۱) سحری تناول کرنا باعث برکت ہے، سحری کے وقت کھجور کا استعمال باعث خیر ہے۔

(۲) سحری کا کھانا مسلمانوں کو یہود و نصاری سے ممتاز کرتا ہے، تاہم سحری کھانا فرض نہیں۔

۶۵۴: وَعَنْ سَلْمَانَ بْنِ عَامِرٍ الضَّبِّيِّ رضی اللہ عنہ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ " إِذَا أَفْطَرَ أَحَدُكُمْ فَلْيُفْطِرْ عَلَى تَمْرٍ , فَإِنْ لَمْ يَجِدْ فَلْيُفْطِرْ عَلَى مَاءٍ , فَإِنَّهُ طَهُورٌ " رَوَاهُ الْخَمْسَةُ , وَصَحَّحَهُ ابْنُ خُزَيْمَةَ وَابْنُ حِبَّانَ وَالْحَاكِمُ.

ابوداود، کتاب الصوم، باب مایفطر علیہ: ۲۳۵۵، الترمذی: ۷۰۰، ابن ماجۃ: ۱۶۹۹، احمد: ۱۷/۴، ابن خزیمۃ: ۲۰۶۷، ابن حبان: ۳۵۱۵، الحاکم: ۵۹۷/۱، الدارمی: ۱۷۰۸، البیہقی: ۲۳۸/۴، ۲۳۹، عبدالرزاق: ۲۲۴/۴، السنن الکبری: ۲۵۴/۲

تنبیہ: بلوغ المرام کے بعض مطبوعہ نسخوں میں سلیمان بن عامر اور بعض میں سلمان بن عامر مکتوب ہے، اسی طرح ابن خزیمہ میں سلیمان بن عامر ہے جبکہ دیگر مصادر میں سلمان بن عامر ہے، واضح رہے کہ صحیح نام سلمان بن عامر ہی ہے جیسا کہ مؤلف رحمہ اللہ نے تقریب میں لکھا ہے۔

۶۵۴: حضرت سلمان بن عامر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: "جب تم میں سے کوئی ایک روزہ افطار کرے تو اسے چاہیے کہ وہ کھجور سے افطار کرے، اگر کھجور میسر نہ آئے تو پانی سے افطار کر لے، کیونکہ پانی بھی پاکیزہ ہے۔" اسے پانچوں نے روایت کیا ہے۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

جبکہ ابن خزیمہ، ابن حبان اور حاکم نے صحیح کہا ہے۔

تشریح: اس روایت کی مرکزی راویہ اگرچہ رباب ضبیہ ہیں تاہم عاصم سے یہ روایت ان کے متعدد تلامذہ بیان کرتے ہیں۔ امام نسائی نے یہ روایت سفیان بن عیینہ عن عاصم کے طریق سے نقل کی ہے، اس میں ہے کہ روزہ کھجور سے افطار کیا کرو کیونکہ اس میں برکت ہے۔ امام نسائی نے اس روایت کو سنن الکبری میں نقل کرنے کے بعد لکھا ہے کہ میرے علم کے مطابق یہ الفاظ صرف ابن عیینہ نے نقل کئے ہیں۔ لہٰذا میرا خیال ہے کہ یہ الفاظ غیر محفوظ ہیں۔

واضح رہے کہ یہ الفاظ نقل کرنے میں سفیان بن عیینہ تنہا نہیں بلکہ ان کی متابعت ابن فضیل نے بھی کی ہے جیسا کہ ابن خزیمہ میں ہے۔ یہ روایت اگرچہ رباب ضبیہ کی وجہ سے ضعیف ہے، لیکن روایت کا جتنا حصہ مؤلف رحمۃ اللہ علیہ نے نقل کیا ہے، وہ صحیح ہے کیونکہ اس کی تائید دیگر صحیح احادیث سے ہوتی ہے۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مرطوب کھجوروں سے روزہ افطار فرمایا کرتے تھے۔ اگر مرطوب کھجوریں نہ ہوتیں تو پھر خشک کھجوروں سے افطار فرما لیتے۔

فقہی احکام: (۱) کھجور سے روزہ افطار کرنا مستحب اور باعث برکت ہے۔ (۲) اگر مرطوب کھجور میسر نہ آئیں تو خشک کھجور کا استعمال مستحب اور باعث برکت ہے۔ (۳) اگر کھجور میسر نہ ہو تو پھر پانی سے روزہ افطار کرنا چاہیے۔

۶۵۵: وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضی اللہ عنہ قَالَ نَهَى رَسُولُ اللَّهِ صلی اللہ علیہ وسلم عَنِ الْوِصَالِ, فَقَالَ رَجُلٌ مِنَ الْمُسْلِمِينَ فَإِنَّكَ يَا رَسُولَ اللَّهِ تُوَاصِلُ؟ قَالَ " وَأَيُّكُمْ مِثْلِي؟ إِنِّي أَبِيتُ يُطْعِمُنِي رَبِّي وَيَسْقِينِي " فَلَمَّا أَبَوْا أَنْ يَنْتَهُوا عَنِ الْوِصَالِ وَاصَلَ بِهِمْ يَوْمًا, ثُمَّ يَوْمًا, ثُمَّ رَأَوُا الْهِلَالَ, فَقَالَ " لَوْ تَأَخَّرَ الْهِلَالُ لَزِدْتُكُمْ " كَالْمُنَكِّلِ لَهُمْ حِينَ أَبَوْا أَنْ يَنْتَهُوا. مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ.

البخاری، کتاب الصوم، باب التنکیل: ۱۹۶۵، باب الوصال: ۱۹۶۱ تا ۱۹۶۴، مسلم: ۱۱۰۳، احمد: ۱/۹۱، ۲/۲۶۱، ۲/۲۳۱، الدارمی: ۱۷۰۶، البیهقی: ۴/۲۸۲، عبدالرزاق: ۴/۲۶۷، ابن حبان: ۳۵۷۴، ۳۵۷۵، مجمع البحرین: ۴/۱۲۹، مجمع الزوائد: ۳/۱۵۸

۶۵۵: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلسل حالت روزہ میں رہنے سے منع فرمایا، اس پر ایک مسلمان شخص نے عرض کیا، یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! آپ صلی اللہ علیہ وسلم خود تو مسلسل حالت روزہ میں رہتے ہو، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "تم میں سے مجھ جیسا کون ہے؟ کیونکہ میں رات اس حال میں بسر کرتا ہوں کہ میرا رب مجھے کھلاتا اور پلاتا ہے۔" لیکن جب لوگ مسلسل حالت روزہ میں رہنے سے باز نہ آئے تو پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے ساتھ ایک دن پھر دوسرے دن کا وصال فرمایا، پھر انہوں نے چاند دیکھ لیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "اگر چاند نظر نہ آتا تو میں تمہارے ساتھ زیادہ مرتبہ وصال کرتا۔" گویا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے باز نہ آنے کی وجہ سے ایسا بطور سزا کیا۔ بخاری و مسلم

لغوی تحقیق: وصال: واؤ مکسور، یہ باب مفاعلہ سے مصدر ثانی ہے، اس سے مراد بغیر کچھ کھانے پینے کے ایک سے زائد روزے ایک ساتھ رکھنا۔ کالمنکل: یہ باب تفعیل سے اسم فاعل ہے، سزا دینے والے تھے۔

تشریح: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ماہ رمضان کے روزے کئی دن تک افطاری اور سحری کئے بغیر رکھتے تھے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھ کر بعض صحابہ نے بھی یہی طریقہ اختیار کر لیا، رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو جب صحابہ کے اس عمل کی خبر ہوئی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں ایسا کرنے سے منع فرمایا،

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

اس پر ایک صحابی نے عرض کیا، آپ ﷺ خود بھی تو ایسا ہی کرتے ہیں۔

ایک روایت میں ہے کہ بعض صحابہ نے ایسا کہا، جس پر آپ ﷺ نے فرمایا: "تم میں سے میری مثل کون ہے؟" ایک روایت میں ہے کہ "تم اس معاملے میں میری مثل نہیں ہو، کیونکہ میرا رب مجھے رات کے وقت کھلاتا اور پلاتا ہے۔" ایک روایت میں ہے کہ "رات کے وقت ایک کھلانے والا مجھے کھلاتا ہے اور ایک پلانے والا مجھے پلاتا ہے۔"

اس حدیث میں مذکور کھلانے پلانے والے سے مراد یقیناً اللہ تعالیٰ ہے، جیسا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی حدیث میں صراحتاً مذکور ہے۔ اور غذا سے یقیناً روحانی غذا مراد ہے یعنی اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ کیلئے روحانی غذا کو ہی قوت کا ذریعہ بنا دیا تھا۔

ایک روایت میں ہے "اگر تم ضرور وصال کرنا چاہو تو پھر سحری سے سحری تک وصال کر سکتے ہو۔" یہ حدیث امام احمد کے موقف کی مؤید ہے۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث میں ہے، آپ ﷺ خود بھی سحری سے سحری تک وصال فرمایا کرتے تھے مگر اس روایت میں شریک بن عبداللہ اور عبداللہ بن محمد ضعیف ہیں، کیونکہ ان سے خطائے کثیر کا صدور ہوا ہے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی روایت میں بھی ہے کہ آپ ﷺ سحری سے سحری تک وصال فرماتے تھے۔ یہ روایات عبدالاعلیٰ بن عامر کی وجہ سے ضعیف ہے۔

فقہی احکام: (۱) مسلمانوں کیلئے سحری اور افطاری کرنا مستحب ہے۔ (۲) مسلسل وصال رسول اللہ ﷺ کا خاصہ تھا۔ (۳) رسول اللہ ﷺ اگرچہ عموماً مادی غذائیں استعمال کرتے تھے مگر بعض مواقع میں روحانی غذا بھی آپ ﷺ کیلئے مادی غذا کا کام دیتی تھی۔

۶۵۶: وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ "مَنْ لَمْ يَدَعْ قَوْلَ الزُّورِ وَالْعَمَلَ بِهِ, وَالْجَهْلَ, فَلَيْسَ لِلّٰهِ حَاجَةٌ فِي أَنْ يَدَعَ طَعَامَهُ وَشَرَابَهُ" رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ, وَأَبُو دَاوُدَ وَاللَّفْظُ لَهُ.

البخاری، کتاب الصوم، باب من لم یدع قول الزور و العمل به: ۱۹۰۳، ابوداود: ۲۳۶۲، الترمذی: ۷۰۷، ابن ماجة: ۱۶۸۹، النسائی (الکبری): ۲۳۸/۲، البیهقی: ۲۷۰/۴، ابن خزیمة: ۱۹۹۵، ۱۹۹۶، مجمع البحرین: ۱۲۸/۳، ابن حبان: ۳۴۸۰

تنبیہ: ابوداؤد کے نسخہ میں وہی الفاظ ہیں جو صحیح بخاری میں ہیں۔ ممکن ہے کہ ابوداؤد کے کسی نسخہ میں مؤلفؒ کے ذکر کردہ الفاظ ہوں، تاہم ابن ماجہ، ابن خزیمہ اور ابن حبان میں یہ الفاظ موجود ہیں۔

۶۵۶: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ ہی سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "جس نے جھوٹ بولنا اور جھوٹ پر عمل کرنا ترک نہیں کیا اور جہالت سے کنارہ کشی اختیار نہیں کی، اللہ تعالیٰ کو ایسے شخص کے خورد ونوش ترک کرنے سے کوئی سروکار نہیں۔" اسے بخاری اور ابوداؤد نے روایت کیا ہے، مذکورہ الفاظ ابوداؤد کے ہیں۔

لغوی تحقیق: الزور: زاء مضموم اور واؤ ساکن، جھوٹ اور باطل گواہی۔ حاجة: اس کا لغوی معنی ضرورت ہے، مگر یہاں یہ معنی مراد نہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ تو کسی چیز کا محتاج نہیں، اس لئے یہاں اس سے مراد ارادہ اور التفات ہے، یعنی اللہ تعالیٰ ایسا روزہ قبول نہیں فرماتا۔

تشریح: علامہ بیضاوی نے اس حدیث کے پیش نظر شرعی روزے کی وضاحت کرتے ہوئے لکھا ہے کہ محض بھوک اور پیاس کو برداشت کرنا شرعی روزہ نہیں، بلکہ نفس امارہ کو نفس مطمئنہ کے تابع بنانا اور تمام منہیات وشہوات کو ترک کرنے کا نام شرعی روزہ ہے، اور جس روزے سے یہ مقصود حاصل نہیں ہوتا، اللہ تعالیٰ اس روزے کو شرف قبولیت نہیں بخشتا۔ شرعی روزے کی یہ تعریف رحمت عالم ﷺ کی درج ذیل حدیث سے بھی مستنبط ہو رہی ہے۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "اشیائے خورد ونوش کو ترک کر دینے کا نام روزہ نہیں، روزہ تو

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

لغویات اورفسق وفجور سے باز رہنے کا نام ہے۔" زیر مطالعہ حدیث کے ہم معنی حدیث انس سے بھی منقول ہے۔

فقہی احکام: (۱) جھوٹ، لغویات، خیانت، ملاوٹ اور دیگر مضر اخلاق امور سے روزے کی روح مجروح ہوتی ہے۔

(۲) اللہ تعالیٰ ہر قسم کی ملاوٹ سے پاک عبادت کو ہی شرف قبولیت بخشتا ہے۔

۶۵۷: وَعَنْ عَائِشَةَ رضی اللہ عنہا قَالَتْ كَانَ رَسُولُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم يُقَبِّلُ وَهُوَ صَائِمٌ ,وَيُبَاشِرُ وَهُوَ صَائِمٌ ,وَلٰكِنَّهُ أَمْلَكُكُمْ لِإِرْبِهِ " مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ ,وَاللَّفْظُ لِمُسْلِمٍ. وَزَادَ فِي رِوَايَةٍ فِي رَمَضَانَ.

مسلم، کتاب الصیام، باب بیان ان القبلة فی الصوم ......: ۱۱۰۶، ۱۱۰۷، البخاری: ۱۹۲۷، ۱۹۲۹، ابن حبان: ۳۵۳۷۔ ۳۵۳۸، البیهقی: ۲۳۳/۴، ۲۳۴/۴، احمد: ۲۹۶/۲

تنبیہ: بلوغ المرام کے بعض نسخوں میں كان النبی اور بعض میں كان رسول الله ہے مؤخر الذکر لفظ صحیح ہے کیونکہ مسلم میں یہی لفظ ہے۔

۶۵۷: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حالت روزہ میں بوسہ لے لیا کرتے تھے اور معانقہ بھی کر لیا کرتے تھے لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم تمہارے مقابلے میں اپنی خواہشات کو زیادہ قابو میں رکھنے والے تھے۔ بخاری ومسلم، مذکورہ الفاظ مسلم کے ہیں اور ایک روایت میں رمضان کی بھی صراحت ہے۔

لغوی تحقیق: اربه: ہمزہ مکسور اور راء ساکن، خواہش نفس یا عضو مخصوص۔

تشریح: اسی کے ہم معنی ایک حدیث حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے بھی منقول ہے، جیسا کہ حضرت عمر بن ابی سلمہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا، کیا روزے دار بوسہ لے سکتا ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "جاؤ (اپنی امی) ام سلمہ سے پوچھ لو۔" حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے انہیں اثبات میں جواب دیا تو انہوں نے عرض کیا، اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم! آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تو اول تا آخر لغزشیں معاف کر دی گئی ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب دیا "اللہ کی قسم! میں تم سب سے زیادہ اللہ تعالیٰ سے ڈرتا ہوں۔"

حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا ہی سے مروی ایک دوسری روایت میں ہے کہ میں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دونوں روزے سے ہوتے تھے، اسی دوران آپ صلی اللہ علیہ وسلم میرا بوسہ لے لیا کرتے تھے، مگر ابو قیس سے مروی روایت میں ہے کہ عبداللہ بن عمر کے کہنے پر جب میں نے ام سلمہ سے دریافت کیا تو انہوں نے لاعلمی کا اظہار فرمایا، نیز فرمایا، مجھے عائشہ نے بتایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حالت روزہ میں ان کا بوسہ لے لیا کرتے تھے۔ یہ روایت حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے مروی دیگر روایات کے خلاف ہے لیکن یہ روایت موسی بن علی کی تفرد کی وجہ سے ان روایات کا مقابلہ نہیں کرتی جو صحیحین میں مذکور ہیں۔ اسی طرح کی ایک روایت حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا سے بھی منقول ہے۔

فقہی احکام: (۱) جو شخص اپنے نفس پر قابو رکھ سکتا ہے اسے حالت روزہ میں اپنی اہلیہ کا بوسہ لینے اور اس سے معانقہ کرنے کی اجازت ہے مگر اس سے احتراز کرنا بہتر ہے (۲) بیٹا اپنی والدہ سے مہذب طریق سے ذاتی نوعیت کے سوالات کر سکتا ہے۔ (۳) بعض ذاتی نوعیت کے سوالات کا جواب دیا جا سکتا ہے۔

۶۵۸: وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رضی اللہ عنہما أَنَّ النَّبِيَّ صلی اللہ علیہ وسلم اِحْتَجَمَ وَهُوَ مُحْرِمٌ ,وَاحْتَجَمَ وَهُوَ صَائِمٌ. رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ.

البخاری، کتاب الصوم، باب الحجامة و القیء للصائم: ۱۹۳۸۔ ۱۹۴۰، ابوداود: ۲۳۷۲، ۲۳۷۳، الترمذی: ۷۷۸۔ ۷۷۹، ابن ماجة: ۱۶۸۲، احمد: ۲۸۶/۱، مسلم: ۱۲۰۲، السنن الکبری للنسائی: ۳۳۳/۲، البیهقی: ۲۶۳/۴، ابن حبان: ۳۵۳۱، الطبرانی: ۱۱۸۶۰

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

۶۵۸: حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے احرام اور روزے کی حالت میں سینگی لگوائی تھی۔ (بخاری)

تشریح: زیر مطالعہ حدیث حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے متعدد طرق سے مروی ہے۔ ایک طریق میں صرف حالت احرام میں سینگی لگوانے کا ذکر ہے۔ (۲) ایک طریق میں فقط حالت روزے میں سینگی لگوانے کا ذکر ہے۔ (۳) ایک طریق میں ایک ساتھ دونوں حالتوں میں سینگی لگوانے کا ذکر ہے (۴) ایک طریق میں ہے کہ آپ ﷺ نے سینگی لگوائی روزے کی حالت میں اور سینگی لگوائی احرام کی حالت میں۔

فقہی احکام: (۱) حالت حرام میں بالاتفاق اور غیر مشروط طور پر سینگی یا پچھنے لگوانا جائز ہے۔ (۲) حالت روزہ میں سینگی یا پچھنے اس صورت میں لگوانے جائز ہیں، جب قوت مدافعت موجود ہو، ورنہ روزہ افطار کرنے کے بعد پچھنے لگوائے جائیں۔

۶۵۹: وَعَنْ شَدَّادِ بْنِ أَوْسٍ رضی اللہ عنہ أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ أَتَى عَلَى رَجُلٍ بِالْبَقِيعِ وَهُوَ يَحْتَجِمُ فِي رَمَضَانَ فَقَالَ " أَفْطَرَ الْحَاجِمُ وَالْمَحْجُومُ " رَوَاهُ الْخَمْسَةُ إِلَّا التِّرْمِذِيَّ, وَصَحَّحَهُ أَحْمَدُ, وَابْنُ خُزَيْمَةَ, وَابْنُ حِبَّانَ.

ابو داود، کتاب الصوم، باب فی الصائم یحتجم: ۲۳۶۷ ـ ۲۳۶۹، ابن ماجة: ۱۶۸۱، احمد: ۱۲۳/۴، ۱۲۴، الدارمی: ۱۷۳۷، ابن حبان: ۳۵۳۳ـ ۳۵۳۵، النسائی فی الکبری: ۲۱۷/۲، الحاکم: ۵۹۳/۱، معرفة السنن والآثار: ۴۰۸/۳، ۴۰۹، الطبرانی: ۷۱۴۷ـ ۷۱۵۱، البیهقی: ۲۶۵/۴، عبدالرزاق: ۷۵۱۹، ابن خزیمة: ۱۹۶۲، ۱۹۶۳

تنبیہ: (۱) بلوغ المرام کے مطبوعہ نسخوں میں حضرت شداد بن اوس رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث کو ابن خزیمہ کی طرف بھی منسوب کیا گیا ہے جبکہ صحیح ابن خزیمہ میں یہ حدیث ثوبان مولیٰ رسول اللہ ﷺ سے مروی ہے۔ (۲) مؤلف رحمۃ اللہ علیہ نے فتح الباری میں شداد بن اوس اور ثوبان سے مروی احادیث کے بارے میں لکھا ہے کہ امام ابن خزیمہ نے ان دونوں احادیث کو صحیح کہا ہے۔ امام ابن خزیمہ کا یہ قول راقم کو صحیح ابن خزیمہ سے نہیں ملا۔

۶۵۹: حضرت شداد بن اوس رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ نبی کریم ﷺ بقیع میں ایک شخص کے پاس تشریف لے گئے، وہ اس وقت ماہ رمضان میں سینگی لگوا رہا تھا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: " سینگی لگانے اور لگوانے والے کا روزہ ٹوٹ گیا۔ " اسے پانچوں میں سے ترمذی نے روایت نہیں کیا۔ احمد، ابن خزیمہ اور ابن حبان نے اسے صحیح کہا ہے۔

لغوی تحقیق: الحاجم: سینگی لگانے والا۔ المحجوم: سینگی لگوانے والا۔

تشریح: جن الفاظ کے ساتھ یہ حدیث حضرت شداد بن اوس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے انہیں الفاظ سے یہ حدیث ثوبان سے بھی مروی ہے، جبکہ ثوبان سے مروی روایت میں یہ صراحت بھی ہے کہ وہ اس وقت رسول اللہ ﷺ کے ساتھ تھے۔ امام بیہقی نے اس روایت کو نقل کرنے کے بعد لکھا ہے کہ ابوبکر اور ابوزکریا سے مروی روایات میں ہے کہ یہ واقعہ فتح مکہ کے سال، آٹھ رمضان کو پیش آیا۔ امام شافعی فرماتے ہیں کہ آپ ﷺ فتح مکہ کے سال حالت احرام میں نہیں تھے۔

جبکہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی روایت میں ہے کہ آپ ﷺ نے حالت احرام میں سینگی لگوائی، جس سے یہ واضح ہوتا ہے کہ یہ واقع حجۃ الوداع کا ہے اور اس بات پر سب کا اتفاق ہے کہ فتح مکہ حجۃ الودع سے دو سال پہلے ہوا ہے، لہٰذا ثابت ہوا کہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی حدیث ناسخ اور شداد بن اوس سے مروی حدیث منسوخ ہے۔ مزید تفصیل آئندہ حدیث کے ضمن میں ملاحظہ فرمائیں۔

۶۶۰: وَعَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ رضی اللہ عنہ قَالَ أَوَّلُ مَا كُرِهَتِ الْحِجَامَةُ لِلصَّائِمِ أَنَّ جَعْفَرَ بْنَ أَبِي طَالِبٍ اِحْتَجَمَ وَهُوَ صَائِمٌ, فَمَرَّ بِهِ النَّبِيُّ ﷺ فَقَالَ " أَفْطَرَ هٰذَانِ " ثُمَّ رَخَّصَ النَّبِيُّ ﷺ بَعْدُ فِي الْحِجَامَةِ لِلصَّائِمِ, وَكَانَ أَنَسٌ يَحْتَجِمُ وَهُوَ

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

صَائِمٌ . رَوَاهُ اَلدَّارَقُطْنِیُّ وَقَوَّاهُ.

الدارقطنی : ۱۸۲/۲، البیهقی: ۲۶۸/۴، تهذیب السنن: ۳۵۱/۲، التنقیح لابن عبدالهادی: ۳۲۶/۲، ابن خزیمة: ۲۲۹/۲، ۲۳۰/۳، الترمذی: ۷۲۲، المقصد العلی: ۵۱۷، المعجم الاوسط: ۵۸۹۴، ۷۲۷۶، عبدالرزاق: ۲۱۰/۴، ۲۱۱،

ابن ابی شیبة: ۴۶۹/۲،السنن الکبری للنسائی: ۲۲۱/۲، ۲۲۸، التلخیص الحبیر : ۲۰۵/۲

۶۶۰: حضرت انس رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ روزے دار کیلئے سینگی لگوانا اس لئے مکروہ ہوا کہ حضرت جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہ نے روزے کی حالت میں سینگی لگوائی، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ان کے قریب سے گزرے اور فرمایا: "ان دونوں کا روزہ ٹوٹ گیا" اس کے بعد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے روزہ دار کیلئے سینگی لگوانے کی رخصت عنائت فرمادی اور حضرت انس رضی اللہ عنہ روزے کی حالت میں سینگی لگوالیا کرتے تھے۔ اسے دارقطنی نے روایت کیا ہے اور اسے قوی کہا ہے۔

تشریح: سینگی لگوانے سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے یا نہیں؟ اس بارے میں اہل علم میں اختلاف پایا جاتا ہے۔ امام بخاری، امام شافعی، امام بیہقی، امام ابوحنیفہ اور جمہور علما کے نزدیک حالت روزہ میں سینگی لگوانے سے روزہ نہیں ٹوٹتا، یہ حضرات اپنے مؤقف کی تائید میں جو دلائل رکھتے ہیں ان کی تفصیل درج ذیل ہے۔

زیر مطالعہ حدیث بھی ان حضرات کے مؤقف کی مؤید ہے۔ لیکن یہ روایت چند علل کی وجہ سے معلول ہے۔ زیر مطالعہ حدیث کے رجال اگرچہ صحیح کے رجال ہیں، لیکن کسی بھی روایت کے صحیح ہونے کیلئے محض اتنا کافی نہیں کہ اس روایت کے جملہ رواۃ رجال صحیح ہیں۔

(۱) حافظ ابن قیم تهذیب السنن میں اس روایت پر نقد کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ امام احمد بن حنبل فرماتے ہیں کہ خالد بن مخلد سے مروی بعض روایات منکر ہیں، بقول حافظ ابن قیم کے یہ روایت بھی منکر ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اس روایت کو نہ تو اصحاب صحیح نے روایت کیا ہے اور نہ اصحاب سنن نے ہی اور نہ ہی امام شافعی نے اسے اپنے دلائل میں نقل کیا ہے حالانکہ اثبات نسخ کیلئے اس روایت کو نقل کرنے کی انہیں ضرورت تھی۔

(۲) حافظ ابن عبدالہادی فرماتے ہیں کہ ناسخ روایت کیلئے ضروری ہے کہ وہ منسوخ روایت کے ہم پلہ ہو جبکہ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث کو صحیح تسلیم کر لینے کی صورت میں بھی یہ روایت؛ **افطر الحاجم و المحجوم** ؛ کے ہم پلہ نہیں، کیونکہ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی روایت خبر واحد ہے اور ؛**افطر الحاجم و المحجوم**؛ خبر مشہور ہے۔

(۳) زیر مطالعہ حدیث اگر مذکورہ علتوں سے پاک ہو تب بھی یہ روایت حضرت شداد بن اوس اور حضرت ثوبان رضی اللہ عنہما سے مروی روایت کیلئے ناسخ نہیں ہوسکتی کیونکہ اس میں مذکورہ حکم آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فتح مکہ کے سال فرمایا ہے، جبکہ حضرت جعفر رضی اللہ عنہ فتح مکہ سے قبل غزوہ مؤتہ میں شہید ہو چکے تھے۔

(۴) حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی حدیث چار طرح سے مروی ہے، جن میں سے ایک طریق کے الفاظ اس طرح ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے احرام اور روزے کی حالت میں سینگی لگوائی، یہ مسلم حقیقت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم فتح مکہ کے سال بغیر احرام کے مکہ میں داخل ہوئے تھے لہٰذا یہ بات واضح ہے کہ یہ واقعہ حجۃ الوداع کا ہے۔ اس طرح یہ روایت حضرت شداد اور حضرت ثوبان رضی اللہ عنہما سے مروی حدیث کیلئے ناسخ ہوسکتی ہے۔ لیکن امام ابن خزیمہ فرماتے ہیں کہ اس روایت کا مفہوم یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم صبح سے روزے کی حالت میں تھے۔ یہ نہیں کہا، سینگی لگوانے کے بعد بھی روزے کی حالت میں رہے، جیسے کہ ابوسعید خدری سے مروی حدیث میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سخت گرمی

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

کے روز ایک نہر پر تشریف لائے، آپ ﷺ کے ہمراہ چلنے والے اکثر صحابہ پیدل تھے اور وہ حالت روزہ میں تھے، آپ ﷺ نے انہیں پانی پینے کا حکم فرمایا، مگر وہ آپ ﷺ کی طرف دیکھنے لگے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: "میں تمہاری مثل نہیں ہوں۔ میں سوار ہوں اور تم پیدل ہو، اس لئے تم پانی پی لو!" وہ پھر آپ ﷺ کی طرف دیکھنے لگے، چنانچہ آپ ﷺ اپنی سواری سے اترے اور پانی نوش فرمایا، پھر صحابہ نے پانی نوش فرمایا۔

امام ممدوح اس حدیث کو نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں کہ آپ ﷺ نے اپنے صحابہ کو جب پانی پینے کا حکم فرمایا تو اس وقت وہ روزے سے تھے۔ کیا اس کا یہ مطلب ہے کہ وہ پانی پینے کے بعد بھی روزے سے رہے؟ اس طرح آپ ﷺ نے جب سینگی لگوائی اس وقت آپ ﷺ روزے سے تھے۔ یہ مطلب ہرگز نہیں کہ سینگی لگوانے کے بعد بھی روزے سے رہے۔

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث میں ہے کہ آپ ﷺ نے روزے دار کو سینگی لگوانے کی رخصت عنائیت فرمائی ہے۔

یہ حدیث ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے مرفوع اور موقوف ہر دو طرح منقول ہے، امام ترمذی فرماتے ہیں کہ اس روایت کا موقوف ہونا صح ہے۔ امام ابوحاتم اور امام ابن خزیمہ کے نزدیک بھی یہ قول حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کا ہے۔

حافظ ابن قیم فرماتے ہیں کہ ابونضرہ نے بھی یہ روایت حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے موقوف نقل کی ہے اور وہ حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کی مرویات کو دیگر لوگوں سے زیادہ جانتے تھے۔

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "تین چیزوں سے روزہ نہیں ٹوٹتا (۱) سینگی لگوانے سے۔ (۲) قے آنے سے۔ (۳) احتلام ہو جانے سے۔ یہ حدیث اگرچہ اپنے مفہوم میں صریح ہے تاہم یہ روایت عبدالرحمان بن زید بن اسلم کی وجہ سے ضعیف ہے۔

(۵) حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی روایت میں ہے کہ ابوطیبہ رمضان میں ہمارے قریب سے گزرے تو ہم نے ان سے کہا، آپ کہاں سے آرہے ہو؟ اس نے کہا، رسول اللہ ﷺ کو سینگی لگا کر۔ یہ روایت لیث بن ابی سلیم اور قاضی شریک کے سوءِ حفظ اور عبدالوارث کے مجہول ہونے کی وجہ سے ضعیف ہے۔ یہ روایت حضرت انس رضی اللہ عنہ سے علیلۃ بن بدر کے طریق سے بھی منقول ہے لیکن علیلۃ بن بدر بھی ضعیف ہے۔

(۶) ثابت بنانی سے مروی ہے کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے دریافت کیا گیا تم (صحابہ) حالت روزہ میں سینگی لگوانے کو ناپسند کرتے ہو؟ انہوں نے کہا، نہیں البتہ کمزوری کی وجہ سے مکروہ ہے۔ شبابہ سے مروی طریق میں عہد نبوی کا ذکر بھی ہے۔

(۷) قیس مولیٰ ام سلمہ کہتے ہیں کہ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا حالت روزہ میں سینگی لگوالیا کرتی تھیں، یہ روایت فرات بن عبدالرحمٰن کے مجہول ہونے کی وجہ سے ضعیف ہے۔

جو حضرات حالت روزہ میں سینگی لگوانے کے قائل نہیں ان کے دلائل کی تفصیل درج ذیل ہے۔

(۱) حضرت شداد بن اوس اور حضرت ثوبان رضی اللہ عنہما سے مروی روایت میں ہے کہ آپ ﷺ فتح مکہ کے سال آٹھ رمضان کو ایک ایسے شخص کے قریب سے گزرے جو سینگی لگوا رہا تھا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: "سینگی لگانے اور لگوانے والے دونوں کا روزہ ٹوٹ گیا۔"

امام بخاری نے ان دونوں روایات کو صحیح کہا ہے۔ یہ روایت انہیں الفاظ کے ساتھ حضرت معقل بن یسار رضی اللہ عنہ سے بھی مروی ہے لیکن یہ طریق عطاء بن سائب کے اختلاط کی وجہ سے ضعیف ہے۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

(۲) رافع بن خدیج سے منقول ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: "سینگی لگانے والے اور لگوانے والے دونوں کا روزہ ٹوٹ گیا۔" اس روایت کو امام بخاری نے غیر محفوظ قرار دیا ہے اور اسحاق بن منصور نے اس روایت کے غیر محفوظ ہونے کی یہ علت بیان کی ہے کہ معمر نے ایک حدیث کے الفاظ دوسری حدیث میں داخل کر دیئے ہیں۔

(۳) حضرت عائشہ اور حضرت بلال رضی اللہ عنہما سے بھی رافع بن خدیج کی مثل مروی ہے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی روایت لیث بن ابی سلیم کی وجہ سے اور حضرت بلال رضی اللہ عنہ سے مروی روایت شہر بن حوشب کی وجہ سے ضعیف ہے۔

(۴) حضرت سالم نے بیان کیا کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما روزے میں سینگی لگوایا کرتے تھے۔ پھر انہوں نے ایسا کرنا ترک کر دیا اور انہوں نے غروب آفتاب کے بعد سینگی لگوانا شروع کر دی تھی۔

فقہی احکام: (۱) اپریشن کرنا اور کروانا درست ہے۔ (۲) روزے کی حالت میں اپریشن کروانے یا سینگی لگوانے سے اجتناب کرنا بہتر ہے۔ (۳) اگر روزے کی حالت میں اپریشن وغیرہ کروانا ضروری ہو تو پھر روزہ افطار کر دینا بہتر ہے۔ (۴) شرعی عذر کی وجہ سے روزہ افطار کرنے پر کوئی جرمانہ نہیں صرف قضا ہے۔

۶۶۱: وَعَنْ عَائِشَةَ رضی اللہ عنہا أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ اِكْتَحَلَ فِي رَمَضَانَ ,وَهُوَ صَائِمٌ . رَوَاهُ اِبْنُ مَاجَهْ بِإِسْنَادٍ ضَعِيفٍ ، وَقَالَ اَلتِّرْمِذِيُّ لَا يَصِحُّ فِيْهِ شَيْءٌ.

ابن ماجة: ۱۶۷۸، الترمذی، کتاب الصوم، باب ماجاء فی السواک والکحل للصائم: ۷۲۸، ۷۲۹، البیهقی: ۸۳۵۰، ۸۴۱۰- ۸۴۱۹، ابن خزیمة: ۲۴۸/۳، المعجم الاوسط للطبرانی: ۲۹۰۷، ۲۰۲/۲

۶۶۱: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ماہ رمضان میں حالت روزہ میں سرمہ لگایا۔ یہ روایت ابن ماجہ نے ضعیف سند سے بیان کی ہے، امام ترمذی نے کہا کہ اس بارے میں کوئی حدیث صحیح نہیں۔

تشریح: اس روایت کو اکثر اہل علم نے ضعیف قرار دیا ہے۔ جبکہ بعض نے صحیح کہا ہے۔ اس اختلاف کا سبب بقیہ بن ولید کا شیخ زبیدی ہے۔ جن حضرات نے اس روایت کو صحیح کہا ہے، ان کا خیال ہے کہ یہاں زبیدی سے مراد محمد بن ولید ہے۔ ظاہر ہے کہ یہ ثقہ ثبت ہے۔ جن حضرات نے اس روایت کو ضعیف کہا ہے، ان کا کہنا ہے کہ یہاں زبیدی سے مراد سعید بن ابی سعید ہے اور یہ ضعیف ہے۔ حافظ ابن عبدالہادی اور علامہ زیلعی نے مقدم الذکر موقف کو وہم اور موخر الذکر کو راجح قرار دیا ہے۔

(۲) حضرت رافع بن خدیج رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آپ ﷺ نے خیبر میں روزے کی حالت میں سرمہ لگایا تھا۔ یہ روایت معمر بن محمد بن عبیداللہ کی وجہ سے موضوع کے قریب تر ہے۔ اس روایت کو امام ابن خزیمہ نے بھی کمزور تسلیم کیا ہے، تاھم ان کا کہنا ہے کہ: **فَالْآنَ بَاشِرُوهُنَّ** ؛ کے تحت اس کا جواز موجود ہے۔

(۳) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو حالت روزہ میں سرمہ لگاتے دیکھا ہے۔ علامہ ہیثمی اس روایت کو نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں کہ اس روایت کی سند میں اکثر راوی ایسے ہیں جن کو میں نہیں پہچانتا۔

(۴) حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ایک آدمی نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا، میری آنکھ میں تکلیف ہے، کیا میں حالت روزہ میں سرمہ لگا سکتا ہوں؟ آپ ﷺ نے اثبات میں جواب دیا۔ یہ روایت ظریف بن سلمان کی وجہ سے ضعیف ہے۔

فقہی احکام: جمہور اہل علم کے نزدیک حالت روزہ میں سرمہ لگایا جا سکتا ہے، تاہم اس سے اجتناب بہتر ہے۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

٦٦٢: وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ ﷜ قَالَ قَالَ رَسُولُ اَللَّهِ ﷺ "مَنْ نَسِيَ وَهُوَ صَائِمٌ, فَأَكَلَ أَوْ شَرِبَ, فَلْيُتِمَّ صَوْمَهُ, فَإِنَّمَا أَطْعَمَهُ اَللَّهُ وَسَقَاهُ" مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ. وَلِلْحَاكِمِ "مَنْ أَفْطَرَ فِي رَمَضَانَ نَاسِيًا فَلَا قَضَاءَ عَلَيْهِ وَلَا كَفَّارَةَ" وَهُوَ صَحِيحٌ.

مسلم، کتاب الصیام، باب اکل الناسی و شربہ: ۱۱۵۵، البخاری: ۱۹۳۳، ابوداود: ۲۳۹۸، الترمذی: ۷۲۴، ابن ماجۃ: ۱۶۷۳، احمد: ۳۹۵/۲، الدارمی: ۳۴۶/۱، الدارقطنی: ۱۷۸/۲، البیہقی: ۲۲۹/۴، ابن خزیمۃ: ۱۹۹۰، ابن حبان: ۳۵۱۹ - ۳۵۲۲، الحاکم: ۵۹۵/۱

۶۶۲: حضرت ابوہریرہ ﷜ نے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "جو شخص روزے کی حالت میں بھول کر کچھ کھا پی لے، وہ اپنا روزہ پورا کرے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اسے کھلایا پلایا ہے۔" (بخاری ومسلم) مستدرک حاکم میں ہے، "جس نے بھول کر رمضان کا روزہ افطار کر لیا اس پر نہ تو قضا اور نہ کفارہ ہے۔" (یہ روایت صحیح ہے)

تشریح: حضرت ابوہریرہ ﷜ سے مروی ایک دوسری روایت میں ہے کہ انہوں نے رمضان کے پہلے روز حالت روزہ میں بھول کر کچھ کھا لیا، پھر انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے تذکرہ کیا تو آپ ﷺ نے فرمایا: "اپنا روزہ مکمل کرو کیونکہ اللہ تعالیٰ نے تجھے کھلایا پلایا ہے۔" (یہ طریق سخت ضعیف ہے)

فقہی احکام: بھول کر کھا پی لینے سے روزہ نہیں ٹوٹتا۔

٦٦٣: وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ ﷜ قَالَ قَالَ رَسُولُ اَللَّهِ ﷺ "مَنْ ذَرَعَهُ اَلْقَيْءُ فَلَا قَضَاءَ عَلَيْهِ, وَمَنِ اسْتَقَاءَ فَعَلَيْهِ اَلْقَضَاءُ" رَوَاهُ اَلْخَمْسَةُ وَأَعَلَّهُ أَحْمَدُ وَقَوَّاهُ اَلدَّارَقُطْنِيُّ.

ابوداود، کتاب الصوم، باب الصائم یستقئ عامداً: ۲۳۸۰، الترمذی: ۷۲۲، السنن الکبری للنسائی: ۲۱۵/۲، ابن ماجۃ: ۱۶۷۶، احمد: ۴۹۸/۲، الدارقطنی: ۱۸۴/۲، البیہقی: ۲۱۹/۴، الحاکم: ۵۹۱/۱، التاریخ الکبیر: ۹۲/۶، الاحکام الوسطی: ۲۲۱/۲، ابن خزیمۃ: ۱۹۵۶ - ۱۹۶۱، مؤطا: ۳۰۴/۱، الدارمی: ۳۴۶/۱

۶۶۳: حضرت ابوہریرہ ﷜ نے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "جسے قے آ جائے، اس پر قضا نہیں اور جو عمداً قے کرے اس پر قضا ہے۔" اسے پانچوں نے بیان کیا ہے، امام احمد نے اسے معلول اور امام دارقطنی نے قوی کہا ہے۔

لغوی تحقیق: ذرع: از خود قے آ جائے۔ استقاء: عمداً قے کرے۔

تشریح: امام دارقطنی نے اس روایت کو نقل کرنے کے بعد کہا ہے کہ اس روایت کے جملہ رواۃ ثقہ ہیں، جبکہ امام حاکم نے اس روایت کو شیخین کی شرط کے مطابق قرار دیا ہے۔ یہ حقیقت ہے کہ بظاہر اس کی سند میں کوئی علت نظر نہیں آتی، تاہم امام بخاری اور امام احمد وغیرہما نے اس روایت کو معلول قرار دیا ہے۔ حافظ ابن حجر اور حافظ عبدالحق فرماتے ہیں کہ امام بخاری اس روایت کو غیر محفوظ کہتے ہیں۔ ان کا کہنا ہے کہ حضرت ابوہریرہ ﷜ کا فتویٰ اس کے خلاف ہے یعنی وہ کہتے ہیں کہ جب تم میں سے کوئی ایک قے کرے تو اس کا روزہ نہیں ٹوٹتا کیونکہ الٹی کرنے سے پیٹ سے کچھ خارج ہوتا ہے، اس میں کچھ داخل نہیں ہوتا۔ امام احمد بھی اس روایت کو غیر محفوظ کہتے ہیں، ان کا کہنا ہے کہ یہ روایت حضرت ابوہریرہ ﷜ سے نہیں بلکہ ابن عمر سے موقوف منقول ہے۔

امام ابن خزیمہ اس بات کے قائل ہیں کہ عمداً قے کرنے سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے، انہوں نے اس سلسلے میں حضرت ابودرداء اور حضرت ابوہریرہ ﷢ کی روایات بیان کی ہیں۔ اس موقف کو حضرت عبداللہ بن عمر ﷢ کے فتویٰ سے بھی تقویت حاصل ہے، جیسا کہ حضرت

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

نافع فرماتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فرمایا کرتے تھے، جو عمداً قے کرے اس پر قضا ہے اور جسے غیر ارادی طور پر قے آجائے اس پر قضا نہیں ہے۔ یہ اثر صحیح ہے۔

فقہی احکام: عمداً قے کرنے سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے۔

٦٦٤: وَعَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ رضی اللہ عنہما أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ خَرَجَ عَامَ الْفَتْحِ إِلَى مَكَّةَ فِي رَمَضَانَ ,فَصَامَ حَتَّى بَلَغَ كُرَاعَ الْغَمِيمِ ,فَصَامَ النَّاسُ ,ثُمَّ دَعَا بِقَدَحٍ مِنْ مَاءٍ فَرَفَعَهُ ,حَتَّى نَظَرَ النَّاسُ إِلَيْهِ ,ثُمَّ شَرِبَ ,فَقِيلَ لَهُ بَعْدَ ذَلِكَ إِنَّ بَعْضَ النَّاسِ قَدْ صَامَ قَالَ "أُولَئِكَ الْعُصَاةُ ,أُولَئِكَ الْعُصَاةُ" وَفِي لَفْظٍ فَقِيلَ لَهُ، إِنَّ النَّاسَ قَدْ شَقَّ عَلَيْهِمُ الصِّيَامُ ,وَإِنَّمَا يَنْظُرُونَ فِيمَا فَعَلْتَ، فَدَعَا بِقَدَحٍ مِنْ مَاءٍ بَعْدَ الْعَصْرِ، فَشَرِبَ. رَوَاهُ مُسْلِمٌ.

مسلم، کتاب الصیام، باب جواز الصوم و الفطر فی شهر رمضان للمسافر: ١١١٤، الترمذی: ٧١٣، النسائی: ٤/١٧٧، ابن خزیمة: ٢٠١٩، ابن حبان: ٣٥٤٩، ٣٥٥١، البیهقی: ٤/٢٤١، مسند شافعی: ١/٢٧٠، الحمیدی: ١٢٨٩

٦٦٤: حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما نے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ فتح مکہ کے سال ماہ رمضان میں مکہ مکرمہ کی طرف روانہ ہوئے، آپ ﷺ اس وقت روزہ سے تھے، یہاں تک آپ ﷺ کراع الغمیم نامی مقام تک پہنچ گئے، لوگ بھی روزے سے تھے۔ آپ ﷺ نے پانی کا پیالہ طلب فرمایا اور اسے خوب بلند کیا یہاں تک کہ لوگوں نے وہ پیالہ دیکھ لیا، پھر آپ ﷺ نے وہ پانی نوش فرمایا۔ اس کے بعد آپ ﷺ سے کہا گیا کہ بعض حضرات اب بھی روزے سے ہیں، آپ ﷺ نے فرمایا: "یہی حضرات نافرمان ہیں، یہی حضرات نافرمان ہیں۔" ایک روایت کے الفاظ اس طرح ہیں کہ آپ ﷺ کو بتایا گیا کہ روزے نے لوگوں کو مشقت میں ڈال رکھا ہے، اور وہ صرف اس بات کے منتظر ہیں کہ آپ ﷺ کیا لائحہ عمل اختیار کرتے ہیں، چنانچہ آپ ﷺ نے عصر کے بعد پانی کا پیالہ طلب فرمایا اور اسے نوش فرمالیا۔ (مسلم)

فقہی احکام: (١) حالت سفر میں روزہ رکھنا اور افطار کرنا ہر دونوں طرح جائز ہے۔ (٢) حالت روزہ میں سفر کرنا پڑ جائے تو روزہ افطار کیا جاسکتا ہے۔ (٣) تکلیف دہ سفر میں روزہ نہ رکھنا زیادہ بہتر ہے۔

٦٦٥: وَعَنْ حَمْزَةَ بْنِ عَمْرٍو الْأَسْلَمِيِّ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ أَنَّهُ قَالَ، يَا رَسُولَ اللّٰهِ! أَجِدُ بِي قُوَّةً عَلَى الصِّيَامِ فِي السَّفَرِ ,فَهَلْ عَلَيَّ جُنَاحٌ؟ فَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ "هِيَ رُخْصَةٌ مِنَ اللّٰهِ ,فَمَنْ أَخَذَ بِهَا فَحَسَنٌ ,وَمَنْ أَحَبَّ أَنْ يَصُومَ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِ" رَوَاهُ مُسْلِمٌ. وَأَصْلُهُ فِي الْمُتَّفَقِ مِنْ حَدِيثِ عَائِشَةَ، أَنَّ حَمْزَةَ بْنَ عَمْرٍو سَأَلَ.

صحیح مسلم، کتاب الصیام، باب فی التخییر فی الصوم و الفطر فی السفر: ١١٢١، البیهقی: ٨٢٤٨، النسائی: ٤/١٨٦، الدارقطنی: ٢/١٨٩، البخاری: ١٩٤٣، ابوداود: ٢٤٠٢، ابن ماجة: ١٦٦٢، ابن خزیمة: ٢٠٢٦

٦٦٥: حضرت حمزہ بن عمرو اسلمی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ انہوں نے عرض کیا، اے اللہ کے رسول ﷺ! میں حالت سفر میں روزے رکھنے کی طاقت رکھتا ہوں، اگر میں روزہ رکھ لوں تو کیا مجھ پر کوئی گناہ ہوگا؟ آپ ﷺ نے فرمایا: "یہ اللہ کی طرف سے رخصت ہے، جس نے اسے اختیار کیا اس نے اچھا کیا اور جو روزہ رکھنا پسند کرتا ہے، اس پر کوئی گناہ نہیں۔" (مسلم) اس کی اصل صحیحین میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ حمزہ بن عمرو نے سوال کیا۔

فقہی احکام: (١) سفر اگر آرام دہ ہے تو پھر روزہ رکھنا اور نہ رکھنا دونوں عمل یکساں ہیں (٢) اگر پر مشقت سفر ہو تو پھر روزہ نہ رکھنا زیادہ بہتر ہے۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

۶۶۶: وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رضی اللہ عنہما قَالَ رُخِّصَ لِلشَّيْخِ الْكَبِيرِ أَنْ يُفْطِرَ, وَيُطْعِمَ عَنْ كُلِّ يَوْمٍ مِسْكِينًا, وَلَا قَضَاءَ عَلَيْهِ. رَوَاهُ الدَّارَقُطْنِيُّ, وَالْحَاكِمُ, وَصَحَّحَاهُ.

الدارقطنی: ۲۰۵/۲، الحاکم: ۴۰۷/۱، البیہقی: ۲۳۰/۴، المنتقیٰ لابن جارود: ۳۸۱، البخاری: ۴۵۰۵، احمد: ۲۴۶/۵

۶۶۶: حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے بیان کیا کہ عمر رسیدہ شخص کو رخصت دی گئی ہے کہ وہ روزہ نہ رکھے اور وہ ہر دن کے بدلے ایک مسکین کو کھانا کھلائے اور اس پر قضا نہیں ہے۔ اسے دارقطنی اور حاکم نے بیان کیا ہے۔ نیز انہوں نے اسے صحیح کہا ہے۔

تشریح: ﴿وَعَلَى الَّذِيْنَ يُطِيْقُوْنَهُ فِدْيَةٌ طَعَامُ مِسْكِيْنٍ﴾ کے بارے میں اہل علم میں اختلاف پایا جاتا ہے۔ جمہور کے نزدیک یہ آیت منسوخ ہے، ان کا کہنا ہے کہ جب آغاز میں روزے فرض ہوئے تو اس وقت مسلمانوں کو یہ اختیار دیا گیا تھا کہ جو روزے نہ رکھنا چاہیں وہ مسکین کو کھانا کھلائیں، لیکن بعد میں یہ آیت منسوخ ہوگئی اور ہر شخص کو روزے رکھنے کا پابند کر دیا گیا، بعض اہل علم کا خیال ہے کہ مذکورہ آیت منسوخ نہیں۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما بھی اسی خیال کے حامی ہیں۔ ان کا کہنا ہے کہ بہت زیادہ عمر رسیدہ خواتین وحضرات جو روزہ رکھنے کی طاقت نہیں رکھتے، نیز ایسی حاملہ اور مرضعہ جو اپنے بچے کے بارے میں اندیشہ رکھتی ہے، اسے ہر ایک روزے کے بدلے ایک مسکین کو کھانا دیکر روزے نہ رکھنے کی اجازت ہے۔

عطا کہتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ یہ آیت منسوخ نہیں، اس کا حکم ایسے عمر رسیدہ حضرات وخواتین کیلئے ہے جو روزہ رکھنے کی طاقت نہیں رکھتے، انہیں ہر روزے کے بدلے ایک مسکین کو کھانا دیکر روزہ ترک کرنے کی اجازت ہے۔

اسی مضمون کی حدیث حضرت معاذ رضی اللہ عنہ سے بھی منقول ہے۔ اس روایت کو اگرچہ امام حاکم نے صحیح کہا ہے، لیکن یہ روایت مسعودی کے اختلاط اور عبدالرحمٰن بن ابی لیلیٰ کی حضرت معاذ رضی اللہ عنہ سے عدم ملاقات کی وجہ سے ضعیف ہے۔

فقہی احکام: (۱) ایسے عمر رسیدہ خواتین وحضرات جن کی طاقت کے بحال ہونے کی امیدیں مفقود ہوں، وہ ہر روزے کے بدلے ایک مسکین کو کھانا دیکر روزہ ترک کر سکتے ہیں۔ (۲) ایسی خواتین جو حاملہ یا مرضعہ رہتی ہیں اور روزے رکھنے کی وجہ سے بچے کی زندگی خطرے میں پڑ سکتی ہے، یہ بھی روزے کا فدیہ دیکر روزہ ترک کر سکتی ہیں (۳) ایک روزے کا فدیہ ایک مسکین کو پیٹ بھر کر کھانا کھلانا یا اسے تقریباً سوا کلو کھجوریں یا کوئی اور اناج دینا ہے۔

۶۶۷: وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضی اللہ عنہ قَالَ، جَاءَ رَجُلٌ إِلَى النَّبِيِّ ﷺ فَقَالَ هَلَكْتُ يَا رَسُولَ اللَّهِ! قَالَ "وَمَا أَهْلَكَكَ؟" قَالَ وَقَعْتُ عَلَى امْرَأَتِي فِي رَمَضَانَ، فَقَالَ "هَلْ تَجِدُ مَا تُعْتِقُ رَقَبَةً؟" قَالَ لَا، قَالَ "فَهَلْ تَسْتَطِيعُ أَنْ تَصُومَ شَهْرَيْنِ مُتَتَابِعَيْنِ؟" قَالَ لَا، قَالَ "فَهَلْ تَجِدُ مَا تُطْعِمُ سِتِّينَ مِسْكِينًا؟" قَالَ لَا, ثُمَّ جَلَسَ, فَأُتِيَ النَّبِيُّ ﷺ بِعَرَقٍ فِيهِ تَمْرٌ فَقَالَ "تَصَدَّقْ بِهَذَا" فَقَالَ أَعَلَى أَفْقَرَ مِنَّا؟ فَمَا بَيْنَ لَابَتَيْهَا أَهْلُ بَيْتٍ أَحْوَجُ إِلَيْهِ مِنَّا, فَضَحِكَ النَّبِيُّ ﷺ حَتَّى بَدَتْ أَنْيَابُهُ، ثُمَّ قَالَ "اذْهَبْ فَأَطْعِمْهُ أَهْلَكَ" رَوَاهُ السَّبْعَةُ, وَاللَّفْظُ لِمُسْلِمٍ.

مسلم، کتاب الصیام، باب تغلیظ تحریم الجماع فی نہار رمضان علی الصائم ووجوب الکفارۃ الکبری: ۱۱۱۱، ۱۱۱۲، البخاری: ۱۹۳۵، ۱۹۳۶، ابوداود: ۲۳۹۰ ـــ ۲۳۹۵، الترمذی: ۷۲۴، النسائی (الکبری): ۲۱۱/۲، ابن ماجۃ: ۱۶۷۱، احمد: ۲۰۸/۲، الدارقطنی: ۱۹۰/۲، ۱۹۱، مؤطا امام مالک: ۲۹۶/۱، ۲۹۷، الفروع: ۸۷/۳، فتح الباری: ۱۶۳/۴،

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

تمهید: ۷/۱۶۷، مجمع البحرین: ۳/۱۱۶، المقصد العلیٰ: ۵۲۰، ابن خزیمة: ۳/۲۲۴، معرفة السنن والآثار: ۳/۳۷۱-۳۷۵

۶۶۷: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ ایک شخص نے نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا، یارسول اللہ ﷺ! میں ہلاک ہو گیا ہوں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: "تجھے کس چیز نے ہلاک کر دیا؟" اس نے عرض کیا، میں رمضان میں اپنی بیوی سے جماع کر چکا ہوں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: "کیا تم ایک غلام آزاد کرنے کی طاقت رکھتے ہو؟" اس نے عرض کیا، نہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: "دو ماہ مسلسل روزے رکھ سکتے ہو؟" اس نے عرض کیا نہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: "کیا تم ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلا سکتے ہو؟" اس نے کہا، نہیں۔ پھر وہ بیٹھ گیا، اسی دوران نبی ﷺ کی خدمت میں ایک ٹوکرا کھجوروں کا پیش کیا گیا تو آپ ﷺ نے اسے فرمایا: "یہ ٹوکرا صدقہ کرو۔" اس نے عرض کیا، کیا خود سے زیادہ محتاج پر؟ (خرچ کروں) ان دونوں پہاڑوں کے درمیان مجھ سے زیادہ کوئی گھرانہ محتاج نہیں۔ چنانچہ نبی کریم ﷺ خوب مسکرائے، یہاں تک کہ آپ ﷺ کی داڑھیں ظاہر ہو گئیں، پھر آپ ﷺ نے فرمایا: "جاؤ اپنے گھر والوں کو کھلا دو۔" اسے ساتوں نے بیان کیا ہے، مذکورہ الفاظ مسلم کے ہیں۔

لغوی تحقیق: وقعت علی امراتی: میں اپنی بیوی پر گر پڑا ہوں، یہ جماع سے کنایہ ہے، یعنی میں اپنی بیوی سے جماع کر بیٹھا ہوں۔ رقبة: گردن، اس سے مراد غلام یا لونڈی ہے۔ عرق: عین اور راء مفتوح، اتنا بڑا ٹوکرا جس میں پندرہ صاع کھجوروں کی گنجائش ہو۔ تمر: کھجور۔ افقر: ہمزہ مفتوح اور فاء ساکن، زیادہ محتاج۔ لا بتیها: یہ لابة کا تثنیہ ہے، نون تثنیہ اضافت کی وجہ سے ساقط ہو گیا ہے، یعنی دو حرے۔ کہتے ہیں کہ یہ دونوں حرے مدینے کی شرقاً اور غرباً واقع ہیں۔ انیاب: یہ ناب کی جمع ہے یعنی وہ دانت جو رباعی سے ملحق ہیں۔ اوپر نیچے کے سامنے والے دو دو دانتوں کو ثنایا کہتے ہیں، ثنایا کے اطراف والے چاروں کو رباعی کہتے ہیں رباعی کے ساتھ والے چاروں دانتوں کو انیاب اور دیگر کو اضراس کہتے ہیں۔

تشریح: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے یہ حدیث متعدد طرق سے مروی ہے، زیر مطالعہ طریق میں جماع کے ساتھ روزہ توڑنے کا کفارہ، غلام کو آزاد کرنا بتایا گیا ہے اور عدم استطاعت کی صورت میں دو مہینوں کے مسلسل روزے رکھنے کا حکم ہے اور عدم استطاعت کی صورت میں ساٹھ مسکینوں کو کھانا دینے کا حکم ہے۔ اور اس میں توڑے ہوئے روزے کی قضا کا حکم مذکور نہیں ہے۔ جن اہل علم نے اس حدیث کو اختیار کیا ہے، ان کا کہنا ہے کہ یہ کفارہ صرف اس شخص پر لازم ہے جو جماع کے ذریعے روزہ توڑتا ہے، اور جو شخص خورد و نوش کے ذریعے روزہ توڑتا ہے اس کیلئے یہ کفارہ نہیں۔

نیز اس حدیث سے ان حضرات نے یہ استدلال بھی کیا ہے کہ جماع کے ساتھ روزہ توڑنے والے کو اولاً غلام آزاد کرنا چاہیے، عدم استطاعت کی صورت میں روزے اور آخری صورت میں مسکین کو کھانا دینا ہے۔

امام مالک، ابن جریج اور یحییٰ بن سعید کے طریق سے مروی حدیث ابی ہریرہ میں مطلق رمضان کا روزہ توڑنے کا ذکر ہے، یعنی اس میں جماع کی صراحت نہیں۔ نیز اس میں مذکور ہے کہ اسے تینوں میں سے کسی ایک کا اختیار دیا گیا تھا۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی حدیث میں ہے کہ اس شخص نے کہا، میں جل گیا ہوں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: "وہ کیسے؟" اس نے عرض کیا، میں نے رمضان میں دن کے وقت اپنی بیوی سے جماع کیا لیا ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: "صدقہ کر۔"

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی حدیث میں ہے کہ اس شخص نے عرض کیا، میں نے رمضان کا ایک روزہ چھوڑ دیا ہے، آپ ﷺ نے فرمایا: "کیا سفر یا کسی اور عذر کے بغیر؟" اس نے عرض کیا، جی ہاں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: "تو نے برا کیا۔" اس نے عرض کیا،

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

جی ہاں۔لیکن اب میرے لئے کیا حکم ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا:" غلام آزاد کر۔" اس نے عرض کیا، اس ذات کی قسم جس نے آپ ﷺ کو حق دیکر مبعوث فرمایا، میں کبھی بھی غلام کا مالک نہیں رہا۔آپ ﷺ نے فرمایا:" دو مہینوں کے مسلسل روزے رکھ۔" اس نے عرض کیا، میں اس کی طاقت نہیں رکھتا۔آپ ﷺ نے فرمایا:" ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلا۔"

ان روایات کے سیاق سے یہ واضح ہوتا ہے کہ یہ تمام روایات ایک ہی وقعہ سے متعلق ہیں اور ان میں بظاہر جو اختلاف نظر آ رہا ہے یہ محض تطویل واختصار کی وجہ سے ہے یعنی جن روایات میں میں جماع کے ساتھ روزہ توڑنے کا ذکر نہیں وہ مختصر ہیں۔

زیر مطالعہ طریق میں ؛**بعرق فیه تمر** ؛ کی تفسیر **المکتل** سے کی گئی ہے، جبکہ ایک دوسرے طریق میں ہے کہ اس ٹوکرے میں تقریباً پندرہ صاع 37.5 کلو کھجوریں تھیں۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ایک طریق میں دو ٹوکروں کا ذکر ہے اور ایک طریق میں ہے کہ ایک مکتل پیش کیا گیا، جسے عرق کہا جاتا ہے۔ نیز اس میں کھجوروں کی بجائے طعام مذکور ہے۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی حدیث میں ہے کہ نبی کریم ﷺ کی خدمت میں کھجوروں کا ایک مکتل پیش کیا گیا۔

اس تعارض کو دور کرنے کیلئے بعض اہل علم نے لکھا ہے کہ یہ اختلاف مختلف واقعات پر دلالت کرتا ہے۔امام بیہقی نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی اس طریق کو راجح قرار دیا ہے، جس میں ایک ٹوکرے کا ذکر ہے، جبکہ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے فتح الباری میں اس تعارض کو بہت ہی خوبصورت انداز میں حل فرمایا ہے، وہ فرماتے ہیں کہ وہ کھجوریں تو ایک ہی ٹوکرا تھیں، مگر لانے والے نے اپنی سہولت کیلئے اسے دو ٹوکروں میں ڈال کر اپنے جانور پر رکھا تھا۔حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ایک طریق میں ہے کہ آپ ﷺ نے اس شخص سے کہا" اس روزے کی قضا دو اور اللہ سے معافی طلب کرو۔"

ابن مفلح نے ؛**الفروع**؛ میں اس حدیث کی سند کو جید کہا ہے اور علامہ ناصر الدین البانی نے صحیح کہا ہے، جبکہ دیگر ماہرین فن نے اس روایت کو ہشام بن سعد کی وجہ سے ضعیف قرار دیا ہے۔امام ابوزرعہ نے تو ہشام بن سعد پر سخت نقد کیا ہے، لیکن دیگر کے نزدیک ہشام بن سعد کی ان مرویات میں نظر ہے، جو وہ امام زہری سے نقل کرتا ہے۔حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ امام **البزار**، امام ابن خزیمہ اور امام ابوداؤد کا کہنا ہے کہ اس حدیث میں ہشام بن سعد سے خطا ہوئی ہے۔علامہ ابن عبدالبر فرماتے ہیں کہ ہشام بن سعد کی وہ مرویات حجت نہیں جو وہ ابن شہاب سے نقل کرتا ہے۔حافظ عبدالحق اشبیلی فرماتے ہیں کہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی وہ طریق زیادہ مشہور اور صحیح ہے جو امام مسلم نے روایت کیا ہے اور اس میں روزہ رکھنے کا ذکر نہیں۔

ان الفاظ کے نقل کرنے میں ہشام بن سعد کی متابعت صالح بن ابی الاخضر، ابن ابی اویس اور عبدالجبار بن عمر نے بھی کی ہے لیکن پھر بھی اہل فن نے اسے قبول نہیں کیا۔حافظ ابن قیم فرماتے ہیں کہ یہ چار ہیں۔ جبکہ ان کی مخالفت کرنے والے چالیس ہیں اور وہ تعداد میں زیادہ ہونے کے ساتھ ساتھ ان سے زیادہ ثقہ ہیں۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی روایت میں بھی یہ الفاظ مذکور ہیں، مگر یہ روایت حجاج بن ارطاۃ کی وجہ سے ضعیف ہے۔علامہ ابن عبدالبر فرماتے ہیں کہ ایسے روزے کی قضا کا حکم اگرچہ صحیح حدیث سے ثابت نہیں، تاہم قیاس اس امر کا متقاضی ہے کہ ایسے روزے کی قضا لازم ہے۔

سعید بن مسیّب نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے جو روایت نقل کی ہے اس میں ہے کہ اس ٹوکرے میں بیس صاع کھجوریں تھیں۔ حافظ

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ابن حجر رحمہ اللہ اس تعارض کو دور کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ جن حضرات کا یہ کہنا ہے کہ اس میں بیس صاع کھجوریں تھیں انہوں نے ان ٹوکروں میں موجود اصل مقدار بتائی ہے اور جنہوں نے پندرہ صاع کہا ہے انہوں نے کفارے کا لحاظ رکھا ہے کیونکہ دارقطنی میں یہ صراحتاً مذکور ہے کہ ساٹھ مسکینوں کو کھانا دو اور ایک مسکین کا کھانا ایک مد ہے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ایک طریق میں ہے کہ اس آدمی نے رمضان میں کچھ کھا لیا تھا۔ یہ روایت ابو محشر نجیح بن عبدالرحمٰن کی وجہ سے ضعیف ہے۔

حضرت سعید بن مسیّب سے مروی مرسل روایت میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "کیا تو غلام آزاد کرنے کی طاقت رکھتا ہے؟" اس نے عرض کیا، نہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "کیا تو ایک اونٹ قربان کر سکتا ہے؟" اس نے عرض کیا، نہیں۔

یہ روایت عطاء بن عبداللہ الخراسانی کی وجہ سے ضعیف ہے، موصوف کو اگرچہ امام یحییٰ بن معین، امام ابو حاتم اور امام نسائی نے ثقہ کہا ہے لیکن چونکہ اس سے خطائے کثیر سرزد ہوئی ہیں اور اس کی یہ روایت ثقات حفاظ کے خلاف بھی ہے۔ اس کی تائید اگرچہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی روایت سے بھی ہوتی ہے مگر وہ روایت مقتل بن سلیمان اور حارث بن عبیدہ کی وجہ سے سخت ضعیف ہے۔

فقہی احکام: (۱) جو شخص رمضان اور غیر رمضان میں فرضی روزہ جماع کر کے توڑ دیتا ہے، اس پر کفارہ لازم ہے۔ (۲) کفارے کی ادائیگی میں حدیث میں مذکور ترتیب کا لحاظ رکھا جائے۔ (۳) مساکین کو کھانا کھلایا جا سکتا ہے اور انہیں خشک راشن بھی دیا جا سکتا ہے۔ (۴) بہتر یہ ہے کہ اس روزے کے بدلے ایک روزہ بھی رکھ لیا جائے۔ (۵) تنگدستی کی صورت میں کفارہ مؤخر بھی کیا جا سکتا ہے۔ (۶) معاشرے میں اگر ایک ہی شخص مستحق ہو تو پھر ایک من اناج اسی کو بھی دیا جا سکتا ہے۔

۶۲۸: وَعَنْ عَائِشَةَ وَأُمِّ سَلَمَةَ رضی اللہ عنہما أَنَّ النَّبِيَّ صلی اللہ علیہ وسلم كَانَ يُصْبِحُ جُنُبًا مِنْ جِمَاعٍ ,ثُمَّ يَغْتَسِلُ وَيَصُومُ. مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ. زَادَ مُسْلِمٌ فِي حَدِيثِ أُمِّ سَلَمَةَ ، وَ لَا يَقْضِي.

البخاری، کتاب الصوم، باب الصائم یصبح جنباً: ۱۹۲۵، ۱۹۲۶، مسلم: ۱۱۰۹، ابوداود: ۲۳۸۸، الترمذی: ۷۸۳، النسائی فی الکبری: ۱۸۳/۲، البیھقی: ۸۰۸۲، الدارمی: ۱۲/۲، عبدالرزاق: ۱۸۰/۴، احمد: ۳۶/۶، مؤطا امام مالک: ۲۹۱/۱

۶۲۸: حضرت عائشہ اور حضرت اُم سلمہ رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم صبح کے وقت جماع کرنے کی وجہ سے جنبی ہوتے، غسل فرماتے اور روزہ رکھ لیتے (بخاری و مسلم) امام مسلم نے حدیث ام سلمہ میں یہ الفاظ بھی مزید نقل کئے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم قضا نہیں دیتے تھے۔

تشریح: یہ حدیث ابو بکر بن عبدالرحمٰن سے متعدد طرق سے مروی ہے، ان تمام طرق کو جمع کرنے سے یہ حدیث مکمل ہوتی ہے، مکمل حدیث کا مفہوم اس طرح ہے کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے یہ فتویٰ دیا کہ جو شخص صبح کاذب کے آخری لمحات میں جماع کرے اس کا کوئی روزہ نہیں۔ مروان بن حکم نے عبدالرحمٰن بن حارث سے کہا کہ وہ حضرت عائشہ اور حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہما کے پاس جائے اور ان سے اس بارے میں دریافت کرے۔ انہوں نے ان دونوں کی خدمت میں حاضر ہو کر دریافت کیا تو دونوں امہات المؤمنین نے ایک دوسری سے ملتا جلتا جواب دیا۔ یعنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی بیویوں سے جماع کرنے کی حالت میں صبح کرتے، پھر غسل کر کے روزہ رکھ لیتے، حضرت عبدالرحمٰن بن حارث رضی اللہ عنہ نے امہات المؤمنین کے اس جواب سے جب حضرت مروان بن حکم کو آگاہ کیا تو انہوں نے عبدالرحمٰن بن حارث کو قسم دے کر کہا کہ وہ اس جواب سے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کو ضرور آگاہ کرے، حضرت عبدالرحمٰن بن حارث رضی اللہ عنہ کی ملاقات حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے ذوالحلیفہ پر ہوئی تو انہوں نے نہایت ادب سے انہیں امہات المؤمنین کے جواب سے آگاہ کیا۔ اس پر حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ مجھے

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

یہ بات فضل بن عباس نے بتائی تھی لیکن امہات المؤمنین اس مسئلہ کے بارے میں زیادہ علم رکھتی ہیں۔

فقہی احکام: (۱) رات کے آخری حصہ میں بھی جماع کیا جا سکتا ہے۔ (۲) اگر سحری کیلئے وقت تنگ ہو تو پھر غسل کرنے سے پہلے سحری کھالی جائے اور بعد میں غسل کر لیا جائے۔ (۳) غسل جنابت صبح صادق کے طلوع ہونے کے بعد کرنے سے بھی روزہ ہو جاتا ہے۔ (۴) مفتی کو اگر یہ علم ہو جائے کہ اس کا فتویٰ کتاب وسنت کے خلاف ہے تو اسے فوراً رجوع کر لینا چاہیے۔

۶۶۹: وَعَنْ عَائِشَةَ رضی اللہ عنہا أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صلی اللہ علیہ وسلم قَالَ " مَنْ مَاتَ وَعَلَيْهِ صِيَامٌ صَامَ عَنْهُ وَلِيُّهُ " مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ.

البخاری، باب من مات و علیه صوم: ۱۹۵۲، ۱۹۵۳، مسلم: ۱۱۴۷، ابوداود: ۲۴۰۰، ۲۴۰۱، احمد: ۶/ ۶۹، ابن خزیمة: ۲۰۵۲، الدارقطنی: ۲/۱۹۴، ۱۹۵، البیهقی: ۴/۲۵۴، الترمذی: ۷۱۹، ابن ماجة: ۱۷۵۷، عبدالرزاق: ۴/۲۳۷

۶۶۹: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "جو شخص اس حال میں فوت ہو جائے کہ اس پر روزے لازم ہوں تو اس کی طرف سے اس کا ولی روزے رکھے۔" (بخاری ومسلم)

تشریح: جو شخص فوت ہو جائے اور اس پر رمضان یا نذر وغیرہ کے روزے ہوں، آیا اس کی طرف سے اس کے وارث روزے رکھیں یا مساکین کو کھانا دیں؟ اہل علم کے ایک گروہ کا کہنا ہے کہ میت کی طرف سے روزے بھی رکھے جا سکتے ہیں اور مساکین کو کھانا بھی کھلایا جا سکتا ہے۔ مذکورہ حدیث اس کے موقف کے درست ہونے کی صحیح وصریح دلیل ہے۔ نیز حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی مرفوع حدیث بھی ان کے مؤقف کی مؤید ہے۔ جبکہ دوسرے گروہ کا کہنا ہے کہ میت کی طرف سے اس کے ورثاء روزے نہیں رکھ سکتے، وہ صرف مساکین کو کھانا دینے کے مکلّف ہیں۔ یہ حضرات اپنے موقف کی تائید میں حضرت عائشہ اور حضرت عبداللہ بن عباس اور حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہم کے فتاوے نقل کرتے ہیں۔

مؤلف رحمۃ اللہ علیہ فتح الباری میں فرماتے ہیں کہ حضرت عائشہ اور حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہم سے مروی آثار میں کلام ہے یعنی اہل علم نے انہیں ضعیف قرار دیا ہے۔ جبکہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی مرفوع حدیث اشعث بن سوار کی وجہ سے ضعیف ہے، البتہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی موقوف روایت صحیح ہے۔

ایک گروہ کا کہنا ہے کہ اگر میت پر رمضان کے روزے ہیں تو ان کے بدلے میں مساکین کو کھانا دیا جائے اور اگر نذر کے ہیں تو پھر اس کی طرف سے اس کے ورثا روزے رکھیں گے۔ یہ حضرات حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی مرفوع حدیث اور ان کا فتوی کے مابین جو تعارض ہے، ان کے درمیان مطابقت پیدا کرنے کیلئے ایسا کرتے ہیں۔ اہل ظواہر کے نزدیک میت کی طرف سے روزے رکھنے ضروری ہیں۔ وہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی مرفوع حدیث کے ظاہری الفاظ سے دلیل پکڑتے ہیں۔

ایک گروہ کا خیال ہے کہ اگر مریض رمضان ہی میں فوت ہو گیا یا صحت یاب ہوئے بغیر رمضان میں فوت ہو گیا تو اس کی طرف سے قضا لازم نہیں۔ البتہ اگر وہ رمضان کے بعد صحت یاب ہو گیا اور اس نے روزے نہیں رکھے تب اس کی طرف سے مساکین کو کھانا دیا جائے گا۔ یہ حضرت عبادہ رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث کو بطور دلیل بیان کرتے ہیں۔ لیکن یہ روایت حجاج بن ارطاۃ کی وجہ سے ضعیف ہے۔

فقہی احکام: (۱) حج کی طرح روزے میں بھی نیابت جائز ہے۔ (۲) میت کی طرف سے اس کا کوئی عزیز روزہ رکھا سکتا ہے۔ (۳) میت کی طرف سے اس کے روزے کا فدیہ بھی دیا جا سکتا ہے۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

۲۔ بَابُ صَوْمِ التَّطَوُّعِ وَمَا نُهِيَ عَنْ صَوْمِهِ
نفلی روزے اوران ایام کا بیان جن میں روزے رکھنے سے منع کیا گیا ہے

۶۷۰: عَنْ أَبِي قَتَادَةَ الْأَنْصَارِيِّ رضی اللہ عنہ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صلی اللہ علیہ وسلم سُئِلَ عَنْ صَوْمِ يَوْمِ عَرَفَةَ .قَالَ " يُكَفِّرُ السَّنَةَ الْمَاضِيَةَ وَالْبَاقِيَةَ " وَسُئِلَ عَنْ صِيَامِ يَوْمِ عَاشُورَاءَ .فَقَالَ " يُكَفِّرُ السَّنَةَ الْمَاضِيَةَ " وَسُئِلَ عَنْ صَوْمِ يَوْمِ الِاثْنَيْنِ, فَقَالَ " ذَاكَ يَوْمٌ وُلِدْتُ فِيهِ ,وَبُعِثْتُ فِيهِ ,أَوْ أُنْزِلَ عَلَيَّ فِيهِ " رَوَاهُ مُسْلِمٌ.

مسلم، كتاب الصيام، باب استحباب صيام ثلاثة ايام من كل شهر و صوم يوم عرفة و عاشوراء و الاثنين و الخميس: ۱۱۶۲، ابوداود: ۲۴۲۵ ، ۲۴۲۶، ابن ماجة: ۱۷۳۰ ، الترمذی: ۷۵۳، احمد: ۳۰۸/۵، شرح معانی الآثار: ۷۲/۲، البیهقی: ۲۸۶/۴، البخاری: ۲۰۰۶ ، مسندالبزار: ۴۰۶/۱، المقصد العلیٰ: ۵۳۶، ابن حبان: ۳۶۲۶، ۳۶۳۱، ۳۶۳۲

۶۷۰: حضرت ابوقتادہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یوم عرفہ کے روزے کے متعلق دریافت کیا گیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "یہ گزشتہ اور آئندہ سال کے گناہ مٹا دیتا ہے۔" پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے عاشورا کے روزے کے بارے میں دریافت کیا گیا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "یہ گزشتہ سال کے گناہ مٹا دیتا ہے۔" اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے پیر کے دن کے روزے کے بارے میں پوچھا گیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "اس دن میری پیدائش ہوئی، اسی دن مجھے نبوت سے سرفراز کیا گیا اور اسی روز مجھ پر قرآن نازل کیا گیا۔" (مسلم)

لغوی تحقیق: **یوم عرفة**: عرفہ کا دن، یعنی ذی الحجہ کی نویں تاریخ، اس دن کو یوم عرفہ سے اس لئے تعبیر کیا گیا ہے کہ اس تاریخ کو حجاج میدان عرفات میں جمع ہوتے ہیں۔

تشریح: حضرت ابوقتادہ رضی اللہ عنہ سے یہ حدیث امام مسلم نے مختلف طرق سے نقل کی ہے، جبکہ مؤلف رحمہ اللہ نے امام مسلم کے دو طرق کو جمع کر کے یہ حدیث درج کی ہے۔ اس حدیث میں تین قسم کے نفلی روزوں کی فضیلت بیان ہوئی ہے اور یہ فضیلت آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دیہاتی کے سوال کے جواب میں بیان فرمائی تھی، نفلی روزوں میں سب سے زیادہ فضیلت یوم عرفہ کے روزے کی ہے اور جس روایت میں یوم عاشورہ کے روزے کی زیادہ فضیلت بیان ہوئی ہے، اس روایت کے رواۃ اگرچہ ثقہ ہیں، لیکن وہ روایت سند اور متن کے اعتبار سے مقلوب ہے۔ جیسا کہ مؤلف رحمہ اللہ نے المطالب العالیہ میں تصریح کی ہے۔

نیز ابوسعید خدری سے مروی حدیث بھی اس کی مؤید ہے یعنی وہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "جو شخص یوم عرفہ کا روزہ رکھتا ہے اس کے ایک سال کے سابقہ اور ایک سال کے آئندہ کے گناہ معاف کر دیئے جاتے ہیں اور جو شخص یوم عاشوراء کا روزہ رکھتا ہے اس کے ایک سال کے گناہ معاف کر دیے جاتے ہیں۔" یہ روایت حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے متعدد طرق سے مروی ہے اور یہ تمام طرق معلول ہیں۔

اس کی مؤید ایک روایت حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما سے بھی منقول ہے وہ کہتے ہیں کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہوتے تھے اور یوم عرفہ کے روزے کو دو سال کے روزوں کے برابر خیال کرتے تھے۔ علامہ ہیثمی نے اس روایت کو حسن قرار دیا ہے۔

حضرت سہل بن سعد اور حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہم سے مروی احادیث بھی اس کی مؤید ہیں۔ نفلی روزوں میں دوسرا درجہ یوم

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

عاشوراء کے روزے کو حاصل ہے، یہ روزہ رحمت عالم ﷺ قبل از ہجرت بھی رکھا کرتے ہیں۔لیکن اس دور میں آپ ﷺ صحابہ کو اس روز کا روزہ رکھنے کی تاکید نہیں فرماتے تھے۔البتہ اس روز کا روزہ قریش کے غیر مسلم افراد بھی رکھا کرتے تھے۔مؤلف رحمہ اللہ نے فتح الباری میں نقل کیا ہے کہ حضرت عکرمہ رضی اللہ عنہ سے دریافت کیا گیا کہ قریش اس روز کا روزہ کیوں رکھتے تھے؟ انہوں نے کہا کہ قریش سے ایک بڑا گناہ سرزد ہو گیا تھا جس پر انہیں اس روز کا روزہ رکھنے کا مشورہ دیا گیا تھا۔

آپ ﷺ جب مکہ چھوڑ کر مدینہ پہنچے تو آپ ﷺ نے یہود کو اس روز کا روزہ رکھتے دیکھ کر اس کا سبب دریافت کیا تو انہوں نے کہا کہ اس تاریخ کو اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کو ان کے دشمن فرعون سے نجات دی تھی، جس کی وجہ سے حضرت موسیٰ علیہ السلام اس روز کا روزہ بطور شکرانہ کے رکھا کرتے تھے۔اس پر آپ ﷺ نے فرمایا:"میں تمہارے مقابلے میں موسیٰ کا زیادہ قریبی ہوں۔" چنانچہ آپ ﷺ نے اس روز کا خود بھی روزہ رکھا اور صحابہ کو بھی روزہ رکھنے کا حکم فرمایا۔

ایک روایت میں ہے کہ یہود اس دن عید منایا کرتے تھے، جبکہ آپ ﷺ نے صحابہ کو روزہ رکھنے کا حکم دیا، ان دونوں احادیث سے یہ معلوم ہوا کہ اس وقت مدینہ میں یہود کے کم از کم دو فرقے موجود تھے، ایک فرقہ اس دن کا روزہ رکھتا تھا جب کہ دوسرا جشن مناتا تھا اور آپ ﷺ نے اپنے ساتھیوں کو روزہ رکھنے کا حکم دیا اور اسی سال رمضان کے روزے فرض ہوئے۔رمضان کے روزے فرض ہونے پر اس روزے کا تاکیدی حکم واپس لے لیا گیا، البتہ خود آپ ﷺ گیارہ ہجری تک اس روز کا روزہ نہایت اہتمام سے رکھتے رہے۔حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:"اگر میں آئندہ سال زندہ رہا تو میں نو محرم کا روزہ رکھوں گا۔"

پیر کا روزہ رکھنے کا سبب آپ ﷺ نے یہ بتایا کہ یہ میرا یوم ولادت ہے اور اسی دن مجھ پر وحی کا آغاز ہوا، حضرت عائشہ، حضرت ابو ہریرہ اور اسامہ بن زید رضی اللہ عنہم سے مروی حدیث میں مذکور ہے کہ آپ ﷺ سے پیر اور جمعرات کے دن روزہ رکھنے کا سبب دریافت کیا گیا تو آپ ﷺ نے فرمایا:"اس دن اللہ کے بندوں کے اعمال اللہ کے حضور پیش کئے جاتے ہیں۔" ان احادیث کے صحت وسقم کے بارے میں اہل علم میں اختلاف پایا جاتا ہے۔

فقہی احکام: (۱) نو ذی الحجۃ کا روزہ رکھنا غیر حجاج کیلئے مسنون ہے۔(۲) تنہا دس محرم کا روزہ رکھنا درست نہیں البتہ فقط نو محرم کا روزہ رکھا جا سکتا ہے۔(۳) پیر اور جمعرات کا روزہ رکھنا مسنون ہے۔

۶۷۱: وَعَنْ أَبِي أَيُّوبَ الْأَنْصَارِيِّ رضی اللہ عنہ أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ " مَنْ صَامَ رَمَضَانَ ,ثُمَّ أَتْبَعَهُ سِتًّا مِنْ شَوَّالٍ كَانَ كَصِيَامِ الدَّهْرِ " رَوَاهُ مُسْلِمٌ.

مسلم، كتاب الصيام، باب استحباب صوم ستة ايام من شوال اتباعاً لرمضان: ١١٦٤، ابو داود: ٢٤٣٣، الترمذی: ٧٦٣، ابن ماجة: ١٧١٥، ١٧١٦، احمد: ٤١٧/٥، الدارمی: ٢١/٢، البيهقی: ٢٩٢/٤، ابن خزيمة: ٢١١٤، النسائی الكبرىٰ: ١٦٢/٢، المسند البزار: ١٠٦٢، المعجم الاوسط للطبرانی: ٣٢١٦، ٤٦٣٧، ٤٦٣٩، ٤٩٧٦، ٨٦١٧، ٨٩٧٤

۶۷۱: حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:"جس نے رمضان کے روزے رکھنے کے بعد شوال کے چھ روزے رکھے، وہ صائم الدھر ہونے کے مترادف ہے۔"(مسلم)

تشریح: حضرت ابو ایوب رضی اللہ عنہ سے یہ حدیث مختلف طرق سے مروی ہے، امام حمیدی نے اس روایت کے موقوف طریق کو صحیح کہا ہے، جبکہ امام مسلم کے نزدیک اس روایت کا مرفوع ہونا صحیح ہے، اور یہی راجح ہے، کیونکہ یہ حدیث حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ سے بھی مرفوعاً منقول ہے،

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

اوراس کے تمام رواۃ ثقہ ہیں۔ نیز حضرت ابو ہریرہ، حضرت عبداللہ بن عباس، حضرت جابر اور حضرت انس رضی اللہ عنہم سے ضعیف اسناد سے مرفوعاً منقول ہے۔ بعض احادیث میں صام الدھر اور بعض میں صام السنة کلھا کے الفاظ ہیں اور حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی حدیث میں ہے کہ جس نے رمضان کے روزے رکھے اور شوال کے چھ روزے رکھے، وہ گناہوں سے پاک ہو گیا۔

فقہی احکام: شوال کے چھ روزے مسنون ہیں اور یہ روزے شوال کے کسی بھی حصہ میں مسلسل یا وقفے سے رکھے جا سکتے ہیں۔

٦٧٢: وَعَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ رضی اللہ عنہ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ "مَا مِنْ عَبْدٍ يَصُومُ يَوْمًا فِي سَبِيلِ اللَّهِ إِلَّا بَاعَدَ اللَّهُ بِذَلِكَ الْيَوْمِ وَجْهَهُ عَنِ النَّارِ سَبْعِينَ خَرِيفًا" مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ, وَاللَّفْظُ لِمُسْلِمٍ.

مسلم، کتاب الصیام، باب فضل الصیام فی سبیل اللہ لمن یطیقه بلا ضرر ولا تفویت حق: ١١٥٣، البخاری: ٢٨٤٠، النسائی: ١٧٣/٤، ابن ماجة: ١٧١٧، المعجم الکبیر للطبرانی: ٧٨٤٢، المعجم الاوسط للطبرانی: ٢١٩٤، ٣٢٦٧، ٣٢٧٣، ٣٥٩٨، ٤٨٣٣، ٦٢٧١، ٨٥٠٨، المقصد العلیٰ: ٥٣٢، الترمذی: ١٦٨٨، ١٦٩٠، احمد: ٨٣/٣، ابن حبان: ٣٤١٧

٦٧٢: حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "کوئی شخص ایسا نہیں کو اللہ کی راہ میں ایک روزہ رکھتا ہے مگر اللہ تعالیٰ اس کے چہرے کو آگ سے ستر سال کی مسافت کے برابر دور کر دیتا ہے۔" (بخاری و مسلم) مذکورہ الفاظ مسلم کے ہیں۔

تشریح: حضرت جابر بن عبداللہ اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہم سے مروی احادیث میں بھی ستر سال کی مسافت کا ذکر ہے، اسی طرح کی ایک روایت حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ سے کئی طرق سے منقول ہے، ترمذی میں مروی روایت میں ہے کہ جس شخص نے اللہ کی راہ میں ایک روزہ رکھا، اللہ تعالیٰ اس کے اور جہنم کے مابین زمین وآسمان کے درمیانی فاصلے کے برابر خندق قائم کر دے گا، جبکہ طبرانی کی روایت میں ہے کہ اللہ تعالیٰ ایسے شخص کو سو سال کی مسافت کے برابر جہنم سے دور کر دے گا۔ عمرو بن عنبسہ رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث میں بھی سو سال کی مسافت کا ذکر ہے۔

حضرت ابو درداء اور حضرت جابر رضی اللہ عنہما سے مروی احادیث میں ہے کہ جو شخص اللہ کی راہ میں ایک روزہ رکھے گا اللہ تعالیٰ اس کے اور آگ کے مابین زمین آسمان کی مسافت کے برابر خندق حائل کر دے گا۔

حضرت معاذ رضی اللہ عنہ سے مروی روایت میں ہے کہ ایسے شخص کو جہنم سے اتنا دور کر دے گا، جتنا فاصلہ ایک تیز رفتار گھوڑا سو سال میں طے کرتا ہے۔ واضح رہے کہ صحیحین کی روایت کے علاوہ باقی روایات میں سے کچھ ضعیف بھی ہیں، البتہ یہ سب روایات مل کر ایک دوسری کو تقویت دیتی ہیں۔ اس صورت میں ستر کے عدد سے مراد کثرت ہوگی اور فی سبیل اللہ سے مراد سفر جہاد ہے۔

فقہی احکام: سفر جہاد میں نفلی روزہ رکھنا جائز ہے البتہ اگر روزہ جہاد میں رکاوٹ بن رہا ہو تو پھر روزہ نہ رکھنا زیادہ بہتر ہے۔

٦٧٣: وَعَنْ عَائِشَةَ رضی اللہ عنہا قَالَتْ كَانَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ يَصُومُ حَتَّى نَقُولَ لَا يُفْطِرُ, وَيُفْطِرُ حَتَّى نَقُولَ لَا يَصُومُ, وَمَا رَأَيْتُ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ اِسْتَكْمَلَ صِيَامَ شَهْرٍ قَطُّ إِلَّا رَمَضَانَ, وَمَا رَأَيْتُهُ فِي شَهْرٍ أَكْثَرَ مِنْهُ صِيَامًا فِي شَعْبَانَ. مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ، وَاللَّفْظُ لِمُسْلِمٍ.

مسلم، کتاب الصیام، باب صیام النبی ﷺ فی غیر رمضان: ١١٥٦، ١١٥٧، البخاری: ١٩٦٩، ابوداود: ٢٤٣٤، البیهقی: ٢٩٢/٤، النسائی: ١٥١/٤، ٢٠٠، ٢٠٧/٣، احمد: ٣٩/٦، ٢٣٣/٦، المعجم الاوسط: ١٧٩٤، ٩٤١٨

٦٧٣: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ بسا اوقات اس قدر روزے رکھتے کہ ہم کہتے کہ آپ ﷺ کسی روز بھی روزہ

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ترک نہیں کریں گے، اور بسا اوقات اس قدر روزے ترک کرتے کہ ہم کہتے کہ آپ ﷺ اب کبھی روزہ نہیں رکھیں گے اور میں نے رسول اللہ ﷺ کو رمضان کے علاوہ کسی دوسرے مہینے کے مکمل روزے رکھتے نہیں دیکھا، نیز میں نے آپ ﷺ کو شعبان کے روزوں سے زیادہ روزے (کسی اور مہینے میں) رکھتے نہیں دیکھا۔ (بخاری و مسلم) مذکورہ الفاظ مسلم کے ہیں۔

تشریح: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی مذکورہ روایت کے پہلے حصہ کی تائید حضرت عبداللہ بن عباس اور ام سلمہ رضی اللہ عنہم سے مروی روایت سے بھی ہوتی ہے جبکہ شعبان کے روزوں سے متعلق بیان کی تائید حضرت ابوہریرہ اور حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما سے مروی روایات سے ہوتی ہے اور سہل بن سعد سے مروی روایت سے دونوں حصوں کی تائید ہوتی ہے۔ لیکن حضرت سہل اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہما سے مروی روایات ضعیف ہیں۔

فقہی احکام: شعبان کے مہینے میں کثرت سے روزہ رکھنا مسنون ہے البتہ نصف شعبان کے بعد روزے رکھنا مناسب نہیں۔

۶۷۴: **وَعَنْ أَبِي ذَرٍّ رضی اللہ عنہ قَالَ أَمَرَنَا رَسُولُ اللَّهِ ﷺ أَنْ نَصُومَ مِنَ الشَّهْرِ ثَلَاثَةَ أَيَّامٍ ثَلَاثَ عَشْرَةَ, وَأَرْبَعَ عَشْرَةَ وَخَمْسَ عَشْرَةَ. رَوَاهُ النَّسَائِيُّ, وَالتِّرْمِذِيُّ, وَصَحَّحَهُ ابْنُ حِبَّانَ.**

الترمذی، ابواب الصوم، باب ماجاء فی صوم ثلاثة ایام من کل شهر: ۷۶۴، النسائی: ۲۲۱/۴، ۲۲۲، ابن حبان: ۳۶۵۵، ۳۶۵۶، احمد: ۱۵۲/۵، عبدالرزاق: ۷۸۷۳، ابن خزیمة: ۲۱۲۸، مسلم: ۸۱۸/۲، البخاری: ۱۹۸۱، ابوداود: ۲۴۲۵، المعجم الاوسط: ۷۵۴۶، ۸۲۷۸، المطالب العالیة: ۱۱۲۵، ابن ماجة: ۱۷۰۷

۶۷۴: حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے ہمیں حکم فرمایا کہ ہم ہر ماہ کے تین روزے رکھیں، یعنی تیرہ چودہ اور پندرہ کے۔ اسے نسائی اور ترمذی نے روایت کیا ہے اور ابن حبان نے صحیح کہا ہے۔

تشریح: یہ حدیث حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے متعدد طرق سے منقول ہے، امام ترمذی نے اس حدیث کو حسن جبکہ امام ابن حبان اور امام ابن خزیمہ نے اسے اپنی اپنی صحیح میں ذکر کیا ہے۔ حضرت عائشہ، حضرت ابوہریرہ اور حضرت ابوقتادہ رضی اللہ عنہم سے مروی صحیح احادیث میں بھی ہر ماہ کے تینوں روزوں کی فضیلت مذکور ہے، البتہ ان روایات میں ایام بیض کی تحدید نہیں۔ جبکہ جریر بن عبداللہ، عبداللہ بن عمر، عمر بن خطاب سے مروی روایات میں ایام بیض کی تحدید ہے، مگر یہ روایات ضعیف ہیں۔ تاہم یہ روایات حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے مروی روایت کو تقویت فراہم کرتی ہیں، نیز حضرت قتادہ بن ملحان رضی اللہ عنہ سے مروی صحیح حدیث بھی اس کی مؤید ہے۔

فقہی احکام: چاند کی تیرہ، چودہ اور پندرہ کو ایام بیض کہا جاتا ہے، ان ایام کے روزہ رکھنا مسنون ہے۔

۶۷۵: **وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضی اللہ عنہ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ قَالَ "لَا يَحِلُّ لِلْمَرْأَةِ أَنْ تَصُومَ وَزَوْجُهَا شَاهِدٌ إِلَّا بِإِذْنِهِ" مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ, وَاللَّفْظُ لِلْبُخَارِيِّ وَزَادَ أَبُو دَاوُدَ "غَيْرَ رَمَضَانَ"**

البخاری، کتاب النکاح، باب لاتأذن المرأة فی بیت زوجها لاحد الا باذنه: ۵۱۹۵، مسلم: ۱۰۲۶، ابوداود: ۲۴۵۸، الترمذی: ۷۸۲، ابن ماجة: ۱۷۶۱، ابن خزیمة: ۲۱۶۸، عبدالرزاق: ۳۰۵/۴، احمد: ۴۷۶/۲، الحاکم: ۱۹۱/۴، ابن حبان: ۳۵۷۳

۶۷۵: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ بلاشبہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "جس عورت کا شوہر مقیم ہو اس کیلئے اس کی اجازت کے بغیر روزہ رکھنا درست نہیں۔" (بخاری و مسلم) مذکورہ الفاظ بخاری کے ہیں اور ابوداؤد نے "سوائے رمضان کے" الفاظ مزید نقل کیے ہیں۔

تشریح: مؤلف رحمہ اللہ نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی زیر مطالعہ حدیث کا فقط پہلا جز نقل کیا ہے، یہ حدیث حضرت ابوہریرہ

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

رضی اللہ عنہ سے متعدد طرق سے منقول ہے، ابوداؤد، احمد، ابن حبان اور حاکم نے مزید یہ صراحت بھی روایت کی ہے کہ یہ حکم نفلی روزوں کیلئے ہے۔

طبرانی کی روایت میں شوہر کی اجازت کے بغیر نفلی روزے رکھنے والی عورت کیلئے یہ وعید بھی مذکور ہے کہ ایسی عورت کے نامہ اعمال میں تین کبیرہ گناہ لکھ دیے جاتے ہیں۔ لیکن یہ روایت بقیہ بن ولید کے عنعنہ کی وجہ سے ضعیف ہے۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی روایت میں ہے کہ جو عورت اپنے شوہر کی اجازت کے بغیر نفلی روزہ رکھتی ہے وہ گناہ کا ارتکاب کرتی ہے۔ یہ روایت عطاء بن ابی رباح اور حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے مابین انقطاع اور لیث کے مبہم ہونے کی وجہ سے ضعیف ہے۔

فقہی احکام: (۱) ایسی عورت جس کا شوہر مقیم ہو وہ اس کی اجازت کے بغیر نفلی روزہ رکھنے کی مجاز نہیں۔

(۲) حقوق العباد کی ادائیگی نفلی عبادت پر مقیم ہے۔

۶۷۶: وَعَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ رضی اللہ عنہ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صلی اللہ علیہ وسلم نَهَى عَنْ صِيَامِ يَوْمَيْنِ يَوْمِ الْفِطْرِ وَيَوْمِ النَّحْرِ. مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ.

البخاری، کتاب الصوم، باب صوم یوم الفطر: ۱۹۹۰، ۱۹۹۱، مسلم: ۱۱۳۷، ۱۱۴۰، ابوداود: ۲۴۱۷، الترمذی: ۷۷۵، ابن ماجة: ۱۷۲۱، البیهقی: ۲۹۷/۴، ابن ابی شیبة: ۵۱۵/۲، احمد: ۶۰/۱، ۷۶، المقصد العلیٰ: ۵۴۳، ابن حبان: ۳۵۹۸۔ ۳۶۰۰

۶۷۶: حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دو دن کے روزے رکھنے سے منع فرمایا (یعنی) عیدالفطر اور قربانی کے روز کے۔ (بخاری و مسلم)

تشریح: زیر مطالعہ حدیث ابوسعید خدری سے متعدد طرق سے مروی ہے، ان کے علاوہ یہ حدیث حضرت عمر بن خطاب، حضرت عثمان، حضرت علی، حضرت عبداللہ بن عمر، حضرت عائشہ، حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہم سے بھی منقول ہے، جبکہ انس سے مروی حدیث میں پانچ دن یعنی یوم الفطر، یوم النحر اور ایام تشریق کے روزے رکھنے کی ممانعت بھی مذکور ہے۔ مگر یہ روایت محمد بن خالد بن عبداللہ کی وجہ سے ضعیف ہے۔ البتہ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث میں یہ مذکور ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ "یہ کھانے پینے کے ایام ہیں لہٰذا ان ایام کا کوئی روزہ نہ رکھے، یہ حدیث صحیح ہے۔

فقہی احکام: عیدالفطر اور ایام نحر میں روزے رکھنا ممنوع ہے۔

۶۷۷: وَعَنْ نُبَيْشَةَ الْهُذَلِيِّ رضی اللہ عنہ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صلی اللہ علیہ وسلم "أَيَّامُ التَّشْرِيقِ أَيَّامُ أَكْلٍ وَشُرْبٍ وَذِكْرٍ لِلَّهِ عزوجل" رَوَاهُ مُسْلِمٌ

مسلم، کتاب الصیام، باب تحریم صوم ایام تشریق: ۱۱۴۱، ۱۱۴۲، النسائی: ۱۷۰/۷، ابوداود: ۲۸۱۳، احمد: ۴۵۰/۳، ابن حبان: ۳۶۰۱، ۳۶۰۳، ابن ماجة: ۱۷۱۹، ۱۷۲۰، ابن ابی شیبة: ۲۱/۴، المعجم الکبیر: ۲۹۱/۱۷، ابن خزیمة: ۲۱۴۸، ۲۱۴۹، ۲۹۶۱، المعجم الاوسط: ۱۸۲۵، ۲۲۳۲، بیهقی: ۸۵۴۵، الحاکم: ۶۰۰/۱

۶۷۷: حضرت نبیشہ ہذلی رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "ایام تشریق خورد و نوش اور اللہ تعالیٰ کو یاد کرنے کے ایام ہیں۔" (مسلم)

لغوی تحقیق: نبیشة: نون مضموم، باء مفتوح اور یاء ساکن، ہذیل قبیلے کے صحابی رسول تھے۔ ایام تشریق: چاند کی گیارہ، بارہ اور تیرہ تواریخ

تشریح: اس مفہوم کی احادیث حضرت ابوہریرہ، حضرت کعب بن مالک، حضرت عبداللہ بن حذیفہ، حضرت معمر بن عبداللہ، حضرت عمرو بن العاص، حضرت بشر بن سحیم اور حضرت انس رضی اللہ عنہم سے بھی مروی ہیں، البتہ حضرت معمر بن عبداللہ اور حضرت انس رضی اللہ عنہما سے مروی احادیث ضعیف ہیں۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما سے مروی احادیث میں تو ان ایام کے روزے رکھنے کی ممانعت صراحتاً مذکور ہے، جبکہ حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث میں ایام تشریق کو بھی عید کے ایام کہا گیا ہے۔

٦٧٨: وَعَنْ عَائِشَةَ وَابْنِ عُمَرَ رضی اللہ عنہم قَالَا ،لَمْ يُرَخَّصْ فِي أَيَّامِ التَّشْرِيقِ أَنْ يُصَمْنَ إِلَّا لِمَنْ لَمْ يَجِدِ الْهَدْيَ. رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ

البخاری، کتاب الصوم، باب صیام ایام التشریق: ١٩٩٧، ١٩٩٨، البیھقی: ٨٥٥٠، الدارقطنی: ١٨٦/٢، شرح معانی الآثار: ٢٤٣/٢

٦٧٨: حضرت عائشہ اور حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہم نے بیان کیا کہ ایام تشریق میں روزے رکھنے کی اجازت نہیں دی گئی ماسوا اس شخص کے جسے قربانی کا جانور میسر نہ ہو۔ (بخاری)

تشریح: زیر مطالعہ حدیث میں ؛ لم یرخص ؛ مذکور ہوا ہے، لہٰذا اس روایت کے مرفوع یا موقوف ہونے کا احتمال موجود ہے، بعض حضرات کے نزدیک یہ حدیث حکماً مرفوع ہے۔ ان حضرات کا کہنا ہے کہ صحابہ کرام جب اس قسم کا جملہ استعمال کرتے ہیں تو اس سے ان کی مراد اللہ یا رسول ﷺ ہی ہوتے ہیں۔ کیونکہ صحابہ کو کسی چیز کا حکم یا رخصت اللہ اور اس کے رسول ﷺ ہی دیتے تھے۔ نیز حضرت عائشہ اور حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہم سے مروی دیگر طرق بھی اس مفہوم کے مؤید ہیں۔ تفصیل درج ذیل ہے۔

(١) حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے متمتع کے بارے میں فرمایا: "جب وہ قربانی نہ پائے اور نہ اس نے یوم النحر سے قبل روزے رکھے ہوں، وہ ایام تشریق کے روزے رکھے۔ یہ روایت اگرچہ صراحتاً مرفوع ہے مگر یہ روایت یحییٰ بن سلام اور ابن ابی لیلیٰ کی وجہ سے ضعیف ہے۔

(٢) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے بیان کیا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا، آپ ﷺ فرما رہے تھے، جس کے پاس قربانی نہ ہو، وہ تین روزے یوم النحر سے قبل رکھے اور جو شخص یہ تین روزے ان تین ایام میں نہ رکھ سکے، وہ ایام تشریق کے روزے رکھے۔ یہ روایت یحییٰ بن ابی انیسہ کی وجہ سے سخت ضعیف ہے۔

جن حضرات کا کہنا ہے کہ یہ روایت موقوف ہے۔ ان کا خیال ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمر اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہم نے یہ استنباط قرآنی آیت سے کیا ہے۔ اگر ایسا ہی ہے تو پھر ان فتوں کی بنیاد پر ایام تشریق میں روزے رکھنے روا نہیں، کیونکہ صحیح احادیث میں اس کی ممانعت موجود ہے۔ اگر یہ روایت حکماً مرفوع ہے تو پھر احادیث نہی کو نہی تنزیہی پر محمول کیا جائے گا۔ واللہ اعلم بالصواب۔

٦٧٩: وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضی اللہ عنہ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ "لَا تَخْتَصُّوا لَيْلَةَ الْجُمُعَةِ بِقِيَامٍ مِنْ بَيْنِ اللَّيَالِي ,وَلَا تَخْتَصُّوا يَوْمَ الْجُمُعَةِ بِصِيَامٍ مِنْ بَيْنِ الْأَيَّامِ ,إِلَّا أَنْ يَكُونَ فِي صَوْمٍ يَصُومُهُ أَحَدُكُمْ " رَوَاهُ مُسْلِمٌ.

مسلم، کتاب الصیام، باب کراھة افراد یوم الجمعة بصوم لا یوافق عادته: ١١٤٤، البیھقی: ٣٠٢/٤، النسائی فی الکبری: ١٤١/٢، الحاکم: ٦٠٣/١، احمد: ٤٤٤/٦، العلل للدارقطنی: ١٢/٣، المحرر: ٣٧٧/١، الطبقات الکبری لابن سعد: ٨٥/٤، ابن ابی شیبة: ٤٦١/٢

تنبیہ: امام حاکم نے اس حدیث کو نقل کرنے کے بعد لکھا ہے کہ یہ حدیث شیخین کی شرط کے مطابق ہے مگر شیخین نے اس کی تخریج نہیں کی۔ واضح رہے کہ یہاں امام حاکم سے تسامح ہوا ہے کیونکہ یہ حدیث صحیح مسلم میں موجود ہے۔

٦٧٩: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "راتوں میں سے جمعہ کی شب کو عبادت کیلئے اور دونوں میں سے جمعہ کے دن کو روزے کیلئے مت مختص کرو، الا یہ کہ جمعہ کا روزہ تمہارے کسی ایک کے ایسے ایام میں آجائے جن ایام کے وہ روزے

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

بدستور رکھتا تھا۔" (مسلم)

تشریح: یہ حدیث ابن سیرین سے تین طرح سے منقول ہے۔

(۱) عوف اعرابی اور حسین جعفی یہ حدیث زائدہ کے توسط سے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے نقل کرتے ہیں۔ حسین جعفی کے طریق سے مروی حدیث کو امام مسلم کے علاوہ امام نسائی، امام بیہقی اور امام حاکم نے بھی نقل کیا ہے۔ امام دارقطنی نے ان دونوں طرق کو غیر محفوظ قرار دیا ہے۔ (۲) ایوب اور عاصم نے ابن سیرین کے توسط یہ حدیث حضرت ابودرداء رضی اللہ عنہ سے مرفوع نقل کی ہے۔ امام دارقطنی کا خیال ہے کہ یہ طریق صحیح ہے۔ (۳) ابن عوف اور عاصم احول نے یہ روایت ابن سیرین سے مرسل نقل کی ہے۔ امام ابوحاتم اور امام ابوزرعہ نے اسی کو راجح قرار دیا ہے۔

راقم کے نزدیک امام مسلم کا موقف درست ہے کیونکہ اس طریق کو محفوظ کہنے میں امام حاکم اور امام ذہبی نے بھی امام مسلم کی موافقت کی ہے۔ اس حدیث سے یہ واضح ہوا کہ جمعہ کے روز کو روزے کیلئے اور جمعہ کی رات کو عبادت کیلئے مختص کرنا ممنوع ہے۔ بعض مبتدعین جمعہ کی شب کو ایک خاص نماز پڑھتے ہیں جس کا نام انہوں نے صلاۃ الرغائب رکھا ہے۔

اس بدعت کا شمار قدیم بدعات میں ہوتا ہے۔ امام نووی فرماتے ہیں، متعدد ائمہ نے اس بدعت کے رد میں نہایت عمدہ کتابیں تحریر کی ہیں۔ ممانعت کی حدیث ابودرداء رضی اللہ عنہ سے بھی منقول ہے۔

فقہی احکام: (۱) جمعرات اور جمعہ کی درمیانی شب کو عبادت کیلئے مختص کرنا بدعت ضلالۃ ہے۔

(۲) صرف جمعہ کے دن کا روزہ رکھنا ممنوع ہے البتہ دیگر ایام کے ساتھ روا ہے۔

۶۸۰: وَعَنْهُ اَيْضًا رضی اللہ عنہ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم "لَا يَصُومَنَّ أَحَدُكُمْ يَوْمَ الْجُمُعَةِ, إِلَّا أَنْ يَصُومَ يَوْمًا قَبْلَهُ, أَوْ يَوْمًا بَعْدَهُ" مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ.

البخاری، کتاب الصوم، باب صوم یوم الجمعة وا ذا اصبح صائما یوم الجمعة فعلیة ان یفطر: ۱۹۸۴ — ۱۹۸۶، مسلم: ۱۱۴۴، ابوداود: ۲۴۲۰، الترمذی: ۷۴۷، ابن ماجة: ۱۷۲۳، البیهقی: ۴/ ۳۰۲، احمد: ۲/ ۳۶۵، المطالب العالیة: ۱۱۲۳، مجمع الزوائد: ۲/ ۱۹۹

تنبیہ: مؤلف رحمۃ اللہ علیہ نے یہ حدیث بالمعنیٰ نقل کی ہے۔

۶۸۰: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "تم میں سے کوئی ایک جمعہ کے روز کا روزہ نہ رکھے الا یہ کہ وہ اس سے ایک روز پہلے یا ایک روز بعد کا بھی روزہ رکھے۔" (بخاری و مسلم)

تشریح: جمعہ کے روز کو روزہ کیلئے مختص کرنے کی ممانعت کے بارے میں حضرت جابر، حضرت علی بن ابی طالب، حضرت عبداللہ بن عباس، حضرت جنادہ بن ابی امیہ اور حضرت جویریہ بنت حارث رضی اللہ عنہم سے بھی احادیث منقول ہیں۔ حضرت جنادۃ بن ابی امیہ اور حضرت جویریہ رضی اللہ عنہا سے مروی احادیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کا روزہ افطار کروا دیا تھا، جبکہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اکثر جمعہ کے روز کا روزہ رکھا کرتے تھے۔ یہ حدیث دیگر احادیث کے خلاف نہیں، کیونکہ ان میں مذکور ہے کہ اگر جمعہ سے ایک روز پہلے یا ایک روز بعد کا بھی روزہ رکھا جائے تو پھر جمعہ کے روز کا روزہ رکھنا درست ہے۔ جبکہ حضرت ابوقتادہ رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم جمعرات کا روزہ رکھا کرتے تھے۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

٦٨١: وَعَنْهُ اَيْضًا رضی اللہ عنہ أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم قَالَ " إِذَا انْتَصَفَ شَعْبَانَ فَلَا تَصُومُوا " رَوَاهُ الْخَمْسَةُ ,وَاسْتَنْكَرَهُ أَحْمَدُ.

ابوداود، کتاب الصیام، باب فی کراهیة ذلک: ٢٣٣٧، الترمذی: ٧٤٢، ابن ماجة: ١٦٥١، النسائی (الکبری): ٢/١٧٢،

احمد: ٢/٤٤٢، البیهقی: ٤/٢٠٩، الطحاوی: ٢/٨٢، الدارمی: ٢/١٧، تهذیب السنن: ٣/٢٢٣۔ ٢٢٥، فتح الباری: ٤/١٢٩،

المعجم الاوسط: ١٩٥٧، ابن حبان: ٣٥٨٩

٦٨١: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "جب نصف شعبان گزر جائے تو پھر روزہ مت رکھو۔" اسے پانچوں نے روایت کیا ہے اور امام احمد نے اس حدیث کو منکر کہا ہے۔

تشریح: اس حدیث کو امام ترمذی، امام حاکم، امام ابن حبان، امام طحاوی، امام ابن حزم، علامہ ابن عبدالبر اور حافظ ابن عساکر نے صحیح کہا ہے، جبکہ عبدالرحمٰن بن مہدی، امام احمد بن حنبل اور امام ابوزرعہ نے منکر کہا ہے۔

جن حضرات نے اس حدیث کو منکر کہا ہے ان حضرات کا کہنا ہے کہ حضرت عائشہ اور حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے مروی احادیث میں مذکور ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم تقریباً پورے شعبان کے روزے رکھتے تھے۔ حدیث عائشہ اور ام سلمہ سند کے اعتبار سے روایت ابی ہریرہ سے عالی ہیں لہٰذا حدیث ابی ہریرہ منکر ہے۔

بعض اہل علم نے ان دونوں احادیث کے مابین مطابقت پیدا کی ہے۔ ان حضرات کا کہنا ہے کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی احادیث کا اطلاق ان لوگوں پر ہوتا ہے جو نصف شعبان کے بعد روزے رکھنا شروع کرتے ہیں جبکہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی حدیث کا اطلاق ان لوگوں پر ہوتا ہے جو شعبان کے روزے نصف شعبان سے پہلے شروع کر دیتے ہیں، یعنی جو لوگ شعبان کے روزے نصف شعبان سے پہلے رکھتے آ رہے ہوں تو ان کیلئے نصف شعبان کے بعد بھی روزے رکھنے درست ہیں اور جو نصف شعبان کے بعد آغاز کریں تو ان کیلئے ممنوع ہیں۔ مؤلف رحمہ اللہ فتح الباری میں فرماتے ہیں کہ حدیث علاء کا تعلق ان لوگوں سے ہے جنہیں روزے کمزور کر دیتے ہیں۔ یہ توجیہ نہایت عمدہ ہے۔

فقہی احکام: نصف شعبان کے بعد روزے رکھنے سے اجتناب کرنا بہتر ہے کیونکہ اس طرح رمضان کے رکھنے میں آسانی رہے گی۔

٦٨٢: وَعَنِ الصَّمَّاءِ بِنْتِ بُسْرٍ رضی اللہ عنہا أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم قَالَ " لَا تَصُومُوا يَوْمَ السَّبْتِ ,إِلَّا فِيمَا افْتُرِضَ عَلَيْكُمْ ,فَإِنْ لَمْ يَجِدْ أَحَدُكُمْ إِلَّا لِحَاءَ عِنَبٍ ,أَوْ عُودَ شَجَرَةٍ فَلْيَمْضُغْهَا " رَوَاهُ الْخَمْسَةُ ,وَرِجَالُهُ ثِقَاتٌ ,إِلَّا أَنَّهُ مُضْطَرِبٌ وَقَدْ أَنْكَرَهُ مَالِكٌ وَقَالَ أَبُو دَاوُدَ هُوَ مَنْسُوخٌ.

ابوداود، کتاب الصیام، باب النهی ان یخص یوم السبت بصوم: ٢٤٢١، باب الرخصة: ٢٤٢٢، الترمذی: ٧٤٨، ابن ماجة: ١٧٢٦، احمد: ٦/٣٦٧، الدارمی: ١٧٥٦، ابن خزیمة: ٢١٦٤، الحاکم: ١/٤٠١، البیهقی: ٤/٣٠٢، التلخیص: ٢/٢١٦،

الاحکام الوسطی: ٢/٢٢٥، ابن حبان: ٣٦١٥

٦٨٢: حضرت صماء بنت بسر رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "ہفتہ کے دن کا روزہ مت رکھیں، ماسوا اس روزے کے جو تم پر فرض کیا گیا ہو، تم میں سے کسی ایک کو ہفتہ کے روز خورد ونوش کیلئے انگور کے چھلکے یا کسی درخت کی شاخ کے علاوہ کچھ دستیاب نہ ہو تو وہ انہیں کو چبالے۔" اسے پانچوں نے روایت کیا ہے اور اس کے تمام رواۃ ثقہ ہیں۔ البتہ یہ مضطرب ہے۔ امام مالک نے اسے منکر اور امام ابوداؤد نے منسوخ کہا ہے۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

لغوی تحقیق: لحاء: لام کو مکسور اور مفتوح ہر دو طرح پڑھنا درست ہے اور دونوں صورتوں میں اس کا معنی چھلکا ہے۔ **فلیمضغها** : اس کا مضارع مضموم العین اور مفتوح العین ہر دو طرح مستعمل ہے۔ یعنی چبا لے۔

تشریح: اس روایت کے بارے میں اہل علم نے مختلف انداز سے کلام کیا ہے۔ امام نسائی وغیرہ نے اسے مضطرب قرار دیا ہے۔ کیونکہ کسی طریق میں عبداللہ بن بسر یہ روایت صماء سے نقل کرتے ہیں اور کسی میں اپنے والد بسر سے نقل کرتے ہیں۔ کسی طریق میں صماء براہ راست رسول اللہ ﷺ سے حدیث نقل کرتی ہیں اور کسی طریق میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے توسط سے نقل کرتی ہیں۔

پھر کسی طریق میں حضرت صماء رضی اللہ عنہا کو حضرت عبداللہ بسر رضی اللہ عنہ کی پھوپھی، کسی میں خالہ اور کسی میں بہن ظاہر کیا گیا ہے۔ سند میں اضطراب کے ساتھ ساتھ اس روایت کا متن بھی منکر ہے کیونکہ متعدد صحیح احادیث میں ہفتہ کے روز نفلی روزہ رکھنا مذکور ہے، مثلاً صحیحین میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث میں ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: " کوئی شخص جمعہ کے روز کا روزہ نہ رکھے جب تک وہ اس سے ایک روز قبل یا ایک روز بعد کا روزہ نہیں رکھتا۔"

(۲) حضرت جویریہ رضی اللہ عنہا سے منقول ہے کہ آپ ﷺ نے ان سے جمعہ کے روز فرمایا: " کیا تم نے گزشتہ کل روزہ رکھا تھا؟" انہوں نے عرض کیا، نہیں۔ پھر آپ ﷺ نے فرمایا: " کیا آئندہ کل رکھنے کا ارادہ ہے؟"

حافظ عبدالحق فرماتے ہیں کہ ممکن ہے کہ امام مالک نے اس روایت کا انکار ثور بن یزید الکاعی کی وجہ سے کیا ہو۔ امام مالک کا انکار اگر ثور بن یزید کی وجہ سے ہے تو پھر یہ درست نہیں کیونکہ ثور بن یزید ثقہ ہے نیز ثور بن یزید یہ روایت خالد بن معدان سے تنہا نقل نہیں کرتے بلکہ فضیل بھی یہ روایت خالد بن معدان سے کرتے ہیں۔ مختصر یہ ہے کہ نامور اہل علم نے اس روایت پر کلام کیا ہے۔

فقہی احکام: ہفتہ کے دن کو مختص کر کے روزہ رکھنا درست نہیں، البتہ اگر جمعہ اور ہفتہ یا ہفتہ اور اتوار کا رکھ لیا جائے تو پھر کوئی مضائقہ نہیں۔

۶۸۳: وَعَنْ أُمِّ سَلَمَةَ رضی اللہ عنہا أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ كَانَ أَكْثَرَ مَا يَصُومُ مِنَ الْأَيَّامِ يَوْمُ السَّبْتِ ,وَيَوْمُ الْأَحَدِ ,وَكَانَ يَقُولُ " إِنَّهُمَا يَوْمَا عِيدٍ لِلْمُشْرِكِينَ ,وَأَنَا أُرِيدُ أَنْ أُخَالِفَهُمْ " أَخْرَجَهُ النَّسَائِيُّ ,وَصَحَّحَهُ ابْنُ خُزَيْمَةَ ,وَهَذَا لَفْظُهُ.

ابن خزيمة: كتاب الصيام، باب الرخصة في يوم السبت اذا صام يوم الاحد بعده: ۲۱۶۷، النسائى (الكبرى): ۲/۱۴۶، احمد: ۶/۳۲۳، ابن حبان: ۳۶۱۶، ۳۶۴۶، البيهقى: ۴/۳۰۳، بيان الوهم والايهام: ۱۸۰۶، السلسلة الضعيفة: ۳/۲۱۹

تنبیہ: مؤلف رحمۃ اللہ علیہ نے مذکورہ حدیث کے الفاظ کو ابن خزیمہ کے الفاظ قرار دیا ہے۔ مگر مطبوعہ ابن خزیمہ میں یہ الفاظ قدر تقدیم وتاخیر سے ہیں۔

۶۸۳: حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ ہفتہ اور اتوار کو اکثر روزہ رکھا کرتے تھے اور فرمایا کرتے تھے کہ "یہ دونوں دن مشرکین کی عید کے دن ہیں، اور میں ان کی مخالفت کرنا چاہتا ہوں۔" اسے نسائی نے روایت کیا ہے اور ابن خزیمہ نے اسے صحیح کہا ہے۔ مذکورہ الفاظ ابن خزیمہ ہی کے ہیں۔

تشریح: زیر مطالعہ حدیث بھی سابقہ روایت کی معارض ہے یعنی اس روایت میں ہفتہ کے روز نفلی روزہ رکھنا ثابت ہو رہا ہے تاہم اس حدیث کی صحت وسقم کے بارے میں اہل علم میں اختلاف پایا جاتا ہے۔ امام حاکم، امام ذہبی، امام ابن خزیمہ اور امام ابن حبان وغیرھم نے اسے صحیح اور امام ابن قطان نے حسن کہا ہے، جبکہ حافظ ابن قیم اور علامہ ناصر الدین البانی نے اسے ضعیف قرار دیا ہے۔

فقہی احکام: (۱) ہفتہ اور اتوار کو نفلی روزہ رکھا جا سکتا ہے۔ (۲) جہاں تک ممکن ہو سکے غیر مسلموں کی مخالفت کرنی چاہیے۔

۶۸۴: وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضی اللہ عنہ أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ نَهَى عَنْ صَوْمِ يَوْمِ عَرَفَةَ بِعَرَفَةَ. رَوَاهُ الْخَمْسَةُ غَيْرَ التِّرْمِذِيِّ ,وَصَحَّحَهُ

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

اِبْنُ خُزَيْمَةَ ,وَالْحَاكِمُ ,وَاسْتَنْكَرَهُ الْعُقَيْلِيُّ.

ابوداود، كتاب الصيام، باب في صوم يوم عرفة بعرفة: ۲۴۴۰، النسائي في الكبرى: ۱۵۵/۲ ،ابن ماجة: ۲۰۹۹ ،احمد: ۳۰۴/۲، الضعفاء الكبير للعقيلي: ۲۹۸/۱ ،ابن خزيمة: ۲۹۲/۳، الحاكم: ۶۰۰/۱، البيهقي: ۸۴۷۳، مختصر السنن: ۳۲۱/۳، السلسلة الضعيفة: ۳۹۷/۱

۶۸۴: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ نبی کریم ﷺ نے میدان عرفات میں نو ذی الحجہ کا روزہ رکھنے سے منع فرمایا۔ اسے پانچوں میں سے ترمذی نے روایت نہیں کیا۔ ابن خزیمہ اور حاکم نے صحیح کہا ہے جبکہ عقیلی نے منکر کہا ہے۔

تشریح: اس حدیث سے یہ واضح ہوا کہ حجاج کرام کیلئے یوم عرفہ کا روزہ رکھنا ممنوع ہے، البتہ اہل علم اس روایت کے صحیح وضعیف ہونے کے بارے میں مختلف آراء رکھتے ہیں۔ امام ابن خزیمہ، امام حاکم اور امام ذہبی نے اسے صحیح کہا ہے۔ امام ابن حزم، امام ترمذی، حافظ عبدالحق اور علامہ البانی نے مہدی الھجری کے مجہول ہونے کی وجہ سے ضعیف قرار دیا ہے۔ جبکہ امام عقیلی نے حوشب بن عقیل کے تفرد کی وجہ سے منکر کہا ہے۔

فقہی احکام: میدان عرفات میں حجاج کرام کیلئے عرفہ کا روزہ رکھنا ممنوع ہے۔

۶۸۵: وَعَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو رضی اللہ عنہما قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ " لَا صَامَ مَنْ صَامَ الْأَبَدَ " مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ.

البخاري، كتاب الصوم، باب صوم داؤد عليه السلام: ۱۹۷۹ ،مسلم: ۱۱۵۹ ،النسائي: ۲۳۸۲ ،ابن ماجة: ۱۷۰۶ ،البيهقي: ۲۹۹/۴

تنبیہ: بلوغ المرام کے اکثر نسخوں میں "عبداللہ بن عمر" ہے اور بعض میں عبداللہ بن عمرو ہے، جبکہ یہی درست ہے کیونکہ صحیحین وغیرہما میں یہ روایت حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما ہی سے مروی ہے۔

۶۸۵: حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما نے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "جس نے ہمیشہ روزہ رکھا اس کا کوئی روزہ نہیں۔" (مسلم)

تشریح: روزانہ روزہ رکھنے سے حقوق العباد کی ادائیگی ممکن نہیں رہتی، جیسا کہ حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رحمت عالم ﷺ نے انہیں مخاطب کر کے فرمایا: "تجھ پر تیرے جسم، تیری آنکھوں اور تیری بیوی کا بھی حق ہے۔"

فقہی احکام: (۱) ہر روز روزہ رکھنا خلاف سنت ہے۔ (۲) خلاف سنت کام یقیناً موجب ثواب نہیں۔

۶۸۶: وَلِمُسْلِمٍ عَنْ أَبِي قَتَادَةَ بِلَفْظِ " لَا صَامَ وَلَا أَفْطَرَ "

مسلم، كتاب الصيام، باب استحباب صيام ثلاثة ايام من كل شهر: ۱۹۷/۱۱۶۲ ، ابوداود: ۲۴۲۵، الترمذي: ۷۷۱، البيهقي: ۳۰۰/۴، ابن ماجة: ۱۷۰۵ ، ابن خزيمة: ۳۱۱/۳، الحاكم: ۶۱۰/۱، احمد: ۲۹۶/۵، النسائي: ۲۰۶/۴، ۲۰۷

۶۸۶: مسلم میں حضرت ابوقتادہ رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث کے الفاظ اس طرح ہیں "نہ روزہ رکھا اور نہ افطار کیا۔"

تشریح: اس حدیث کا ظاہری مفہوم تو یہ ہے کہ ہمیشہ روزے رکھنے والے کو نہ تو روزہ رکھنے کا ثواب ملتا ہے اور نہ اسے افطاری کی فرحت اخروی حاصل ہوگی، کیونکہ اس کا یہ عمل خلاف سنت ہے۔ بنابریں اہل علم کی ایک بڑی جماعت نے ہر روز روزہ رکھنے کو ناپسند کیا ہے جبکہ بعض کا خیال ہے کہ یہ ممانعت ان افراد کیلئے ہے جو عیدین کے روز بھی روزہ رکھ لیتے ہیں، اگر کوئی عیدین کے ایام چھوڑ کر دیگر ایام کے روزے رکھتا ہے تو وہ اس حدیث کا مصداق نہیں۔ ان حضرات کا یہ قول بے وزن ہے کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما کو بھی مسلسل روزے رکھنے سے منع فرمایا تھا۔ حضرت ابوقتادہ رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث کی مثل حضرت عبداللہ بن شخیر اور حضرت

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

عمران بن حصین رضی اللہ عنہما سے بھی منقول ہے، جبکہ حضرت ابوموسی اشعری رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث میں تو ایسے شخص کیلئے سخت وعید مذکور ہے۔

فقہی احکام: ہمیشہ روزے رکھنے والا نہ صرف ثواب سے محروم بلکہ خلاف سنت عمل کرنے کی وجہ سے لائق سزا بھی ہے۔

۳۔ بَابُ الْاِعْتِكَافِ وَ قِيَامِ رَمَضَانَ اعتکاف اور قیام رمضان کا بیان

۶۸۷: عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضی اللہ عنہ أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم قَالَ "مَنْ قَامَ رَمَضَانَ إِيمَانًا وَاحْتِسَابًا, غُفِرَ لَهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهِ" مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ.

البخاری، کتاب صلاۃ التراویح، باب فضل من قام رمضان: ۲۰۰۹۔۲۰۱۲، مسلم: ۷۵۹، ابوداود: ۱۳۷۱،

النسائی: ۱۵۵/۴، ابن ماجۃ: ۱۳۲۶، احمد: ۲۸۱/۲، ابن خزیمۃ: ۲۲۰۲، ۲۲۰۶، ابن حبان: ۲۵۴۶، ۳۶۸۲

۶۸۷: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "جس نے حالت ایمان میں قیام رمضان حصول ثواب کیلئے کیا، اس کے سابقہ تمام گناہ معاف کردیئے گئے۔" (بخاری ومسلم)

لغوی تحقیق: **الاعتکاف:** اس کے لغوی معنی کسی جگہ رک جانا یا اسے لازم پکڑنا ہے، اصطلاح شریعت میں، مسجد میں عبادت کی نیت سے ٹھہرنے کا نام اعتکاف ہے۔ **ایمانا:** اللہ تعالیٰ نے مؤمن سے جو ثواب کا وعدہ کیا ہے، اس پر یقین رکھتے ہوئے۔ **احتسابا:** خالصتاً حصول رضائے الٰہی کیلئے کوئی کام کرنا۔

تشریح: اس حدیث سے یہ واضح ہوا کہ قیام رمضان کا شمار ان اہم عبادات میں ہوتا ہے جو سابقہ گناہوں پر خط تنسیخ کھینچ دیتی ہیں۔ رمضان کا قیام ماہ رمضان کی راتوں کے کسی بھی حصے میں کیا جاسکتا ہے۔ نیز اسے انفرادی اور اجتماعی طور پر کیا جاسکتا ہے، جیسا کہ حضرت ابو ذر رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے رمضان کی تیئیسویں شب کی پہلی تہائی میں ہمیں صلوٰۃ اللیل (تراویح) باجماعت پڑھائی پھر پچیسویں شب کو نصف شب گزر جانے پر پڑھائی، پھر ستائیسویں شب کو رات کے آخری حصہ میں پڑھائی۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم تین راتیں نماز پڑھانے کے بعد چوتھی رات کے قیام کیلئے نہ نکلے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے صبح کے وقت فرمایا: "میں محض اس خوف سے نہیں آیا کہ کہیں تم پر قیام اللیل (باجماعت) فرض نہ کردی جائے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد چونکہ وحی کا سلسلہ منقطع ہوگیا اور اس کے ساتھ ہی قیام رمضان کے باجماعت فرض ہونے کا اندیشہ بھی ختم ہوگیا، چنانچہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے رات کے ابتدائی ثلث میں قیام رمضان کو باجماعت ادا کرنے کا اہتمام فرمادیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفائے راشدین سے قیام رمضان گیارہ رکعات سے زیادہ ثابت نہیں، جبکہ خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انفرادی طور پر بھی گیارہ رکعات سے زیادہ نہیں پڑھتے تھے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے رمضان میں باجماعت آٹھ رکعات ہی پڑھائی تھیں۔ جیسا کہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے منقول ہے۔ اسی طرح حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بھی آٹھ رکعات پڑھانے کا حکم دیا تھا۔

فقہی احکام: (۱) قیام رمضان انفرادی یا اجتماعی طور پر کرنا مسنون ہے۔ (۲) قیام رمضان رات کے کسی بھی حصہ میں ادا کیا جاسکتا ہے۔ (۳) قیام رمضان خالص رضائے الٰہی کیلئے کرنے سے سابقہ تمام گناہ معاف کردیئے جاتے ہیں۔

۶۸۸: وَعَنْ عَائِشَةَ رضی اللہ عنہا قَالَتْ كَانَ رَسُولُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم إِذَا دَخَلَ الْعَشْرُ أَيِ الْعَشْرُ الْأَخِيرُ مِنْ رَمَضَانَ شَدَّ مِئْزَرَهُ, وَأَحْيَا لَيْلَهُ, وَأَيْقَظَ أَهْلَهُ. مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ.

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

البخاری، کتاب فضل لیلة القدر، باب العمل فی العشر الاواخر من رمضان: ۲۰۲۴، مسلم: ۱۱۷۴، ابوداود: ۱۳۷۶، الترمذی: ۷۹۹، ۸۰۰ النسائی: ۲۱۷/۳، ابن ماجة: ۱۷۶۸، احمد: ۸۴/۶، ابن ابی شیبة: ۴۹۱/۲، مجمع البحرین: ۱۷۲/۳

۶۸۸: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے بیان کیا کہ جب رمضان کا آخری عشرہ شروع ہوجاتا تو رسول اللہ ﷺ کمر بستہ ہوکر شب بیداری فرماتے اور اپنی بیویوں کو بیدار رکھتے۔ (بخاری و مسلم)

لغوی تحقیق: مئزر: میم مکسور اور ہمزہ ساکن، ازار بند یعنی اپنی بیویوں سے الگ ہوجاتے۔

تشریح: ویسے تو آپ ﷺ دیگر ایام کے مقابلے میں پورے ماہ رمضان میں خوب عبادت کرتے تھے، لیکن جب رمضان کا آخری عشرہ شروع ہوجاتا تو پھر خوب کمر بستہ ہوکر عبادات الٰہی میں مصروف ہوجاتے، جیسا کہ ام المؤمنین حضرت عائشہ، امیر المؤمنین حضرت علی اور حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہم سے مروی ہے۔ حضرت عبدالرحمٰن بن سابط رحمہ اللہ سے اسی مفہوم کی ایک مرسل روایت منقول ہے۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ جیسے ہی آخری عشرہ کا آغاز ہوتا، آپ ﷺ اپنا بستر لپیٹ دیتے اور اپنی ازواج مطہرات سے الگ ہوجاتے۔

فقہی احکام: رمضان کے آخری عشرہ میں مباشرت سے احتراز کرنا بہتر ہے۔

۶۸۹: وَعَنْهَا أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ كَانَ يَعْتَكِفُ الْعَشْرَ الْأَوَاخِرَ مِنْ رَمَضَانَ ,حَتَّى تَوَفَّاهُ اللَّهُ ,ثُمَّ اعْتَكَفَ أَزْوَاجُهُ مِنْ بَعْدِهِ. مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ.

البخاری، کتاب اعتکاف، باب الاعتکاف فی العشر الاواخر: ۲۰۲۶، مسلم: ۱۱۷۲، ابوداود: ۲۴۶۲، ۲۴۶۳، الترمذی: ۷۹۴، ۸۰۷، احمد: ۱۶۹/۶، ابن خزیمة: ۲۲۲۳، ابن حبان: ۳۶۶۵، الدارقطنی: ۲۰۱/۲، البیہقی: ۳۱۵/۴

۶۸۹: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ نبی مکرم ﷺ رمضان کے آخری عشرہ کا اعتکاف فرماتے رہے یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو اپنے پاس بلالیا، پھر آپ ﷺ کے بعد ازواج مطہرات نے بھی اعتکاف کیا۔ (بخاری و مسلم)

تشریح: حضرت ابوسعید خدری اور حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہما سے مروی روایات میں ہے کہ ایک سال آپ ﷺ نے پورے رمضان کا اعتکاف ایک ایک عشرہ کی نیت سے فرمایا۔ حضرت عائشہ اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہما سے مروی حدیث سے واضح ہوتا ہے کہ آپ ﷺ کا آخری عمل آخری عشرہ میں اعتکاف کرنے کا ہے۔

حضرت ابی بن کعب اور حضرت انس رضی اللہ عنہما سے مروی روایات میں ہے کہ آپ ﷺ رمضان کے آخری عشرہ کا اعتکاف فرمایا کرتے تھے، مگر ایک سال آپ ﷺ آخری عشرہ کا اعتکاف نہ کرسکے، جس کی وجہ آپ ﷺ نے آئندہ سال بیس راتوں کا اعتکاف فرمایا۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ایک روایت میں ہے کہ آپ ﷺ نے جب رمضان کے آخری عشرہ کے اعتکاف کیلئے تیاری فرمائی تو حضرت زینب رضی اللہ عنہا نے بھی اپنا خیمہ نصب کروالیا، انہیں دیکھ کر دیگر ازواج مطہرات نے بھی اپنے خیمے نصب کروالیے۔ آپ ﷺ نے جب فجر کی نماز پڑھی تو بہت سے خیمے دیکھ کر فرمایا: "کیا یہ خیمے حصول نیکی کیلئے نصب کئے گئے ہیں؟" چنانچہ آپ ﷺ نے اپنا خیمہ سمیت ازواج مطہرات کے خیمے اکھاڑنے کا حکم فرمایا اور اس سال رمضان میں اعتکاف نہ فرمایا، پھر اس کے بدلے میں شوال کے پہلے عشرہ میں اعتکاف فرمایا۔

فقہی احکام: (۱) رمضان کے آخری عشرہ میں اعتکاف کرنا افضل ہے، البتہ پورے رمضان کا اعتکاف بھی کیا جاسکتا ہے۔ (۲) اعتکاف کی قضا بھی دی جائے ہے۔ (۳) خواتین بھی اعتکاف کرسکتی ہیں۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

۶۹۰: وَعَنْهَا قَالَتْ كَانَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ إِذَا أَرَادَ أَنْ يَعْتَكِفَ صَلَّى الْفَجْرَ, ثُمَّ دَخَلَ مُعْتَكَفَهُ. مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ.

البخاری، کتاب الاعتکاف، باب الاعتکاف فی شوال: ۲۰۴۱، مسلم: ۱۱۷۳، ابوداود: ۲۴۶۴، الترمذی: ۷۹۱، النسائی: ۴۴/۲،

ابن ماجة: ۱۷۷۱، احمد: ۹۲/۶، ابن حبان: ۳۶۶۶، ابن خزیمة: ۳۴۳/۳، فتح الباری: ۲۷۷/۴، نووی شرح مسلم: ۹۸/۸

۶۹۰: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے بیان کیا کہ نبی کریم ﷺ جب اعتکاف کا ارادہ فرماتے تو فجر کی نماز پڑھتے، پھر اعتکاف کے خیمہ میں داخل ہوجاتے۔ (بخاری ومسلم)

لغوی تحقیق: **معتکف**: وہ مقام جہاں اعتکاف کرنے کیلئے قیام کیا جاتا ہے۔

تشریح: اس حدیث سے یہ واضح ہوا کہ رسول اللہ ﷺ فجر کی نماز پڑھنے کے بعد اعتکاف کے خیمہ میں داخل ہوتے تھے، لیکن وہ صبح بیسویں رمضان کی ہوتی تھی یا اکیسویں کی؟ اس بارے میں اس حدیث میں صراحتاً کچھ بھی مذکور نہیں۔

مؤلف رحمہ اللہ فتح الباری میں فرماتے ہیں کہ اس حدیث سے یہ استدلال کیا گیا ہے کہ اعتکاف کا آغاز دن کے شروع کے حصہ سے ہوتا ہے۔ صاحب سبل السلام فرماتے ہیں کہ یہ حدیث اس امر کی دلیل ہے کہ اعتکاف کا اول وقت فجر کی نماز کے بعد شروع ہوتا، امام نووی اس حدیث کو نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں کہ جن حضرات کا کہنا ہے کہ اعتکاف کا آغاز دن کے شروع کے حصہ سے ہوتا ہے، یہ حدیث ان کی دلیل ہے۔ یہی قول امام اوزاعی اور امام نووی کا ہے۔ امام مالک، امام ابوحنیفہ، امام شافعی اور امام احمد کا کہنا ہے کہ بیسویں روزے کو مغرب سے پہلے مسجد میں داخل ہوجائے، رات مسجد میں گزارے اور فجر کی نماز کے بعد خیمہ میں داخل ہوجائے۔ ان حضرات کی دلیل حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی وہ حدیث ہے جو اس حدیث سے پہلے گزر چکی ہے۔ لیکن صائب رائے یہی ہے کہ بیس رمضان کی فجر کی نماز کے بعد اعتکاف کے خیمہ میں داخل ہوکر اعتکاف کا آغاز کردیا جائے۔

فقہی احکام: خواتین بھی اعتکاف کرسکتی ہیں۔

۶۹۱: وَعَنْهَا قَالَتْ إِنْ كَانَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ لَيُدْخِلُ عَلَيَّ رَأْسَهُ وَهُوَ فِي الْمَسْجِدِ فَأُرَجِّلُهُ, وَكَانَ لَا يَدْخُلُ الْبَيْتَ إِلَّا لِحَاجَةٍ, إِذَا كَانَ مُعْتَكِفًا. مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ, وَاللَّفْظُ لِلْبُخَارِيِّ.

البخاری، کتاب الاعتکاف، باب لا یدخل البیت الالحاجة: ۲۰۲۹، مسلم: ۲۹۷، ابوداود: ۲۴۶۷۔ ۲۴۶۹، الترمذی: ۸۰۴،

النسائی: ۱۹۳/۱، ابن ماجة: ۱۷۷۸، احمد: ۸۱/۶، البیهقی: ۳۱۶/۴، ابن حبان: ۳۶۶۹، ۳۶۷۲

۶۹۱: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ مسجد میں تشریف فرما ہوتے اور اپنا سر مبارک میری طرف کردیتے اور میں آپ ﷺ کے سر مبارک میں کنگھی کردیتی، جب آپ ﷺ اعتکاف میں ہوتے تو آپ ﷺ بلاضرورت گھر میں تشریف نہ لاتے۔ (بخاری ومسلم) مذکورہ الفاظ بخاری کے ہیں۔

فقہی احکام: شوہر اگر حالت اعتکاف میں ہو تو بیوی اس سے بات چیت کرسکتی ہے اور اس کی خدمت بھی کرسکتی ہے۔

۶۹۲: وَعَنْهَا قَالَتْ اَلسُّنَّةُ عَلَى الْمُعْتَكِفِ أَنْ لَا يَعُودَ مَرِيضًا, وَلَا يَشْهَدَ جَنَازَةً, وَلَا يَمَسَّ امْرَأَةً, وَلَا يُبَاشِرَهَا, وَلَا يَخْرُجَ لِحَاجَةٍ, إِلَّا لِمَا لَا بُدَّ لَهُ مِنْهُ, وَلَا اعْتِكَافَ إِلَّا بِصَوْمٍ وَلَا اعْتِكَافَ إِلَّا فِي مَسْجِدٍ جَامِعٍ. رَوَاهُ أَبُو دَاوُدَ, وَلَا بَأْسَ بِرِجَالِهِ, إِلَّا أَنَّ الرَّاجِحَ وَقْفُ آخِرِهِ.

ابوداود، کتاب الصوم، باب المعتکف یعود المریض: ۲۴۷۲، ۲۴۷۳، ۲۴۷۴، معرفة السنن: ۴۶۰/۳، الدارقطنی: ۱۹۹/۲،

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

۲۰۰، الحاکم: ۱/ ۶۰۲، البیهقی: ۴/ ۳۱۶، ۳۱۷، الاحکام الوسطیٰ: ۲/ ۲۴۹، فتح الباری: ۴/ ۲۷۳، عبدالرزاق: ۴/ ۳۵۳،

ابن ماجة: ۱۷۷۷، بخاری: ۲۰۲۹

۶۹۲: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے بیان کیا کہ اعتکاف کرنے والے کیلئے اعتکاف کا مسنون طریقہ یہ ہے کہ وہ مریض کی عیادت کرے نہ جنازے میں شرکت کرے اور نہ عورت کو ہاتھ لگائے اور نہ اس سے مباشرت کرے اور ماسوا بہت ضروری امور کے مسجد سے باہر نہ نکلے اور نہ روزہ رکھے بغیر اعتکاف کرے، اور نہ جامع مسجد کے علاوہ کہیں اور اعتکاف کرے۔ اسے ابوداؤد نے روایت کیا ہے کہ اس کے رواۃ میں کوئی خرابی نہیں۔ مگر راجح یہی ہے کہ اس روایت کا آخری حصہ موقوف ہے۔

لغوی تحقیق: **لا یعود**: اس کا مادہ **عود** ہے، اس مادہ کا صلہ جب حرف جار؛ **الی** ؛ یا ؛**ل**؛ یا ؛**علی** ؛ ہوگا تو پھر یہ بمعنی رجع یعنی واپس آنے کے معنی میں ہوگا اور جب اس کا مفعول بہ؛ **العلیل** ؛ یا ؛ **المریض** ؛ ہوگا تو پھر یہ بمعنی عیادت وزیارت ہوگا۔ **لا یمس**: یعنی شہوت کے ارادے سے ہاتھ نہ لگائے اور یہ جماع سے کنایہ بھی ہوسکتا ہے، اس صورت میں؛ **و لا یباشر** ؛ سے مراد معانقہ وغیرہ کرنا ہوگا۔

تشریح: امام زہری سے یہ روایت عبدالرحمٰن بن اسحاق، یونس بن یزید اور امام مالک وغیرہم نے نقل کی ہے۔ یونس بن یزید اور امام مالک نے لفظ؛ **السنة**؛ نقل نہیں کیا، جبکہ عبدالرحمٰن بن اسحاق نے نقل کیا ہے، عبدالرحمٰن بن اسحاق مختلف فیہ ہے۔ جبکہ اہل علم کا اس بات پر اتفاق ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے لفظ ؛ **السنة**؛ استعمال نہیں کیا، اب سوال یہ ہے کہ اگر یہ لفظ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے استعمال نہیں کیا تو پھر کس نے کیا ہے؟ بعض کا خیال ہے کہ یہ لفظ امام زہری کا قول ہے اور بعض کا کہنا ہے کہ عروہ کا قول ہے اور یہی راجح ہے۔ زیر مطالعہ روایت میں چھ امور بیان ہوئے ہیں جن کے بارے میں مناسب تفصیل درج ذیل ہے۔

(۱) معتکف مریض کی عیادت کرسکتا ہے یا نہیں؟

مؤلف رحمہ اللہ نے بلوغ المرام میں مریض کی تیمارداری نہ کرنے کے حکم کو مرفوعاً تسلیم کیا ہے جبکہ انہوں نے فتح الباری میں تحریر کیا ہے کہ امام دارقطنی نے بالجزم کہا ہے کہ مرفوع حدیث سے فقط یہی ثابت ہے کہ معتکف ضروری امور کے ماسوا گھر میں داخل نہ ہو۔ امام بیہقی معرفۃ السنن میں اس روایت کو نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں کہ امام بخاری اور امام مسلم نے صحیحین میں فقط یہی نقل کیا ہے کہ معتکف کیلئے سنت طریقہ یہ ہے کہ وہ بلا ضرورت گھر میں داخل نہ ہو۔ اس کے بعد والے حصوں کو انہوں نے نقل نہیں کیا۔

عبدالرحمٰن بن قاسم نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے جو مرفوع روایت نقل کی ہے اس میں وہ فرماتی ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم جب حالت اعتکاف میں مریض کے پاس سے گزرتے تو اس کی عیادت کئے بغیر گزر جاتے۔ یہ روایت لیث بن ابی سلیم کی وجہ سے ضعیف ہے۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "معتکف جنازے میں شریک ہوسکتا ہے اور مریض کی عیادت بھی کرسکتا ہے۔" یہ روایت ہیاج خراسانی، عنبسہ بن عبدالرحمٰن اور عبدالخالق کے ضعیف ہونے کی وجہ سے ناقابل اعتماد ہے۔

معتکف کیلئے مریض کی عیادت کے جواز اور عدم جواز سے متعلق تمام مرفوع روایات ضعیف ہیں۔ جبکہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ایک موقوف روایت میں مریض کی عیادت سے منع کیا گیا ہے اور دوسری موقوف روایت میں ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا دوران اعتکاف غیر ارادی طور پر مریض کی عیادت کرلیا کرتی تھیں۔

اس روایت کا دوسرا جز معتکف کا جنازے کے ساتھ چلنا ہے۔ اس بارے میں جو اجازت کی روایت ہے وہ سخت ضعیف ہے اور عدم اجازت کے بارے میں موقوف روایت موجود ہے۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

تیسرا جز، عورتوں سے مباشرت وغیرہ کرنے سے متعلق ہے، اس کی ممانعت قرآن حکیم میں موجود ہے۔ چوتھا جز، بلاضرورت گھر میں داخل ہونے کی ممانعت کے بارے میں ہے۔ اس بارے میں صحیحین میں حدیث موجود ہے۔

پانچواں جزیہ ہے کہ معتکف کیلئے روزہ رکھنا ضروری ہے؟ اس بارے میں عروۃ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے نقل کیا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "اعتکاف فقط روزے کے ساتھ ہی درست ہے۔" یہ روایت سوید بن عبدالعزیز کی وجہ سے سخت ضعیف ہے۔

دوسری روایت حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں ان کے سوال پر فرمایا: "اعتکاف کر اور روزہ رکھ۔" اس روایت میں روزے کا ذکر صرف عبداللہ بن عبداللہ نے کیا ہے اور وہ ضعیف ہے۔ امام بیہقی نے اس روایت کو منکر قرار دیا ہے۔

مختصر یہ کہ اس بارے میں صحیح مرفوع قولی حدیث تو موجود نہیں تاہم حضرت عبداللہ بن عباس اور حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہم سے موقوف منقول ہے کہ روزے کے بغیر اعتکاف درست نہیں۔ آخری جز میں ہے کہ جامع مسجد کے علاوہ کسی اور مسجد میں اعتکاف درست نہیں۔ اس بارے میں اہل علم میں اختلاف پایا جاتا ہے۔ بعض کا خیال ہے کہ اعتکاف صرف تین مسجدوں میں درست ہے، یعنی مسجد حرام، مسجد نبوی اور مسجد اقصیٰ۔ یہ حضرات حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث سے دلیل پکڑتے ہیں۔ مگر وہ حدیث صحیح نہیں۔ بعض کا خیال ہے کہ ان تمام مساجد میں درست ہے جہاں جمعہ ہوتا ہے۔ اس بارے میں راقم کو کوئی مرفوع روایت نہیں ملی، تیسرا قول یہ ہے کہ ان تمام مساجد میں اعتکاف درست ہے جن میں مؤذن اذان دیتا ہو اور جماعت کرواتا ہو، اس بارے میں حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے مروی مرفوع روایت ہے جبکہ حضرت علی اور حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہم سے موقوف روایات مروی ہیں، مگر وہ ضعیف ہیں۔ امام بخاری نے قرآن حکیم کی آیت سے استدلال کرتے ہوئے ہر مسجد میں اعتکاف کے درست ہونے کا اشارہ دیا ہے۔

فقہی احکام: (۱) معتکف بلاضرورت مسجد سے باہر نہیں نکل سکتا۔ (۲) سرراہ مریض کی تیمارداری کرسکتا ہے۔
(۳) مسجد میں اگر نماز جنازہ ہو تو اس میں شریک ہوسکتا ہے۔ (۴) ہر مسجد میں اعتکاف کیا جاسکتا ہے۔

۶۹۳: وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رضی اللہ عنہما ; أَنَّ النَّبِيَّ صلی اللہ علیہ وسلم قَالَ " لَيْسَ عَلَى الْمُعْتَكِفِ صِيَامٌ إِلَّا أَنْ يَجْعَلَهُ عَلَى نَفْسِهِ " رَوَاهُ الدَّارَقُطْنِيُّ وَالْحَاكِمُ ,وَالرَّاجِحُ وَقْفُهُ أَيْضًا.

الدارقطنی : ۱۹۹/۲ ، الحاکم: ۲۰۵/۱ ، ۲۰۶ ، البیھقی: ۳۱۹/۴، معرفۃ السنن والآثار: ۴۶۱/۳، بیان الوھم والایھام: ۴۴۲/۳

۶۹۳: حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "معتکف کیلئے روزہ رکھنا لازم نہیں مگر یہ کہ اس نے خود روزے کو اپنے اوپر لازم قرار دے لیا ہو۔" (دارقطنی، حاکم) راجح یہی ہے کہ یہ بھی موقوف ہے۔

تشریح: یہ روایت مرفوع اور موقوف ہر دو طرح سے منقول ہے۔ امام بیہقی فرماتے ہیں، اس روایت کا موقوف طریق صحیح اور مرفوع طریق ضعیف ہے۔ امام ابن قطان نے مرفوع طریق کے ایک راوی عبداللہ بن محمد بن نصر کو مجہول قرار دیا ہے۔ جبکہ امام حاکم نے مرفوع طریق کو صحیح کہا ہے۔

۶۹۴: وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ رضی اللہ عنہما أَنَّ رِجَالاً مِنْ أَصْحَابِ النَّبِيِّ صلی اللہ علیہ وسلم أُرُوا لَيْلَةَ الْقَدْرِ فِي الْمَنَامِ ,فِي السَّبْعِ الْأَوَاخِرِ, فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صلی اللہ علیہ وسلم "أَرَى رُؤْيَاكُمْ قَدْ تَوَاطَأَتْ فِي السَّبْعِ الْأَوَاخِرِ ,فَمَنْ كَانَ مُتَحَرِّيهَا فَلْيَتَحَرَّهَا فِي السَّبْعِ الْأَوَاخِرِ " مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ.

البخاری، کتاب فضل لیلۃ القدر، باب التماس لیلۃ القدر فی السبع الاواخر: ۲۰۱۵ ، ۲۰۳۶، مسلم: ۱۱۶۵ ، ۱۱۶۶، احمد:

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

۲/۱۷، ابن خزیمة: ۲۱۸۲، ابن حبان: ۳۶۷۵، ۳۶۸۱، البیهقی: ۳۱۹/۴

۶۹۴: حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ نبی مکرم ﷺ کے چند صحابہ کو لیلۃ القدر آخری سات راتوں میں دکھائی گئی تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "میں بھی تمہارے جیسا ہی خواب دیکھتا ہوں بلا شبہ وہ آخری سات راتوں ہی کے موافق ہوئی ہے، لہٰذا جو اسے تلاش کرنے کا خواہش مند ہے وہ اسے آخری سات راتوں میں تلاش کرے۔" (بخاری و مسلم)

لغوی تحقیق: تو طأت: موافق ہوئی۔ متحری: تلاش کرنے والا۔

تشریح: یہ حدیث عبداللہ بن عمر سے متعدد طرق سے مروی ہے، عقبہ بن حریث سے مروی طریق میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "اسے آخری عشرے میں تلاش کرو، اگر کوئی شخص ایسا کرنے سے قاصر ہے تو پھر آخری سات راتوں میں تلاش کرے۔" امام زہری سے مروی طریق میں ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: "آخری عشرہ کی طاق راتوں میں تلاش کرو۔"

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث میں ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: "مجھے رات دکھائی گئی ہے تم اسے آخری عشرہ کی طاق راتوں میں تلاش کرو۔" حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا "باقی دس راتوں میں تلاش کریں۔"

۶۹۵: وَعَنْ مُعَاوِيَةَ بْنَ أَبِي سُفْيَانَ رضی اللہ عنہما, عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ فِي لَيْلَةِ الْقَدْرِ "لَيْلَةُ سَبْعٍ وَعِشْرِينَ" رَوَاهُ أَبُو دَاوُدَ, وَالرَّاجِحُ وَقْفُهُ وَقَدِ اخْتُلِفَ فِي تَعْيِينِهَا عَلَى أَرْبَعِينَ قَوْلًا أَوْرَدْتُهَا فِي فَتْحِ الْبَارِي.

ابو داود، کتاب الصلاۃ، باب من قال سبع و عشرون: ۱۳۸۶، ابن حبان: ۳۶۸۰، الطبرانی: ۳۵۰/۱۹، البیهقی: ۳۱۲/۴، فتح الباری: ۲۶۲/۴۔۲۶۷، ابن ابی شیبة: ۴۹۰/۲، العلل الدارقطنی: ۱۲۱۷، اللطائف لابن رجب: ۲۳۵

۶۹۵: حضرت معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے لیلۃ القدر کے بارے میں فرمایا: "وہ ستائیسویں شب ہے۔" اسے ابوداؤد نے روایت کیا ہے، اور اس کا موقوف ہونا راجح ہے۔ لیلۃ القدر کی تعیین میں چالیس اقوال ہیں۔ میں نے انہیں فتح الباری میں بیان کیا ہے۔

تشریح: حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے یہ روایت مرفوع اور موقوف ہر دو طرح سے منقول ہے۔ معاذ بن معاذ نے اسے امام شعبہ سے مرفوع جبکہ عفان اور ابوداؤد طیالسی نے امام شعبہ سے موقوف نقل کیا ہے۔ امام بیہقی، امام احمد، امام دارقطنی اور علامہ ابن رجب نے اسے موقوف قرار دیا ہے۔ مؤلف رحمہ اللہ نے اس بارے میں چالیس اقوال نقل کئے ہیں۔ ان میں سے راجح قول یہ ہے کہ لیلۃ القدر رمضان کے آخری عشرہ کی طاق راتوں میں بدل بدل کر آتی ہے۔

۶۹۶: وَعَنْ عَائِشَةَ رضی اللہ عنہا قَالَتْ قُلْتُ يَا رَسُولَ اللَّهِ أَرَأَيْتَ إِنْ عَلِمْتُ أَيَّ لَيْلَةٍ لَيْلَةُ الْقَدْرِ, مَا أَقُولُ فِيهَا؟ قَالَ "قُولِي اَللَّهُمَّ إِنَّكَ عَفُوٌّ تُحِبُّ الْعَفْوَ فَاعْفُ عَنِّي" رَوَاهُ الْخَمْسَةُ, غَيْرَ أَبِي دَاوُدَ, وَصَحَّحَهُ التِّرْمِذِيُّ, وَالْحَاكِمُ.

الترمذی، جامع الدعوات عن رسول اللہ ﷺ: ۳۷۶۰، النسائی فی الکبری: ۴۰۷/۴، ابن ماجة: ۳۸۵۰، احمد: ۱۸۳/۶، الحاکم: ۷۱۲/۱، الاذکار للنووی: ۱۶۲، ۱۶۳

۶۹۶: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے بیان کیا ہے کہ میں نے عرض کیا، اے اللہ کے رسول ﷺ! اگر مجھے معلوم ہو جائے کہ لیلۃ القدر کونسی ہے، تو آپ ﷺ اس میں کونسی دعا کرنے کا مشورہ دیتے ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: "تم کہو، اے اللہ! بلاشبہ تو درگزر کرنے والا ہے، تو درگزر کرنے والوں کو پسند فرماتا ہے۔ چنانچہ مجھ سے بھی درگزر فرما۔" اسے ابوداؤد کے علاوہ پانچوں نے روایت کیا ہے۔ امام ترمذی اور امام

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

حاکم نے اسے صحیح کہا ہے۔

تشریح: اس حدیث کو امام ترمذی، امام حاکم، امام نووی اور علامہ البانی نے صحیح کہا ہے۔

فقہی احکام: لیلۃ القدر کی رات میں ویسے تو کوئی بھی دعا کی جا سکتی ہے مگر سب سے افضل وہی ہے جو اس حدیث میں مذکور ہے۔

۶۹۷: وَعَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ رضی اللہ عنہ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صلی اللہ علیہ وسلم "لَا تُشَدُّ الرِّحَالُ إِلَّا إِلَى ثَلَاثَةِ مَسَاجِدَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ, وَمَسْجِدِي هَذَا, وَالْمَسْجِدِ الْأَقْصَى" مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ.

البخاری، کتاب جزاء الصید، باب حج النساء: ۱۸۶۴، مسلم: ۸۲۷،(فی الحج): ۱۳۹۷، الترمذی: ۳۲۶،ابن ماجة: ۱۴۰۹، ۱۴۱۰، احمد: ۷/۳، ابوداود: ۲۰۳۳، النسائی: ۳۷/۲، البیهقی: ۲۴۴/۴، الضعفاء الکبیر: ۲۵۶/۳، عبدالرزاق: ۱۳۳/۵، المعجم الاوسط: ۲۱۲۲، ۲۲۰۸، ۳۶۵۱، ۴۹۸۰، ۵۱۰۶، ۹۴۱۵،ابن حبان: ۱۶۱۷، ۱۶۱۹

۶۹۷: حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "تین مسجدوں کے علاوہ دیگر کسی مسجد کی طرف کجاوے مت باندھو (یعنی) مسجد حرام، مسجد نبوی اور مسجد اقصیٰ۔" (بخاری و مسلم)

تشریح: انہیں الفاظ کے ساتھ یہ حدیث حضرت ابو ہریرہ، حضرت علی ابن ابی طالب، حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص، حضرت عبداللہ بن عمر اور حضرت بصرہ بن ابی بصرہ رضی اللہ عنہم سے منقول ہے۔ البتہ ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی حدیث علی بن یزید اور بصرہ بن ابی بصرہ سے مروی حدیث ابن جریج کے شیخ کے مجہول ہونے کی وجہ سے ضعیف ہے۔ ان احادیث سے یہ واضح ہوا کہ خیر و برکت کی نیت سے سفر کرنا صرف تین مقامات یعنی مسجد حرام، مسجد نبوی اور مسجد اقصیٰ کی طرف جائز ہے۔ ان مقامات کے علاوہ دیگر کسی مقام کی طرف درست نہیں، البتہ تجارت، سیر و سیاحت، احباب سے ملاقات اور غزوات کیلئے سفر کرنا درست ہے۔ جبکہ خیر و برکت اور نذر و نیاز کی نیت سے مزارات کی طرف سفر کرنا حرام ہے۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

كِتَابُ الْحَجّ
حج کے مسائل کا بیان

۱۔ بَابُ فَضْلِهِ وَبَيَانِ مَنْ فُرِضَ عَلَيْهِ — حج کی فضیلت اور اس شخص کا بیان جس پر حج فرض ہے

۶۹۸: عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضی اللہ عنہ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صلی اللہ علیہ وسلم قَالَ " اَلْعُمْرَةُ إِلَى الْعُمْرَةِ كَفَّارَةٌ لِمَا بَيْنَهُمَا, وَالْحَجُّ الْمَبْرُورُ لَيْسَ لَهُ جَزَاءٌ إِلَّا الْجَنَّةَ " مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ.

البخاری، کتاب العمرة، باب العمرة وجوب العمرة و فضلها: ۱۷۷۳، کتاب الحصر: ۱۸۲۰، مسلم: ۱۳۴۹، الترمذی: ۸۱۴، النسائی: ۵/۱۱۵، ابن ماجة: ۲۸۹۲، ابن خزیمة: ۴/۱۳۱، ابن حبان: ۳۶۹۶، مؤطاامام مالک: ۱/۳۴۶، البیهقی: ۵/۲۶۱، مسند احمد: ۲/۴۶۲، ۳/۴۴۸، الطبرانی: ۱۱/۱۱۱۹۶

۶۹۸: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "عمرہ دوسرے عمرے تک کے مابین گناہوں کا کفارہ ہے اور حج مبرور کا بدلہ جنت ہی ہے۔" (بخاری و مسلم)

لغوی تحقیق: **الحج:** حج کا لغوی معنی ارادہ یا قصد کرنا، شرعی اصطلاح میں میقات سے احرام باندھ کر مناسک حج کی ادائیگی کیلئے بیت اللہ کا قصد کرنا ہے، حج اسلام کا پانچواں رکن ہے۔ جو شخص زادراہ اور سفر کی استطاعت رکھتا ہے، اس پر زندگی میں ایک بار حج فرض ہے۔
العمرة: عمرۃ کے لغوی اور اصطلاحی معنی بھی تقریباً وہی ہیں جو حج کے ہیں، بس فرق اتنا ہے کہ مناسک حج زیادہ اور ارکان عمرہ کم ہیں۔
الحج مبرور: اس حج سے مراد وہ حج ہے جس کی ادائیگی کے دوران گناہوں سے محفوظ رہا گیا ہو اور ادائیگی کے بعد زندگی میں کوئی انقلابی تبدیلی واقع ہوئی ہو۔

تشریح: اسی مفہوم کی قدر مفصل حدیث حضرت سریج بن ربیعہ رضی اللہ عنہ سے بھی مروی ہے جبکہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "حج اور عمرہ پے در پے کیا کرو کیونکہ یہ دونوں تنگ دستی اور گناہوں کو ایسے دور کر دیتے ہیں جیسے پھونکنی لوہے کو میل کچیل سے صاف کر دیتی ہے۔" یاد رہے کہ یہ مقام و مرتبہ انہیں لوگوں کو حاصل ہوتا ہے جو ارکان حج کی ادائیگی کے وقت ان کے تقاضے پورے کرتے ہیں جیسا کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ایک حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "جس نے اس گھر کا حج کیا اور اس نے اس دوران عمل زوجیت اور فسق و فجور سے اجتناب کیا وہ ایسے واپس لوٹا جیسے اس کی ماں نے اسے جنم دیا ہے۔"

فقہی احکام: (۱) حج اور عمرہ بار بار کئے جا سکتے ہیں۔ (۲) حالت احرام میں عمل زوجیت ممنوع ہے۔
(۳) امور منہیات سے اجتناب کرنا ضروری ہے۔

۶۹۹: وَعَنْ عَائِشَةَ رضی اللہ عنہا قَالَتْ قُلْتُ يَا رَسُولَ اللَّهِ! عَلَى النِّسَاءِ جِهَادٌ؟ قَالَ " نَعَمْ, عَلَيْهِنَّ جِهَادٌ لَا قِتَالَ فِيهِ: اَلْحَجُّ, وَالْعُمْرَةُ " رَوَاهُ أَحْمَدُ, وَابْنُ مَاجَهْ وَاللَّفْظُ لَهُ, وَإِسْنَادُهُ صَحِيحٌ وَأَصْلُهُ فِي الصَّحِيحِ.

ابن ماجة، کتاب المناسک، باب الحج جهاد النساء: ۲۹۰۱، احمد: ۶/۷۵، ابن خزیمة: ۴/۳۵۹، البخاری: ۱۸۶۱

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

تنبیہ: بلوغ المرام کے مطبوعہ نسخوں میں علی النساء سے قبل ہمزہ استفہام مذکور نہیں جبکہ ابن ماجہ کے مطبوعہ نسخوں میں مذکور ہے۔

۶۹۹: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے بیان کیا کہ میں نے عرض کیا، اے اللہ کے رسول ﷺ! کیا عورتوں پر جہاد فرض ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا:"ہاں! ان پر وہ جہاد فرض ہے جس میں قتال نہیں (یعنی) حج اور عمرہ۔"اسے احمد اور ابن ماجہ نے روایت کیا ہے۔ مذکورہ الفاظ ابن ماجہ کے ہیں۔اس کی سند صحیح ہے اور اس کی اصل صحیح (بخاری) میں ہے۔

تشریح: امام احمد، امام ابن ماجہ، امام ابن خزیمہ اور امام دارقطنی نے یہ حدیث جس سند سے نقل کی ہے اس سند کے تمام رواۃ صحیحین کے ہیں۔ شیخ الاسلام علامہ ابن دقیق العید نے اس حدیث کو **احکام الاحکام** مین درج کرنے کے بعد کہا ہے کہ اس حدیث کو امام ابن ماجہ اور امام دارقطنی نے اس سند سے نقل کیا ہے جو شیخین کی شرط کے مطابق ہے۔ امام بخاری نے حبیب بن ابی عمرۃ کے طریق سے یہ حدیث صحیح بخاری میں بیان کی ہے مگر اس میں فقط حج کا ذکر ہے یعنی اس میں عمرہ کا ذکر نہیں ہے۔ شاید اس لئے مؤلف رحمۃ اللہ علیہ نے:**اصله في الصحيح**؛ کہا ہے

فقہی احکام: (۱) حج اور عمرہ خواتین کا جہاد ہے۔ (۲) حج اور عمرہ دونوں فرض ہیں۔

۷۰۰: **وَعَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ رضی اللہ عنہما قَالَ أَتَى النَّبِيَّ ﷺ أَعْرَابِيٌّ فَقَالَ يَا رَسُولَ اللّٰهِ! أَخْبِرْنِي عَنِ الْعُمْرَةِ ,أَوَاجِبَةٌ هِيَ؟ فَقَالَ " لَا وَأَنْ تَعْتَمِرَ خَيْرٌ لَكَ " رَوَاهُ أَحْمَدُ ,وَالتِّرْمِذِيُّ ,وَالرَّاجِحُ وَقْفُهُ.**

الترمذی، ابواب الحج، باب العمرة اواجبة هي ام لا: ۹۴۱، احمد: ۳/۳۱۶، الدارقطنی: ۲/ ۲۸۵، البیهقی: ۴/۳۴۹، معرفة السنن والآثار: ۳/ ۵۰۱، ۵۰۶، ابن ماجة: ۲۹۸۹، ابن ابی شیبة: ۴/۳۰۴، مسند شافعی: ۷۳۷

۷۰۰: حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما نے بیان کیا کہ ایک دیہاتی نے نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا، اے اللہ کے رسول ﷺ! مجھے عمرہ کے بارے میں خبر دیں، کیا یہ فرض ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا:"نہیں، لیکن تیرا عمرہ کرنا تیرے لئے بہتر ہے۔"اسے احمد اور ترمذی نے روایت کیا ہے لیکن اس کا موقوف ہونا راجح ہے۔

تشریح: یہ حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما سے مرفوع اور موقوف ہر دو طرح سے ایک سے زائد طرق سے منقول ہے اور ہر طریق ضعیف ہے۔ امام ترمذی اور امام دارقطنی نے یہ ابن منکدر کے طریق سے مرفوع نقل کی ہے جبکہ امام بیہقی نے یہ روایت اسی طریق سے موقوف نقل کی ہے۔ اس روایت کو اگرچہ امام بیہقی نے محفوظ قرار دیا ہے لیکن یہ طریق بھی ضعیف ہے کیونکہ ان دونوں طرق کا مرکزی راوی حجاج بن ارطاۃ ہے اور وہ ضعیف ہے، حجاج کی متابعت ابو عصمہ نے کی ہے لیکن اس کا حال حجاج سے بھی ابتر ہے۔

اس روایت کی تائید حضرت طلحہ بن عبید اللہ رضی اللہ عنہ سے مروی مرفوع اور حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہما سے مروی موقوف اور ابو صالح حنفی سے مروی مرسل روایات سے ہوتی ہے، مگر یہ تینوں روایات قابل استشہاد نہیں کیونکہ حضرت طلحہ بن عبید اللہ رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث عمر بن قیس کی وجہ سے موضوع کے قریب تر ہے، جبکہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہما سے مروی حدیث ابو معشر کے مبہم ہونے کی وجہ سے ضعیف ہے اور ابو صالح حنفی خود ضعیف ہے۔ یہ روایات ضعیف ہونے کے ساتھ ساتھ سابقہ صحیح حدیث کے معارض بھی ہیں، لہٰذا یہ قابل التفات نہیں۔

۷۰۱: **وَأَخْرَجَهُ ابْنُ عَدِيٍّ مِنْ وَجْهٍ آخَرَ ضَعِيفٍ. عَنْ جَابِرٍ مَرْفُوعًا "اَلْحَجُّ وَالْعُمْرَةُ فَرِيضَتَانِ"**

الکامل: ۴/ ۱۵۰، التلخیص الحبیر: ۲/ ۲۲۵، فتح الباری: ۳/ ۵۹۷، بیهقی: ۸۸۳۹

۷۰۱: اور ابن عدی نے ایک دوسرے طریق سے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مرفوع روایت نقل کی ہے کہ حج اور عمرہ دونوں فرض ہیں۔

تشریح: امام ابن عدی نے یہ روایت ابن لھیعہ کے طریق سے نقل کی ہے اور انہوں نے نقل کرنے کے بعد اسے غیر محفوظ قرار دیا ہے۔ اس کے غیر محفوظ ہونے کی علت عبداللہ بن لھیعہ کی موجودگی ہے کیونکہ یہ ضعیف ہے۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

۷۰۲: وَعَنْ أَنَسٍ رضی اللہ عنہ قَالَ قِيلَ يَا رَسُولَ اللّٰهِ ,مَا السَّبِيلُ؟ قَالَ " اَلزَّادُ وَالرَّاحِلَةُ " رَوَاهُ الدَّارَقُطْنِيُّ وَصَحَّحَهُ الْحَاكِمُ, وَالرَّاجِحُ إِرْسَالُهُ. الدارقطنی : ۲/۲۱۵، الحاکم: ۱/۴۰۹، البیھقی: ۴/۳۳۰، التنقیح: ۲/۳۷۹

۷۰۲: حضرت انس رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ اللہ کے رسول ﷺ سے عرض کیا گیا، اے اللہ کے رسول ﷺ! سبیل سے کیا مراد ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: "راستے کا خرچ اور سواری" اسے دارقطنی نے روایت کیا ہے اور امام حاکم نے صحیح کہا ہے، جبکہ اس کا مرسل ہونا راجح ہے۔

تشریح: امام حاکم نے اس روایت کو شیخین کی شرط کے مطابق صحیح قرار دیا ہے، امام ذہبی نے اس پر مہر تصدیق ثبت کی ہے، جبکہ امام بیہقی نے اس کے مرسل طریق کو محفوظ اور مرفوع طریق کو وہم قرار دیا ہے۔ حافظ ابن عبدالھادی نے بھی اسی رائے کا اظہار کیا ہے۔

۷۰۳: وَأَخْرَجَهُ التِّرْمِذِيُّ مِنْ حَدِيثِ ابْنِ عُمَرَ رضی اللہ عنہما أَيْضًا , وَفِي إِسْنَادِهِ ضَعْفٌ.

الترمذی، ابواب الحج، باب التغلیظ فی ترک الحج: ۸۱۲، الدارقطنی : ۲/ ۲۱۵ ـ ۲۱۸، البیھقی: ۴/ ۳۳۰، کتاب الضعفاء للعقیلی: ۳۲۳، الارواء: ۴/۱۶۶

۷۰۳: اور ترمذی نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے بھی حدیث نقل کی ہے اور اس کی سند میں ضعف ہے۔

تشریح: امام ترمذی نے اس حدیث کو نقل کرنے کے بعد اسے حسن کہا ہے لیکن یہ درست نہیں کیونکہ اس روایت کا مرکزی راوی ابراہیم الخوزی ہے اور یہ ایسا راوی ہے جس کے ضعیف ہونے پر تمام محدثین کا اتفاق ہے۔ اسی مفہوم کی مرفوع روایات حضرت عائشہ، حضرت عبداللہ بن مسعود، حضرت علی، حضرت عبداللہ بن عباس، حضرت عبداللہ بن عمرو اور حضرت جابر رضی اللہ عنہم سے بھی مروی ہیں۔ تاہم یہ تمام روایات ضعیف ہیں۔

۷۰۴: وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رضی اللہ عنہما أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ لَقِيَ رَكْبًا بِالرَّوْحَاءِ فَقَالَ " مَنِ الْقَوْمُ؟ " قَالُوا الْمُسْلِمُونَ فَقَالُوا مَنْ أَنْتَ؟ قَالَ " رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ " فَرَفَعَتْ إِلَيْهِ امْرَأَةٌ صَبِيًّا فَقَالَتْ أَلِهٰذَا حَجٌّ؟ قَالَ " نَعَمْ وَلَكِ أَجْرٌ " رَوَاهُ مُسْلِمٌ.

مسلم، کتاب الحج، باب صحة حج الصبی و اجره من حج به: ۱۳۳۶، ابوداود: ۱۷۳۶، النسائی: ۵/۱۲۰، احمد: ۱/۲۱۹، البیھقی: ۵/۱۵۵، ابن خزیمة: ۳۰۴۹، البخاری: ۱۸۵۷، ۱۸۵۸، ابن حبان: ۱۴۴

۷۰۴: حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ مقام روحاء پر نبی کریم ﷺ کی ملاقات چند سواروں سے ہوئی، آپ ﷺ نے ان سے پوچھا، "تم کون ہو ؟ " انہوں نے عرض کیا، ہم مسلمان ہیں۔ پھر انہوں نے آپ ﷺ سے پوچھا، آپ کون ہیں ؟ آپ نے فرمایا: " اللہ کا رسول ﷺ۔ " پھر ایک عورت نے ایک بچے کو آپ ﷺ کی طرف بلند کرتے ہوئے عرض کیا، کیا اس کا حج ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: "ہاں! اس کا اجر و ثواب تجھے ملے گا۔" (مسلم)

لغوی تحقیق: رکبا: راء مفتوح اور کاف ساکن، یہ راکب (سوار) کی جمع ہے، اس کی تنوین تقلیل کیلئے ہے یعنی چند سوار۔

تشریح: اس حدیث سے یہ واضح ہوا کہ نابالغ بچے کا حج درست ہے، یہ مسئلہ سائب بن یزید اور عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہم سے مروی احادیث بھی ثابت ہے، حضرت عبداللہ بن عباس اور حضرت سائب بن یزید رضی اللہ عنہم نے رسول اللہ ﷺ کی معیت میں جب حج کیا تو اس وقت حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما بلوغت کے قریب تھے جبکہ سائب بن یزید رضی اللہ عنہ کی عمر سات سال تھی۔

فقہی احکام: (۱) نابالغ بچے کا حج درست ہے۔ لیکن بالغ ہونے پر اس کو دوبارہ حج کرنا ہوگا۔

(۲) نابالغ بچے کے حج کا ثواب اسے ملے گا جو اسے حج کرائے گا۔

۷۰۵: وَعَنْهُ قَالَ كَانَ الْفَضْلُ بْنُ عَبَّاسٍ رَدِيفَ رَسُولِ اللّٰهِ ﷺ ، فَجَاءَتِ امْرَأَةٌ مِنْ خَثْعَمَ، فَجَعَلَ الْفَضْلُ يَنْظُرُ إِلَيْهَا وَتَنْظُرُ إِلَيْهِ، وَجَعَلَ النَّبِيُّ ﷺ يَصْرِفُ وَجْهَ الْفَضْلِ إِلَى الشِّقِّ الْآخَرِ فَقَالَتْ يَا رَسُولَ اللّٰهِ ,إِنَّ فَرِيضَةَ اللّٰهِ عَلَى

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

عِبَادِهِ فِي الْحَجِّ أَدْرَكَتْ أَبِي شَيْخًا كَبِيرًا ,لَا يَثْبُتُ عَلَى الرَّاحِلَةِ ,أَفَأَحُجُّ عَنْهُ؟ قَالَ " نَعَمْ " وَذَلِكَ فِي حَجَّةِ الْوَدَاعِ. مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ ,وَاللَّفْظُ لِلْبُخَارِيِّ.

البخاری، کتاب الحج، باب وجوب الحج: ۱۵۱۳ ، کتاب جزاء الصید: ۱۸۵۴، مسلم: ۱۳۳۴، ابوداود: ۱۸۰۹، النسائی: ۵/ ۱۱۷، مؤطا: ۳۵۹/۱، احمد: ۳۴۶/۱، ابن حبان: ۳۹۹۵، ابن ماجۃ: ۲۹۰۴، ۲۹۰۸، الترمذی: ۹۳۸، الدارمی: ۴۱/۲، ابن خزیمۃ: ۳۰۴۲

۷۰۵: حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے بیان کیا کہ فضل بن عباس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے سوار تھے اس دوران خثعم قبیلے کی عورت آئی، فضل بن عباس رضی اللہ عنہما اس کی طرف دیکھنے لگے اور وہ اس کی طرف دیکھنے لگی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فضل بن عباس کا چہرہ دوسری طرف پھیر دیا، اس عورت نے عرض کیا، یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں پر حج فرض کیا ہے، لیکن میرا باپ بہت بوڑھا ہے، وہ سواری پر نہیں بیٹھ سکتا، کیا میں اس کی طرف سے حج کر سکتی ہوں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اثبات میں جواب دیا اور یہ حجۃ الوداع کا واقعہ ہے۔ (بخاری و مسلم) مذکورہ الفاظ بخاری کے ہیں۔

لغوی تحقیق: **ردیف**: ایک سواری پر بیٹھنے والے دو سواروں میں سے پچھلے سوار کو ردیف کہتے ہیں۔ **خثعم**: خاء مفتوح، ثاء ساکن اور عین مفتوح، مشہور یمنی قبیلہ ہے۔

تشریح: یہ حدیث امام زہری کے اکثر تلامذہ نے فضل بن عباس کے واسطے کے بغیر نقل کی ہے۔ جبکہ ابن جریج اور معمر نے عن ابن عباس عن فضل بن عباس کے طریق سے نقل کی ہے۔ ممکن ہے کہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما اس وقت موجود بھی ہوں اور فضل بن عباس سے بھی یہ واقعہ سنا ہو نیز یہ روایت حضرت علی رضی اللہ عنہ سے بھی مروی ہے۔ اس حدیث سے یہ واضح ہوا کہ ایسا مریض اور ناتواں بوڑھا جو سفر کرنے کی استطاعت نہیں رکھتا اور اسے صحت کی بحالی کی امید بھی نہیں، اس کی طرف سے حج بدل کیا جا سکتا ہے۔ اس سلسلے میں بہتر یہ ہے کہ حج بدل مریض بوڑھے کا کوئی قریبی عزیز ہی کرے۔

حج بدل کے جواز کی روایت حضرت حصین بن عوف اور ام المؤمنین حضرت سودہ بنت زمعہ رضی اللہ عنہا سے بھی مروی ہے۔

فقہی احکام: (۱) دائمی مریض اور نہایت ناتواں بوڑھے کی طرف سے حج بدل کیا جا سکتا ہے

(۲) مرد کی طرف سے حج بدل عورت بھی کر سکتی ہے

۷۰۶: وَعَنْهُ أَنَّ اِمْرَأَةً مِنْ جُهَيْنَةَ جَاءَتْ إِلَى النَّبِيِّ صلی اللہ علیہ وسلم فَقَالَتْ إِنَّ أُمِّي نَذَرَتْ أَنْ تَحُجَّ ,فَلَمْ تَحُجَّ حَتَّى مَاتَتْ ,أَفَأَحُجُّ عَنْهَا؟ قَالَ " نَعَمْ " حُجِّي عَنْهَا ,أَرَأَيْتِ لَوْ كَانَ عَلَى أُمِّكِ دَيْنٌ ,أَكُنْتِ قَاضِيَتَهُ؟ اِقْضُوا اللَّهَ ,فَاللَّهُ أَحَقُّ بِالْوَفَاءِ. رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ.

البخاری، کتاب جزاء الصید، باب الحج و النذور عن المیت: ۱۸۵۲، النسائی: ۵/ ۱۱۶، احمد: ۱/ ۳۴۵، ابن خزیمۃ: ۳۴۶/۴، البیہقی: ۳۳۵/۴، مسند البزار: ۴۶۸/۱

۷۰۶: حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ جہینہ قبیلے کی ایک عورت نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا، میری ماں نے حج کرنے کی نذر مانی تھی اور وہ حج کے بغیر فوت ہو گئی ہے، کیا میں اس کی طرف سے حج کروں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "ہاں! اس کی طرف سے حج کرو اور یہ بتاؤ! اگر تیری ماں کے ذمہ قرض ہو تو کیا تم اس کا قرض ادا کرو گی؟ اللہ کا قرض ادا کرو کیونکہ اللہ زیادہ حق دار ہے کہ اس کا حق ادا کیا جائے۔" (بخاری)

لغوی تحقیق: **جھینہ**: جیم مضموم، ھاء مفتوح اور یاء ساکن، ایک قبیلے کا نام ہے۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

تشریح: حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما ہی سے مروی ایک دوسری روایت میں ہے کہ ایک عورت نے حج کرنے کی منت مانی، مگر وہ حج کرنے سے پہلے فوت ہوگئی، اس کے بھائی نے اس کی طرف سے حج کرنے کی اجازت چاہی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے اس کی طرف سے حج کرنے کی تاکید فرمائی۔ میت کی طرف سے حج کرنے کے بارے میں حضرت بریدہ بن حصیب اور حضرت انس رضی اللہ عنہما سے بھی احادیث مروی ہیں۔

فقہی احکام: (۱) میت کی طرف سے حج بدل کیا جا سکتا ہے۔ (۲) مرد کی طرف سے عورت اور عورت کی طرف سے مرد حج کر سکتا ہے۔

۷۰۷: وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم "أَيُّمَا صَبِيٍّ حَجَّ, ثُمَّ بَلَغَ الْحِنْثَ, فَعَلَيْهِ أَنْ يَحُجَّ حَجَّةً أُخْرَى, وَأَيُّمَا عَبْدٍ حَجَّ, ثُمَّ أُعْتِقَ, فَعَلَيْهِ أَنْ يَحُجَّ حَجَّةً أُخْرَى" رَوَاهُ ابْنُ أَبِي شَيْبَةَ, وَالْبَيْهَقِيُّ وَرِجَالُهُ ثِقَاتٌ, إِلَّا أَنَّهُ اخْتُلِفَ فِي رَفْعِهِ, وَالْمَحْفُوظُ أَنَّهُ مَوْقُوفٌ

ابن ابی شیبة، کتاب الحج، باب فی الصبی و العبد و الاعرابی یحج: ۴/۴۴۴، ۴۴۵، البیهقی: ۴/۳۲۵، الحاکم: ۱/۶۵۵، ابن خزیمة: ۴/۳۴۹، المعجم الاوسط: ۲۷۵۲، الفروع: ۳/۲۱۳

۷۰۷: حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "جس (نابالغ) بچے نے حج کیا اور بعد میں بالغ ہوا، اس پر دوسرا حج کرنا لازم ہے اور جس غلام نے (حالت غلامی میں) حج کیا، پھر وہ آزاد کر دیا گیا تو اس پر دوسرا حج کرنا لازم ہے۔" اسے ابن ابی شیبہ اور بیہقی نے روایت کیا اور اس کے تمام راوی ثقہ ہیں، البتہ اس کے مرفوع یا موقوف ہونے کے بارے میں اختلاف کیا گیا ہے، محفوظ یہی ہے کہ یہ موقوف ہے۔

لغوی تحقیق: حنث : حاء مکسور اور نون ساکن، اس کے لغوی معنی گناہ کے ہیں اور یہاں اس سے مراد وہ عمر ہے جس میں گناہ تحریر ہونے شروع ہو جاتے ہیں۔

تشریح: اعمش سے یہ حدیث ابو معاویہ اور شعبہ نقل کرتے ہیں، ابو معاویہ اپنے شیخ اعمش سے موقوف نقل کرتے ہیں، جبکہ شعبہ سے یزید بن زریع کے واسطے سے محمد بن منہال مرفوع، عبدالوھاب بن عطاء اور ابن ابی عدی امام شعبہ کے واسطے سے اعمش سے موقوف نقل کرتے ہیں، یزید بن زریع اور محمد بن منہال ثقہ ہیں، ثقہ کی زیادتی اگرچہ مقبول ہوتی ہے تاہم یہ ضابطہ غیر مشروط نہیں، یہی وجہ ہے کہ اہل علم کی ایک بڑی تعداد نے اس روایت میں ثقہ رواۃ کی زیادت کو مسترد کرتے ہوئے اس روایت کے موقوف طرق کو راجح قرار دیا ہے۔ امام نووی اور علامہ البانی نے مرفوع طریق کو راجح قرار دیا ہے۔

اسی مفہوم کی ایک مرسل حدیث محمد بن کعب قرظی سے بھی مروی ہے مگر وہ مرسل ہونے کے ساتھ ساتھ منقطع بھی ہے۔ امام ابن ابی شیبہ، امام ابن خزیمہ اور امام حاکم نے اس حدیث کے آخر میں یہ الفاظ بھی نقل کیے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "جب کوئی دیہاتی حج کرے تو اسے اس حج کا ثواب ملے گا لیکن ہجرت کرنے کے بعد اسے دوبارہ حج کرنا ہوگا۔" اس روایت کو امام ابن خزیمہ اور امام حاکم نے صحیح کہا ہے جبکہ امام ابن حزم نے اس کی صحت کو تسلیم کرتے ہوئے اسے منسوخ قرار دیا ہے۔ ابن مفلح نے اس اشکال کو اس طرح حل کیا ہے کہ یہاں ہجرت سے مراد اصطلاحی ہجرت نہیں بلکہ ہجرت سے مراد کفر چھوڑ کر اسلام میں داخل ہونا ہے۔

فقہی احکام: غلام، بچے اور کافر کا حج درست ہے، لیکن بچے کو بالغ، غلام کو آزاد اور کافر کو مسلمان ہونے کے بعد دوبارہ حج کرنا ہوگا۔

تنبیہ: کافر کا حج، حجۃ الوداع سے قبل درست تھا، حجۃ الوداع کے موقع پر اللہ تعالیٰ نے مشرکین کو نجس قرار دے کر حرم میں ان کا داخلہ ممنوع قرار دے دیا۔

۷۰۸: وَعَنْهُ قَالَ سَمِعْتُ رَسُولَ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم يَخْطُبُ يَقُولُ "لَا يَخْلُوَنَّ رَجُلٌ بِامْرَأَةٍ إِلَّا وَمَعَهَا ذُو مَحْرَمٍ, وَلَا تُسَافِرِ الْمَرْأَةُ إِلَّا مَعَ ذِي مَحْرَمٍ" فَقَامَ رَجُلٌ, فَقَالَ يَا رَسُولَ اللّٰهِ, إِنَّ امْرَأَتِي خَرَجَتْ حَاجَّةً, وَإِنِّي اكْتُتِبْتُ فِي غَزْوَةِ كَذَا وَكَذَا, قَالَ "انْطَلِقْ, فَحُجَّ مَعَ امْرَأَتِكَ" مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ, وَاللَّفْظُ لِمُسْلِمٍ.

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

مسلم، کتاب الحج، باب سفر المرأة مع محرم الی حج وغیرہ: ۱۳۳۸ ۔ ۱۳۴۱، البخاری: ۱۰۸۸ ، ۱۸۶۲ ۔ ۱۸۶۴ ، ۳۰۰۶، مجمع البحرین: ۱۹۵/۲ ، ۱۶۸۰، المعجم الاوسط: ۷۲۴۵ ، ۲۲۳/۲، الدارقطنی : ۲۲۳/۲، المعجم الکبیر: ۱۲۶۵۲

۷۰۸: حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے بیان کیا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم خطبہ دیتے ہوئے فرمارہے تھے: "کوئی (غیر) مرد کسی عورت کے ساتھ قطعاً تنہائی اختیار نہ کرے الا یہ کہ اس عورت کے ساتھ اس کا محرم ہو اور کوئی عورت محرم کے بغیر سفر نہ کرے۔" چنانچہ ایک آدمی نے کھڑے ہو کر عرض کیا، اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم! بلاشبہ میری بیوی حج کیلئے گئی ہے جبکہ میرا نام فلاں فلاں غزوہ کیلئے لکھا گیا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "جاؤ اپنی بیوی کے ساتھ حج کرو۔" (بخاری و مسلم) مذکورہ الفاظ مسلم کے ہیں۔

لغوی تحقیق: **لا یخلون**: یہ خلواً سے فعل نہی ہے یعنی تنہائی اختیار نہ کرے۔ **ذو محرم**: عورت کے ایسے رشتہ دار جن سے اس کا نکاح دائمی طور پر حرام ہے۔

تشریح: زیر مطالعہ حدیث میں دو چیزوں کی ممانعت مذکور ہے

(۱) کوئی غیر مرد کسی عورت کے ساتھ تنہائی اختیار نہ کرے یعنی غیر مرد ایک ہو یا ایک سے زیادہ، وہ کسی عورت کے ساتھ اس وقت تک نہیں رہ سکتا جب تک اس عورت کے ساتھ اس کا محرم یا شوہر نہ ہو، ایک دوسری حدیث میں اس ممانعت کی یہ علت بتائی گئی ہے کہ جب دو اجنبی مرد و عورت تنہائی اختیار کرتے ہیں تو تیسرا ان کے ساتھ شیطان ہوتا ہے۔ یعنی شیطان انہیں فعل قبیح پر اکسا سکتا ہے۔

(۲) کوئی عورت اپنے محرم یا شوہر کے بغیر سفر نہ کرے، اس حدیث میں اگرچہ سفر کی کسی مسافت کا ذکر نہیں، لیکن حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث میں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "کوئی عورت دو دن کی مسافت کا سفر اپنے محرم یا شوہر کی معیت کے بغیر نہ کرے۔" جبکہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث میں ہے ایک دن کے سفر کا تذکرہ ہے، یہ دونوں احادیث صحیحین کی ہیں۔

حضرت عبداللہ بن عمر، حضرت علی، حضرت عدی بن حاتم اور حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہم سے مروی احادیث میں تین دن کی مسافت کا ذکر ہے۔ حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہما سے مروی حدیث صحیح مسلم کی ہے۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ایک روایت میں تین میل کا ذکر ہے مگر وہ روایت ضعیف ہے۔

مؤلف رحمہ اللہ نے فتح الباری میں ابن منیر کا یہ قول نقل کی ہے کہ احادیث کا یہ اختلاف سوال کرنے والوں کے سوالات کی وجہ ہے، یعنی جس شخص نے تین دن کی مسافت کے سفر کا ذکر کیا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے جواب میں اسے تین دن کی مسافت کے برابر سفر کی ممانعت فرمادی، جس نے دو یا ایک دن کے سفر کا ذکر کیا، اسے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک یا دو دن کی مسافت کے برابر سفر کرنے کی ممانعت فرمادی اور جس نے مطلق سفر کرنے کے بارے میں دریافت کیا، اسے مطلق سفر کی ممانعت سے آگاہ فرمادیا۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی یہ حدیث مختلف الفاظ سے منقول ہے۔ ایک روایت میں ہے کہ میری بیوی جا چکی ہے جبکہ میرا نام غزوہ میں جانے والوں کی فہرست میں لکھ دیا گیا ہے۔ اور ایک روایت میں ہے، میں لشکر کے ساتھ جانے کا ارادہ رکھتا ہوں جبکہ میری بیوی حج کرنے کا ارادہ رکھتی ہے اور یہ دونوں روایات صحیح بخاری کی ہیں۔

ان روایات میں اگرچہ بظاہر تعارض ہے مگر حقیقتاً کوئی تعارض نہیں یعنی وہ صحابی خود غزوہ میں شریک ہونے کیلئے اپنا نام لکھوا چکا تھا جبکہ اس کی بیوی حج پر جانے کا مصمم ارادہ کر چکی تھی، چنانچہ اس عورت کے مصمم ارادے کو اس کے جانے سے تعبیر کر دیا۔

فقہی احکام: (۱) اجنبی عورت کے ساتھ ایک یا ایک سے زائد افراد خلوت اختیار نہیں کر سکتے، ہاں اگر اس کے ساتھ اس کا شوہر یا اس کا محرم ہو تو پھر کوئی مضائقہ نہیں۔ (۲) عورت اپنے شوہر یا محرم کی معیت کے بغیر ایسا سفر نہیں کر سکتی جسے عرف عام میں سفر کہا جاتا ہو۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

۷۰۹: وَعَنْهُ أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ سَمِعَ رَجُلًا يَقُولُ لَبَّيْكَ عَنْ شُبْرُمَةَ, قَالَ "مَنْ شُبْرُمَةُ؟" قَالَ أَخٌ لِي, أَوْ قَرِيبٌ لِي, قَالَ "حَجَجْتَ عَنْ نَفْسِكَ؟" قَالَ لَا قَالَ "حُجَّ عَنْ نَفْسِكَ, ثُمَّ حُجَّ عَنْ شُبْرُمَةَ" رَوَاهُ أَبُو دَاوُدَ, وَابْنُ مَاجَهْ, وَصَحَّحَهُ ابْنُ حِبَّانَ, وَالرَّاجِحُ عِنْدَ أَحْمَدَ وَقْفُهُ.

ابوداود، کتاب المناسک، باب الرجل یحج عن غیرہ: ۱۸۱۱، ابن ماجۃ: ۲۹۰۳، ابن حبان: ۳۹۸۸، ابن خزیمۃ: ۳۰۳۹، المنتقی لابن جارود: ۴۹۹، الدارقطنی: ۲/۲۷۰، ۲۶۶، البیہقی: ۴/۳۳۶، التلخیص: ۲/۲۲۳، الطبرانی: ۱۲۴۱۹، نصب الرایۃ: ۳/۱۵۵، المقصد العلی: ۵۵۵

۷۰۹: حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ایک آدمی کو لبیک عن شبرمہ کہتے ہوئے سنا تو فرمایا:"شبرمہ کون ہے؟"اس نے عرض کیا، میرا بھائی یا کہا میرا اقربی ہے۔آپ ﷺ نے فرمایا:"تو نے اپنی طرف سے حج کیا ہے؟"اس نے عرض کیا، نہیں۔آپ ﷺ نے فرمایا:"اپنی طرف سے حج کر پھر شبرمہ کی طرف سے کرنا۔"اسے ابوداؤد اور ابن ماجہ نے بیان کیا ہے۔امام ابن حبان نے اسے صحیح کہا ہے جبکہ امام احمد کے نزدیک اس روایت کا موقوف ہونا راجح ہے۔

تشریح: اس حدیث کے جملہ رواۃ ثقہ ہیں، امام ابن خزیمہ اور ابن حبان نے اسے صحیح کہا ہے۔تاہم یہ حدیث مرفوع اور موقوف ہر دو طرح منقول ہونے کی وجہ سے اہل فن کے نزدیک مختلف فیہ ہے۔امام احمد، امام طحاوی اور امام ابن منذر کے نزدیک اس روایت کا مرفوع ہونا درست نہیں، البتہ موقوف صحیح ہے۔امام بیہقی فرماتے ہیں، ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اس حدیث کو جس نے مرفوع ذکر کیا ہے، وہ ثقہ اور حافظ ہیں لہٰذا جس نے اس کے خلاف ذکر کیا ہے، اس کا ذکر کرنا اس کیلئے کوئی مضر نہیں۔امام ابن قطان نے بھی اسی رائے کا اظہار کیا ہے۔امام ابن معین فرماتے ہیں کہ سعید بن ابی عروبہ کے تلامذہ میں سے عبدۃ بن سلیمان کا ان سے سماع سب سے زیادہ پختہ ہے۔واضح رہے کہ عبدۃ بن سلیمان نے سعید بن ابی عروبہ سے یہ حدیث مرفوع بیان کی ہے۔چنانچہ امام ابن خزیمہ، امام ابن حبان، امام بیہقی، حافظ ابن حجر اور امام ابن قطان کے نزدیک اس حدیث کا مرفوع ہونا راجح ہے۔

اس حدیث کے بارے میں ایک علت یہ بھی بیان کی جاتی ہے کہ اس حدیث کو سعید بن منصور نے مرسل بیان کیا ہے۔یہ اعتراض بے وزن ہے کیونکہ اس طریق میں ابن ابی لیلیٰ نامی راوی ہے جو سوء الحفظ کا شکار ہے۔

تیسری علت یہ بیان کی جاتی ہے کہ قتادہ نے یہ روایت عزرہ سے معنعن نقل کی ہے جبکہ قتادہ امام المدلسین ہیں۔

راقم کی تحقیق اس سلسلے میں یہ ہے کہ امام ابن خزیمہ نے مدلسین کی انہیں روایات کو اپنی صحیح میں درج کیا ہے جن میں مدلسین کا سماع ان کے شیوخ سے ثابت ہے، یہ حدیث امام ابن خزیمہ نے اپنی صحیح میں درج کی ہے لہٰذا اسے سماع پر ہی محمول کیا جائے گا۔

یہ حدیث حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کے علاوہ حضرت عائشہ اور حضرت جابر رضی اللہ عنہما سے بھی مروی ہے مگر یہ دونوں طریق ضعیف ہیں۔حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی حدیث ابن ابی لیلیٰ کے سوء الحفظ ہونے اور جابر سے مروی حدیث ثمامہ بن عبیدہ کے ضعیف ہونے کی وجہ سے ضعیف ہے۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے حسن بن عمارہ کے طریق سے مرفوعاً مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ایک شخص کو: لبیک عن نبیشة ؛ کہتے سنا تو آپ ﷺ نے اسے فرمایا:"یہ حج تو نبیشہ کی طرف سے ہے اب تو اپنا حج بھی کر۔"یہ روایت حسن بن عمارہ کے متروک ہونے کی وجہ سے ضعیف ہے۔

فقہی احکام: (۱) نہایت معمر، دائمی مریض اور میت کی طرف سے وہی شخص حج بدل کر سکتا ہے جس نے پہلے اپنا حج کیا ہو۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

(۲) جس کی طرف سے حج کیا جائے، تلبیہ بھی اسی کی طرف سے کہا جائے۔

۷۱۰: وَعَنْهُ قَالَ خَطَبَنَا رَسُولُ اللَّهِ ﷺ فَقَالَ "إِنَّ اللَّهَ كَتَبَ عَلَيْكُمُ الْحَجَّ" فَقَامَ الْأَقْرَعُ بْنُ حَابِسٍ فَقَالَ أَفِي كُلِّ عَامٍ يَا رَسُولَ اللَّهِ؟ قَالَ "لَوْ قُلْتُهَا لَوَجَبَتْ, اَلْحَجُّ مَرَّةٌ, فَمَا زَادَ فَهُوَ تَطَوُّعٌ" رَوَاهُ الْخَمْسَةُ, غَيْرَ التِّرْمِذِيِّ.

ابوداود، کتاب المناسک، باب فرض الحج: ۱۷۲۱، ابن ماجة: ۲۸۸۶، احمد: ۲۵۵/۱، النسائی: ۱۱۱/۵، الدارقطنی: ۲۷۹/۲، الحاکم: ۶۰۸/۱، الدارمی: ۱۷۹۲

۷۱۰: حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے ہمیں خطاب فرماتے ہوئے فرمایا: "اللہ نے تم پر حج فرض کر دیا ہے۔" اقرع بن حابس نے کھڑے ہو کر عرض کیا، اے اللہ کے رسول ﷺ! کیا ہر سال؟ آپ ﷺ نے فرمایا: "اگر میں اثبات میں جواب دے دیتا تو ہر سال حج فرض ہو جاتا، حج ایک ہی بار فرض ہے اور جو اس سے زائد ہے وہ نفلی ہے۔" اسے پانچوں میں سے ترمذی نے بیان نہیں کیا۔

تشریح: یہ حدیث امام زہری سے سفیان بن حسین نے نقل کی ہے۔ سفیان بن حسین اگرچہ ثقہ راوی ہیں مگر اس کی وہ روایات جو وہ امام زہری نقل کرتے ہیں، ضعیف ہیں۔ زیر مطالعہ حدیث بھی سفیان بن حسین نے امام زہری سے نقل کی ہے، لیکن اس روایت کو امام زہری سے عبدالجلیل بن حمید، عبدالرحمن بن خالد اور سلیمان بن کثیر نے بھی بیان کیا ہے، لہٰذا ان متابعات کی وجہ سے یہ حدیث صحیح ہے۔

فقہی احکام: (۱) حج زندگی میں ایک بار فرض ہے (۲) نفلی حج کیا جا سکتا ہے (۳) سوال کرنے والوں کو چاہیے کہ وہ کھڑا ہو کر سوال کرے۔

۷۱۱: وَأَصْلُهُ فِي مُسْلِمٍ مِنْ حَدِيثِ أَبِي هُرَيْرَةَ رضي الله عنه.

مسلم، کتاب الحج، باب فرض الحج مرة فی العمر: ۱۳۳۷، النسائی: ۱۱۰/۵، مسند احمد: ۵۰۸/۲، ابن حبان: ۳۷۰۵، الدارقطنی: ۲۸۱/۲، البیہقی: ۳۲۶/۴، ابن ماجة: ۲۸۸۴، ۲۸۸۵، الطبرانی: ۱۵۹/۸

۷۱۱: اس کی اصل حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث مسلم میں ہے۔

تشریح: مؤلف رحمہ اللہ نے اس حدیث کو پہلے شاید اس لئے نقل نہیں کیا کہ اس میں سائل صحابی کا نام مذکور نہیں، جبکہ سابقہ حدیث میں سائل صحابی کا نام اقرع بن حابس مذکور ہے اس لئے اُسے پہلے نقل کر دیا، مگر صحت کے اعتبار سے وہ روایت صحیح مسلم کی روایت کے مساوی نہیں تھی، اس لئے مؤلف رحمہ اللہ نے "اصله فی مسلم" کہہ کر سابقہ حدیث میں جو مسئلہ مذکور ہوا ہے اسے پختہ کر دیا۔

زیر مطالعہ حدیث آپ ﷺ سے متعدد صحابہ نے بیان کی ہے۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث میں ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: "تم سے پہلی امتیں اپنے انبیا سے زیادہ سوالات کرنے کی وجہ سے تباہ ہو گئیں، میں تمہیں جس چیز کا حکم دوں وہ کر لیا کرو اور جس سے منع کروں، اسے ترک کر دیا کرو۔"

حضرت علی اور حضرت امامہ رضی اللہ عنہما سے مروی روایت میں ہے کہ اس موقع پر یہ آیت نازل ہوئی ﴿اے ایمان والو! تم اشیا کے بارے میں سوال مت کیا کرو (کیونکہ) اگر وہ تمہارے لیے واضح کر دی گئیں تو وہ تمہیں ناگوار گزریں گی۔﴾

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث میں ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: "اگر میں ہاں کہہ دیتا تو پھر ہر سال حج فرض ہو جاتا اور تم یہ فریضہ نبھانے سے قاصر رہتے، جس کی وجہ سے تمہیں عذاب دیا جاتا۔"

فقہی احکام: زیادہ سوالات کرنے سے گریز کرنا چاہیے خصوصاً بے مقصد سوالات سے مکمل اجتناب کرنا چاہیے۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

۲۔ بَابُ الْمَوَاقِيْتِ — احرام باندھنے کے مقامات کا بیان

۷۱۲: عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رضی اللہ عنہما أَنَّ النَّبِيَّ صلی اللہ علیہ وسلم وَقَّتَ لِأَهْلِ الْمَدِينَةِ ذَا الْحُلَيْفَةِ ,وَلِأَهْلِ الشَّامِ الْجُحْفَةَ ,وَلِأَهْلِ نَجْدٍ قَرْنَ الْمَنَازِلِ ,وَلِأَهْلِ الْيَمَنِ يَلَمْلَمَ ,هُنَّ لَهُنَّ وَلِمَنْ أَتَى عَلَيْهِنَّ مِنْ غَيْرِهِنَّ مِمَّنْ أَرَادَ الْحَجَّ وَالْعُمْرَةَ ,وَمَنْ كَانَ دُونَ ذَٰلِكَ فَمِنْ حَيْثُ أَنْشَأَ ,حَتَّى أَهْلُ مَكَّةَ مِنْ مَكَّةَ. مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ.

البخاری، کتاب الحج، باب مهل اهل الشام: ۱۵۲۶ - ۱۵۳۰، مسلم: ۱۱۸۱، ۱۱۸۲، النسائی: ۱۲۳/۵، احمد: ۲۳۸/۱، ابن خزیمة: ۲۵۸۹، ۲۵۹۰، البیهقی: ۲۹/۵

۷۱۲: حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ والوں کے لیے ذوالحلیفہ، اہل شام کیلئے جحفة، اہل نجد کیلئے قرن منازل اور اہل یمن کیلئے یلملم کو میقات مقرر فرمایا۔ یہ مقامات مذکورہ علاقے والوں کیلئے اور ان لوگوں کیلئے بھی جو حج اور عمرہ کے ارادہ سے ان کے قریب سے گزریں گے۔ اور جو ان میقات سے اندر والے علاقوں میں آباد ہیں وہ جہاں سے چاہیں احرام باندھ لیں اور مکہ والے مکہ ہی سے احرام باندھ لیں۔ (بخاری ومسلم)

لغوی تحقیق: **مواقیت:** یہ میقات کی جمع ہے، ان سے مراد وہ مقامات ہیں جہاں سے حرام باندھے بغیر حج اور عمرہ کے ارادے سے مکہ کی طرف سفر کرنا درست نہیں۔ **ذو الحلیفة:** حاء مضموم، لام مفتوح اور یا ساکن یہ **حلفة** کی تصغیر ہے۔ یہ ایک معروف جگہ ہے، اس کے اور مکہ مکرمہ کے مابین دس مراحل کی مسافت ہے، وہاں ایک مسجد ہے، اسی جگہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے احرام باندھا تھا، وہاں ایک کنواں ہے جسے بئر علی کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ مکہ مکرمہ سے سب سے زیادہ فاصلے پر یہی میقات واقع ہے۔ **الجحفة:** جیم مضموم، حاء ساکن اور فاء مفتوح، حوض کے اطراف میں پائی جانے والی نمی، اس مقام پر ایک بستی آباد تھی جسے سیلاب نے پہاڑ کے دامن میں لے جا کر ڈال دیا تھا۔ اسی مناسبت سے اس جگہ کا نام جحفة پڑ گیا۔ یہ مکہ سے تین مراحل کی مسافت پر واقع ہے۔ یہاں چونکہ پانی نہ ہونے کی وجہ سے غسل کرنے کا انتظام نہیں، جبکہ اس سے کچھ پہلے رابغ نامی مقام پر پانی کا معقول انتظام تھا اس لئے اہل شام اور دوسرے لوگ جو یہاں سے گزرتے ہیں وہ رابغ نامی جگہ پر آ کر احرام باندھ لیتے تھے۔ **قرن المنازل:** قاف مفتوح اور راء ساکن، اسے **قرن الثعالب** کے نام سے بھی یاد کیا جاتا ہے۔ یہ مکہ مکرمہ سے دو مراحل کی مسافت پر واقع ہے۔ **یلملم:** یاء اور دونوں لام مفتوح اور میم اول ساکن، یہ بھی مکہ مکرمہ سے دو مراحل کی مسافت پر واقع ہے۔

تشریح: حج اور عمرہ کی نیت سے مکہ مکرمہ کی طرف سفر کرنے والے لوگوں کیلئے مذکورہ چاروں مقامات بطور میقات مقرر کیے گئے ہیں جو ان مقامات سے گزر کر مکہ کی طرف آتے ہیں، اور جو لوگ ان میقات سے اندر والے علاقوں میں آباد ہیں وہ اپنے اپنے علاقوں سے احرام باندھیں گے جبکہ اہل مکہ اپنے اپنے گھر سے احرام باندھیں گے۔ اسی مفہوم کی حدیث ابن عمر رضی اللہ عنہما سے بھی منقول ہے۔

فقہی احکام: (۱) جو حضرات حج یا عمرہ کی نیت سے مکہ مکرمہ کی طرف سفر کرتے ہیں ان کیلئے ضروری ہے کہ وہ ان مقامات سے احرام باندھے بغیر مت گزریں (۲) حج اور عمرہ کی نیت کے علاوہ اور کسی غرض سے مکہ مکرمہ کی طرف سفر کرنے والوں کیلئے احرام باندھنے کی شرط نہیں۔

۷۱۳: وَعَنْ عَائِشَةَ رضی اللہ عنہا أَنَّ النَّبِيَّ صلی اللہ علیہ وسلم وَقَّتَ لِأَهْلِ الْعِرَاقِ ذَاتَ عِرْقٍ. رَوَاهُ أَبُو دَاوُدَ ,وَالنَّسَائِيُّ.

ابوداود، کتاب الحج، باب المواقیت: ۱۷۳۹، النسائی: ۱۲۳/۵، البیهقی: ۲۸/۵، الدارقطنی: ۲۳۶/۲، المجموع: ۱۹۴/۷

۷۱۳: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اہل عراق کیلئے ذات عرق مقرر فرمایا۔ اسے ابوداؤد اور نسائی نے بیان کیا ہے۔

لغوی تحقیق: **ذات عرق:** عین مکسور اور راء ساکن، اس نمکین زمین کو کہتے ہیں جو قابل کاشت نہ ہو نیز خون کی شریانوں کو بھی کہتے ہیں۔ یہاں ذات عرق سے مراد ایک چھوٹا سا پہاڑ ہے۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

تشریح: اس حدیث کے تمام رواۃ ثقہ ہیں تاہم افلح سے بعض منکر روایات مروی ہیں، امام احمد نے زیر مطالعہ روایت کو بھی منکر کہا ہے۔ امام احمد نے یقیناً اس روایت کو ذات عرق کی زیادتی کی وجہ سے منکر کہا ہے (مزید تفصیل حدیث نمبر ۷۱۵ کے ضمن میں ملاحظہ فرمائیں)

۷۱۴: وَأَصْلُهُ عِنْدَ مُسْلِمٍ مِنْ حَدِيثِ جَابِرٍ إِلَّا أَنَّ رَاوِيَهُ شَكَّ فِي رَفْعِهِ.

مسلم، کتاب الحج، باب المواقیت الحج: ۱۱۸۳، ابن خزیمة: ۱۵۹/۴، البیهقی: ۲۷/۵، ابن ماجة: ۲۹۱۴، احمد: ۱۸۱/۲، الدارقطنی: ۲۳۷/۲

۷۱۴: اس کی اصل حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث صحیح مسلم میں ہے، مگر راوی نے اس کے مرفوع ہونے میں شک کا اظہار کیا ہے۔

تشریح: مؤلف رحمۃ اللہ علیہ نے جس حدیث کی طرف اشارہ کیا ہے اسے امام مسلم، امام ابن خزیمہ، امام دارقطنی اور امام بیہقی نے ابن جریج کے طریق سے روایت کیا ہے۔ یہ روایت صحیح ہے۔ امام ابن ماجہ نے ابراہیم بن یزید خوزی کے طریق سے، امام بیہقی نے ابن لھیعہ، امام احمد، امام دارقطنی اور امام بیہقی نے حجاج عن عطاء کے طریق سے بالجزم مرفوع نقل کیا ہے۔ لیکن یہ تینوں طریق ضعیف ہیں۔ یعنی پہلا طریق ابراہیم خوزی اور دوسرا طریق ابن لھیعہ اور تیسرا طریق حجاج بن ارطاۃ کی وجہ سے ضعیف ہیں۔ اس کی مؤید مرفوع روایت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما سے بھی منقول ہے۔

۷۱۵: وَفِي الْبُخَارِيِّ، أَنَّ عُمَرَ هُوَ الَّذِي وَقَّتَ ذَاتَ عِرْقٍ.

البخاری، کتاب الحج، باب ذات عرق لاهل العراق: ۱۵۳۱، احمد: ۱۸۱/۲

۷۱۵: صحیح بخاری میں ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ذات عرق کو میقات مقرر فرمایا۔

تشریح: اہل علم میں اس بارے میں اختلاف پایا جاتا ہے کہ اہل عراق کیلئے ذات عرق رسول اللہ ﷺ نے مقرر فرمایا یا حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے؟ اس بارے میں صحیح بات یہی ہے کہ ذات عرق کو رسول اللہ ﷺ نے میقات مقرر فرمایا تھا۔ جیسا کہ حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما سے مروی حدیث سے ثابت ہے، مگر آپ ﷺ کے عہد طیبہ میں چونکہ عراق فتح نہیں ہوا تھا اس لئے یہ میقات استعمال نہ ہونے کی وجہ سے مخفی رہا، حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے عہد میں جب عراق فتح ہوا تو اہل عراق نے عرض کیا، قرن منازل ہماری گزرگاہ سے دور ہے، اگر ہم ادھر کا قصد کرتے ہیں تو یہ ہمارے لئے باعث مشقت ہے، حضرت عمر نے فرمایا، تم اپنی گزرگاہ پر اس علاقے کا تعین کرلو جو قرن منازل کے برابر واقع ہے۔ چنانچہ یہ اندازہ کر کے ذات عرق مقرر کر دیا گیا۔ یہ حسن اتفاق ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا اجتہاد رسول اللہ ﷺ کے فرمان کے موافق ہوا۔

فقہی احکام: اس اجتہاد سے ایک آسانی یہ پیدا ہوگئی کہ جو لوگ ایسے راستوں سے گزریں جو ان میقات سے ہو کر نہیں گزرتے وہ ان مقامات سے کسی قریبی میقات کے برابر پہنچ کر احرام باندھ لیں۔

۷۱۶: وَعِنْدَ أَحْمَدَ, وَأَبِي دَاوُدَ, وَالتِّرْمِذِيِّ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رضی اللہ عنہما أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ وَقَّتَ لِأَهْلِ الْمَشْرِقِ الْعَقِيقَ.

ابو داود، کتاب المناسک، باب المواقیت: ۱۷۴۰، احمد: ۳۴۴/۱، البیهقی: ۲۸/۵، الترمذی: ۸۴۰، الاحکام الوسطی: ۱۱۰/۴، بیان الوهم والایهام: ۵۵۷/۲، ۵۵۸، المجموع: ۱۹۵/۷

۷۱۶: امام احمد، امام ابوداؤد اور امام ترمذی نے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے اہل مشرق کیلئے عقیق کو میقات مقرر فرمایا۔

تشریح: مؤلف رحمۃ اللہ علیہ نے جس روایت کی طرف اشارہ فرمایا ہے وہ امام احمد، امام ابوداؤد، امام ترمذی اور امام بیہقی نے یزید بن ابی زیاد کے طریق سے نقل کی ہے۔ علامہ احمد شاکر نے اس روایت کی سند کو صحیح قرار دیا ہے۔ امام بیہقی نے اس روایت کو بیان کرنے کے بعد لکھا ہے کہ اس روایت کو تنہا یزید بن ابی زیاد ہی بیان کرتا ہے۔ واضح رہے کہ یزید بن ابی زیاد ضعیف ہے جیسا کہ حافظ عبدالحق اشبیلی نے

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

الاحکام الوسطی میں اس کے ضعیف ہونے کا عندیہ دیا ہے۔امام نووی فرماتے ہیں کہ اس کے ضعیف ہونے پر تمام محدثین کا اتفاق ہے۔

امام ابن قطان نے اس روایت کے معلول ہونے کی علت یہ بیان کی ہے کہ یہ روایت منقطع ہے۔حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے امام مسلم کے حوالے سے لکھا ہے کہ محمد بن علی کا اپنے دادا حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے سماع ثابت نہیں۔

۳۔ بَابُ وُجُوْهِ الْإِحْرَامِ وَ صِفَتِهِ احرام کی اقسام اور اس کی کیفیت کا بیان

۱۷: عَنْ عَائِشَةَ رضی اللہ عنہا قَالَتْ خَرَجْنَا مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم عَامَ حَجَّةِ الْوَدَاعِ ,فَمِنَّا مَنْ أَهَلَّ بِعُمْرَةٍ ,وَمِنَّا مَنْ أَهَلَّ بِحَجٍّ وَعُمْرَةٍ ,وَمِنَّا مَنْ أَهَلَّ بِحَجٍّ ,وَأَهَلَّ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم بِالْحَجِّ ,فَأَمَّا مَنْ أَهَلَّ بِعُمْرَةٍ فَحَلَّ ,وَأَمَّا مَنْ أَهَلَّ بِحَجٍّ ,أَوْ جَمَعَ بَيْنَ الْحَجِّ وَالْعُمْرَةِ فَلَمْ يَحِلُّوا حَتَّى كَانَ يَوْمَ النَّحْرِ. مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ.

البخاری، کتاب الحج، باب التمتع و القران والافراد: ۱۵۶۱ ، ۱۵۶۲ ، ۱۵۶۷، مسلم: ۱۲۱۱ ، ۱۲۱۳ ، ۱۲۲۹، ابوداود: ۱۷۷۹، النسائی: ۱۴۵/۵ ، ابن ماجة: ۳۰۰۰، احمد: ۱۹۱/۶

۱۷: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے بیان کیا کہ ہم حجۃ الودع کے سال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ نکلے ہم میں سے بعض نے صرف عمرہ کیلئے تلبیہ کہا اور بعض نے حج اور عمرہ دونوں کیلئے اور بعض نے فقط حج کیلئے، جبکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فقط حج کیلئے تلبیہ کہا۔جن لوگوں نے صرف عمرہ کیلئے تلبیہ کہا تھا، انہوں نے مکہ پہنچ کر احرام کھول دیا اور جنہوں نے حج اور عمرہ دونوں یا فقط حج کیلئے تلبیہ کہا تھا، وہ قربانی کے دن تک حالت احرام میں رہے۔(بخاری و مسلم)

لغوی تحقیق: وجوہ: واؤ اور جیم مضموم، یہ وجہ کی جمع ہے یعنی حج کی دونوں اقسام، حج اصغر(عمرہ) اور حج اکبر۔صفتہ: اس کی کیفیت۔
حجة الوداع: آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا پہلا اور آخری حج ایک ہی تھا۔اسے حجۃ الوداع اس لئے کہا جاتا ہے کہ اس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کو الوداع فرمایا تھا۔ اھل: بلند آواز سے لبیک کہہ کر حج یا عمرہ یا دونوں کی نیت کر کے محرم ہونے کا اظہار کرتا ہے۔

تشریح: رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم ہجرت کے دسویں سال ذی الحجہ کا چاند نظر آنے سے پانچ روز قبل، ہفتہ کے دن نماز ظہر ادا کرنے کے بعد مدینہ سے اپنے ساتھیوں کے ہمراہ حج کیلئے نکلے، حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث میں ہے کہ ہم مدینہ سے حج کی نیت سے نکلے تھے لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مروہ کے آخری چکر کے وقت فرمایا:"جو کام مجھے بعد میں معلوم ہوا، اگر پہلے معلوم ہو جاتا تو میں اپنے ساتھ قربانی لیکر نہ چلتا۔تم میں سے جس کے پاس قربانی نہیں وہ سعی کرنے کے بعد احرام کھول دے۔"

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ذوالحلیفہ سے قربانی لیکر چلے تھے۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ سے ظہر کی نماز پوری پڑھ کر چلے تھے اور عصر کی نماز کی دو رکعات ذوالحلیفة آ کر پڑھی تھیں۔پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے وہاں ایک رات قیام فرمایا، پھر صبح وہاں سے چلے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ایک دوسری حدیث میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:"جو تم میں سے صرف عمرہ کیلئے تلبیہ کہنا چاہتا ہے وہ ایسا کرے اور اگر میں اپنے ساتھ قربانی لیکر نہ آتا تو میں بھی عمرہ ہی کیلئے تلبیہ کہتا۔"

حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ میں نے عرض کیا، یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! لوگوں نے احرام کھول لیا جبکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے احرام نہیں کھولا؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:"میں اپنی قربانی کو قلادہ ڈالا ہوا ہے، اس لئے میں قربانی کرنے کے بعد احرام کھولوں گا۔"

اس احادیث سے یہ معلوم ہوا کہ حج کی تین اقسام ہیں۔حج تمتع، حج قران اور حج مفرد، اس پر جمیع اہل علم کا اتفاق ہے کہ تینوں قسم کے حج

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

کئے جاسکتے ہیں البتہ اس بارے میں اہل علم میں اختلاف پایا جاتا ہے کہ ان تینوں میں افضل کونسا ہے؟ بعض نے حج تمتع کو افضل قرار دیا ہے، بعض نے حج قران کو جبکہ ایک گروہ کا کہنا ہے کہ حج افراد افضل ہے۔ راقم کے نزدیک صائب قول پہلا ہے کیونکہ آپ ﷺ نے اس کو زیادہ پسند کیا ہے۔

فقہی احکام: (۱) جس قسم کا حج کرنا ہو احرام باندھ کر اس قسم کا تلبیہ کہا جائے۔ (۲) حج کی تینوں اقسام میں سے کوئی بھی کیا جاسکتا ہے البتہ حج تمتع کرنا زیادہ بہتر ہے۔ (۳) جو شخص قربانی ساتھ لیکر جائے وہ حج تمتع نہیں کرسکتا۔ (۴) اور نہ وہ نیت بدل سکتا ہے۔

۴۔ بَابُ الْإِحْرَامِ وَمَا يَتَعَلَّقُ بِهِ — احرام اور اس کے متعلقات کا بیان

۷۱۸: عَنِ ابْنِ عُمَرَ رضی اللہ عنہما قَالَ مَا أَهَلَّ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ إِلَّا مِنْ عِنْدِ الْمَسْجِدِ. مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ .

البخاری، كتاب الحج، باب الاهلال عند مسجد ذی الحليفة: ۱۵۴۱، ۱۵۴۵، ۱۵۴۶، ۲۸۶۵، مسلم: ۱۱۸۶، ابوداود: ۱۷۷۱، الترمذی: ۸۲۴، النسائی: ۱۶۲/۵، البيهقی: ۳۸/۵

۷۱۸: حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے تلبیہ نہیں کہا مگر مسجد کے پاس۔ (بخاری ومسلم)

تشریح: حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے لخت جگر حضرت سالم نے بیان کیا کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے دریافت کیا گیا، کیا احرام کا آغاز مقام بیداء سے کیا جاسکتا ہے؟ انہوں نے فرمایا، جن لوگوں کا یہ کہنا ہے کہ آپ ﷺ نے تلبیہ کا آغاز مقام بیداء سے کیا، وہ آپ ﷺ کی طرف ایک غلط امر کو منسوب کرتے ہیں جبکہ حقیقت یہ ہے کہ آپ ﷺ نے تلبیہ کا آغاز اپنی سواری پر اچھی طرح بیٹھ کر اس درخت کے پاس سے کیا تھا۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مذکورہ حدیث میں جس درخت کی طرف اشارہ فرمایا، وہ درخت مسجد ذوالحلیفہ کے پاس تھا جیسا کہ نافع سے مروی طریق میں یہ بات صراحتاً مذکور ہے، اسی طرح حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث میں ہے کہ آپ ﷺ نے مقام ذوالحلیفہ پر رات بسر کی اور صبح سوار ہوکر تلبیہ کا آغاز فرمایا۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ایک طریق میں بھی ذوالحلیفہ ہی کا ذکر ہے جبکہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی روایت میں ہے کہ آپ ﷺ جب بیداء کی چوٹی پر پہنچے تب آپ ﷺ نے تلبیہ کا آغاز فرمایا۔ حضرت انس اور حضرت جابر رضی اللہ عنہما سے مروی ایک طریق میں بھی یہی مذکور ہے۔

مذکورہ بالا تمام احادیث صحیح ہیں جبکہ ان میں بظاہر تعارض بھی ہے۔ اہل علم نے اس تعارض کو ختم کرنے کیلئے اس میں تطبیق دی ہے کہ صحابہ نے اپنا اپنا مشاہدہ نقل کیا ہے، جن صحابہ نے آپ ﷺ سے مسجد ذوالحلیفہ کے قریب تلبیہ سنا انہوں نے ذوالحلیفہ کا ذکر کردیا اور جنہوں نے مقام بیداء پر سنا، انہوں نے مقام بیداء کا ذکر کردیا۔ اس میں صحیح بات یہی ہے کہ آپ ﷺ نے تلبیہ کا آغاز تو مسجد ذوالحلیفہ ہی سے کردیا تھا۔ لیکن بعض صحابہ کو اس کی خبر نہ ہوسکی اور انہیں تلبیہ کی خبر اس وقت ہوئی جب آپ ﷺ بیداء کی بلندی پر پہنچ چکے تھے، کیونکہ بلند مقام سے اٹھنے والی آواز دور دراز تک پہنچ جاتی ہے۔

فقہی احکام: (۱) تلبیہ کا آغاز احرام باندھتے ہی کردینا چاہیے۔

(۲) احرام باندھنے کے بعد تھوڑے تھوڑے وقفے سے تلبیہ کہتے رہنا چاہیے۔ (۳) تلبیہ بلند آواز سے کہنا چاہیے۔

۷۱۹: وَعَنْ خَلَّادِ بْنِ السَّائِبِ عَنْ أَبِيهِ رضی اللہ عنہ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ قَالَ " أَتَانِي جِبْرِيلُ ,فَأَمَرَنِي أَنْ آمُرَ أَصْحَابِي أَنْ يَرْفَعُوا أَصْوَاتَهُمْ بِالْإِهْلَالِ " رَوَاهُ الْخَمْسَةُ، وَصَحَّحَهُ التِّرْمِذِيُّ ,وَابْنُ حِبَّانَ.

ابوداود، كتاب المناسك، باب كيف التلبية: ۱۸۱۴، الترمذی: ۸۲۷، النسائی: ۱۶۲/۵، ابن ماجة: ۲۹۲۲، ۲۹۲۳، احمد: ۵۶/۴، ابن خزيمة: ۱۷۳/۴، الحاكم: ۶۱۹/۱، ابن حبان: ۳۸۰۲، ۳۸۰۳

www.KitaboSunnat.com

تنبیہ: ابوداؤد میں ومن معی کے الفاظ بھی ہیں۔

۷۱۹: حضرت سائب سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "میرے پاس جبرئیل آئے اور انہوں نے مجھے کہا کہ میں اپنے ساتھیوں کو بلند آواز سے لبیک کہنے کا حکم کروں۔" اسے پانچوں نے روایت کیا ہے، جبکہ امام ترمذی اور امام ابن حبان نے اسے صحیح کہا ہے۔

تشریح: اس حدیث کے جملہ رواۃ ثقہ ہیں۔ تاہم اس کی سند میں بہت زیادہ اختلاف پایا جاتا ہے۔ امام سفیان ثوری نے یہ حدیث دو طرق سے بیان کی ہے۔

(۱) عبداللہ بن ابی لبید عن مطلب عن خلاد بن سائب عن زید بن خالد قال قال..................

(۲) عبداللہ بن ابی لبید. عن مطلب عن خلاد بن سائب عن ابیہ قال قال..................

امام ترمذی کا کہنا ہے کہ خلاد بن سائب عن ابیہ سے مروی حدیث حسن صحیح ہے۔ جبکہ امام ابن حبان کا کہنا ہے، دونوں طرق کے الفاظ چونکہ الگ الگ ہیں یعنی خلاد نے اپنے دادا (سائب) کے واسطے سے جو الفاظ آپ ﷺ سے سنے تھے وہ اپنے والد کے واسطے سے بیان کر دیئے اور جو الفاظ انہوں نے زید بن خالد کے واسطے سے سنے تھے وہ ان کے واسطے سے بیان کر دیئے لہٰذا مذکورہ دونوں طرق محفوظ ہیں۔ یہ حدیث امام مالک اور امام عیینہ نے عن عبداللہ بن ابی بکر عن عبدالملک بن ابی بکر عن خلاد بن سائب عن ابیہ عن رسول اللہ ﷺ کے طریق سے بیان کی ہے۔ امام بیہقی اور علامہ ابن عبدالبر نے اس طریق کو صحیح قرار دیا ہے۔ راقم کے نزدیک یہی موقف راجح ہے، کیونکہ مطلب بن عبداللہ مدلس ہیں اور انہوں نے یہ روایت خلاد بن سائب سے معنعن نقل کی ہے۔

فقہی احکام: تلبیہ بلند آواز سے کہنا چاہیے۔

۷۲۰: وَعَنْ زَيْدِ بْنِ ثَابِتٍ رضی اللہ عنہ أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ تَجَرَّدَ لِإِهْلَالِهِ وَاغْتَسَلَ. رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَحَسَّنَهُ.

الترمذی، ابواب الحج، باب الاغتسال عند الاحرام: ۸۳۸، بیان الوهم والایهام: ۵۱/۳، التقریب: ۳۷۲۰، الدارقطنی: ۲۲۰/۲، البیهقی: ۳۲/۵، مسلم: ۸۸۶/۲، مؤطا امام مالک: ۳۲۲/۱، المعجم الاوسط: ۴۸۸۶

تنبیہ: مطبوعہ ترمذی میں یہ حدیث ان الفاظ کے ساتھ ہے، انه رای النبی ﷺ تجرد لاهلاله و اغتسل۔

۷۲۰: حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آپ ﷺ نے احرام باندھتے وقت کپڑے اتار دیئے اور غسل کیا۔ اسے ترمذی نے بیان کیا ہے اور اسے حسن کہا ہے۔

لغوی تحقیق: تجرد: کپڑوں سے الگ ہو گئے یعنی کپڑے اتار دیئے۔

تشریح: اس حدیث کو امام ترمذی اور حافظ عبدالحق نے حسن قرار دیا ہے تاہم یہ روایت عبداللہ بن یعقوب کے مجہول الحال ہونے کی وجہ سے ضعیف ہے۔ البتہ ابوغزیہ محمد بن موسیٰ نے عبداللہ بن یعقوب کی متابعت کی ہے، مگر وہ بھی ضعیف ہے۔ احرام سے قبل غسل کرنے کی یہ روایت اگرچہ ضعیف ہے لیکن حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے صحیح سند سے مروی ہے، وہ بیان کرتے ہیں کہ مسنون طریقہ یہ ہے کہ احرام باندھتے وقت اور مکہ میں داخل ہوتے وقت غسل کیا جائے۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضرت اسماء بنت عمیس رضی اللہ عنہا نے محمد بن ابی بکر کو جنم دیا تو رسول اللہ ﷺ نے انہیں غسل کر کے احرام باندھنے کا حکم فرمایا۔ حضرت عبداللہ بن عباس اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہم سے مروی روایات میں بھی یہی مذکور ہے کہ آپ ﷺ نے احرام سے قبل غسل کیا تھا مگر یہ دونوں روایات ضعیف ہیں۔

فقہی احکام: احرام سے قبل غسل کرنا مسنون ہے۔

۷۲۱: وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ رضی اللہ عنہما أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ سُئِلَ مَا يَلْبَسُ الْمُحْرِمُ مِنَ الثِّيَابِ؟ قَالَ "لَا تَلْبَسُوا الْقُمُصَ, وَلَا

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

اَلْعَمَائِمَ ,وَلَا السَّرَاوِيلَاتِ ,وَلَا الْبَرَانِسَ ,وَلَا الْخِفَافَ ,إِلَّا أَحَدٌ لَا يَجِدُ النَّعْلَيْنِ فَلْيَلْبَسِ الْخُفَّيْنِ وَلْيَقْطَعْهُمَا أَسْفَلَ مِنَ الْكَعْبَيْنِ ,وَلَا تَلْبَسُوا شَيْئًا مِنَ الثِّيَابِ مَسَّهُ الزَّعْفَرَانُ وَلَا الْوَرْسُ" مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ وَاللَّفْظُ لِمُسْلِمٍ .

مسلم، کتاب الحج، باب مایباح للمحرم بحج او عمرة: ۱۱۷۷ ـ ۱۱۷۹، البخاری: ۱۵۴۲، ۱۵۴۵، ابوداود: ۱۸۲۳، ۱۸۲۷، النسائی: ۱۲۹/۵، الترمذی: ۸۴۱، احمد: ۸/۲، الدارقطنی : ۲۳۰/۲، البیهقی: ۴۶/۵، ابن ماجة: ۲۹۳۰، ۲۹۳۵، الحاکم: ۶۶۱/۱، المعجم الاوسط: ۵۰۳۱

تنبیہ: مؤلف ﷫ نے جوالفاظ نقل کیے ہیں ان میں بعض الفاظ مالک عن نافع عن ابن عمر کے طریق سے ہیں اور بعض سفیان بن عیینہ عن الزہری عن سالم عن ابیہ کے طریق سے ہیں۔

۷۲۱: حضرت عبداللہ بن عمر ؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ سے پوچھا گیا کہ احرام باندھنے والا کونسا لباس زیب تن کرے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: "وہ قمیص، عمامہ، شلوار، باران کوٹ اور موزے نہ پہنے، البتہ اگر کسی شخص کے پاس جوتے نہیں، تو وہ موزوں کو ٹخنوں کے نیچے سے کاٹ کر پہن لے اور ایسا کوئی کپڑا زیب تن نہ کرے جسے زعفران یا کیسر لگا ہو۔" اسے بخاری اور مسلم نے روایت کیا ہے، لیکن مذکورہ الفاظ مسلم کے ہیں۔

لغوی تحقیق: السراویلات: شلوار یا پاجامہ وغیرہ۔ البرانس: یہ برنس کی جمع ہے اس بڑے کپڑے کو کہتے ہیں جس کا کچھ حصہ ٹوپی کی شکل میں سر پر ہو، نیز طویل ٹوپی کو بھی برنس کہا جاتا ہے۔

تشریح: اس حدیث میں بظاہر مرد حضرات کی تخصیص نہیں ہے، لیکن حضرت عبداللہ بن عمر ؓ ہی سے مروی ایک دوسری حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے خواتین کو حالت احرام میں دستانے پہننے، نقاب کرنے اور ایسے کپڑے پہننے سے منع فرمایا، جنہیں کیسر اور زعفران لگا ہوا ہو، یعنی مرد حضرات نہ تو شلوار قمیص پہن سکتے ہیں اور نہ سر ڈھانپ سکتے ہیں، جبکہ خواتین شلوار قمیص پہن سکتی ہیں مگر دستانے نہیں پہن سکتیں، اور نہ نقاب کر سکتی ہیں، موزے اور جرابیں دونوں کیلئے ممنوع ہیں۔ البتہ اگر کسی کے پاس جوتا نہ ہو تو وہ موزوں کا وہ حصہ جو ٹخنوں سے اوپر ہوتا ہے اسے کاٹ کر نچلے حصے کو پہن سکتا ہے، اسی مفہوم کی مرفوع حدیث حضرت جابر ؓ سے بھی مروی ہے جبکہ حضرت عبداللہ بن عباس ؓ سے مروی حدیث میں موزوں کو کاٹنے کا ذکر نہیں ہے۔ بعض حضرات نے اس حدیث کو ناسخ اور حضرت عبداللہ بن عمر ؓ سے مروی حدیث کو منسوخ قرار دیا ہے۔ یعنی ان حضرات کا کہنا ہے کہ جوتوں کی عدم دستیابی کی صورت میں موزوں کو قطع کیے بغیر پہنا جا سکتا ہے۔ حضرت جابر بن عبداللہ اور حضرت عبداللہ بن عباس ؓ سے مروی احادیث میں ہے کہ جس شخص کے پاس چادر نہ ہو وہ شلوار پہن سکتا ہے۔ حضرت عائشہ اور حضرت ام سلمہ ؓ سے مروی ہے کہ ہم رسول اللہ ﷺ کے ساتھ حالت احرام میں سفر کر رہی تھیں جب سوار ہمارے برابر پہنچتے تو ہم اپنی چادروں کو اپنے چہروں کے سامنے کر لیتیں اور جب وہ آگے گزر جاتے تو ہم اپنا چہرہ کھول لیتیں۔

یہ دونوں روایات یزید بن ابی زیاد کی وجہ سے ضعیف ہیں۔ البتہ حضرت اسماء ؓ سے مروی موقوف روایت اس کی مؤید ہے اور وہ روایت سند کے اعتبار سے صحیح ہے۔

فقہی احکام: (۱) حضرات و خواتین حالت احرام میں خوشبو استعمال نہیں کر سکتے۔ (۲) مرد حضرات قمیص شلوار اور موزے نہیں پہن سکتے۔ (۳) موزوں کو ٹخنوں کے اوپر سے کاٹ کر پہنا جا سکتا ہے۔ (۴) چادر کی عدم دستیابی کی صورت میں شلوار، پاجامہ زیب تن کیا جا سکتا ہے۔ (۵) خواتین کے لیے دستانے پہننا اور نقاب کرنا ممنوع ہے البتہ بوقت ضرورت چہرے کے سامنے کپڑا کر لینا چاہیے۔

۷۲۲: وَعَنْ عَائِشَةَ ؓ قَالَتْ ,كُنْتُ أُطَيِّبُ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ لِإِحْرَامِهِ قَبْلَ أَنْ يُحْرِمَ ,وَلِحِلِّهِ قَبْلَ أَنْ يَطُوفَ

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

بِالْبَیْتِ. مُتَّفَقٌ عَلَیْهِ

البخاری، کتاب الحج، باب الطیب عند الاحرام: ۱۵۳۹ ، ۵۹۳۰، مسلم: ۱۱۸۹ ، ابوداود: ۱۷۴۵ ، النسائی: ۱۳۷/۵ ، ابن ماجۃ: ۲۹۲۶

۷۲۲: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے بیان کیا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو انکے احرام باندھنے سے قبل، احرام کھولنے کے بعد اور طواف کرنے سے پہلے خوشبو لگائی تھی۔ (بخاری ومسلم)

لغوی تحقیق: اطیب: ہمزہ مضموم، طاء مفتوح اور یا مشدد مکسور، یعنی میں نے خوشبو لگائی تھی۔

تشریح: کان جب فعل مضارع پر داخل ہوتا ہے تو اسے عموماً ماضی استمراری کے معنی میں کر دیتا ہے، لیکن کبھی یہ تکرار فعل پر بھی دلالت کرتا ہے جیسا کہ یہاں ہے، یعنی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک دفعہ خوشبو احرام باندھنے سے قبل ایک دفعہ احرام کھولنے کے بعد اور بیت اللہ کا طواف کرنے سے پہلے لگائی تھی۔ ایک دوسرے طریق میں ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا، طیبت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یعنی میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خوشبو لگائی۔ ابورجال عن امہ کے طریق سے مروی روایت میں بھی یہی الفاظ ہیں۔

فقہی احکام: احرام سے قبل اور احرام کھولنے کے بعد خوشبو لگانا مسنون ہے۔

۷۲۳: وَعَنْ عُثْمَانَ بْنِ عَفَّانَ رضی اللہ عنہ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صلی اللہ علیہ وسلم قَالَ "لَا يَنْكِحُ الْمُحْرِمُ, وَلَا يُنْكِحُ, وَلَا يَخْطُبُ" رَوَاهُ مُسْلِمٌ.

مسلم، کتاب النکاح، باب تحریم نکاح المحرم: ۱۴۰۹ ، ۱۴۱۱ ، ابوداود: ۱۸۴۱ ، الترمذی: ۸۴۸، النسائی: ۱۹۲/۵ ، ابن ماجۃ: ۱۹۶۶ ، احمد: ۶۸/۱ ، الدارقطنی: ۲۶۷/۲، ابن حبان: ۴۱۲۳ ، ۴۱۲۴، مؤطا امام مالک: ۳۴۹/۱، البیہقی: ۶۵/۵ ، ۲۱۲/۷

۷۲۳: حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "محرم نہ تو خود اپنا نکاح کرے نہ کسی خاتون کو کسی دوسرے کے نکاح میں دے اور نہ منگنی کرے۔" (مسلم)

لغوی تحقیق: لا ینکح: یاء مفتوح اور نون ساکن، یعنی اپنی شادی نہ کرے۔ لا ینکح: یاء مضموم اور نون ساکن، یعنی کسی خاتون کو کسی مرد کے نکاح میں نہ دے۔

تشریح: اس حدیث سے یہ واضح ہوا کہ حالت احرام میں کوئی شخص نہ تو اپنی شادی کر سکتا ہے اور نہ کسی شادی میں ولی کا فریضہ ادا کر سکتا ہے اور نہ وہ کسی کی طرف منگنی کا پیغام بھیج سکتا ہے اور نہ اس کی طرف کوئی منگنی کا پیغام بھیج سکتا ہے۔ اگر کوئی حالت احرام میں نکاح کرے گا تو اسے فسخ سمجھا جائے گا۔ جیسا کہ ابن حبان میں مذکور ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے احرام کی حالت میں کیے گئے نکاح کو فسخ کر دیا تھا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کا قول ہے کہ محرم کا نکاح مردود ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے مروی اثر صحیح ہے جبکہ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی اثر حضرت حسن بصری کے عدم سماع کی وجہ سے ضعیف ہے۔

ان کے برعکس حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی حدیث میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حالت احرام میں نکاح کیا تھا۔ اس روایت کے اگرچہ جملہ رواۃ ثقہ ہیں تاہم امام بیہقی نے موصول طریق کو مبنی برخطا قرار دیکر اس کے مرسل ہونے کو صحیح کہا ہے۔

حضرت ابوہریرہ اور حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہم سے مروی روایات میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا سے احرام کی حالت میں نکاح کیا تھا۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی روایت تو ابوالعلا کی وجہ سے ضعیف ہے۔ البتہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی روایت سنداً صحیح ہے۔ لیکن یہ روایت حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا سے مروی روایت کے خلاف ہے، کیونکہ وہ بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب نکاح کیا تو اس وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم حالت احرام میں نہیں تھے۔ ظاہر ہے کہ صاحب واقعہ اپنے واقعہ کو دوسروں کے مقابلے میں زیادہ اچھے طریقے

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

سے جانتا ہے اس لئے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی روایت سنداً صحیح ہونے کے باوجود متن کے اعتبار سے غیر محفوظ ہے۔ حضرت ابورافع رضی اللہ عنہ سے مروی روایت بھی حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا سے مروی روایت کی مؤید ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ آپ ﷺ نے جب حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا سے شادی کی تو اس وقت آپ ﷺ حالت احرام میں نہیں تھے۔ اس شادی میں پیغام رسانی کا فریضہ میں نے سرانجام دیا تھا۔

بعض اہل علم نے ان احادیث کے درمیان تعارض کو دور کرنے کیلئے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی روایت کی یہ تاویل کی ہے کہ محرم سے ابن عباس کی مراد حالت احرام نہیں بلکہ حرمت والا مہینہ ہے۔

فقہی احکام: (۱) محرم نہ خود شادی کرسکتا ہے اور نہ کسی شادی میں ولی کا فریضہ سرانجام دے سکتا ہے۔

(۲) اس طرح نہ وہ کسی کی طرف منگنی کا پیغام بھیج سکتا ہے اور نہ اس کی طرف منگنی کا پیغام بھیجا جاسکتا ہے۔

۷۲۴: وَعَنْ أَبِي قَتَادَةَ الْأَنْصَارِيِّ رضی اللہ عنہ فِي قِصَّةِ صَيْدِهِ الْحِمَارَ الْوَحْشِيَّ ,وَهُوَ غَيْرُ مُحْرِمٍ ,قَالَ فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ لِأَصْحَابِهِ ,وَكَانُوا مُحْرِمِينَ "هَلْ مِنْكُمْ أَحَدٌ أَمَرَهُ أَوْ أَشَارَ إِلَيْهِ بِشَيْءٍ؟" قَالُوا لَا قَالَ "فَكُلُوا مَا بَقِيَ مِنْ لَحْمِهِ" مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ.

البخاری، کتاب الحج، باب لا یشیر المحرم الی الصید: ۱۸۲۴، کتاب الجهاد: ۲۹۱۴، مسلم: ۱۱۹۶، الترمذی: ۸۴۹، النسائی: ۱۸۶/۵، البیهقی: ۱۸۷/۵، المحلیٰ: ۲۵۳/۷، مسنداحمد: ۳۰۵/۵، ابن ماجة: ۳۰۹۳، الدارقطنی: ۲۹۱/۲، التعلیق لابن جوزی: ۴۴۷/۲

۷۲۴: حضرت ابوقتادہ انصاری رضی اللہ عنہ سے ان کے اس قصہ کے بارے میں منقول ہے جس میں انہوں نے ایک جنگلی گدھا شکار کیا تھا، اور وہ اس وقت محرم نہ تھے۔ انہوں نے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنے محرم ساتھیوں سے فرمایا: "آپ میں سے کسی نے اسے شکار کرنے کا حکم دیا یا شکار کی طرف اشارہ کیا تھا؟ انہوں نے عرض کیا، نہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: "شکار کا جو گوشت موجود ہے وہ کھا لو" بخاری و مسلم

لغوی تحقیق: الحمار الوحشی: جنگلی گدھا، قد وقامت میں گھریلو گدھے کی طرح ہوتا ہے مگر اس کے جسم پر پر زیبرے کی طرح دھاریاں ہوتی ہیں۔

تشریح: حضرت ابوقتادہ رضی اللہ عنہ مکہ کی طرف جانے والے کسی راستے میں رسول اللہ ﷺ کے ہمرہ سفر کر رہے تھے۔ لیکن وہ کسی وجہ سے اپنے ساتھیوں کے ساتھ اس قافلے سے پیچھے رہ گئے، حضرت ابوقتادہ رضی اللہ عنہ کے ساتھی حالت احرام میں تھے جبکہ وہ خود غیر محرم تھے۔ ان کی نظر ایک جنگلی گدھے پر پڑی تو وہ اسے شکار کرنے کیلئے اپنے گھوڑے پر سوار ہو گئے، انہوں نے اپنے ساتھیوں سے کہا، مجھے میرا کوڑا پکڑاؤ مگر ان کے ساتھیوں نے اسے کوڑا پکڑانے سے انکار کر دیا، حضرت ابوقتادہ رضی اللہ عنہ گھوڑے سے نیچے اترے اور کوڑا پکڑ کر پھر سوار ہو گئے پھر انہوں نے اسے شکار کر کے اس کا گوشت اپنے محرم ساتھیوں کو پیش کیا تو بعض نے کھا لیا اور بعض نے انکار کر دیا، پھر وہ رسول اللہ ﷺ سے جا ملے اور آپ ﷺ سے اس بارے میں دریافت فرمایا، آپ ﷺ نے فرمایا: "یہ کھانا تمہیں اللہ نے کھلایا ہے۔"

یہ روایت حضرت ابوقتادہ رضی اللہ عنہ سے متعدد طرق سے مروی ہے، ایک طریق میں ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: "بھنی ہوئی دستی ہے تو لیکر آؤ۔" حضرت ابوقتادہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں لیکر آیا تو آپ ﷺ نے اسے تناول فرمایا، جبکہ معمر سے مروی طریق میں ہے کہ حضرت ابوقتادہ رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا کہ یہ شکار میں نے آپ ﷺ کیلئے کیا تھا۔ یہ سن کر آپ ﷺ نے صحابہ کو کھانے کا حکم دیا مگر آپ ﷺ نے خود نہیں کھایا۔

معمر نے اپنی اس روایت میں اپنے شیخ یحییٰ بن ابی کثیر کا عبداللہ بن قتادہ سے سماع نقل نہیں کیا۔ نیز اہل علم نے معمر کی اس روایت کو

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

معمر کا تسامح قرار دیا ہے۔

فقہی احکام: (۱) محرم خشکی کے جانور کا شکار نہ تو خود کر سکتا ہے نہ کسی کو شکار کرنے کا صراحتاً یا اشارتاً حکم دے سکتا ہے۔

(۲) محرم شکار کا گوشت کھا سکتا ہے بشرطیکہ شکاری نے وہ شکار عمداً اس کیلئے نہ کیا ہو۔

۷۲۵: وَعَنِ الصَّعْبِ بْنِ جَثَّامَةَ اللَّيْثِيِّ رضی اللہ عنہ أَنَّهُ أَهْدَى لِرَسُولِ اللَّهِ ﷺ حِمَارًا وَحْشِيًّا, وَهُوَ بِالْأَبْوَاءِ, أَوْ بِوَدَّانَ، فَرَدَّهُ عَلَيْهِ, وَقَالَ " إِنَّا لَمْ نَرُدَّهُ عَلَيْكَ إِلَّا أَنَّا حُرُمٌ " مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ.

البخاری، کتاب الحج، باب اذا اهدی للمحرم حمّارا وحشیا حیا لم یقبل: ۱۸۲۵ ، مسلم: ۱۱۹۳، الترمذی: ۸۵۵، النسائی: ۱۸۳/۵، ابن ماجۃ: ۳۰۹۰، احمد: ۳۷/۴، ابن خزیمۃ: ۱۷۷/۴، البیہقی: ۱۹۳/۵، ابوداود: ۱۸۵۱، الدارقطنی: ۲۹۰/۲، الحاکم: ۶۲۱/۱

۷۲۵: حضرت صعب بن جثامہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ انہوں نے آپ ﷺ کی خدمت میں اس وقت ایک جنگلی گدھا پیش کیا، جب آپ ﷺ مقام ابواء یا مقام ودان پر تھے، آپ ﷺ نے اسے واپس کر دیا اور فرمایا: "ہم تحفہ آپ کو اس لئے واپس کر رہے ہیں کہ ہم حالت احرام میں ہیں۔" (بخاری و مسلم)

لغوی تحقیق: ابـــواء: ہمزہ مفتوح، باء ساکن اور آخر میں الف ممدودہ، یہ مکہ اور مدینہ کے مابین واقع ایک پہاڑ کا نام ہے۔ رحمت عالم ﷺ کی والدہ کا انتقال اسی مقام پر ہوا تھا۔ ودان: واؤ مفتوح اور دال مشدد، یہ ابواء نامی پہاڑ کے قریب ایک جگہ کا نام ہے۔

تشریح: یہ حدیث بظاہر سابقہ حدیث کے معارض ہے لیکن درحقیقت ان دونوں میں کوئی تعارض نہیں، کیونکہ ان دونوں احادیث میں جمع وتطبیق کی صورتیں موجود ہیں۔ امام بیہقی اور امام بخاری کا کہنا ہے کہ اگر محرم کو خشکی کے شکار کا گوشت پیش کیا جائے تو قبول کر لے اور اگر شکار زندہ پیش کیا جائے تو مت قبول کرے۔

امام بخاری کا کہنا ہے کہ حضرت صعب بن جثامہ رضی اللہ عنہ نے آپ ﷺ کو جنگلی گدھا زندہ پیش کیا تھا۔ جبکہ صحیح مسلم میں ہے کہ آپ ﷺ کو جنگلی گدھے کا گوشت پیش کیا گیا تھا۔ امام نووی نے صحیح مسلم میں مروی طریق کے پیش نظر امام بخاری کے موقف کو مسترد کیا ہے، مگر امام نووی کا یہ فیصلہ درست نہیں کیونکہ امام حمیدی فرماتے ہیں کہ سفیان بن عیینہ پہلے حمار وحش کے الفاظ بیان کرتے تھے پھر بعد میں انہوں نے لحم حمار وحش کے الفاظ بیان کرنا شروع کر دیئے۔

سفیان بن عیینہ کے طریق سے مروی یہ حدیث اگرچہ مضطرب ہونے کی وجہ سے صحیح نہیں۔ تاہم حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ ﷺ کو شکار کا گوشت بطور تحفہ پیش کیا تو آپ ﷺ نے یہ کہہ کر واپس کر دیا کہ ہم حالت احرام میں ہیں۔

امام بیہقی نے اپنے موقف کی تائید میں یحیٰی بن سلیمان الجعفی کے طریق سے مروی حدیث حضرت صعب رضی اللہ عنہ سے نقل کی ہے جس میں یہ صراحت ہے کہ حضرت صعب رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ ﷺ کو جنگلی گدھے کا گوشت مقام جحفہ پر پیش کیا جسے رسول اللہ ﷺ نے تناول فرمایا۔ اس روایت کو امام بیہقی نے صحیح قرار دیتے ہوئے کہا ہے کہ آپ ﷺ نے جنگلی گدھا واپس کر دیا مگر اس کا گوشت قبول کر لیا۔ یہ روایت یحیٰی بن سلیمان کی وجہ سے ضعیف ہے اس لئے اس روایت کو بنیاد بنا کر سابقہ روایات کا تعارض دور نہیں کیا جا سکتا۔

ان روایات میں دوسری تطبیق یہ دی گئی ہے کہ جن روایات میں شکار کے گوشت کا تحفہ قبول کرنے سے انکار ہے وہ اس لئے ہے کہ وہ

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

آپ ﷺ کے لئے کیا گیا تھا۔اس موقف کی تائید میں جو روایات بیان کی جاتی ہیں ان میں سے ایک طریق تو وہ ہے جو صعب سے معمر نے نقل کیا ہے۔

دوسری حدیث حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے منقول ہے۔انہوں نے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:"تمہارے لئے خشکی کے جانور کا گوشت اس وقت حلال ہے جب تم نے حالت احرام میں خود شکار نہ کیا ہو اور نہ تمہارے لئے شکار کیا گیا ہو۔"اس روایت کو امام حاکم نے شیخین کی شرط کے مطابق قرار دیا ہے،مگر یہ روایت مطلب بن عبداللہ کے کثیر الارسال والتدلیس ہونے کی وجہ سے ضعیف ہے۔امام بخاری نے کسی بھی صحابی سے مطلب کے سماع کا انکار کیا ہے۔

۷۲۶: وَعَنْ عَائِشَةَ رضی اللہ عنہا قَالَتْ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ "خَمسٌ مِنَ الدَّوَابِّ كُلُّهُنَّ فَوَاسِقُ , يُقْتَلْنَ فِي الْحِلِّ وَ الْحَرَمِ ، اَلْغُرَابُ ,وَالْحِدَأَةُ ,وَالْعَقْرَبُ ,وَالْفَأْرَةُ، وَالْكَلْبُ الْعَقُورُ " مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ.

البخاری، كتاب جزاء الصيد، باب ما يقتل المحرم من الدواب: ۱۸۲۶ ، ۱۸۲۹، مسلم: ۱۱۹۸ ، ۱۱۹۹، الترمذی: ۸۴۶، النسائی: ۱۸۸/۵، ابن ماجة: ۳۰۸۷، احمد: ۸۷/۲، الدارمی: ۳۶/۲، البیهقی: ۲۰۹/۵، مؤطا: ۳۵۶/۱، ابوداود: ۱۸۴۷، مجمع الزوائد: ۲۳۱/۳، ابن حبان: ۵۶۵۵

۷۲۶: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:"پانچ قسم کے جانور ایسے ہیں جن کے جمیع افراد شریر ہیں،انہیں حرم اور غیر حرم میں قتل کر دیا جائے،وہ پانچ جانور یہ ہیں بچھو،چیل،کوا،چوہا اور کاٹنے والا کتا۔"(بخاری و مسلم)

لغوی تحقیق: **العقرب**:عین مفتوح اور قاف ساکن یعنی بچھو۔ **الحدأة**:حاء مکسور،دال اور ہمزہ مفتوح یعنی چیل۔ **الغراب**:غین مضموم،کوا۔**الکلب العقور**:عین مفتوح اور قاف مضموم،پاگل کتا۔امام مالک فرماتے ہیں کہ اس سے مراد شیر،چیتا،بھیڑیا وغیرہ ہیں۔امام ابو حنیفہ کے نزدیک اس سے مراد ہے،کتا اور بھیڑیا۔

تشریح: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے یہ حدیث متعدد طرق سے مروی ہے،قاسم بن محمد سے مروی طریق میں ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا:"چار قسم کے جانوروں کے جمیع افراد شریر ہے۔"جبکہ سعید بن مسیّب اور عروۃ بن زبیر نے پانچ قسم کے جانوروں کا ذکر کیا ہے۔

سعید بن مسیّب نے ان پانچ قسم کے جانوروں میں سانپ کو ذکر کیا ہے جبکہ قاسم بن محمد نے بچھو کا ذکر کیا ہے۔اس طرح ان تینوں طرق کو جمع کرنے سے معلوم ہوا کہ یہ چھ قسم کے جانور ہیں۔

حضرت عبداللہ بن عمر اور حضرت حفصہ رضی اللہ عنہم سے مروی احادیث میں بھی پانچ قسم کے جانوروں کا ذکر ہے،اس میں انہوں نے ان پانچ جانوروں میں بچھو کا ذکر کیا ہے۔

بعض اہل علم کا خیال ہے کہ یہ حدیث مسند عبداللہ بن عمر سے نہیں بلکہ مسند حفصہ سے ہے۔یعنی حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے یہ حدیث براہ راست رسول اللہ ﷺ سے نہیں سنی بلکہ بواسطہ حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا سنی ہے۔اگر یہ تحقیق صائب ہے تو پھر اس حدیث کی صحت پر کوئی کلام نہیں ہوسکتا کیونکہ مرسل صحابی حجت ہے۔حضرت ابوسعید خدری،حضرت عبداللہ بن عباس اور حضرت ابورافع رضی اللہ عنہم سے مروی حدیث میں سانپ اور بچھو دونوں کا ایک ساتھ ذکر ہے تاہم یہ تینوں روایات ضعیف ہیں۔

فقہی احکام: سانپ،بچھو،چیل،کوا،چوہا،شیر،چیتا،کتا اور بھیڑیا ان جانوروں کو حالت احرام میں حرم میں بھی مارنا جائز ہے۔

۷۲۷: وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رضی اللہ عنہما أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ اِحْتَجَمَ وَهُوَ مُحْرِمٌ . مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ.

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

البخاری، کتاب جزاء الصید، باب الحجامة للمحرم: ۱۸۳۵، مسلم: ۱۲۰۲، ابوداود: ۱۸۳۵، الترمذی: ۸۴۷،
النسائی: ۵/۱۹۳، البیہقی: ۵/۶۴، ابن حبان: ۳۹۵۱

۴۲۷: حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حالت احرام میں سینگی لگوائی۔

تشریح: اس پر مفصل بحث باب الصیام میں گزر چکی ہے۔

فقہی احکام: حالت احرام میں سینگی لگوائی جاسکتی ہے۔

۴۲۸: وَعَنْ كَعْبِ بْنِ عُجْرَةَ رضی اللہ عنہ قَالَ حُمِلْتُ إِلَى رَسُولِ اللَّهِ صلی اللہ علیہ وسلم وَالْقَمْلُ يَتَنَاثَرُ عَلَى وَجْهِي ,فَقَالَ " مَا كُنْتُ أَرَى الْوَجَعَ بَلَغَ بِكَ مَا أَرَى ,تَجِدُ شَاةً؟ " قُلْتُ لَا قَالَ " فَصُمْ ثَلَاثَةَ أَيَّامٍ ,أَوْ أَطْعِمْ سِتَّةَ مَسَاكِينَ ,لِكُلِّ مِسْكِينٍ نِصْفُ صَاعٍ " مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ.

البخاری، کتاب المحصر ، باب الاطعام فی الفدیة نصف الصاع: ۱۸۱۶، مسلم: ۱۲۰۱، ابوداود: ۱۸۶۰، الترمذی: ۹۵۳،
النسائی: ۵/۱۹۴، ۱۹۵، ابن ماجة: ۳۰۷۹، احمد: ۴/۲۴۱

۴۲۸: حضرت کعب بن عجرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ مجھے اٹھا کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش کیا گیا تو اس وقت جوئیں میرے چہرے پر گر رہی تھیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "میرا خیال نہیں تھا کہ تکلیف تمہیں اس حالت تک پہنچا دے گی، جو میں دیکھ رہا ہوں، کیا تمہارے پاس ایک بکری ہے؟" میں نے عرض کیا، نہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "تین روزے رکھو یا چھ مسکینوں کو آدھا آدھا صاع کھانا دو۔" (بخاری ومسلم)

لغوی تحقیق: القمل: قاف مفتوح اور میم ساکن، جوئیں۔ یتناثر: جوئیں کثیر ہونے کی وجہ سے گر رہی تھیں۔

تشریح: حضرت عبداللہ بن معقل رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے حضرت کعب بن عجرہ رضی اللہ عنہ سے ارشاد باری تعالیٰ ﴿ففدية من صيام او صدقة او نسك﴾ کے بارے میں دریافت کیا تو انہوں نے فرمایا کہ یہ آیت میرے بارے میں نازل ہوئی ہے۔

فقہی احکام: (۱) حالت احرام میں جوئیں مارنا ممنوع ہے۔ (۲) اگر جوئیں بہت زیادہ پڑ جائیں تو پھر انہیں مارا جاسکتا ہے لیکن ایسا کرنے پر فدیہ دینا لازم ہوگا۔ (۳) اس کا فدیہ قربانی یا تین روزے یا چھ مسکینوں کو آدھا صاع کھانا دینا ہوگا۔

۴۲۹: وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضی اللہ عنہ قَالَ لَمَّا فَتَحَ اللَّهُ عَلَى رَسُولِهِ صلی اللہ علیہ وسلم مَكَّةَ ,قَامَ رَسُولُ اللَّهِ صلی اللہ علیہ وسلم فِي النَّاسِ، فَحَمِدَ اللَّهَ وَأَثْنَى عَلَيْهِ ,ثُمَّ قَالَ " إِنَّ اللَّهَ حَبَسَ عَنْ مَكَّةَ الْفِيلَ ,وَسَلَّطَ عَلَيْهَا رَسُولَهُ وَالْمُؤْمِنِينَ ,وَإِنَّهَا لَمْ تَحِلَّ لِأَحَدٍ كَانَ قَبْلِي ,وَإِنَّمَا أُحِلَّتْ لِي سَاعَةٌ مِنْ نَهَارٍ ,وَإِنَّهَا لَنْ تَحِلَّ لِأَحَدٍ بَعْدِي ,فَلَا يُنَفَّرُ صَيْدُهَا ,وَلَا يُخْتَلَى شَوْكُهَا ,وَلَا تَحِلُّ سَاقِطَتُهَا إِلَّا لِمُنْشِدٍ ,وَمَنْ قُتِلَ لَهُ قَتِيلٌ فَهُوَ بِخَيْرِ النَّظَرَيْنِ " فَقَالَ الْعَبَّاسُ إِلَّا الْإِذْخِرَ ,يَا رَسُولَ اللَّهِ ,فَإِنَّا نَجْعَلُهُ فِي قُبُورِنَا وَبُيُوتِنَا ,فَقَالَ " إِلَّا الْإِذْخِرَ " مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ.

البخاری، کتاب اللقطة، باب کیف تعرف لقطة اهل مکة: ۲۴۳۴، مسلم: ۱۳۵۵، ابوداود: ۲۰۱۷، ۲۰۱۸، النسائی: ۵/۲۰۳،
البیہقی: ۵/۱۹۵، ابن ماجة: ۳۱۰۹، تقریب: ۵۳۱۷

۴۲۹: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ جب اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کیلئے مکہ فتح کر دیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں میں کھڑے ہوئے، اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا بیان فرمائی، پھر فرمایا: "بلاشبہ اللہ نے ہاتھیوں کو مکہ مکرمہ میں داخل ہونے سے روک دیا تھا، جبکہ اس نے اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور ایمان والوں کو مکہ پر تسلط عنایت فرما دیا ہے، بلاشبہ مجھ سے پہلے کسی کیلئے بھی مکہ مکرمہ میں خون بہانا مباح نہ تھا، لیکن میرے

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

لئے دن کے ایک مختصر حصہ میں مباح کر دیا، بلاشبہ میرے بعد یہ کسی کیلئے کبھی بھی مباح نہ ہوگا۔ چنانچہ یہاں سے شکار کو مت بھگایا جائے، اس کے خاردار درختوں کو (بھی) نہ کاٹا جائے، یہاں پر گری ہوئی چیز کا اٹھانا ماسوا اس شخص کے حلال نہیں جو اس کا اعلان کرنا چاہتا ہے، جن کا کوئی آدمی قتل کر دیا جائے اسے دو بہتر انداز سے غور کیے ہوئے امور میں سے کسی ایک کا اختیار ہے۔" حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے عرض کیا، یا رسول اللہ ﷺ! اذخر کے علاوہ کیونکہ اسے ہم اپنی قبروں اور چھتوں پر ڈالتے ہیں،

آپ ﷺ نے فرمایا: "ہاں اذخر کی اجازت ہے۔" (بخاری و مسلم)

لغوی تحقیق: حبس: روک دیا۔ الفیل: ہاتھی۔ لا ینفر: یاء مضموم، نون ساکن اور فاء مفتوح، مت بھگایا جائے۔ ساقطة: گری ہوئی چیز۔ منشد: میم مضموم، نون ساکن اور شین مکسور، اعلان کرنے والا۔ قتیل: قاف مفتوح اور تاء مکسور، فعیل بمعنی مفعول یعنی مقتول۔ الاذخر: ہمزہ مکسور، ذال ساکن اور خاء مکسور، لمبے پتوں والی خوشبودار گھاس ہے۔ اہل مکہ اسے سرکنڈے کی جگہ استعمال کرتے تھے۔

تشریح: رحمت عالم ﷺ نے مکہ فتح کرنے کے بعد نہایت جامع اور پر تاثیر خطبہ ارشاد فرمایا، اس خطبہ کے اقتباسات متعدد صحابہ نے بیان کئے ہیں، حضرت عباس رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث میں ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: "فتح مکہ کے بعد (مکہ سے) ہجرت نہیں، البتہ جہاد اور جہاد کی نیت باقی ہے۔ لہٰذا جب تمہیں جہاد کیلئے نکلنے کا حکم ملے تو ضرور نکلو، اس شہر کو اللہ تعالیٰ نے اسی روز حرمت والا قرار دیا تھا جس روز اس نے زمین و آسمان تخلیق فرمائے تھے۔" بقیہ حدیث حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث کی مثل ہے۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے بھی یہ حدیث منقول ہے مگر وہ روایت عیسیٰ بن ابی عیسیٰ کی وجہ سے سخت ضعیف ہے۔ ابو شریح عدوی نے نقل کیا ہے کہ حرم مکہ سے کسی قسم کا درخت نہ کاٹا جائے۔

فقہی احکام: (۱) مکہ مکرمہ کی حرمت ابدی ہے البتہ اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ کیلئے اسے چند لمحات کیلئے مباح قرار دیا تھا۔ (۲) حرم مکہ سے شکار کیا جائے نہ شکار کو بھگایا جائے۔ (۳) ماسوا اذخر کے کوئی درخت نہ کاٹا جائے۔ (۴) گری ہوئی چیز کو فقط اعلان کرنے کی نیت سے اٹھایا جائے۔ (۵) حرم قاتل اور باغی کو پناہ نہیں دیتا۔

۷۳۰: وَعَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ زَيْدِ بْنِ عَاصِمٍ رضی اللہ عنہ أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ " إِنَّ إِبْرَاهِيمَ حَرَّمَ مَكَّةَ وَدَعَا لِأَهْلِهَا, وَإِنِّي حَرَّمْتُ الْمَدِينَةَ كَمَا حَرَّمَ إِبْرَاهِيمُ مَكَّةَ، وَإِنِّي دَعَوْتُ فِي صَاعِهَا وَمُدِّهَا بِمِثْلَيْ مَا دَعَا إِبْرَاهِيمُ لِأَهْلِ مَكَّةَ "مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ

مسلم، کتاب الحج، باب فضل المدینة ودعاء النبی ﷺ: ۱۳۶۰، ۱۳۷۳، البخاری: ۲۱۲۹، ۱۸۶۷، ۱۸۷۰، ۱۸۷۳، البیہقی: ۵/ ۱۹۷، الترمذی: ۴۱۹۰، ابوداود: ۲۰۳۷، احمد: ۱/ ۳۱۸، مجمع البحرین: ۲/ ۲۷۱، ۲۷۳، المعجم الاوسط للطبرانی: ۲۳۸۷، ۲۶۰۳، مجمع الزوائد: ۳/ ۳۰۱، ۳۰۴

۷۳۰: عبداللہ بن زید سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "بلاشبہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے مکہ کو حرام قرار دیا اور اس کے مکینوں کیلئے دعا فرمائی، بلاشبہ میں نے مدینہ کو حرام قرار دیا ہے، جس طرح حضرت ابراہیم علیہ السلام نے مکہ مکرمہ کو حرام دیا تھا، اور بلاشبہ میں نے مدینہ کے صاع اور مد (ناپ تول کے پیمانے) کیلئے دوگنا خیر و برکت کی دعا کی ہے، اس دعا سے جو ابراہیم نے مکہ مکرمہ کے مکینوں کیلئے فرمائی تھی۔" (بخاری و مسلم)

تشریح: ابراہیم علیہ السلام نے مکہ مکرمہ کو حرم قرار دیا ہے کا مفہوم ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے درخواست کی، جسے اللہ تعالیٰ نے شرف قبولیت بخشا، جیسا کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث میں صراحتاً مذکور ہے، وہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "اے اللہ! ابراہیم تیرے خلیل اور نبی ہیں اور تو نے ان کے کہنے پر مکہ مکرمہ کو حرام قرار دیا ہے، اے اللہ! میں تیرا بندہ اور

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

رسول ہوں، میں مدینہ منورہ کے علاقے کو حرم قرار دیتا ہوں، جو دو پہاڑوں کے درمیان واقع ہے۔

مدینہ منورہ کی حرمت سے متعلق احادیث حضرت سعد بن ابی وقاص، حضرت انس، حضرت جابر، حضرت ابوسعید خدری، حضرت رافع بن خدیج اور حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہم سے بھی مروی ہیں۔

حضرت علی اور حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہم سے مروی احادیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "ہر نبی کے لئے حرم ہے اور میرے لئے مدینہ طیبہ حرم ہے۔ مگر یہ دونوں احادیث ضعیف ہیں یعنی حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی روایت کے بارے میں علامہ ہیثمی کا کہنا ہے کہ اس کے بعض رواۃ پر کلام ہے۔ اور حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی روایت شہر بن حوشب کی وجہ سے ضعیف ہے۔

ان احادیث سے یہ واضح ہوا کہ مکہ مکرمہ اور مدینہ طیبہ کو حرمت حاصل ہے، ان دونوں شہروں کو حرمت اللہ تعالیٰ نے اپنے دو عظیم انبیا کی دعاؤں کی وجہ سے دی ہے۔ لیکن ان دونوں میں سے افضل شہر کونسا ہے؟ اس بارے میں اہل علم میں اختلاف پایا جاتا ہے۔ راقم کے نزدیک مدینہ طیبہ کو زیادہ شرف حاصل ہے۔

جیسا کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "اے اللہ! مدینہ منورہ کو مکہ مکرمہ سے دوگنا زیادہ بابرکت بنا دے۔" اور حضرت عبداللہ بن زید رضی اللہ عنہما سے مروی حدیث میں ہے، مدینہ کی حرمت مکہ سے دُگنی کر دے۔

فقہی احکام: حرم مکہ اور حرم مدینہ میں شکار کرنا، شکار کو ڈرانا اور گری ہوئی چیز کو اپنی ملکیت بنانے کیلئے اٹھانا ممنوع ہے۔

۷۳۱: وَعَنْ عَلِيِّ بْنِ أَبِي طَالِبٍ رضی اللہ عنہ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صلی اللہ علیہ وسلم " اَلْمَدِينَةُ حَرَمٌ مَا بَيْنَ عَيْرٍ إِلَى ثَوْرٍ " رَوَاهُ مُسْلِمٌ.

مسلم، کتاب الحج، باب فضل المدینة: ۱۳۷۰، البخاری: ۳۱۷۹، ابوداود: ۲۰۳۴، الترمذی: ۲۲۲۵، ابن حبان: ۳۷۱۷، البیهقی: ۱۹۶/۵، ۱۹۷

۷۳۱: حضرت علی رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "مدینہ کا وہ علاقہ جو مقام عیر سے مقام ثور تک واقع ہے وہ حرم ہے۔" (مسلم)

تشریح: عیر اور ثور مدینہ منورہ کے دو معروف پہاڑ ہیں اور یہ مدینہ کے شمالاً جنوباً واقع ہیں، گویا اس حدیث سے حرم مدینہ کا شمالاً جنوباً حدود کا تعین ہو گیا، جبکہ حضرت ابوہریرہ، حضرت رافع اور حضرت جابر رضی اللہ عنہم سے مروی احادیث میں: لابتیها؛ مذکور ہے۔ یعنی مدینہ طیبہ کا وہ علاقہ جو دو حروں کے درمیان واقع ہے وہ حرم ہے۔ امام نووی فرماتے ہیں لابتان کا واحد لابة ہے اور اس سے مراد سیاہ پتھروں والی مخصوص زمین ہے۔ یہ دو حرے مدینہ طیبہ کے شرقاً غرباً واقع ہیں۔

علامہ صفی الرحمٰن مبارکپوری، علامہ شعیب الارنؤوط فرماتے ہیں کہ ان میں سے ایک کا نام حرہ وبرہ ہے یہ مدینہ کے مغرب میں واقع ہے جبکہ دوسرا حرہ واقم ہے یہ مدینہ طیبہ کے مشرق میں واقع ہے۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث میں لابتیها کی جگہ حرتیها مذکور ہے۔

فقہی احکام: مدینہ منورہ کا وہ علاقہ جو دو پہاڑوں اور دو حروں کے درمیان واقع ہے وہ حرم ہے۔

۵۔ بَابُ صِفَةِ الْحَجِّ وَدُخُولِ مَكَّةَ ادائیگی حج اور مکہ مکرمہ میں داخل ہونے کا طریقہ

۷۳۲: وَعَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ رضی اللہ عنہما أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صلی اللہ علیہ وسلم حَجَّ ,فَخَرَجْنَا مَعَهُ ,حَتَّى أَتَيْنَا ذَا الْحُلَيْفَةِ ,فَوَلَدَتْ أَسْمَاءُ بِنْتُ عُمَيْسٍ ,فَقَالَ " اِغْتَسِلِي وَاسْتَثْفِرِي بِثَوْبٍ ,وَأَحْرِمِي " وَصَلَّى رَسُولُ اللَّهِ صلی اللہ علیہ وسلم فِي الْمَسْجِدِ ,ثُمَّ رَكِبَ الْقَصْوَاءَ حَتَّى إِذَا اسْتَوَتْ بِهِ عَلَى الْبَيْدَاءِ أَهَلَّ بِالتَّوْحِيدِ " لَبَّيْكَ اللَّهُمَّ لَبَّيْكَ ,لَبَّيْكَ لَا شَرِيكَ لَكَ لَبَّيْكَ ,

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

إِنَّ الْحَمْدَ وَالنِّعْمَةَ لَكَ وَالْمُلْكَ ,لَا شَرِيكَ لَكَ " حَتَّى إِذَا أَتَيْنَا الْبَيْتَ اِسْتَلَمَ الرُّكْنَ ,فَرَمَلَ ثَلَاثًا وَمَشَى أَرْبَعًا ,ثُمَّ أَتَى مَقَامَ إِبْرَاهِيمَ فَصَلَّى ,ثُمَّ رَجَعَ إِلَى الرُّكْنِ فَاسْتَلَمَهُ ثُمَّ خَرَجَ مِنَ الْبَابِ إِلَى الصَّفَا ,فَلَمَّا دَنَا مِنَ الصَّفَا قَرَأَ: ﴿ إِنَّ الصَّفَا وَالْمَرْوَةَ مِنْ شَعَائِرِ اللَّهِ ﴾ " أَبْدَأُ بِمَا بَدَأَ اللَّهُ بِهِ " فَرَقِيَ الصَّفَا ,حَتَّى رَأَى الْبَيْتَ ,فَاسْتَقْبَلَ الْقِبْلَةَ فَوَحَّدَ اللَّهَ وَكَبَّرَهُ وَقَالَ " لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيكَ لَهُ ,لَهُ الْمُلْكُ ,وَلَهُ الْحَمْدُ ,وَهُوَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ,لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَحْدَهُ أَنْجَزَ وَعْدَهُ ,وَنَصَرَ عَبْدَهُ ,وَهَزَمَ الْأَحْزَابَ وَحْدَهُ " ثُمَّ دَعَا بَيْنَ ذَلِكَ ثَلَاثَ مَرَّاتٍ ,ثُمَّ نَزَلَ إِلَى الْمَرْوَةِ ,حَتَّى انْصَبَّتْ قَدَمَاهُ فِي بَطْنِ الْوَادِي سَعَى حَتَّى إِذَا صَعِدَ مَشَى إِلَى الْمَرْوَةِ فَفَعَلَ عَلَى الْمَرْوَةِ ,كَمَا فَعَلَ عَلَى الصَّفَا فَذَكَرَ الْحَدِيثَ وَفِيهِ فَلَمَّا كَانَ يَوْمُ التَّرْوِيَةِ تَوَجَّهُوا إِلَى مِنًى ,وَرَكِبَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ فَصَلَّى بِهَا الظُّهْرَ ,وَالْعَصْرَ ,وَالْمَغْرِبَ ,وَالْعِشَاءَ ,وَالْفَجْرَ ,ثُمَّ مَكَثَ قَلِيلاً حَتَّى طَلَعَتِ الشَّمْسُ، فَأَجَازَ حَتَّى أَتَى عَرَفَةَ ,فَوَجَدَ الْقُبَّةَ قَدْ ضُرِبَتْ لَهُ بِنَمِرَةَ فَنَزَلَ بِهَا حَتَّى إِذَا زَاغَتِ الشَّمْسُ أَمَرَ بِالْقَصْوَاءِ ,فَرُحِلَتْ لَهُ ,فَأَتَى بَطْنَ الْوَادِي ,فَخَطَبَ النَّاسَ ثُمَّ أَذَّنَ ثُمَّ أَقَامَ ,فَصَلَّى الظُّهْرَ ,ثُمَّ أَقَامَ فَصَلَّى الْعَصْرَ ,وَلَمْ يُصَلِّ بَيْنَهُمَا شَيْئًا ثُمَّ رَكِبَ حَتَّى أَتَى الْمَوْقِفَ فَجَعَلَ بَطْنَ نَاقَتِهِ الْقَصْوَاءِ إِلَى الصَّخَرَاتِ ,وَجَعَلَ حَبْلَ الْمُشَاةِ بَيْنَ يَدَيْهِ وَاسْتَقْبَلَ الْقِبْلَةَ ,فَلَمْ يَزَلْ وَاقِفاً حَتَّى غَرَبَتِ الشَّمْسُ ,وَذَهَبَتِ الصُّفْرَةُ قَلِيلاً ,حَتَّى غَابَ الْقُرْصُ ,وَدَفَعَ ,وَقَدْ شَنَقَ لِلْقَصْوَاءِ الزِّمَامَ حَتَّى إِنَّ رَأْسَهَا لَيُصِيبُ مَوْرِكَ رَحْلِهِ ,وَيَقُولُ بِيَدِهِ الْيُمْنَى " أَيُّهَا النَّاسُ ,اَلسَّكِينَةَ ,اَلسَّكِينَةَ " كُلَّمَا أَتَى حَبْلاً أَرْخَى لَهَا قَلِيلاً حَتَّى تَصْعَدَ حَتَّى أَتَى الْمُزْدَلِفَةَ ,فَصَلَّى بِهَا الْمَغْرِبَ وَالْعِشَاءَ ,بِأَذَانٍ وَاحِدٍ وَإِقَامَتَيْنِ ,وَلَمْ يُسَبِّحْ بَيْنَهُمَا شَيْئًا ,ثُمَّ اِضْطَجَعَ حَتَّى طَلَعَ الْفَجْرُ ,فَصَلَّى الْفَجْرَ ,حِينَ تَبَيَّنَ لَهُ الصُّبْحُ بِأَذَانٍ وَإِقَامَةٍ ثُمَّ رَكِبَ حَتَّى أَتَى الْمَشْعَرَ الْحَرَامَ ,فَاسْتَقْبَلَ الْقِبْلَةَ ,فَدَعَاهُ ,وَكَبَّرَهُ ,وَهَلَّلَهُ فَلَمْ يَزَلْ وَاقِفًا حَتَّى أَسْفَرَ جِدًّا فَدَفَعَ قَبْلَ أَنْ تَطْلُعَ الشَّمْسُ ,حَتَّى أَتَى بَطْنَ مُحَسِّرٍ فَحَرَّكَ قَلِيلاً، ثُمَّ سَلَكَ الطَّرِيقَ الْوُسْطَى الَّتِي تَخْرُجُ عَلَى الْجَمْرَةِ الْكُبْرَى ,حَتَّى أَتَى الْجَمْرَةَ الَّتِي عِنْدَ الشَّجَرَةِ ,فَرَمَاهَا بِسَبْعِ حَصَيَاتٍ ,يُكَبِّرُ مَعَ كُلِّ حَصَاةٍ مِنْهَا ,مِثْلَ حَصَى الْخَذْفِ ,رَمَى مِنْ بَطْنِ الْوَادِي، ثُمَّ اِنْصَرَفَ إِلَى الْمَنْحَرِ ,فَنَحَرَ، ثُمَّ رَكِبَ رَسُولُ اللَّهِ صلى الله عليه وسلم فَأَفَاضَ إِلَى الْبَيْتِ ,فَصَلَّى بِمَكَّةَ الظُّهْرَ.

رَوَاهُ مُسْلِمٌ مُطَوَّلاً.

مسلم، كتاب الحج، باب حجة النبی ﷺ : ۱۲۱۸ ، ابوداود: ۱۹۰۵ ، ابن ماجة: ۲۹۱۹ ، احمد: ۳/ ۳۲۰، الدارمی: ۱۸۵۷، البیهقی: ۵/۷

۷۳۲: حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حج کا قصد فرمایا تو ہم آپ ﷺ کے ہمراہ چلے یہاں تک کہ ہم مقام ذوالحلیفہ پر پہنچ گئے، وہاں حضرت اسماء بنت عمیس نے بچہ جنم دیا، آپ ﷺ نے اسے فرمایا: "غسل کرنے کے بعد کپڑے سے لنگوٹ باندھ کر احرام باندھ لے۔" آپ ﷺ نے وہاں مسجد میں نماز پڑھی پھر آپ ﷺ قصواء نامی اونٹنی پر سوار ہوئے اور جب آپ ﷺ کی اونٹنی بیداء نامی مقام کے برابر آئی تو آپ ﷺ نے نعرہ توحید بلند فرمایا: "میں حاضر ہوں اے اللہ! میں حاضر ہوں، تیرا کوئی شریک نہیں، میں حاضر ہوں، بلاشبہ حمد وستائش تیرے لائق ہیں، انعامات تیرے ہی ہیں، اور بادشاہت بھی تیری ہی ہے۔" (یہ توحیدی نعرہ رسول اللہ ﷺ نے) بیت اللہ میں داخل ہونے تک جاری رکھا، چنانچہ آپ ﷺ نے حجر اسود کو بوسہ دیا تین چکر کندھوں کو

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ہلا ہلا کر اور تیز قدم چل کر مکمل کئے اور چار چکر معمول کے مطابق چل کر لگائے پھر آپ ﷺ مقام ابراہیم پر تشریف لائے اور نماز پڑھی پھر دوبارہ حجر اسود پر تشریف لے گئے اور اسے بوسہ دیا پھر مسجد حرام کے دروازے سے نکل کر صفا کی طرف چل دیئے۔ جب صفا کے قریب پہنچے تو یہ آیت تلاوت فرمائی ﴿صفا اور مروہ اللہ کی نشانیوں میں سے ہیں﴾ اور فرمایا: "میں (سعی کا آغاز) اس مقام سے کرتا ہوں، جہاں سے اللہ نے شروع کیا ہے۔" پھر آپ ﷺ صفا پر چڑھے اور قبلہ رُخ کھڑے ہو کر بیت اللہ کو دیکھ کر فرمایا: "اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں وہ تنہا ہے، اس کا کوئی شریک نہیں، اسی کیلئے بادشاہت اور حمد وستائش ہے اور وہ ہر چیز پر قادر ہے، اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، اس نے اپنا وعدہ پورا فرمایا، اپنے بندے کی مدد فرمائی اور تنہا اسی نے اتحادیوں کو شکست سے دوچار کیا۔" پھر اسی دوران تین بار دعا فرمائی، پھر صفا سے نیچے اترے اور مروہ کی طرف چل دیئے، یہاں تک کہ آپ ﷺ وادی کے نشیبی مقام پر پہنچ گئے، یہاں پہنچ کر دوڑنے لگے، یہاں تک کہ آپ ﷺ بالائی زمین تک پہنچ گئے، پھر آپ ﷺ معمول کی چال چلتے چلتے مروہ پہنچ گئے، مروہ پر پہنچ کر آپ ﷺ نے وہی کچھ کیا، جو آپ ﷺ نے صفا پر کیا تھا، پھر حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے بات کو جاری رکھا اور اس بات کا ذکر بھی کیا کہ جب ترویہ (۸ ذی الحج) کا دن ہوا تو لوگ منیٰ کی طرف چلے جبکہ آپ ﷺ سواری پر تھے، پھر آپ ﷺ نے منیٰ میں ظہر، عصر، مغرب، عشا اور فجر کی نمازیں پڑھیں پھر تھوڑی دیر ٹھہرے یہاں تک کہ سورج طلوع ہو گیا، پھر وہاں سے روانہ ہوئے اور عرفات تشریف لائے اور اس خیمہ میں تشریف فرما ہوئے، جو آپ ﷺ کیلئے نمرہ میں لگایا گیا تھا، پھر جب سورج ڈھل گیا تو آپ ﷺ نے قصواء پر پالان رکھنے کا حکم فرمایا، چنانچہ قصواء پر پالان رکھا گیا، اور آپ ﷺ وادی کے درمیان تشریف لائے اور لوگوں کو خطاب فرمایا، پھر مؤذن نے اذان دی اور اقامت کہی تو آپ ﷺ نے ظہر کی نماز پڑھائی، پھر اقامت کہی گئی تو آپ ﷺ نے عصر کی نماز پڑھائی اور آپ ﷺ نے ان دونوں نمازوں کے مابین کوئی نفلی نماز نہیں پڑھی، پھر آپ ﷺ اپنی اونٹنی قصواء پر سوار ہوئے اور موقف پر تشریف لائے اور آپ ﷺ نے اپنی اونٹنی کا پیٹ پتھروں کی طرف کر دیا اور راہ چلنے والوں کو اپنے ساتھ کر لیا اور رخ انور بیت اللہ کی طرف موڑ لیا، پھر آپ ﷺ غروب آفتاب تک کھڑے رہے، پہلے سورج کی کچھ زردی غائب ہوئی پھر وہ مکمل طور پر غروب ہو گیا، پھر آپ ﷺ واپس ہوئے اور آپ ﷺ نے قصواء کی نکیل اس قدر کھینچ رکھی تھی کہ اس کا سر پالان کے اگلے ابھرے ہوئے حصہ کو چھو رہا تھا، جبکہ آپ ﷺ اپنے دائیں ہاتھ کے اشارے سے لوگوں کو اطمینان سے چلنے کا حکم فرما رہے تھے۔ آپ ﷺ کا گزر جب کبھی کسی ٹیلے سے ہوتا تو نکیل قدر ڈھیلی کر دیتے، یہاں تک کہ آپ ﷺ مزدلفہ پہنچ گئے اور وہاں آپ ﷺ نے مغرب اور عشا کی نماز ایک اذان اور دو تکبیروں سے ادا فرمائی، ان دونوں نمازوں کے مابین کوئی نفلی نماز نہیں پڑھی، پھر آپ ﷺ نے فجر تک آرام فرمایا اور طلوع فجر پر فجر کی نماز، اذان اور اقامت کے ساتھ پڑھی، پھر آپ ﷺ سوار ہوئے اور مشعر حرام پر تشریف لائے، وہاں آپ ﷺ نے قبلہ رخ کھڑے ہو کر دعا فرمائی، اللہ کی کبریائی اور واحدانیت کا نعرہ بلند فرمایا اور خوب اچھی طرح روشنی پھیلنے تک اسی مقام پر کھڑے رہے، پھر سورج طلوع ہونے سے پہلے واپس ہوئے اور وادی محسر کے نشیب میں پہنچ کر سواری کو تھوڑا تیز کر دیا، پھر اس درمیانے راستے کو اختیار کیا جو جمرہ کبریٰ کی طرف نکلتا ہے۔ پھر آپ ﷺ اس جمرہ پر تشریف لائے جو درخت کے پاس ہے، اسے آپ ﷺ نے سات کنکریاں ماریں اور ہر کنکری مارتے وقت اللہ اکبر کہا، اور وہ کنکریاں جسامت میں لوبیے کے بیج کے برابر تھیں، پھر آپ ﷺ قربان گاہ کی طرف تشریف لے گئے اور وہاں قربانی کی، پھر آپ ﷺ سوار ہوئے اور بیت اللہ کا رخ کیا اور مکہ مکرمہ میں ظہر نماز پڑھی۔ (امام مسلم نے یہ حدیث مفصل بیان کی ہے)

تشریح: یہ حدیث حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے متعدد طرق سے مروی ہے، علامہ ناصر الدین البانی نے ان تمام طرق کو اپنی حجة النبی

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ﷺ نامی کتاب میں ذکر کیا ہے۔ مفصل معلومات درکار ہوں تو مذکورہ کتاب کا مطالعہ فرمائیں۔

فقہی احکام: (۱) احرام باندھنے سے لیکر بیت اللہ میں داخلے تک تلبیہ کہتے رہنا چاہیے۔ (۲) طواف کا آغاز حجر اسود کو بوسہ دیکر یا کم ازکم اس کی طرف اشارہ کرکے کرنا چاہیے۔ (۳) پہلے تین چکر دوڑ کر لگانے چاہیے۔ طواف سے فارغ ہوکر مقام ابراہیم پر دو رکعت پڑھنی چاہئیں۔ (۴) مقام ابراہیم پر دو رکعت پڑھنے کے بعد ایک بار پھر حجر اسود کو بوسہ دینا مسنون ہے۔ (۵) سعی کا آغاز صفا سے کرنا چاہیے۔ (۶) صفا اور مروہ پر کھڑے ہوکر بیت اللہ کی طرف منہ کرکے دعا کرنی چاہیے۔ (۷) صفا اور مروہ پر چڑھتے اور اترتے وقت معمول کی چال چلی جائے۔ (۸) صفا اور مروہ کے مابین ہموار وادی میں دوڑ لگائی جائے۔ (۹) آٹھ ذوالحج کو فجر کی نماز کے بعد منیٰ کی طرف کوچ کرنا۔ (۱۰) منیٰ میں پانچ نمازیں ادا کرکے طلوع آفتاب کے بعد عرفات کی طرف کوچ کرنا۔ (۱۱) عرفات میں ظہر اور عصر ایک اذان اور دو اقامتوں کے ذریعے ایک ساتھ ادا کرنا اور ان کے درمیان کوئی نفلی نماز نہ پڑھنا۔ (۱۲) میدان عرفات میں غروب آفتاب تک ٹھہرنا۔ (۱۳) غروب آفتاب کے بعد مغرب کی نماز ادا کئے بغیر مزدلفہ کی طرف کوچ کرنا۔ (۱۴) رات مزدلفہ میں بسر کرنا اور وہیں مغرب، عشا اور فجر ادا کرنا۔ (۱۵) طلوع فجر کے بعد منیٰ کی طرف چلنا۔ (۱۶) مشعر حرام پہنچ کر قبلہ رخ ہوکر دعا کرنا اور تکبیر وتہلیل کہنا اور خوب روشنی پھیلنے تک اسی مقام پر ٹھہرے رہنا۔ (۱۷) وادی محسر سے تیزی سے گزرنا۔ (۱۸) سب سے پہلے جمرہ کبریٰ کو سات کنکریاں مارنا۔ (۱۹) ہر کنکری کے ساتھ اللہ اکبر کہنا۔ (۲۰) منی میں قربانی کرنا۔ (۲۱) خواتین ایام حیض اور نفاس میں احرام باندھ سکتی ہیں۔

۷۳۳: وَعَنْ خُزَيْمَةَ بْنِ ثَابِتٍ رضی اللہ عنہ أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ كَانَ إِذَا فَرَغَ مِنْ تَلْبِيَتِهِ فِي حَجٍّ أَوْ عُمْرَةٍ سَأَلَ اللَّهَ رِضْوَانَهُ وَالْجَنَّةَ وَاسْتَعَاذَ بِرَحْمَتِهِ مِنَ النَّارِ. رَوَاهُ الشَّافِعِيُّ بِإِسْنَادٍ ضَعِيفٍ.

مسندالشافعی، کتاب المناسک : ۱۲۳/۱ ، کتاب الام: ۱۵۷/۲ ، الدارقطنی : ۲۳۸/۲، البیھقی: ۴۶/۵

۷۳۳: حضرت خزیمہ بن ثابت رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ جب حج یا عمرہ میں تلبیہ سے فارغ ہوتے تو اللہ تعالیٰ سے اس کی رضامندی اور جنت کا سوال کرتے، اور اس کی رحمت کے وسیلے سے آگ سے پناہ طلب فرماتے۔ اسے شافعی نے ضعیف سند سے روایت کیا ہے۔

تشریح: مؤلف رحمہ اللہ نے اس روایت کو ضعیف قرار دیا ہے، اس روایت کے ضعیف ہونے کے دو اسباب ہیں (۱) امام شافعی کا استاد ابراہیم بن محمد سخت ضعیف ہے۔ اسے امام یحیٰ بن سعید اور فقہائے سبعہ نے کذاب قرار دیا ہے۔ البتہ امام دارقطنی اور امام بیہقی نے اس کا متابع عبداللہ بن عبداللہ کو بیان کیا ہے، جس کی وجہ سے اس روایت کے ضعیف ہونے کی یہ علت غیر مؤثر ہوگئی ہے۔

(۲) عبداللہ بن عبداللہ اور ابراہیم بن محمد نے یہ روایت صالح بن محمد بن زائدہ سے نقل کی ہے، صالح بن محمد کو امام بخاری نے منکر الحدیث قرار دیا ہے، جبکہ جمہور محدثین نے اسے ضعیف کہا ہے، البتہ امام احمد نے اس کی تعدیل بھی کی ہے اور تضعیف بھی، لہٰذا امام احمد کے دونوں اقوال باہم معارض ہونے کی وجہ سے ساقط الاعتبار ہیں۔

۷۳۴: وَعَنْ جَابِرٍ رضی اللہ عنہ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ "نَحَرْتُ هَاهُنَا ,وَمِنًى كُلُّهَا مَنْحَرٌ ,فَانْحَرُوا فِي رِحَالِكُمْ ,وَوَقَفْتُ هَاهُنَا وَعَرَفَةُ كُلُّهَا مَوْقِفٌ ,وَوَقَفْتُ هَاهُنَا وَجَمْعٌ كُلُّهَا مَوْقِفٌ " رَوَاهُ مُسْلِمٌ.

مسلم، کتاب الحج، باب ما جاء انَّ عرفة کلها موقف: ۱۴۹/ ۱۲۱۸ ، ابوداود: ۱۹۳۷ ، ابن ماجة: ۳۰۱۲ ، ۳۰۴۸، احمد: ۳۲۶/۳، البیھقی: ۲۳۹/۵، ۲۹۵، الطبرانی: ۱۵۸۳، ۱۲۳۱ ، نصب الرایة: ۶۱/۳، الکامل: ۱۱۱۸ ، ابن حبان: ۳۸۵۴

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

۷۳۴: حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "میں نے تو قربانی اس جگہ پر کی ہے، جبکہ تمام منیٰ قربان گاہ ہے، لہٰذا تم اپنی اپنی قیام گاہوں کے پاس قربانی کرو، میں نے میدان عرفات میں اس جگہ قیام کیا ہے، جبکہ تمام عرفات قیام گاہ ہے اور پورا مزدلفہ قیام گاہ ہے۔"

لغوی تحقیق: جمع: جیم مفتوح اور میم ساکن، یہ مزدلفہ کا دوسرا نام ہے۔

تشریح: حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث ان سے متعدد طرق سے منقول ہے، جعفر بن محمد کے طریق سے مروی روایت میں مزدلفہ ہی مذکور ہے مگر یہ طریق قاسم بن عبداللہ العمری کی وجہ سے سخت ضعیف ہے، عطاء سے مروی طریق میں پورے مکہ کو قربان گاہ قرار دیا ہے مگر یہ طریق اسامہ بن زید کی وجہ سے ضعیف ہے لیکن ان دونوں طرق سے مروی متن کی تائید حضرت جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ سے مروی روایت سے ہوتی ہے، وہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "پورا مزدلفہ موقف ہے اور مکہ مکرمہ کی تمام گلیاں قربان گاہ ہیں۔"

اس روایت کے جملہ رواۃ اگرچہ ثقہ ہیں تاہم یہ روایت سلیمان بن موسیٰ اور جبیر بن مطعم کے مابین انقطاع کی وجہ سے ضعیف ہے۔

طبرانی میں اس روایت کو موصولاً نقل کرنے والا فقط سوید بن عبدالعزیز ہے۔ اسے امام نسائی اور امام یحییٰ بن معین نے ضعیف کہا ہے۔

علامہ زیلعی نے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے جو حدیث نقل کی ہے اس میں بھی یہی مذکور ہے۔ مگر وہ روایت عبدالرحمٰن بن ابی بکر الملیکی کی وجہ سے ضعیف ہے، حضرت عبداللہ بن عمر اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہم سے مروی احادیث میں بھی مزدلفہ مذکور ہے، تاہم یہ روایات عبدالرحمٰن بن عبداللہ العمری، یزید بن عبدالملک اور محمد بن عمر الواقدی کی وجہ سے ضعیف ہیں۔

فقہی احکام: (۱) میدان عرفات اور مزدلفہ میں کسی مقام پر بھی پڑاؤ ڈالا جا سکتا ہے۔ (۲) منیٰ کے کسی مقام پر بھی قربانی کی جا سکتی ہے۔

۷۳۵: وَعَنْ عَائِشَةَ رضی اللہ عنہا أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ لَمَّا جَاءَ إِلَى مَكَّةَ دَخَلَهَا مِنْ أَعْلَاهَا, وَخَرَجَ مِنْ أَسْفَلِهَا. مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ.

البخاری، کتاب الحج، باب من این یخرج من مکة: ۱۵۷۷، ۱۵۷۸، باب من این یدخل مکة: ۱۵۷۵، مسلم: ۱۲۵۸، ابوداود: ۱۸۶۸، ۱۸۶۹، الترمذی: ۸۶۱، البیهقی: ۷۱/۵، احمد: ۱۴/۲

۷۳۵: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ جب مکہ مکرمہ میں داخل ہوئے تو آپ ﷺ بالائی راستہ سے داخل ہوئے اور جب مکہ سے واپس ہوئے تو زیریں راستے سے واپس ہوئے۔ (بخاری و مسلم)

تشریح: حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی روایت میں ہے کہ آپ ﷺ ثنیہ علیا سے مکہ میں داخل ہوئے اور ثنیہ سفلی سے مکہ سے باہر نکلے۔ ثنیہ علیا کو کداء اور ثنیہ سفلی کو کدی کے ناموں سے بھی یاد کیا گیا ہے۔

ان احادیث سے واضح ہوا کہ مکہ میں بالائی راستہ سے داخل ہونا مسنون ہے۔

فقہی احکام: مکہ مکرمہ میں داخل ہونے کیلئے بالائی راستہ اختیار کرنا مسنون ہے۔

۷۳۶: وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ رضی اللہ عنہما أَنَّهُ كَانَ لَا يَقْدُمُ مَكَّةَ إِلَّا بَاتَ بِذِي طُوًى حَتَّى يُصْبِحَ وَيَغْتَسِلَ, وَيَذْكُرُ ذَلِكَ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ. مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ.

البخاری، کتاب الحج، باب اغتسال عند دخول مکة: ۱۵۷۳، مسلم: ۱۲۵۹، ابوداود: ۱۸۶۵، النسائی: ۱۹۹/۵، احمد: ۱۴/۲، البیهقی: ۷۱/۵

۷۳۶: حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے منقول ہے کہ وہ جب بھی مکہ میں تشریف لاتے تو رات ذی طوی میں بسر فرماتے اور جب صبح ہو جاتی تو وہ غسل فرماتے اور وہ فرمایا کرتے تھے کہ رسول اللہ ﷺ کا معمول یہی تھا۔ (بخاری و مسلم)

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

تشریح: حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے یہ حدیث متعدد طرق سے مروی ہے، یہ روایت نافع سے ایوب نے مذکورہ الفاظ سے نقل کی ہے۔ جبکہ موسیٰ بن عقبہ اور عبیداللہ نے نافع سے اس طرح بیان کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ ذی طویٰ میں رات بسر فرماتے یہاں تک کہ صبح ہو جاتی۔ اور عبداللہ بن عمر بھی ایسے ہی کیا کرتے تھے۔

فقہی احکام: ذی طویٰ میں رات بسر کرنا مسنون ہے۔

۷۳۷: وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رضی اللہ عنہما أَنَّهُ كَانَ يُقَبِّلُ الْحَجَرَ الْأَسْوَدَ وَيَسْجُدُ عَلَيْهِ. رَوَاهُ الْحَاكِمُ مَرْفُوعًا, وَالْبَيْهَقِيُّ مَوْقُوفًا.

الحاكم: ۱/۴۵۵، البيهقي: ۵/۷۴، ابن خزيمة: ۴/۲۱۳، الجرح التعديل: ۲/۴۸۲، التلخيص الحبير: ۲/۲۴۶، التقريب: ۷۷۰، عبدالرزاق: ۵/۳۷، المقصد العلى: ۵۷۷، ۵۷۸، مجمع الزوائد: ۳/۲۴۴

۷۳۷: حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ وہ حجر اسود کو بوسہ دیتے تھے اور اس پر سجدہ کرتے تھے۔ اس روایت کو امام حاکم نے مرفوع اور امام بیہقی نے موقوف بیان کیا ہے۔

تشریح: یہ روایت حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے متعدد طرق سے منقول ہے۔ جعفر بن عبداللہ سے مروی طریق میں ہے کہ میں نے محمد بن عباد کو دیکھا، انہوں نے حجر اسود کو بوسہ دیا، اور اس پر سجدہ کیا پھر انہوں نے کہا کہ میں نے تیرے ماموں عبداللہ بن عباس کو اسے بوسہ دیتے ہوئے اور اس پر سجدہ کرتے ہوئے دیکھا ہے، عبداللہ بن عباس نے بیان کیا، میں نے عمر بن خطاب کو اسے بوسہ دیتے ہوئے اور اس پر سجدہ کرتے ہوئے دیکھا ہے، پھر انہوں نے کہا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو ایسا کرتے دیکھا ہے۔

اس روایت کو امام حاکم نے صحیح کہا ہے اور امام ذہبی نے اس پر مہر تصدیق ثبت کی ہے جبکہ حقیقت یہ ہے کہ اس سلسلے میں دونوں بزرگوں سے تسامح ہوا ہے۔ کیونکہ ان کے نزدیک جعفر بن عبداللہ سے مراد جعفر بن عبداللہ بن الحاکم ہے جبکہ حافظ ابن حجر، امام عقیلی وغیرہ کا کہنا ہے کہ اس سے مراد جعفر بن عبداللہ بن عثمان ہے، اسے اگرچہ امام ابوحاتم نے ثقہ کہا ہے لیکن امام عقیلی کا کہنا ہے کہ اس حدیث میں وہم اور اضطراب ہے۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے یہی روایت عکرمہ نے مرفوع نقل کی ہے لیکن یہ طریق بھی صحیح نہیں، کیونکہ اس طریق کی سند میں یحییٰ بن یمان العجلی ہے، اس پر امام احمد اور امام یحییٰ بن معین، علامہ ذہبی اور حافظ ابن حجر نے نقد کیا ہے۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے یہ روایت ابن جریج کے طریق سے بھی منقول ہے اور یہ طریق دیگر طرق کے مقابلے میں بہتر ہے۔ امام ابویعلیٰ نے حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما سے نقل کیا ہے، وہ کہتے ہیں کہ میں نے عمر بن خطاب کو دیکھا وہ حجر اسود کو بوسہ دے رہے تھے اور اس پر سجدہ کر رہے تھے، انہوں نے عمل دوبار کیا پھر فرمایا، میں رسول اللہ ﷺ کو ایسے کرتے دیکھا ہے۔ اس روایت کے رواۃ کو علامہ ہیثمی نے ثقہ قرار دیا ہے، جبکہ حقیقت یہ ہے کہ اس کی سند میں عمر بن ہارون نامی متروک راوی ہے۔

فقہی احکام: حجر اسود کو بوسہ دینا اور اس پر رخسار رکھنا مشروع ہے۔

۷۳۸: وَعَنْهُ قَالَ أَمَرَهُمُ النَّبِيُّ ﷺ أَنْ يَرْمُلُوا ثَلَاثَةَ أَشْوَاطٍ وَيَمْشُوا أَرْبَعًا, مَا بَيْنَ الرُّكْنَيْنِ. مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ.

البخاري، كتاب الحج، باب كان بدء الرمل: ۱۶۰۲، باب استلام الحجر: ۱۶۰۳، مسلم: ۱۲۶۱، ۱۲۶۴، ابوداود: ۱۸۸۶، النسائي: ۵/۲۳۰، ۲۳۱، احمد: ۱/۲۹۰، ابن حبان: ۳۸۱۴، ابن خزيمة: ۲۷۰۷، البيهقي: ۹۳۵۳، مؤطا: ۱/۳۶۴، فتح الباري: ۳/۴۷۲، معرفة السنن والآثار: ۴/۶۲، ۶۳

تنبیہ: یہ روایت بلوغ المرام کے مطبوعہ نسخوں میں مختلف الفاظ سے مذکور ہے اور ہر نسخہ میں کم وبیش تسامح موجود ہے۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

۷۳۸: حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کو حکم دیا کہ وہ تین چکر دوڑ کر لگائیں لیکن رکن یمانی اور حجر اسود کے درمیان عام چال میں چلیں اور چار چکر آہستہ چل کر لگائیں۔ (بخاری و مسلم)

لغوی تحقیق: یرملو: یاء مفتوح اور میم مضموم، دوڑ لگائیں۔ اشواط: یہ شوط کی جمع ہے یعنی چکر۔

تشریح: حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے یہ حدیث متعدد طرق سے منقول ہے۔ سعید بن جبیر سے مروی روایت میں ہے کہ ابن عباس نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھی جب مکہ تشریف لائے تو مشرکین نے کہا کہ مسلمان تمہارے ہاں آئیں گے انہیں یثرب کی وبا نے کمزور کر دیا ہے، چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کو حکم دیا کہ وہ تین چکر دوڑ کر لگائیں، لیکن رکن یمانی سے حجر اسود تک معمول کی چال چلیں۔ جریری کے طریق سے مروی روایت میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کو حکم دیا کہ وہ تین چکر دوڑ کر اور چار معمول کی چال میں لگائیں۔

سعید بن جبیر سے مروی ایک طریق میں ہے کہ کفار مسلمانوں کو دیکھنے کیلئے حطیم کے پاس بیٹھ گئے۔ یحیٰ بن سلیم سے مروی طریق میں ہے کہ قریش جمع ہو کر حطیم کے پاس بیٹھ گئے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ساتھیوں سے فرمایا کہ "قریش تم میں کسی کمزوری کا مشاہدہ نہ کریں۔" چنانچہ صحابہ (حجر اسود سے رکن یمانی تک دوڑے) لیکن جب انہوں نے رکن یمانی کو مس کیا تو قریش ان کی نظروں سے غائب ہو گئے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ رکن یمانی سے حجر اسود تک عام چال میں چلے۔

معمر سے مروی طریق میں ہے کہ صحابہ نے جب حجر اسود کو بوسہ دیا تو صحابہ نے دوڑنا شروع کیا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم بھی ان کے ساتھ تھے، جب یہ سب رکن یمانی پر پہنچے تو پھر وہاں حجر اسود تک عام چال میں چلے، ایسا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تین چکروں میں کیا۔

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حجر اسود سے حجر اسود تک رمل کیا اور رمل آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تین چکروں میں کیا۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی حدیث میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سات چکروں میں سے تین چکر تیز چال میں لگائے۔

ان روایات میں بظاہر تعارض ہے لیکن درحقیقت ان میں کوئی تعارض نہیں کیونکہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی روایت کا تعلق صلح حدیبیہ کے بعد والے عمرہ سے اور جابر سے مروی روایات کا تعلق حجۃ الوداع سے ہے۔

یعنی دونوں روایات میں الگ الگ واقعات ہیں جیسا کہ مؤلف فتح الباری علیہ الرحمۃ میں لکھتے ہیں کہ مشرکین شامی رکنوں (یعنی حطیم) کے پاس بیٹھے ہوئے تھے صحابہ انہیں اپنی قوت دکھانے کیلئے اس طرف سے دوڑ کر گزر جاتے تھے اور جب وہ یمانی رکنوں (یعنی رکن یمانی اور حجر اسود) کی طرف آتے تو عام چال میں چلنے لگتے جیسا کہ حدیث ابن عباس سے واضح ہو رہا ہے لیکن جب انہوں نے حجۃ الوداع کیا تو پھر انہوں نے بیت اللہ کے چاروں طرف دوڑ کر چکر مکمل کیا۔

فقہی احکام: پہلے تین چکر بیت اللہ کے گرد دوڑ کر مکمل کئے جائیں۔

اگر ازدھام کی وجہ سے دوڑنا ممکن نہ ہو تو پھر دوڑنے جیسی ہیئت اختیار کر لی جائے۔

۷۳۹: وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ رضی اللہ عنہما أَنَّهُ كَانَ اِذَاطَافَ بِالْبَيْتِ الطَّوَافِ الْأَوَّلَ خَبَّ ثَلَاثًا، وَمَشَى اَرْبَعًا. وَفِيْ رِوَايَةٍ، رَأَيْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم اِذَا طَافَ فِي الْحَجْ اَوِ الْعُمْرَةِ أَوَّلَ مَا يَقْدُمُ فَاِنَّهُ يَسْعَى ثَلَاثَةَ أَطْوَافٍ بِالْبَيْتِ وَيَمْشِيْ اَرْبَعَةً. مُتَّفَقٌ عَلَيْه

البخاری، کتاب الحج، باب استلام الحجر الاسود حین یقدم مکة: ۱۶۰۳، مسلم: ۱۲۶۱، ابوداود: ۱۸۹۳، ابن ماجة: ۲۹۵۰، البیهقی: ۸۹/۵، النسائی: ۹۳۵۹، مسنداحمد: ۲۲۵/۱، المراسیل لابی داؤد: ۱۴۲

تنبیہ: بلوغ المرام کے اکثر مطبوعہ نسخوں میں یہ روایت موجود نہیں، جس کی وجہ سے اس روایت کے بعد والی روایت کا تعلق حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے ظاہر ہو رہا ہے۔ یہ تسامح کسی نساخ سے ہوا ہے۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

۷۳۹: حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے بارے میں منقول ہے کہ وہ جب بھی طواف قدوم کرتے تو تین چکر تیز چل کر اور چار چکر عام چال میں لگاتے۔ایک روایت میں ہے کہ انہوں نے کہا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب حج یا عمرہ کا طواف قدوم کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تین چکر دوڑ کر اور دیگر چار چکر آہستہ چل کر لگائے۔(بخاری و مسلم)

تشریح: مکہ مکرمہ میں حج یا عمرہ کی نیت سے داخل ہونے کے بعد جو سب سے پہلے طواف کیا جاتا ہے اسے طواف قدوم کہتے ہیں۔ طواف قدوم میں پہلے تین چکروں میں رمل کرنا مسنون ہے۔آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ کے بعد صحابہ کا یہی معمول تھا جیسا کہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے حج اور عمرہ میں رمل کیا تھا۔آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد ابوبکر، عمر اور عثمان رضی اللہ عنہم اور دیگر خلفا بھی اسی طرح کرتے رہے۔اس روایت کے جملہ رواۃ ثقہ ہیں، البتہ ابو معاویہ کے طریق سے مروی روایت ابن جریج نے عطاء سے معنعن نقل کی ہے اور ابن جریج معروف مدلس ہے۔لیکن امام احمد نے یحیٰ بن سعید کے توسط سے جو یہ روایت نقل کی ہے اس میں ابن جریج نے عطاء سے سماع کی صراحت کی ہے البتہ عطاء نے یہ روایت مرسل بیان کی ہے۔

فقہی احکام: طواف قدوم کے پہلے تین چکروں میں رمل کرنا مسنون ہے۔

۷۴۰: وَعَنْهُ قَالَ لَمْ أَرَ رَسُولَ اللَّهِ صلی اللہ علیہ وسلم يَسْتَلِمُ مِنَ الْبَيْتِ غَيْرَ الرُّكْنَيْنِ الْيَمَانِيَيْنِ . رَوَاهُ مُسْلِمٌ.

مسلم، کتاب الحج، باب استحباب استلام الرکنین الیمانیین: ۱۲۶۷، البخاری: ۱۶۰۹، البیہقی: ۹۳۱۴، ابوداود: ۱۸۷۴، النسائی: ۲۳۱/۵، الحاکم: ۶۲۶/۱، احمد: ۱۱۵/۲، ترمذی: ۸۶۶

۷۴۰: حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے بیان کیا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دونوں یمانی رکنوں کے علاوہ کسی رکن کو چھوتے نہیں دیکھا۔مسلم

تشریح: بیت اللہ کے وہ دو کونے جو حطیم کی طرف ہیں ان دونوں کونوں کو شامی رکنوں سے تعبیر کیا جاتا ہے اور دوسرے کونوں کو یمانی رکنوں سے تعبیر کیا جاتا ہے۔متأخر الذکر دونوں رکن بنیاد ابراہیمی پر ہے، جبکہ مقدم الذکر دونوں رکن بنیاد ابراہیم پر نہیں ہیں۔شاید اس وجہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کا استلام نہیں کیا۔اسی مفہوم کی روایت حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے بھی منقول ہے۔

نافع نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے جو روایت نقل کی ہے اس میں یہ تفصیل بھی ہے کہ عبداللہ بن عمر نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان دونوں رکنوں کو ہر چکر میں چھوتے تھے۔نافع کہتے ہیں کہ ابن عمر رضی اللہ عنہما بھی ان دونوں رکنوں کو چھوتے تھے۔

فقہی احکام: ہر طواف کے ہر چکر میں رکن یمانی اور حجر اسود کو چھونا مسنون ہے۔

۷۴۱: وَعَنْ عُمَرَ رضی اللہ عنہ أَنَّهُ قَبَّلَ الْحَجَرَ الْأَسْوَدَ فَقَالَ إِنِّي أَعْلَمُ أَنَّكَ حَجَرٌ لَا تَضُرُّ وَلَا تَنْفَعُ ,وَلَوْلَا أَنِّي رَأَيْتُ رَسُولَ اللَّهِ صلی اللہ علیہ وسلم يُقَبِّلُكَ مَا قَبَّلْتُكَ . مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ .

البخاری، کتاب الحج، باب ماذکر فی الحجر الاسود: ۱۵۹۷، مسلم: ۱۲۷۰، ابوداود: ۱۸۷۳، الترمذی: ۸۶۸، النسائی: ۲۲۷/۵

۷۴۱: حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ انہوں نے حجر اسود کو بوسہ دیا اور فرمایا، مجھے معلوم ہے کہ تو پتھر ہے، تو نہ تو نقصان پہنچا سکتا ہے اور نہ نفع، اور اگر میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو تجھے بوسہ دیتے ہوئے نہ دیکھا ہوتا تو میں تجھے بوسہ نہ دیتا۔(بخاری و مسلم)

فقہی احکام: (۱) حجر اسود کو بوسہ دینا مسنون ہے۔(۲) حجر اسود اگرچہ محترم ہے مگر وہ نفع اور نقصان کا مالک نہیں۔

۷۴۲: وَعَنْ أَبِي الطُّفَيْلِ رضی اللہ عنہ قَالَ رَأَيْتُ رَسُولَ اللَّهِ صلی اللہ علیہ وسلم يَطُوفُ بِالْبَيْتِ وَيَسْتَلِمُ الرُّكْنَ بِمِحْجَنٍ مَعَهُ ,وَيُقَبِّلُ الْمِحْجَنَ. رَوَاهُ مُسْلِمٌ .

” محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ “

www.KitaboSunnat.com

مسلم، کتاب الحج، باب جواز الطواف علی بعیر و غیرہ و استلام الحجر بمحجن: ۱۲۷۳، ۱۲۷۵، ابوداود: ۱۸۷۸، ۱۸۷۹، ابن ماجۃ: ۲۹۴۷، ۲۹۴۹، البیہقی: ۱۰۰/۵، البخاری: ۱۶۰۷، ۱۶۱۳، المقصد العلی: ۵۸۱، التقریب: ۲۰۱۵

۷۴۲: حضرت ابوطفیل رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بیت اللہ کا طواف کرتے ہوئے دیکھا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس خم دار چھڑی تھی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس سے حجر اسود کو چھوتے تھے پھر اس چھڑی کو بوسہ دیتے تھے۔ (مسلم)

تشریح: اس حدیث سے یہ واضح ہوا کہ حجر اسود کے قریب اگر ازدہام زیادہ ہو جس کی وجہ سے حجر اسود کو نہ تو براہ راست بوسہ دینا ممکن ہو، نہ اسے ہاتھ لگانا آسان ہو تو ایسی صورت میں اگر ممکن ہو تو پھر چھڑی وغیرہ سے حجر اسود کو مس کیا جا سکتا ہے۔ ایسا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک سے زائد مواقع پر کیا ہے، جیسا کہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی روایت میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حجۃ الوداع کے موقع پر اونٹ پر سوار ہو کر بیت اللہ کا طواف کیا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے خم دار چھڑی کے ذریعے حجر اسود کو بوسہ دیا۔

اس کی مؤید روایت حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے بھی منقول ہے۔ ایسا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فتح مکہ کے موقع پر کیا جیسا کہ حضرت صفیہ بنت شیبہ رضی اللہ عنہا نے بیان کیا، وہ فرماتی ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم جب فتح مکہ سے فارغ ہوئے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اونٹ پر سوار ہو کر بیت اللہ کا طواف کیا، اس وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ میں خم دار چھڑی تھی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس کے ذریعے حجر اسود کو بوسہ دیتے تھے۔ اس روایت کے جملہ رواۃ ثقہ ہیں، البتہ امام دارقطنی نے صفیہ بنت شیبہ کے صحابیہ ہونے کا انکار کیا ہے۔ جبکہ امام بخاری نے ان کے صحابیہ ہونے کی توثیق کی ہے۔ اسی مفہوم کی ایک روایت حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے بھی منقول ہے مگر یہ روایت موسیٰ بن عبیدہ کے متروک ہونے کی وجہ سے ضعیف ہے۔

فقہی احکام: (۱) مناسک حج کی ادائیگی کے وقت جدل ونزاع سے اجتناب کرنا انتہائی ضروری ہے۔ (۲) حجر اسود کو اگر براہ راست یا ہاتھ کے ذریعے بوسہ دینا آسان نہ ہو تو پھر چھڑی وغیرہ کے ذریعے بوسہ دینا مسنون ہے۔ (۳) طواف سوار ہو کر بھی کیا جا سکتا ہے۔

۷۴۳: وَعَنْ يَعْلَى بْنَ أُمَيَّةَ رضی اللہ عنہ قَالَ طَافَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم مُضْطَبِعًا بِبُرْدٍ أَخْضَرَ . رَوَاهُ الْخَمْسَةُ إِلَّا النَّسَائِيَّ , وَصَحَّحَهُ التِّرْمِذِيُّ.

ابوداود، کتاب المناسک، باب الاضطباع فی الطواف: ۱۸۸۳، ۱۸۸۷، الترمذی: ۸۶۷، ابن ماجۃ: ۲۹۵۲، ۲۹۵۴، احمد: ۲۲۳/۴، البیہقی: ۹۳۳۴

۷۴۳: حضرت یعلیٰ بن امیہ رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک ایسی سبز چادر میں طواف کیا جس کے درمیانی حصہ کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی دائیں بغل سے نکال کر بائیں کندھے پر ڈال رکھا تھا۔ اسے پانچوں میں سے نسائی نے روایت نہیں کیا اور ترمذی نے اسے صحیح قرار دیا ہے۔

لغوی تحقیق: مضطبعاً: یہ حال ہونے کی وجہ سے منصوب ہے یعنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے چادر کے درمیانی حصہ کو دائیں بغل سے نکال کر بائیں کندھے پر ڈال رکھا تھا۔ اسے اصطلاحی طور پر اضطباع کہا جاتا ہے

تشریح: رمل کا مقصد مشرکین مکہ کے سامنے اپنے قوی الاعصاب ہونے کا اظہار تھا، جبکہ اضطباع کا مقصد رمل کی حالت میں چادر کو گرنے سے محفوظ رکھنا تھا۔ آیا اضطباع فقط رمل کے تین چکروں ہی کیلئے ہے یا طواف قدوم کے ساتوں چکروں کیلئے ہے، اس بارے میں اہل علم میں اختلاف پایا جاتا ہے۔ بعض اہل علم کا خیال ہے کہ اضطباع فقط رمل کیلئے ہے۔

ان کی دلیل یہ ہے کہ اضطباع کا مقصد چادر کو گرنے سے بچانا اور یہ ضرورت رمل ہی کی صورت میں ہے جبکہ بعض کا کہنا ہے کہ طواف

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

قدوم کے ساتوں چکروں کیلئے ہے ان کا کہنا ہے کہ جس طرح رمل کا مقصد کفار کے سامنے اپنی قوت کا مظاہرہ کرنا تھا، مگر فتح مکہ کے بعد اس کی ضرورت نہیں رہی لیکن پھر بھی رمل ضروری ہے، کیونکہ ایسا کرنا مسنون ہے، اسی طرح اضطباع کی ضرورت اگرچہ رمل کے ساتھ ہے، لیکن اضطباع مسنون ہے اس لئے دیگر چکروں میں بھی اضطباع ضروری ہے، نیز ان کے اس موقف کو درج ذیل احادیث سے بھی تقویت ملتی ہے۔

(۱) یعلیٰ بن امیہ ہی سے مروی ایک طریق میں ہے کہ آپ ﷺ جب بیت اللہ میں تشریف لائے تو آپ ﷺ نے بیت اللہ کا طواف کیا اور اس وقت آپ ﷺ نے حضرمی چادر سے اضطباع کر رکھا تھا۔ اس روایت کے ایک راوی محمد بن سلیمان پر اگرچہ امام ابوحاتم نے جرح کی ہے، لیکن امام نسائی، امام ابن حبان اور خطیب نے اسے ثقہ قرار دیا ہے۔

(۲) حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے رمل اور اضطباع کے بارے میں فرمایا، اگرچہ اللہ تعالیٰ نے کفر اور اہل کفر کو مسترد کر دیا ہے لیکن ہم وہ طریقہ ترک نہیں کر سکتے جو ہم رسول اللہ ﷺ کی حیات طیبہ میں کیا کرتے تھے۔

فقہی احکام: اضطباع طواف قدوم کے سات چکروں میں کرنا چاہیے۔

۷۴۴: وَعَنْ أَنَسٍ رضی اللہ عنہ قَالَ كَانَ يُهِلُّ مِنَّا الْمُهِلُّ فَلا يُنْكَرُ عَلَيْهِ, وَيُكَبِّرُ مِنَّا الْمُكَبِّرُ فَلا يُنْكَرُ عَلَيْهِ. مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ.

البخاری، کتاب الحج، باب التلبية والتكبير اذا غدا من منىٰ الى عرفة: ۱۶۵۹، ۱۶۸۶، مسلم: ۱۲۸۵، احمد: ۲۴۰/۳، النسائی: ۲۵۰/۵، ابن ماجة: ۳۰۰۸، البيهقی: ۱۱۲/۵

۷۴۴: حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ہم میں سے کچھ لوگ لا الہ الا اللہ کہتے تھے اور ان پر ناپسندیدگی کا اظہار نہیں کیا جاتا تھا اور بعض لوگ اللہ اکبر کہتے تھے انہیں بھی برا نہیں سمجھا جاتا تھا۔ (بخاری و مسلم)

تشریح: محمد بن ابوبکر ثقفی حضرت انس رضی اللہ عنہ کے ہمراہ منیٰ سے عرفات جا رہے تھے، اس دوران انہوں نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ آپ لوگ نبی اکرم ﷺ کی حیات طیبہ میں آج کے دن کونسا عمل کرتے تھے؟ اس پر انہوں نے مذکورہ بالا جواب دیا۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے بھی اسی طرح منقول ہے، البتہ حضرت اسامہ بن زید اور حضرت فضل بن عباس رضی اللہ عنہم کا بیان ہے کہ آپ ﷺ جمرہ عقبہ کو رمی کرنے تک تلبیہ کہتے رہے۔

فقہی احکام: عرفہ کے روز لا الہ الا اللہ، اللہ اکبر اور تلبیہ میں سے کوئی ایک یا باری باری تینوں بھی کہے جا سکتے ہیں۔

۷۴۵: وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رضی اللہ عنہما قَالَ بَعَثَنِي رَسُولُ اللَّهِ ﷺ فِي الثَّقَلِ, أَوْ قَالَ فِي الضَّعَفَةِ مِنْ جَمْعٍ بِلَيْلٍ. مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ.

البخاری، کتاب جزاء الصيد، باب حج الصبيان: ۱۸۵۶، ۱۶۷۸، مسلم: ۱۲۹۳، ۱۲۹۴، معرفة السنن والآثار: ۱۱۴/۴، ابوداود: ۱۹۳۹، النسائی: ۲۶۱/۵، الترمذی: ۸۹۹، احمد: ۲۲۲/۱، البيهقی: ۱۲۳/۵، فتح الباری: ۵۲۸/۳

تنبیہ: بلوغ المرام کے بعض مطبوعہ نسخوں میں اس روایت کے بعد مصادر کا ذکر نہیں اور اس کے بعد والی روایت کے بعد دونوں روایات کو بخاری و مسلم کی طرف منسوب کیا گیا ہے۔ جبکہ بعض نسخوں میں ہر روایت کے بعد بخاری و مسلم مذکور ہے۔

۷۴۵: حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے بیان کیا کہ مجھے رسول اللہ ﷺ نے سامان کے ساتھ یا انہوں نے کہا کہ کمزور افراد کے ساتھ رات ہی کو مزدلفہ سے روانہ کر دیا تھا۔ (بخاری و مسلم)

لغوی تحقیق: الثقل: ثاء اور قاف دونوں مفتوح یعنی بوجھ۔ الضعفة: ضاد اور عین دونوں مفتوح یعنی کمزور افراد۔ جمع: مزدلفہ۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

تشریح: حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے یہ روایت عبید اللہ بن ابی یزید، عطاء اور ابوزبیر بیان کرتے ہیں۔ عطاء سے جب یہ روایت عمرو بن دینار نقل کرتے ہیں تو وہ کہتے ہیں کہ ابن عباس نے فرمایا کہ میں آپ ﷺ کے اہل کے ان کمزور لوگوں کے ساتھ تھا جنہیں رسول اللہ ﷺ نے پہلے بھیج دیا تھا، لیکن عطاء سے جب ابن جریج نقل کرتے ہیں تو وہ کہتے ہیں کہ ابن عباس نے فرمایا، مجھے رسول اللہ ﷺ نے سحری کے وقت اپنے سامان کے ساتھ مزدلفہ سے روانہ کر دیا تھا۔

ابونعمان جب از حماد بن زید از عبید اللہ بن ابی زیاد کے طریق سے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے بیان کرتے ہیں تو وہ کہتے ہیں کہ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے فرمایا کہ مجھے رسول اللہ ﷺ نے رات کے وقت ہی اپنے سامان کے ساتھ مزدلفہ سے روانہ کر دیا تھا۔ اور جب سفیان بن عیینہ، عبید اللہ بن ابی زیاد سے نقل کرتے ہیں تو وہ کہتے ہیں کہ ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا کہ میں آپ ﷺ کے اہل کے ان کمزور افراد کے قافلے میں شامل تھا جنہیں رسول اللہ ﷺ نے پہلے روانہ کر دیا تھا۔ لیکن یحیٰی جب حماد بن زید کے توسط سے عبید اللہ بن ابی یزید سے نقل کرتے تو وہ شک کے الفاظ استعمال کرتے ہیں۔ ان طرق سے یہ واضح ہوا کہ ابن عباس کے دونوں تلمیذان رشیدان سے یہ روایت بالجزم بھی مروی ہے اور شک کے ساتھ بھی مروی ہے۔

راقم کے نزدیک اس تعارض کو دور کرنے کی دو صورتیں ہیں۔ (۱) ثقل اور ضعفہ دونوں مترادف الفاظ ہیں اور دونوں سے ایسے افراد مراد ہیں جو قافلے کے ساتھ چلنے سے عاجز تھے، جیسا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی روایت میں حضرت سودہ رضی اللہ عنہا کیلئے لفظ ثبطة استعمال ہوا ہے۔ اس موقف کو ابوزبیر کے طریق سے مروی روایت بھی تقویت دیتی ہے کیونکہ اس میں بالجزم مذکور ہے کہ آپ ﷺ نے اپنے کمزور اہل وعیال کو مزدلفہ سے منیٰ کی طرف پہلے روانہ کر دیا تھا۔ (۲) ممکن ہے کہ اس کمزور قافلے کے ساتھ سامان بھی روانہ کر دیا ہو۔

فقہی احکام: مزدلفہ میں رات گزارنا ضروری ہے لیکن جو حضرات وخواتین قافلے کے ساتھ چلنے سے قاصر ہوں وہ سحری کے وقت بھی کوچ کر سکتے ہیں۔

۷۴۶: وَعَنْ عَائِشَةَ رضی اللہ عنہا قَالَتْ اِسْتَأْذَنَتْ سَوْدَةُ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ لَيْلَةَ الْمُزْدَلِفَةِ أَنْ تَدْفَعَ قَبْلَهُ , وَكَانَتْ ثَبِطَةً تَعْنِي ثَقِيلَةً فَأَذِنَ لَهَا . مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ.

البخاری، کتاب الحج، باب من قدم ضعفة اهله بليل: ۱۶۸۰، مسلم: ۱۲۹۰، النسائی: ۵/ ۲۶۲، ابن ماجة: ۳۰۲۶، البیهقی: ۵/ ۱۲۴، احمد: ۶/ ۲۱۳، معرفة السنن والآثار: ۴/ ۱۱۴

۷۴۶: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے بیان کیا کہ حضرت سودہ رضی اللہ عنہا نے مزدلفہ کی رات آپ ﷺ سے اجازت طلب کی کہ وہ قافلے سے پہلے منیٰ کی طرف کوچ کر جائیں کیونکہ وہ بھاری جسم والی تھیں۔ آپ ﷺ نے انہیں اجازت عنائت فرما دی۔ (بخاری ومسلم)

تشریح: اس حدیث سے یہ معلوم ہوا کہ آپ ﷺ نے اپنے اہل کے جن کمزور افراد کو رات کے وقت ہی مزدلفہ سے منیٰ کی طرف کوچ کرنے کی اجازت دی تھی، ان میں اُم المؤمنین حضرت سودہ رضی اللہ عنہا بھی شامل تھیں۔

اُم المؤمنین اُم حبیبہ رضی اللہ عنہا سے مروی روایت میں ہے کہ وہ بھی اس قافلے میں شامل تھیں۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی روایت میں ہے کہ وہ بھی اپنے اہل کے کمزور افراد کو رات کے وقت ہی مزدلفہ سے منیٰ کی طرف روانہ کر دیتے تھے۔

۷۴۷: وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رضی اللہ عنہما قَالَ قَالَ لَنَا رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ " لَا تَرْمُوا الْجَمْرَةَ حَتّٰى تَطْلُعَ الشَّمْسُ " رَوَاهُ الْخَمْسَةُ إِلَّا النَّسَائِيَّ , وَفِيهِ انْقِطَاعٌ .

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ابوداود، کتاب المناسک، باب التعجیل من جمع: ۱۹۴۰، ۱۹۴۱، الترمذی: ۹۰۰، النسائی: ۵/ ۲۷۰، ۲۷۱، ابن ماجة: ۳۰۲۵، احمد: ۱/ ۲۳۴، البیھقی: ۵/ ۱۳۲، المراسیل: ۵۵، الطحاوی: ۲/ ۲۱۷، المحرر: ۱/ ۴۰۵، الاروء: ۴/ ۲۷۴، مجموع الفتاویٰ: ۲۶/ ۱۶۶، المجموع: ۷/ ۱۵۳

تنبیہ: مؤلف رحمہ اللہ کا یہ کہنا کہ اس حدیث کو نسائی نے روایت نہیں کیا۔کسی نساخ کی غلطی کی وجہ سے یا پھر ان سے تسامح ہوا ہے۔کیونکہ یہ حدیث نسائی میں موجود ہے۔اور خود مؤلف رحمہ اللہ نے فتح الباری میں اسے نسائی کی طرف منسوب کیا ہے۔

۷۴۷: حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:"طلوع آفتاب سے قبل کنکریاں مت مارو۔"اس حدیث کو پانچوں میں سے نسائی نے روایت نہیں کیا۔لیکن اس کی سند منقطع ہے۔

تشریح: اس روایت کے اگر چہ جملہ رواۃ ثقہ ہیں تاہم یہ روایت منقطع ہونے کی وجہ سے ضعیف ہے۔ابن ابی حاتم نے المراسیل میں امام احمد کا قول عبداللہ بن احمد کے توسط سے نقل کیا ہے،وہ کہتے ہیں کہ میں نے اپنے والد (احمد) سے سنا وہ فرمارہے تھے کہ الحسن عرنی نے ابن عباس سے کچھ نہیں سنا۔امام ابوحاتم کا کہنا ہے کہ اس نے ابن عباس سے ملاقات ہی نہیں کی۔

یہ روایت حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مقسم نے بھی نقل کی ہے،وہ کہتے ہیں کہ ابن عباس نے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے کمزور اہل کو پہلے رخصت کردیا اور انھیں حکم دیا کہ وہ طلوع آفتاب سے قبل کنکریاں نہ ماریں۔اس روایت کو امام ترمذی نے حسن صحیح کہا اور علامہ احمد شاکر نے اس روایت کی سند کو صحیح قرار دیا ہے جبکہ حقیقتاً ایسا نہیں ہے کیونکہ اس روایت کی سند میں مسعودی ہے اور وہ ضعیف ہے۔مسعودی کی متابعت اعمش،حجاج بن ارطاۃ اور ابن ابی لیلیٰ نے کی ہے۔اعمش مدلس ہے جبکہ حجاج بن ارطاۃ اور ابن ابی لیلیٰ ضعیف ہیں اور ان سب کا شیخ حکم بن عتیبہ مدلس ہے۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے انھیں الفاظ کے ساتھ یہ حدیث عطاء نے بھی روایت کی ہے لیکن اس روایت کی سند میں حبیب بن ابی ثابت مدلس ہے اور اس نے یہ روایت معنعن نقل کی ہے۔اس روایت کو عصر حاضر کے نامور محقق علامہ البانی نے صحیح کہا ہے۔جبکہ مفتی اعظم سعودی عرب علامہ عبدالعزیز بن باز نے ضعیف کہا ہے۔

فقہی احکام: (بشرط صحت حدیث) طلوع آفتاب کے بعد کنکریاں مارنا مستحب ہے۔

۷۴۸: وَعَنْ عَائِشَةَ رضی اللہ عنہا قَالَتْ أَرْسَلَ النَّبِيُّ صلی اللہ علیہ وسلم بِأُمِّ سَلَمَةَ لَيْلَةَ النَّحرِ, فَرَمَتِ الْجَمْرَةَ قَبْلَ الْفَجْرِ, ثُمَّ مَضَتْ فَأَفَاضَتْ. رَوَاهُ أَبُو دَاوُدَ, وَإِسْنَادُهُ عَلَى شَرْطِ مُسْلِمٍ.

ابوداؤد، کتاب المناسک، باب التعجیل من جمع: ۱۹۴۲، البیھقی: ۵/ ۱۳۳

تنبیہ: یہ روایت مسلم کی شرط کے مطابق نہیں ہے۔

۷۴۸: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے بیان کیا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ام سلمہ کو قربانی والی رات (منیٰ کی طرف) بھیج دیا تھا۔انہوں نے طلوع فجر سے قبل رمی کرلی،پھر انہوں نے طواف افاضہ کیا۔(ابوداؤد نے روایت کیا ہے اور اس کی سند مسلم کی شرط کے مطابق ہے۔)

تشریح: اس حدیث سے یہ معلوم ہوا کہ کنکریاں طلوع آفتاب سے قبل بھی ماری جاسکتی ہیں۔اس موقف کی تائید حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی روایت سے بھی ہوتی ہے۔وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے اپنے اہل کے کمزور افراد کے ساتھ روانہ کردیا تھا،ہم نے صبح کی نماز منیٰ میں پڑھی اور جمرۃ کو کنکریاں ماریں۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

حضرت اُم سلمہ رضی اللہ عنہا سے بھی اس کی مؤید روایت مروی ہے لیکن وہ مضطرب ہونے کی وجہ سے قابل اعتماد نہیں۔حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی روایت ،حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی روایت کے بظاہر معارض ہے لیکن حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی روایت سند کے اعتبار سے زیادہ قوی ہے،اس لئے ابن عباس سے مروی روایت معارضہ کرنے کی صلاحیت نہیں رکھتی۔

فقہی احکام: کمزور افراد طلوع آفتاب سے قبل کنکریاں مار سکتے ہیں۔

۷۴۹: وَعَنْ عُرْوَةَ بْنِ مُضَرِّسٍ رضی اللہ عنہ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم "مَنْ شَهِدَ صَلَاتَنَا هٰذِهِ يَعْنِي: بِالْمُزْدَلِفَةِ فَوَقَفَ مَعَنَا حَتّٰى نَدْفَعَ ,وَقَدْ وَقَفَ بِعَرَفَةَ قَبْلَ ذٰلِكَ لَيْلاً أَوْ نَهَارًا ,فَقَدْ تَمَّ حَجُّهُ وَقَضٰى تَفَثَهُ" رَوَاهُ الْخَمْسَةُ ,وَصَحَّحَهُ التِّرْمِذِيُّ ,وَابْنُ خُزَيْمَةَ.

ابوداود، کتاب المناسک، باب من لم یدرک عرفة: ۱۹۴۹ ، ۱۹۵۰ ، الترمذی: ۸۹۸، النسائی: ۵ /۲۶۳، ابن ماجة: ۳۰۱۶، احمد: ۱۵/۴ ، الدارقطنی : ۲۴۱/۲، البیهقی: ۱۱۶/۵ ، ابن خزیمة: ۲۸۲۰ ، ۲۸۲۲

۷۴۹: حضرت عروہ بن مضرس رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:"جو مزدلفہ میں ہمارے ساتھ اس نماز میں شامل ہوا،اور ہمارے ساتھ ہمارے کوچ کرنے تک مزدلفہ میں رہا،اوراس سے قبل اس نے عرفات میں دن میں یا رات میں قیام کیا،اس کا حج مکمل ہوگیا اوراس نے اپنی میل کچیل دور کرلی۔(اسے پانچوں نے روایت کیا ہے جبکہ ترمذی اورابن خزیمہ نے اسے صحیح کہا ہے۔)

تشریح: اس حدیث سے یہ معلوم ہوا کہ جو شخص نو ذوالحجہ کی صبح سے لیکر دس ذوالحجہ کی فجر کی نماز سے پہلے عرفات سے ہوکر مزدلفہ میں فجر کی نماز جماعت کے ساتھ پڑھ لے اس کا حج مکمل ہوجائے گا۔بشرطیکہ سابقہ اور بعد والے مناسک حج بھی ادا کرے اور جو شخص مذکورہ اوقات میں عرفات اور مزدلفہ میں حاضر ہونے سے قاصر رہا،اس کا حج فوت ہوگیا،وہ فقط عمرہ کرلے۔

اس کی مؤید روایت حضرت عبدالرحمٰن بن یعمر رضی اللہ عنہ سے بھی مروی ہے،وہ کہتے ہیں کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ عرفات میں موجود تھا،اس دوران مسجد میں کچھ لوگ حاضر خدمت ہوکر عرض کرنے لگے،اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم! حج کیا ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:"وقوف عرفہ حج ہے،جو شخص مزدلفہ کی رات فجر کی نماز سے قبل وہاں پہنچ جائے اس کا حج مکمل ہوگیا۔"

اسی مفہوم کی روایات حضرت عبداللہ بن عباس اور حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہم سے بھی منقول ہیں،مگر یہ دونوں روایات ابن ابی لیلیٰ اور ابن مصعب کی وجہ سے ضعیف ہیں۔

فقہی احکام: نو ذوالحجہ کی صبح سے لیکر دس ذوالحجہ کی فجر تک عرفات ومزدلفہ میں وقوف ضروری ہے۔اس لئے ان میں تقدیم وتاخیر جائز نہیں ہے۔دیگر مناسک حج میں کسی شرعی عذر کی وجہ سے تقدیم وتاخیر مباح ہے۔

۷۵۰: وَعَنْ عُمَرَ رضی اللہ عنہ قَالَ إِنَّ الْمُشْرِكِينَ كَانُوا لَا يُفِيضُونَ حَتّٰى تَطْلُعَ الشَّمْسُ، وَيَقُولُونَ أَشْرِقْ ثَبِيرُ وَأَنَّ النَّبِيَّ صلی اللہ علیہ وسلم خَالَفَهُمْ ,ثُمَّ أَفَاضَ قَبْلَ أَنْ تَطْلُعَ الشَّمْسُ. رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ.

البخاری، کتاب الحج، باب متی یدفع من جمع: ۱۶۸۴ ، الترمذی: ۸۹۶، النسائی: ۲۶۵/۵، البیهقی: ۱۲۴/۵، احمد: ۵۰/۱

۷۵۰: حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ مشرکین اس وقت تک نہیں لوٹتے تھے،جب تک سورج طلوع نہیں ہوجاتا تھا اور وہ کہا کرتے تھے۔اے ثبیر!روشن ہوجا۔نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی مخالفت فرمائی اور طلوع آفتاب سے قبل واپس لوٹے۔(بخاری)

لغوی تحقیق: اشرق: ہمزہ مفتوح،شین ساکن،راء مکسور اور قاف ساکن،یعنی روشن ہوجا۔ثبیر: ثاء مفتوح،باء مکسور اور یاء ساکن،یہ مکہ

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

کے بڑے پہاڑوں میں سے ایک پہاڑ ہے جو مزدلفہ سے منیٰ کی طرف جاتے وقت الٹے ہاتھ واقع ہے۔

تشریح: یہ روایت حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے متعدد طرق سے مروی ہے۔ابن اسحاق سے مروی طریق میں ہے کہ مشرکین اس وقت تک مزدلفہ سے منیٰ کی طرف نہ چلتے جب تک سورج ثبیر پہاڑ پر روشن نہ ہو جاتا، حجاج عن ابی اسحٰق سے مروی طریق میں ہے، وہ کہتے، اے ثبیر! روشن ہو جا، تا کہ ہم غارت گری کر سکیں۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مشرکین کی مخالفت کرتے ہوئے طلوع آفتاب سے قبل مگر خوب روشنی پھیلنے کے بعد منیٰ کی طرف چلے۔اس کی مؤید روایات حضرت ابوبکر صدیق، حضرت عبداللہ بن عباس، حضرت عبداللہ بن عمر اور حضرت مسور بن مخرمہ رضی اللہ عنہم سے بھی منقول ہیں۔ حضرت ابوبکر صدیق اور حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہم سے مروی روایات واقدی، شاذکونی، جعفر بن میسرہ اور غسان بن ربیع کی وجہ سے ضعیف ہیں۔

فقہی احکام: (۱) مزدلفہ سے منیٰ کی طرف دس ذوالحجہ کو طلوع آفتاب سے قبل کوچ کرنا چاہیے۔

(۲) مشرکین اور یہود و نصاریٰ کی مخالفت کرنا مسنون اور پسندیدہ عمل ہے۔

۷۵۱: وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ وَأُسَامَةَ بْنِ زَيْدٍ رضي الله عنهم قَالَا لَمْ يَزَلِ النَّبِيُّ ﷺ يُلَبِّي حَتَّى رَمَى جَمْرَةَ الْعَقَبَةِ. رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ.

البخاری، کتاب الحج، باب التلبیۃ و التکبیر غداۃ النحر: ۱۶۸۶، ۱۶۸۷، ۱۷۵۰، ۱۷۵۱، مسلم: ۱۲۸۱، ابوداود: ۱۸۱۵، الترمذی: ۹۲۷، النسائی: ۲۶۸/۵، البیہقی: ۱۳۷/۵، ابن خزیمۃ: ۲۸۸۶، ابن ماجۃ: ۳۰۴۰

تنبیہ: صحیح بخاری میں قالا کا مرجع فضل بن عباس اور اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما ہیں۔جبکہ بلوغ المرام کے مطبوعہ نسخوں کے سیاق سے اس کا مرجع عبداللہ بن عباس اور اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما قرار پاتے ہیں۔کیونکہ اہل علم کے نزدیک ابن عباس سے مراد عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما ہی ہیں۔ظاہر ہے کہ یہاں تسامح مؤلف رحمہ اللہ سے یا ناسخ سے ہوا ہے۔

۷۵۱: حضرت عبداللہ بن عباس اور حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہم نے بیان کیا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جمرہ عقبہ کو کنکریاں مارنے تک مسلسل تلبیہ کہتے تھے۔(بخاری)

تشریح: یہ حدیث حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے متعدد طرق سے منقول ہے۔امام بخاری کے بیان کردہ طریق میں ہے کہ اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما عرفات سے مزدلفہ تک جبکہ فضل بن عباس رضی اللہ عنہما مزدلفہ سے منیٰ تک آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ردیف رہے اور ان دونوں نے کہا کہ ہم آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے تلبیہ مسلسل سنتے رہے، یہاں تک کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جمرۃ عقبہ کو کنکریاں ماریں اور ایک دوسری روایت میں ہے کہ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کنکریاں ماریں، تب تلبیہ منقطع کر دیا۔

اس روایت سے یہ واضح ہوا کہ کنکریاں مارنے کے بعد تلبیہ منقطع کیا جائے۔امام ابن خزیمہ نے اس روایت کو پہلی روایت کی تفسیر قرار دیا ہے لیکن امام بیہقی اور حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے امام ابن خزیمہ کی اس رائے سے اختلاف کیا ہے۔

امام ابن ماجہ نے جس طریق سے روایت نقل کی ہے، اس میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے اسامہ بن زید اور فضل بن عباس رضی اللہ عنہما کے واسطے کے بغیر نقل کی ہے۔حضرت عبداللہ بن مسعود، حضرت عبداللہ بن عمر اور حضرت جابر رضی اللہ عنہم سے مروی روایات میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہر کنکری کے ساتھ اللہ اکبر کہتے تھے۔

فقہی احکام: مکہ سے منیٰ، منیٰ سے عرفات، عرفات سے مزدلفہ اور مزدلفہ سے جمرہ عقبہ کو کنکریاں مارنے تک مسلسل تلبیہ کہا جائے اور ہر کنکری کے ساتھ اللہ اکبر کہا جائے۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

۷۵۲:وَعَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ مَسْعُودٍ رضی اللہ عنہما أَنَّهُ جَعَلَ الْبَيْتَ عَنْ يَسَارِهِ ,وَمِنًى عَنْ يَمِينِهِ ,وَرَمَى الْجَمْرَةَ بِسَبْعِ حَصَيَاتٍ وَقَالَ هٰذَا مَقَامُ الَّذِى أُنْزِلَتْ عَلَيْهِ سُورَةُ الْبَقَرَةِ. مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ.

البخاری، کتاب الحج، باب رمی الجمار بسبع حصیات: ۱۷۴۸، ۱۷۴۹، مسلم: ۱۲۹۶، ابوداود: ۱۹۷۴، الترمذی: ۹۰۸، النسائی: ۲۷۳/۵، ابن ماجۃ: ۳۰۳۰

۷۵۲: حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہما کے بارے میں منقول ہے کہ انہوں نے بیت اللہ کو اپنے بائیں طرف اور منیٰ کو اپنے دائیں طرف کیا پھر جمرہ کو سات کنکریاں ماریں اور فرمایا یہ اس عظیم ہستی کے کھڑے ہونے کا مقام ہے جس پر سورۃ بقرۃ نازل کی گئی تھی۔ (بخاری ومسلم)

تشریح: زیر مطالعہ حدیث میں نزول بقرہ کی تخصیص اس لئے کی گئی ہے کہ سورۃ بقرہ میں مناسک حج کا بیان ہے۔

۷۵۳:وَعَنْ جَابِرٍ رضی اللہ عنہ قَالَ ,رَمٰى رَسُولُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم الْجَمْرَةَ يَوْمَ النَّحْرِ ضُحًى ,وَأَمَّا بَعْدَ ذٰلِكَ فَإِذَا زَالَتِ الشَّمْسُ. رَوَاهُ مُسْلِمٌ.

مسلم، کتاب الحج، باب بیان وقت استحباب الرمی: ۱۲۹۹، ابوداود: ۱۹۷۱، الترمذی: ۹۰۱، النسائی: ۲۷۰/۵، ابن ماجۃ: ۳۰۵۳، الدارمی: ۱۹۰۲، المؤطا: ۳۰۸، ابن ابی شیبۃ: ۴۰۶/۴

۷۵۳:حضرت جابر رضی اللہ عنہ بے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یوم النحر کو چاشت کے وقت جمرہ کو کنکریاں ماریں، پھر اس کے بعد زوال آفتاب کے بعد کنکریاں ماریں۔ (مسلم)

تشریح: نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے حج سے متعلق حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مفصل حدیث متعدد طرق سے منقول ہے، اس بارے میں تفصیل حدیث نمبر ۷۳۲ کے تحت ملاحظہ فرمائیں۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ تینوں دنوں میں کنکریاں زوال آفتاب کے بعد ماریں جائیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے بارے میں منقول ہے کہ وہ زوال آفتاب کے بعد کنکریاں مارتے تھے، تاہم یہ روایت محمد بن سائب کی تمیز نہ ہونے کی وجہ سے قابل حجت نہیں۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی روایت میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایام تشریق میں کنکریاں زوال آفتاب کے بعد ماریں۔ یہ روایت محمد بن اسحاق کے عنعنہ کی وجہ سے ضعیف ہے۔

فقہی احکام: یوم النحر کو چاشت کے وقت جبکہ دیگر ایام میں زوال آفتاب کے بعد کنکریاں مارنا مستحب ہے۔

۷۵۴:وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ رضی اللہ عنہما أَنَّهُ كَانَ يَرْمِى الْجَمْرَةَ الدُّنْيَا ,بِسَبْعِ حَصَيَاتٍ ,يُكَبِّرُ عَلٰى أَثْرِ كُلِّ حَصَاةٍ ,ثُمَّ يَتَقَدَّمُ ,ثُمَّ يُسْهِلُ ,فَيَقُومُ فَيَسْتَقْبِلُ الْقِبْلَةَ ,فَيَقُومُ طَوِيلاً ,وَيَدْعُو وَيَرْفَعُ يَدَيْهِ ,ثُمَّ يَرْمِى الْوُسْطٰى ,ثُمَّ يَأْخُذُ ذَاتَ الشِّمَالِ فَيُسْهِلُ ,وَيَقُومُ مُسْتَقْبِلَ الْقِبْلَةِ ,ثُمَّ يَدْعُو فَيَرْفَعُ يَدَيْهِ وَيَقُومُ طَوِيلاً ,ثُمَّ يَرْمِى جَمْرَةَ ذَاتِ الْعَقَبَةِ مِنْ بَطْنِ الْوَادِى وَلَا يَقِفُ عِنْدَهَا ,ثُمَّ يَنْصَرِفُ ,فَيَقُولُ هٰكَذَا رَأَيْتُ رَسُولَ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم يَفْعَلُهُ. رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ.

البخاری، کتاب الحج، باب اذا رمی الجمرتین یقوم مستقبل القبلة......: ۱۷۵۱، ابن ماجۃ: ۳۰۳۲، النسائی: ۲۷۶/۵، ۲۷۷، المؤطا: ۴۰۶/۱، ابن ابی شیبۃ: ۲۷۵/۴

۷۵۴:حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے بارے میں منقول ہے کہ وہ قریبی جمرہ کو سات کنکریاں مارتے تھے اور ہر کنکری کے ساتھ اللہ اکبر کہتے تھے، پھر آگے بڑھتے اور میدان میں آکر کھڑے ہو جاتے اور قبلہ کی منہ کر کے دیر تک کھڑے رہتے اور ہاتھ اٹھا کر دیر تک دعا کرتے، پھر

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

درمیانے جمرہ کو کنکریاں مارتے اور میدان کے بائیں جانب قبلہ رخ کھڑے ہو جاتے اور ہاتھ اٹھا کر دیر تک دعا کرتے، پھر جمرہ عقبہ کو وادی کی نچلی جگہ سے کنکریاں مارتے لیکن اس کے پاس قیام نہ فرماتے اور واپس تشریف لے آتے، پھر فرماتے، میں نے رسول اللہ ﷺ کو ایسے ہی کرتے دیکھا ہے۔ (بخاری)

تشریح: زیر مطالعہ حدیث میں یوم النحر کے بعد والے ایام میں جمرات کو کنکریاں مارنے کا مسنون طریقہ بیان کیا گیا ہے یعنی سب سے پہلے اس جمرہ کو کنکریاں ماری جائیں جو مسجد خیف کے قریب ہے، اسے سات کنکریاں مارنے کے بعد میدان میں قبلہ رُخ کھڑے ہو کر ہاتھ اٹھا کر طویل ترین دعا کرنی چاہیے، پھر درمیانے جمرہ کو سات کنکریاں مارنے کے بعد میدان کے بائیں جانب قبلہ رخ کھڑے ہو کر طویل ترین دعا کرنی چاہیے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے بارے میں منقول ہے کہ وہ دونوں جمروں کے مابین اس قدر قیام فرماتے کہ وہ کھڑے کھڑے تھک جاتے۔ یہ روایت امام مالک نے بلا سند نقل کی ہے جبکہ ابن ابی شیبہ نے موصولاً نقل کی ہے لیکن اس طریق کے ایک راوی ہارون بن ابی عائشہ کی توثیق ماہرین فن میں سے کسی ایک نے بھی نہیں کی۔

فقہی احکام: (۱) جمرہ اولیٰ اور جمرہ وسطیٰ کو کنکریاں مارنے کے بعد میدان میں آ کر قبلہ رخ کھڑے ہو کر خوب دعائیں کی جائیں۔

(۲) جمرہ عقبہ کو کنکریاں نچلی جگہ سے ماری جائیں اور کنکریاں مارنے کے فوراً بعد اپنے خیموں کی طرف واپس لوٹ آنا چاہیے۔

۷۵۵: وَعَنْهُ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ قَالَ "اَللّٰهُمَّ ارْحَمِ الْمُحَلِّقِينَ" قَالُوا وَالْمُقَصِّرِينَ يَا رَسُولَ اللَّهِ قَالَ فِي الثَّالِثَةِ "وَالْمُقَصِّرِينَ" مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ.

البخاری، کتاب الحج، باب الحلق و التقصیر عند الاحلال: ۱۷۲۷، ۱۷۲۸، مسلم: ۱۳۰۱، ابوداود: ۱۹۷۹، ابن ماجة: ۳۰۴۳ ـ ۳۰۴۵، الترمذی: ۹۱۳، الموطا: ۱/۳۹۵، البیھقی: ۹۶۶۵، ابن حبان: ۳۸۸۰، احمد: ۲/۲۷۷، ۳۹۳/۲، ۴۰۲/۲، المعجم الاوسط: ۲۹۳۵، ۹۱۹۴، امجمع البحرین: ۲۵۳/۳، ۲۵۴، فتح الباری: ۵۶۲/۳، نووی شرح مسلم: ۵۰/۹، ۵۱

۷۵۵: حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "اللہ تعالیٰ سر منڈوانے والوں پر رحم فرمائے۔" صحابہ نے عرض کیا، بال ترشوانے والوں پر بھی، اے اللہ کے رسول ﷺ! آپ ﷺ نے تیسری بار فرمایا: "بال ترشوانے والوں پر بھی" بخاری و مسلم

لغوی تحقیق: محلقین: یہ تحلیق سے اسم فاعل ہے، اس کا مادہ حلق ہے اور اس کا لغوی معنی بالوں کو بالکل صاف کرنا ہے۔ اس طرح مذکورہ لفظ کا معنی ہوگا، بالوں کو منڈوانے والے۔ مقصرین: یہ تقصیر سے اسم فاعل ہے، یعنی بال ترشوانے والے۔

تشریح: امام مالک نے نافع کے واسطے سے یہ حدیث حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے بیان کی ہے، امام مالک سے یہ روایت ان کے متعدد تلامذہ نے نقل کی ہے۔ مؤلف رحمہ اللہ نے فتح الباری میں نقل کیا ہے کہ امام مالک کے اکثر تلامذہ نے سر منڈوانے والوں کے لئے رسول اللہ ﷺ کے دعائیہ کلمات دو بار نقل کرنے کے بعد تیسری بار بال ترشوانے والوں کیلئے نقل کئے ہیں۔ جبکہ رواۃ مؤطا میں سے صرف یحییٰ بن بکیر ہیں جنہوں نے سر منڈوانے والوں کیلئے تین بار دعائیہ کلمات نقل کئے ہیں۔

حضرت ابوہریرہ، حضرت عبداللہ بن عباس، حضرت ام الحصین، حضرت ابوسعید خدری، حضرت ام عمارہ اور حضرت مالک بن ربیعہ رضی اللہ عنہم سے مروی احادیث میں بال منڈوانے والوں کیلئے رسول اللہ ﷺ کے دعائیہ کلمات تین مرتبہ مذکورہ ہیں۔ البتہ حضرت ابوسعید خدری اور حضرت ام عمارہ رضی اللہ عنہما سے مروی روایات ضعیف ہیں۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی بعض طرق میں دو یا تین بار ذکر ہے۔ یہ طرق بھی ضعیف ہیں۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث میں دو بار کا ذکر ہے لیکن یہ روایت بھی ضعیف ہے۔

اہل علم میں اس بارے میں بھی اختلاف پایا جاتا ہے کہ یہ دعائیہ کلمات رسول اللہ ﷺ نے حدیبیہ کے موقع پر فرمائے تھے یا حجۃ الوداع کے موقع پر؟ امام احمد نے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے جو روایت نقل کی ہے اس میں یوم الحدیبیہ کی صراحت ہے اور اس کی سند حسن درجہ کی ہے۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث میں بھی حدیبیہ کا ذکر ہے لیکن یہ روایت زمعہ بن صالح کی وجہ سے ضعیف ہے۔

مؤلف رحمہ اللہ فتح الباری میں فرماتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی حدیث میں حجۃ الوداع کا تعین ہے نیز وہ فرماتے ہیں کہ جن احادیث میں حجۃ الوداع کا تعین ہے وہ تعداد میں زیادہ اور سند کے اعتبار سے زیادہ صحیح ہیں۔

امام نووی نے حضرت عبداللہ بن عمر، حضرت ابو ہریرہ اور حضرت ام الحصین رضی اللہ عنہم سے مروی احادیث کے ضمن میں لکھا ہے کہ یہ یوم الحدیبیہ کا واقعہ ہے۔ قاضی عیاض کہتے ہیں کہ حدیبیہ کے موقع پر ایسا ہوا تھا۔ امام نووی فرماتے ہیں کہ ممکن ہے کہ دونوں مواقع پر آپ ﷺ نے یہ دعائیہ کلمات فرمائیں ہوں۔

فقہی احکام: حج اور عمرہ کے موقع پر بال ترشوانا اگرچہ جائز ہے لیکن منڈوانا افضل ہے۔

۷۵۶: وَعَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عَمْرِو بْنِ الْعَاصِ رضی اللہ عنہما أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ وَقَفَ فِي حَجَّةِ الْوَدَاعِ, فَجَعَلُوا يَسْأَلُونَهُ, فَقَالَ رَجُلٌ لَمْ أَشْعُرْ, فَحَلَقْتُ قَبْلَ أَنْ أَذْبَحَ قَالَ "اِذْبَحْ وَلَا حَرَجَ" فَجَاءَ آخَرُ, فَقَالَ لَمْ أَشْعُرْ, فَنَحَرْتُ قَبْلَ أَنْ أَرْمِيَ, قَالَ "اِرْمِ وَلَا حَرَجَ" فَمَا سُئِلَ يَوْمَئِذٍ عَنْ شَيْءٍ قُدِّمَ وَلَا أُخِّرَ إِلَّا قَالَ "اِفْعَلْ وَلَا حَرَجَ" مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ.

البخاری، کتاب الحج، باب الفتیا علی الدابة عند الجمرة: ۱۷۳۶، مسلم: ۱۳۰۶، ابوداود: ۲۰۱۴، ۲۰۱۵، الترمذی: ۹۲۵، ابن ماجة: ۳۰۵۱، ۳۰۵۲، المؤطا: ۴۲۱/۲، البیهقی: ۱۴۳/۵، احمد: ۱۶۲/۱، ۷، ۱۵۹/۲، العلل لابن ابی حاتم: ۸۲۰، معرفة السنن و الآثار: ۱۳۳/۴

۷۵۶: حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے منقول ہے کہ رسول اللہ ﷺ حجۃ الودع کے موقع پر ایک جگہ پر تشریف فرما تھے اور لوگ آپ ﷺ سے سوالات کر رہے تھے، ایک آدمی نے عرض کیا، میں نے لاعلمی میں قربانی کرنے سے پہلے بال منڈوا لئے ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: "کوئی حرج نہیں، قربانی اب کر لو۔" ایک دوسرا آیا اور اس نے عرض کیا، میں نے لاعلمی میں رمی سے قبل قربانی کر لی ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: "کوئی حرج نہیں، کنکریاں اب مار لو۔" اس روز آپ ﷺ سے جس عمل کی تقدیم و تاخیر کے بارے میں دریافت کیا گیا تو آپ ﷺ نے فرمایا: "اب کر لو کوئی حرج نہیں۔" (بخاری و مسلم)

تشریح: اسی مفہوم کی احادیث حضرت عبداللہ بن عباس، حضرت جابر بن عبداللہ، حضرت علی، حضرت اسامہ اور حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہم سے بھی منقول ہیں۔ حضرت اسامہ بن شریک رضی اللہ عنہ سے مروی روایت میں ہے کہ ایک آدمی نے کہا، میں نے سعی طواف سے قبل کی ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا "کوئی حرج نہیں۔" اس روایت کو حافظ ابن قیم نے غیر محفوظ اور علامہ عبدالعزیز بن باز نے صحیح کہا ہے۔

حضرت عبداللہ بن عباس اور حضرت جابر رضی اللہ عنہم سے مروی احادیث میں یہ صراحت ہے کہ آپ ﷺ یوم النحر کے روز منیٰ میں تشریف فرما تھے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث میں ہے کہ آپ ﷺ یوم النحر کے روز جمرہ کو کنکریاں مارنے کے بعد جمرہ کے پاس کھڑے تھے۔ حضرت ابو سعید رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث میں ہے کہ آپ ﷺ اس وقت دو جمروں کے مابین تشریف فرما تھے مگر یہ روایت

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

حجاج بن ارطاۃ کی وجہ سے ضعیف ہے۔

فقہی احکام: مزدلفہ سے منیٰ پہنچ کر سب سے پہلے جمرہ عقبہ کو کنکریاں ماری جائیں۔کنکریاں مارنے کے بعد قربانی کی جائے پھر بال کٹوائے یا منڈوائے جائیں۔ان ارکان کی ادائیگی میں لاعلمی کی وجہ سے تقدیم وتاخیر قابل مواخذہ نہیں۔

۷۵۷:وَعَنِ الْمِسْوَرِ بْنِ مَخْرَمَةَ رضی اللہ عنہما أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ نَحَرَ قَبْلَ أَنْ يَحْلِقَ ,وَأَمَرَ أَصْحَابَهُ بِذَلِكَ. رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ.

البخاری، کتاب المحصر، باب النحر قبل الحلق فی الحصر: ۱۸۱۱، ۱۸۱۲، ۲۷۳۱، مسلم: ۱۳۰۵، ابوداود: ۱۹۸۱، البیهقی: ۱۳۴/۵، معرفة السنن والآثار: ۱۲۸/۴

۷۵۷:حضرت مسور بن مخرمہ رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے سر منڈوانے سے قبل قربانی کی تھی اور صحابہ کو بھی یہی حکم دیا تھا۔بخاری

تشریح: زیر مطالعہ حدیث امام بخاری نے مسور بن مخرمہ اور مروان بن حکم سے مفصل نقل کی ہے۔وہ دونوں کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ جب حدیبیہ کا معاہدہ کر چکے تو آپ ﷺ نے اپنے صحابہ کو قربانی کرنے اور بال منڈوانے کا تین بار حکم دیا،مگران میں سے کسی نے بھی اس حکم کی تعمیل نہ کی، آپ ﷺ اُم سلمہ کے پاس گئے اور انہیں ان حالات سے آگاہ فرمایا تو انہوں نے عرض کیا،اے اللہ کے رسول ﷺ !ایسا کرنا آپ ﷺ کو محبوب ہے؟ تو پھر آپ ﷺ تشریف لے جائیں اور کسی سے بات کئے بغیر اپنے اونٹ نحر کر دیں اور اپنے حجام کو بلا کر اس سے سر منڈوالیں،آپ ﷺ باہر تشریف لائے اور کسی سے بات کئے بغیر اپنا اونٹ نحر کیا اور حجام کو بلا کر اپنی حجامت بنوالی، جب صحابہ نے آپ ﷺ کو دیکھا تو وہ کھڑے ہوئے،انہوں نے قربانیاں کیں اور ایک دوسرے کی حجامت بنانے لگے۔معرفۃ السنن میں نہایت مختصر روایت ہے۔

امام بخاری نے یہی روایت حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے نقل کی ہے۔مگر ابن عمر نے نہایت اختصار سے روایت نقل کی ہے۔حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث میں ہے کہ آپ ﷺ حجۃ الوداع کے موقع پر منیٰ میں تشریف لائے،جمرہ عقبہ کو کنکریاں ماریں،پھر اپنے خیمے میں تشریف لائے،قربانی کی اور حجام سے کہا کہ وہ آپ ﷺ کا سر مبارک پہلے دائیں جانب سے،پھر بائیں جانب سے مونڈ دے،پھر آپ ﷺ نے وہ بال صحابہ میں تقسیم کر دیے۔حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث میں کہ آپ ﷺ نے حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ سے فرمایا"یہ بال لوگوں میں تقسیم کر دیں۔"

فقہی احکام: (۱)بال کٹوانے یا منڈوانے کا آغاز دائیں جانب سے کیا جائے۔(۲)انسان کے بال پاک ہیں۔

(۳)رسول اللہ ﷺ کے بال متبرک ہیں۔

۷۵۸:وَعَنْ عَائِشَةَ رضی اللہ عنہا قَالَتْ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ " إِذَا رَمَيْتُمْ وَحَلَقْتُمْ فَقَدْ حَلَّ لَكُمُ الطِّيبُ وَكُلُّ شَيْءٍ إِلَّا النِّسَاءَ " رَوَاهُ أَحْمَدُ ,وَأَبُو دَاوُدَ ,وَفِي إِسْنَادِهِ ضَعْفٌ.

ابوداود، کتاب المناسک، باب فی رمی الجمار: ۱۹۷۸، احمد: ۱۴۳/۶، ابن خزیمة: ۲۹۳۷، الدارقطنی: ۲۷۶/۲، البیهقی: ۱۳۵/۵، معرفة السنن والآثار: ۱۳۲/۴، ابن ماجة: ۳۰۴۱، النسائی: ۲۷۷/۵، ابن ابی شیبة: ۳۲۰/۴، ۳۲۱، تقریب: ۱۲۵۶

۷۵۸:حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:"جب تم کنکریاں مارلو،بال منڈوالو تو تمہارے لئے بیویوں کے علاوہ خوشبو اور دیگر تمام چیزیں مباح ہو گئیں۔"اسے احمد اور ابوداؤد نے روایت کیا ہے اور اس کی سند ضعیف ہے۔

تشریح: یہ روایت حجاج بن ارطاۃ کی وجہ سے ضعیف ہے۔اسی مفہوم کی ایک روایت حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے بھی منقول ہے

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

مگروہ عبداللہ بن عباس اور حسن بن عبداللہ العرنی کے درمیان انقطاع کی وجہ سے ضعیف ہے۔ حضرت عمر، حضرت عائشہ اور حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہم سے اسی مفہوم کی موقوف روایات صحیح سند سے منقول ہیں۔

۷۵۹: وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رضی اللہ عنہما, عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ" لَيْسَ عَلَى النِّسَاءِ حَلْقٌ ,وَإِنَّمَا يُقَصِّرْنَ" رَوَاهُ أَبُو دَاوُدَ بِإِسْنَادٍ حَسَنٍ

ابوداود، کتاب المناسک، باب الحلق و التقصیر: ۱۹۸۴، ۱۹۸۵، الدارمی: ۶۴/۲، الدارقطنی: ۲۷۱/۲، البیهقی: ۱۰۴/۵، الطبرانی: ۱۹۴/۱۲، التلخیص الحبیر: ۲۶۱/۲، العلل: ۸۳۴، بیان الوهم والایهام: ۵۴۵/۲، الاحکام الوسطی: ۱۶۱/۴، ترمذی: ۹۲۴

۷۵۹: حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے منقول ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: "خواتین کیلئے سر منڈوانا نہیں، ان کیلئے تو صرف بال ترشوانا ہے۔" اسے ابوداؤد نے حسن سند سے بیان کیا ہے۔

تشریح: اس حدیث کو حافظ ابن حجر، امام نووی اور حافظ عبدالحق نے حسن قرار دیا ہے جبکہ امام بخاری اور امام ابوحاتم نے اس روایت کی سند کو قوی کہا ہے، لیکن امام ابن قطان نے اس روایت کے ضعیف ہونے کی تین علتیں بیان کی ہیں، مگر ان کی بیان کردہ تینوں علتوں کو اہل علم نے مسترد کیا ہے۔ اس حدیث کی تائید حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی حدیث سے بھی ہوتی ہے، وہ فرماتے ہیں کہ احرام والی خواتین انگشت شہادت کے مطابق اپنے بال کاٹ لیں۔ تاہم یہ روایت لیث بن ابی سلیم کی وجہ سے ضعیف ہے۔

فقہی احکام: خواتین کیلئے بال منڈوانا، ناجائز ہے۔ حج اور عمرہ کے موقع پر وہ اپنے بال انگشت شہادت کے برابر تراش لیں۔

۷۶۰: وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ رضی اللہ عنہما أَنَّ الْعَبَّاسَ بْنَ عَبْدِ الْمُطَّلِبِ رضی اللہ عنہ اِسْتَأْذَنَ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ أَنْ يَبِيتَ بِمَكَّةَ لَيَالِيَ مِنًى ,مِنْ أَجْلِ سِقَايَتِهِ ,فَأَذِنَ لَهُ. مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ.

البخاری، کتاب الحج، باب هل یبیت اصحاب السقایة او غیر هم بمكة لیالی منیٰ: ۱۷۴۵، مسلم: ۱۳۱۵، ابوداود: ۱۹۵۹، البیهقی: ۱۵۳/۵، ابن ماجة: ۳۰۶۵

۷۶۰: حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے منقول ہے کہ حضرت عباس بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ ﷺ سے منیٰ کی راتیں مکہ میں بسر کرنے کی اجازت چاہی تاکہ وہ (حجاج) کو پانی پلاسکیں۔ آپ ﷺ نے انہیں اجازت عنائت فرمادی۔ (بخاری ومسلم)

لغوی تحقیق: سقاية: پانی پلانا۔ ليالي منىٰ: ایام تشریق کی راتیں یعنی ذی الحجہ کی گیارہویں، بارہویں اور تیرہویں کی راتیں۔

تشریح: زیر مطالعہ حدیث سے یہ واضح ہوا کہ ماہ ذی الحجہ میں ایام تشریق کی تین راتوں میں سے دو راتیں منیٰ میں بسر کرنا ضروری ہیں۔ البتہ اگر کوئی شرعی عذر ہو تو پھر یہ راتیں منیٰ سے باہر بھی بسر کی جاسکتی ہیں۔ منیٰ میں ایام تشریق کی راتیں گزارنے کے بارے میں ایک حدیث حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے بھی مروی ہے وہ فرماتے ہیں کہ حجاج میں سے کوئی شخص بھی منیٰ کی راتیں منیٰ سے باہر بسر نہ کرے۔

فقہی احکام: (۱) جو شخص حجاج کو پانی پلاتا ہے یا ان کی ضرورت پر مامور ہے وہ منیٰ کی راتیں منیٰ سے باہر گزار سکتا ہے۔

(۲) منیٰ میں قائم خیموں میں آگ بھڑک اٹھے یا کسی اور آفت کا سامنا ہو تو بھی یہ راتیں منیٰ سے باہر بسر کی جاسکتی ہیں۔

۷۶۱: وَعَنْ عَاصِمِ بْنِ عَدِيٍّ رضی اللہ عنہ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ أَرْخَصَ لِرُعَاةِ الْإِبِلِ فِي الْبَيْتُوتَةِ عَنْ مِنًى ,يَرْمُونَ يَوْمَ النَّحْرِ ,ثُمَّ يَرْمُونَ الْغَدِ لِيَوْمَيْنِ ,ثُمَّ يَرْمُونَ يَوْمَ النَّفْرِ. رَوَاهُ الْخَمْسَةُ ,وَصَحَّحَهُ التِّرْمِذِيُّ ,وَابْنُ حِبَّانَ.

ابوداود، کتاب المناسک، باب فی رمی الجمار: ۱۹۷۵، ۱۹۷۶، الترمذی: ۹۲۸، النسائی: ۲۷۳/۵، ابن ماجة: ۳۰۳۷،

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

احمد: ۵/۴۵۰، الحاکم: ۱/۶۵۲، البیهقی: ۵/۱۵۰، ۱۵۱، مؤطا امام مالک: ۱/۴۰۸، ابن حبان: ۳۸۸۸، ابن خزیمة: ۲۹۷۵ـ ۲۹۷۹، البزار: ۱/۴۵۸، الدارقطنی: ۲/۲۷۶، الطبرانی: ۱۱/۱۳۷۹

۷۶۱: حضرت عاصم بن عدی رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اونٹوں کے چرواہوں کو منیٰ سے باہر رات گزارنے کی اجازت عنائت فرمائی اور انہیں ہدایت فرمائی کہ وہ قربانی کے روز کنکریاں ماریں پھر دوسرے روز دو دن کی کنکریاں مارلیں پھر کوچ کے روز بھی کنکریاں ماریں۔ اسے پانچوں نے روایت کیا ہے جبکہ ترمذی اور ابن حبان نے اسے صحیح قرار دیا ہے۔

لغوی تحقیق: رعاة: راء مضموم اور یہ راع کی جمع ہے۔ البیتوتة: رات بسر کرنا۔ النفر: کوچ کرنا۔

تشریح: زیر مطالعہ حدیث کو امام مالک، سفیان بن عیینہ اور عبدالجبار بن علاء نے روایت کیا ہے۔ امام مالک سے مروی روایت میں ہے کہ آپ ﷺ نے اونٹوں کے چرواہوں کو تینوں روز کنکریاں مارنے کا حکم فرمایا تھا، جبکہ سفیان بن عیینہ اور عبدالجبار بن علاء سے مروی روایات میں ہے کہ آپ ﷺ نے انہیں فرمایا کہ وہ ایک دن چھوڑ کر کنکریاں مارلیا کریں۔ امام ترمذی نے امام مالک سے مروی روایت کو زیادہ صحیح قرار دیا ہے۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی روایت میں ہے کہ آپ ﷺ نے اونٹوں کے چرواہوں کو رات کے وقت کنکریاں مارنے کی اجازت دی تھی۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی حدیث میں ہے کہ آپ ﷺ نے اونٹوں کے چرواہوں کو رات کے وقت کنکریاں مارنے اور دن کے وقت اونٹ چرانے کی اجازت دی تھی۔ لیکن یہ تینوں روایات ضعیف ہیں۔ ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی حدیث مسلم بن خالد زنجی، ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی حدیث عمر بن قیس مکی کی وجہ سے ضعیف ہے۔ جبکہ حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما سے مروی حدیث متعدد علل کی وجہ سے ضعیف ہے۔

فقہی احکام: (۱) اونٹوں کی دیکھ بھال بھی ایک شرعی عذر ہے (۲) کسی بھی شرعی عذر کی وجہ سے منیٰ کی راتیں منیٰ سے باہر بسر کی جاسکتی ہیں

۷۶۲: وَعَنْ أَبِي بَكْرَةَ رضی اللہ عنہ قَالَ خَطَبَنَا رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ يَوْمَ النَّحْرِ...... الحديث . مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ.

البخاری، کتاب الحج، باب الخطبة ایام منیٰ: ۱۷۳۹ـ ۱۷۴۱، مسلم: ۱۶۷۹، ابوداود: ۱۹۴۸، ۱۹۵۶، ابن ماجة: ۳۰۵۸، احمد: ۵/۳۷، الدارمی: ۱۹۲۲، البیهقی: ۵/۱۴۰، النسائی فی الکبریٰ: ۲/۴۴۳، المقصد العلی: ۵۹۹

۷۶۲: حضرت ابوبکرہ رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے قربانی کے دن ہمیں خطبہ دیا۔ راوی نے ساری حدیث ذکر کی۔ بخاری و مسلم

تشریح: رحمت عالم ﷺ نے حجة الوداع کے موقع پر دس ذوالحجہ کو نماز عید نہیں پڑھائی، لیکن اس روز آپ ﷺ نے صحابہ کو خطاب فرمایا تھا۔ جیسا کہ زیر مطالعہ حدیث سے عیاں ہے۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے دس ذو الحجة کو جمرات کے مابین کھڑے ہو کر خطاب فرمایا۔ حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما سے منقول ہے کہ آپ ﷺ نے قربانی کے روز ہمیں خطاب فرمایا، اسی دوران صحابہ نے آپ ﷺ سے سوالات کئے۔ حضرت ہرماس بن زیاد باہلی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آپ ﷺ نے قربانی کے روز اپنی سواری پر سوار ہو کر خطاب فرمایا۔ حضرت رافع بن عمرو رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آپ ﷺ نے قربانی کے روز چاشت کے وقت خطاب فرمایا، اس وقت کچھ صحابہ آپ ﷺ کے سامنے بیٹھے ہوئے تھے اور کچھ کھڑے تھے۔ حضرت جابر اور حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہم سے مروی روایات میں بھی اس خطاب کا ذکر ہے۔

فقہی احکام: (۱) یوم النحر کو منیٰ میں اگرچہ عید کی نماز نہیں ہے تاہم اس روز خطبہ دینا مسنون ہے۔

(۲) جمعہ کے خطبہ کے علاوہ دیگر خطبات کھڑے ہو کر بھی سنے جاسکتے ہیں۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

۷۶۳:وَعَنْ سَرَّاءَ بِنْتِ نَبْهَانَ رضی اللہ عنہا قَالَتْ خَطَبَنَا رَسُولُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم يَوْمَ الرُّؤُسِ فَقَالَ "أَلَيْسَ هٰذَا أَوْسَطَ أَيَّامِ التَّشْرِيقِ؟" اَلْحَدِيثَ رَوَاهُ أَبُو دَاوُدَ بِإِسْنَادٍ حَسَنٍ.

ابوداود، كتاب المناسک، باب ای يوم يخطب بمنیٰ: ۱۹۵۳، البيهقی: ۱۵۱/۵، ۱۵۲، المطالب العالية: ۱۲۹۵، الطبرانی: ۳۰۷/۲۴، ابن خزيمة: ۲۹۷۳، البداية و النهاية: ۲۰۳/۵

۷۶۳:حضرت سراء بنت نبہان رضی اللہ عنہا نے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں یوم الرؤس کے دن خطاب فرمایا:" کیا یہ دن ایام تشریق کا درمیانہ دن نہیں؟" راوی نے پھر پوری حدیث بیان کی۔اس روایت کو ابوداؤد نے حسن سند سے روایت کیا ہے۔

لغوی تحقیق: یوم الرؤس : سریوں والا دن۔اس کی وجہ تسمیہ یہ ہے کہ اس دن لوگ جانوروں کی سریاں کثرت سے پکا کر کھاتے تھے۔
اوسط ایام التشریق :ایام تشریق کا درمیانہ دن۔علامہ ابن کثیر البدایہ والنہایہ میں فرماتے ہیں کہ اسے یوم الرؤس اس لئے کہا جاتا ہے کہ وہ لوگ اس روز قربانی کے جانوروں کی سریاں پکا کر کھاتے تھے اور یہ ایام تشریق کا پہلا دن ہے۔اگر ایسا ہی ہے تو اوسط ایام التشریق سے مراد درمیانہ دن نہیں بلکہ تشریق کا افضل دن ہے جیسا کہ صاحب سبل السلام نے بھی ذکر کیا ہے۔

تشریح: اس روز کے خطبہ کے الفاظ یوم النحر کے خطاب سے ملتے جلتے ہیں۔البتہ اس خطبہ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک بار پھر اس بات کا تذکرہ فرمایا" میں نہیں جانتا، ہوسکتا ہے کہ آئندہ میری ملاقات تم سے نہ ہوسکے۔
حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ ایام تشریق کے درمیانے روز سورۃ العصر نازل ہوئی ،جس سے یہ واضح ہوا کہ یہ حج آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا الوداعی حج ہے۔لیکن یہ موسیٰ بن عبید کی وجہ سے ضعیف ہے۔

۷۶۴:وَعَنْ عَائِشَةَ رضی اللہ عنہا أَنَّ النَّبِيَّ صلی اللہ علیہ وسلم قَالَ لَهَا " طَوَافُكِ بِالْبَيْتِ وَبَيْنَ الصَّفَا وَالْمَرْوَةِ يَكْفِيكِ لِحَجِّكِ وَعُمْرَتِكِ " رَوَاهُ مُسْلِمٌ.

مسلم، كتاب الحج، باب بيان وجوه الاحرام: ۱۲۱۱، ۱۲۱۳، احمد: ۱۲۴/۶، البيهقی: ۱۰۶/۵، الترمذی: ۹۵۷

۷۶۴:حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے منقول ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا:" تیرا بیت اللہ کا طواف کرنا ،صفا اور مروہ کے مابین سعی کر لینا، تیرے حج اور عمرہ کیلئے کافی ہے۔(مسلم)

تشریح: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے یہ روایت مفصل اور مختصر دونوں طرح سے منقول ہے۔جس کا خلاصہ اس طرح ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے عمرہ کا احرام باندھا تھا لیکن جب وہ مقام سرف تشریف لائیں تو حائضہ ہوگئیں ،جس پر وہ رونے لگیں ،رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں فرمایا" تم بیت اللہ کے طواف کے علاوہ دیگر تمام مناسک ادا کرنا۔" آپ صلی اللہ علیہ وسلم جب حج کی ادائیگی کے بعد مقام حصباء پر تشریف لائے تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا: اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم ! دیگر حجاج ایک حج اور ایک عمرہ کر کے واپس لوٹ رہے ہیں جبکہ میں فقط ایک حج کر کے واپس جارہی ہوں۔اس پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں فرمایا" تیرا بیت اللہ کا طواف کرنا ،صفا اور مروہ کے مابین سعی کر لینا تیرے حج اور عمرہ کیلئے کافی ہے۔" اس حدیث سے یہ واضح ہوا کہ حج قران کرنے والے کیلئے ایک طواف اور ایک سعی کافی ہے۔حضرت جابر اور حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہم سے مروی روایات بھی اس موقف کی مؤید ہیں۔

فقہی احکام: (۱) قارن کیلئے ایک طواف اور ایک سعی ہی کافی ہے۔
(۲) حائضہ بیت اللہ کے طواف کے علاوہ دیگر مناسک کی ادائیگی معمول کے مطابق کرے گی۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

۷۶۵:وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رضی اللہ عنہما أَنَّ النَّبِيَّ صلی اللہ علیہ وسلم لَمْ يَرْمُلْ فِي السَّبْعِ الَّذِي أَفَاضَ فِيهِ. رَوَاهُ الْخَمْسَةُ إِلَّا التِّرْمِذِيَّ ,وَصَحَّحَهُ الْحَاكِمُ.

ابوداود، كتاب المناسك، باب الافاضة في الحج: ۲۰۰۱، النسائي في الكبرى: ۴۱۷۰، ابن ماجة: ۳۰۶۰، الحاكم: ۴۷۸/۱، البخاري: ۱۶۰۴، مسلم: ۹۲۰/۲

۷۶۵: حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے طواف افاضہ کے ساتوں چکروں میں سے کسی چکر میں بھی رمل نہیں کیا۔اسے پانچوں میں سے ترمذی نے روایت نہیں کیا اور حاکم نے صحیح قرار دیا ہے۔

تشریح: اس روایت کو امام حاکم نے شیخین کی شرط کے مطابق قرار دیا ہے، اور امام ذہبی نے اس پر مہر تصدیق ثبت کی ہے۔علامہ البانی نے بھی اسے صحیح کہا ہے جبکہ یہ روایت اس سند کے ساتھ ضعیف ہے، اس کی علت یہ ہے کہ ابن جریج نے یہ روایت عطاء سے معنعن نقل کی ہے، ابن جریج معروف مدلس راوی ہیں۔البتہ صحیح بخاری میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی حدیث میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے طواف قدوم کے تین چکروں میں رمل کیا اور چار چکر معمول کی چال میں لگائے۔

فقہی احکام: رمل فقط طواف قدوم میں ہے۔

۷۶۶:وَعَنْ أَنَسٍ رضی اللہ عنہ أَنَّ النَّبِيَّ صلی اللہ علیہ وسلم صَلَّى الظُّهْرَ وَالْعَصْرَ وَالْمَغْرِبَ وَالْعِشَاءَ ,ثُمَّ رَقَدَ رَقْدَةً بِالْمُحَصَّبِ ,ثُمَّ رَكِبَ إِلَى الْبَيْتِ فَطَافَ بِهِ. رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ.

البخاري، كتاب الحج، باب من صلى العصر يوم النفر بالابطح: ۱۷۶۴، النسائي في الكبرى: ۴۶۷/۲، ابن خزيمة: ۲۹۸۰، البيهقي: ۱۶۰/۵

۷۶۶: حضرت انس رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ظہر اور عصر، مغرب اور عشاء کی نمازیں پڑھیں، پھر مقام محصب پر تھوڑی دیر کیلئے آرام فرمایا، پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم سوار ہو کر بیت اللہ تشریف لے گئے اور طواف فرمایا۔(بخاری)

لغوی تحقیق: محصب: یہ مکہ اور منیٰ کے مابین واقع ہے، اسے ابطح اور خیف بن کنانہ کے ناموں سے بھی یاد کیا جاتا ہے۔

فقہی احکام: اس مقام پر ٹھہرنا مناسک حج میں تو شامل نہیں، البتہ مسنون ہے۔

۷۶۷:وَعَنْ عَائِشَةَ رضی اللہ عنہا أَنَّهَا لَمْ تَكُنْ تَفْعَلُ ذَلِكَ أَيِ النُّزُولَ بِالْأَبْطَحِ وَتَقُولُ إِنَّمَا نَزَلَهُ رَسُولُ اللَّهِ صلى الله عليه وسلم لِأَنَّهُ كَانَ مَنْزِلاً أَسْمَحَ لِخُرُوجِهِ. رَوَاهُ مُسْلِمٌ.

مسلم، كتاب الحج، باب استحباب النزول بالمحصب يوم النفر: ۱۳۰۹، ۱۳۱۱، ۱۳۱۲، ۱۳۱۴، البخاري: ۱۵۹۰، ۱۷۵۶، ۱۷۶۳، ۱۷۶۵ ابن ماجة: ۳۰۶۷، ابن خزيمة: ۲۹۸۷، ۲۹۸۸

تنبیہ: مؤلف رحمہ اللہ نے اس حدیث کو فقط مسلم کی طرف منسوب کیا ہے۔جبکہ یہ حدیث صحیح بخاری میں بھی ہے۔

۷۶۷:حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ وہ وادی محصب میں قیام نہیں فرماتی تھیں، ان کا کہنا تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہاں قیام کیا تھا تاکہ واپسی میں سہولت پیدا ہو جائے۔(مسلم)

تشریح: اس حدیث سے یہ واضح ہوا کہ وادی محصب میں قیام کرنا مناسک حج میں شامل نہیں، بلکہ واپسی پر سہولت کی خاطر ہے۔ رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس جگہ پر قیام تیرہ ذوالحجہ کو حج کی ادائیگی سے واپسی پر فرمایا تھا۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے ایک دوسرے طریق سے مروی ہے کہ ابطح میں قیام کرنا سنت نہیں۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "ہم کل خیف بنی کنانہ میں قیام کریں گے، یہ وہ مقام ہے جہاں قریش اور کنانہ نے بنو ہاشم اور بنو مطلب کے ساتھ بائیکاٹ کرنے کا معاہدہ کیا تھا۔" عبدالعزیز بن رفیع نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے دریافت کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یوم النفر (تیرہویں ذوالحجہ) کو عصر کی نماز کہاں پڑھی تھی۔ انہوں نے فرمایا، ابطح نامی جگہ پر۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کا کہنا ہے کہ محصب میں قیام کرنا ضروری نہیں البتہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس جگہ پر قیام فرمایا تھا۔

٧٦٨: وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رضی اللہ عنہما قَالَ أُمِرَ النَّاسُ أَنْ يَكُونَ آخِرُ عَهْدِهِمْ بِالْبَيْتِ, إِلَّا أَنَّهُ خَفَّفَ عَنِ الْحَائِضِ. مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ.

البخاری، کتاب الحج، باب طواف الوداع: ١٧٥٥، ١٧٥٨، مسلم: ١٣٢٨، النسائی فی الکبری: ٢/٤٦٦، ٤٦٧، الطحاوی: ٢/٢٣٣، ٢٣٥، البیہقی: ٥/١٦٣

٧٦٨: حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے بیان کیا کہ لوگوں کو حکم دیا گیا کہ ان کا آخری عمل بیت اللہ کا طواف ہونا چاہیے مگر حائضہ خواتین کیلئے نرمی کردی گئی ہے۔

تشریح: زیر مطالعہ حدیث میں اگرچہ یہ مذکور نہیں کہ طواف الوداع کرنے کا حکم کس نے دیا اور حائضہ خواتین کیلئے کس نے نرمی پیدا کی، تاہم اس سے مراد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہی ہیں، جیسا کہ حضرت عبداللہ بن عمر اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہم سے مروی روایات میں صراحتاً مذکور ہے۔ حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ طواف وداع کو تمام خواتین کیلئے لازمی قرار دیتے تھے، ان کا کہنا تھا ایسی خواتین پاک ہونے تک مکہ ہی میں قیام کریں اور پاک ہونے کے بعد بیت اللہ کا الوداعی طواف کر کے جائیں، اس سلسلے میں ایک مرتبہ ان کا مکالمہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے بھی ہوا، حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے ان سے کہا، اگر آپ یہ تسلیم نہیں کرتے تو پھر آپ فلاں انصاریہ عورت سے دریافت کر لیں۔ حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ اس کے بعد جب حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے ملے تو مسکراتے ہوئے ملے اور فرمایا، میں آپ کو سچا ہی خیال کرتا تھا۔

ایک روایت میں اس انصاریہ خاتون کا نام بھی مذکور ہے یعنی وہ خاتون حضرت انس کی والدہ حضرت ام سلیم رضی اللہ عنہا تھیں۔ واضح رہے کہ طواف الوداع نہ کرنے کی رخصت فقط انہیں حائضہ خواتین کیلئے ہے جنہوں نے طواف افاضہ کیا ہو جیسا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی حدیث میں ہے کہ ام المؤمنین صفیہ رضی اللہ عنہا حائضہ ہوگئیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو جب یہ اطلاع ملی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "کیا اس نے ہمیں روک لیا؟" عرض کیا گیا کہ وہ طواف افاضہ کر چکی ہیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "پھر رکنے کی ضرورت نہیں۔" ایک روایت میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کو کوچ کرنے کا حکم فرمایا۔

فقہی احکام: (١) طواف الوداع بھی واجب ہے۔ (٢) ایسی حائضہ خواتین جو طواف افاضہ کر چکی ہوں ان کیلئے واجب نہیں۔ (٣) مجتہد کو جب معلوم ہو جائے کہ اس کا فتوی کتاب و سنت کے خلاف ہے تو اسے فوراً رجوع کر لینا چاہیے۔ (٤) لاعلمی میں مفتی کے غلط فتوی پر عمل کرنے سے انسان گنہگار نہیں ہوتا۔

٧٦٩: وَعَنِ ابْنِ الزُّبَيْرِ رضی اللہ عنہما قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صلی اللہ علیہ وسلم " صَلَاةٌ فِي مَسْجِدِي هَذَا أَفْضَلُ مِنْ أَلْفِ صَلَاةٍ فِيمَا سِوَاهُ إِلَّا الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ, وَصَلَاةٌ فِي الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ أَفْضَلُ مِنْ صَلَاةٍ فِي مَسْجِدِي بِمِائَةِ صَلَاةٍ " رَوَاهُ أَحْمَدُ, وَصَحَّحَهُ ابْنُ حِبَّانَ.

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

احمد: ۵/۴، ابن حبان، کتاب الصلاة، باب المساجد: ۱۶۲۰، ۱۶۲۱، شرح معانی الآثار: ۲۴۵/۱، البخاری: ۱۱۹۰، مسلم: ۱۳۹۴، ۱۳۹۵، البزار: ۴۲۵، ابن ماجة: ۱۴۰۹، الکامل لابن عدی: ۳۹۸/۳، مجمع الزوائد: ۱۰/۴.

۷۶۹: حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما نے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "میری اس مسجد میں نماز پڑھنے کا ثواب دیگر مساجد کے مقابلے میں ہزار گنا زیادہ ہے ماسوائے مسجد حرام کے، اس میں نماز پڑھنے کا ثواب میری اس مسجد میں نماز پڑھنے سے سو گنا زیادہ ہے۔" اسے احمد نے بیان کیا ہے اور ابن حبان نے صحیح کہا ہے۔

تشریح: علامہ ہیثمی نے رجال احمد اور رجال بزار کو رجال صحیح کہا ہے۔ البتہ امام احمد اور امام نسائی نے اس روایت کے ایک راوی حبیب پر نقد کیا ہے۔ لیکن راجح قول انہیں کا ہے، جنہوں نے اس کی توثیق کی ہے۔ اسی مفہوم کی احادیث حضرت میمونہ، حضرت ابوہریرہ اور حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہم سے بھی منقول ہیں۔ ان احادیث کو امام مسلم نے روایت کیا ہے مگر ان روایات میں مسجد حرام میں نماز پڑھنے کا ثواب مذکور نہیں، البتہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث میں مذکور ہے۔ اس حدیث کو علامہ ناصر الدین البانی نے صحیحین کی شرط کے مطابق قرار دیا ہے۔ حضرت ابودرداء رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا" مسجد حرام میں نماز پڑھنے کا ثواب ایک لاکھ نماز کے برابر ہے، میری مسجد میں نماز پڑھنے کا ثواب ایک ہزار نماز کے برابر ہے اور بیت المقدس میں نماز پڑھنے کا ثواب پانچ سو نماز کے برابر ہے۔ علامہ ہیثمی نے اگرچہ اس روایت کے جملہ رواۃ کو ثقہ قرار دیا ہے اور ساتھ ہی یہ بھی کہا ہے کہ بعض رواۃ پر کلام بھی ہے۔ حقیقت یہی ہے کہ سعید بن بشیر اور سعید بن سالم دونوں پر کلام ہے جس کی وجہ سے یہ حدیث ضعیف ہے۔

۶۔ بَابُ الْفَوَاتِ وَالْإِحْصَارِ حج سے رہ جانے اور روکے جانے کے مسائل

۷۷۰: عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رضی اللہ عنہما قَالَ قَدْ أُحْصِرَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ فَحَلَقَ وَجَامَعَ نِسَائَهُ, وَنَحَرَ هَدْيَهُ, حَتَّى اِعْتَمَرَ عَامًا قَابِلًا. رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ.

البخاری، کتاب المحصر، باب اذا احصر المعتمر: ۱۸۰۹، ۱۸۱۱، البیهقی: ۲۱۶/۵

۷۷۰: حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے منقول ہے کہ رسول اللہ ﷺ کو روک دیا گیا تو آپ ﷺ نے اپنا سر منڈوالیا، اپنی ازواج مطہرات سے تعلقات قائم کر لئے اور قربانی کر لی، پھر آپ ﷺ نے آئندہ سال عمرہ ادا فرمایا۔ (بخاری)

لغوی تحقیق: الفوات: فاء اور واؤ مفتوح، یعنی ایسا شخص جس نے حج یا عمرہ کا احرام باندھ لیا مگر وہ کسی وجہ سے عمرہ یا حج ادا نہ کر سکا۔

احصر: ہمزہ مضموم، حاء ساکن اور صاد مکسور، روک دیا گیا۔ **حلق:** سر منڈوالیا۔

تشریح: ترجمہ کرتے وقت حدیث کے الفاظ کی ترتیب کو پیش نظر رکھا گیا ہے، جبکہ آپ ﷺ کا عمل مذکورہ ترتیب سے نہیں تھا۔ یعنی آپ ﷺ نے قربانی کا عمل سر منڈوانے سے پہلے کیا تھا، جیسا کہ حضرت مسور بن مخرمہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، وہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے سر منڈوانے سے پہلے قربانی کی تھی، پھر آپ ﷺ نے اپنے صحابہ کو بھی ایسا ہی کرنے کا حکم فرمایا تھا۔ مجاہد سے مرسل روایت مروی ہے کہ آپ ﷺ نے اس درخت کے پاس قربانی کی تھی جس کے سایہ میں آپ ﷺ نے صحابہ سے بیعت لی تھی۔

فقہی احکام: (۱) عمرہ سے فراغت کے بعد بھی قربانی کی جا سکتی ہے۔ (۲) جس شخص کو حج یا عمرہ کرنے سے روک دیا گیا ہو اور اس کے پاس قربانی کا جانور ہو وہ اسے یوم النحر سے قبل ہی قربان کر دے۔ (۳) اس قسم کے حج اور عمرہ کی قضا حالات سازگار ہونے پر لازم ہو گی۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

۷۷۱: وَعَنْ عَائِشَةَ رضی اللہ عنہا قَالَتْ دَخَلَ النَّبِيُّ صلی اللہ علیہ وسلم عَلَى ضُبَاعَةَ بِنْتِ الزُّبَيْرِ بْنِ عَبْدِ الْمُطَّلِبِ رضی اللہ عنہا, فَقَالَتْ يَا رَسُولَ اللَّهِ! إِنِّي أُرِيدُ الْحَجَّ ,وَأَنَا شَاكِيَةٌ, فَقَالَ النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم "حُجِّي وَاشْتَرِطِي أَنَّ مَحَلِّي حَيْثُ حَبَسْتَنِي" مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ.

مسلم، کتاب الحج، باب جواز اشتراط المحرم:۱۲۰۷، ۱۲۰۸، البخاری: ۵۰۸۹، النسائی: ۵/ ۱۶۸، احمد: ۶/ ۱۶۴، ۶/ ۳۰۳، ۶/ ۴۱۹، ابن خزیمة: ۴/ ۱۶۴، الدارقطنی : ۲/ ۲۱۹، البیهقی: ۵/ ۲۲۱، الام: ۷/ ۱۹۰، ابوداود: ۱۷۷۶، المعجم الاوسط للطبرانی :۲۵۶۸

تنبیہ: مذکورہ الفاظ صحیح مسلم کے ہیں۔

۷۷۱: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ضباعہ بنت زبیر بن عبدالمطلب کے ہاں تشریف لائے تو اس نے عرض کیا، اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم! میں حج کرنا چاہتی ہوں اور میں بیمار ہوں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "اپنے حج کو اس شرط سے مشروط کرلے کہ میرے احرام کھولنے کا مقام وہی ہوگا جہاں (اے اللہ!) تو مجھے روک لے گا۔" (بخاری ومسلم)

لغوی تحقیق: شاکیة: بیمار۔ حجی: واحد مؤنث مخاطب کا صیغہ ہے، یعنی حج کا احرام باندھ لے۔ محلی: میم مفتوح اور حاء مکسور اور آخر میں یائے نسبت، یعنی میرے احرام کھولنے کا مقام۔

تشریح: زیر مطالعہ حدیث عروۃ بن زبیر سے موصولاً اور مرسل ہر دو طرح منقول ہے۔ امام شافعی نے اپنی معروف کتاب الام میں اس حدیث کو مرسل نقل کیا ہے۔ اور موصول روایت کے بارے میں عدم معرفت کا اظہار کیا ہے۔ امام عراقی نے موصول طرق پر عدم صحت کا حکم لگایا ہے۔ لیکن امام بیہقی نے اس حدیث کے متعدد موصول طرق جمع کیے ہیں اور امام نووی نے امام عراقی کا تعاقب کرتے ہوئے ان کے موقف کو مرجوع قرار دیا ہے۔

واضح رہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ حدیث صرف حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا ہی بیان نہیں کرتیں بلکہ حضرت ام سلمہ، حضرت عبداللہ بن عباس، حضرت ضباعہ اور حضرت جابر رضی اللہ عنہم نے بھی بیان کی ہے۔ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے مروی حدیث میں ہے کہ حضرت ضباعہ بنت زبیر رضی اللہ عنہا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور وہ اس وقت بیمار تھیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے فرمایا "کیا تم یہ سفر ہمارے ساتھ نہیں کرو گی؟" آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت حج الوداع ادا کرنے کا ارادہ رکھتے تھے، اس نے عرض کیا، یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! میں بیمار ہوں اور مجھے خدشہ ہے کہ میری بیماری مجھے راستے میں روک لے گی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "تم حج کا احرام باندھ لو اور کہو کہ اے اللہ! جہاں تو مجھے روک لے گا، وہیں میں احرام کھول دوں گی۔" حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی حدیث میں ہے کہ ضباعہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ ان کا جسم بھاری ہے اور وہ حج کرنا چاہتی ہے۔ حضرت ضباعہ اور حضرت جابر رضی اللہ عنہما سے مروی حدیث کے الفاظ بھی اس سے ملتے جلتے ہیں، تاہم حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی روایت حجاج بن نصیر کی وجہ سے ضعیف ہے۔

فقہی احکام: حج اور عمرہ کو مشروط کرنا درست ہے۔

۷۷۲: وَعَنْ عِكْرِمَةَ ,عَنِ الْحَجَّاجِ بْنِ عَمْرٍو الْأَنْصَارِيِّ رضی اللہ عنہ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صلی اللہ علیہ وسلم "مَنْ كُسِرَ ,أَوْ عُرِجَ ,فَقَدْ حَلَّ وَعَلَيْهِ الْحَجُّ مِنْ قَابِلٍ" قَالَ عِكْرِمَةُ فَسَأَلْتُ ابْنَ عَبَّاسٍ وَأَبَا هُرَيْرَةَ عَنْ ذَلِكَ؟ فَقَالَا صَدَقَ . رَوَاهُ الْخَمْسَةُ, وَحَسَّنَهُ التِّرْمِذِيُّ ، قَالَ مُصَنِّفُهُ حَافِظُ الْعَصْرِ قَاضِي الْقُضَاةِ أَبُو الْفَضْلِ أَحْمَدُ بْنُ عَلِيٍّ بْنِ حَجَرٍ الْكِنَانِيُّ الْعَسْقَلَانِيُّ

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

اَلْـمِـصْـرِيُّ أَبْقَاهُ اَللّٰهُ فِي خَيْرٍ، آخِرُ اَلْجُزْءِ اَلْأَوَّلِ وَهُوَ اَلنِّصْفُ مِنْ هٰذَا اَلْكِتَابِ اَلْمُبَارَكِ قَالَ وَكَانَ اَلْفَرَاغُ مِنْهُ فِي ثَـانِـي عَشَـرَ شَهْرِ رَبِيعِ اَلْأَوَّلِ سَنَةَ سَبْعٍ وَعِشْرِينَ وَثَمَانِمِائَةٍ ,وَهُـوَ آخِـرُ اَلْـعِبَادَاتِ يَتْلُوهُ فِي اَلْجُزْءِ اَلثَّانِي ،كِتَابُ اَلْبُيُـوعِ وَصَـلَّـى اَلـلّٰهُ عَلَى سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَآلِهِ وَصَحْبِهِ وَسَلَّمَ تَسْلِيمًا كَثِيرًا دَائِمًا أَبَدًا، غَفَرَ اَللّٰهُ لِكَاتِبِهِ ,وَلِوَالِدَيْهِ, وَلِكُلِّ اَلْمُسْلِمِينَ وَحَسْبُنَا اَللّٰهُ وَنِعْمَ اَلْوَكِيلُ.

ابوداود، کتاب المناسک، باب فی الاحصار: ۱۸۶۲، الترمذی: ۹۵۰، النسائی: ۱۹۸/۵، ابن ماجة: ۳۰۷۷، احمد: ۴۵۰/۳، الحاکم: ۶۴۲/۱، البیهقی: ۱۰۲۰۶، الدارمی: ۱۶/۲، الدارقطنی: ۲۹۸/۲، معرفة السنن والآثار: ۲۴۳/۴، مؤطا امام مالک: ۳۶۲/۱، شرح معانی الآثار: ۲۱۵/۲

۷۷۲: حضرت عکرمہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضرت حجاج بن عمرو انصاری رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "جس کا پاؤں توڑ دیا گیا یا وہ لنگڑا ہو گیا، بایں وجہ اس نے احرام کھول دیا، اس پر آئندہ سال حج لازمی ہے۔" حضرت عکرمہ رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ میں نے حضرت عبداللہ بن عباس اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہم سے اس حدیث کے بارے میں دریافت کیا تو انہوں نے فرمایا کہ اس نے سچ کہا ہے۔ اسے پانچوں نے روایت کیا ہے اور ترمذی نے اسے صحیح کہا ہے۔

لغوی تحقیق: عَـرَجَ: اس کے لغوی معنی اوپر اٹھنے اور بلند ہونے کے ہیں۔ لنگڑا پن میں چونکہ ٹانگ چھوٹی ہونے کی وجہ سے اوپر اٹھی ہوتی ہے اس لئے یہ مادہ لنگڑے پن کو ظاہر کرنے کیلئے بھی استعمال ہوتا ہے، یہ مادہ نصر ینصر اور سمع یسمع کے وزن پر مستعمل ہے۔ اگر ٹانگ میں پیدائشی لنگڑا پن ہو تو پھر عین کلمہ یعنی راء کو مکسور پڑھتے ہیں اور اگر کسی حادثہ کی وجہ سے لنگڑا پن آجائے تو پھر عین کلمہ یعنی راء کو مفتوح پڑھتے ہیں۔ حل: اس کیلئے احرام کھولنا درست ہو گیا۔

تشریح: مذکورہ بالا تینوں احادیث سے یہ ثابت ہوا کہ تین عوارض کی وجہ سے حج یا عمرہ کا احرام قبل از وقت کھولا جا سکتا ہے۔ (۱) احصار (روکے جانے) کی وجہ سے، یہ احصار خواہ کسی بھی رکاوٹ کی وجہ سے ہو۔ (۲) محرم نے احرام باندھتے وقت اپنے احرام کو مشروط کر لیا ہو، اور جب وہ شرط ظہور پذیر ہو جائے تو وہ احرام کھول لے۔ (۳) محرم کو کوئی ناگہانی عارضہ پیش آجائے جس کی وجہ سے اس کیلئے بیت اللہ کی طرف سفر کرنا ممکن نہ رہے تو ایسی صورت میں بھی اسے قبل از وقت احرام کھولنے کی اجازت ہے۔ البتہ احصار کے علاوہ اگر دیگر مانع امور حائل ہو جائیں تو پھر محرم کو کیا کرنا چاہیے؟ اس بارے میں صحابہ رضوان اللہ علیہم سے جو آثار منقول ہیں ان کا خلاصہ یہ ہے کہ اگر اس کا احرام عمرہ کی نیت سے تھا تو وہ اپنا سفر روک دے اور علاج معالجہ کروانے کے بعد بیت اللہ کی طرف دوبارہ سفر شروع کرے اور عمرہ مکمل کر کے احرام کھول دے۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہما کا کہنا ہے کہ وہ عمرہ کا احرام کھول دے اور صحت یاب ہونے کے بعد عمرہ کرے۔ اگر اس کا احرام حج کا تھا تو پھر وہ اپنے احرام کو عمرہ کے احرام میں تبدیل کر لے، عمرہ کرنے کے بعد احرام کھول دے اور آئندہ سال حج کرے۔

بحمداللہ پہلی جلد مکمل ہوئی۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

ادارہ تفہیم الکتاب والسنہ کی ترجیحات

نئی نسل میں دین شناسی کا جذبہ بیدار کرنے کیلئے

حفظ القرآن + ہشتم تا میٹرک (سائنس) کلاسز کا اجراء (مفت تعلیم)

شائقین مطالعہ سے نصف اشاعت فنڈ کے عوض ادارہ ھذا کی مطبوعات مہیا کرنا۔

مختلف مقامات پر فہم قرآن کورسز کا اجراء

مرضِ الحاد میں مبتلا نوجوانوں کی اصلاح کیلئے تربیتی مجالس کا انعقاد۔

کتاب وسنت کی ترویج واشاعت کو علی منہج النبوہ فروغ دینا۔

آیئے! اس کار خیر میں محمدی کارواں کے ساتھ شریک سفر ہو کر اصل منزل تک پہنچنے کی سعی جمیلہ کریں۔

الداعی الی الخیر: **حافظ عبد اللہ جواد**

مدیر ادارہ تفہیم الکتاب والسنۃ

ادارہ تفہیم الکتاب والسنہ

جامع مسجد ابراہیم اہلحدیث کہکشاں کالونی نمبر 2 بلاک A گلی نمبر 7، فیصل آباد